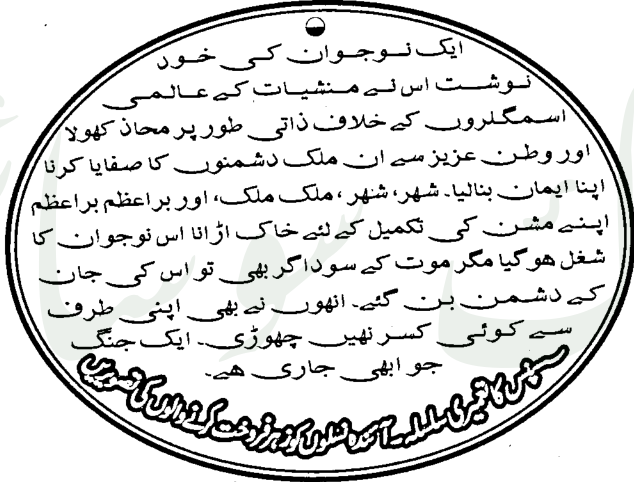

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
حصہ 15
www.paksociety.com

موت کے سوداگر

اقلیم علیم



"ہوسکتا ہے کہ وہ میری وجہ سے ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہو کر ایسی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا رہا ہو۔ میں نے اس کی بات پورے دھیان سے سنی تھی لیکن اس وقت پاس ذہن میں ڈینی کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں اس سے غیر ضروری باتیں کر کے اپنے فرائض منصبی سے بے مقصد انحراف نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا مگر اس کا یہ سوال میرے ذہن میں بیٹھ چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس پر کام شروع کر دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تم ڈینی کے سوال کا جواب حاصل کر چکے ہو؟"

"نہیں!" میرے لیے اول خان کا جواب مایوس کن ثابت ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا "میونسپل ریفرنس لائبریری بند ہو چکی ہے۔ میں اپنے دوست کے گھر کے فون نمبر سے لاعلم ہوں۔ میرا بدن تیز بخار میں پھنک رہا ہے اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے ناچ رہے ہیں۔ میں پاک کالونی میں اپنے دوست کے گھر خود تو پہنچ سکتا ہوں مگر اس کے پتے سے واقف نہیں ہوں۔ اس وقت میری بیماری میرے پیروں کی زنجیر بن گئی ہے مگر پھر بھی میں نے اپنی سی ساری کوششیں کی ہیں۔ یہ ان ہی کا نتیجہ ہے کہ کچھ لوگ ڈینی سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہیروئن کا مالی زہر ایک بار پھر ہمارے اہم قومی منصوبے کی جڑوں میں سرایت ہونے والا ہے۔ اس وقت ڈینی کو اشتعال اور غصے کے بجائے تحمل سے کام لینا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ باتیں تم ہی اس کے دماغ میں بٹھا سکتے ہو۔ وہ تمہاری بات نہیں ٹالے گا۔"

"اگر یہ اُس کی ضد ہے تو میں اپنی ہار مانتا ہوں۔ اسے فون پر بلالو" اول خان کی آواز پر نقاہت غالب آگئی۔

میرے ریسیور میں ماؤتھ پیس نہیں تھا۔ میں نے وہ غزالہ کو تھما دیا اور پلٹ کر سلطان شاہ سے ریسیور لے لیا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں وہ فقرہ ادا کیا تو مجھے خود ہی اپنی آواز اجنبی معلوم ہو رہی تھی لیکن اول خان کے دماغ میں سمائے ہوئے فرض شناسی کے بھوت کو اتارنے کے لیے میرا وہ رویّہ ناگزیر تھا۔

"سنا ہے کہ تم مجھ سے بہت ناراض ہو..... شاید تمہاری یہ خفگی بجا ہے۔ میں اپنی کسی بھی غلطی پر تم سے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے اب تک جو کچھ کیا وہ میرے اور تمہارے مفاد میں تھا..."

"اس تمہید کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک ذمّے دار افسر ہو۔ تمہیں قاتلوں اور مجرموں سے دور ہی رہنا چاہیے۔ آگ اور تیل یک جا ہو جائیں تو سب کچھ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے اپنی احتیاط کو خیرباد کہہ کر مجھے فون پر کیوں بلایا ہے۔" میں اُس کی بات کاٹ کر بے رحمی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہی چلا گیا۔ اول خان نے بھی مجھے ٹوکنے یا روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی" میرے خاموش ہونے پر اوّل خان بولا تو اس کی آواز رُندھی ہوئی تھی "میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا مداح ہوں۔ میں نے تمہیں قاتل اور مجرم تو کیا' کبھی برا بھی نہیں سمجھا لیکن میں اپنے فرض سے مجبور ہوں۔ میں اپنی کلائیاں توڑنے کی ہمت نہیں رکھتا اور نہ اپنے ہاتھوں سے تمہیں ہتھکڑیاں لگا سکتا ہوں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنی ملازمت پر بحال کر کے تمہاری گرفتاری پر مامور کر دیا گیا ہے۔ میں اس کڑے امتحان میں سرخ رُو رہنا چاہتا تھا۔ اپنے فرض سے منہ موڑے بغیر دوستی نبھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن تم نے اس وقت میرا پندار توڑ دیا۔ تمہاری ضد کی وجہ سے میں تم سے بات کر رہا ہوں ورنہ اس وقت بھی حالات جوں کے توں ہیں۔"

"میں تمہاری دل آزاری پر معافی چاہتا ہوں۔ یہ باتیں بعد میں ہو سکتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں کوئی گرم جوشی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"کے نائن کے سلسلے میں آج رات کچھ لوگ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"وہ کون ہیں اور مجھ سے کہاں ملنا چاہتے ہیں؟" میں نے اسی لب و لہجے میں پوچھا۔

"وہ ذمے دار لوگ ہیں اور تمہارے گھر پر آئیں گے" اول خان نے کہا "غازی ان کا پاس ورڈ ہو گا۔"

پاس ورڈ کا ذکر آتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا اور میں نے سختی سے کہا "میں کسی پاس ورڈ کو نہیں مانتا۔ تم ان کے ساتھ موجود ہوئے تو میرے گھر کے دروازے کھل جائیں گے ورنہ انہیں دروازے سے لوٹا دیا جائے گا۔"

"یہ مصلحت اور مجبوری ہے.... میں ان کے ساتھ نہیں آسکتا" اس نے مجھے سمجھانا چاہا "تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میرے گرد کیسا بھیانک جال بُنا ہوا ہے۔ میں اتنی پیش رفت میں صرف اس لیے کامیاب ہو سکا کہ بیماری کی وجہ سے گھر میں پڑا ہوا ہوں۔ اس حالت میں' میں خود بھی گھر سے نہیں نکلنا چاہتا۔"

"یہ کیسے ذمے دار افراد ہیں جو مجھ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں لیکن مصلحتوں اور مجبوریوں کے جال نہیں توڑ سکتے۔ جو لوگ تمہیں سازشوں کا ایندھن بننے سے نہیں بچا سکتے' وہ راس المیڈا سے کس بل بوتے پر ٹکر لینا چاہ رہے ہیں۔ تمہارے بغیر کوئی بھی ادھر آیا تو مایوس ہو کر لوٹے گا۔ تم راستے کا کوئی بے نام پتھر نہیں ہو جسے ہر شخص ٹھوکریں مار کر اِدھر اُدھر لڑھکاتا رہے۔ کے نائن کے سلسلے میں ہم چاروں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں اور میں نے اس کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ کوئی اور ہمارے ساتھ آنا چاہتا ہے تو میری پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تمہارا وقار بحال کرانے کے بعد آئے۔ میں چوروں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس کر بے بس ہو جانے والوں سے رتی برابر بھی تعاون نہیں کروں گا۔"

"تم بے لگام ہو رہے ہو" اول خان نے مجھے تنبیہہ کی۔ "تمہارے پاس آنے والے میرے مسائل کے ذمے دار نہیں ہیں۔ وہ الگ ہی کہانی ہے۔ یہ لوگ ہمارے ہمدرد اور ہم نوا ہیں۔ تمہاری عزت کرتے ہیں۔ تم نے اس ملک کو ہیروئن فروشوں کی بھیانک اور نت نئی سازشوں سے بچانے کے لیے جو بھرپور کردار ادا کیا ہے اس کا احترام کرتے ہیں۔ انہوں نے میری باتوں کو اہمیت دی ہے۔ ان ہی اسباب کی بنا پر وہ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"کے نائن کی طرح تمہارا مسئلہ بھی میری نظروں میں بہت اہم ہے" میں نے کہا "اسے صرف اول خان کا مسئلہ مت سمجھو۔ یہ پاکستان کے ہر درد مند' حسّاس اور فرض شناس شہری کا مسئلہ ہے۔ کب تک اچھے لوگوں کے گلے میں شکوک و شبہات کے طوق ڈال کر ان کی پیش قدمی کے راستے مسدود کیے جائیں گے؟ کچھ لوگوں نے اپنی کرسیاں بچانے کے لیے تم کو راس المیڈا کے مفادات کا آلۂ کار بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ کیا یہ ذلت اور بے ضمیری کی انتہا نہیں ہے کہ تم غلط بات کو صحیح اور صحیح بات کو بالکل غلط کہنے پر مجبور کر دیئے گئے ہو؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان کی دھیمی اور پُر تشویش آواز ابھری "میں نے اپنے معاملے پر اس زاویے سے سوچا ہی نہیں تھا..... اسپیشل ٹاسک فورس کو البرٹو و یلیسا جیسے غداروں سے پاک کیا جا چکا ہے تو پھر ایسے مصلحت آمیز فیصلوں کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ آج میں عتاب میں ہوں' کل دوسروں کے ساتھ بھی ایسی ہی کہانیاں دہرائی جا سکتی ہیں۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اپنے دوستوں سے تمہاری اور کے نائن کی باتیں کیں لیکن اپنی مجبوریوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے ساتھ لے کر تمہارے گھر آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن میں نے خود ہی شدید علالت کا بہانہ کر کے ان سے معذرت کر لی۔ یہ میرا مزاج نہیں ہے۔ مجھے چار کندھوں پر سوار ہو کر اسٹریچر پر بھی آنا پڑا تو میں ضرور آؤں گا۔ اگر کے نائن مشن کا تعلق ایٹمی بجلی گھر سے ہی ہے تو میں دور رہ کر تماشا نہیں دیکھ سکتا۔ میں آؤں گا اور ضرور آؤں گا۔ اس وقت تم نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ شاید ہماری صفوں میں البرٹو و یلیسا کے بعد بھی کوئی کالی بھیڑ باقی رہ گئی ہے۔ راس المیڈا کا سر توڑنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کی بھی سرکوبی کرنی پڑے گی۔"

"اپنے دوستوں سے دوبارہ بات کرو۔ میں تمہارے پیغام کا منتظر رہوں گا۔" میں نے کہا۔

"مجھے اب بات کھول ہی دینی چاہیے۔ وہ ملٹری سیکرٹ سروس والے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اندر کی ٹیڑھی کہانیوں سے باخبر ہوتے ہی وہ ہر خرابی کو سختی سے کچل دیں گے۔ غزالہ سے کہہ دینا کہ میں تم لوگوں کی طرف آیا تو اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے ضرور پیوں گا۔ وہ چائے بہت اچھی بناتی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ یہاں تمہیں چائے کے ساتھ بہت کچھ تیار ملے گا۔ اور ہاں' اب تمہاری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنی شروع ہو گئی ہے تو ایک کام اور کرا دو ورنہ مجھے کل صبح تک انتظار کا عذاب سہنا پڑے گا۔"

"اس وقت تم نے اپنی زہر میں بجھی ہوئی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے۔ جو کہو گے' وہ کر گزروں گا۔"

"یہ ایک فون نمبر ہے" میں نے بلیک ہاک کا فون نمبر بتانے کے بعد کہا "مجھے پتا درکار ہے۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں.... کہیں یہ اس یہودی دہشت گرد کا نمبر تو نہیں ہے؟"

"وہ بھی جلد ہی گرفت میں آجائے گا۔ یہ نمبر اُس کا نہیں ہے" میں نے گول مول جواب دیا۔

"بعض اوقات آپ کمال کر دیتے ہیں" فون کا سلسلہ منقطع ہونے پر غزالہ والہانہ خوشی سے بولی "آپ نے جس تیکھے اور خشک انداز میں گفتگو کا آغاز کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ آج آپ اوّل خان سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کرنے کا تکلیف دہ فیصلہ کر چکے ہیں لیکن ان مذاکرات کا آخری نتیجہ حیران کن ثابت ہوا۔"

"مجھے خود بھی امید نہیں تھی کہ ایس ٹی ایف کے سخت ڈسپلن میں جکڑا ہوا ذہن اتنی آسانی سے آزاد روی پر آمادہ ہو جائے گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "آنے والی رات ایس ٹی ایف میں تطہیر کی رات ثابت ہو گی۔"

"یہ سب ہو رہا ہے اور پھر بھی تم مجھے گھِسنے کی کوشش کرتے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کوئی سرکاری تنظیم نہیں ہے۔" ویرا نے تیرے انسٹرومنٹ پر میرے اور اول خان کے مذاکرات سنے تھے اس لیے اس کا برہم ہونا فطری تھا "اگر وہ سرکاری ادارہ نہیں ہے تو ملٹری سیکرٹ سروس والے کیا کر سکیں گے؟"

"آئین اور قانون کے سہارے پروان چڑھنے والے ریاستی اداروں کی طاقت لرزہ خیز ہوتی ہے۔ یہ آہنی ہاتھ جس پر بھی پڑ جائیں' اس کے سارے کس بل نکال دیتے ہیں۔ ریاستی ادارے ایس ٹی ایف کے وجود سے بے خبر نہیں ہیں۔ اب وہ چشم پوشی کرنے کے بجائے بگڑے ہوئے معاملات کی گرفت کریں گے تو خاصی دلچسپ کہانیاں سامنے آئیں گی۔"

بمشکل بیس منٹ بعد اول خان کا دوسرا فون آگیا۔ مجھے فون نمبر کے ابتدائی ہندسوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ بلیک ہاک ڈیفنس کے علاقے میں رہ رہا تھا۔ اول خان نے میرے اس اندازے کی توثیق کر دی۔ اس نے بلیک ہاک کے گھر کا پتا لکھوانے کے بعد یہ خوش خبری بھی سنائی کہ اس نے ملٹری سیکرٹ سروس والوں سے بات کر لی تھی۔ انہوں نے اسلام آباد میں گیری ہارٹ کی سرگرمیوں اور بعض ناروا فیصلوں کے خلاف فوری چھان بین شروع کرانے کا وعدہ کرتے ہوئے اول خان کو اپنے ساتھ میرے پاس لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس ٹیم کے سربراہ کو اسلام آباد سے کراچی پہنچنا تھا اس لیے مجوزہ ملاقات کا وقت آٹھ بجے شب رکھا گیا تھا۔

"کراچی میں ہمیشہ غیر ملکیوں کی بھاری تعداد رہتی رہی ہے۔" اول خان کی دوسری کال کے بارے میں تبادلۂ خیال ختم ہونے کے بعد ویرا نے کریدنے والے انداز میں کہا "پی ای سی ایچ ایس اور اس سے ملحقہ علاقوں کے ساتھ ساتھ باتھ آئی لینڈ وغیرہ ان کے پسندیدہ رہائشی علاقے ہوا کرتے تھے لیکن اب جو بھی باہر سے آتا

ہے، سیدھا ڈیفنس کا رخ کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیفنس رفتہ رفتہ غیر ملکیوں کا مخصوص اور مرغوب علاقہ بن جائے گا۔ اس رجحان کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟"

"وہاں جدید ترین سہولتوں سے آراستہ خوب صورت، آرام دہ اور بڑے مکانات کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے" میں نے کہا "یہاں ڈالروں کے حساب سے کرائے بہت کم ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کے معمولات میں دخل انداز ہوئے بغیر اپنی اپنی دنیا میں مگن رہنے کے عادی ہیں۔ علاقہ صاف ستھرا اور مکین خوش حال ہیں۔ یہی اسباب ہیں جو غیر ملکیوں کے لیے پُرکشش اور اہم ثابت ہوتے ہیں۔"

"تو پھر اب بلیک ہاک کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے" ویرا نے پوچھا۔

"اس وقت پانچ بجنے والے ہیں" میں نے اپنی رِسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "ہمارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ اس وقفے میں بلیک ہاک کے ٹھکانے کا ایک چکر لگایا جا سکتا ہے لیکن وہاں کوئی اور کھیل شروع ہو گیا تو ہم مقررہ وقت پر یہاں واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ یہ کام بعد میں ہی ٹھیک رہے گا۔"

میں نے ویرا کو تو جواب دے کر خاموش کر دیا لیکن میرا ذہن بلیک ہاک ہی میں الجھا رہا۔ گیری ہارٹ، اگر کے نائن سے بے خبر نہیں تو بہت زیادہ باخبر بھی نہیں تھا۔ میں راس المیڈا کی زبانی سن چکا تھا کہ اسے کے نائن سے الگ ہی رکھا جا رہا تھا۔ ایسی صورت میں صرف چار افراد باقی رہ جاتے تھے جن پر ہاتھ ڈال کر کے نائن مشن کے بارے میں اہم معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔

ان میں سے راس المیڈا، گرے ہاک اور وائٹ ہاک کے ٹھکانے نامعلوم تھے، صرف بلیک ہاک میرے سامنے تھا۔

میں فلیٹ کی بند اور محدود فضا سے اکتا کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر کشادہ اور ہوادار بالکونی میں جا بیٹھا جہاں نادرہ نے مکینوں کی ہوا خوری کے لیے دو آرام دہ کرسیوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز کا بندوبست بھی کیا ہوا تھا۔

"آپ کچھ فکرمند نظر آ رہے ہیں" چند ثانیوں بعد غزالہ نے وہاں پہنچ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں فکرمند نہ ہونا حیران کن ہوگا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ وقت برباد کرنے کے بجائے بلیک ہاک کے مکان کا ایک چکر لگا ہی لیا جائے۔ وہاں کوئی بات بن گئی تو آٹھ بجے کی میٹنگ نتیجہ خیز ثابت ہو سکے گی ورنہ معاملہ نشستند و گفتند و برخاستند سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔"

"تو کیا وہ لوگ بلاوجہ ہی یہاں تک دوڑ لگا رہے ہیں؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمیں بہت کچھ معلوم ہے، وہ لوگ اندھیرے میں ہیں۔ یہاں آ کر وہ ہماری کہانی سنیں گے اور ممکنہ سوالات وغیرہ کرنے کے بعد اپنا ایک خاکہ مرتب کریں گے لیکن میرا اکلوتا سوال ابھی تک جواب سے محروم ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کینوپ کا اہم منصوبہ کے نائن میں شامل ہے یا نہیں۔"

"میری دانست میں اب یہ ایک رسمی سا سوال رہ گیا ہے۔ میلوں لمبے اس ساحل پر ایٹمی بجلی گھر کے سوا کوئی اور اہم منصوبہ موجود نہیں ہے۔ راس المیڈا اور اس کے آدمیوں کو ویران ریتیلے ساحل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"تخلیے میں کیا ہو رہا ہے؟" اسی لمحے سلطان شاہ نے اندر سے ہانک لگائی "اجازت ہو تو میں بھی اندر آ جاؤں؟"

"آ جاؤ!" میں نے دروازے کی طرف منہ کر کے جواب دیا۔ "یہاں نابالغوں سے کوئی پردہ نہیں ہے۔"

وہ برے برے سے منہ بناتا ہوا، ہماری خواب گاہ سے گزر کر برآمدے میں آ گیا۔

غزالہ نے اس کے لیے اپنی کرسی خالی کر دی۔ سلطان شاہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مغموم لہجے میں بولا "تم بیٹھ جاؤ۔ یہ نادرہ کا فلیٹ ہے۔ اس نے یہاں کا حساب کتاب اپنی سوچ کے مطابق رکھا ہوا ہے۔ ان دو میں سے ایک کرسی مردانہ ہے اور دوسری زنانہ۔ دونوں پر ایک ہی جنس کے افراد براجمان ہو گئے تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"جب سے تم نے نادرہ کو اسٹیشن پہنچایا ہے، وہ مسلسل تمہارے ذہن سے چپکی ہوئی ہے" میں نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم اسی کے کرائے دار ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ نرم دلی کا مظاہرہ نہ کرتی تو ہم اس وقت پورے شہر میں دردر کی خاک چھانتے پھر رہے ہوتے.... تم لوگوں نے آخر میں اس کے ساتھ جو سنگ دلانہ سلوک کیا تھا، میں اسے مشکل ہی سے بھول سکوں گا۔ وہ ایسی زیادتی کی مستحق نہیں تھی۔"

"میں تم سے اپنے اس سلوک کی معافی چاہتی ہوں" غزالہ نے جلدی سے کہا "صحیح یا غلط۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ نادرہ اس وقت رحیم یار خان میں مزے کر رہی ہوگی۔ اب اس کا ذکر بے سود ہے۔"

"آؤ!" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر سلطان شاہ کو دعوت دی "ہم ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔"

"کہاں؟" اس نے بھاڑ سا منہ کھول کر حیرت سے پوچھا۔

"بس میرے ساتھ چلے آؤ۔ کالے عقاب کا گھونسلا دیکھ کر آتے ہیں۔"

وہ خوش ہو گیا۔ میرے اس پروگرام پر ویرا نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا لیکن یہ تاکید ضرور کر دی کہ میں دور ہی دور سے اس کا گھر دیکھ آؤں۔ اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کی ابتدا نہ کروں۔

فلیٹ سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے حیف طرے سے چھینا ہوا اپرٹس ویرا کی تحویل میں دے دیا۔ وہ ایسے شعبدوں کے استعمال

سے بہ خوبی واقف تھی۔ اسے امید تھی کہ رات ہونے تک اس پر کوئی نہ کوئی پیغام ضرور سنا جا سکے گا۔

سلطان شاہ نے نیچے پہنچ کر گیراج سے گاڑی نکالی اور ہم دونوں خاموشی سے اپنی نئی مہم پر روانہ ہو گئے۔ سن سیٹ بلیوارڈ کے تقریباً آخری سرے پر سلطان شاہ نے کار دائیں طرف موڑلی کیونکہ ہمیں فیز نمبر دو میں ڈیفنس کلب کے قرب وجوار میں ہی جانا تھا۔

اس علاقے میں سڑکوں اور گلیوں میں کسی سے رہنمائی کی امید نہیں تھی اس لیے میں دن کے اجالے کا فائدہ اٹھا کر احاطوں پر لگی ہوئی نیم پلیٹوں پر مکانات کے نمبر پڑھ سلطان شاہ کو راستوں کے بارے میں ہدایات دیتا رہا اور آخر کار ہم کو اپنی منزل بہت قریب محسوس ہونے لگی۔

سلطان شاہ نے کار کی رفتار بہت دھیمی کر لی۔ وہ علاقہ خاصا سرسبز اور رچا بسا نظر آ رہا تھا۔ سڑک پر اِکّا دُکّا افراد ہی نظر آ رہے تھے لیکن پھر بھی وہاں ویرانی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ آخر ہم اس مکان کے سامنے پہنچ گئے جس کا نمبر اول خان نے دیا تھا۔ مکان کے بند پھاٹک کے باہر ایک تنومند چوکیدار مستعد انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ ذیلی کھڑکی کے کھلے ہوئے حصے میں سے مجھے احاطے میں بند باڈی والے ایک ٹرک کی جھلک نظر آئی جس کا منہ پھاٹک کی طرف تھا۔ وہاں اِکّا دُکّا افراد بھی موجود تھے۔

رینگتی ہوئی گاڑی میں سے مَیں بس اسی قدر دیکھ سکا اور ایک اندیشے سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ بلیک ہاک کی کمین گاہ میں ٹرک کی موجودگی کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ وہ وہاں سے کوچ کر رہا تھا۔

"اس مکان میں گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے" آگے چل کر گاڑی کو ایک بغلی سڑک پر موڑتے ہوئے سلطان شاہ بڑبڑایا "وہ مجھے کسی ائرلائن کا بند کارگو ٹرک معلوم ہو رہا تھا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" میں نے بے ساختہ پوچھا "مجھے تو اس ٹرک پر کسی ائرلائن کا نام یا نشان نظر نہیں آیا۔"

"نشان وغیرہ تو مجھے بھی نظر نہیں آیا بس اس پر نگاہ پڑتے ہی ائرپورٹ کے ایپرن پر دوڑنے والے ٹرک یاد آ گئے تھے۔ اس کے قریب کچھ نقل و حرکت بھی ہو رہی تھی" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ اس گھر سے نہیں بلکہ شہر سے ہی رختِ سفر باندھ رہا ہے" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا "اگر ہم نے دوبارہ ادھر کا چکر لگایا تو باہر کھڑے ہوئے چوکیدار کی عقابی نظروں سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"دوبارہ ادھر جانا مناسب نہیں ہوگا۔ مشتبہ کار کی موجودگی کی خبر پاتے ہی بلیک ہاک چوکنا ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم بھٹک رہے ہیں" چند ثانیوں کے غور کے بعد میں نے چونک کر کہا۔

"یہ تم اپنے بارے میں کہہ سکتے ہو۔ میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں" وہ بے پروائی سے بولا۔

"بے احمق! وہ امریکا سے آیا ہوا ہے، کوئی مقامی نہیں ہے۔ اسے نقل مکانی کے لیے اتنے بڑے ٹرک کی کیا ضرورت ہے؟! ایک سوٹ کیس اور زیادہ سے زیادہ ایک بریف کیس اٹھا کر کہیں بھی جا سکتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ خفت اور قدرے حیرت سے بولا۔

"اس ٹرک میں وہاں یقیناً کسی قسم کا ساز و سامان آیا ہے جو پوری رازداری سے اتارا جا رہا ہے۔"

"ہیروئن سے بھرا ہوا ٹرک تو نہیں ہو سکتا" وہ بے اعتباری سے بڑبڑایا۔

"ہیروئن سے بھرا ہوا ایک بریف کیس بھی لاکھوں ڈالر کی مالیت رکھتا ہے۔ یہ یقیناً کوئی بھاری سامان ہے جس کی رازدارانہ نقل و حرکت کے لیے بند آہنی باڈی والے ٹرک کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔"

"یہ کیسے پتا چلے کہ ٹرک کچھ لے کر آیا ہے یا یہاں سے لے جا رہا ہے؟" وہ متفکر نظر آنے لگا تھا۔

"ہمیں تھوڑا سا وقت برباد کرنا پڑے گا" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہمیں کسی ایسی جگہ رکنا چاہیے جہاں سے ہم بلیک ہاک کے مکان پر نگاہ رکھ سکیں اور پھر ٹرک کے باہر نکلتے ہی اس کے پیچھے لگ جائیں۔ ٹرک کی کمانیوں کا جھکاؤ لمحہ بھر میں پوری پوزیشن واضح کر دے گا۔ خالی ٹرک دور سے پہچانا جاتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے گاڑی گھماتے ہوئے کہا۔ "اس طرح ہم ٹرک کا نمبر اور نام و نشان بھی دیکھ سکیں گے۔ اگر ٹرک کا تعاقب کیا جائے تو اس کی منزل کا سراغ بھی لگایا جا سکتا ہے۔"

"دیکھنا ہوگا" میں نے رِسٹ واچ میں وقت دیکھ کر مضطربانہ لہجے میں کہا "ہمیں ہر حال میں آٹھ بجے سے پہلے فلیٹ پر واپس پہنچنا ہے۔ ٹرک جلد نکل آیا تو اس کا پیچھا بھی کر لیں گے۔"

بلیک ہاک کے گھر کے آگے سے ہو کر آنے والی سڑک جس مقام پر ایک سہ راہے سے مل رہی تھی، وہاں داہنی طرف علاقے کو پانی فراہم کرنے والا پمپ ہاؤس اور کنکریٹ کا بہت بلند اوور ہیڈ ٹینک موجود تھا۔ اس وقت ٹینک کے سائے میں دو مزدور نما افراد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

سلطان شاہ نے اسی سایہ دار مقام پر گاڑی اس طرح کھڑی کی کہ بلیک ہاک کے گھر کی طرف جانے والی سڑک دور تک صاف نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ نے انجن بند کر کے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے سگریٹ سلگا لی۔ وہاں ہم پر کسی قسم کا شک و شبہ

نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دیکھنے والے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے کہ کوئی ڈرائیور اپنے مالک کی لاعلمی میں وہاں رک کر اپنے کسی دوست سے گپ شپ لڑا رہا ہے۔

انتظار کے لمحات شروع ہوتے ہی وقت کی رفتار گویا یک لخت سست پڑ گئی۔ سورج دھیمے دھیمے مغرب کی طرف جھکتا جارہا تھا۔ بلند و بالا ٹینک اور درختوں کے سائے دراز ہوتے جارہے تھے۔

بے کاری اور صبر آزما انتظار میں وقت گزارنے کے لیے ہمارے پاس بے سروپا باتیں کرنے کے سوا کچھ نہیں رہا تھا۔ چھ بجے تک ہم دونوں پر بھرپور بیزاری حملہ آور ہوچکی تھی۔ سلطان شاہ بار بار منہ پھاڑ کر جمائیاں لے رہا تھا۔ اسے چائے کی شدید طلب نے ستایا ہوا تھا۔

"سبزے کی وجہ سے ابھی سے فضا میں مچھر منڈلانے لگے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد ان کے غول ہمارے اوپر حملہ آور ہوجائیں گے۔ آخر ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے؟"

"کم از کم ساڑھے سات بجے تک" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنادیا "مچھروں سے خوف آرہا ہے تو گاڑی کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرلو۔ میں تمہاری سہل پسندی کی وجہ سے ہاتھ آیا ہوا ایک موقع نہیں گنوا سکتا۔"

"سہل پسندی!" اس نے احتجاج کیا "شاید تمہیں علم نہیں کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود کا قاتل ایک مچھر ہی تھا جو اس کی ناک کے راستے دماغ میں گھس گیا تھا۔"

"اس کے پاس دماغ تھا اس لیے وہ مرگیا۔ تمہاری بالائی منزل خالی ہے، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دو چکر کاٹ کر مچھر خود ہی باہر نکل آئے گا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ ہر کام اپنی سہولت کے مطابق کریں گے۔" میرے مصنوعی اطمینان پر وہ جھلا گیا "ہوسکتا ہے کہ لوڈنگ یا اَن لوڈنگ کے بعد وہ ٹرک وہیں کھڑا رہے اور عملے کے آدمی آرام کرنے چلے جائیں۔ وہ رات گہری ہونے کے بعد ڈیڑھ دو بجے بھی نکل سکتے ہیں۔"

"ہونے کو تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سرے سے رات ہی نہ ہو۔ سورج ڈوبتے ڈوبتے اچانک اوپر آنا شروع کردے اور ہر طرف تیز اجالا پھیلتا چلا جائے.... امکانات میں الجھ کر تم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکا رہے ہو۔ ہم ہر قیمت پر ساڑھے سات بجے واپس لوٹ جائیں گے۔ اس وقت تک ٹرک باہر نہ نکلا تو ہم میٹنگ سے فارغ ہوکر دوبارہ ادھر آئیں گے۔ ایک کلیو سامنے آیا ہے تو ہم اسے نظرانداز نہیں کریں گے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "اپنی تو رات کالی ہوتی نظر آرہی ہے۔"

"رات ہوتی ہی کالی ہے، مزید کیا کالی ہوگی؟" میں نے ہولے سے اس کے بال اپنی مٹھی میں پکڑ کر کہا "اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ ہم نے اتنا وقت گزار لیا ہے۔ اب واپسی میں صرف ڈیڑھ گھنٹا باقی رہ گیا ہے۔ ضرورت پڑی تو دوبارہ میں اکیلا ہی آجاؤں گا، تمہیں زحمت نہیں دوں گا۔"

اس روز قدرت بھی ہمارے صبر و تحمل کا پورا پورا امتحان لینے پر تُلی ہوئی تھی۔ سات بج کر تین منٹ پر دیواروں کی دور تک پھیلی ہوئی قطار میں سے وہ ٹرک رینگتا ہوا نمودار ہوا پھر اس کا رخ ہماری طرف ہوگیا۔

سلطان شاہ نے اپنی طرف کا دروازہ بند کرکے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو وہاں سے دور لیتا چلا گیا تاکہ ٹرک والوں کو ہماری پہلے سے وہاں موجودگی کا علم نہ ہوسکے۔

ٹرک کے انجن کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ خالی نہیں تھا بلکہ بلیک ہاک کے ٹھکانے سے کسی نامعلوم منزل کے لیے کچھ ساز و سامان لے کر جارہا تھا۔

سڑک کے اختتام پر آکر وہ ٹرک بائیں طرف گھوما تو اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں اس کی آہنی باڈی کا رنگ اور اس پر بنا ہوا مونوگرام سلطان شاہ کے اولین اندازے کی پوری پوری تائید کررہا تھا۔ وہ کراچی کے راستے آپریٹ کرنے والی ایک معروف غیر ملکی ایئرلائن کا کارگو ٹرک تھا جس کے اگلے حصے میں تین چہرے نظر آرہے تھے۔

میں نے ٹرک کا رجسٹریشن نمبر سگریٹ کے پیکٹ پر نوٹ کرلیا اور سلطان شاہ نے گاڑی ٹرک کے پیچھے لگادی۔

شہر کے اس مہنگے رہائشی علاقے کی سڑکیں دوسرے علاقوں سے بدرجہا بہتر ہیں لیکن ہموار نہیں ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سڑکیں بنانے والے مقامی ادارے اور ٹھیکیدار اپنے مخصوص مالی مفادات کی وجہ سے اس اہم پہلو کو نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت سڑک کی اس خامی سے پیدا ہونے والے ٹرک کے ہچکولوں نے میری خاصی رہنمائی کی اور میں نے بھانپ لیا کہ ٹرک خالی نہ ہونے کے باوجود بہت زیادہ وزن نہیں لے جارہا تھا۔

ٹرک کی رفتار خاصی کم تھی۔ ڈیفنس کی متمول آبادی سے کورنگی روڈ پر نکلنے کے بعد ٹرک کا رخ پُل کی طرف تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ ٹرک شارع فیصل پر پہنچ کر ائرپورٹ کا رخ کرے گا۔

ریلوے لائنوں کے اوپر بنے ہوئے پل سے پہلے ٹریفک جام تھا۔ گاڑیوں کی ایک دوسرے سے تقریباً جڑی ہوئی قطاریں بہت ہلکی رفتار سے گورا قبرستان کی طرف رینگ رہی تھیں۔

مجھے الجھن اور وحشت سی ہونے لگی۔ ٹریفک جام میں جو وقت ضائع ہورہا تھا، وہ تعاقب کے منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے کافی تھا۔ پل سے اتر کر آگے بڑھنے تک وہ مشتبہ ٹرک سڑک کی درمیانی پٹی کے ساتھ ساتھ داہنے سرے پر ہوچکا تھا اور اگلے سگنل سے اسی طرف مڑنے کے اشارے دے رہا تھا۔

سگنل متعدد بار کھل کر بند ہوچکا تھا لیکن اس سڑک پر ٹریفک کا ہجوم بڑھتا ہی جارہا تھا۔ سگنل کھلنے پر جتنی گاڑیاں روانہ ہوتی تھیں، ان سے کہیں زیادہ ٹرک، بسیں اور کاریں پیچھے جمع ہوجاتی تھیں۔ ہم سگنل سے دور تھے کہ ساڑھے سات بج گئے۔ اگر ہم ٹرک کے پیچھے جاتے تو فلیٹ پر بروقت موجودگی خارج از امکان ہوجاتی۔

میں نے شہر سے کورنگی جانے والے خالی راستے پر نگاہ ڈال کر سلطان شاہ سے کہا "سگنل سے گاڑی واپس گھمالینا، اب ہم ٹرک کا پیچھا نہیں کریں گے۔ ہماری واپسی کا وقت ہوگیا ہے۔"

"وہ لوگ انتظار کرلیں گے۔ ایک راہ پر چل پڑے ہو تو اسے انجام کو پہنچادو......"

"پہلے سے طے شدہ پروگرام سے انحراف کرنا مناسب نہیں ہوگا" میں نے اسے سمجھایا "اوّل خان کے ساتھ آنے والوں میں اسلام آباد کا ایک آدھ مہمان بھی ہوگا۔ اس کے استقبال کے لیے میرا گھر پر موجود رہنا ضروری ہے۔ اوّل خان اکیلا آرہا ہوتا تو دیر سویر بھی چل سکتی تھی۔ یہ ٹرک ائرپورٹ جاکر ممنوعہ علاقے میں گھس گیا تو ہم منہ لٹکائے واپس آجائیں گے۔ بہتر ہے کہ یہیں سے واپسی کی راہ اختیار کرلی جائے۔"

معاملے کی نزاکت اور اہمیت اس کی سمجھ میں آگئی۔ ٹرک ہم سے آگے تھا... سگنل کھلنے پر وہ داہنی طرف گھوم کر شارعِ فیصل پر ائرپورٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہماری باری آنے سے پہلے سگنل کی بتی سرخ ہوگئی۔

اگلی باری آنے پر ہمیں کورنگی روڈ پر واپس گھومنے کا موقع مل گیا۔ اس طرف اتنی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ سلطان شاہ اطمینان سے گنگناتے ہوئے گاڑی چلاتا رہا۔ ذہنی مصروفیت میسر آجانے کے بعد اس کے ذہن سے جھلاہٹ کا خول اتر چکا تھا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے واپسی پر گاڑی دوبارہ اس سڑک سے نکالی جس پر بلیک ہاک کا مکان دیکھا گیا تھا۔ اس بار میں نے پوری توجہ سے اس مکان کا جائزہ لیا۔ ڈیفنس کے رہائشی علاقوں میں مکانات کے پچھلے حصے میں گلیاں چھوڑنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے اس وجہ سے پشت پر مکانات کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور کونے کے مکانات میں بھی صرف دو دیواریں سڑک کی طرف ہوتی ہیں۔ بلیک ہاک کا مکان کونے پر واقع تھا اور اس کے احاطے کی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔

اس وقت وہاں گیٹ لیمپس روشن تھے۔ آہنی پھاٹک بند تھا۔ ٹرک کی روانگی کے بعد اس عمارت کے مکینوں کے لیے رات آگئی تھی اور وہ شاید اپنے کمروں میں محصور ہوکر اپنی دلچسپیوں میں گم ہوچکے تھے۔

"یہاں اسٹریٹ لائٹس بھی کچھ زیادہ ہی روشن ہیں" سلطان شاہ نے متفکرانہ لہجے میں کہا "رات کے وقت اندر گھسنے کے لیے بغلی سڑک کی طرف سے ہی کوشش کی جاسکتی ہے۔"

"ایک موٹر سائیکل کا بندوبست ہوجائے تو ہم کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر گیٹ سے بھی اندر داخل ہوسکتے ہیں۔"

"کیا موٹر سائیکل گیٹ اور زمین کی درمیانی جھری سے گزر جائے گی؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"شاید ایسا بھی ہوجائے" میں نے اس کی ران پر زور سے ہاتھ مار کر کہا اور وہ ایک تیز سسکاری لے کر رہ گیا۔

"پھر موٹر سائیکل بھی آجائے گی۔ بوٹ بیسن کی طرف طاقتور انجنوں والی بھانت بھانت کی موٹر سائیکلیں کرائے پر ملتی ہیں جو لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے شوقین لڑکے دوڑاتے پھرتے ہیں" چند ثانیوں بعد اس نے کہا۔

اس وقت تک میرا ذہن ملٹری سیکرٹ سروس والوں سے متوقع مذاکرات میں الجھ چکا تھا۔ میرے پاس اپنی کہانی کی صداقت ثابت کرنے کے لیے حیف طرکے اپریٹس کے سوا کوئی اور ثبوت نہیں تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ صحیح سمت میں کام کرکے وہ لوگ بہت تیزی سے سارے ثبوت جمع کرسکتے تھے۔

ہماری واپسی میں بہت زیادہ تاخیر ہوجانے پر دونوں عورتیں بہت فکرمند تھیں۔ ہم دونوں کو کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر اپنے روبرو... پاکر ان کے چہرے انتہائی مسرت سے کھل اٹھے۔

ان کے پاس تین خبریں موجود تھیں۔ رحیم یار خان سے نادرہ نے میرے لیے دوبارہ فون کیا تھا۔ غزالہ نے خاصی دیر تک خوشگوار موڈ میں اس سے باتیں کرکے اپنی بدسلوکی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دوسرا فون جہانگیر کا تھا۔ وہ ہمارے قرب و جوار میں رہ رہا تھا اور مل بیٹھنے کے لیے مضطرب تھا۔ اسے ٹالنے کا کٹھن فریضہ وزیرا نے سرانجام دیا تھا۔ تیسری خبر سب سے زیادہ اہم تھی کہ سات بج کر دس منٹ پر اپریٹس پر مختصر سی گفتگو سنائی دی تھی۔

بلیک ہاک نے اپنے چیف کو رپورٹ دی تھی کہ خط قاصد کے حوالے کردیا گیا۔ راس المیڈا نے ویری گڈ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا تھا۔ سات بج کر تین منٹ پر بلیک ہاک کے مکان سے کارگو ٹرک روانہ ہوا تھا۔ سات بج کر دس منٹ پر اس نے اپنے چیف کو رپورٹ دی جو یقیناً ٹرک پر لادے جانے والے سامان کے بارے میں تھی۔

بلیک ہاک کا وہ ریڈیائی پیغام اس امر کا غماز تھا کہ کارگو ٹرک کے ذریعے لے جایا جانے والا سامان اس قدر اہم تھا کہ راس المیڈا اس کی نقل و حمل میں گہری ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ کیا سامان ہوسکتا تھا؟ اس بارے میں میرا ذہن کوئی جواب دینے سے قاصر تھا۔

معاملات میں پیش رفت ضرور ہورہی تھی لیکن اس وقت تک کوئی واضح صورتِ حال سامنے نہیں آسکی تھی۔ ہماری ساری معلومات غیر مربوط اور منتشر منتشر سی تھیں جیسے کسی پہیلی کے کچھ

اشارے ہوں۔

کے ٹائین' ایٹمی بجلی گھر' متروک اور زیرِ استعمال فضائی راستوں کے نقشے' آرک کے جنرل بھٹناگر کی دلچسپی اور آخر میں بلیک ہاک کے گھر سے مشتبہ سامان کی منتقلی۔ ان میں ایٹمی بجلی گھر کا خیال میرے ذہن کی پیداوار تھا اور اسی نے پوری تصویر کو بہت گمبھیر بنایا ہوا تھا۔ راس المیڈا کی سرگرمیوں میں سے کینوپ کا ذکر حذف کردینے کے بعد ان لوگوں کی ساری سرگرمیاں عمومی نوعیت کی دہشت گردی اور سازش کے زمرے میں آجاتی تھیں۔

میں ان لوگوں کو باتوں میں الجھا کر وہاں سے اٹھا اور ویرا کے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت مجھے اپنے اعصاب کو معمول پر لانے کے لیے اچانک ہی شراب کی طلب محسوس ہوئی تھی۔ میری دانست میں ویرا کے کمرے میں میری طلب کا کچھ نہ کچھ سامان موجود ہونا چاہیے تھا۔ میرے دل میں بادہ نوشی کی خواہش ایک طویل وقفے کے بعد ابھری تھی اور اتنی شدت سے ابھری تھی کہ میں اس کی تکمیل کے لیے مضطرب ہو گیا۔

ویرا کے کمرے کے کیبنٹ میں ڈمپل کی دو سربند بوتلیں موجود تھیں۔ ہر بوتل کا ہر رخ ڈمپل یا نمایاں سے چاہِ غب غب کا منظر پیش کررہا تھا۔ شیشے کے ان شفاف گڑھوں کے پیچھے ٹھہرا ہوا طلائی سیال موجود تھا۔

مے نوشی سے کئی ہفتوں کی مسلسل کنارہ کشی کے بعد اس خواہش سے مغلوب ہونے کے باوجود میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ غزالہ کو میرے شوق کی اس تجدید کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ میں مے نوشی سے تائب ہوا تھا' نہ میں نے اس بارے میں غزالہ سے کوئی وعدہ کیا تھا لیکن پھر بھی میں نے لپک کر ویرا کی خواب گاہ کا داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کردیا' واپس آکر سرعت سے ایک بڑا گلاس تیار کیا۔ الکحل کی تیزی کو مارنے کے لیے ٹھنڈے پانی کی بوتل کمرے میں موجود تھی۔ میں نے اتنی بے صبری سے وہ گلاس پے درپے گھونٹوں میں اپنے معدے میں اتارا کہ اپنے ندیدے پن پر میں خود مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ تینوں بلیک ہاک کے گھر سے روانہ کیے جانے والے سامان کی نوعیت پر اس زور شور سے بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ انہیں اس واقعے کی ہوا بھی نہیں لگ سکی۔ میں نے اسی گلاس سے سادہ پانی کے چند گھونٹ لیے اور سگریٹ سلگا کر ویرا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

تیزی سے معدے میں اترنے والی الکحل نے میرے ذہن پر سرور کی لہر طاری کردی تھی۔ میں ان تینوں سے الگ تھلگ ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نے اپنی اس وقت کی مے نوشی کو غزالہ سے پوشیدہ رکھنے کی اضطراری کوششیں کیوں کی تھیں۔

ڈور بیل کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میری نگاہیں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھیں۔ وہاں سوئیاں آٹھ بجا رہی تھیں۔ اوّل خان اپنے مہمانوں کے ساتھ پروگرام کے مطابق آہی پہنچا تھا۔

غزالہ دروازہ کھول کر ان تینوں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ اوّل خان واقعی بہت جھنک گیا تھا۔ اس کے زرد چہرے پر نقاہت نمایاں تھی۔ دوسرے مہمانوں کے احترام میں اس نے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔ اس کے ساتھ آنے والے دونوں افراد کسرتی جسم اور متوسط قامت کے مالک تھے۔ کشادہ پیشانیوں کے نیچے ان دونوں کی آنکھیں بہت نمایاں تھیں۔ شفاف' چمک دار اور مضطرب آنکھیں جو لمحوں ہی لمحوں میں اپنے مخاطب کے باطن میں جھانک لینے کی عادی معلوم ہورہی تھیں۔ ان میں سے گندمی رنگ والے کے ہاتھ میں بریف کیس جھول رہا تھا۔ صاف رنگ والا بالکل خالی ہاتھ تھا اور دونوں میں سینئر معلوم ہو رہا تھا۔

"کرنل اشفاق اور میجر غوث!" اوّل خان نے ان دونوں کا باری باری تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ہم سب باری باری ایک دوسرے سے گرمجوشی سے ہاتھ ملانے لگے۔ اوّل خان ان دونوں سے مخاطب ہو کر بتاتا رہا "یہ ڈینی کی بیگم غزالہ ہیں.... یہ ویرا لائیڈ اور یہ سلطان شاہ۔"

میں نے ان لوگوں کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔ غزالہ خاموشی سے کھسک گئی۔ ویرا وہیں جمی رہنے کے موڈ میں تھی لیکن اوّل خان نے خوب صورتی سے اسے ٹال دیا۔ اس نے ویرا کی مزاج پرسی کرنے کے بعد کہا تھا "جاؤ' ذرا غزالہ سے عمدہ سی چائے بنوا کر لاؤ.... چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ بھی چلیں گے۔"

اس اثنا میں بقیہ افراد اپنی اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ سلطان شاہ میرے برابر میں موجود تھا۔

"میں تمہارے بارے میں غائبانہ بہت کچھ سنتا رہا ہوں۔" کرنل اشفاق مجھ سے مخاطب ہو کر بے تکلفی سے بولا "آج ملاقات کا موقع بھی مل گیا۔ میس میں تمہارے بارے میں اکثر کچھ نہ کچھ سننے میں آتا رہتا ہے۔"

"یہ اوّل خان کی محبت ہے کہ بری باتیں بھول کر اچھی باتیں آگے بڑھاتا رہتا ہے" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں۔ اوّل خان سے تمہارے بارے میں آج پہلی بار بات ہوئی ہے" میری بات پوری ہونے کے بعد اس نے کہا "تم بہت عرصے سے ہماری نظروں میں تھے۔ انفارمیشن کا ہمارا اپنا نیٹ ورک ہے جو دن رات کام کرتا رہتا ہے۔ میس کی محدود دنیا میں اسی ذریعے .... سے خبریں آتی ہیں۔ ہمیں جب علم ہوا کہ تم ایس ٹی ایف کے رابطے میں ہو تو تمہارا پیچھا چھوڑ دیا گیا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہمارے یہاں کام کرنے والے اس قدر باخبر رہتے ہیں۔"

"کینوپ!" میجر غوث نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ذہن میں کے ٹائین سے کینوپ کا نام کیسے آگیا؟ میرے لیے یہ پہیلی ابھی تک پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کے ٹائین تو وہ مردہ ہے جو چالیس برس پہلے دفن کیا جاچکا ہے۔"

"بہت سیدھی سی بات تھی۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کے ٹائین کیا بلا ہے۔ جب اوّل خان نے یہ بتایا کہ آج سے برسوں پہلے امریکنوں نے سینڈزپٹ کے ایک ساحلی حصے کو یہ نام دیا تھا تو میرے ذہن میں کینوپ آگیا۔ سینڈزپٹ کے ویران ساحلی علاقے میں وہی ایک اہم قومی منصوبہ چل رہا ہے۔"

"اس ماسٹر پلان کے سروے کے لیے لگائے ہوئے لینڈ مارکس بھی امتدادِ زمانہ کے باعث گل سڑ کر ختم ہوچکے ہیں۔" کرنل اشفاق نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اس سروے میں امریکنوں نے ہر تین ہزار گز کی ساحلی پٹی کو ایک نام دیا تھا۔ ہم نقشوں کی مدد سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کینوپ کا بڑا حصہ کے ٹائین میں واقع ہے۔ اس کے کنڈنسر کو پانی فراہم کرنے والی مصنوعی سمندری نہر کا کچھ حصہ شاید کے ٹین تک چلا گیا ہے۔"

میرے لیے یہ خبر اہم تھی۔ اگر ان لوگوں نے اپنے منصوبے کو سوچے سمجھے بغیر کے ٹائین کا نام نہیں دیا تھا تو وہ یقیناً کینوپ کے خلاف کوئی بھیانک سازش تیار کررہے تھے۔

"میرے ساتھی اوّل خان کو خبردار کرچکے ہیں کہ چند غیر ملکی کے ٹائین نامی ایک خفیہ مشن پر کام کررہے ہیں۔ ان کی تیاریاں آخری مراحل پر ہیں۔ اگر ان پر تیزی سے وار نہیں کیا گیا تو وہ ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"ہم اسی بارے میں بریفنگ لینے کے لیے آئے ہیں" کرنل اشفاق نے کہا "میجر غوث کراچی میں ہوتے ہیں۔ میں معاملے کی نزاکت کی وجہ سے انہیں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ہم ابتدا سے پوری کہانی سننا چاہتے ہیں۔"

میں نے الجھن آمیز نظروں سے اوّل خان کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا "کے ٹائین کی کوئی کہانی نہیں ہے۔ میں نے پاکستان میں شی کا ہیروئن کا کاروبار تباہ کردیا ہے۔ وہ میرے خون کے پیاسے ہورہے ہیں۔ یہ میری پرانی لڑائی ہے۔ اس میں جو مہرہ پٹتا ہے' اس کی جگہ کوئی اور میدان میں اتر آتا ہے۔ اس بار راس المیڈا خود میدان میں موجود ہے۔"

"یہ بہت بڑی خبر ہے!" کرنل اشفاق نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "کیا تم پورے وثوق سے یہ دعویٰ کررہے ہو؟"

"میرا اس سے تصادم ہوچکا ہے۔ وہ میرے ہاتھوں مرنے سے بال بال بچا ہے۔"

"حیران کن.... بلکہ ناقابلِ یقین سی بات ہے!" میجر غوث تعریفی لہجے میں بڑبڑایا۔ "وہ امریکا میں ایک زندہ لیجنڈ بن کر رہتا ہے۔ دنیا میں کہیں اس کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔ اس کے دبدبے کی وجہ سے ڈیوڈ اسٹارز اپنے تمام حریفوں کے لیے ایک ہوّا بنے ہوئے ہیں۔ وہ کسی کی دسترس میں نہیں آتا اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ پاکستان میں تمہارے ہاتھوں مار کھا چکا ہے۔ مجھے تم پر رشک آرہا ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ ہمارے آدمی اس کی آمد سے اب تک کیوں بے خبر ہیں؟" کرنل اشفاق نے کہا۔

"اس کے اصل اور مفروضہ نام کے مخفف یکساں ہیں۔ وہ راڈنی آرک کے نام سے یہاں آیا ہے۔"

وہ دونوں ہی میرے اس انکشاف پر بری طرح چونک پڑے۔ کرنل اشفاق نے بے یقینی سے کہا "مگر راڈنی آرک تو سفارتی پاسپورٹ پر آیا ہے۔ سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ نے اسلام آباد میں اسی کی تذلیل اور مار دھاڑ پر ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا۔ وہ کیسے راس المیڈا ہوسکتا ہے؟"

"ان معاملات میں سب کچھ الجھا ہوا ہے۔ اب بین الاقوامی مجرموں کو سفارتی تحفظ دے کر پاکستان بھیجا جارہا ہے۔ راڈنی آرک یا راس المیڈا میرے لگائے ہوئے زخموں سے ہراساں تھا اور گیری ہارٹ بھی اب سی آئی اے کا افسر نہیں ہے۔ وہ یہاں راس المیڈا کی بچھائی ہوئی بساط کا حقیر سا مہرہ ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اسلام آباد میں اسے پورا پروٹوکول دیا گیا تھا۔"

"وہ امریکا سے روانہ ہوا تو سی آئی اے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی وہ اپنے منصب سے محروم ہو کر راس المیڈا کی تحویل میں چلا گیا۔ جب تک وہ امریکنوں کے لیے کارآمد ہے' وہ خاموش رہیں گے۔ جس دن گیری ہارٹ اپنی افادیت کھو بیٹھا' وہ اس سے آنکھیں پھیر لیں گے۔"

"گیری ہارٹ کے ساتھ سی آئی اے کا کوئی انسپکٹر بھی تو آیا تھا؟" میجر غوث نے پُرخیال لہجے میں کرنل اشفاق سے پوچھا "شاید اس کا نام جیف مولر وغیرہ تھا۔"

"انسپکٹر جیف ملر" میں نے اس کی تصحیح کی "وہ ایک ٹانگ سے معذور ہوچکا ہے اور کسی بھی وقت واپس امریکا روانہ ہونے والا ہے۔ آج صبح تک وہ میری نجی قید میں تھا۔"

اوّل خان بھی ان میں سے بہتیری باتوں سے ناواقف تھا اس لیے ہر نئی بات پر اس کی آنکھیں پھیلتی جارہی تھیں۔ اس کی بے خبری پر کرنل اشفاق بولا "تمہیں صرف ایس ٹی ایف کی حمایت حاصل ہے۔ اگر اوّل خان بھی ان باتوں سے لاعلم ہے تو تمہاری معلومات کے کیا ذرائع ہیں۔"

میرے اشارے پر سلطان شاہ اٹھ کر اندر چلا گیا اور میں نے کہا "گیری ہارٹ نے اسلام آباد میں دباؤ ڈال کر اوّل خان کو ہم سے الگ کردیا لیکن میں جیف ملر کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس کا لاسلکی اپریٹس میرے قبضے میں ہے۔ میں نے انہیں باور

موت کے سوداگر 15

کرادیا ہے کہ مجھ سے وہ ایریٹس ضائع ہوچکا ہے۔ میں ان کی پل پل کی سرگرمیوں کی خبر رکھ رہا ہوں لیکن کے نائین کی تفصیلات جاننے سے قاصر ہوں۔"

"وہ ایریٹس کہاں ہے؟" کرنل اشفاق نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

اسی وقت سلطان شاہ نے ایریٹس لاکر میز پر رکھ دیا۔ کرنل اشفاق نے اسے یوں اٹھایا جیسے اسے اپنا کوئی پسندیدہ کھلونا نظر آگیا ہو۔ وہ اسے چند ثانیوں تک الٹ پلٹ کر دیکھتا اور اس پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھتا رہا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کی لکیریں نمودار ہوتی جارہی تھیں۔

غزالہ ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازمات لے آئی لیکن کرنل اشفاق اسی ایریٹس کے معائنے میں مستغرق رہا پھر اسے اپنے ساتھی کی طرف بڑھاتے ہوئے متردّد آواز میں بولا "یہ پینٹاگون کا اسپیشل ملٹری ایریٹس ہے جو صرف کمانڈوز کے استعمال میں رہتا ہے۔ شہری علاقوں میں کسی بیرونی اینٹینا یا ایریل کے بغیر اس کی رینج ڈھائی سو کلومیٹر ہوتی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ ہیڈکوارٹرز لے جانا چاہوں گا۔"

غزالہ اور ویرا نے ہم سب کے لیے چائے بنانی شروع کردی تھی۔ میں نے کرنل سے کہا "فی الحال میں اس سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ یہ میرا واحد انفارمر ہے۔ کراچی سے ڈھائی سو کلومیٹر دور نکلتے ہی یہ ناکارہ ہوجائے گا۔ میرا وعدہ ہے کہ راس المیڈا کا فتنہ ختم ہونے پر میں یہ ایریٹس اوّل خان کو دے دوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک ہم بقیہ پانچ ایریٹسوں پر بھی قابض ہوچکے ہوں۔"

"ایسی صورت میں یہ میرے پاس رہ سکتا ہے" میجر غوث نے فوراً ہی کہا۔

"نو سر!" میں نے سختی سے کہا "مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ لوگ اس سے بھرپور استفادہ نہیں کرسکیں گے۔ میرے ذہن میں کھیل کا پورا نقشہ جما ہوا ہے۔ آپ لوگ اب شامل ہورہے ہیں۔ میں کچھ سنتا ہوں تو کوئی نہ کوئی کارروائی کرگزرتا ہوں۔ میرے لیے یہ مشکل ہوگا کہ اس مختصر سی بریفنگ میں، میں آپ کو ہر بات سے آگاہ کرسکوں۔ کسی مرحلے پر کوئی چھوٹی سی بات بھی اہم ثابت ہوسکتی ہے۔"

کرنل اشفاق نے ویرا کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لے کر اس کا شکریہ ادا کیا اور صوفے پر آگے سرک کر کہا "اس طرح ہم ساری رات بھی کچھ نہیں سمجھ سکیں گے۔ تم اپنے تجربات کی روشنی میں ہمیں راس المیڈا کی کہانی سناؤ۔"

میں اپنے ذہن میں واقعات کی کڑیاں یکجا کرنے لگا۔ ایلین کافی عرصے سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور ابتدا سے ہی راس المیڈا کے لیے کام کررہا تھا۔ ان سارے واقعات کو مربوط کرنا آسان کام نہیں تھا۔

ایلین کا قصہ چند سطروں میں سمیٹ کر مجھے نادرہ کا ذکر کرنا پڑا کیونکہ اسی کی وجہ سے جیفٹ ملر میرے ہاتھ آیا تھا۔ وہ دونوں ٹھوس عملی دنیا کے آدمی تھے لیکن ان واقعات کو سن کر یوں حیران نظر آرہے تھے جیسے میں انہیں کوہِ قاف کی کوئی طلسماتی کہانی سنا رہا ہوں۔

چائے اور اس کے لوازم چلتے رہے۔ میں نے غیر ضروری تفصیلات کو حذف کرکے اختصار کے ساتھ انہیں تمام اہم واقعات سے آگاہ کردیا۔ انہوں نے مجھے درمیان میں کہیں بھی ٹوکنے کی کوشش نہیں کی لیکن بعض مراحل پر آپس میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ کرتے رہے۔

میرے خاموش ہونے پر کرنل اشفاق سگریٹ سلگا کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا اور تھکی ہوئی آواز میں بولا "ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ قدرت نے تمہیں دشمن کو زیر کرنے کی اَن گنت خوبیوں سے مالا مال کیا ہے۔ ان خبیثوں کی کمزوریوں کو بروقت سمجھ کر ان پر جوابی ضرب لگائے بغیر تمہیں اتنی کامیابیاں حاصل نہیں ہوسکتی تھیں۔ تم نے یہاں ان کے پیر نہیں جمنے دیے لیکن کے نائین کے بارے میں ابھی کچھ واضح نہیں ہے۔"

"کے نائین کے بارے میں میرے ذہن میں ایک دھندلا سا خاکہ ابھر رہا ہے" میں نے سوچتے ہوئے اسے بتایا "لیکن اس کی بہت سی کڑیاں غائب ہیں۔ میرے چند مسائل حل ہوجائیں تو ہم تیزی سے پیش رفت کرسکتے ہیں۔"

"ہم تمہارا ہر مسئلہ حل کرنے کے لیے تیار ہیں" کرنل اشفاق نے فوراً پیش کش کی "بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے ذہن میں آنے والی ہر بات بتا ڈالو۔ ہوسکتا ہے ہم لوگ گم شدہ کڑیوں کی تلاش میں تمہاری مدد کرسکیں۔"

"پہلی بات تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس وقت اوّل خان کی آمد خفیہ ہے یا اسے میری گرفتاری سے ہٹالیا گیا ہے؟"

"یہ عارضی ملاقات ہے۔ کل تک احکام واپس لے لیے جائیں گے" کرنل اشفاق نے بتایا "مجھے اسلام آباد میں سن گن ملی ہے کہ محکمۂ داخلہ کا ایک اسسٹنٹ سیکریٹری گیری ہارٹ کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔ شاید اس نے امریکا میں بھاری بینک بیلنس کے ساتھ جائدادیں بھی بنائی ہوئی ہیں جن کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔ اپنے شوروغوغا میں گیری ہارٹ نے اسی کو بلیک میل کرکے اپنی مرضی کے آرڈرز جاری کرائے تھے۔ اس سے بازپرس شروع کی جاچکی ہے۔ حقائق سامنے آتے ہی اوّل خان کے سر سے تمہاری گرفتاری کا بوجھ ہٹ جائے گا۔ اس بارے میں اوّل خان سے میری تفصیلی گفتگو ہوچکی ہے جسے دہرانا وقت کا زیاں ہوگا مگر اس کا نتیجہ کل تک تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"میرے لیے اوّل خان کی مدد بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر مجھے بہت رکاوٹیں پیش آئیں گی۔"

"عام حالات میں شاید تمہیں یہ مجبوری محسوس ہو لیکن اس وقت کے نائین ریاستی معاملہ ہے۔ اوّل خان کا مسئلہ سلجھنے سے پہلے تمہیں کوئی دشواری محسوس ہو تو میجر غوث تمہاری بھرپور مدد کریں گے۔ کراچی میں ہماری بہت مؤثر تنظیم اور نفری موجود ہے۔ یہ وسائل تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ ایلین سیمفریال کو فوراً حراست میں لے لیا جائے؟ وہ اس وقت شہر کے ایک اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اسی کے ساتھ راڈنی آرک کی تلاش بھی شروع کردی جائے تو ان لوگوں کی سرگرمیاں سست پڑسکتی ہیں۔"

"راڈنی آرک پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اسے سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ ملک بدر کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے محکمۂ خارجہ کی اجازت درکار ہوگی۔ تمہیں ان الجھنوں میں پڑے بغیر، خاموشی سے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔" کرنل اشفاق نے ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ پیچیدگیاں میں سمجھتا ہوں اسی لیے میں اوّل خان کی رفاقت کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر کے نائین کو واقعی ریاست کا مسئلہ سمجھا جارہا ہے تو یہ بات ان لوگوں پر واضح ہوجانی چاہیے۔ جب انہیں علم ہوگا کہ ان کا بنایا ہوا ڈھانچا شکست و ریخت کا شکار ہوچلا ہے اور مقامی حکّام ان کی راہ پر لگ گئے ہیں تو وہ میدان چھوڑ کر فرار بھی ہوسکتے ہیں۔ عملاً کچھ ہو یا نہ ہو، ان پر نفسیاتی دباؤ پڑنا ضروری ہے۔"

"یہ بات قابلِ فہم ہے" اس نے مشفقانہ لہجے میں کہا "ان خطوط پر کام کیا جاسکتا ہے۔"

"فوری اہمیت اس ٹرک کی ہے جس میں بلیک ہاک کے گھر سے کچھ سامان لے جایا گیا ہے۔ سامان کی نوعیت معلوم ہوجائے تو ان لوگوں کے عزائم بھی سامنے آسکتے ہیں" میں نے کہا۔

میجر غوث کے ایما پر میں نے ٹرک کا نمبر اور بلیک ہاک کے گھر سے اس کی روانگی کا وقت ایک کاغذ پر لکھ کر اس کے حوالے کردیا۔ میجر غوث نے کاغذ پر ایک نظر ڈال کر اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"تم کے نائین کے بارے میں کسی دھندلے خاکے کا ذکر کررہے تھے" کرنل اشفاق نے مجھے یاد دلایا۔

"فضائی راستوں کے حوالے سے ذہن میں فضائی حملے کا تصور ابھرتا ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "مگر میں جانتا ہوں کہ یہ احمقانہ خیال ہے۔ فضائی حملے کی حکمتِ عملی ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کا مسافر بردار طیاروں کے راستوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ساحل پر نیچی پرواز کرتا ہوا کوئی بھی بمبار طیارہ بہت آسانی سے اپنا ہدف دیکھ سکتا ہے۔ انفرا ریڈ ٹیکنالوجی کی مدد سے رات کے اندھیرے میں بھی سب کچھ اتنا ہی واضح نظر آتا ہے جتنا دن کے اجالے میں۔"

کرنل اشفاق بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں بعد وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دفاع کے شعبے میں ہونے والی تبدیلیاں تمہارے علم میں ہیں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کینوپ کے گرد ایک مضبوط دفاعی حصار قائم ہے جس میں تباہ کن فضائی دفاع بھی شامل ہے۔ ہمیں اپنے ان انتظامات کی تشہیر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سیٹلائٹ کے اس دور میں خلا میں گردش کرتی ہوئی ہزاروں حساس آنکھیں دن رات زمین کے چپّے چپّے پر نظر رکھتی ہیں۔ ہمارے حریفوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم کن تیاریوں کے ساتھ اپنے مورچوں میں مستعد رہتے ہیں۔"

وہ دونوں بہت زیادہ منتشر خیالی کے عالم میں آئے تھے لیکن طویل گفتگو کے بعد انہیں معاملات کی حقیقی سنگینی کا مکمل ادراک ہوچکا تھا جس کی وجہ سے ان کے چہرے بوجھل نظر آنے لگے تھے۔

ہماری گفتگو مکمل ہوچکی تھی اور وہ تینوں واپسی کے ارادے سے اٹھنے ہی والے تھے کہ اچانک ایریٹس پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ کرنل اشفاق نے سرعت سے ایریٹس آن کردیا۔

اس وقت بلیک ہاک، گیری ہارٹ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اچھا ہی ہوا کہ ان لوگوں کی موجودگی میں پیغام رسانی کا یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان دو اہم کرداروں کی گفتگو ذاتی طور پر سن لینے کے بعد ان کے رہے سہے شکوک و شبہات بھی ختم ہوجاتے۔

بلیک ہاک کی پہلی ہی کال پر گیری ہارٹ نے ایریٹس پر جواب دے ڈالا۔

"اسلام آباد کے حالات اچانک بدل گئے ہیں۔" بلیک ہاک کسی تمہید کے بغیر بولنے لگا "فیڈرل ہوم ڈپارٹمنٹ میں جو افسر تمہارے لیے کام کرتا ہے، اسے دوپہر میں کچھ سادہ پوش اہل کار اس کے دفتر سے اٹھالے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری بدقسمتی سے اس کی بدعنوانیوں کا بھانڈا پھوٹ گیا ہو۔ اس وقت تمہاری سلامتی خطرے میں ہے۔ جیفٹ ملر کو ساتھ لے کر فوراً اپنے قونصل خانے میں پناہ لے لو۔ اپنے شناختی اور سفری کاغذات کے ساتھ ایریٹس ضرور لیتے جانا۔ وہ لوگ جیفٹ ملر پر ظالمانہ تشدد کو جواز بناکر تمہیں اپنی حفاظت میں لے کر وطن روانہ کردیں گے۔ یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ تم نے ذرا بھی تاخیر کی تو نتائج کے خود ذمّےدار ہوگے ـــ اوور!"

"یہاں میرا کام ابھی ادھورا ہے۔" گیری ہارٹ نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔ "کہیں چیف نے مجھ سے برہم ہوکر تو یہ فیصلہ نہیں کیا ہے؟ اسے بتاؤ کہ میری پوری وفاداری اس کے ساتھ ہے اور میں ڈینی کو گھیرنے کی بھرپور کوشش کررہا ہوں ـــ ہوسکتا ہے اگلے ایک دو روز میں مجھے کامیابی حاصل ہوجائے.... اوور۔"

"یہ انتقامی نہیں، ہمدردانہ فیصلہ ہے، گیری!" بلیک ہاک کی

آواز نرم ہوگئی "چیف اپنے آدمیوں کا بھی خواہ ہے۔ تم خود اپنی گردن کٹوانی چاہتے ہو تو ضرور ڈٹے رہو۔ تم پھنس گئے تو چیف اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ پاکستانیوں کا کیا طریقۂ کار ہے۔ کٹھ پتلیوں کی طرح کام کرتے کرتے ان کالوں پر کوئی دورہ پڑتا ہے اور اچانک ہی کوئی معجزہ رونما ہوجاتا ہے۔ اینٹی کرپشن یا ایف آئی اے والے برسوں سے اس افسر کو چشم پوشی کا فیض پہنچا رہے تھے۔ تم نے اس سے ذرا سا کام لیا تو وہ سب فعال ہوگئے۔ ہمیں ان خبیثوں سے دور رہ کر اپنا کام کرنا پڑے گا۔۔۔ اوور۔"

"میں گاہے گاہے سنتا رہا ہوں کہ چیف کی ساری توجہ کے نائین پر مرکوز ہے۔ میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا اور چیف کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا کیونکہ اب میرا مستقبل اسی سے وابستہ ہے۔ اوور۔"

"تم اُلّو کی طرح سمجھ دار ہو" بلیک ہاک نے انگریزی محاورے میں اسے سراہا اور کہا "وطن جاؤ۔ وہاں تمہیں جلد ہی ایک بڑی خبر ملے گی۔ اس خبر کے پیچھے چیف کا ذہن کارفرما ہوگا۔ اوور اینڈ آل!"

یہ گفتگو سن کر ان دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ میجر غوث بھرائی ہوئی آواز میں بولا "یہ جن سے کام لیتے ہیں، ان پر شاید ہر لمحے نظر رکھتے ہیں۔ قادر کو پوری رازداری کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ یہ معاملہ صرف تین چار افسرانِ بالا کے علم میں تھا لیکن یہ لوگ باخبر ہیں اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق تیزی سے فیصلے بھی کرچکے ہیں۔"

"فرد اور ادارے کی کارروائی میں یہی فرق ہوتا ہے" میں نے کہا "فرد صرف اپنی صوابدید پر عمل کرتا ہے، ادارے ضابطوں کے پابند ہوتے ہیں اسی لیے میں اداروں سے دور رہ کر اوّل خان کے ساتھ خوش رہتا ہوں۔"

"یہ ان کی نہیں، ان کے وسائل کی کامیابی ہے" کرنل اشفاق اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پاکر بولا "میں ان باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ میرے لیے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ بلیک ہاک نے اسے جلد ہی ایک بڑی خبر کی نوید دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود کو کامیابی کے قریب محسوس کررہے ہیں۔"

"انہیں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کا پورا حق حاصل ہے۔ ہمیں اپنے کام پر دھیان دینا چاہیے" اوّل خان نے ایک معقول بات کہی "اس وقت ہمارے سامنے پہلا کلیو بلیک ہاک کے سامان کا ہے۔ ہمیں پہلی فرصت میں اس کی نوعیت کا سراغ لگانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے!" کرنل اشفاق نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اس پر ابھی کام کیا جائے گا۔ میجر صاحب کو جس وقت بھی رپورٹ ملی، یہ تم کو باخبر کردیں گے۔"

"یہ رات میں کسی بھی وقت فون کرسکتے ہیں۔ میں اپنا الٹی میٹم سرہانے رکھ کر سوتا ہوں" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس سامان کا کے نائین سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"ساری چھان بین اسی زاویے سے کی جائے گی" میجر غوث نے یقین دہانی کرائی۔

انہیں واپسی پر آمادہ دیکھ کر ویرا بھی آگئی۔ اس نے اوّل خان سے کھانے کے لیے اصرار کیا لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی کھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ انتہائی پُرجوش دوستانہ فضا میں وہ واپس چلے گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا" اندر لوٹنے کے بعد سلطان شاہ نے پژمردہ آواز میں کہا "کے نائین کی کہانی جہاں تھی، وہیں رکی ہوئی ہے۔ پتا نہیں اب یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔"

"کے نائین کی حد تک تمہاری بات درست ہے لیکن یہ معمولی کامیابی نہیں ہے کہ ایک بدعنوان بڑے افسر کے خلاف اتنی تیزی سے کارروائی کی گئی ہے۔ گیری ہارٹ اور جیفٹ کی واپسی کا مطلب ہے کہ اب چیف نے بوکھلا کر اپنے پَر سمیٹ لینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب ہم آزادی سے کام کرسکیں گے۔"

"اب تم ہی کام کرنا۔ میں تو کھانا کھا کر گہری نیند سونے کا ارادہ رکھتا ہوں" سلطان شاہ نے انگڑائی لے کر کہا۔

"بکو مت! کھانے کے بعد ہمیں بلیک ہاک کی طرف جانا ہے۔ جب تک کے نائین کا مسئلہ حل نہیں ہوگا، میں سکون سے نہیں سوسکوں گا۔ اوّل خان کے آجانے کے بعد میں اپنے وجود میں نیا ولولہ محسوس کررہا ہوں۔"

"تم اپنا یہ ولولہ کل بھی پورا کرسکتے ہو۔ میجر غوث کو بھی کچھ وقت دو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یہ گتھی سلجھانے میں کوئی کلیدی کردار ادا کرسکے۔" سلطان شاہ نے کسل مندی کے ساتھ احتجاج کیا۔

"یہ کاہلی نہیں چلے گی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "آج ہم لوگوں نے جیفٹ ملر کو بے ہوش کرکے نادرہ کے گھر سے نیشنل اسٹیڈیم کی جھاڑیوں میں پہنچانے کے سوا کام ہی کیا ہے؟"

"ابھی تمہاری اور اوّل خان کے مہمانوں کی گفتگو جو سن رہا تھا۔" اس نے بے ساختہ کہا "وہ کم کام نہیں تھا۔"

اس دوران غزالہ ویرا کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ شاید وہ دونوں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہوچکی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے رات کے گیارہ بج گئے۔ پیٹ میں چارا پڑ جانے کے بعد سلطان شاہ بھی تر و تازہ نظر آنے لگا تھا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس نے بوٹ بیسن سے کرائے کی موٹر سائیکل لانے کا عندیہ ظاہر کیا تو میں نے اسے روک دیا۔

روانگی میں تاخیر ہوجانے کی بنا پر میں نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرلی تھی۔ بلیک ہاک کے چوکیدار کو چکمہ دینے کے لیے موٹر سائیکل کا ہونا ضروری نہیں تھا۔

نادرہ کے فلیٹ میں منتقل ہوجانے کے بعد ہمیں سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا تھا کہ ہماری ہر ضروری اور غیر ضروری چیز کو ایک مستقل ٹھکانا میسر آگیا تھا۔ میں نے وضع وضع کے ہتھیاروں اور سہراب گوٹھ سے خریدے ہوئے ہلکے پھلکے بارودی شعبدوں کے لیے کپڑوں کی ایک دیوار گیر چوبی الماری مخصوص کردی تھی۔

الماری کا جائزہ لے کر ہم نے ضروری ہتھیار ساتھ لیے اور فلیٹ سے نکل کھڑے ہوئے۔

ویرا سمجھ رہی تھی کہ کے نائین کا قصہ جس موڑ پر آکر رک گیا تھا وہاں کوئی غیر معمولی پیش قدمی ناگزیر ہوگئی تھی۔ اس بارے میں راس المیڈا یا بلیک ہاک سے ہی مزید معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ راس المیڈا نے روپوشی اختیار کی ہوئی تھی۔ لے دے کر صرف بلیک ہاک ہمارے سامنے تھا۔ اس کو للکارے بغیر بات بنتی نظر نہیں آرہی تھی۔

ویرا کے برعکس غزالہ بہت زیادہ متفکر تھی۔ شادی کے بعد سے وہ ایسی بدلی تھی کہ ایک خالص خانہ دار خاتون بن کر رہ گئی تھی۔ اس پوری مدت میں اس نے صرف ایک بار غیر معمولی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا جب وہ ویرا کے ساتھ ایچ ڈی نارمن کو ہلاک کرنے کی مہم پر روانہ ہوئی تھی اور کامیاب و کامران واپس لوٹی تھی۔

چلنے سے پہلے مجھے اس کو سمجھانے میں کئی منٹ لگے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مجھے اپریٹس یاد دلادیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر ہم بلیک ہاک سے ٹکرانے ہی جارہے تھے تو وہ اپریٹس ہمارے ساتھ موجود رہنا چاہیے تھا تاکہ ان لوگوں کے تازہ ترین پیغامات ہمارے علم میں آتے رہیں۔

سلطان شاہ کو ڈرائیونگ میں بہت لطف آتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس نے اپنا لڑکپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ ٹرکوں کے ایک اڈے پر ملازمت کرتے گزارا تھا جہاں اسے کام کاج کی مصروفیت میں ڈرائیونگ کا کوئی موقع نہیں ملتا تھا لیکن لمبے سفر سے آنے والے ڈرائیوروں کی جھوٹی سچی کہانیاں اس کے دل میں ان ہی جیسے رنگین اور سنسنی خیز تجربات حاصل کرنے کا شوق پیدا کرتی رہتی تھیں۔ وہ درمیانی اور بڑی عمر کے ان ڈرائیوروں جیسے تجربات سے تو نہیں گزر سکا لیکن ڈرائیونگ کے ہر موقع سے فائدہ اٹھانا اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

اس نے بہت خاموشی سے گاڑی احاطے سے باہر نکالی لیکن سڑک پر پہنچتے ہی اس کی زبان چل پڑی "تم نے ابھی تک مجھے اپنے پروگرام سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ اگر کسی نازک موقع پر مجھ سے کوئی گڑبڑ ہوجائے تو مجھے الزام نہ دینا۔ یہ بات میں ابھی سے واضح کیے دے رہا ہوں۔"

"تم دانستہ کھیل بگاڑنا چاہو تو پروگرام جان لینے کے بعد بھی دشواریاں پیدا کرسکتے ہو۔ دوسری صورت میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی اس طرح نکلتے رہے ہیں" میں نے ترشی سے کہا۔

"پہلے کی بات اور تھی۔ اس وقت ہم راس المیڈا کے دستِ راست پر ہاتھ ڈالنے جارہے ہیں۔ ہمیں پوری احتیاط سے ہر بات کی پیشگی منصوبہ بندی کرلینی چاہیے" وہ میری خفگی کی پروا کیے بغیر بولا۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو" اس بار میں نے چڑ کر کہا "ہمیں اس مکان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے تو ہم منصوبہ بندی کیسے کرسکتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہمیں وہاں گھس کر مکان کی تلاشی لینی ہے۔"

"ہائیں!" وہ حیرت سے بولا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہم بلیک ہاک کو اغوا کرنے جارہے ہیں۔ میں نے تو احتیاطاً کلوروفارم کی شیشی بھی جیب میں رکھ لی ہے۔ کسی کو صرف بے ہوش کرنے کے لیے ضرب لگانا ذرا ظالمانہ فعل معلوم ہوتا ہے۔ چوٹ لگاتے ہوئے نشانہ خطا ہوجائے تو معاملہ الٹ بھی جاتا ہے۔"

میں بے بسی سے ہنستے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تم نے بسیار خوری کرلی ہے۔ اگر ہم بلیک ہاک سے ٹکرائے بغیر اپنا کام کرلیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ بظاہر اس کا امکان کم ہی ہے۔ وہ مزاحمت کرے گا تو ہمیں اس کو زیر کرنا ہی پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس کے گھر سے کے نائین کے بارے میں کچھ نہ کچھ مواد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اسے گمان بھی نہیں ہوگا کہ ہم اتنی جلدی اس کے سر پر پہنچ جائیں گے۔"

"بس، میں پوری بات سمجھ گیا" وہ بولا "تمہارے لیے بلیک ہاک نہیں، کے نائین زیادہ اہم ہے۔"

"گاڑی اس کے پھاٹک سے ذرا پہلے، دیوار کے ساتھ ہی روک لینا تاکہ ہمیں واپسی میں کوئی دشواری نہ ہو" میں نے اسے

ہدایت دی "اس علاقے سے پرانی گاڑیاں بہت کم چوری ہوتی ہیں۔ دروازے مقفل کیے بغیر چابی اگلے پائیدان کے نیچے چھوڑ دینا۔ ہوسکتا ہے کہ چوکیدار پر کلوروفارم ہی استعمال کرنی پڑ جائے۔ موقع کے مطابق کام کرلینا۔"

"اور اگر ہمیں واپسی پر اس طرف آنے کا موقع ہی نہ مل سکا؟اس نے پوچھا۔

"ہم گاڑی کو بھول کر کسی بھی طرف بھاگ نکلیں گے۔ گاڑی ابھی تک پرانے مالک کے نام پر ہے۔ رسید پر تمہارا نام اور پتا فرضی ہے۔ گاڑی کی وجہ سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

بعد کا مختصر سا سفر خاموشی سے طے ہوا۔ سلطان شاہ نے وہ موضوع چھیڑ کر مجھے الجھا دیا تھا اور میں بلیک ہاک کے مکان پر پیش آنے والی متعدد متوقع صورتوں کے بارے میں سوچ جارہا تھا۔

خوش حال بستی کی وہ رات خاصی خوشگوار تھی۔ سڑکوں پر سناٹا تھا۔ کبھی کبھی اِکّا دُکّا گاڑیاں تیزی کے ساتھ گزر جاتی تھیں۔ گلیوں میں کہیں کہیں قرب و جوار کے گھریلو ملازمین نے ایک دوسرے کو اپنے مالکان کی کہانیاں سنانے کے لیے محفلیں جمائی ہوئی تھیں جو میرے لئے پریشان کن تھیں۔

ہم بلیک ہاک کے مکان کے قریب پہنچے تو مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اسٹریٹ لیمپس کی تیز روشنی میں وہاں دور تک کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

سلطان شاہ نے ہیڈ لیمپس بند کرکے گاڑی بلیک ہاک کے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگادی۔

ہم دونوں بیک وقت گاڑی سے اترے۔ پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے سلطان شاہ میرے پیچھے ہولیا۔

وزنی آہنی گیٹ کے ساتھ بنے ہوئے کنکریٹ کے دو دیوہیکل ستونوں میں سے ایک پر اطلاعی گھنٹی کا سوئچ بہت نمایاں تھا مگر میں نے اس کو نظرانداز کرکے پھاٹک پر ہلکی سی دستک دی۔

اندر چوکیدار مستعد تھا "کون ہے؟" کی آواز کے ساتھ ہی چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سنائی دی جیسے کوئی چارپائی یا چوبی کرسی سے اٹھا ہو پھر وزنی قدموں کی ہلکی ہلکی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔

"باہر سے خط آیا ہے.... یہ لے لو۔" میں نے پھاٹک کے قریب ہوکر اتنی اونچی آواز میں کہا کہ چوکیدار میرا پیغام سن لے۔ مکانوں کے وسیع رقبے کی وجہ سے یہ امکان نہیں تھا کہ میری آواز دوسروں تک پہنچتی۔

"خط اندر پھینک دو!" اندر سے کرخت لہجے میں کہا گیا "یہ خط لانے کا کون سا وقت ہے؟" لب و لہجے اور الفاظ کے بگڑے ہوئے مانوس تلفظ سے اندازہ ہورہا تھا کہ کراچی والوں کی روایات کے مطابق اس مکان کا چوکیدار بھی پاکستان کے سرحدی علاقوں کا کوئی شہری یا دیہاتی تھا۔

"یہ ڈاک خانے سے نہیں، کوریر سے آیا ہے۔ خط لے کر انگوٹھا بھی لگانا ہوگا۔ دروازہ کھولو!"

ہوسکتا ہے کہ کوریر کا لفظ اس کے پلے نہ پڑا ہو لیکن بات اس کی سمجھ میں آگئی۔

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کنڈی سرکا کر ذیلی دروازہ کھول دیا اور اس کی اشتباہ آمیز نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا "کدھر ہے خط؟"

میں نے لفافہ اور کاغذ جیب سے نکالا اور اسے دیتا ہوا ذیلی دروازے سے اندر گھس گیا "بس، یہاں اپنا انگوٹھا لگا دو اور دروازہ بند کرکے آرام کرو" میں نے اس کے پیچھے پڑی ہوئی چارپائی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"قلم دو!" وہ غرایا "میں دستخط کروں گا" پھر وہ میرے دیے ہوئے بند لفافے کو گھورتے ہوئے بولا "مگر اس پر تو کسی کا نام نہیں ہے! یہ کس کا خط ہے؟ ہمارا یا صاحب کا....؟"

"نام نہیں، تم پتا دیکھو" میں نے داہنا ہاتھ پشت پر لے جاکر سلطان شاہ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس قوی الجثہ اور جوان چوکیدار کے تیور دیکھ کر مجھے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ دوسری گڑبڑ یہ ہوئی کہ وہ میری توقع کے برعکس جاہل مطلق نہیں تھا۔ اگر وہ میری دی ہوئی رسید پر نگاہ ڈالتا تو فوراً اندازہ لگالیتا کہ وہ دھندلائی ہوئی رسید مسز نادرہ غنی کے نام پر کئی ماہ پرانی تاریخ پر کاٹی گئی تھی۔

میں نے جیب سے قلم نکال کر اسے دیا۔ اسی لمحے میرے نتھنوں میں کلوروفارم کی تیز بُو آئی۔

چوکیدار قلم لے کر دیوار کی طرف پلٹا تاکہ اس کا سہارا لے کر رسید پر اپنے دستخط ثبت کرسکے۔ اس کے پلٹنے کی دیر تھی کہ سلطان شاہ اچھل کر اس کی کمر پر سوار ہوگیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے چوکیدار کے دہانے پر جم گئے تھے۔ اس ناگہانی افتاد پر چوکیدار کے دہانے سے غوں غاں کی گھٹی گھٹی آوازیں نکلیں، میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ لحہ بھر کے لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ جسیم اور تنومند چوکیدار سلطان شاہ کو اپنی پشت سے اچھال پھینکے گا۔

اچانک چوکیدار کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کے دونوں ہاتھ بے تابانہ انداز میں فضا میں یوں لہرا رہے تھے جیسے وہ اپنا بگڑا ہوا توازن سنبھال کر کھڑا رہنے کی کوشش کررہا ہو۔

شاید سلطان شاہ نے اپنے مدِمقابل کی صحت اور جسامت دیکھ کر کپڑے پر وافر مقدار میں کلوروفارم انڈیل لی تھی۔ اس سیال کے زود اثر بخارات نے چوکیدار کے ذہن اور اعصاب پر اپنا اثر دکھانا شروع کردیا تھا۔ لمحوں ہی لمحوں میں وہ تیورا کر کسی بے جان لاش کی طرح زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ سلطان شاہ آخری لمحوں پر خود کو اس کے گرتے ہوئے بدن کی زد سے بچانے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ سب چشم زدن میں ہوگیا۔ میں اس دوران میں عمارت کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ اندر والوں کو گیٹ پر رونما ہونے والے واقعات کی بھنک بھی نہیں مل سکی تھی۔

وہاں کنکریٹ کے دونوں ستونوں پر گیٹ لیمپ روشن تھے لیکن ہم تینوں براہِ راست روشنی میں ہونے کے بجائے، آہنی پھاٹک کے سائے میں موجود تھے جہاں تقریباً نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے پھرتی سے پھاٹک کے ذیلی دروازے کی کنڈی لگادی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ چوکیدار کے قریب سے لفافہ، رسید اور قلم اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال چکا تھا۔

چوکیدار کے بے ہوش وزنی وجود کو نیچے سے اٹھا کر چارپائی پر ڈالنا ہم دونوں کے لیے بہت مشکل کام تھا۔ اس بے چارے نے پوری ہوش مندی سے کام لینا چاہا تھا لیکن ہمیں کسی کڑے امتحان میں مبتلا کیے بغیر نہایت آسانی سے ڈھیر ہوگیا تھا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچائی جائے لیکن مجبوری تھی۔ ہم دونوں نے بہ وقت تمام اسے گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ بنی ہوئی نرم کیاری میں پہنچا دیا جہاں شاید مٹی گود کر تازہ پنیری لگائی گئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہوکر ہم دونوں وہیں دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے اور مکان کا جائزہ لینے لگے۔ وہ ایک منزلہ مکان تھا۔ برآمدہ روشن ہونے کے باوجود مکان کے سامنے والے حصے کی کسی کھڑکی میں روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس وقت وہ مکان خالی پڑا ہوا تھا یا بلیک ہاک آرام کررہا تھا۔

احتیاط کا تقاضا تھا کہ مکان میں گھسنے سے پہلے ایک بار عمارت کا طواف کرکے اندر کی سن گن لے لی جائے۔ بادی النظر میں یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اس مکان کے سامنے والے حصے میں برآمدے کے ایک طرف ڈرائنگ روم اور دوسری طرف ایک خواب گاہ ہو۔ دوسرے کمرے پشت پر ہونے چاہیے تھے۔

"تم یہیں ٹھہرو" میں نے پھاٹک کے ساتھ بنی ہوئی، چوکیدار کی کشادہ کوٹھری کی طرف اشارہ کرکے سلطان شاہ سے کہا "میں حاطے کے ساتھ ساتھ گھوم کر مکان کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔"

"خیال رکھنا، اندر کسی خوں خوار کتے سے بھی ملاقات ہوسکتی ہے۔" اس نے مجھے متنبہ کیا۔

مجھے اپنی بُو پر سدھائے ہوئے ایلن کے وحشی اور خوں خوار کتے یاد آگئے اور بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کرگئیں مگر پھر میں نے اس احمقانہ خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

وہاں کوئی کتا موجود ہوتا تو چوکیدار کے آس پاس ہی ہوتا۔ پچھلے چند ثانیوں میں پھاٹک کے زیرِ سایہ جو واقعات رونما ہوئے تھے وہ اعلیٰ نسل کے کسی بھی واچ ڈاگ کو ادھر متوجہ کرنے کے لیے کافی تھے۔

میں سلطان شاہ کی پشت پر ہاتھ مار کر دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف بڑھنے لگا۔

وہ علاقہ ڈیفنس سوسائٹی کے قیام کے ساتھ ہی تیزی سے آباد ہونا شروع ہوگیا اس لیے وہاں کے مکانات میں جدید طرزِ تعمیر کی وہ نزاکتیں نہیں تھیں جو ڈیفنس ہی کے بہت بعد میں آباد ہونے والے علاقوں میں جابجا دیکھنے میں آتی تھیں۔ بلیک ہاک کا مکان بھی سادہ اور روایتی انداز میں بنا ہوا تھا۔ مکان کا لان کافی بڑا اور سرسبز تھا۔ اس میں خال خال پھولوں کے تختے بھی نظر آرہے تھے۔ ظاہر تھا کہ وہ مکان بلیک ہاک کی ملکیت نہیں تھا۔ وہ وہاں کرائے پر یا کسی کے مہمان کی حیثیت سے رہ رہا تھا لیکن مالک مکان خاصا باذوق آدمی معلوم ہوتا تھا۔

میں کچھ آگے گیا تو مجھے مکان کے داہنے پہلو پر ایک سفید کار کھڑی نظر آئی۔ مکان میں داخلے کا دوسرا دروازہ اسی طرف واقع تھا۔ شاید بلیک ہاک آمدورفت کے لیے وہی دروازہ استعمال کرتا تھا۔ اس طرف ایک بڑی کھڑکی روشن تھی، چند ثانیوں بعد مجھے اس کھلی ہوئی روشن کھڑکی میں سے دیوار گیر کیبنٹ بھی نظر آنے لگے۔ میں نے غور سے اس حصے کا جائزہ لیا اور ذہن میں محفوظ کرلیا۔

مکان کی پچھلی سمت میں ایک اور کمرا روشن نظر آیا۔ وہ ہر طرف سے بند تھا لیکن اس کی دیوار میں نصب ائرکنڈیشنر کی مسلسل گھوں گھوں اس بات کا اعلان کررہی تھی کہ بلیک ہاک اسی کمرے میں ہوسکتا تھا۔

میں مکان کے پیچھے راج کرتی ہوئی تاریکی سے نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ میری جیب میں موجود اپریٹس پر ابھرنے والے اشاروں نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں نے دل ہی دل میں غزالہ کو دعا دی جس نے میری روانگی کے آخری لمحات پر مجھے اپریٹس یاد دلایا تھا۔ پھر میں نے وہیں دیوار کی جڑ میں سمٹ کر اپریٹس آن کیا اور اس کی آواز بہت دھیمی کرکے اسے اپنے کان سے لگالیا۔

"گیری ہارٹ کالنگ بلیک ہاک.... اوور!" دوسری طرف سے بھنبھناتی ہوئی مگر واضح آواز آئی۔

"یس گیری.... میں لائن پر ہوں۔ اوور" قلیل وقفے کے بعد ابھرنے والی آواز میرے شکار کی تھی۔

"میں نے تمہاری ہدایات پر حرف بحرف عمل کیا ہے" گیری ہارٹ کی سہمی ہوئی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔ "میں قونصل خانے میں ہوں۔ یہ لوگ میرا اپریٹس لینا چاہتے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ صبح چار بجے کی فلائٹ سے مجھے فرینکفرٹ کے راستے نیویارک کے لیے روانہ ہونا ہے۔ میرا ذہن ماؤف ہورہا ہے۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ سب کیا ہورہا ہے.... اوور۔"

"اب وہی تمہارے باس ہیں جنھوں نے تمہیں پناہ دی ہے۔ ان کی ہدایات پر عمل کرو" بلیک ہاک کی آواز بالکل سرد اور جذبات سے یکسر عاری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "وہاں پہنچ جانے کے بعد میں یہ بات تمہارے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ چیف کو شبہ ہوگیا ہے کہ جیف ملر ڈینی کی قید سے فرار نہیں ہوا، اسے ڈینی نے اپنے کسی ناپاک منصوبے کے تحت دانستہ آزاد کیا ہے اور جیف اپنی پوزیشن بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے گہری دوستی اور جذباتی وابستگی کی وجہ سے تم بھی اس سے مل گئے ہو۔ تم جانتے ہو کہ چیف

اپنے آس پاس کسی مشتبہ آدمی کا سایہ بھی برداشت نہیں کرتا۔ تم دونوں کا فیصلہ واشنگٹن والے کریں گے۔ چیف نے تمہیں اپنی ٹیم سے ڈسچارج کردیا ہے۔ اوور۔"

"یہ تہمت ہے.... سراسر الزام ہے" گیری ہارٹ کی وحشت زدہ آواز ابھری "چیف نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم دونوں جھوٹے ہیں....؟ کیا ہماری عرق ریزیوں اور قربانیوں کا یہی انعام ہے....؟ اوور!"

"چیف ہر معاملے پر بہت گہری نظر رکھتا ہے" بلیک ہاک کی آواز ہمدردانہ ہوگئی "اس کے فیصلے کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ چیف ہر قیمت پر ڈینی کو سرنگوں دیکھنا چاہتا ہے۔ زندہ یا مردہ۔ یہ بات تم کو بھی معلوم ہے۔ اگر جیف اس مردود کی قید سے فرار ہوا تھا تو اسے سب سے پہلے اس ٹھکانے کو ذہن نشین کرنا تھا۔ تم نے اس کی واپسی کی خبر دی مگر ڈینی کے ٹھکانے کا ذکر نہیں کیا.... میرا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا۔ چیف نے بھی میری رپورٹ میں اس سنگین کوتاہی کی نشان دہی کی اور اس کی ہدایت پر جب میں نے تم سے اس بارے میں استفسار کیا تو تم نے سی آئی اے کے شہرۂ آفاق انسپکٹر جیف ملر کی بوکھلاہٹ اور خوفزدگی کی کہانی سنا کر مجھے یہ باور کرانا چاہا کہ وہ اپنی اذیتوں کی وجہ سے اپنا مشن فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ چاہتا تو اس ٹیکسی ہی کا نمبر نوٹ کرسکتا تھا جس نے اسے اس علاقے سے نکالا تھا۔ چیف نے اس بارے میں مجھ سے پہلے تمہیں فون کیا تھا تو تم نے جیف پر مسکن دواؤں کے اثرات کی وجہ سے اس کے سونے کا بہانہ کیا تھا۔ تم کہانی بنانے کے لیے وقت حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔ تم نے کہانی بنائی مگر وہ لنگڑی لولی تھی۔ جیف کے پائے کا سیکرٹ ایجنٹ موت کے دہانے پر ہوتے ہوئے بھی اپنے کام سے غافل نہیں ہوتا.... اس نے کیسے ڈینی کے ٹھکانے کو نظر انداز کردیا....؟ کاش تم نے یہ بتایا ہوتا کہ جیف ڈینی کا ٹھکانا ذہن نشین نہیں کرسکا لیکن فلاں نمبر کی ٹیکسی کا ڈرائیور اس علاقے کی نشاندہی کرسکتا ہے جہاں سے لنگڑا جیف اس میں سوار ہوا تھا۔ ٹیکسی تلاش کرکے جیف کو وہاں لے جایا جاتا تو وہ ڈینی کے مسکن پر ہاتھ رکھ دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ چیف کا خیال ہے کہ جیف ملر کو سرے سے علم ہی نہیں ہے کہ ڈینی نے اسے کہاں قید رکھا تھا.... اندر ہی اندر کچھ ہوا.... کیا ہوا؟ یہ جیف اور ڈینی کے علاوہ صرف خدا ہی جانتا ہے پھر ڈینی نے اسے بے ہوش کرکے کہیں ڈال دیا۔ وہ ہوش میں آیا اور لڑائی ہارے ہوئے کسی کتے کی طرح اپنے زخم چاٹتا ہوا تمہارے پاس پہنچ گیا اور تمہیں بھی اپنا ہم نوا بنالیا۔ ہر شخص تم دونوں کے تابناک کیریئر پر رشک کرے گا لیکن تمہارے انجام سے عبرت پکڑے گا.... اس انجام کا انتخاب تم نے خود کیا ہے۔ تم دونوں نے چیف کو سمجھنے میں غلطی کی۔ وہ اپنے وقت کا جینئس ہے۔ میں نے تمہیں سب کچھ بتادیا ہے کیونکہ اب باہر کی دنیا سے تمہارا ہر رابطہ منقطع ہونے والا ہے۔ اپنا اپریٹس لوٹادو۔ اب تم دونوں زیرِ حراست ہو۔ اوور اینڈ آل!"

جیف ملر اور گیری ہارٹ کا وہ انجام دلدوز تھا۔ میں پھریری سی لے کر رہ گیا۔ راس المیڈا کی ذہنی خباثت بے مثال تھی۔ گیری ہارٹ کی کہانی میں سواری کا حوالہ نہ ہونا ایک معمولی سی بات تھی لیکن راس المیڈا کی باریک بین نگاہوں نے اسی موہوم سی لغزش کی بنا پر واقعات کو بالکل اسی ترتیب سے دیکھ لیا تھا جس سے وہ رونما ہوئے تھے۔

بلیک ہاک کی وہ طویل تقریر اتنی سنگین اور وحشت اثر تھی کہ چند ثانیوں کے لیے میں یہ بھول ہی گیا کہ میں کہاں تھا۔ قریب کے پودوں میں اچانک کوئی مینڈک تیز آواز میں ٹرایا اور میں چونک پڑا۔

مجھے فوراً ہی یاد آگیا کہ میں اس وقت اپنے بدترین حریفوں میں سے ایک کے احاطے میں موجود ہوں۔ وہ عمارت کی بند دیواروں میں محفوظ و محصور ہے اور میں کھلی فضا میں اس کی گھات لگائے بیٹھا ہوں۔

میں نے اپریٹس آف کرکے اپنی جیب میں ڈالا اور پیش قدمی شروع کردی۔

میں عمارت کا طواف مکمل کرکے واپس پہنچا تو سلطان شاہ مضطربانہ انداز میں میرا منتظر تھا۔

"غنیمت ہے کہ تم واپس لوٹ آئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اکیلے ہی اندر جا گھسے ہو اور اب کسی بھی لمحے اندر سے دھواں دھار فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگے گی" مجھے دیکھتے ہی وہ بول پڑا۔

"تم نرے گدھے ہو...."

"مگر چھوٹا ہوں" وہ میری بات درمیان سے اچک کر بے ساختہ بولا۔

"اپریٹس پر بات ہونے لگی تھی۔ وہ سننے کے لیے پیچھے رک گیا تھا" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے اسے بتایا۔ اس دوران میری نگاہیں سامنے کی تاریک کھڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کیا گفتگو ہو رہی تھی؟" اپریٹس کا ذکر سن کر سلطان شاہ کا تجسس بیدار ہوگیا۔

"وہی گیری اور جیف کی واپسی کا معاملہ تھا.... یہ باتیں اب گھر چل کر ہوں گی۔ اس وقت یہاں سے نمٹنے کے بارے میں سوچو!" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ خاموش ہوگیا۔

ویسے تو اندر گھسنے کے لیے کچن کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی لیکن اندر روشنی ہونے کی وجہ سے وہ جگہ مخدوش ہوگئی تھی۔ وسیع لان کے بعد دیوار کے اس پار دوسرے گھر میں رہنے والے ہمیں روشن کھڑکی کے ذریعے اندر گھستا دیکھ کر پولیس کو باخبر کرسکتے تھے۔ میں اس وقت ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"چوکیدار کا کیا حال ہے؟" دل ہی دل میں فیصلہ کرلینے کے بعد میں نے پوچھا۔

"خان صاحب آرام فرما رہے ہیں اور شاید صبح تک فرماتے رہیں۔ خوراک کچھ تگڑی ہوگئی ہے" اس بار بھی سلطان شاہ کی آواز سے شوخی جھلک رہی تھی۔ میری دانست میں یہ اچھی بات تھی کہ وہ اس وقت شگفتہ موڈ کے ساتھ کام کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔

چوکیدار کے بارے میں سلطان شاہ کی وہ رائے سننے کے بعد میں نے اسے بے دست و پا کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور سلطان شاہ کو اندر گھسنے کے طریقے کے بارے میں سمجھانے لگا۔ میں نے اس پر یہ بات بھی واضح کردی کہ اس وقت بلیک ہاک اندر موجود تھا اور جاگ رہا تھا۔

اس سے گفتگو مکمل کرکے میں نے عمارت کا رخ کیا، وہیں کھڑے کھڑے رکوع کی حالت میں جھکا اور پھر اسی طرح اس سمت میں دوڑ لگادی جدھر ڈرائنگ روم کی موجودگی کی توقع تھی۔ برآمدے کے علاوہ عمارت کے بیرونی حصوں میں روشنیوں کا نظام ناقص تھا یا انہیں جلانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ دیوار کے ساتھ کھڑا ہونے کے بعد میں خود کو تاریکی ہی کا ایک جز محسوس کرنے لگا۔

میری اس دوڑ میں کوئی مداخلت ہوئی، نہ کوئی ردِ عمل سامنے آیا۔ جوں ہی میں سیدھا ہوا، سلطان شاہ نے بھی اسی ترکیب کا سہارا لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور چند ہی ثانیوں میں میرے پاس پہنچ گیا۔

اس طرف تین تاریک کھڑکیاں تھیں۔ بلیک ہاک کے اعتماد یا بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کوئی کھڑکی مضبوطی سے بولٹ نہیں کی گئی تھی۔ پہلی کھڑکی کی لکڑیاں پھول کر چوکھٹ میں پھنسی ہوئی تھیں۔ زور آزمائی کی صورت میں وہ کھڑکی ضرور کھل جاتی لیکن کافی شور پیدا کرتی۔ برابر والی کھڑکی خفیف سی آواز کے ساتھ اندر کی طرف کھلتی چلی گئی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ اس کھڑکی کے پردے سرکے ہوئے تھے۔

ہم دونوں چند ثانیوں تک نیچے جھکے رہے پھر میں نے آہستہ آہستہ اپنا سر اوپر اٹھایا اور میدان صاف پاکر تاریک کھڑکی میں سے اپنی گردن اندر داخل کردی۔ بند کمرے کا حبس محسوس کرکے میں نے چوکھٹ پکڑی اور نہایت اطمینان سے اندر اتر گیا۔ مجھے اپنے جوتوں کے نیچے سخت فرش کے بجائے نرم قالین کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ میرے اشارے تک سلطان شاہ کو باہر ہی ٹھہرنا تھا۔ میں نے سرعت سے اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

میرے اندازے کے برعکس وہ کھانے کا کمرا تھا۔ شاید ڈرائنگ روم برآمدے سے متصل تھا۔ میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوچکی تھیں۔ میز کے پیچھے مجھے لکڑی کی چند پیٹیاں نظر آرہی تھیں۔ مجھے معاً وہ کارگو ٹرک یاد آگیا جو شام کو وہاں سے کچھ سامان لے کر گیا تھا۔ میرے دل میں بے اختیار تجسس پیدا ہوا کہ ان پیٹیوں کا جائزہ لوں لیکن وہ ان چیزوں میں الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور وہ بھی اندر آگیا۔

کمرے میں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں تاروں بھرے آسمان کی مدھم سی وہ روشنی بھی ایک نعمت معلوم ہو رہی تھی جو کھلی ہوئی کھڑکی سے کمرے میں آرہی تھی۔ اس روشنی میں کھانے کے کمرے سے نکاسی کا بیرونی دروازہ بند نظر آرہا تھا جب کہ اندرونی دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ اس دروازے پر جالی کا باریک پردہ لہرا رہا تھا۔

وہ بے یقینی اور تذبذب کے ہولناک لمحات تھے۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں کے بعد کھلا ہوا دروازہ دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بلیک ہاک نے خود ہی ہمارے لیے ایک راستہ بنایا ہوا ہے۔ میں اس دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں ذرا سی دیر پہلے اپنے کانوں سے راس المیڈا کی حیرت ناک قوتِ متخیلہ کا ذکر سن چکا تھا۔ اس نے ایک اشارے سے جیف ملر کی اصل کتھا اخذ کرلی تھی۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں اسے کچھ اور اشارے نہ مل گئے ہوں، اس نے سمجھ لیا ہو کہ ہم لوگ بلیک ہاک کے گھر کا رخ ضرور کریں گے اور پھر اس نے چوہے دان میں ہمارے لیے وہ تمام آسانیاں فراہم کردیں جو بظاہر مقدر کی یاوری نظر آرہی تھیں۔

"رک کیوں گئے؟ آگے بڑھو" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ اس کے گرم اور ناہموار سانس میرے چہرے سے ٹکرا رہے تھے "اس کے باہر آنے سے پہلے اسے اس کے کمرے میں ہی گھیر لو۔"

میں نے بیم گن جیب سے نکال لی اور نپے تلے انداز میں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

دروازہ عبور کرتے ہی ہم ایک راہ داری میں آگئے۔ اندر روشنی نظر آرہی تھی اور اس روشنی کا انعکاس ہمارے چہرے تک پہنچ رہا تھا۔ ہم رک کر اندر کی سن گن لیتے رہے۔ ہر طرف مکمل سکوت کا راج تھا۔ کانوں پر بہت زیادہ زور دینے کے بعد میں ائرکنڈیشنر کی بہت ہلکی سی گونج سننے میں کامیاب ہوگیا۔ مجھے اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ وہ مشینی گونج ابھرتی اور ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

آخر میں نے اس آواز کی سمت کا تعین کرکے روشنی کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔

میں دیوار سے لگ کر قدم بہ قدم سرکتا ہوا ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے آگے لابی نما حصہ تھا۔ ہمارے داہنے ہاتھ پر روشن کچن تھا۔ لابی کی بتیاں گل تھیں لیکن کچن سے آنے والی روشنی دور تک کام کر رہی تھی۔ بائیں طرف بلیک ہاک کی خواب گاہ تھی جس میں ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔

سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کرکے میں نے پنجوں کے بل

چلتے ہوئے کچن اور آس پاس کے سارے کونے کھدرے چھان مارے لیکن ہر طرف میدان صاف تھا۔ شاید بلیک ہاک کے برے دن آہی گئے تھے۔

ہم دونوں بہت تیزی کے ساتھ اس دروازے پر پہنچ گئے جس کے نیچے ایک تنگ سا روشن مستطیل چمک رہا تھا۔ ہم نے دروازے کے دونوں طرف دیوار سے چپک کر پوزیشن لی ہوئی تھی۔ میں نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا لیکن دروازہ اپنی جگہ منجمد رہا۔ میں نے بتدریج وہ دباؤ اتنا بڑھادیا کہ مجھے اپنا شانے اور بازو کا جوڑ دکھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے مایوس ہو کر ہاتھ گرالیا۔

اس وقت حالات ہر طرح ہمارے حق میں تھے۔ ہم دو تھے' بلیک ہاک پورے گھر میں اکیلا تھا۔ ہم مسلح تھے' وہ بے خبری کے عالم میں اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہا تھا۔ اس کے فرار کے اکلوتے راستے پر ہم قابض تھے' ہمارے فرار کی ایک سے زیادہ راہیں کھلی ہوئی تھیں۔

میں نے چٹکی سے چوبی دروازے پر ہلکی سی ضرب لگائی۔ گھر میں چھائے ہوئے سناٹے میں کھٹ کی وہ آواز مجھے ہتھوڑے کی ضرب کی طرح گونجتی محسوس ہوئی۔ انتظار اور انتظار کے اعصاب شکن لمحات رینگ رینگ کر سرکنے لگے۔ میرے کان بلیک ہاک کی تیز آواز کے منتظر رہے لیکن وہاں سناٹا چھایا رہا۔

دوسری مرتبہ میں نے انگلی کے سرے سے ایک بار دروازہ بجایا۔ اس مرتبہ بھی میری کوشش رائگاں گئی۔ اندر سے ائرکنڈیشنر کی آواز کے سوا کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔

میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ میری بے چین نظریں گردوپیش کا طواف کرنے لگیں کہ کہیں بلیک ہاک خطرہ محسوس کرکے اپنا کمرا چھوڑ کر کہیں اور گھات لگائے نہ بیٹھا ہو۔ اگر وہ کمرے سے باہر نکل چکا تھا تو کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ میرے ذہن نے اس دلیل کا خود ہی جواب دے ڈالا۔ کمرا چھوڑنے کے بعد وہ اسے باہر سے بھی بولٹ کرسکتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ شکست و ریخت چل ہی رہی تھی کہ سلطان شاہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ دیوار چھوڑ کر دروازے کے عین سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ کی جھلائی ہوئی بے ساختہ آواز غیر محتاط اور کافی بلند تھی۔

میرے کچھ سمجھنے سے پہلے وہ ہاتھ بڑھا کر اس دروازے کا بیرونی بولٹ گراچکا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی اندر سے آنے والی خنک ہوا کے پہلے جھونکے نے میری طبیعت خوش کردی۔ روشن خواب گاہ میں شکن آلود بستر خالی پڑا ہوا تھا۔

"شاید وہ تمہیں دیکھ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا" سلطان شاہ نے خالی کمرے میں داخل ہو کر افسوس سے کہا۔ "کمرے کی حالت بتارہی ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تک وہ یہیں موجود تھا۔"

"وہ میری جھلک بھی نہیں دیکھ سکا" میں نے دوبارہ چوکھٹ پر جاکر کہا "اگر وہ خطرہ سونگھ کر نکلا ہے تو اس وقت بھی اسی چھت کے نیچے ہوگا۔ سب سے پہلے ہمیں پورے گھر کی تلاشی لینی ہوگی۔"

"ابھی تم نے اسے ایریٹس پر بات کرتے ہوئے بھی سنا تھا؟" سلطان شاہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

اضطراری طور پر لاحول پڑھنے کے بعد سے وہ سرگوشیانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

بدترین اعصابی تناؤ کے باوجود میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "یہ احمقانہ نکتہ میرے دماغ میں بھی آیا تھا مگر میں نے زبان نہیں کھولی۔ ضروری نہیں کہ اس نے اسی کمرے سے بات کی ہو۔ ایریٹس پر وہ کہیں سے بھی بات کرسکتا ہے۔"

سلطان شاہ نے طائرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے کر ایک میز پر پڑی ہوئی ٹارچ اٹھالی اور میری طرف بڑھ آیا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے یہیں کہیں ہونا چاہیے" اس نے سرگوشی کی۔

وہ صورتِ حال جتنی سنگین تھی اس قدر مضحکہ خیز بھی معلوم ہورہی تھی۔ وہ بلیک ہاک کا گھر تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم کسی بے نام سائے کی تلاش میں بھٹک رہے ہوں۔

اس خواب گاہ کا دروازہ بولٹ کرکے ہم نے پوری احتیاط کے ساتھ ایک سرے سے گھر کی تلاشی لینی شروع کردی۔ اس مکان میں کوئی زیر زمین کمرا نہیں تھا۔ چھت پر جانے والے زینوں پر گرد کی موٹی موٹی بے داغ تہیں جمی ہوئی تھیں۔ زینے کی دیواروں سے چھت تک مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ مہینوں بلکہ برسوں سے کسی نے ان زینوں پر قدم نہیں رکھا تھا۔ انہیں چھوڑ کر ہم نے ٹارچ کی روشنی میں ہر کونا جھانکنا شروع کردیا۔

ہر طرف سے بے نیل و مرام واپسی کے بعد ہم ڈائننگ روم میں پہنچے۔ وہ ابتدا ہی سے خالی پڑا ہوا تھا مگر اس بار میں وہاں رکھی ہوئی چوبی پیٹیوں کے بارے میں اپنے تجسس پر غالب نہیں آسکا۔

میں نے ٹارچ لے کر ان پیٹیوں کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ دو پیٹیاں جو بہت نفیس ساخت کی تھیں اور اوپر تلے رکھی ہوئی تھیں' میری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ ان کے بعض حصوں پر کاغذ چپکے ہوئے تھے جیسے کچھ چھپانے کی کوشش کی گئی ہو۔ ان کے برابر میں تین بدوضع پرانی پیٹیاں تھیں۔ ان پر انگریزی میں "سنگِ مرمر کا سامان" لکھا ہوا تھا۔

سلطان شاہ میرے کہے بغیر نفیس پیٹیوں پر سے کاغذ اکھاڑنے میں مصروف ہوگیا۔ یہ اتفاق تھا کہ سب سے پہلے نمودار ہونے والے حروف ٹی این ٹی تھے۔ میرے لیے وہ تین حروف بے معنی نہیں تھے۔ ٹرائی نائٹرو ٹولین بارود کا کیمیائی نام اور وہ تین حروف اس کے مخفف تھے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اگر غیر ملکی ائر لائن کا کارگو ٹرک وہی بارودی پیٹیاں ائرپورٹ کے لیے لے گیا تھا تو کراچی کے ہوائی اڈے کو بدترین خطرہ درپیش ہوسکتا تھا۔ شاید کے ٹائمین کینوپ کے خلاف نہیں بلکہ کراچی ائرپورٹ کے خلاف بنایا جانے والا منصوبہ تھا... میری ساری خود اعتمادی رخصت ہوگئی۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بہت احتیاط سے وہ دونوں پیٹیاں الگ کیں اور پھر خود بھی تحریر پر چپکا ہوا کاغذ نوچنے اور اکھاڑنے میں مصروف ہوگیا۔

ہاتھوں کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی چل رہا تھا۔ میں ذاتی تجربات کے جس بھیانک عذاب سے گزر رہا تھا وہ پاکستان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ہر ذمے دار اہل کار ملکی تنصیبات اور مواصلات کو لاحق عالمی خطرات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ ہوائی اڈوں کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات تھے۔ ائرپورٹ سیکیورٹی فورس اور ائرکمانڈوز کے ساتھ ساتھ ہر جدید ترین مشینی سہولت استعمال کی جارہی تھی۔ خاص نسل کے کھوجی کتے ہر وقت اہم ہوائی اڈوں پر موجود رہتے تھے۔ ان تمام انتظامات کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں تھا کہ راس المیڈا کے سازشی ساتھی کسی ائرلائن کی ملی بھگت سے غیر قانونی بارودی ذخائر ممنوعہ حدود میں لے جاسکیں۔

کاغذ صاف ہوگئے۔ ان پیٹیوں میں انتہائی حساس قسم کے آتشی اور بارودی ہتھیار محفوظ کیے گئے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کن مقاصد کے لیے وہاں رکھے گئے تھے۔ کسی ماہر کی معاونت کے بغیر ان پیٹیوں سے چھیڑ چھاڑ مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ کوئی تختہ اکھڑتے ہی ان ہتھیاروں کا حفاظتی نظام بیدار ہو کر اپنی زد میں آنے والی ہر زندہ اور بے جان شے کے ٹکڑے اڑا دیتا۔

وہ تفصیلات سن کر سلطان شاہ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا "یہ خبر اسی وقت اول خان یا میجر غوث تک پہنچنی چاہیے ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اگر بلیک ہاک گھر پر موجود نہیں ہے تو کسی بھی لمحے واپس آسکتا ہے۔ ہماری یہاں آمد اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی..."

"ذرا ماربل کے سامان کی ایک پیٹی تو کھولو۔ اسے بھی دیکھ لیا جائے" میں نے اسے ہدایت دی۔

وہ کھانے کا کمرا تھا۔ سلطان شاہ نے ٹارچ کی روشنی میں ایک الماری میں سے کیک کاٹنے والی لمبی چھری اور چند مضبوط سروس اسپون نکالے اور ایک پیٹی پر ٹوٹ پڑا۔ تختے اکھاڑنے میں اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔ بلیک ہاک کی گھر میں موجودگی کا سحر ٹوٹنے کے بعد میں بھی قدرے بے فکر ہوچکا تھا۔

اس پیٹی میں گھاس پھوس کے درمیان سنگِ مرمر کی نفیس شطرنجیں موجود تھیں۔

"بس آجاؤ!" میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھالیا "بلیک ہاک کے کمرے کی تلاشی لے کر ہمیں اس کی آمد سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اول خان وغیرہ کو فلیٹ سے فون کیا جائے گا۔"

"نہیں فوراً خبر کردو" سلطان شاہ خوشامد کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت ہم موت کے دہانے میں بیٹھے ہوئے ہیں..."

"چلو... یہ کام تم خود کرلینا تاکہ تمہاری تسلی ہوجائے" میں نے ملائمت سے کہا۔

بلیک ہاک کے کمرے میں مختلف ساخت کے تین پستول' ایک سائلنسر چڑھا ہوا ریوالور اور متعدد میگزین پہلے ہی نظر آچکے تھے۔ میں انہیں نظر انداز کرکے وہاں موجود واحد الماری کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹیلی فون ڈیڈ ہے" سلطان شاہ کی آواز میں ہراس پوشیدہ تھا۔

"تاروں کو ہلا جلا کر دیکھو!" میں نے پلٹ کر کہا اور دوبارہ الماری کا سامان الٹ پلٹ کرنے لگا۔

کپڑوں کے نیچے مجھے کتابی سائز کا ایک فولڈر نظر آیا جس میں بہت سے کاغذات ٹھنسے ہوئے تھے۔ میں نے اس کا سرسری جائزہ لیا۔ کئی کاغذوں پر ان ہی تاریخوں میں کچھ خفیہ اندراجات تھے۔ پھر مجھے ایک ایسا کاغذ بھی نظر آگیا جس پر پنسل سے بہت چھوٹے حروف میں کے ٹائمین لکھا ہوا تھا۔ میں نے فولڈر کو تہ کرکے اس کا کلپ لگایا اور اپنے گریبان کے بٹن کھول کر فولڈر کو اندر سے پتلون کی بیلٹ میں پھنسالیا۔

"لائن بالکل بے جان ہے' ڈینی!" سلطان شاہ کی آواز میں وحشت اتر آئی "معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے باہر سے تار کاٹ دیے ہیں... شاید بلیک ہاک آچکا ہے۔"

میرے جواب دینے سے پہلے ہی ایریٹس پر کال کا اشارہ ملنے لگا۔

"دروازے پر آجاؤ تاکہ ہم باہر نگاہ رکھ سکیں" یہ کہتے ہوئے میں نے ایریٹس نکال کر آن کردیا اور بلیک ہاک کا بھرا ہوا بے آواز ریوالور اٹھا کر نیم روشن راہداری میں نکل گیا۔

"دس از بلیک ہاک آن ارجنٹ کال فار چیف... اوور!" ایریٹس پر متوحش آواز میں غیر معمولی پیغام سنائی دیا جس کا مفہوم تھا کہ بلیک ہاک اپنے سربراہ سے کوئی ہنگامی رابطہ قائم کرنا چاہ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ گیری ہارٹ تمہیں جُل دے کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہے؟ اوور!" چیف کے روپ میں راس المیڈا کی آواز استہزائیہ تھی۔

"وہ دونوں اپنے مقررہ ٹھکانے پر زیرِ حراست ہیں... صبح چار

بچے ان کی پرواز ہے" بلیک ہاک کہہ رہا تھا "میرے گھر کے حالات سخت مخدوش ہیں۔ کچھ اجنبی لوگ اندر گھسے ہوئے ہیں.... اوور!"

"اور شاید تم اپنے کمرے میں محصور ہو؟ اوور!" بلیک ہاک کے اس پیغام نے ہم دونوں کے ساتھ راس المیڈا کو بھی بری طرح چونکا دیا تھا۔ اس کے اضطراری سوال سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"نہیں.... میں نقشوں کے سلسلے میں مصروف تھا پھر گیری کو احکام دے کر گرے ہاک کے ساتھ کچھ لوگوں کو بزنس ڈنر پر لے گیا تھا.... واپس آیا ہوں تو میرا چوکیدار بے ہوش پڑا ہے.... گھر کے باہر ایک کھلی ہوئی مشتبہ کار کھڑی ہے.... میں اپنے احاطے میں ہوں۔ میرے ڈائننگ روم کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ میں نے اندر ایک ٹارچ کی متحرک روشنی بھی دیکھی ہے۔ پتا نہیں وہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا لینے آئے ہیں۔ اوور!" وہ تفصیلات بیان کرتے ہوئے بلیک ہاک ہانپنے لگا۔ اپنی ساری بے خوفی اور طاقت کے باوجود وہ اپنی آواز سے خائف محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ ڈینی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا" راس المیڈا کی آواز غضب ناک ہو گئی "فوراً اپنے فون کے تار کاٹ دو۔ اپنے گھر کو آج اس حرام زادے کا مدفن بنا دو.... میں شرط لگاتا ہوں کہ اپنی زندگی کے عوض جیف طرنے اسے تمہارے بارے میں کچھ بتایا ہو گا۔ اس نے تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہے' تم اس کا نرخرا چیر کر پھینک دو۔ اوور!"

"روشنی دیکھتے ہی میں نے فون کے تار کاٹ دیے تھے' اوور!" جواب دیا گیا۔

"مکان کو گھیر لو۔ اس کی نکاسی کا ہر راستہ مسدود کر دو۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ؟ اوور!"

"چیف! ہم کل تین نفوس ہیں" بلیک ہاک کی آواز سے... بے بسی جھلک رہی تھی "وائٹ ہاک بھی ہمارے ساتھ ہے۔ یہ دونوں مجھے چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔ جب میرے چوکیدار نے گیٹ پر روشنی پڑنے کے باوجود پھاٹک نہیں کھولا تو ہم تینوں کو تشویش ہوئی۔ وائٹ ہاک نے دیوار سے اندر کود کر پھاٹک کھولا تو مجھے نقشہ بگڑا ہوا نظر آیا۔ وہ دونوں اس وقت دو کونوں سے پورے گھر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ باہر آتے ہی مارا جائے گا۔ اوور!"

"باہر ایک ہوائی فائر کرو.... وہ خوف زدہ ہو کر باہر نکلنے کی کوشش کرے گا.... ٹھہرو! فائر کرنے کی ضرورت نہیں' پولیس آ گئی تو اسے مار گرانے کا یہ سنہرا موقع ضائع ہو جائے گا۔ کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب سے اسے للکارو۔ وہ گھبرا کر باہر آنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔ اپنے اریٹس آن رکھو.... اس وقت ڈائننگ روم کی کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب جو بھی موجود ہے' وہ مجھے رپورٹ کرے۔ اوور!"

"گرے ہاک.... میں کھڑکی سے صرف چند گز دور ہوں۔ مجھے روشنی نظر نہیں آئی۔ اندر سکوت اور گہرے اندھیرے کا راج ہے۔ مکان کا پچھلا حصہ کچھ روشن ہے' اسی طرف بلیک ہاک کا کمرا ہے۔ اوور!"

میں نے اریٹس سلطان شاہ کو تھما کر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں جو کچھ سن چکا تھا' میرے لیے وہی کافی تھا۔ میں ان لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کا وہ موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے میرے پیچھے آنے کی کوشش کی لیکن میں نے غرا کے اسے روک دیا۔

"گرے ہاک! تم بڑھو اور اس چوہے کو اس کے بل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دو۔ اوور!" اریٹس پر کہے جانے والے وہ آخری الفاظ تھے جو راس المیڈا کی آواز میں میرے کانوں سے ٹکرائے۔

آگے اندھیرے کا راج ہونے کے باوجود اس گھر کا نقشہ میرے ذہن میں جم چکا تھا۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا ڈائننگ روم کے اندرونی دروازے تک پہنچا اور جالی کے لہراتے ہوئے پردے کی اوٹ میں ایک طرف دبک گیا۔ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بے آواز ریوالور کی مہیب آہنی نال گرے ہاک کے خونیں استقبال کے لیے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ میں اس وقت ان درندوں کے نرغے میں آ چکا تھا' فرار کی راہ بظاہر مسدود ہو چکی تھی مگر میں پھر بھی آخری سانس تک ان کا مقابلہ کرنے کا عزم کر چکا تھا۔

وہ معرکہ اس قدر نازک اور پُرپیچ تھا کہ میں بھی راس المیڈا کی طرح پولیس کو دور رکھنا چاہتا تھا۔ محض اسی وجہ سے میں نے اپنے پُرشور پستول کے بجائے بلیک ہاک کا بے آواز ریوالور استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ایک بار پھر انتظار کے لمحات میرے اعصاب کو چٹخانے لگے۔ شاید میں ضرورت سے زیادہ تیزی دکھا کر اپنے مورچے پر پہنچ گیا تھا۔ گرے ہاک شاید بہت زیادہ سنبھل سنبھل کر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف آ رہا تھا۔

آخر چوبی فریم کے عقب میں ایک کھوپڑی کا کچھ حصہ نمودار ہوا۔ ٹریگر پر میری شہادت کی انگلی کی گرفت سخت ہو گئی۔ وہ کھوپڑی فوراً غائب ہو گئی۔ میں منتظر رہا۔ چند ثانیوں بعد وہ کھوپڑی بلند ہوتے ہوتے شانوں تک ایک انسانی ہیولا میرے سامنے آ گیا۔ گہری تاریکی میں بس اس کی چمک دار اور متجسس آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں جو بے چینی سے متحرک تھیں پھر اس کا داہنا ہاتھ بلند ہوا۔ وہ خالی نہیں تھا۔ شاید وہ کمرے میں پھیلی ہوئی تاریکی میں اپنا کوئی شکار تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ڈینی! گندے سؤر کی...." میں اُس کی اسی آواز کا منتظر تھا۔ اس کی پہلی گالی مکمل ہونے سے پہلے میں نے ٹریگر دبا دیا۔ میری کلائی کو تیز جھٹکا لگا' ٹھک کی غیر فطری سی آہنی آواز کے ساتھ نال سے ایک شعلہ لپکا اور کھڑکی میں نظر آنے والا سایہ اچانک معدوم

ہوگیا۔ نئے ہتھیار سے میرا پہلا فائر بے خطا رہا تھا۔ پگھلا ہوا سیسہ اس کے مغز کے ایسے حصے میں اترا تھا کہ اسے چیخنے کی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی۔ اس کی دلدوز چیخ ایک بلند آہنگ ہچکی میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کے نیچے گرنے کی دھمک اس کی آخری آواز سے زیادہ پُرشور تھی۔

میں دوڑتا ہوا سلطان شاہ کے قریب جا پہنچا۔ پوری صورتِ حال کو سمجھ لینے کے بعد وہ اپریٹس سمیت کچن والی راہ داری تک بڑھ آیا تھا۔ نیم تاریکی میں خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

اپریٹس پر بلیک ہاک ہذیانی آواز میں بول رہا تھا "..... مرگیا۔ شاید اس کے دل یا دماغ پر بے آواز فائر کیا گیا ہے..... چیف! وہ درندہ ہے' بالکل خونی بھیڑیے کی طرح! ہم اسے اس طرح زیر نہیں کرسکیں گے۔ وہ دبک کر موت کا انتظار کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ گھر میں محصور ہوجانے کے باوجود مقابلے پر تُلا ہوا ہے۔ کاش! گرے ہاک زندہ رہتا..... ہم تینوں اسے بہت آرام سے مار لیتے..... اوور!"

"یہ بات ناقابلِ یقیں ہے کہ وہ آواز نکالتے ہی اتنی آسانی سے مار لیا گیا" راس المیڈا کی آواز صدمے سے مرتعش تھی "ڈینی ایک ایک کرکے میرے آدمیوں کو کھاتا جارہا ہے..... تم کیا کرنا چاہتے تھے؟ اوور!"

"دو آدمی باہر رہ کر نگرانی کرتے' میں چھت کے راستے مکان میں داخل ہوکر اسے باہر ہانک سکتا تھا۔ وہ کم از کم تین آدمیوں کا کام تھا..... ہم دونوں اب انتظار کے سوا کچھ نہیں کرسکتے۔ اوور۔"

"عمارت کی نگرانی کرتے رہو اور مجھے سوچنے دو!" راس المیڈا کی آواز تھکی تھکی سی ہوگئی "آج ڈینی کو ہر قیمت پر فنا ہونا ہے..... اس کی چیرہ دستیاں اب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوچکی ہیں۔"

اپریٹس پر موت کا سا سنسنی آمیز سکوت طاری ہوگیا۔ راس المیڈا مجھے مارنے کی کوئی نادر ترکیب سوچ رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس پُرہول حصار سے نکلنے کے لیے فکر مند تھا۔

"بلیک ہاک کی گاڑی کی چابی تلاش کرو!" میں نے سلطان شاہ کے ہاتھوں سے اپریٹس لے کر کہا "وہ اس کے کمرے میں ہی موجود ہونی چاہیے۔ اب ہم اپنی گاڑی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اس کی گاڑی احاطے میں ہے' مضبوط فولادی پھاٹک بند ہوگا' باہر وہ دونوں ہمارے منتظر ہیں... اس چھت کے سائے سے محروم ہوتے ہی موت ہمیں دبوچ لے گی... کاش ہمیں یہاں سے ایک فون کرنے کا موقع مل گیا ہوتا۔ اب دیکھنا ہے کہ ہمیں یہاں سے کب نکلنا نصیب ہوتا ہے۔"

وہ عجیب لڑائی تھی۔ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ فکر مند تھے۔ جو ہوچکا تھا اس پر ملول و افسردہ تھے' جو نہیں ہوسکا اس کی آرزو کررہے تھے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ فتح کس کے نصیب میں تھی۔

میری دانست میں اس وقت وہ مقابلہ یک بیک وسائل کی جنگ کے بجائے اعصاب اور حوصلے کی لڑائی میں تبدیل ہوچکا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کا دل بڑھانے کے لیے پوری نیک نیتی سے کہا۔ "ابھی تک ہم نے صرف ایک گولی چلائی ہے اور ان کا ایک آدمی مار لیا ہے۔ یہاں بہت میگزین موجود ہے۔ ہم کئی دن تک ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپریٹس کی وجہ سے ہم ان کی لمحہ بہ لمحہ سوچ سے واقف ہیں جب کہ وہ ہمارے عزائم سے بے خبر ہیں۔ ابھی ابتدا ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اجالا پھیلنے سے پہلے کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

سلطان شاہ کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ اپریٹس تمہیں غزالہ نے یاد دلایا تھا... ذرا تصوّر کرو کہ ہم اسے فلیٹ پر ہی بھول آتے تو کیا ہوتا؟ ان تینوں نے بے خبری میں ہمیں مار لیا ہوتا۔"

"چھٹی حس کے معاملے میں اچھی بیویاں بدروحوں سے کم نہیں ہوتیں۔" میں نے ہنس کر کہا "کسی سبب اور جواز کے بغیر آنے والے خطرات کو بہت پہلے بھانپ لیتی ہیں پھر اپنی عقل مندی پر اِتراتی ہیں۔"

"میں اب یہاں گھٹن محسوس کررہا ہوں۔" وہ میرے پُرمزاح فقروں کو نظر انداز کرکے بولا۔ دباؤ کی وجہ سے وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا نظر آرہا تھا "ایک آدھ گھنٹے میں کوئی نتیجہ نہ نکلا تو میں دھواں دار فائرنگ شروع کردوں گا۔ پولیس آئے گی تو محاصرے کی یہ کیفیت تو ختم ہوگی۔"

"پولیس کو بارودی پیٹیوں اور دوسرے ہتھیاروں کا حساب کون دے گا؟ وہ بھاگ جائیں گے اور ہم پھنس جائیں گے۔ تم بھول رہے ہو کہ میری گرفتاری پر انعام کا اعلان ابھی تک برقرار ہے۔"

"ہر طرح مصیبت ہے۔" وہ اپنا سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا "میں آمنے سامنے کی لڑائی سے نہیں ڈرتا۔ مرو' مار دو یا دُم دبا کر بھاگ جاؤ۔ ایسی اعصاب شکن آنکھ مچولی میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"چیف کالنگ بلیک ہاک!" غالباً راس المیڈا کی کھوپڑی میں کوئی نئی سوچ جنم لے چکی تھی اور اس نے بولنا شروع کردیا تھا۔ "تمہارے پاس ٹی این ٹی چارج کے دو کریٹ باقی ہونے چاہئیں۔ وہ کہاں ہیں؟ اوور!"

"وہ ڈائننگ روم میں ہی موجود ہیں۔ ان کے نمبر سترہ اور اٹھارہ ہیں۔ اوور!" بلیک ہاک نے کچھ نہ سمجھنے والے لب و لہجے میں اپنے چیف کے اس سوال کا جواب دیا تھا۔

"پھر کام بن گیا" راس المیڈا کی آواز میں مسرت عود کر آئی "وہ چارج دو ہزار مربع گز کے رقبے پر بنی ہوئی کسی بھی کثیرالمنزلہ عمارت کو کھنڈر بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ وہ کریٹ پھٹ جائیں تو

تمہارے مکان کی بنیادوں تک کا سراغ لگانا دشوار ہوجائے گا۔ اب تم اس کی تیاری کرلو۔ اوور!"

"مم... مگر وہاں تک رسائی کیسے ہوگی؟ کھڑکی کے پیچھے ڈینی کوئی بے آواز گن لیے بیٹھا ہے۔ وہ کھڑکی پر کسی کا سایہ بھی دیکھے گا تو بے دریغ گولی چلادے گا۔ میں تمہاری ہدایت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اوور!"

"میں اب تمہیں بتا ہی دیتا ہوں۔ ان پیٹیوں میں تباہ کن بارودی ہتھیار ہیں اور ہر پیٹی میں ایک ریموٹ کنٹرولڈ ڈیٹونیٹر بھی ہے۔ پیٹیوں کے نمبر اسی لیے اہم ہیں کہ ہر ڈیٹونیٹر کا ایک مخصوص ریموٹ کنٹرول ہے اور یہ سب میرے پاس ہیں۔ یہ وقت ذرا غلط ہوگیا۔ گیری ہارٹ موجود ہوتا تو وہ سب کام آسانی سے کرسکتا تھا... تم ڈینی کو وہیں گھیرے رہو۔ میں آدھے گھنٹے میں دونوں ریموٹ کنٹرول لے کر وہاں پہنچ رہا ہوں... اس کے بعد ڈینی کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم سمجھو۔ وہ جتنی دھوم سے زندہ رہا ہے اس سے کہیں بڑے دھماکے میں ہلاک ہوگا... اوور اینڈ آل!"

راس المیڈا کا وہ شیطانی فیصلہ سن کر میں سناٹے میں آگیا۔ سلطان شاہ وحشت اور بے یقینی کے عالم میں میرا چہرہ تکے جارہا تھا پھر وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "تم نے سن لیا؟ ہمارے پاس کچھ کرنے کے لیے صرف آدھے گھنٹے کی مہلت رہ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ حرام زادہ اس سے پہلے ہی یہاں آپہنچے۔ وہ آگیا تو ہماری زندگیاں اس کی انگلی کے ایک اشارے کی مرہونِ منت رہ جائیں گی۔ اگر یہ کریٹ دو ہزار مربع گز کے رقبے پر تباہی پھیلا سکتے ہیں تو پتا نہیں ان کا ریموٹ کنٹرول کتنی دور تک کام کرتا ہوگا۔"

"اس نے اوور اینڈ آل کہہ کر سلسلہ منقطع کیا ہے۔ اب وہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں آکر ہم کو ایک موقع ضرور دے گا۔ اس کی خواہش ہوگی کہ مجھے زندہ گرفتار کرے۔ اگر ایسی کوئی صورتِ حال رونما ہوتی ہے تو گلو خلاصی کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔"

"ان سب باتوں کو چھوڑو۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔" وہ جھنجلا کر بولا "میں فائرنگ کرنے جارہا ہوں۔ زندگی رہی تو تم پولیس کچہری سے بھی نمٹ لوگے۔ یہ نہ بھولو کہ اب اول خان کے ساتھ ساتھ کرنل اشفاق اور میجر غوث جیسے ذمے دار افسر بھی تمہاری پشت پر ہیں۔ ان کی مداخلت پر پولیس والوں کو پسپائی اختیار کرنی پڑے گی۔"

"تم جو چاہو' کرسکتے ہو۔" میں نے تکرار سے گریز کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ گونگا ریوالور پھینک کر اپنا پستول نکالو اور تم بھی میرے ساتھ آؤ۔" اس نے مجھے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ میں نے بلیک ہاک کا بے آواز ریوالور بائیں ہاتھ میں منتقل کرکے اپنا پستول نکالا اور اس کے ساتھ ہولیا۔ ڈائننگ روم کے دروازے سے کھلی ہوئی کھڑکی ویران نظر آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے "فائر" کہا' میں نے کسی سحرزدہ معمول کی طرح فائرنگ شروع کردی اور پھر ٹریگر دباتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ میگزین خالی ہوگیا۔ سلطان شاہ مجھ سے پہلے اپنے سارے راؤنڈ فائر کرچکا تھا مگر فضا پھر بھی ہولناک فائرنگ کے شور سے لرز رہی تھی۔

میرے لیے وہ صورتِ حال ناقابلِ فہم تھی۔ میں نے تحیر زدہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

ہمارے مقابلے میں باہر صرف دو افراد تھے لیکن باہر ہونے والی دہشتناک فائرنگ سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں درجنوں ہتھیار بیک وقت آگ اگل رہے تھے۔ اگر وہ کوئی گشتی پولیس پارٹی تھی تو اس نے حیرت ناک کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ باہر پوزیشنیں لیے ہمارے سگنل کے منتظر رہے ہوں اور ہماری طرف سے پہلا فائر ہوتے ہی انہوں نے راس المیڈا کے آدمیوں پر جہنم کے دہانے کھول دیے ہوں۔

سلطان شاہ کا مقصد حاصل ہوچکا تھا۔ کوئی تیسرا فریق میدان میں آچکا تھا۔ ہم نے اپنے ہتھیار لوڈ کیے اور مزید کوئی فائر کیے بغیر باہر ابھرنے والے آتشیں نغموں کو سننے میں مصروف ہوگئے۔

ان آوازوں پر دھیان دینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ چلنے والی کم از کم تین رائفلیں ایسی تھیں جو پولیس والوں کے استعمال میں نہیں ہوسکتی تھیں۔ ایسے بھاری ہتھیار صرف فوجی یا نیم فوجی اہل کاروں کے استعمال میں ہوتے تھے۔

ان رائفلوں سے میرا ذہن فوراً ہی اول خان کی طرف چلا گیا۔ کیا وہ ایس ٹی ایف کی نفری لے کر ہماری مدد کے لیے میدان میں آکودا تھا؟ بظاہر اس سوال کا جواب نفی میں تھا۔ اول خان تو کیا' ویرا اور غزالہ تک کو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ بلیک ہاک کے گھر میں گھسنے کے بعد ہم کیسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے۔ ہمیں درپیش خطرات سے واقف ہوئے بغیر ہمارا کوئی بھی ہمدرد وہاں نہیں آسکتا تھا۔

فضا تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک دھواں دار فائرنگ سے لرزتی رہی پھر ہتھیار تیزی سے خاموش ہوتے چلے گئے اور فضا پر غیر فطری سناٹا چھا گیا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کھڑکی سے جھانک کر باہر کا جائزہ لوں لیکن میں اپنی اس خواہش پر عمل نہیں کرسکا۔ اس وقت تک کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ باہر ہمارے دشمنوں کا راج تھا یا کوئی اور کنٹرول سنبھال چکا تھا۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ نئے آنے والوں کا ہمارے ساتھ کیا رویّہ ہوتا۔

کچھ دیر سکوت کی اسی فضا میں گزری پھر دھپ دھپ کی متعدد آوازوں کے ساتھ پورا احاطہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونجنے لگا۔ باہر مزاحمت یا تصادم کی کوئی آواز نہیں ابھری۔

احاطے کی دیوار سے بیک وقت اندر کودنے اور دوڑ لگانے کا

وہ انداز بالکل کمانڈوز کی طرح تھا۔ بے یقینی اور عدم تحفظ کے ان روح فرسا لمحات میں میرے دل میں امید کی پہلی کرن جگمگا اٹھی۔

"پوری عمارت آرمی کے گھیرے میں ہے۔" باہر سے کسی نے پاٹ دار آواز میں کہا "اندر جو لوگ بھی ہیں' ہتھیار پھینک کر باہر آجائیں ورنہ کمانڈو ایکشن شروع کردیا جائے گا۔"

میں نے سوئچ دبا کر ڈائننگ روم میں روشنی کردی اور پستول اور بے آواز ریوالور سمیت اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ سلطان شاہ نے کسی روبوٹ کی طرح میری تقلید کی۔

"اوہ... ڈیبی!" کسی سمت سے میجر غوث کی تحیر زدہ آواز ابھری پھر اس نے گرج کر شاید اپنے آدمیوں کو ہدایت کی۔ "آرمز ڈاؤن! اندر سے آنے والے دوست ہیں۔"

میجر غوث کی آواز پہچانتے ہی میرا دل فرطِ جذبات سے بھاری ہونے لگا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زندگی اور موت کے اس نازک دوراہے پر میرے نئے دوست یوں غیر متوقع طور پر ہماری مدد کو پہنچ جائیں گے۔

"اپنے آدمیوں کو دور تک پھیلا کر پورے علاقے کی ناکا بندی کرادو' میجر!" میں نے وہیں کھڑے کھڑے کہا "اس کمرے میں دو خطرناک بارودی کریٹ موجود ہیں جو ہولناک تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ راس المیڈا ان کے ریموٹ کنٹرولر لے کر کسی بھی وقت اس علاقے میں آسکتا ہے۔ اسے یہاں سے جتنی دور ممکن ہو' روک دو۔"

میجر غوث اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔ احاطے میں سرچ لائٹس چمک رہی تھیں۔ اسی ہنگامے میں کہیں سے اول خان نمودار ہوا اور کسی سبک اندام نوجوان کی طرح کھڑکی عبور کرکے اندر آگیا۔ اس نے اندر آتے ہی والہانہ انداز میں باری باری ہم دونوں کو گلے سے لگایا اور میں اسے فوراً ہی بارودی پیٹیوں کی طرف لے گیا۔

باہر پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک گونجنے لگی تھی۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا' سرعت سے ہو رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد کچھ فاصلے پر بھاری گاڑیوں کے انجن چلنے کی آوازیں ابھریں اور مختلف سمتوں میں معدوم ہوتی چلی گئیں۔ اپنے آدمیوں کو روانہ کرنے کے بعد میجر غوث بھی کھڑکی کے راستے اندر آگیا۔

ان پیٹیوں پر پہلی نظر ڈالتے ہی اس کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیل گئے اور اس نے بے یقینی سے پوچھا "یہ... یہ یہاں کہاں سے آگئیں۔ یہ تو امریکن آرمی کا کلا سیفائیڈ آرٹلری ایمونیشن معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ یہاں ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کارگو ٹرک کے ذریعے یہی تباہ کن سامان ائرپورٹ منتقل کیا گیا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد اور بے خوفی سے کہا۔

"تو!" اس نے وثوق سے سر ہلا دیا "وہ ماربل کے سامان کے چالیس کریٹ ہیں جو ایک چارٹرڈ پرواز سے قبرص بھیجے جانے والے ہیں۔ میں نے یہی بتانے کے لیے تمہارے گھر فون کیا تو غزالہ نے بتایا کہ تم بھڑوں کے چھتے پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے نکلے ہوئے ہو۔ میں نے پوری عجلت سے کام لے کر جوانوں کو تیار کیا' اول خان کو ڈیلٹا تھری پر بلایا اور وہاں سے اس کی رہنمائی میں ہم سب یہاں آگئے۔"

اس نے مختصر ترین الفاظ میں اپنی آدھی سے زیادہ کہانی سنا ڈالی۔

"راس المیڈا بہت خطرناک مجرم ہے۔" اول خان پُر تشویش انداز میں بولا "وہ ہمارے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل بھی سکتا ہے' ہمیں سب سے پہلے اس ذخیرے کو بے ضرر بنانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

"اسے میرا ماہر ہی ہاتھ لگائے گا۔ میں ابھی آتا ہوں۔" میجر غوث یہ کہہ کر کھڑکی سے باہر کود گیا۔ اس وقت تک اس کی چمکتی ہوئی جیپ مکان کے احاطے میں لائی جاچکی تھی۔ جیپ کے عقبی بمپر پر بہت اونچا وائرلیس اپریٹس کا ایریل لہرا رہا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ گاڑی کے سوا کسی کے جسم پر کوئی فوجی شناخت نہیں تھی۔ میجر غوث کے سارے آدمی بھی سادہ لباسوں میں آئے تھے۔

اول خان بارودی پیٹیوں کے برابر میں موجود ماربل کے سامان کی پیٹیوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سلطان شاہ غائب تھا۔ میں باتوں میں مصروف رہا اور اسے غائب ہونے کا موقع مل گیا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ ماربل کے سامان کے ساتھ بارودی کریٹ بھی ائرپورٹ لے جائے گئے ہیں۔" میں نے اول خان سے کہا "میجر سے کہو کہ اس سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کرائے۔ یہاں ماربل کی تین پیٹیاں ہیں اس کا مطلب ہے کہ ان کی جگہ بارود کے تین چوبی صندوق گئے ہیں۔ شاید اب کے نائین کی گتھی بھی جلد ہی سلجھ جائے گی۔"

"میں میجر سے بات کروں گا... یہ کھڑکی کے نیچے لاش کیسی پڑی ہے؟" وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

"یہ گرے ہاک ہے جو میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دو ساتھی احاطے میں تھے۔ اب وہ کہاں ہیں؟"

"باہر کوئی نہیں تھا۔" اس نے حیرت سے کہا "ہم لوگ گاڑیاں دور چھوڑ کر عمارت کو گھیرے میں لینے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک فائرنگ شروع ہوگئی۔ میجر نے جوابی فائر کھلوا دیا۔ ہم لوگ اندر آئے تو کوئی نہیں تھا۔"

"شاید ان خبیثوں نے بھاری گاڑیوں کی کچھ نہ کچھ آوازیں سن لی ہوں گی اسی لیے وہ گھیرا پڑنے سے پہلے نکل بھاگے۔" میں

نے متاسفانہ لہجے میں کہا "ہم ان کی ساری گفتگو سنتے رہے تھے۔"

اسی وقت سلطان شاہ لوٹ آیا۔ اس کے چہرے پر بشاشت دوڑ رہی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" اسے آتا ہوا دیکھ کر مجھ سے پہلے اول خان پوچھ بیٹھا۔

"ٹیلی فون کے کٹے ہوئے تار جوڑنے گیا تھا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "ان بدمعاشوں نے ہمیں ہر طرح سے اندر گھیر لیا تھا۔ مجھے تو ناقابلِ بیاں وحشت ہونے لگی تھی۔"

"ڈیبی اسی طرح آنکھیں بند کرکے خطرات میں چھلانگ لگانے کا عادی ہے۔" اول خان نے مشفقانہ لہجے میں کہا "اس کے ساتھ رہوگے تو بس یہی سب ہوتا رہے گا۔ کوئی ڈھنگ کی لڑکی ڈھونڈ کر اپنا گھر بسا لو ورنہ برباد ہوجاؤ گے۔"

"لڑکی بھی موجود ہے۔ اس کی رضامندی درکار ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"بس! اب آگے نہ بولنا۔" سلطان شاہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"وہ تو اب بھی نہیں ہے۔ فون ٹھیک ہوگیا ہے تو گھر فون کردو۔ دونوں عورتیں پریشان ہوں گی۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا اور وہ جھینپے جھینپے انداز میں وہاں سے چلا گیا۔

"کے نائین کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟" سلطان شاہ کے جانے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اسے دیکھ لوں پھر بات کرسکوں گا۔" میں نے اپنے پیٹ کے ساتھ چپکے ہوئے فولڈر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کیا ہے؟ میں کافی دیر سے سوچ رہا ہوں کہ تمہارا پیٹ چوکور کیوں نظر آرہا ہے۔"

"یہ بلیک ہاک کے اہم کاغذات ہیں۔ گھر جاکر اطمینان سے دیکھوں گا۔"

"میجر کو بتا دینا۔ اسے بعد میں پتا چلا تو بدمزگی پیدا ہوسکتی ہے۔ یہاں سے ملنے والی تمام شہادتیں ان کی تحویل میں ہی جائیں گی۔ تم نے ہیرا پھیری کی تو اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔" اول خان نے مجھے سمجھایا۔

"بتا دوں گا۔" میں نے کہا پھر پوچھا "یہ ڈیلٹا تھری کیا بلا ہے جہاں تمہیں بلایا گیا تھا؟"

"گورا قبرستان سے آگے سی ایس ڈی کو آج کل ڈیلٹا تھری کہا جاتا ہے۔ یہ مخصوص لینڈ مارک ہوتے ہیں۔"

میجر غوث نے اس مرتبہ اندر آنے کے بجائے ہمیں باہر بلا لیا۔ اس کے ہاتھوں میں دو اپریٹس موجود تھے۔

"ایک کھڑکی کے نیچے پڑی ہوئی لاش کے پاس سے ملا ہے' دوسرا لان پر پڑا ہوا تھا۔" اس نے بتایا "میں حیران ہوں کہ ان لوگوں کو یہ اہم ترین فوجی ساز و سامان کہاں سے مل رہا ہے۔"

"اپنے منصب کی وجہ سے تمہاری حیرت بجا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا "میری دانست میں تمہارے سوال کا جواب خود تمہارے سوال میں موجود ہے۔ بعض اوقات انسان بہت سی باتیں سمجھتے ہوئے بھی انجان بننے پر مجبور ہوجاتا ہے اور ایسی ناگزیر مجبوریوں کے لیے اسے قصوروار بھی نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔"

"میں نے وائرلیس پر پیغام دے دیا ہے۔ میرا آدمی نکل پڑا ہے۔" میجر غوث نے وہ موضوع ٹالتے ہوئے کہا "تم لوگ جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔ باقی باتیں ہم بعد میں کرلیں گے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ ائرپورٹ لے جائی جانے والی ہر پیٹی کو کھول کر دیکھ لیا جائے کیونکہ اندر بارود کے برابر میں ماربل کے سامان کے تین کریٹ بھی رکھے ہوئے ہیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی ذمے داریوں سے بخوبی واقف ہوں۔" میجر غوث نے برا مانے بغیر ہنس کر کہا پھر پوچھا "کیا مرنے والا اس عمارت میں اکیلا ہی تھا؟"

"اس کے دو ساتھی بھی تھے۔ افراتفری میں انہیں نکلنے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے ایک کا اپریٹس لان پر پڑا ہوا ملا ہے۔ چوتھا آدمی یہاں کا مقامی چوکیدار ہے جو گیٹ کے قریب ہی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔"

پھر میں نے میجر غوث کو بلیک ہاک کے فولڈر کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ کاغذات اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے صاف انکار کردیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ کاغذات سرکاری تحویل میں ہونے چاہئیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر ان کاغذات میں کوئی خفیہ تفصیلات شامل نہ ہوئیں تو اپنے مطالعے کے بعد وہ مجھے بھی وہ کاغذات پڑھنے کا موقع دے سکے گا۔ اس کے تیور دیکھتے ہوئے میں بات آگے نہیں بڑھا سکا اور ناچار پورا فولڈر اس کے حوالے کردیا۔

بلیک ہاک کا بے آواز ریوالور مجھے پسند آگیا تھا۔ میں نے اس کی ملکیت کا ذکر ہی گول کردیا ورنہ پھر سرکاری اور غیر سرکاری کا تنازع چل پڑتا۔ سلطان شاہ کے آجانے پر میں نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو میجر نے خندہ پیشانی سے اجازت دے دی۔ اس وقت اُس کے آدمی گرے ہاک کی لاش اٹھا رہے تھے۔

باہر وہ گاڑی لاوارث کھڑی ہوئی تھی جو ان لوگوں نے بزنس ڈنر سے واپسی پر وہاں آنے کے لیے استعمال کی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فوجی گاڑیوں کی آمد کا اندازہ لگاتے ہی وہ برابر کے کسی مکان میں کود کر وہاں سے پیدل فرار ہوئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ اگر میجر کے آدمیوں نے راس المیڈا کو روکنے کے لیے کڑی ناکا بندی پر عمل کیا تو بلیک اور وائٹ ہاک اس علاقے سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے ضرور پکڑے جائیں گے۔

اول خان بیماری کی وجہ سے خاصا نحیف ہوچکا تھا۔ اس کے

لیے گھر سے گاڑی چلا کر اتنی رات گئے وہاں تک آنا ہی دشوار ہوگیا تھا۔ بہر حال اس نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے پورا کردیا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ ان لوگوں کی بروقت آمد کی وجہ سے ہم ایک بہت بڑے خطرے سے بال بال بچ گئے تھے۔ میجر سے بات کرکے وہ بھی ہمارے ساتھ ہی واپسی کے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔

اس کا ساتھ دینے کے لیے ہم نے سیدھے راستے کے بجائے ڈیلٹا تھری تک اس کے پیچھے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ویران سڑکوں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بلیک ہاک کے گھر کی طرف جانے والے راستوں کے داخلی سروں پر میجر غوث کے سادہ پوش مسلح جوان موجود تھے۔

دو مقامات پر ہمیں بھی روکا گیا لیکن اس قافلے کی قیادت کرنے کی وجہ سے اوّل خان ان سب کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں بھی تلاشی وغیرہ کے بغیر گزرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ہم نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہوتا تو ہمارے ہتھیار ہمارے لیے پریشانی کا سبب بن سکتے تھے۔

اوّل خان کو سی ایس ڈی کے چوراہے پر الوداع کہہ کر ہم تیز رفتاری سے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس بار ہم نے سن سیٹ بولیوارڈ کا راستہ لیا تاکہ میجر غوث کے کسی آدمی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

○☆○

میں جب تک بلیک ہاک اور اس کے حواریوں کے ساتھ جاں گسل معرکے میں الجھا رہا' مجھے اس تصادم کے مضمرات کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکا۔ وہاں سے رات ڈھائی بجے کے لگ بھگ واپسی کے بعد کچھ دیر تک ویرا اور غزالہ کے کڑے سوالات کے جوابات دینے پڑے پھر میں ایسا بے خبر سویا کہ اگلے دن دوپہر کی خبر لایا۔

پچھلی رات ڈیفنس کے علاقے میں جو کچھ ہوا' وہ اخبارات کی آخری کاپیاں پریس جانے کے بعد ہوا اس لیے صبح کے اخبارات اس بارے میں خاموش تھے لیکن غزالہ اس وقت تک آجانے والے شام کے دو اخبار بھی لے آئی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ڈیفنس جیسے پُر سکون رہائشی علاقے میں ہونے والی اتنی بڑی واردات کے بارے میں کسی اخبار میں ایک سطر بھی نہیں چھاپی گئی تھی۔

میری دانست میں وہ میجر غوث کی ذات اور شعبے کا کرشمہ تھا کہ شہر کے باخبر صحافی بھی اس واقعے سے چشم پوشی اختیار کرگئے تھے۔ میں ناشتا کرتے ہوئے بھی ان ہی واقعات میں الجھا رہا۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پچھلی رات تک سب کچھ میرے علم میں تھا۔ میں آپریشن کے تائین کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں کلیدی کردار ادا کر رہا تھا۔ لیکن پچھلی رات کے واقعات کے بعد یک بیک سب کچھ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

کراچی میں راس المیڈا جس ٹیم کے ساتھ کام کر رہا تھا وہ بہت مؤثر اور فعال تھی' اس کے بیشتر اراکین میری نظروں میں آچکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ گیری ہارٹ اگر اپنے چیف کے عتاب کا نشانہ نہ بنا ہوتا تو وہ ان لوگوں کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کرسکتا تھا۔

گیری ہارٹ اور جیف طرِ منظر سے یک بہ یک ہٹا دیے گئے تھے۔ بلیک ہاک اور اس کے دو ماتحت جو اپریٹس کی مدد سے ہروقت میری دسترس میں تھے وہ بھی یکایک غائب ہوگئے۔ گرے ہاک کی موت اور مزید دو اپریٹس کھو دینے کے بعد رہے سہے افراد نے اپریٹس کا استعمال یوں ترک کیا تھا کہ پچھلی رات سے اس پر کسی کے سانس لینے کی آواز تک نہیں سنائی دی تھی۔

اپنی معلومات کے ان ذرائع سے محرومی کے بعد مجھے راس المیڈا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ وہ بلیک ہاک کے مکان پر ہونے والی ذلت آمیز شکست کا داغ دھونے کے لیے کیا حکمتِ عملی بنا رہا تھا۔

وہ حالات کا ایک رخ تھا جس کی اہمیت اور افادیت دوسروں کے ذہن میں آہی نہیں سکتی تھی۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ تائین کا معاملہ جہاں تک پہنچا تھا وہیں ٹھپ ہوکر رہ گیا تھا۔ جن کاغذات سے مدد مل سکتی تھی' وہ میجر غوث کی تحویل میں چلے گئے تھے۔ کراچی ائرپورٹ پر مشتبہ چوبی پیٹیوں کی ایک بڑی کھیپ پہنچا دی گئی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ راس المیڈا کا تخریبی ذہن کیا سوچ رہا تھا۔

کینوپ یا کراچی ائرپورٹ؟ یہ وہ اہم سوال تھا جس نے پچھلے روز کے واقعات کی کوکھ سے جنم لیا تھا اور کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

میں ناشتے سے فارغ ہوچکا تھا کہ اوّل خان کا فون آگیا۔ اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار تمہاری مشکلات آسان ہوگئی ہیں؟" مزاج پرسی کے بعد میں نے اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر معنی خیز لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"ہاں۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ اپنے لہجے کی تبدیلی کو محسوس کیے بغیر میری باخبری پر حیران رہ گیا "آدھے گھنٹے پہلے ہی فیکس پر آرڈرز آئے ہیں۔ ایک طویل مدت کے بعد آج میں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارے بارے میں خصوصی احکام واپس لے لیے گئے ہیں۔"

"تو کیا اپنے دفتر پہنچے ہوئے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں بستر پر پڑے پڑے بیزار ہوگیا تھا۔ کل رات کی بھاگ دوڑ نے میرا حوصلہ بہت بڑھایا ہے۔ جب واقعات اتنی تیزی سے رونما ہو رہے ہوں تو گھر پر بیٹھے رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"واقعات کہاں رونما ہو رہے ہیں؟ کل رات سے تو روپوشی کا سلسلہ چل پڑا ہے۔"

اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا اور کہا "میں تمہاری بے بسی سمجھ رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا کر رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارے پاس آنا چاہ رہا ہوں۔"

"ضرور آؤ۔ میں خالی بیٹھا کھیاں مار رہا ہوں" میں نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔

"میجر غوث کی طرف سے کوئی خیر خبر؟" اس نے دبے لفظوں میں پوچھا۔

"مجھے خود انتظار ہے۔ بلیک ہاک کے کتابی فولڈر سے میری خاصی امیدیں وابستہ ہیں۔"

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ یہ باتیں فون پر نہیں ہوسکتیں۔ میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" اوّل خان نے عجلت میں یہ کہہ کر فون بند کردیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے دفتر میں کسی کی اچانک آمد کی وجہ سے باتوں کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں آنکھیں موندے اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ میری بے خبری میں ویرا کسی وقت وہاں آکر بیٹھ گئی۔ مجھے اس کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب میری انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ کے سلگتے ہوئے سرے کی تپش سفر کرتے کرتے میری جلد تک پہنچی اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ میں نے سگریٹ کے بقیہ حصے کو ایش ٹرے میں مسل کر بجھایا اور پیر مار کر قالین پر گری ہوئی راکھ کو پھیلا دیا۔

"یہ راکھ تم نے اٹھا کر ایش ٹرے میں ڈالنے کے بجائے پورے قالین پر پھیلا دی ہے۔ اس طرح قالین صاف ضرور نظر آنے لگا ہے لیکن یہ بددیانتی ہے۔ اسے صفائی نہیں کہا جاسکتا" ویرا طنز سے بولی۔

"نہ کہو۔ گندگی کہہ لو۔ تمہیں کون مجبور کر رہا ہے؟" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کوئی بھی غلط کام کرکے ثبوت کو مٹا دینا شاید اب تمہاری عادت بنتا جارہا ہے۔"

"اگر یہ کوئی اطلاع ہے تو اس کا بہت بہت شکریہ!" میں نے دوسری سگریٹ سلگا کر کہا۔

"اور یہ اطلاع میں غزالہ کو بھی دینے والی ہوں" میری سرد مہری پر اس نے جل کر کہا۔

"اسے خوشی ہوگی۔ وہ جب سے میری بیوی بنی ہے' میری عادتوں سے واقف ہونے کے چکر میں پڑی رہتی ہے تاکہ میری پسند اور ناپسند کا خیال رکھ سکے۔ تمہاری یہ دھمکی نہیں چلے گی۔ کوئی نئی بات کرو۔"

"نئی بات کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے کل شام میری ڈمپل کی چوتھائی بوتل اس صفائی سے خالی کی ہے کہ وہاں کوئی نشان تک نہیں چھوڑا۔ غزالہ کو یہ جان کر صدمہ ہوگا کہ اس کے سامنے پرہیزگاری کا سوانگ رچا کر اب تم نے چوروں کی طرح مے نوشی شروع کردی۔"

"میں نے کسی کی چوری نہیں کی۔ موڈ ہوا اور پی لی۔ یہ میں غزالہ کو بتا سکتا ہوں۔ اس نے آج تک میرے پینے پلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ دنوں سے میری طبیعت خود ہی ادھر راغب نہیں ہو رہی تھی۔"

"غزالہ کو اعتراض ہو یا نہ ہو' مجھے سخت اعتراض ہے کیونکہ تم نے میری اسکاچ چوری کی ہے۔"

"آج شام تمہارا یہ خسارہ پورا کردیا جائے گا اور آئندہ احتیاط کی جائے گی۔"

"لیکن کل ایسا کیوں ہوا؟ پتا نہیں میری لاعلمی میں تم میرے کمرے میں گھس کر کہاں کہاں جھانکتے پھرتے ہو۔ یہ تو تمہاری وہ حرکت ہے جو میری نظروں میں آگئی" اس وقت وہ مجھ سے بلاوجہ الجھنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے بارے میں مجھے کسی تاک جھانک کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مراحل میری شادی سے بہت پہلے طے ہوگئے تھے۔ ویسے بھی تم ایلن اور اس کے ساتھیوں سے مار کھانے کے بعد انڈوں پر بیٹھی ہوئی کڑک مرغی کی طرح مسلسل اپنے کمرے میں جمی ہوئی تھیں۔ کس کی مجال تھی کہ تمہارے کمرے کا رخ کرتا؟"

اس کے چہرے پر مصنوعی جھلاہٹ کی جگہ اچانک ہی نرماہٹ پھیل گئی اور وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "اگر تمہیں پینی ہی تھی تو مجھے بلا لیا ہوتا۔ کئی دن سے میں اپنی شامیں تنہا گزار رہی ہوں۔"

"گھر میں سب لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی تم تنہائی محسوس کرتی ہو تو حیرت ہے۔"

"میں ہم نوالہ اور ہم پیالہ ساتھی کی بات کر رہی ہوں۔ چوتھائی بوتل تم نے پانی کے گلاس کی طرح کھڑے کھڑے پی ہوگی۔ خاک بھی مزہ نہیں آیا ہوگا۔ آج شام میرے کمرے میں تمہاری دعوت ہے" وہ اس وقت نہایت حریصانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"شام ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی اوّل خان بھی یہاں پہنچنے والا ہے۔"

"میں یہ سوچ کر پریشان ہوئی جارہی ہوں کہ کل رات اوّل خان اور دوسرے لوگ بروقت تمہاری مدد کو نہ پہنچے ہوتے تو تم دونوں کا کیا حشر ہوا ہوتا۔ راس المیڈا اس مکان کو واقعی تمہارے مقبرے میں تبدیل کردیتا" وہ ایک جھرجھری لے کر بولی "اس کے سر پر تمہارا خون سوار ہوچکا ہے۔"

"اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ تم دیکھ لینا کہ وہ بہت جلد میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اسے اب تک صرف اس کی ذہانت بچاتی رہی ہے لیکن اب وہ تنہا ہوتا جارہا ہے۔ چالاک گیدڑ جب اکیلا رہ جاتا ہے تو بوکھلاہٹ میں خود ہی کسی گہرے گڑھے میں جا

گرتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد امریکنوں کے حوصلے جواب دے جائیں گے۔"

"اور کے نائین کا کیا بنے گا؟ اس کے بارے میں تم کہاں تک پہنچے ہو؟"

"وہ مسئلہ بھی کسی وقت حل ہو جائے گا۔ اوّل خان آجائے تو میں میجر غوث سے بات کروں گا۔"

"میجر غوث بھی ایک ملاقات میں تمہارا مداح بن چکا ہے" اس نے مجھے بتایا "اسے جوں ہی یہ پتا چلا کہ تم صرف سلطان شاہ کو لے کر بلیک ہاک کے پیچھے گئے ہو' وہ تڑپ اٹھا تھا۔ کل رات اسی کی فکر مندی نے تمہیں موت کے منہ میں جانے سے بچایا ہے۔ ورنہ اس وقت تمہاری باقیات کی رسمی تدفین کی تیاریاں ہو رہی ہوتیں۔"

میں بار بار اسے مختلف موضوعات میں الجھانے کی کوشش کرتا رہا اور وہ ہر بار گھوم پھر کر کے نائین کے بارے میں سوالات کرتی رہی۔ میں خود بھی اس بارے میں کسی سے بات کر کے اپنے ذہنی خاکے کے خد و خال واضح کرنا چاہتا تھا مگر مجھے اوّل خان کا انتظار تھا۔ اس کے آنے سے گفتگو میں نمایاں فرق پڑ سکتا تھا۔

ہماری تکرار کی آوازیں سن کر غزالہ بھی وہیں آگئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر پچھلی رات کے قصے چھیڑ دیے۔ اسے سلطان شاہ نے بتا دیا تھا کہ پچھلی رات ہم صرف اپرنٹس کی وجہ سے بچ سکے تھے ورنہ بلیک ہاک اور اس کے ساتھیوں نے میجر غوث وغیرہ کے پہنچنے سے پہلے ہمیں مار لیا ہوتا۔ غزالہ کو اپرنٹس کے بارے میں اپنے بروقت مشورے پر معصومانہ خوشی تھی۔ میں نے دل کھول کر اس کی تعریفیں کیں تو خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

میں نے اپنی مختصر سی ازدواجی زندگی میں یہ بات شدت سے محسوس کی تھی کہ مرد کی فطرت ہی کچھ عجیب ہوتی ہے۔ وہ اپنی محبوبہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے ایسے ایسے بے بنیاد قصیدے پڑھنے پر تلا رہتا ہے کہ سن کر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے لیکن بیوی کے معاملے میں اس کی انا اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ وہ اس عفیفہ کی کسی خوبی کی جائز تعریف کو بھی ذاتی ہتک سمجھ لیتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں کے ذاتی تعلقات میں ایک نادیدہ خلیج حائل ہو جاتی ہے جو بڑھتے بڑھتے اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ عمر میں پختگی آنے کے ساتھ ساتھ وہ دونوں ایک دوسرے پر جا و بے جا تنقید کو اپنا پیدائشی حق تصور کرنے لگتے ہیں۔

میں نے غزالہ کو محجوبیت کے خوابوں سے گزار کر اپنی بیوی بنایا تھا اور پہلے دن سے اس معمول پر کاربند رہا تھا کہ اس کی ہر خوبی کو بروقت سراہا جائے' خامیوں کو ایک معقول حد تک نظر انداز کیا جائے۔ یہ میرے اسی رویے کا انعام تھا کہ غزالہ نے کبھی میری آزاد روی پر کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ وہ میرے مزاج سے بہت اچھی طرح واقف تھی اور مجھے میری ہر خامی سمیت قبول کر چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اوّل خان آپہنچا اور آتے ہی ویرا کی مزاج پرسی میں مصروف ہو گیا۔ پچھلی شام وہ کرنل اشفاق اور میجر غوث کی وجہ سے اس پر زیادہ توجہ نہیں دے سکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ویرا اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اوّل خان کی نظروں میں ایک خاص مقام حاصل کر چکی تھی۔

جب تک ویرا اپنی توہین اور تذلیل کے احساس سے اندر ہی اندر جھلستی رہی تھی' اس کے لیے وہ موضوع بہت تکلیف دہ اور نازک تھا لیکن اپنے اس جذباتی بحران سے گزر جانے کے بعد وہ بہت کھلے دل کے ساتھ اوّل خان کو ہر وہ بات بتا رہی تھی جو ان دنوں اس کا مزاج برہم کر دیا کرتی تھی۔

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے جو اب ہونے والا ہے" اوّل خان کے سوالات کا سلسلہ دراز ہونے پر ویرا نے مسکراتے ہوئے خود ہی بات بدل دی۔

"کچھ نہیں ہوگا۔" اوّل خان پر جوش لہجے میں بولا "میرا ایمان ہے کہ یہ ملک جس قادرِ مطلق نے عطا کیا ہے' وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ اس کے بد خواہ اپنی آگ میں سلگ سلگ کر راکھ ہو جائیں گے۔"

"برا نہ مانو تو کہوں کہ تم لوگوں نے اپنے قادرِ مطلق پر بہت زیادہ بوجھ ڈالا ہوا ہے۔" ویرا نے لطیف پیرائے میں کہا۔ "تم جیسے با عمل آدمی کی زبان سے یہ باتیں کھوکھلی نہیں لگتیں۔ عمل کے ساتھ مقصد سے پختہ وابستگی ہو تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے لیکن بے عمل لوگ تو ہر کام قادرِ مطلق سے ہی کرانا چاہتے ہیں' خود ایک پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دیتے۔ حد تو یہ ہے کہ میں نے افیم سے ہیروئن کشید کرنے والے بارلیش افغانوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا کی مہربانی سے وہ پورے علاقے میں سب سے بہتر مال تیار کرتے ہیں۔"

اوّل خان نے ویرا کے اس چبھتے ہوئے تبصرے پر کوئی رائے زنی نہیں کی بلکہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "قدرت کا نادیدہ ہاتھ اپنا کام کرتا رہے گا لیکن یہ بتاؤ کہ کے نائین کے بارے میں تم اپنے ذہن میں کیا کھچڑی لیے بیٹھے ہو۔"

"پہلے میرا خیال تھا کہ کے نائین مشن کینوپ کے خلاف ہے۔ جب مجھے ائرپورٹ بھیجی جانے والی پیٹیوں کی اصلیت کا علم ہوا تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ ان لوگوں کی تخریبی تیاریاں کراچی کے ہوائی اڈے کے خلاف ہیں۔" میں نے بولنا شروع کیا تو اوّل خان ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "لیکن اب میری نپی تلی رائے ہے کہ راس المیڈا کی گندی نگاہیں کینوپ پر لگی ہوئی ہیں۔ ہمیں اسی حوالے سے قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"کل ہی کل میں ایسے کون سے واقعات رونما ہو گئے کہ تمہیں دو مرتبہ اپنی رائے پر نظرِ ثانی کرنی پڑ گئی؟" ویرا نے میرے خاموش ہونے پر سوال کیا۔

"بلیک ہاک کے گھر میں موجود دو مہلک ترین بارودی کریٹ مضبوط ترین محرک تھے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ انہیں ائرپورٹ کے کسی گودام میں پہنچا کر ریموٹ کنٹرول سے اڑا دیا جائے گا؟"

"مجھے یہ خیال ہوا تھا جسے بدلنا پڑا۔" میں نے کہا "ساری تیاریاں کینوپ کے لیے ہیں۔"

"مگر تم یہ کیسے کہہ رہے ہو؟" اوّل خان پر تشویش لہجے میں بولا۔ "میں تو اس بارے میں ابھی تک کوئی آخری رائے قائم نہیں کر سکا ہوں۔ تم کس بنیاد پر پل پل میں اپنی رائے بدل رہے ہو۔"

"میجر غوث نے شاید کل رات فون پر تم ہی کو بتایا تھا کہ ہوائی اڈے پر پہنچائی جانے والی پیٹیوں میں ماربل کا سامان ہے اور اسے ایک چارٹرڈ طیارے کے ذریعے قبرص بھیجا جانے والا ہے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں ویرا سے کہا۔

"میجر غوث نے مجھے بھی یہی بتایا تھا۔" ویرا کے سر کی اثباتی جنبش کے ساتھ اوّل خان بولا۔

"کل رات اس کی زبان سے یہ بات سنتے ہی میرا ذہن کام کرنے لگا تھا۔" میں نے کہا "فرض کرو کہ وہ چارٹرڈ جہاز کراچی سے وہ پیٹیاں لے کر پرواز کرتا ہے اور خدانخواستہ ایٹمی بجلی گھر پر گر کر تباہ ہو جاتا ہے تو تم کیا کر سکو گے؟ ہر شخص اسے ایک ناگہانی فضائی حادثہ قرار دے گا۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔"

چند ثانیوں کے لیے وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد کے چہروں کے رنگ اڑ گئے مگر پھر اوّل خان سنبھالا لے کر بولا "تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ کراچی سے جانے والی ہر پرواز کا ایک راستہ مقرر ہے اور ہوائی اڈے کا ائر ٹریفک کنٹرولر اپنے ریڈار پر اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ کوئی جہاز اپنے مقررہ راستے سے انحراف نہ کرنے پائے۔ ان راستوں میں سے کوئی راستہ اہم قومی یا دفاعی تنصیبات پر سے ہو کر نہیں گزرتا۔"

"راس المیڈا اسی لیے موجودہ اور متروک نقشوں کی تلاش میں ہے تاکہ اس کا زر خرید ہوا باز اپنے طیارے کو سمت نما آلات کی مدد سے اپنے نشانے پر لے جا سکے۔" میں نے کہا۔

"وہ ادھر نہیں جا سکے گا" اوّل خان نے زور دے کر کہا۔ "کیونکہ کنٹرول ٹاور والے اپنے ریڈار پر اس طیارے کی کڑی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ سمت بدلتے ہی وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔"

"میں مانتا ہوں کہ وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ وہ ریڈیائی رابطے پر ہوا باز کو اپنا اصل راستہ برقرار رکھنے کا حکم دیں گے.... مسلسل خلاف ورزی پر اسے انضباطی کارروائی کی دھمکی دیں گے لیکن عملاً وہ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ایک بار طیارہ فضا میں بلند ہو جائے تو اس کی تقدیر کا مکمل انحصار ہوا باز کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ زمینی عملہ اور کنٹرول ٹاور والے ہوا باز کی رہنمائی کر سکتے ہیں' اسے مشورہ یا حکم دے سکتے ہیں' اسے دھمکیاں دے سکتے ہیں لیکن جہاز کا رخ نہیں موڑ سکتے۔ اس کا ایک ہی علاج ممکن ہے کہ ایسے مشتبہ طیارے کو لڑاکا طیارے گھیر کر فضا میں تباہ کر دیں لیکن پیشگی تیاری کے بغیر یہ قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔"

"کیوں؟" میرے خاموش ہوتے ہی ویرا اضطراری طور پر سوال کر بیٹھی۔

"ہوائی اڈے سے کینوپ تک چند منٹ کی مختصر سی فضائی مسافت ہے" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر اپنی بات دوبارہ جاری رکھتے ہوئے کہا "جتنی دیر میں شہری ہوا بازی والوں کی ہنگامی درخواست پر ائر ڈیفنس سسٹم حرکت میں آئے گا' سازشی طیارہ نشانے پر پہنچ کر اپنا کام دکھا چکا ہوگا۔"

"تمہاری بات قابلِ غور ہے" اوّل خان تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "کسی جنونی ہوا باز کے پاس اپنے مشن کا مصدقہ ائر روٹ میپ موجود ہو تو وہ ائر ٹریفک کنٹرول والوں کی مرضی اور ہدایات کے برعکس کوئی بھی کارروائی کر سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہوا باز بھی مارا جائے گا۔"

"اچانک رونما ہونے والے فضائی حادثوں تک میں بعض ہوا باز... صحیح سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کوئی سوچا سمجھا تخریبی منصوبہ ہو تو یہ امکان سو فیصد تک بڑھ جاتے ہیں۔ ہوا باز کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کس وقت کیا کرنا ہے۔ وہ جہاز کو کریش پوزیشن پر ڈالتے ہی پلک جھپکتے میں اپنے کیبن سے باہر نکل سکتا ہے۔"

"اس طرح بچ نکلنے والے پائلٹ کی زندگی عذاب نہیں بن جائے گی؟" ویرا بولی۔

"تم یہ بھول رہی ہو کہ اس سازش کو کن بین الاقوامی قوتوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ اعلان کیے اور ذمے داری قبول کیے بغیر کی جانے والی جنگی کارروائی ہوگی۔ فضائی حادثوں کے تمام تحقیقی ماہرین سفید اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تحقیقات جہاز کے خراب آلات کی کہانیاں گھڑ کر ہوا باز کو بچانے میں اہم کردار کر سکتی ہیں۔"

"اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ راس المیڈا نے اس کام کے لیے کسی پر جوش اور متعصب یہودی ہوا باز کا انتخاب کیا ہو جو جہاز کے ساتھ اپنی جان قربان کر کے اپنے موروثی وطن اور اپنی عالمی برادری کی بے مثال خدمت کے جذبے سے سرشار ہو۔ ہوا باز کی موت سے پورا قصہ ہمیشہ کے لیے دھواں اگلتے ہوئے ملبے میں دفن ہو سکتا ہے" اوّل خان نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے پر زور لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم فساد کی جڑ کو بھول کر شاخوں میں الجھ رہے ہیں" سلطان شاہ نے اپنے پہلے ہی فقرے سے سب کی توجہ

اپنی طرف مرکوز کرالی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ کہانی اسی وقت قرینِ قیاس ہو سکتی ہے جب یہ طے ہو جائے کہ اس جہاز پر لادے جانے والے سامان میں خطرناک بارودی کریٹ بھی موجود ہیں ورنہ ایک عام مال بردار طیارہ کسی ایٹمی پلانٹ کو بھاری یا ناقابلِ تلافی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"تمہاری یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے۔" ویرا نے اس کی تائید کی "کل میجر غوث نے جو کچھ بتایا اس کے مطابق ائرپورٹ لے جائی جانے والی پیٹیوں میں صرف ماربل کا سامان ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمیوں نے چند پیٹیاں دیکھ کر اپنی رپورٹ دے دی ہو۔" یہ کہہ کر میں اوّل خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ان پیٹیوں کی دوبارہ دیکھ بھال کے سلسلے میں تمہاری میجر غوث سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

"ہاں' وہ آج رات بذاتِ خود ایک ایک پیٹی کھول کر دیکھے گا۔"

"کیا یہ کام دن میں نہیں کیا جا سکتا تھا؟" میں نے قدرے بدمزگی سے پوچھا۔

"نہیں' ان پیٹیوں کی بار بار دیکھ بھال سے سازشی عناصر ہوشیار ہو کر اپنا منصوبہ تبدیل کر سکتے ہیں۔ میجر غوث رات کو پوری رازداری سے اپنا کام کرے گا۔ وہ چاہتا ہے کہ اگر یہی پرواز کے نائین مشن ثابت ہوئی تو وہ اس سازش میں شریک ہر شخص کو رنگے ہاتھوں پکڑے گا۔ وہ پسِ پردہ رہ کر ان لوگوں کو آخری حد تک ڈھیل دینے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ میں اسے طریقۂ کار بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

"اگر اس بار بھی میجر غوث نے قبرص جانے والی کھیپ کی کلیرنس دے دی تو کیا ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"بکواس مت کرو۔" میں پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے غرایا "اگر کے نائین کے بارے میں میری یہ ساری عرق ریزی رائگاں گئی تو ہم اندھیرے میں بھٹکتے رہ جائیں گے.... فی الحال ہمارے پاس کے نائین کے سلسلے میں کوئی متبادل سراغ موجود نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم دل ہی دل میں اپنا نظریہ درست ثابت ہونے کے خواہاں ہو؟"

"تم احمق ہو۔ یہ میری خواہش کی بات نہیں ہے۔ حالات و واقعات اسی سمت کی نشان دہی کر رہے ہیں۔"

"اور ہمارے پاس وقت کم ہے۔" اوّل خان نے کہا "سامان قبرص لے جانے والا ایک چھوٹا مال بردار طیارہ بمبئی سے کراچی پہنچ چکا ہے۔ طیارہ کل دوپہر میں لوڈ ہوگا اور شام کو قبرص کے لیے پرواز کر جائے گا۔"

"کیا ایک چھوٹا طیارہ اتنی دور تک مسلسل پرواز کر سکے گا؟" اس وقت ویرا کا ذہن ہر بات کے منفی پہلو تلاش کرنے پر مرکوز ہو کر نہ گیا تھا۔

"مجھے جہاز کے پورے شیڈول کا علم نہیں ہے۔" اوّل خان نے مدافعانہ لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ راستے میں اسے تیل لینے کے لیے کہیں رکنا ہو۔ جہاز چارٹر کیا گیا ہے تو ان فنی امور کو بھی طے کر لیا گیا ہوگا۔"

"بے کار باتیں ہیں۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا "جہاز کو کینوپ سے آگے جانا ہی کہاں ہے جو تیل دوبارہ بھروانے کی ضرورت پڑ آئے گی اور اب تو اس جہاز کی پرواز ہی سرے سے مشکوک ہو گئی ہے۔ کے نائین کی آخری گم شدہ کڑی ملتے ہی قصۂ زمین بر سرِ زمین طے ہو جائے گا۔ فضا کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔"

"خوشی کی بات ہے کہ یہ باتیں تمہاری ننھی سی کھوپڑی میں آ رہی ہیں۔" ویرا نے جل کر کہا۔

"یہ جہاز کس کمپنی کی ملکیت ہے؟" ان دونوں کے درمیان بات بڑھنے سے پہلے ہی میں نے اوّل خان سے پوچھا۔

"میجر غوث یہ تفصیلات جمع کر رہا ہے۔ میں لاعلم ہوں!" اس نے کہا۔

"کراچی میں طیارہ چارٹر کرنے اور یہاں سے مال بھیجنے والی پارٹی پر بھی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

"میجر غوث ان تمام پہلوؤں پر بیک وقت کام کر رہا ہے۔" اوّل خان نے کہا "اس وقت تم نے یہ ساری باتیں بتا کر مجھے اندر سے دہلا دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری سرزمین سے لوگوں کی خون آشام دشمنیوں کا سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔"

"قوموں کی تاریخ ایسی ہی دوستیوں اور دشمنیوں سے بنتی ہے۔ یہ سلسلے ازل سے چلے آرہے ہیں اور شاید ابد تک یوں ہی چلیں گے۔ جب ہم نہیں تھے تو دوسرے دشمنوں کا احتساب کر رہے تھے۔ ہم نہیں ہوں گے تو دوسرے خود بہ خود ابھر کر سامنے آجائیں گے۔ اس وقت اپنا دھیان بس کے نائین پر مرکوز رکھو۔" میں نے کہا۔

"ہمارے سامنے اب کے نائین کے سوا کیا باقی رہ گیا ہے؟" بولتے بولتے اوّل خان نے چونک کر پوچھا "رات سے اپریٹس پر ان لوگوں کی کوئی پیغام رسانی ہوئی ہے؟"

"اسے بھول جاؤ۔ اب وہ پلاسٹک کا ایک ناکارہ ڈبا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ہمیں اس اپریٹس سے جو فیض حاصل ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سننے کے بعد خاموشی سے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ ادھر سے میجر غوث کا آپریٹر بول رہا تھا۔

"معاملات بہت الجھ گئے ہیں۔" میجر غوث لائن پر آتے ہی تشویش زدہ لہجے میں بولا "میں نے گودام میں رازداری کا اہتمام کرا کے سارے کریٹ خود دیکھ لیے ہیں۔ ان میں صرف ماربل کی

ممنوعات ہیں۔ پوری کھیپ میں کوئی کریٹ مشتبہ نہیں ہے۔ وہ ساری پیٹیاں ماربل کے ان کریٹوں جیسی ہیں جو ڈیفنس کے بنگلے میں موجود تھیں۔"

وہ بری خبر سن کر میرا دل بیٹھ گیا "پھر کسی اور لائن پر سوچنا پڑے گا۔ تمہارے حساب سے تو معاملہ صاف ہوا ہے۔ اب اس میں کیا الجھن باقی ہے؟"

"یہ سامان یہاں کی ایک مشہور سیاسی شخصیت کی تجارتی فرم برآمد کر رہی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کا بلیک ہاک یا راس المیڈا سے کیا تعلق ہے۔ اگر تم نے کل شام بلیک ہاک کے گھر سے اتفاقاً وہ ٹرک نکلتے نہ دیکھ لیا ہوتا تو کسی کو کانوں کان بھی پتا چلتا کہ وہ فرم راس المیڈا کے لیے کام کر رہی ہے۔"

"ان لوگوں کے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میرا ذہن بارہ گھنٹوں میں ماؤف ہو کر رہ گیا ہے۔ پتا نہیں تم اتنا بوجھ کیسے سہار رہے ہو۔ تم ہی کچھ سوچو۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے ورنہ راس المیڈا اور اس فرم کا خفیہ گٹھ جوڑ نہ ہوتا۔"

"فولڈر میں موجود کاغذات کیا کہتے ہیں؟" میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"وہ سب خفیہ تحریریں ہیں۔ میں نے پورا پلندہ کرپٹوگرافی والوں کو بھجوا دیا ہے۔"

"اور اسلام آباد والے قادر کا کیا بنا؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"اب وہ باقاعدہ زیرِ تفتیش ہے۔ اس نے زبان کھول دی"

میں فون پر اس سے باتیں ضرور کر رہا تھا لیکن میرا ذہن کے نائین اور ائرپورٹ پر موجود طیارے میں ہی الجھا ہوا تھا۔ میں نے خیال لہجے میں پوچھا "بمبئی سے آنے والا مال بردار طیارہ کہاں ہے۔ کیا بمبئی سے آمد پر اس کی تفصیلی تلاشی لی جا چکی ہے؟"

"طیارہ ٹیکسی وے کے آخری سرے سے ذرا پہلے ایپرن پر کھڑا ہوا ہے۔ جہاز کی رسمی دیکھ بھال کی گئی تھی۔ جب تک کسی بارے پر شبہ نہ ہو' عام طور پر تفصیلی تلاشی نہیں لی جاتی۔"

"لیکن یہ مشتبہ طیارہ ہے" میں نے زور دے کر کہا "ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا کے لیے کام کرنے والی ائرلائن کے عملے نے موقع پا کر بارودی کریٹ اس طیارے میں چھپا دیے ہوں۔"

"اوہ! مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا" اس کی آواز اچانک پُرجوش ہو گئی "ایسی تلاشی کسٹم اور امیگریشن کا قانونی حق ہوتا ہے۔ چارٹر کیے جانے والے جہازوں کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ میں ابھی تلاشی کی تیاری کرتا ہوں۔"

"میری خواہش ہے کہ میں بھی اس جہاز کو دیکھ سکوں۔" میں نے کہا۔

"تم آ سکتے ہو" اس نے فوراً ہی کہا "اس وقت میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چل رہا ہوں۔ تمہاری کسی بھی خواہش کو نظر انداز کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ بس ذرا مسئلہ یہ ہو سکتا ہے کہ جہاز پر کئی اجنبی چہروں کو دیکھ کر مجرم نہ بھاگ نکلیں۔ میں جرم کے ساتھ ہر مجرم کی بیخ کنی کے اصول پر یقین رکھتا ہوں۔"

"پھر میں نہیں آؤں گا۔" میں نے سختی سے کہا "میں خود بھی اپنی کسی خواہش کی وجہ سے مجرموں کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ اگر یہی کے نائین مشن ہے تو اس کی مکمل تباہی میری سب سے بڑی خواہش ہے۔"

"تم بہت عظیم اور بے لوث انسان ہو" اس کے ایک ایک لفظ سے خلوص کی مہک آرہی تھی "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عام اور گوشہ نشین شہری بھی اس قدر بلند کردار ہو سکتا ہے۔"

"مجھے میری جگہ پر رہنے دو!" میں نے ہنس کر کہا "میرا دماغ خراب مت کرو ورنہ شکوے شروع کر دوں گا۔"

"شکوے....؟ کس بات کے شکوے؟ تم کہو' میں تمہارے شکوے کا جواب دوں گا۔"

"رہنے دو ورنہ ابھی سرکاری اور غیر سرکاری کی بحث چھڑ جائے گی" میں نے کہا۔

"اوہ! میں سمجھ گیا" وہ سمجھ دار افسر تھا' فوراً میری بات کی تہ تک پہنچ گیا "بلیک ہاک کے فولڈر والی بات اصولی تھی۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ میرا رویّہ تمہیں پسند نہیں آیا مگر میں مجبور تھا۔ فولڈر میں سر کھپانے کے بعد میں سارے کاغذات تمہیں بھیج دیتا مگر اوپر سے کچھ ہدایت آگئی اور مجھے اس پر عمل کرنا پڑا۔ یہ ہماری مجبوریاں ہوتی ہیں مگر میں پھر بھی تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

میجر غوث سے ملنے والی خبر سب کے لیے مایوس کن تھی۔ سلطان شاہ منہ لٹکا کے بولا "یہ تو کھودا پہاڑ' نکلا چوہا والی بات ہوئی' اب کیا ہوگا؟"

"کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ میجر غوث خود بھی اس نتیجے سے مطمئن نہیں ہے۔"

"کیوں؟ اسے کیا پریشانی ہے؟ وہ تو شاید بہت غیر جذباتی انداز میں پورے معاملے کو دیکھ رہا ہے" ویرا نے چونک کر کہا۔

"پہلے اس کی تعریف اور اب تنقیص کر رہی ہو!" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ غیر جذباتی ہونا بھی تعریف کے زمرے میں آتا ہے۔ جذباتی قسم کے لوگ اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا مقام حاصل نہیں کر پاتے.... کیا کہہ رہا تھا وہ میجر غوث؟"

"بلیک ہاک کے گھر سے ائرپورٹ لے جایا جانے والا ماربل کا سامان ایک بڑے سیاست داں کی تجارتی فرم قبرص بھیج رہی ہے۔" میں نے میجر غوث کی دی ہوئی خبر کا دوسرا حصہ دہراتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" اول خان سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر حیرت سے بولا "پھر تو میجر غوث کی بھی آنکھیں کھل گئی ہوں گی کہ ان لوگوں نے کہاں کہاں ہاتھ ڈالا ہوا ہے۔"

"وہ اسی ایک بات سے بہت پریشان ہے۔ اب میں نے اسے جہاز کو کھنگالنے کی آخری تجویز دی ہے۔ اگر یہ بھی بے ثمر ثابت ہوئی تو ہمارے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہے گا۔"

"جہاز کی تلاشی میں کیا رمز پنہاں ہے؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ہم ائرپورٹ لے جائی جانے والی پیٹیوں کی اصل تعداد سے لاعلم ہیں لیکن بلیک ہاک کے گھر پر نظر آنے والی شہادتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کھیپ میں سے ماربل کے سامان کے تین کریٹ روک کر بارودی کریٹ بھیجے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مقامی تجارتی فرم کو اس ہیر پھیر کا علم ہی نہ ہو سکا ہو اور ائرپورٹ پر خاموشی سے وہ تینوں خطرناک کریٹ جہاز پر پہنچا دیے گئے ہوں۔ مال چڑھانے کے بعد گنتی ہوگی تو اس میں وہ کریٹ بھی شامل ہو سکتے ہیں یا پھر کاغذات میں تین پیٹیاں کم ظاہر کر دی جائیں گی۔"

"تم پہلے ہیروئن فروش تھے اور آج کل سرفروش بنے ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم کو ان دونوں مشغلوں سے ہٹ کر وکالت کا پیشہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ تم بال کی کھال نکالنے میں کچھ زیادہ ہی ماہر ہو۔"

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میری ماں مجھے پڑھا لکھا کر وکیل بنانے کے خواب دیکھتی ہوئی اس دنیا سے چلی گئی۔" میں نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شاید یہ اسی کی خواہشات کا فطری ثمر ہے کہ آج تم مجھے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کا مفت مشورہ دے رہی ہو۔"

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ اول خان سخت بے چینی کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے دفتر جانے یا نہ جانے کے بارے میں بھی تذبذب کا شکار تھا۔ کے نائین کا مسئلہ سمٹ کر اپنے آخری مراحل پر آ چکا تھا۔ میجر غوث نے فوری طور پر مشتبہ طیارے کی تلاشی کی مہم سر کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ اول خان اس مرحلے پر ہم لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہ رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بیماری کی حالت میں اپنے دفتر جا کر دوبارہ ہماری طرف لوٹے۔

اس نے اپنے جوتے اتارے اور صوفے پر نیم دراز ہو کر وہیں رک کر میجر غوث کی آخری کوشش کے نتیجے کا انتظار کرنے کا اعلان کر دیا۔

"کے نائین کے چکر میں کس کی فرم ملوث ہے؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔ عام طور سے وہ ہمارے مباحثوں میں بہت کم حصہ لیتی تھی۔ بس خاموش بیٹھی بھانت بھانت کی بولیاں سنتی رہتی تھی۔

"میں نے نام پوچھا، نہ میجر غوث نے بتایا" میں نے کہا۔ "سیاست دانوں کے معاملات تو اتنے حساس اور نازک ہوتے ہیں کہ ان کے خلاف واضح مقدمات درج کرنے سے پہلے بھی جگہوں سے کلیرنس لینی پڑتی ہے۔ یہ قصہ بھی ان ہی نزاکتوں سے گزرے گا پھر کہیں نام سامنے آ سکے گا۔"

"فرم کا نام کھلتے ہی سب کو پتا چل جائے گا کہ کون گندا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"لوگوں کو معلوم ہونے کی کسی کو پروا نہیں ہوتی۔ لوگوں کو گھلو ملو تو وہ اندر کی ایسی ایسی سربستہ کہانیاں سناتے ہیں کہ سر چکرا کر رہ جاتی ہے لیکن یہ کہانیاں ہمیشہ سینہ گزٹ میں دفن رہتی ہیں، کبھی بسرکاری ذرائع سے منظرِ عام پر نہیں آتیں کیونکہ ملک پر گھوم پھر کر کچھ چہرے حکومت کرتے ہیں۔"

میری اس بات پر سلطان شاہ منہ بگاڑ کر بولا "میرا بس چلے تو میں اس فرم کے غدار مالک کو ان ہی کریٹوں سے باندھ کر اڑا دوں جو بلیک ہاک کے گھر سے ملے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ ڈیبی کے کہنے کے مطابق اس فرم کو سارے ہیر پھیر کا علم ہی نہ ہو" ویرا نے اسے سمجھایا۔

"بے کار بات ہے" سلطان شاہ نے حقارت سے کہا "پھانسی دینے کے لیے اس کا یہی جرم کافی ہے کہ اس فرم کے بلیک ہاک سے گہرے کاروباری مراسم ہیں۔ بھلا ان سازشی لوگوں کا کاروبار سے کیا واسطہ؟ یہ تو کاروبار کے بہانے سے بھی بھاری رشوت دینے کے عادی ہیں۔ اپنے زرخرید غداروں سے روپے کا مال روپے میں خریدتے ہیں تاکہ ان کے کالے دھن کو کاروباری ہیر پھیر سے مسلسل قانونی تحفظ ملتا رہے۔"

وہ موضوع بہت نازک تھا۔ بات آگے چلی تو اول خان بھی خاموش نہیں رہ سکا اور صوفے سے اٹھ کر پورے زور شور سے اپنے خیالات ظاہر کرنے لگا۔

چار بجے فون کی گھنٹی بجی تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میجر غوث کا فون تھا۔ اس وقت بھی تینوں فون ڈرائنگ روم میں موجود اور فعال تھے۔ اول خان نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو میں دوسرا ریسیور اٹھا چکا تھا۔

"اول خان! خدا کا شکر ادا کرو کہ آج ہم سرخ رو ہوئے۔ ڈیبی کی ہر بات حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی ہے۔" میجر غوث کی آواز فرطِ جذبات سے کانپ رہی تھی "ڈیبی کو بلاؤ۔ میں یہ خبر سب سے پہلے اسی کو سنانا چاہتا ہوں۔"

"میں دوسری لائن پر موجود ہوں" میں نے اس کا پیغام پُر سکون سے کہا۔

"تم واقعی جینیس ہو۔ تم میرے سامنے ہوتے تو اس وقت میں تمہارا منہ چوم لیتا۔ کے نائین مشن بے نقاب ہو گیا۔ بارود کی بالکل ویسی ہی تین پیٹیاں جہاز کے اکلوتے کیبن کی دیواروں میں پوشیدہ تھیں جو ہم پچھلی رات دیکھ چکے ہیں۔ اب یہ جہاز کراچی سے پرواز نہیں کر سکے گا۔"

"اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ائرپورٹ سے.... جہاز کے کپتان نے راز فاش ہوتے ہی خود کشی کر لی ہے.... ان خطرناک پیٹیوں کو ناکارہ بنانے کے لیے ایمرجنسی کا اعلان کر کے ہوائی اڈا بند کر دیا گیا ہے.... میں یہاں بہت مصروف ہوں۔"

اول خان خوشی سے بے اختیار ہو کر کسی بچے کی طرح پوری آواز سے چیخ پڑا۔

غزالہ کی آنکھوں میں تیزی کے ساتھ شبنم اترتی جا رہی تھی۔

میجر غوث سے ملنے والی وہ خبر اس قدر اہم اور سنسنی خیز تھی کہ فون پر اپنے فوری ردِعمل کا اظہار کرنے کے بعد ہم میں سے کوئی بھی کافی دیر تک کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ چاروں ہی فرطِ جذبات سے بہت زیادہ مغلوب ہو گئے تھے۔ غزالہ کی آنکھوں کی نمی میں نے پہلے ہی دیکھ لی تھی، پھر اوّل خان کی آنکھیں بھی دھندلا نے لگیں۔ ویرا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"اتنی بڑی خبر ملنے پر سب یوں خاموش ہیں جیسے میجر غوث نے ہمارے کسی قریبی عزیز کے انتقال کی خبر سنائی ہو۔" چند ثانیوں بعد سلطان شاہ نے سنبھالا لے کر سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"خود کشی کرنے والا کپتان تمہارا رشتے دار ہو گا" ویرا نے تیزی سے کہا "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ڈیبی کا دماغ کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ یہ ایک نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے اور پھر اس پر سوچتا ہی چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی بات منوا لیتا ہے۔ ان بارودی پیٹیوں کے بارے میں سب زچ آ چکے تھے۔ آخری لمحوں تک حوصلہ شکن اطلاعات مل رہی تھیں لیکن ڈیبی پُر یقین تھا.... اور آخری جیت اسی کی ہوئی۔"

"یوں معلوم ہوتا ہے جیسے راس المیڈا نے ڈیبی کے مشورے سے ہی یہ پورا بکھیڑا پھیلایا ہو" اوّل خان نے ہنس کر کہا "ورنہ صرف کے نائین کے دو لفظی اشارے سے سب کچھ کھود نکالنا آسان نہیں تھا۔"

"راس المیڈا اس وقت جھلا کر اپنی بوٹیاں نوچ رہا ہو گا" سلطان شاہ نے بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کل رات کی ہزیمت کے بعد آج اس کی کمر ہی ٹوٹ گئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ صرف کے نائین مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہاں آیا تھا اور وہ مشن بری طرح ناکام ہو گیا۔"

"بس یہی ایک بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ کے نائین ناکام ہو گیا" میں نے کہا "ورنہ دوسری بہت سی باتیں ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔ جہاز کے کپتان کی خود کشی کے بعد اب اس راز پر سے کبھی پردہ نہیں اٹھ سکے گا کہ غیر قانونی اور خفیہ طور پر لے جائی جانے والی بارودی پیٹیاں کس نشانے کو تباہ کرنے کے لیے لے جائی جا رہی تھیں۔"

"کیوں؟ اب اس بارے میں کیا شبہ ہے؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے کے نائین مشن کا ذکر راس المیڈا کی زبان سے سنا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ امریکنوں نے برسوں پہلے کراچی کے ایک ترقیاتی سروے میں اس ساحلی پٹی کو کے نائین کا نام دیا تھا جہاں بعد میں ایٹمی بجلی گھر بنا لیا گیا۔ اس سے آگے سب ہمارے قیاسات ہیں۔ کون بتائے گا کہ ماربل کے سامان اور بارودی ذخیرے کے ساتھ اڑنے والے جہاز کو کراچی کے ہوائی اڈے سے لے جا کر کہیں گرانے کی سازش تیار کی گئی تھی؟"

ویرا بوکھلائے ہوئے انداز میں اوّل خان کا منہ تکنے لگی۔ میری بات نے اسے چکرا کے رکھ دیا تھا۔

"ڈیبی بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے" اوّل خان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بارودی پیٹیاں پکڑ کر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے اصل عزائم کیا تھے۔ منصوبہ بنانے والا راس المیڈا ہے جو روپوش ہے۔ جہاز کے مشن کا صحیح علم صرف اس کے کپتان کو تھا، وہ خود کشی کر چکا ہے۔"

"لیکن وہ فرم ہمارے سامنے ہے جو ماربل کا سامان قبرص بھیج رہی تھی" سلطان شاہ نے مزاحمت کی۔

"وہ کبھی کسی سازش کا اعتراف نہیں کریں گے۔ وہ قبرص والی کہانی پر اڑے رہیں گے۔ بارود کی پیٹیوں کو وہ جہاز کے کپتان کی کوئی خفیہ بدمعاشی قرار دیں گے اور پھر یہ امکان اپنی جگہ پر بہت قوی ہے کہ مقامی فرم کے مالکان اور ملازمین اصل کھیل سے بالکل بے خبر ہوں۔ راس المیڈا نے انہیں مکاری سے اپنا آلۂ کار بنایا ہو" اوّل خان نے کہا۔

"ان کا یہی جرم کیا کم ہے کہ ان کا برآمدی سامان بلیک ہاک کی کمین گاہ سے روانہ کیا گیا تھا؟" سلطان شاہ کامیابی کی اہمیت میں کوئی کمی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"وہ ایک دوسری بات ہو گی" میں نے کہا "ان لوگوں کو اپنے مشکوک مراسم کے لیے جواب دہی کرنی پڑے گی لیکن کے نائین والا قصہ اب ہمیشہ کے لیے ایک سربستہ راز رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ بلیک ہاک کے فولڈر سے بھی اس بارے میں کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ یہ نہ بھولو کہ شی اور ڈیوڈ اسٹارز والے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے پوری منصوبہ بندی سے اور منظم ہو کر کام کرتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مقامی فرم کے مالکان کو بلیک میل کر کے اپنے مضبوط چنگل میں لیا ہو.... کوئی پاکستانی کتنا ہی خود غرض اور کمینہ ہو، اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے کے نائین جیسے کسی بھیانک منصوبے میں شریک ہو جائے گا...."

"یہ بحث بے کار ہے" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا "ہمیں مجرموں کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سزا یاب نہیں کرانا

ہے جو ہم ثبوت اور گواہوں کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ سازش کا تانا بانا بکھر چکا ہے۔ کچھ دشمن مارے جاچکے ہیں۔ راس المیڈا اپنے دو مددگاروں کے ساتھ باقی رہ گیا ہے۔ وہ تینوں بھی جلد ہی مارے جائیں گے۔ کرنل اشفاق اور میجر غوث کی حمایت کے بعد یہ کام آسان ہوجائے گا۔"

"یہ نہ بھولو کہ اب میں بھی اپنے مسائل سے آزاد ہوکر اپنے منصب پر پوری طرح بحال ہوچکا ہوں" اوّل خان نے آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جب تک اسلام آباد میں قادر کی نسل کا ایک بھی فرد موجود ہے، ہمیں کسی خوش گمانی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔ کڑی چھان بین کے بعد کرنل اشفاق کے آدمیوں نے اسے پکڑلیا ہے لیکن کون جانے کہ مزید کتنے قادران کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ گنتی کے چند افسروں کو چھوڑ کر آج کل تو ہر ایک ہی امریکا اور سوئٹزرلینڈ میں اثاثے بڑھانے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ وہ کسی کی بھی گردن ناپ کر اس سے اپنی پسند اور مرضی کے فیصلے صادر کرواسکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اوّل خان کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ معدوم ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں فکرمندی کی جھلکیاں تیرنے لگیں۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کرنل اشفاق کہہ رہا تھا کہ قادر کے معاملات کو خفیہ رکھنے کی کوششیں کی گئی تھیں لیکن بلیک ہاک نے وہ خبر حاصل کرہی لی۔ میرا تو خیال ہے کہ قادر کے معاملے کو اچھالا جانا چاہیے تاکہ اس کا حشر دیکھ کر دوسرے بے ایمان اور خود غرض افسر اپنی حرکتوں سے باز رہیں..... ہمارے یہاں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ شاذونادر کسی بڑے گھڑیال کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی ہے تو سیاسی عزائم کے تحت اسے ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے..."

"یہ کمال مکمل جمہوریت ہی دکھاتی ہے" ویرا اس کی بات کاٹ کے بول پڑی "قومی اہمیت کے مقدموں کی کھلی کارروائی ٹیلی وژن پر دکھائی جاتی ہے تاکہ عدالتوں کے ساتھ عوام بھی سچ اور جھوٹ کا تجزیہ کرکے اپنی رائے قائم کرسکیں۔ اس طرح بارسوخ مجرموں کے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہوئے کوئی جج کسی خوف میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے ملک کی مہذب رائے عامّہ اس کی پشت پناہ ہے۔"

"جمہوریت کے زیادہ گن نہ گاؤ" سلطان شاہ منہ بنا کے بولا۔ "الزام کا سامنا کرنے والا بوریوں کے منہ کھول کر کسی چرب زبان کو اپنا وکیل بنالے تو بھیانک مجرم عوام کا ہیرو اور مظلوم بن جاتا ہے۔ اس وقت یہی رائے عامّہ منصفانہ فیصلے کی راہ کی دیوار بن جاتی ہے..."

"تم وکیلوں کی توہین کررہے ہو...." اوّل خان نے شرارتی لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"میں کسی کی توہین نہیں کررہا" سلطان شاہ مدافعانہ لہجے میں بولا "اچھے اور برے لوگ ہر شعبے میں ہوتے ہیں۔ جب واٹرگیٹ اسکینڈل میں امریکا کے صدر کا دامن داغ دار ہوسکتا ہے تو وکیل کس گنتی میں آتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ ہر مقدمے میں دو فریق ہوتے ہیں۔ دونوں کے وکیل پورے زور شور سے دلائل دیتے ہیں اور ان میں سے ایک مقدمہ ہار جاتا ہے۔ اس کا صاف مطلب ہوتا ہے کہ ہارنے والا عدالت کی نظروں میں غلطی پر تھا، وہ جسے بے گناہ قرار دلوانے پر سارا زور صرف کیے دے رہا تھا، وہ درحقیقت قید یا پھانسی کی سزا کا مستحق تھا۔"

"ویری گڈ!" اوّل خان نے سلطان شاہ کی تعریف میں ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے آج پتا چلا کہ تم بھی خوب بول لیتے ہو۔ یہ واٹرگیٹ اسکینڈل تمہارے دماغ میں کہاں سے گھس آیا؟"

"بس کبھی کبھی اخبار پڑھ لیتا ہوں۔ بعض باتیں خود بہ خود ذہن میں اٹکی رہ جاتی ہیں" سلطان شاہ نے انکسار سے کہا "ورنہ میں تو واٹرگیٹ کو بھاٹی یا لوہاری گیٹ کی قسم کی کوئی چیز سمجھتا رہتا۔"

"بات دور نکلتی جارہی ہے" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "ہم کرنل اشفاق اور میجر غوث کی متوقع کامیابیوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کررہے تھے۔ بارودی پیٹیاں مل چکی ہیں، آگے کیا ہوگا؟"

"کے ٹائین والے قضیے کو اب دفن ہی سمجھو" اوّل خان نے قدرے توقف کے بعد بولا "تمہارے اطمینان کے لیے اتنا ہی ہونا چاہیے کہ اس مشن یا سازش کو بری طرح ناکام بنایا جاچکا ہے۔ اب یہ معاملہ ملٹری والوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کے پاس کوئی ہوئی بھی تو ہم تک نہیں پہنچ سکے گی۔ قادران کی تحویل میں ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ ماربل کا سامان قبرص بھیجنے والوں کا کیا بنتا ہے۔ اس بارے میں میجر غوث ہی سے کچھ معلوم ہوگا۔ وہ اس وقت کراچی کے ہوائی اڈے پر بہت مصروف ہے۔ ہمیں صبر کے ساتھ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"وہ واقعی کٹھن مراحل سے گزر رہا ہوگا" غزالہ پھریری لے کر بولی "ان میں سے ہر بارودی کریٹ میں ایک ریموٹ کنٹرول ڈیٹونیٹر ہے اور سارے ریموٹ کنٹرول راس المیڈا کے پاس ہیں۔ اگر وہ مقررہ رینج میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا تو اب بھی وہ بڑے پر تباہی پھیلا سکتا ہے۔"

"اس نے سب سے پہلے ان ہی خطرات کا سدِّباب کیا ہوگا" اوّل خان اضطراری لہجے میں بول پڑا "اسے معلوم تھا کہ ہر کریٹ کو ایک مخصوص ریموٹ کنٹرول سے لحہ بھر میں اڑایا جاسکتا ہے۔ منفی پہلوؤں سے ڈرنے کے بجائے اس قصے کے خوش گوار امکانات پر غور کرو۔ اس نے بلیک ہاک کے مکان پر ہی بارودی ماہرین کو بلالیا تھا۔"

"راڈنی آرک کے بارے میں اس نے پہلے ہی معذرت کرلی تھی" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا "راس المیڈا نے راڈنی آرک کا نام اختیار کرکے سفارتی مراعات حاصل کی ہوئی ہیں۔ وہ یہاں جتنا گند چاہے، پھیلاتا رہے، ہمارا قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"لیکن اسے ناپسندیدہ قرار دے کر ملک سے نکالا جاسکتا ہے" اوّل خان نے کہا۔

"اس میں خارجہ تعلقات کی باریکیاں آڑے آسکتی ہیں" میں نے مایوسی سے کہا "میرے حساب سے یہ آرمی یا کسی اور ادارے کا کیس ہی نہیں ہے۔ اسے ہم لوگ اسپیشل ٹاسک فورس کی مدد سے نمٹا سکتے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہمارے دوست بھی اسی نتیجے پر پہنچیں اور ہمیں اپنا کام کرنے کا موقع مل جائے" ویرا نے پُرامید لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔

"تم اپنا ایک وعدہ بھول رہے ہو!" سلطان شاہ نے چونک کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ فوری طور پر مجھے اپنی کوئی وعدہ خلافی یاد نہیں آسکی۔

"حیف ملر کا اپریٹس اب ہمارے لیے اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔ تم نے میجر غوث سے وعدہ کیا تھا کہ وقت آنے پر یہ اپریٹس اوّل خان کے ذریعے اسے بھجوادو گے۔"

"اوہ....! وہ میں ابھی اوّل خان کو دے دوں گا لیکن اب میجر غوث کو اس کی ضرورت نہیں رہی۔ کل رات بلیک ہاک کے گھر سے ایسے دو اپریٹس اس کے ہاتھ لگے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان دو آلات کی گم شدگی کی خبر ملتے ہی راس المیڈا نے ان کا استعمال ہمیشہ کے لیے ترک کردیا ہوگا۔ رات سے پلاسٹک کا یہ ڈبا بالکل خاموش ہے۔"

"بات کھل ہی گئی ہے تو تم خود اس سے بات کرنے کی کوشش کرو" سلطان شاہ نے برجستہ تجویز پیش کی "اس کے لیے یہ اطلاع دھماکے سے کم نہیں ہوگی کہ حیف ملر کا اپریٹس تباہ نہیں ہوا تھا بلکہ مسلسل تمہارے تصرف میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھڑک کر کام کی کچھ باتیں بکتا چلا جائے۔"

سلطان شاہ کی اس تجویز نے سب ہی کی توجہ مبذول کرالی اور ہر ایک نے اس کی حمایت میں اپنے دلائل دینے شروع کردیے۔ اس وقت تک راس المیڈا کے ساتھ میری جو آنکھ مچولی چل رہی تھی، وہ اس کے، کے ٹائین مشن کے بارے میں تھی۔ میں اس کے خفیہ ارادوں سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کررہا تھا اس لیے اسے اپنی بے خبری کا عندیہ دیتا رہا لیکن کراچی ائرپورٹ پر بمبئی سے آنے والے مال بردار طیارے پر ہونے والی کامیاب کارروائی کے بعد ہر بات کھل گئی تھی۔ اس بارے میں رازداری کی مزید کوشش بے سود تھی۔

میری آمادگی دیکھ کر سلطان شاہ فوراً ہی اپریٹس اٹھا لایا۔ اپریٹس آن کرتے ہوئے میں دل ہی دل میں یہ سوچ کر مسکرادیا کہ میجر غوث یا اس کے آدمی اپریٹس پر میری غیر متوقع آواز سن کر ہکا بکا رہ جائیں گے۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں.... چیف سے بات کرنی چاہتا ہوں۔ اوور!" میں نے بٹن دبا کر اپنا پیغام انگریزی میں نشر کیا اور بٹن چھوڑ کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔

میں نے اپریٹس کی آواز خاصی بلند کی ہوئی تھی مگر وہ چاروں اپنی نشستوں پر یوں متجسانہ انداز میں آگے کی طرف جھکے ہوئے تھے جیسے اس لاسلکی آلے سے سرگوشیوں میں آوازیں برآمد ہونے کی توقع کررہے ہوں۔

چند ثانیوں تک لائن پر دھیما دھیما ریڈیائی شور گونجتا رہا پھر اچانک ہی شور کا وہ سلسلہ منقطع ہوا اور کمرے کی محدود فضا میں راس المیڈا کی ٹھہری ہوئی، بھاری آواز گونجنے لگی "شاید تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ پچھلی رات میرے آدمیوں کی بے پروائی کی وجہ سے ایک یا دو اپریٹس تمہارے ہاتھ لگ گئے ہیں؟ اوور۔"

"وہ اپریٹس دوسرے مستحقین اپنے ساتھ لے گئے تھے، میں پہلے سے تمہاری رعب دار آواز سنتا رہا ہوں۔ تم نے حیف ملر اور گیری ہارٹ کو دھوکے سے پکڑوا کر ان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اوور۔"

"اوغ....!" اپریٹس پر اس کی بے ساختہ غراہٹ سنائی دی۔ وہ فوراً ہی میری بات کا مفہوم سمجھ گیا اور بولا "تو میرا شبہ درست تھا۔ حیف ملر جھوٹا اور حرام زادہ نکلا.... اب وہ سسکا سسکا کر مارا جائے گا۔ ان دونوں کی پُرزور یقین دہانیوں نے مجھے مغالطے میں ڈالے رکھا اور اسی وجہ سے تم کو اپنی غنڈاگردی دکھانے کا موقع مل گیا.... میں حیران تھا کہ گرے ہاک آواز نکالتے ہی کیسے مارا گیا.... شروع سے آخر تک ہر بات پُراسرار اور ناقابلِ فہم تھی مگر تمہاری اس کال نے یہ ساری گتھیاں سلجھادی ہیں.... یہ نہ سمجھنا کہ میرے ترکش کے سارے تیر ختم ہوچکے ہیں۔ میں اس وقت بھی تمہاری اینٹ سے اینٹ بجاسکتا ہوں۔ اوور۔"

"تم غصے میں بہک کر غلط محاورہ بول رہے ہو" میں نے اسے سلگانے کے لیے خوش گوار لہجے میں کہا "کسی ٹھکانے کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا خواب دیکھنے والا کراچی کے ہوائی اڈے پر خودکشی کرچکا ہے۔ تمہارا کے ٹائین مشن ان بارودی پیٹیوں میں دفن ہوچکا ہے جن کے ریموٹ کنٹرول تم نے اپنی دُم سے باندھے ہوئے ہیں۔ تمہارے آدمیوں کو معلوم ہوچکا ہے کہ تم چیف کے بہروپ میں ڈیوڈ اسٹارز والے راس المیڈا ہو۔ بلیک ہاک اپنے اپریٹس پر میری آواز سن رہا ہوگا۔ وہ میری ان باتوں کی تصدیق کرے گا.... یہاں اتنے جوتے کھانے کے بعد تم اپنے کس ترکش کا ذکر کررہے

ہو..... یہ میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ ہمت ہے تو کوئی وار کر کے دیکھو۔ اوور۔"

میں جان بوجھ کر اسے اشتعال دلانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جواب میں اس کی آواز بدستور بھاری اور سرد تھی۔ "حیف طرکی غداری کے نتیجے میں ملنے والی اتفاقی کامیابیوں پر اترانے کی کوشش مت کرو..... میرے منصوبے کبھی ناکام نہیں ہوتے..... میری کارروائی کے نتائج تمہارے سامنے آئیں گے تو دہشت سے تم ٹھٹھر کر رہ جاؤ گے۔ میرا راستہ کاٹنے والے کبھی سکھ سے نہیں مر سکے۔ میں جمی لائیڈ یا جم کلارک نہیں، راس المیڈا ہوں۔ میری شہرت سے تمہاری نسل کے بڑے بڑے تھراتے ہیں۔ بلیک ہاک یہ جان کر کہ وہ میرے لیے کام کر رہا ہے، فخر سے پھول گیا ہوگا۔ اوور۔"

"ابھی نہیں پھولا، ایک آدھ روز اس کی بے گور و کفن لاش اس شہر کے کسی ویرانے میں پڑی رہے گی تو وہ خود بہ خود پھول جائے گا..... اور ہاں یہ نہ بھولو کہ سخت جان حیف طرجب تک اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا، تمہارا ہی نام لیوا تھا مگر ایک ٹانگ سے محروم ہونے کے بعد وہ دہشت زدہ ہوگیا۔ تمہیں یہ مان لینا چاہیے کہ اس جیسے نام ور اور تجربے کار انسپکٹر کو بے بسی کے احساس میں مبتلا کرنا آسان کام نہیں تھا..... تم ایک ایک کر کے اپنے ساتھیوں کو کھوتے جا رہے ہو۔ بلیک ہاک اور وائٹ ہاک زیادہ دیر تک تمہارا ساتھ نہیں دے سکیں گے..... مجھے معلوم ہے کہ تمہیں مجرموں اور جدید ترین ہتھیاروں ہی کی نہیں، سفارتی مراعات کی آڑ بھی حاصل ہے..... چیف اور راس المیڈا بن کر تم یہاں خون کی ہولی کھیلنے کے منصوبے بنا رہے ہو لیکن جب قانون کا آہنی ہاتھ تمہاری گردن پر پڑے گا تو تم بلبلا کر راڈنی آرک بن جاؤ گے..... میں نے تمہارے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ میں تم جیسے سفاک اور عالمی دہشت گرد کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کروں گا..... میرا ہاتھ تمہاری گردن پر جم گیا تو تمہارا منکا توڑ کر ہی ہٹے گا۔ ایلن یمفریال تمہاری لاش پر گواہی دے گا کہ تم راڈنی آرک نہیں، راس المیڈا ہو۔ اوور۔"

"ان ہی خوش فہمیوں میں ڈوب کر ناچتے رہو" اس بار راس المیڈا کی آواز میں بے ساختہ تلخی عود کر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "ایلن مر چکا ہے..... اب تم اس سرزمین پر میرے خلاف مر کر بھی کوئی گواہ تلاش نہیں کر سکو گے۔ میں وہی رہوں گا جو میرا دعویٰ ہوگا۔ تم جو کچھ جان چکے ہو، وہی تمہاری موت کے لیے کافی ہے۔ اوور۔"

مجھے معلوم تھا کہ اس اپریٹس پر وہ میری اور اس کی پہلی اور آخری گفتگو تھی۔ وہ دوبارہ میری دہشت ناک دھمکیاں سننے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں اسے اسی بار پوری طرح ہراساں کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس خبیث نے کے تا نین کے علاوہ بھی اپنے دوسرے شیطانی منصوبوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس کی کھوکھلی دھمکی بھی ہو سکتی تھی مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم مرنے سے پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہو۔ آخری فیصلہ کسی بھی وقت ہو جائے گا۔ مرد ہو تو میدان سے نہ بھاگنا۔ تم نے ایلن کی کمین گاہ پر اپنی بدحواسیوں سے مجھے بہت مایوس کیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈیوڈ اسٹارز کا خالق اپنے بدن سے خون کی دو بوندیں بہتے ہی کسی خارش زدہ کتے کی طرح دُم دبا کر بھاگ نکلے گا، اوور۔"

"تم اب ہذیان بک رہے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ میں تمہاری راہ پر لگ چکا ہوں۔ اب اس اپریٹس پر بھی تم میری آواز نہیں سن سکو گے۔ میں اس کی بیٹری نکال دوں گا۔ اب تم سے دوبدو ہی ملاقات ہوگی۔ میں نے سمجھ لیا ہے کہ تم راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہو۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اپریٹس آف کر دیا۔ سب کے چہروں پر گمبھیر سنجیدگی چھائی تھی۔

"وہ تمہاری کس راہ پر لگ چکا ہے؟" ویرا نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بھول جاؤ" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا "وہ سب گیدڑ بھبکیاں تھیں۔ میں نے بھی اسے فرار کی ساری راہیں مسدود کرنے کی نوید سنائی تھی مگر حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ وہ بہت چالاک مجرم ہے۔ میرے حربوں کو مجھ ہی پر لوٹانے کی کوششیں کر رہا تھا۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے" سلطان شاہ نے ایک گھسی پٹی بات دہرائی "ہم سب اس کھیل میں الجھے ہوئے ہیں اور چاروں کھونٹ چوکس ہیں لیکن ہم جہانگیر کو بالکل ہی بھولے ہوئے ہیں۔ تمہاری وجہ سے وہ ایلن کی نظروں میں آگیا تھا۔ اس نے کئی بار بڑی اذیتیں برداشت کی ہیں۔ اسے ہوشیار کر دو کہ فی الحال گوشہ نشین رہے۔ وہ کسی چکر میں آگیا تو یہ لوگ حیف طروالا حساب بے باق کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔"

ایک فرسودہ فقرے سے شروع ہونے والی سلطان کی وہ تقریر خاصی معقولیت پر مبنی تھی۔ جہانگیر اس بار ابتدا ہی سے میرے ایک مضبوط دوست اور حلیف کی صورت میں ایلن کی نگاہوں میں آیا ہوا تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ ایلن نے اپنی پے در پے ناکام کارروائیوں کے باوجود اس کا نام اپنی ذات تک محدود رکھا ہو۔

بعد میں سامنے آنے والے حالات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایلن میرے خلاف جو کچھ کر رہا تھا، اس کے پیچھے راس المیڈا کا زرخیز ذہن کام کر رہا تھا۔ ایلن راستے سے ہٹ چکا تھا یا ہٹا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد راس المیڈا مجھ تک رسائی کے لیے ایک مرتبہ پھر

جہانگیر کی تلاش شروع کر سکتا تھا۔

"تمہیں اس کی خیر خبر لینی چاہیے" ویرا بولی "وہ فون پر کہہ چکا ہے کہ کسی وقت تم سے ملنے کے لیے ادھر آئے گا۔ اس سے کہہ دو کہ آج کل گھر سے باہر نکلنا اس کے لیے مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔"

میں نے خالی الذہنی کے عالم میں ویرا کی طرف دیکھا اور پھر فون پر جہانگیر کا نمبر ملانے لگا۔

جہانگیر کی پہلی آواز سے وقار اور بردباری کا اظہار ہو رہا تھا لیکن میری آواز پہچانتے ہی اس کی زبان چل پڑی "تم کہاں غائب ہو؟ جب فون کرتا ہوں، گھر پر نہیں ملتے....."

"اسی بحران میں گھرا ہوا ہوں جس نے تمہارے فلیٹ، گھر اور پھر فیکٹری سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ تم ہم لوگوں سے ملاقات کے لیے آنے کا ارادہ کر رہے ہو؟" میں نے کہا۔

"گھر پر پڑے پڑے بوریت ہونے لگی ہے۔ کئی بار ارادہ کیا مگر پھر ٹال دیا۔ پہلے میں اسے اپنی کاہلی سمجھ رہا تھا مگر آج صبح میں نے اپنی بلڈنگ کے سامنے والے کمرشل ایریا میں ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جو مجھے شناسا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ مشتبہ انداز میں کئی گھنٹے تک وہیں منڈلاتا رہا۔ اس کی زیادہ تر توجہ ہماری بلڈنگ سے نکاسی کے راستے پر تھی..... یہ میرا وہم بھی ہو سکتا ہے مگر اب میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"شاباش! اب تم خاصے سمجھ دار ہو گئے ہو..... ایسی کوئی صورتِ حال دیکھی تو فون پر ہم میں سے کسی کو آگاہ کیوں نہیں کیا؟ بے مقصد گپ شپ کے لیے فون پر وقت برباد کرتے رہتے ہو۔"

"تم لوگ خود پریشان ہو، تمہیں کیا تنگ کرتا۔ ان چھوٹے موٹے خطرات کو تو میں خود بھی سنبھال سکتا ہوں۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ اب تم اتنے بالغ ہو گئے ہو؟" میں نے طنز سے کہا۔

"دوسرا چکر یہ تھا کہ سلمیٰ کے سامنے میں فون پر ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہتا تھا" اس کی خفت آمیز آواز آئی "صلح کو وقت ہی کتنا ہوا ہے..... خطرے کی کوئی بھنک اس کے کان میں پڑ جاتی تو میرا اٹھنا بیٹھنا اجیرن کر دیتی۔ بس اسی خیال سے تمہیں فون نہیں کیا۔"

"اور اب وہ کہاں ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"پڑوس میں گئی ہوئی ہے۔ وہ ہوتی تو میں اس وقت بھی خطرے کی بات نہ چھیڑتا۔"

"بس فلیٹ میں رہو اور رابطہ رکھو۔ اپنی بیوی سے اسی قدر ڈرتے ہو تو اشاروں کنایوں میں اپنا مقصد واضح کر سکتے ہو۔ میدان صاف ہوتے ہی میں خود بتا دوں گا" میں نے نرمی سے کہا۔

بیوی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنے پر مصر تھا لیکن میں نے اسے ہدایات میں الجھا کر خوش اسلوبی سے ٹالا اور ایک خوب صورت موقع پر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے لیے وہ ایک تشویش ناک بات تھی۔ جہانگیر کے نئے فلیٹ کے قرب و جوار میں کسی مشتبہ اور شناسا چہرے کا یوں منڈلانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ جہانگیر کی کتھا سننے کے بعد میرے ذہن میں راس المیڈا کا ایک فقرہ کسی بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھنے لگا۔ اس نے میری راہ پر لگنے کی بات روا روی میں کہی تھی یا وہ واقعی کسی ٹھوس واقعاتی تبدیلی کی وارننگ دے رہا تھا؟ دشمن ذہین اور مکار ہو تو اپنی ذرا سی بات سے حریف کو ہراساں کر دیتا ہے۔

میرے شکن آلود چہرے سے گہری فکر مندی جھلکنے لگی تھی اس لیے اوّل خان مجھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

جہانگیر کا مسئلہ سنتے ہی اس نے پوچھا "وہ مشتبہ شخص مقامی تھا یا غیر ملکی؟"

"ایمان داری کی بات ہے کہ میں نے اس بارے میں اس سے کچھ نہیں پوچھا" میں نے کہا "لیکن میں اس سے پوچھے بغیر بھی جانتا ہوں کہ وہ کوئی مقامی رہا ہوگا۔ جہانگیر کی غیر ملکیوں سے کوئی جان پہچان نہیں ہے۔ وہ میرے ہی سلسلے میں ان کے چکروں میں پھنستا رہا ہے۔"

"ایسا دعویٰ نہ کرو۔ میری اس سے اچھی خاصی دوستی ہے" ویرا درمیان میں بول پڑی۔

"سنجیدہ باتوں میں دخل مت دو" سلطان شاہ مضطربانہ انداز میں اپنی نشست پر پہلو بدل کر بولا۔

"فکر مت کرو" اوّل خان نے بے فکری سے کہا "تم ابھی تک بھولے ہوئے ہو کہ ایس ٹی ایف میں میری سابقہ حیثیت بحال ہو چکی ہے۔ تشویش کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی جہانگیر کے گھر کی دیکھ بھال کر لیں گے۔"

اس کے ایما پر غزالہ نے ایک کاغذ پر جہانگیر کا پتا اور فون نمبر لکھ کر اوّل خان کے حوالے کر دیا۔

اول خان نے وہیں سے اپنے دفتر فون کر کے اپنے کسی ماتحت سے بات کی اور اسے جہانگیر کے گھر کے ساتھ ہمارا بھی پتا بتاتے ہوئے ہدایت کی کہ دونوں جگہ فوری طور پر دو دو آدمی بھیج دیے جائیں جو اصل عمارت سے دور رہ کر یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ ان عمارات میں کون دلچسپی لے رہا ہے۔ ایسا کوئی شخص نظر میں آجائے تو اسے فوراً اٹھا کر ایس ٹی ایف کے مرکز میں بند کر دیا جائے۔

مجھے یک بہ یک اپنے وجود میں غیر معمولی توانائی کا احساس ہونے لگا۔

افغانستان سے واپسی کے بعد میں نے اپنا بیشتر وقت ایس ٹی ایف کی مدد یا حمایت کے بغیر اپنے دشمنوں سے لڑنے میں گزارا تھا۔ کرنل اشفاق اور میجر غوث کی مداخلت تک ایسا وقت بھی گزارا تھا جب ایس ٹی ایف میری مددگار ہونے کے بجائے قادر نامی ایک خود غرض افسر کی وجہ سے میری گرفتاری کی خواہاں ہو گئی تھی مگر میں نے ان تمام نامساعد حالات کے باوجود اپنی بقا اور زندگی

کی ہر لڑائی جیتی تھی۔

اس تاریک دور کے بعد ایس ٹی ایف کی حمایت دوبارہ بحال ہو جانے سے مجھے ایک نئی تقویت ملی تھی۔ شہر میں میرے خون کے پیاسے دندناتے پھر رہے تھے‘ سفارتی نقاب میں سفاک عزائم میری گھات لگائے بیٹھے تھے مگر میرے لیے یہ احساس بڑا روح افزا تھا کہ شہر میں میری نقل و حرکت پر کوئی قدغن باقی نہیں رہی تھی۔ میں جہاں چاہتا‘ پوری آزادی سے آجا سکتا تھا کیونکہ اوّل خان کے چوکنے اور مستعد آدمی ہماری دیکھ بھال کے لئے میدان میں بلا لیے گئے تھے۔

سات بجے اوّل خان نے روانہ ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر اپنے دفتر سے فون پر رابطہ کیا۔ وہاں سے اسے بتایا گیا کہ چار افراد اس کے بتائے ہوئے پتوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ آنے والے ضرورت کے ہر ہتھیار سے لیس ہو کر نکلے تھے۔ انہیں سمجھا دیا گیا تھا کہ ان کو مکانات کے ساتھ مکینوں کی حفاظت بھی کرنی تھی۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ بے چارے نادیدہ مکینوں کو کیوں کر شناخت کریں گے لیکن میں نے اوّل خان سے کوئی سوال کیے بغیر اسے خوش دلی سے رخصت کر دیا۔

مجھے معلوم تھا کہ ایس ٹی ایف میں افسر سے عام جوان تک‘ سب ہی ایک مشینی ضابطے کے تحت کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ حکم سن کر اس کی تعمیل پر نکل پڑنا ان کی سرشت میں داخل ہوتا ہے۔ حکم کی تعمیل کیسے اور کیوں کر ہو‘ یہ ان کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔

اوّل خان کو گئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے۔ ہم تینوں گرم گرم اور مہکتی ہوئی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سورج غروب ہو چلا تھا۔ ویرا مجھے جلانے کے لیے اپنا وہسکی سے بھرا ہوا گلاس تیار کر کے وہیں لے آئی تھی۔ وہ غزالہ اور سلطان شاہ سے باتیں کرتے ہوئے میرے اوپر بالواسطہ چوٹیں کر رہی تھی لیکن میں نے سگریٹ اور چائے میں پوری طرح منہمک ہو کر اسے بری طرح نظرانداز کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا... کہ فون کی گھنٹی نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جہانگیر کی مضمحل سی آواز سنائی دی۔

”مر کیوں رہے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی وقت سے پہلے لوٹ آئی ہے“ میں نے جل کر کہا۔

”جو آئے تھے ان سے تو اچھا تھا کہ سلمٰی ہی واپس لوٹ آتی۔ شاید وہ پڑوس والوں کے ملازم سے ناشتا منگوانے کے چکر میں ابھی تک وہاں جمی ہوئی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں پینے کے بعد گھر سے کم ہی نکلتا ہوں۔“

”منہ سے کچھ پھوٹو گے یا پہیلیاں ہی بجھواتے رہو گے؟“ میرا پارہ مزید چڑھ گیا ”آخر بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کون تھے‘ جو آئے تھے اور تمہاری آدھی روح قبض کر کے چلے گئے۔“

”وہ دو خطرناک اور مضبوط آدمی تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میری حفاظت کے لیے آئے تھے“ ریسیور میں جہانگیر کی اندوہناک آواز سنائی دی ”وہ جس طرح اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مسلح بھی تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا پھر اندر آ کر میرے ساتھ رہنے والوں کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتا دیا کہ میری بیوی بچے کو لے کر پڑوس میں گئی ہوئی ہے تو انہوں نے اس کی تصویر کا مطالبہ کیا اور خود ہی بیڈ روم میں گھس کر میری اور سلمٰی کی فریم کی ہوئی تصویر دیکھ کر چلے گئے... یار‘ پتا نہیں سالے کون تھے۔ مجھے کچھ گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے۔“

”بس‘ نکل گئی ہوا بہادری کے غبارے میں سے؟ اسی بل پر دعویٰ کر رہے تھے کہ تم چھوٹے موٹے خطرات کو خود ہی سنبھال لو گے؟ اب نیچے اتر کر دیکھو کہ وہ کون تھے اور کہاں گئے ہیں۔“

”وہ آدھے گھنٹے تک فلیٹ میں رکنے کے لیے کہہ کر گئے ہیں“ جہانگیر کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔

”اور تم اس حکم پر عمل کرو گے خواہ وہ اس مدت میں تمہارے فلیٹ کو ڈائنامائٹ سے اڑا دیں؟“

”ایسی باتیں کر کے دل نہ دہلاؤ۔ میرے معدے میں دو گلاس نہ اتر چکے ہوتے تو انہیں اپنی دہلیز بھی پار نہ کرنے دیتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اچھے دنوں میں مَیں دو چار آدمیوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔“

”وہ اچھے دن اب ہوا ہو گئے.... میں نے تو سنا ہے کہ شراب آدمی کو دلیر اور بے خوف بنا دیتی ہے۔ بیوی کی جوتیاں چاٹنے والا شیر ہو کر اس کی چوٹی پکڑ کر دو چار ہاتھ جھاڑ دیتا ہے۔ تم الٹی ہی کہانی سنا رہے ہو۔“

”جو ہونا تھا‘ وہ ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟ فلیٹ میں رہوں یا پڑوس سے سلمٰی کو ساتھ لے کر بلڈنگ ہی سے کہیں چلا جاؤں؟ تمہارے دشمنوں نے تو میری زندگی عذاب کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھیڑیے مجھے قبر میں بھی چین نہیں لینے دیں گے۔“

اس کی بے بسی پر بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا‘ وہ میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ بات صرف اتنی سی معلوم ہوتی تھی کہ اوّل خان نے جن آدمیوں کو طلب کیا تھا‘ وہ دوستوں کی شناخت کے لیے شاید پہلے اسی کے گھر جا پہنچے تھے۔ دو نے نیچے کا مورچا سنبھالا اور دو اوپر جا کر مکینوں کی شناخت کر آئے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چاروں ہماری طرف بھی آنے والے تھے۔ انہوں نے جہانگیر کو اسی لیے آدھے گھنٹے کی احتیاط کی ہدایت کی تھی کہ اس دوران میں وہ دوسرے ٹھکانے پر شناخت کی مہم سرانجام دے سکیں۔

ایس ٹی ایف والے ایسے ہی انوکھے اور دو ٹوک انداز میں اپنے کام کیا کرتے تھے۔

”میرا حال پتلا ہو رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو... لعنت ہے ایسی دوستی پر“ جہانگیر کی آواز میں خفگی آ گئی۔

”وہ ایس ٹی ایف والے تھے“ میں نے جلدی سے اپنی ہنسی روک کر کہا ”اب تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ اگر کوئی بھی مشتبہ شخص تمہارے فلیٹ میں دلچسپی لے رہا ہے تو وہ خود اسے دیکھ لیں گے۔“

”تت.... تو کیا اوّل خان سے تمہاری صلح ہو گئی؟“ اس نے بے یقینی سے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”بس یہی سمجھ لو۔ تمہاری وجہ سے مجھے اس کو منانا پڑا“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”مگر اسے اتنی جلدی کیسے منا لیا..... وہ تو شاید معزول کیا جا چکا تھا؟“

”ابے چغد! منانے کا معزولی سے کیا تعلق؟ وہ سب پرانی باتیں تھیں۔ انہیں بھول جاؤ۔ فون بند کرو اور اپنے گلاس پر دھیان دو۔ کیوں ان باتوں میں پڑ کر اپنا نشہ خراب کر رہے ہو؟“ یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

میرے اندازِ گفتگو سے ان تینوں نے سمجھ لیا تھا کہ فون پر میرا مخاطب کون تھا۔ میرے آخری فقروں نے گفتگو کا موضوع بھی بڑی حد تک واضح کر دیا تھا اس لیے فوری طور پر کسی نے کوئی سوال نہیں کیا اور ویرا کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

اس نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ”اب میں سمجھی کہ تم آج کل شراب سے کیوں گریز کرتے ہو۔ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں دلیری اور بے خوفی کے دورے کی حالت میں تم غزالہ کی چوٹی پر ہاتھ نہ ڈال دو۔“

میں نے اس وقت ویرا کو نظرانداز کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا لہٰذا اس کی بات سنی اَن سنی کر کے غزالہ کو بلاوجہ اپنی اور جہانگیر کی گفتگو کی تفصیل بتانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ ہمارے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔

سلطان شاہ نے دروازہ کھولا اور فوراً ہی آنے والوں کو راستہ دے دیا۔

وہ دونوں چہرے میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ایک زمانے میں مَیں ایس ٹی ایف والوں کے ساتھ خاصا شیر و شکر ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں میں نے بارہا انہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی دور ہی سے مجھے پہچان کر سلام کیا اور مؤدب انداز میں آگے بڑھتے چلے آئے۔

”نگرانی اور حفاظت کے لیے آئے ہو؟“ میں نے ان کے بولنے سے پہلے ہی سوال کر ڈالا۔

سروں کی اثباتی جنبش سے میرے سوال کا خاموش جواب دیا گیا۔ پرانی شناسائی کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے بے تکلف ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اس وقت وہ ڈیوٹی پر تھے۔

”پھر دیکھ لو کہ ہم چاروں ہی اس گھر کے مکین ہیں“ میں نے کہا۔

انہوں نے صرف ویرا اور غزالہ سے نظریں چار کیں۔ سلطان شاہ بھی ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

”یہاں آنے سے پہلے تم دونوں جہانگیر کے گھر گئے تھے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہم نہیں‘ دوسرے آدمی گئے تھے۔ اس وقت وہ نیچے موجود ہیں۔“ ایک نے کہا ”وہاں ان کی ڈیوٹی ہو گی۔ ہم یہاں رہیں گے۔ ہمیں یہ جاننے کے لیے اوپر آنا پڑا کہ ہمیں کن لوگوں کی حفاظت کرنی ہے۔“

”گڈ۔ مجھے تمہارا یہ طریقۂ کار پسند آیا“ میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ دونوں جس خاموشی سے آئے تھے اسی خاموشی سے واپس چلے گئے۔

مجھے راس المیڈا کی طرف سے کسی قسم کا خوف لاحق نہیں تھا۔ اس کی دھمکیوں کی حیثیت گرجنے والے بادلوں سے زیادہ نہیں تھی جو کبھی نہیں برستے لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے دو اہلکاروں کی آمد اور نیچے موجودگی نے میرے رہے سہے تفکرات کو بھی ختم کر دیا تھا۔ میری نظروں میں زیادہ اہمیت جہانگیر کی حفاظت کی تھی۔ وہ بے چارہ میری دوستی کی وجہ سے کئی مرتبہ مصائب جھیل چکا تھا۔ اگر واقعی اس کی نگرانی ہو رہی تھی تو اس کا بھی مناسب سدِباب کر لیا گیا تھا۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ مشتبہ شخص ایس ٹی ایف والوں سے بچ نکلتا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ سویرے سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تاکہ پچھلی رات کی بے خوابی کے رہے سہے اثرات سے نجات حاصل کر سکیں۔ میں صبح سویرے گھر لوٹنے کے بعد لمبی اور گہری نیند لے چکا تھا اس لیے غزالہ کے سو جانے کے بعد بھی دیر تک خیالات کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا اور آخر کار نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

ہماری اگلی صبح کا آغاز معمول سے کچھ پہلے ہی ہو گیا۔ تینوں کمروں کے فون ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ڈرائنگ روم میں ہی رکھے ہوئے تھے۔ فون آیا تو تینوں گھنٹیاں پُرسکوت ماحول میں آسیبی شور کی طرح گونجنے لگیں اور فون اٹھائے جانے سے پہلے ہی ہم چاروں بیدار ہونے پر مجبور ہو گئے۔

سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ فون اول خان کا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر میں اپنی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانے کا پیغام دیا تھا۔

نیند انسان کے مسائل اور خواہشات کے درمیان ایک پُرسرور دیوار کا کام کرتی ہے۔ ہم جب تک جاگتے رہتے ہیں‘ اپنی زندگی کے سنگین حقائق سے لڑتے رہتے ہیں لیکن جب ہمارا ذہن سرور کی اس غیر مرئی دیوار کے اُس پار پہنچ جاتا ہے تو ہم زندگی کے جھمیلوں کو بھول کر اپنی بے لگام خواہشوں اور آرزوؤں کی پُرفریب دنیا میں ہلکے بادلوں کی طرح تیرتے پھرتے ہیں۔ یہی کچھ میرے ساتھ ہوا۔ جب تک جاگتا رہا‘ نہ جانے حالات و واقعات کی کن کن دور از کار کڑیوں کو یک جا کر کے خواب گاہ کے ملگجے اندھیرے میں

بھیانک خیالی تصویریں بناتا اور بگاڑتا رہا۔ سویا تو ان میں سے کسی تصویر کا ہوش نہیں رہا لیکن دوبارہ آنکھ کھلتے ہی ذہن پر بہت سے مسائل نے ایک ساتھ حملہ کردیا۔

ائرپورٹ پر میجر غوث کی طرف سے کی جانے والی کارروائی کی آخری رپورٹ کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس نے اپنے طور پر راس المیڈا کی تلاش کا بیڑا اٹھانے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس سمت میں کیا پیش رفت ہوئی تھی۔ پھر ماربل کا سامان قبرص بھیجنے والی فرم کے مالک کا معاملہ تھا۔ وہ کس کے ہاتھ آیا تھا اور اس سے کیا کچھ اگلوایا جاسکا تھا۔ اوّل خان کے ایک پیغام نے ان سارے سوالات میں گویا جان ڈال دی تھی۔ پتا نہیں وہ اس بارے میں کیسی خبریں لے کر آرہا تھا۔

میں نہا دھو کر پوری تیاری کے ساتھ اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو سلطان شاہ مجھ سے پہلے بنا سنورا، کچن کے دروازے پر کھڑا غزالہ سے خوش گپیاں کرنے میں مصروف تھا۔

"تم کہاں جانے کے لیے پر تول رہے ہو؟" میں نے اپنے لیے صبح کی پہلی سگریٹ سلگا کر اس سے تیکھے لہجے میں پوچھا تو اس نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میرا سوال اس کے لیے ناقابلِ فہم رہا ہو۔

"شاید تم نے سنا نہیں تھا کہ اوّل خان ہمیں لینے کے لیے آرہا ہے" اس نے کہا۔

"ہمیں؟ تم نے تو کہا تھا کہ وہ مجھے لینے کے لیے آرہا ہے۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے" اس نے بے پروائی سے کہا "اس نے بے شک صرف تمہارا نام لیا تھا مگر میں بھی جاؤں گا۔ میں گھر پر اکیلا رہ کر کیا کروں گا؟ ویسے بھی اوّل خان مجھے اور تمہیں ایک جان دو قالب سمجھتا ہے۔"

"اگر میں اس وضاحت پر تمہارا سر توڑ دوں تو اس فارمولے سے آدھی چوٹ میرے حصے میں آئے گی۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا "محاورے صرف بولنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے آدمی خسارے میں رہتا ہے۔ کیا آج تک کوئی گنگا کو الٹی بہانے میں کامیاب ہوا ہے؟"

وہ پوری طرح تیار تھا اور میرے ساتھ چلنے پر آمادہ۔ میں ٹہلتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

ہم چاروں ناشتے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اوّل خان آپہنچا۔ وہ خاصی عجلت میں تھا۔ اس نے غزالہ کے اصرار پر کھڑے کھڑے چائے کی پیالی پی کر ہمیں ناشتا ختم کرنے کا موقع فراہم کیا اور پھر تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اس بات پر غور تک نہیں کیا تھا کہ میرے ساتھ سلطان شاہ بھی روانگی کے لیے تیار تھا۔

نیچے اوّل خان کے دفتر کی گاڑی موجود تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور پُرتشویش لہجے میں بولا "تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے؟"

"ظاہر ہے۔ گھر میں رہنے کے لیے کوئی شریف آدمی اتنے سویرے لباس نہیں بدلتا۔"

"تمہیں کچھ دیر تک تنہا رہ کر انتظار کرنا ہوگا" سلطان شاہ کے سوار ہوجانے کے بعد اوّل خان نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ہم ایک اہم میٹنگ میں شرکت کرنے جارہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنی کوشش کے باوجود تمہیں اندر لے جانے میں کامیاب نہ ہوسکوں۔ باہر رہ کر تمہیں کوفت ہوگی۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔ میں تم دونوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کروں گا۔"

بات ختم ہوگئی اور اوّل خان نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔

سڑک پر آجانے کے بعد بھی اوّل خان کی تفکر آمیز خاموشی برقرار رہی تو مجھے الجھن ہونے لگی اور میں نے سکوت توڑتے ہوئے پوچھا "یہ کیسی میٹنگ ہے؟ ہم کہاں جارہے ہیں؟"

اوّل خان نے چونک کر خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "میجر غوث کے دفتر میں میٹنگ ہے۔ اس نے صبح چار بجے مجھے اطلاع دی تھی۔ اس نے خاص طور پر تمہیں بھی ساتھ لانے کے لئے کہا تھا۔ اس سے آگے میں خود بھی اندھیرے میں ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ واقعات نے کوئی نئی کروٹ لی ہے جو اتنی صبح ایک اجلاس ہورہا ہے" میں نے کریدنے والے انداز میں کہا کیونکہ میرے لیے کسی سرکاری میٹنگ کا وہ وقت غیر معمولی تھا۔

"وقت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فوجی دفاتر صبح سات بجے شروع ہوجاتے ہیں۔"

اوّل خان نے شارع فیصل کے ابتدائی سرے پر واقع ایک وسیع و عریض فوجی احاطے میں گاڑی گھمائی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا خیال تھا کہ میجر غوث کا دفتر ملیر چھاؤنی کے کسی حصے میں رہا ہوگا لیکن وہ شہر کے قلب میں موجود تھا۔

صاف ستھرے احاطے میں راہداریاں چاق و چوبند اور صاف ستھرے فوجیوں کے جوتوں کی دھمک سے گونج رہی تھیں۔ اوّل خان دو مقامات پر اپنی شناخت کے مراحل سے گزرنے کے بعد آخر کار ایک لمبی سی بیرک نما عمارت کے سامنے گاڑی پارک کرکے نیچے اتر گیا۔

وہاں دفاتر کے آگے کشادہ برآمدہ تھا جو بھانت بھانت کے سرسبز پودوں سے سجا ہوا تھا۔

اوّل خان ہم دونوں کے ساتھ اس کمرے کے سامنے سے گزر گیا جس پر میجر غوث کے نام کی تختی نظر آرہی تھی۔ وہ ملحق کمرے میں داخل ہوا اور میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے باوردی ماتحت کو اپنا نام بتایا تو اس نے فوراً ہی انٹر کام پر اپنے افسر کو مہمانوں کی آمد سے آگاہ کردیا۔

ہم ماتحت کی پیش کش پر کرسیاں سنبھالنے بھی نہ پائے تھے کہ میجر غوث ہمارے استقبال کے لیے وہیں آپہنچا۔ پُرتپاک مصافحوں کے بعد گرم جوشی سے مزاج پرسی کا مختصر سلسلہ وہیں اختتام کو پہنچا اور پھر میجر غوث نرمی سے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر مجھے برآمدے میں ایک طرف لیتا چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھی کا نام میٹنگ کے شرکا میں شامل نہیں ہے" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں دھیمے سے کہا "شاید اوّل خان یہ بات تم تک نہیں پہنچا سکا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ وہ باہر رک کر انتظار کرلے گا" میں نے مجبوراً کہا۔

میجر غوث نے واپس آکر اپنے ماتحت کو سلطان شاہ کی تواضع کرنے کی ہدایت کی اور پھر مجھے اور اوّل خان کو لے کر اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر ایک فوجی موجود تھا لیکن میجر غوث نے اپنا دروازہ خود کھولا اور ہمارے بعد اندر آکر دروازہ بند کردیا۔

اونچی ڈھلواں چھت والا وہ وسیع کمرا آرائش میں سادہ لیکن پُروقار تھا۔ ایک گوشے میں میجر غوث کی بڑی سی میز پڑی ہوئی تھی جس پر شیشے کے نیچے روایتی سبز بانات میز کے کناروں سے نیچے تک لٹک رہی تھی۔ میز کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے چار کرسیاں موجود تھیں۔ وہیں ایک حصے میں گھسے ہوئے پرانے قالین پر ایک صوفہ سیٹ موجود تھا جس کے درمیان ایک چھوٹی سی میز موجود تھی۔

میجر غوث اپنی میز پر جانے کے بجائے صوفوں کی طرف ہولیا۔ یہ اس کی طرف سے دوستی اور بے تکلفی کا ایک رسمی اظہار تھا جو وہاں کے فوجی ماحول میں خاصی اہمیت کا حامل تھا۔

"میں نے کل رات ائرپورٹ پر وہ ساری گفتگو سنی جو تمہارے اور راس المیڈا کے درمیان ہوئی" میجر غوث نے بیٹھتے ہی کام کی بات شروع کردی "میرے پاس ایک اپریٹس موجود تھا مگر مجھے قلق ہے کہ میرے پاس کوئی ریکارڈر نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ تمہاری سوچی سمجھی شرارت تھی۔ اس گفتگو کا ایک ایک لفظ ریکارڈ کیے جانے کے قابل تھا۔ راس المیڈا کے عزائم اس کی اپنی آواز میں محفوظ ہوجاتے تو میں بہت کچھ کرسکتا تھا۔ اب ہر طرف رکاوٹیں ہی رکاوٹیں نظر آرہی ہیں" اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر اپنی رسٹ واچ پر سرسری نظر ڈالی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "بیس منٹ بعد محکمۂ داخلہ اور خارجہ کے نمائندے یہاں آنے والے ہیں۔ ان کی گفتگو سے تم خود اندازہ کرلوگے کہ میری مشکلات کتنی زیادہ ہیں۔ انہیں ٹھوس ثبوت درکار ہیں۔ شاید تم کچھ کرسکو ورنہ قونصل خانے والوں نے راس المیڈا یا راڈنی آرک کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات فراہم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ یہ کوشش غیر سرکاری سطح پر کی گئی تھی۔"

"یہ تو ہونا ہی تھا۔ اسے بل کھود کر باہر نکالنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ سرکاری طور پر اس کے بارے میں چھان بین سفارتی آداب کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی" میں نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"یہی سب سے بڑی مجبوری ہے۔ ان لوگوں نے جیف طرا اور گیری ہارٹ کو آج صبح کی پرواز سے زبردستی فرینکفرٹ روانہ کردیا۔ وہ دونوں بے ہوش تھے۔ انہیں سفارت خانے کے ایک معالج کی نگرانی میں نکالا گیا ہے۔ بے ہوشی کا جواز یہ تھا کہ مقامی دہشت گردوں کے بہیمانہ تشدد کے بعد انہیں ذہنی خلل سے بچانے کے لیے مسکن دوائیں دی گئی ہیں تاکہ وہ بے ہوشی کی حالت میں سکون سے اپنے وطن پہنچ سکیں۔"

"اور وہاں ذبح کردیے جائیں" اوّل خان نے اس کے فقرے میں ٹکڑا لگایا۔

"دوسری طرف جہاز کا معاملہ ابھی تک الجھا ہوا ہے" میجر غوث خود ہی ہر وضاحت طلب موضوع پر بات کرتا جارہا تھا "جہاز کی تلاشی میں کپتان ہمارے ساتھ تھا۔ یہ یقین کرلیا گیا تھا کہ وہ غیر مسلح ہے لیکن اس کے پاس پوٹاشیم سائنائڈ جیسے مہلک زہر سے بھرا ہوا کیپسول موجود تھا۔ جیسے ہی بارودی پیٹیوں کو چھپائے جانے والے مقام کو چھیڑا گیا، اس نے آناً فاناً میں وہ کیپسول چبالیا اور جہاز کے کیبن ہی میں جہنم واصل ہوگیا۔ وہ نسلاً یہودی تھا اور امریکی شہریت رکھتا تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ڈیوڈ میگیل ڈیوڈ اسٹارز کا رکن ہوگا۔"

"ان حالات میں آج کی میٹنگ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"محکمہ جاتی تعاون کی آخری کوشش سمجھ لو" میجر غوث بہت زیادہ پُرامید نہیں تھا "اب تک سب کچھ زبانی کلامی چل رہا ہے۔ یہ پہلی باقاعدہ ملاقات ہوگی۔"

میجر غوث ہم دونوں کے لیے چائے وغیرہ منگوانی چاہتا تھا لیکن میں نے متوقع مہمانوں کی آمد تک اسے اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کردیا۔ سرکاری افسروں کے لیے چائے کی تقدیم و تاخیر بھی بدمزگی کا سبب بن سکتی تھی۔

ہم دھیمے دھیمے گزرے ہوئے واقعات پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اسی دوران میں اجلے رنگ کا ایک دراز قامت شخص بے داغ سرمئی سوٹ میں ملبوس، میجر غوث کے دفتر کے دروازے پر نظر آیا۔ میجر غوث نے اس کا رسمی سا استقبال کیا۔ تعارف ہوا تو پتا چلا کہ محکمۂ خارجہ کا کوئی نمائندہ تھا۔

چند لمحوں کے بعد محکمۂ داخلہ کا افسر بھی آگیا۔ میجر غوث نے اس کے لیے بھی دفتر سے باہر جانے کی زحمت نہیں کی یا شاید وہ دونوں ہی میجر غوث کے ماتحت سے رجوع کرنے کے بجائے براہِ راست اس کے کمرے میں گھس آئے تھے۔

ان دونوں بیورو کریٹس میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ نفیس اور بے شکن مغربی لباس، واضح طور پر اکڑی ہوئی گردنیں، خشونت اور تجسس سے بھرپور آنکھیں اور مسکراہٹ سے ترسے ہوئے ہونٹ۔

میجر غوث نے اوّل خان کو ایک سیکرٹ ایجنسی کے نمائندے کے طور پر متعارف کرایا تھا۔ میرا تعارف ڈینی کے سوا کسی اور حوالے سے ممکن ہی نہیں تھا۔ میرے نام پر ان دونوں کے چہرے اس طرح سرد اور سپاٹ رہے جیسے وہ میرے نام سے بے خبر رہے ہوں حالانکہ وہ خود ہی میری کہانی میری زبان سے سننے کے خواہاں تھے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے ذہنوں پر اپنی برتری اور بالادستی کی رعونت سوار تھی۔ وہ اپنی افسری کے حوالے سے کسی عام شہری کی شناخت کو اپنے لیے ہتک آمیز سمجھ رہے تھے۔

کورم مکمل ہوتے ہی چائے آگئی۔ روکھے پھیکے لہجوں میں باتیں شروع ہوگئیں۔ وہ دونوں مجھے اور اوّل خان کو نظر انداز کرکے صرف میجر غوث سے باتیں کررہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر تحیر آمیز خوشی ہوئی کہ ان دونوں کی رکھائی دیکھتے ہوئے میجر غوث نے بھی اپنی فطری گرم جوشی اور خوش دلی کو بالائے طاق رکھ کر ان ہی جیسا رویّہ اپنالیا تھا۔

آخر محکمۂ خارجہ کے نمائندے نے میجر غوث سے کہا "میرا خیال ہے کہ پہلے راڈنی آرک کا مسئلہ نمٹالیا جائے؟"

میجر غوث کا اشارہ پاکر وہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ راڈنی آرک کے روپ میں راس المیڈا یہاں آیا ہوا ہے۔ یہ بہت سنگین الزام ہے جو ٹھوس ثبوت کا متقاضی ہے۔"

مجھے اس کی زبان سے اپنے لیے آپ کے مہذبانہ صیغے کے بجائے تم کا لفظ سن کر صدمہ ہوا مگر میں نے فوراً ہی سنبھالا لے کر جوابی حملہ کیا "اسے تم یوں سمجھ سکتے ہو کہ راڈنی آرک اقبالی مجرم ہے۔ ہم سب اس کے اعترافات سن چکے ہیں لیکن ہم کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔"

میری زبان سے تم کا لفظ سنتے ہی اس نے بے چینی سے کھنکار کر اپنی ٹائی کی گرہ کو چھیڑا مگر میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ بے بسی سے مجھے گھورتا رہا۔

میں خاموش ہوا تو اسے ہوش آچکا تھا۔ اس نے سنبھل کر کہا۔ "مسٹر ڈینی! یہ معاملات بہت نازک ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں جو ہم جانتے ہیں لیکن ثابت نہیں کرسکتے' انہیں زبان پر نہیں لاسکتے' سفارتی آداب کا تقاضا ہوتا ہے کہ مہمان جو کچھ کہہ رہا ہے' اسے درست تسلیم کیا جائے۔ یہ جنیوا کنونشن اور ڈپلومیٹک پروٹوکول کی پابندیاں ہیں۔ ہم کسی طرح راڈنی آرک کو راس المیڈا نہیں کہہ سکتے۔ آپ کی بات کو درست مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اسے ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر مقررہ مدت میں ملک چھوڑنے کا حکم دے سکتے ہیں مگر آپ کو سمجھنا چاہیے کہ اس سے ناقابلِ تصور سفارتی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"میں ان سب باتوں سے واقف ہوں۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک بدنام عالمی دہشت گرد سفارت کار کے روپ میں آپ کی سرزمین پر موجود ہے۔ اس کے عزائم بھیانک ہیں۔ اس کا آپریشن کے نائین جنم داصل ہوچکا ہے مگر وہ کسی اور وار کی تیاری کررہا ہے۔ اس کی سرکوبی آپ کا فرض ہے۔ آپ بتائیں کہ اس کا کیا حل ہونا چاہیے؟"

"آپ کی ایجنسی کے پاس اس کا حل ہونا چاہیے" وہ اوّل خان کی طرف متوجہ ہوکر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں یہاں مبصر کی حیثیت میں آیا ہوں" اوّل خان نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

"ہم سب ضابطوں اور طریقۂ کار کے پابند ہیں" محکمۂ داخلہ کے نمائندے نے اپنے ساتھی کا دفاع کرتے ہوئے کہا "ایک عام شہری کی حیثیت سے ہمارے جذبات آپ سے زیادہ شدید ہوسکتے ہیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ ہم عام شہری نہیں' حکومت کے ذمے دار افسران ہیں۔ ہم جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی غلط فیصلہ نہیں کرسکتے۔"

محکمۂ خارجہ والا اپنے پیڈ پر بال پین سے جلدی جلدی کچھ لکھتے ہوئے بولا "میجر غوث صاحب نے جو کچھ بتایا تھا' میں اس کی سمری بنا رہا ہوں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں' وہ بھی نوٹ کرلیا ہے۔ میں اپنی سمری میں یہ نکات بھی لے لوں گا۔ اگلے ہفتے یہ سمری اجلاس میں پیش کردی جائے گی مگر مجھے یقین ہے کہ ہمارا محکمہ راس المیڈا کے بارے میں کچھ نہیں کرسکے گا۔"

"اگلے ہفتے تک وہ کوئی بھی تباہی پھیلا سکتا ہے" میں نے غصے سے الفاظ چباتے ہوئے کہا "وہ ہمارے بجائے اپنی سمری پر عمل کرتا ہے جو وقت سے پہلے تیار رہتی ہے۔ ملک کی بقا اور اس کے مفادات کا تحفظ ہر چیز پر مقدم ہونا چاہیے۔ اگر ہم اس قسم کے ہنگامی حالات میں بھی عام رویّے سے ہٹ کر سرعت سے کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے تو ہمارا مل بیٹھنا بے سود ہے۔"

اس کے بال پین کی رفتار کچھ تیز ہوگئی۔ اپنی سطور مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنی عقابی نظریں اوّل خان کے چہرے پر گاڑ دیں اور دھیمی آواز میں کہا "جہاں قانون اور ضابطے راستے کی دیوار بن جاتے ہیں وہاں کچھ نامعلوم لوگ میدان میں اتر آتے ہیں۔ اگر راڈنی آرک واقعی کوئی مجرم ہے تو اس کے دشمن بھی ہوں گے اور وہی فیصلہ کن کردار ادا کریں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس نے بات کرتے کرتے اس کا رخ راڈنی آرک کے دشمنوں کی طرف موڑ دیا تھا۔ وہ بہت چالاک تھا۔ اپنوں کی اس بند محفل میں بھی زبان سے کوئی غیر محتاط لفظ ادا کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

میجر غوث اس رسمی اجتماع سے اکتایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے محکمۂ داخلہ والے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "سخی مراد کے بارے، میں آپ اپنے بڑوں کا کیا فیصلہ لے کر آئے ہیں؟"

"یہ قصہ ابھی صرف دس بارہ گھنٹے پہلے شروع ہوا ہے" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "آپ جانتے ہیں کہ سخی مراد کس پائے کا آدمی ہے۔ کلیرنس آتے ہی ہم خود کارروائی کریں گے مگر آپ کو خبر ضرور دیں گے کیونکہ یہ معاملہ آپ ہی نے اٹھایا ہے۔ ہم اپنی ذمے داریوں سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہیں۔"

"یہ معاملہ بالکل صاف اور سیدھا ہے" میجر غوث نے کہا۔ "سخی مراد کی فرم نے بمبئی سے ایک جہاز چارٹر کیا۔ جہاز یہاں پہنچا تو صاف تھا۔ اب اس میں تین بارودی کریٹ ملے۔ جہاز کے کپتان نے خودکشی کرلی۔ ثبوت کے طور پر شہر کے ایک مشتبہ مکان میں ماربل کی پیٹیوں کے ساتھ ویسے ہی بارودی کریٹ ملے ہیں اور سخی مراد کا سامان اسی مکان سے ائرپورٹ لے جایا گیا تھا۔ یہ جہاز کینوپ پر گرانے کا بھیانک منصوبہ بنایا گیا تھا۔ سخی مراد کا کوئی عذر اسے مجرم قرار دیے جانے سے نہیں بچا سکتا۔ وہ باحیثیت اور بارسوخ ہے۔ اگر اسے غیر ضروری مہلت دی گئی تو وہ بھیس بدل کر ملک سے فرار ہوجائے گا۔ ائرپورٹ سے جو پانچ مشتبہ افراد پکڑے گئے ہیں' وہ جلد ہی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ بارود کے کریٹ جہاز پر پہنچانے اور چھپانے میں انہوں نے حصہ لیا تھا مگر وہ بڑے مجرم نہیں ہیں' ہمیں اپنے اصل ہدف پر نظر رکھنی ہوگی۔"

"سخی مراد کے جنرل منیجر نے رات گئے ایک ایف آئی آر کٹوائی ہے۔" محکمۂ داخلہ والے کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "وہ لوگ ڈیفنس کے ایک غیر آباد مکان میں اپنا ماربل کا سامان رکھتے ہیں۔ مکان کو ویران پاکر شاید کچھ غنڈوں نے وہاں قبضہ جمالیا تھا۔ پچھلی رات وہاں زبردست فائرنگ وغیرہ ہوئی ہے۔ وہ پولیس کی حفاظت میں اپنے اس مکان کا قبضہ لینا چاہتے ہیں۔ اس درخواست کو فی الحال التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ میری کارروائی تھی۔ وہاں غیر ملکی دہشت گرد گھسے ہوئے تھے اور وہ خونریزیوں کے ذمے دار تھے۔ آپریشن کے نتیجے میں ان میں سے ایک سفید فام کی لاش مردہ خانے میں موجود ہے۔ باقی دہشت گرد فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کا چھوڑا ہوا سامان ہر محبِ وطن کی آنکھیں کھول دینے کے کافی ہے۔"

"میجر صاحب! یہ سب تفصیلات میرے علم میں ہیں" محکمۂ داخلہ والا لجلجا کر بولا "آپ سے کیا پردہ۔ آپ خود بھی میری مجبوریوں سے واقف ہیں۔ کہنے کو میں انیسویں گریڈ کا افسر ہوں لیکن بے بس ہوں۔ سخی مراد اور راس المیڈا جیسے ہاتھی میدان میں اترے ہوئے ہوں تو ہم جیسے مینڈکوں کی بلاوجہ شامت آجاتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے۔ یہ اوپر والے ہی طے کریں گے۔ ہمیں اور آپ کو اس سے دور رہنا چاہیے۔"

"یہ ناممکن ہے" میجر غوث سختی سے بولا "میں خود آپ کے بڑوں سے بات کروں گا۔ یہ کیس میرا ہے اور میں اپنے ہاتھوں سے اسے نمٹاؤں گا۔ اس کے لیے مجھے جس دروازے تک جانا پڑا' میں جاؤں گا۔ میں آپ کے کسی بڑے سے یہ بھی جاننے کی کوشش کروں گا کہ جس معاشرے میں قانون کے عمل دار خود کو مینڈک تصور کرکے دہشت گردوں کو ہاتھی سمجھنے لگیں وہاں آخری نتیجہ کیا نکلتا ہے۔"

"اررر۔۔۔۔ میجر صاحب!" وہ اپنا مصنوعی رکھ رکھاؤ بھول کر یک لخت گھگیانے پر اتر آیا "وہ بات تو ایسے ہی میرے منہ سے پھسل گئی تھی۔ وہ آف دی ریکارڈ ہے۔ آپ نے میری شکایت کردی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ میری ساری زندگی کی محنت رائگاں جائے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں" میجر غوث نے زہریلی آواز میں کہا "مجھے آپ سے کوئی عناد نہیں ہے۔ میں آپ کی شکایت نہیں کروں گا۔ یہ سوچ آپ جیسے بہتیرے افسران کی ہے جو نوکری کو صرف وقت گزارنے کا بہانہ سمجھتے ہیں۔ ذمے داریوں سے گریز کرکے یا انہیں دوسری طرف دھکیل کر آخر کار پنشن حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ میری بات ہوگی تو اسی عام حوالے سے ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔"

اپنے ایک ساتھی کو لمحوں ہی لمحوں میں زیر ہوتے دیکھ کر محکمۂ خارجہ والا مکارانہ لہجے میں بولا "میں نے اپنی نظروں میں آنے والی دشواریاں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں لیکن میں پورے خلوص سے جلد از جلد اپنی سمری تیار کروں گا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اس معاملے میں آپ کی پوری پوری مدد کریں۔"

"آپ میری مدد کریں گے؟" میجر غوث کی کھوپڑی سنک چکی تھی۔ وہ رخ بدل کر اس پر بھی برس پڑا "یہ میرے بیوی بچوں کا کام نہیں ہے جس میں مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت ہو' آپ کو ابھی تک اصل خطرے کا ادراک ہی نہیں ہوسکا۔ یہ میرا' ان کا اور آپ کا بلکہ ہم سب پاکستانیوں کا مسئلہ ہے۔ اس کے سدِباب میں حتی الامکان کوششیں کرکے ہم کسی پر کوئی احسان نہیں کریں گے بلکہ اپنا ایک قرض اتاریں گے جو اس مٹی نے ہمیں پروان چڑھا کر ہم کو دیا ہے۔ میرے لیے آپ بے شک کچھ نہ کریں لیکن اپنے دل' ضمیر اور وطن کے لیے کچھ کرسکتے ہیں تو ضرور کیجیے۔ میں آپ کی طرف سے کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔"

وہ برہمی کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور الوداعی مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ فضا میں آگے بڑھا دیا۔ ان دونوں نے چھری کے نیچے آئی ہوئی ذبح ہونے والی بکری کی سی نظروں سے میجر غوث کی طرف دیکھ کر باری باری اس سے ہاتھ ملایا اور گردنیں جھکائے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

ان کے جاتے ہی میجر غوث کا غصہ یک لخت کافور ہوگیا اور اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی واپس بیٹھ گیا۔

"میٹنگ ہر بیورو کریٹ کا ایک مہلک حربہ ہوتا ہے" میں نے

میجر غوث کے موڈ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "وہ دونوں پہلے سے اپنا ذہن بنا کر آئے تھے۔ یہ میٹنگ ایک ڈھکوسلے سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ دونوں میری بات سننے سے زیادہ خود بول رہے تھے۔"

"ان کا رویّہ دیکھ کر میرا خون کھول رہا تھا۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے خود ہی مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع فراہم کردیا۔ اب میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ میں نادم ہوں کہ میں نے اس نام نہاد میٹنگ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر سلطان شاہ کو باہر روک دیا۔ اب اسے بھی اندر بلالو۔"

میں نے اٹھنے کی کوشش ہی کی تھی کہ اس نے مجھے روک دیا اور اسٹینوفون پر اپنے ماتحت کو ہدایت کی کہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے مہمان کو اندر بھیج دے۔

سلطان شاہ کے لیے سرکاری افسران کے دفاتر میں آمد و رفت کا تجربہ نیا تھا۔ وہ ڈرے سہمے انداز میں اندر آیا۔ ہمارے چہروں پر نظر پڑتے ہی اس کی جان میں جان آئی پھر جب میجر غوث نے اٹھ کر اس سے پورے خلوص سے معذرت کی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں جانتا تھا کہ یہ لوگ کچھ نہیں کرسکیں گے" میجر غوث نے سلطان شاہ کو بٹھانے کے بعد کہا "ان کی میٹنگ کی تجویز پر جو تھوڑی بہت امید بندھی تھی وہ بھی خاک میں مل گئی۔ تم لوگ اپنا کام جاری رکھو۔ میں کرنل اشفاق سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے کردار کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔"

"ڈیٹی کا کام تو کسی تعطل کے بغیر روزِ اوّل ہی سے جاری ہے" اوّل خان نے کہا "اب صرف یہ فیصلہ کرنا باقی ہے کہ اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔"

"یہ میٹنگ بالکل ہی بے سود نہیں رہی ہے" میں نے کہا "سخی مراد کے جنرل منیجر کی رپورٹ خاصی دلچسپ ہے۔ اگر وہ مکان سخی مراد ہی کی ملکیت ہے تو بلیک ہاک کو اسی نے وہاں پناہ دی ہوئی تھی۔ گڑبڑ ہونے کے بعد اس نے اپنی گردن بچانے کے لیے نامعلوم بدمعاشوں کے خفیہ قبضے کی کہانی گھڑی ہے۔ اب ہمارے سامنے صرف سخی مراد ہے۔ اسی سے اہم معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔"

"اسے خاموشی سے اٹھالیا جائے گا" اوّل خان نے سکون سے کہا "وہ ہر وقت دو چار مسلح محافظوں کے گھیرے میں رہتا ہے لیکن ان پر قابو پانا بھی زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"

"فی الحال میں ایسے مشوروں میں فریق نہیں بنوں گا" میجر غوث نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ باتیں تم لوگ آپس میں طے کرسکتے ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

اس کا اشارہ بھانپ کر ہم تینوں ہی واپسی کے ارادے سے اٹھ گئے۔

"برا نہ مانو تو دو باتیں پوچھ لوں؟" میں نے میجر غوث سے کہا۔

"دو نہیں۔ تم دو سو باتیں بھی پوچھ سکتے ہو۔ میں ان کے جواب دوں گا" وہ خندہ پیشانی سے بولا۔

"پہلی بات تو یہ کہ بارودی پیٹیوں میں رکھے ہوئے ریموٹ کنٹرولڈ ڈیٹونیٹر کی رینج کیا تھی؟"

"اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ایک ڈیٹونیٹر پھٹتے ہی دوسرے ہتھیار بھی چل پڑتے اور ناقابلِ تصور تباہی پھیلا دیتے اور اگر تم ریموٹ کنٹرول کی رینج جاننا چاہ رہے ہو تو وہ ائرپورٹ جیسے کھلے علاقے میں سات سو میٹر اور شہر کی تعمیراتی رکاوٹوں میں صرف تین چار سو میٹر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ راس المیڈا اپنے گھر سے ان کو آپریٹ نہیں کرسکتا تھا۔ انہیں چلانے کے لیے اسے پیٹیوں سے اس فاصلے تک پہنچنا ضروری تھا۔"

"میرے سوال کا تعلق تمہارے جواب کے دوسرے حصے سے تھا" میں نے مسکرا کے کہا "دوسری بات ذرا ذاتی سی ہے۔ اس وقت تم بھی ہماری منصوبہ بندی سے الگ تھلگ رہنے کی...."

"میں سمجھ گیا" اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا اور خود بولنے لگا "مجھے ابتدا ہی سے اپنی مجبوریوں کا پورا پورا احساس ہے۔ میں تم سے اس کا اعتراف کرتا رہا ہوں۔ وہ لوگ حیلوں سے کام لے کر غیر ضروری طور پر ہم سب کا وقت برباد کر رہے تھے۔ وہ میٹنگ کا ڈھونگ رچائے بغیر بھی اپنا جواب دے سکتے تھے۔ مجھ میں اور ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ سویلین افسر ہیں، میں فوجی افسر ہوں۔"

"بس اب میں اجازت چاہتا ہوں" میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ مار کے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور وہ میرا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف ہولیا۔

وہ اس وقت اپنی مکمل فوجی وردی میں بہت شاندار نظر آرہا تھا لیکن ہمارے ساتھ وردی کے کسی تکلف سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اس کے برعکس دونوں بیوروکریٹس کے ساتھ اس کا رویّہ بہت محتاط اور رسمی تھا۔

اس نے دفتر سے باہر اور پھر برآمدے سے نیچے آکر ہمیں اوّل خان کی کار کے پاس رخصت کیا اور گاڑی کے حرکت میں آنے تک وہیں کھڑا رہا۔

"بہت کھرا اور نیک انسان معلوم ہوتا ہے" احاطے سے سڑک پر آنے کے بعد سلطان شاہ بولا۔

"تم نے تھوڑی دیر پہلے اسے اپنے سویلین ساتھیوں پر برستے دیکھ لیا ہوتا تو ہرگز یہ خوشگوار رائے قائم نہ کرتے" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اس وقت وہ پکا فرعون بن گیا تھا۔"

"سویلین افسر مصلحتوں سے کام لیتے ہیں لیکن فوجی افسروں کو میں نے عام طور پر کھرا پایا ہے۔ وہ جس بات کو غلط سمجھتے ہیں، کسی لگی لپٹی کے بغیر اسے غلط کہتے ہیں" سلطان شاہ نے کہا۔

"ہم نے اپنی بات ہر طرف پھیلادی ہے" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اوّل خان نے زبان کھولی "راڈنی آرک کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے یا نہ اٹھایا جائے' اس کی دہری شخصیت کے بارے میں ہر طرف کہانیاں پھیل جائیں گی۔ ایک طرف یہ دباؤ کام کرے گا اور دوسری طرف ہم اس کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔"

"اسے ڈھونڈنا پڑے گا لیکن سخی مراد ہمارے سامنے ہے" میں نے اسے یاد دلایا "ہمیں پہلی فرصت میں اس کو اٹھالینا چاہیے۔ اب وہی راس المیڈا کے بارے میں کوئی نشان دہی کرسکے گا۔"

"سخی مراد تم دونوں کے قابو میں نہیں آئے گا" اوّل خان نے فیصلہ کن لہجے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا "یہ کام میں اپنے آدمیوں سے لوں گا۔ تم دونوں بالکل الگ رہوگے۔"

"یہ زیادتی ہے" سلطان شاہ نے بلند آواز میں احتجاج کیا۔ "مجھے پہلی بار کسی قوم فروش رہنما کا دیدار کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم مجھے اس موقع سے محروم نہیں کرسکتے۔"

"تمہیں اسے دیکھنے اور جوتے لگانے کا پورا پورا موقع ملے گا" اوّل خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "بس تم اس کے اغوا کے معاملے سے دور رہوگے۔ وہ ایک بار میری دفتری بیرکوں تک پہنچ گیا تو تمہیں وہاں آنے جانے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔"

اوّل خان ہمیں فلیٹ کے نیچے ہی چھوڑ کر واپس جانا چاہ رہا تھا مگر میرا ذہن جہانگیر کے خدشوں میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے مسلسل یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ کہیں وہ ایک مرتبہ پھر دشمنوں کی نگاہ میں نہ آگیا ہو۔ اوّل خان کے آدمی اس کے فلیٹ کی نگرانی میں ایک پوری رات گزار چکے تھے۔ ان سے وہاں کے بارے میں کوئی خیر خبر مل سکتی تھی۔

اوّل خان بے مقصد وقت گزاری کا قائل نہیں تھا لیکن کوئی معقول کام سامنے آجائے تو اسے التوا میں بھی نہیں ڈالتا تھا۔ اپنے اختیارات کی بحالی اور فوجی اہل کاروں کی پشت پناہی مل جانے کے بعد اس کے ذہن سے ان انعامی اشتہارات کا خوف مٹ چکا تھا جو میری زندہ یا مردہ گرفتاری کے بارے میں شائع کرائے گئے تھے۔ وہ ہم دونوں کو اتارے بغیر جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

جہانگیر کا فلیٹ کم و بیش اسی بارونق رہائشی علاقے میں واقع تھا جہاں ویرا اور غزالہ نے امریکی قونصل خانے کے دو اہل کاروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جہانگیر والی عمارت خاصی بلند اور پرشکوہ تھی۔

ایس ٹی ایف والوں کے لیے اوّل خان کی جیپ ایک چلتے پھرتے اشتہار سے کم نہیں تھی۔ اس نے بارونق بازار کے درمیان سے گزرتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کی تو فوراً ہی دور سے ایک آدمی ہاتھ ہلاتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ میرے لیے وہ قطعی اجنبی تھا۔

اوّل خان نے اسے دیکھتے ہی اپنی گاڑی کنارے سے لگا کر روک دی۔

وہ شخص آتے ہی اوّل خان والی کھڑکی پر جھکا اور کسی تمہید کے بغیر اپنی رپورٹ دہرانے لگا "یہاں سب ٹھیک ہے۔ آج صبح ایک مشتبہ نوجوان ادھر منڈلاتا ہوا نظر آیا تھا۔ اس کی ساری توجہ جہانگیر صاحب والی بلڈنگ پر تھی۔ میرا نمبر دو اسے اٹھا کر ساحلی ویرانے میں لے گیا۔ تھوڑی سی مار کھانے کے بعد اس نے اگل دیا کہ وہ کسی کی نگرانی نہیں کررہا بلکہ اپنے محلے کی ایک خوب صورت لڑکی کا پیچھا کرتا ہوا تین دن سے وہاں آرہا ہے۔ وہ لڑکی اسی بلڈنگ میں کام کرتی ہے۔ دو تین گھنٹے کے بعد فارغ ہوکر وہ باہر نکلتی ہے تو وہ ہیرو اس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ وہ فلمی سی محبت کا چکر ہے لیکن میرے نمبر دو سے مار کھانے کے بعد اب وہ ادھر نظر نہیں آئے گا۔ ہم دونوں پوری مستعدی سے اپنا کام کررہے ہیں۔"

"شاباش! اگلی ہدایات تک یہیں جمے رہو۔ اخراجات کی کمی پڑجائے تو ایک آدمی اسٹیشن جاکر رقم لاسکتا ہے۔ یہاں ہر وقت ایک نہ ایک آدمی کی موجودگی ضروری ہے" اوّل خان نے دھیمی آواز میں اسے اس کی اگلی ذمے داریوں سے آگاہ کرنے کے بعد گاڑی آگے بڑھادی۔

میرا دل کہہ رہا تھا کہ نگرانی اور خطرے کے بارے میں جہانگیر کا خوف بے بنیاد تھا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پرکشش مردانہ اور نسوانی چہرے انسان کو پہلی ہی نظر میں شناسا محسوس ہونے لگتے ہیں۔ شاید جہانگیر کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس نے گھریلو ملازمہ کے عاشقِ زار کو وہاں منڈلاتے دیکھا اور خوف میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اسی وقت اوّل خان کے ساتھ جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ کر اسے اصل صورتِ حال سے آگاہ کردوں لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ترک کردیا۔ میری اس پیش رفت کے نتیجے میں باہمی میل جول کے سلسلے میں جہانگیر کی بے جا حوصلہ افزائی ہوسکتی تھی' جب کہ میں راس المیڈا کا قصہ نمٹنے تک ہر ممکنہ احتیاط پر عمل کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔

ہم تینوں فلیٹ پر پہنچے تو دونوں عورتیں مضطرب تھیں۔ اوّل خان جس عاجلانہ انداز میں مجھے لینے کے لیے آیا تھا' اس کے سبب ان دونوں کو طرح طرح کی پریشان خیالیوں نے آگھیرا تھا۔

"کوئی سوال نہیں ہوگا" میں نے گھر میں گھستے ہی اعلان کردیا۔ "ہم لوگ فوجیوں کی چائے پینے گئے تھے۔ معاملہ صرف نشستند و گفتند و برخاستند کا تھا جسے رسمی طور پر میٹنگ کا نام دے دیا گیا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہمیں ٹالنے کی کوشش مت کرو" ویرا نے احتجاج کیا۔

"ڈینی سچ بول رہا ہے" اوّل خان نے میری تائید کی "مجھے اندازہ ہوتا کہ وہاں جاکر اس طرح وقت کی بربادی ہوگی تو میں بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اس وقت میں ایک اہم کام کے ارادے سے یہاں رکا ہوں اور اسے مکمل کرنے کے لیے مجھے تھوڑے سے سکون کی ضرورت ہے۔"

"ظاہر ہے کہ اس اہم کام میں تمہیں ڈینی کی مدد کی ضرورت بھی ہوگی؟" ویرا نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں' تم اس کے سینڈوچ بناسکتی ہو' مجھے سکون اور صرف فون کی ضرورت ہے۔"

"آؤ' پھر ہم لوگ کسی خواب گاہ میں بیٹھ جاتے ہیں" ویرا نے مجھے تقریباً کھینچتے ہوئے کہا۔

میں نے فوراً ہی اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑالیا اور تیزی سے کہا "تم غزالہ اور سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں اوّل خان کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔"

"وہ کہہ رہا ہے کہ اسے تمہاری ضرورت نہیں ہے" ویرا غرا کر بولی۔

"یہ اس کی بات ہے مگر میں اس کے پاس موجود رہنا چاہتا ہوں" میں نے تنک کر کہا۔

"اگر تم لوگوں کے یہ جھگڑے طے نہیں ہوسکتے تو پھر میں کہیں اور چلا جاتا ہوں" اوّل خان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "اس وقت تم لوگ ضدی بچوں کی طرح لڑ رہے ہو۔"

ویرا مجھے گھورتی ہوئی خاموشی سے اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ غزالہ اس کے ساتھ تھی۔ میرے اشارے پر سلطان شاہ بھی ان دونوں کے پیچھے ہولیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ ان دونوں کو دیر تک باتوں میں مصروف رکھ سکے گا۔

ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے ساتھ ہی فلیٹ میں سناٹے کی حد تک سکوت چھاگیا۔

"دراصل میں نے دفتر جانے کا ارادہ ترک کردیا ہے" اوّل خان نے تخلیہ میسر آتے ہی کہا۔

"شاید تم سخی مراد کے بارے میں تیزی سے کام کرنے کا فیصلہ کرچکے ہو؟"

"بعض اوقات تم ذہن کی بات بالکل صاف پڑھ لیتے ہو" اس نے سر جھٹک کر کہا "اس کے بارے میں جو کچھ ہونا ہے' شہر ہی میں ہونا ہے پھر مجھے اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں دفتر فون کرکے دو تین آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا سکتا ہوں۔ وہ مجھے تمہارے فون پر اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے سکتے ہیں۔"

"یہ نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے لیکن سیاست میں زیادہ دلچسپی نہ رکھنے کی وجہ سے میں اس کے بارے میں بہت زیادہ باخبر نہیں ہوں۔ یہ کون ہے اور اس کا شجرہ کیا ہے؟"

"حاجی مراد اس باحیثیت گھرانے کا پہلا سربراہ تھا جس نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور پھر کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل کرتا چلا گیا۔ سخی مراد اس کا نوجوان پوتا ہے۔ اس وسیع اور مال دار خاندان کی شاخیں اتنی پھیلی ہوئی ہیں کہ ملک میں کسی بھی سیاسی جماعت کی حکومت ہو' ان کے ایک دو آدمی اسمبلی میں ضرور ہوتے ہیں۔ اس بار سخی مراد کامیاب نہیں ہوسکا مگر اس کا ایک بھتیجا قومی اسمبلی میں اور دو قریبی رشتے دار صوبائی اسمبلی میں موجود ہیں" اوّل خان نے اس معروف خاندان کے بارے میں اپنی سیاسی معلومات ظاہر کرتے ہوئے کہا "بنیادی طور پر یہ زمیندار لوگ ہیں۔ شاید انہیں خود بھی علم نہیں کہ یہ کتنی زمینوں کے مالک ہیں۔ اب ان کے منشی اور منیجر ہی زمینوں کا کام چلاتے ہیں۔ یہ لوگ بس سیر و تفریح یا شکار کے لیے اپنی زمینوں کا رخ کرتے ہیں ورنہ کراچی ہی میں عیش کرتے ہیں۔"

"مگر میجر غوث تو بتارہا تھا کہ سخی مراد کی کوئی فرم بھی ہے" اسے خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔

"میں وہی بتانے جارہا تھا" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "سخی مراد پچھلے کئی برسوں سے مراد ٹریڈ کارپوریشن نامی برآمدی ادارے کا مالک ہے۔ حالیہ برسوں میں اس کی آمدنی میں اچانک اور اندھا دھند اضافہ ہوا ہے جس کا اظہار اس کے بیش قیمت نئے مکانات اور قیمتی گاڑیوں سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یہ لوگ روایتی امرا کی طرح سادہ انداز میں رہتے تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں آئے دن اخبارات میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ سخی مراد اپنے خاندان کی سیاسی ضروریات کے پیش نظر اکثر بڑی دعوتیں کرتا رہتا ہے جن میں وہ اخباری دنیا کے اہم لوگوں کو بلانا کبھی نہیں بھولتا۔"

"اور خود ہر وقت مسلح محافظوں کے گھیرے میں رہتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"پہلے وہ روایتی شان و شوکت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا تھا۔ اس کی پرانی مرسیڈیز میں ایک دو مسلح دیہاتی بیٹھے رہتے تھے۔ ان بکھیڑوں کے بغیر زمینداری زیادہ دن نہیں چل پاتی۔ اب تو خیر امن و امان کی حالت کی وجہ سے ہر باحیثیت آدمی اپنے تحفظ کے لیے فکرمند رہنے لگا ہے۔"

"آمدنی میں اچانک اور اندھا دھند اضافے کے کیا اسباب ہوسکتے ہیں؟"

"یہ وہی بتاسکے گا۔ ہوسکتا ہے کہ انکم ٹیکس کے گوشواروں میں اس نے تجارتی یا زرعی آمدنی میں کچھ اضافے دکھائے ہوں۔ مجھے ان تفصیلات کا علم نہیں ہے۔"

"وہ راس المیڈا یا اس کے آدمیوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی آمدنی میں اضافے کا ان رابطوں سے گہرا تعلق ہو" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس نے چونک کر پوچھا "ذرا کھل کر بات کرو۔"

"کوئی ناجائز تجارت.... کوئی غیر قانونی برآمد ہوسکتا ہے کہ اس کی

ایسی سرگرمیاں ڈیوڈ اشارز کی نظروں میں آگئی ہوں اور انہوں نے اسے اپنی بلیک میلنگ کے جال میں جکڑ لیا ہو۔"

"تم ان معاملات پر قبل از وقت اپنا سر کھپا رہے ہو۔ ایک آدھ روز کی بات ہے۔ وہ ہمارے قبضے میں بیٹھا' خود اپنی کہانی سنا رہا ہوگا" اوّل خان نے کہا۔

بات واقعی ضرورت سے زیادہ طویل ہو چلی تھی۔ میں نے فوراً ہی خاموشی اختیار کرلی۔

اوّل خان نے اپنے دفتر فون کرکے ایک آدمی کو فوری طور پر سخی مراد کی نگرانی پر مامور کیا اور مزید دو افراد کو ہمارے فلیٹ پر پہنچنے کی مختصر سی ہدایات دے کر فون بند کردیا۔

"بس' اتنے سے کام کے لیے تم نے سکون' سکون کا شور مچایا ہوا تھا" میں نے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ آہستگی سے بولا "آج تمہاری طرح میرا دماغ بھی تیزی سے کام کررہا ہے۔ پہلے میں کچھ اور سوچ رہا تھا لیکن اب میں نے سخی مراد کی غیر قانونی حراست کو اغوا برائے تاوان کی واردات کا رنگ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ پچھلے دنوں شہر میں ایسی بڑی بڑی کئی وارداتیں تواتر کے ساتھ ہوتی رہی ہیں' کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ اسے کسی اور چکر میں اٹھالیا گیا ہے۔"

پھر اوّل خان میرے ساتھ اپنے منصوبے کے خدوخال پر تبادلۂ خیال کرنے لگا۔

تقریباً سوا گھنٹے بعد اوّل خان کے طلب کیے ہوئے دونوں آدمی فلیٹ پر آپہنچے۔ وہ اپنے ساتھ کینوس کا ایک مختصر سا تھیلا بھی لائے تھے جو انہوں نے آتے ہی اوّل خان کے حوالے کردیا۔

غزالہ فوراً ہی نوواردوں کے لیے چائے کی مزید دو پیالیاں لے آئی۔ اس دوران میں اوّل خان نے کینوس کا تھیلا کھولا تو اس میں ایک پستول' فاضل راؤنڈز' فاضل میگزین اور دو ٹرانسیسٹرز چمک رہے تھے۔ اوّل خان کافی دنوں بعد اپنے پرانے روپ میں واپس لوٹتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے" اوّل خان نے ایک اپریٹس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اب تم اس قسم کے ہر آلے کے استعمال میں ماہر ہوچکے ہو۔ تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"سب کچھ ہوجائے گا۔ بس یہ بتادو کہ میرا کوڈ یا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"وقت آنے پر یہ بھی طے کرلیا جائے گا' فی الحال صرف تمہارا اور میرا رابطہ رہے گا اور میں تمہاری آواز آسانی سے پہچان سکتا ہوں" اوّل خان نے ہنس کر میری بات ٹال دی۔

تھوڑی دیر بعد اوّل خان کے اس آدمی کا جو سخی مراد کے تعاقب میں بھیجا گیا تھا' فون آگیا۔

اوّل خان صرف ہوں ہاں کرکے دوسری طرف کی بات سنتا رہا مگر میں دیکھ رہا تھا کہ گزرتے ہوئے لمحات کے ساتھ اوّل خان کے چہرے پر مسرت اور کامیابی کی سرخی پھیلتی جارہی تھی۔

"یہ کام توقع سے کہیں زیادہ آسان نظر آرہا ہے" اوّل خان نے فون بند کرکے کہا "سخی مراد شاید اپنی رنگین مزاجی کی وجہ سے آج ہی ہمارے ہاتھ آجائے گا۔"

رنگین مزاجی کے تذکرے پر میں چونکا لیکن میں کوئی سوال کیے بغیر اوّل خان کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ اس کے ماتحتوں کے سامنے میں عام طور پر بے تکلفی کے مظاہرے سے گریز ہی کرتا تھا۔

"سخی مراد کے معمولات خاصے دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی کچھ زیادہ قابلِ رشک نہیں ہے۔ وہ صبح ٹھیک نو بجے آفس کھلتے ہی اپنے چار مسلح محافظوں اور ڈرائیور کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ دوپہر تک وہ اپنے دفتر میں مصروف رہتا ہے اور پھر ایک بجے صرف دو محافظوں اور ڈرائیور کے ساتھ کوئنز روڈ کی طرف روانہ ہوجاتا ہے جہاں اس نے ایک مالدار بیوہ کے مکان کا ایک حصہ کرائے پر لے کر ایک لڑکی کو وہاں رکھا ہوا ہے۔ سخی مراد کی موجودگی میں محافظ باہر پہرا دیتے ہیں۔ ڈرائیور اندر کے کام کرتا ہے۔ وہ دوپہر کا کھانا وہیں کھاتا ہے اور پھر اندھیرا پھیلنے تک وہیں رہتا ہے۔ دفتر میں رکے ہوئے دونوں محافظوں کو دفتر کا ڈرائیور پانچ بجے سخی مراد کے گھر پہنچادیتا ہے۔ ہفتے میں دو تین دن اس کا یہی معمول ہوتا ہے۔ وہ کوئنز روڈ سے گھر روانہ ہوتا ہے تو نشے میں دھت ہوتا ہے۔ جس دن اس کی شام کی دوسری مصروفیات ہوتی ہیں' وہ اپنا وقت دفتر میں گزارتا ہے اور پھر دفتر ہی کے ریٹائرنگ روم سے تیار ہوکر اپنے طے شدہ پروگرام میں شرکت کے لیے روانہ ہوجاتا ہے' آج وہ کوئنز روڈ گیا ہے۔"

"تمہارے آدمی نے مختصر سے وقت میں بہت زیادہ معلومات حاصل کرلیں!" میں نے تعجب سے کہا۔

"یوسف بہت کرتبی آدمی ہے۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی سخی مراد کے تعاقب میں جانے کی زحمت نہیں کی۔ اس کے دفتر پر ایک لڑکے کی ضرورت کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یوسف اندر پہنچا اور منتخب ہوگیا۔ اس وقت وہ سخی مراد کے دفتر میں کام کررہا ہے۔ اس نے کھانے کے وقفے میں باہر سے فون کرکے اپنی رپورٹ دی ہے۔"

"حیرت ناک آدمی ہے۔ تو کیا وہ اب بھی وہاں ملازمت کرتا رہے گا؟"

"وہ چند روز وہاں گزارنا چاہتا ہے۔ دفتر کا ماحول بہت پراسرار اور سازشی معلوم ہوتا ہے۔ یوسف وہاں رہے گا تو ہمیں اندر کی خبریں ملتی رہیں گی۔ وہ جب چاہے گا' ٹہلتا ہوا دفتر سے نکل آئے گا۔"

"اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ سخی مراد ایک بجے کوئنز روڈ ہی گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ایک بجے دفتر چھوڑتا ہے تو وہیں جاتا ہے۔ یہ اس کا معمول بن چکا ہے۔ تم نچلے درجے کے ملازمین کی نفسیات نہیں جانتے۔ یہ لوگ معصوم صورتیں بنا کر اپنے مالکان کی ہر جنبش کا

مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جب مل کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے پر اپنی برتری جتانے کے لیے اپنے مالک کی ہر کمزوری کو کھولتے چلے جاتے ہیں۔ یوسف نے وہاں نوکری نہ کی ہوتی تو یہی معلومات حاصل ہونے میں پورا ہفتہ ضائع ہوسکتا تھا۔"

"یوسف' مراد ٹریڈ کارپوریشن کے دفتر میں نوکری کررہا ہے۔ سخی مراد کوئنز روڈ کے مکان میں عیش کررہا ہوگا مگر ہمیں اس مکان کا پتا کیسے معلوم ہوگا؟"

"یوسف نے بتادیا ہے۔ وہ میرے ذہن میں نقش ہوچکا ہے" اوّل خان کا لہجہ فاتحانہ تھا۔

اوّل خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو فوراً ہی کوئنز روڈ کے اس مکان کی طرف روانہ کردیا جہاں سخی مراد کی موجودگی کی خبر ملی تھی۔ ان دونوں کو یہ ذمے داری سونپی گئی تھی کہ وہ باہر سے مکان کی نگرانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کریں کہ سخی مراد ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے اس مکان سے فرار نہ ہوسکے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ہر قیمت پر اس کا تعاقب کرکے اوّل خان کو ٹرانسمیٹر پر ہر لمحے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ رکھا جائے۔

ان دو طے شدہ کاموں کے علاوہ یہ بات ان دونوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی تھی کہ حالات سازگار ہوں تو وہ مکان میں داخل ہوکر مسلح محافظوں کو زیر کرلیں اور اس گھر کا فون کاٹ کر سخی مراد کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ کام ان دو افراد کے بس سے باہر تھا۔

اطلاعات کے مطابق اس مکان میں کم از کم چار افراد کی موجودگی ضروری تھی۔ سخی مراد' اس کی محبوبہ' سخی مراد کا ڈرائیور اور دو مسلح محافظ۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ صرف دو آدمی اپنے ہتھیاروں کے بل پر ان چاروں کو زیر کرسکیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد اوّل خان مجھے تیار رہنے کی ہدایت کرکے چلا گیا۔ اس نے ایک اپریٹس میرے پاس چھوڑ دیا تھا تاکہ میں کسی بھی وقت اس سے رابطہ کرنے میں دقت محسوس نہ کروں۔

یہ خبر ہر ایک کے لیے حیرت اور خوشی کا باعث بنی کہ سخی مراد کو فوری طور پر اٹھانے کا منصوبہ بنالیا گیا تھا۔

سلطان شاہ کا خیال تھا کہ اس بار اوّل خان نے اسے اپنے پروگرام سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہوگی لہٰذا اس نے پروگرام سنتے ہی اعلان کردیا کہ وہ ہر قیمت پر اس مہم میں شریک ہوگا۔ میں نے بھی اسے چڑانے کی کوئی کوشش کیے بغیر اس کی بات مان لی۔

کسی چالاک اور صحت مند شخص کو کوئی قابلِ ذکر گزند پہنچائے بغیر اغوا کرنے کے مراحل آسان نہیں ہوا کرتے۔ میری دانست میں اس مہم میں زیادہ سے زیادہ نفری کی موجودگی ضروری تھی تاکہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد ہمیں واپسی میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سلطان شاہ کی شمولیت سے ہماری نفری میں اور کچھ نہیں تو ایک دلیر شخص کا اضافہ ہوسکتا تھا۔

ہم دونوں لباس کی حد تک پہلے ہی تیار تھے کیونکہ میجر غوث کے دفتر سے واپسی کے بعد ہم نے لباس تبدیل نہیں کیے تھے۔ ہتھیاروں کے انتخاب میں سب سے پہلی اہمیت بیم گن کی تھی' دوسرا درجہ بلیک ہاک کے اس بے آواز ریوالور کو حاصل تھا جو میں نے اس کی خواب گاہ سے حاصل کیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ ہمیں ضرورت کا دوسرا سامان اسپیشل ٹاسک فورس والوں سے آسانی سے مل سکے گا۔

اوّل خان کی طرف سے کوئی اطلاع آنے سے پہلے ہی جہانگیر کا فون آگیا۔ اس وقت تک سلطان شاہ نے تینوں فون ڈرائنگ روم سے الگ کرکے ان کی جگہوں پر پہنچادیے تھے۔ جہانگیر کی کال ویرا نے وصول کی اور مجھے بتایا کہ وہ سخت پریشانی کے عالم میں مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا" میری آواز سنتے ہی جہانگیر نے بھرائی ہوئی آواز میں بولنا شروع کردیا "معلوم ہوتا ہے کہ میرے ستارے ہی گردش میں آگئے ہیں۔ چند روز بھی مصنوعی سکون سے نہیں گزرنے پاتے کہ کوئی نیا چکر شروع ہوجاتا ہے۔ یا پھر ناگہانی مصیبتیں نازل ہونے لگتی ہیں۔"

"کچھ بتاؤ گے بھی یا کسی جوان بیوہ کی طرح بس بین کرتے رہو گے" میں نے کہا۔

"فلیٹ میں ایک بے ہوش آدمی موجود ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس کا کیا کیا جائے؟" اس کی آواز سے شدید الجھن اور پریشانی مترشح تھی۔

"کھڑکی کھول کر اسے نیچے پھینک دو" میں نے غصیلی آواز میں کہا "وہ کون ہے اور کہاں سے آیا تھا؟"

"اس کا چہرہ میرے لیے اجنبی ہے۔ وہ دروازے سے آیا تھا اور آتے ہی اس نے میرے اوپر پستول تان لیا تھا۔ پتا نہیں اوّل خان کے آدمی نیچے کیا کررہے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ اوّل خان کے آدمی غیب داں نہیں ہیں۔ تمہاری بلڈنگ میں کم از کم پندرہ بیس فلیٹ ضرور رہے ہوں گے۔ ہر آنے والے کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ وہ کس فلیٹ میں جارہا ہے..."

اس نے فوراً میری بات کاٹ دی "پھر ایسا کرو کہ انہیں میرے گھر ہی بھیج دو۔ وہ دروازے کے ساتھ والے کمرے میں آسانی سے رہ سکتے ہیں۔ اس کمرے کا ایک دروازہ بیرونی راہداری میں بھی کھلتا ہے۔ وہ ہم لوگوں کے گھر میں مخل ہوئے بغیر' آزادی سے کہیں بھی آجاسکیں گے۔"

"پھر تم یہ کہنا کہ وہی تمہارا سر اپنی گود میں رکھ کر تمہیں لوری سنائیں تاکہ تمہیں نیند آسکے.... جہانگیر! خدا کے لیے کچھ عقل کی باتیں کرو۔ اتنے بزدل تو تم کبھی نہیں تھے۔"

"میں اب بھی بزدل نہیں ہوں لیکن شادی شدہ ہوگیا ہوں" اس نے وہ فقرہ اتنی بے ساختگی سے کہا کہ میں اپنی بے آواز مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"تم بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ بے ہوش کیسے ہوا ہے۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں چلتا ہوا تو نہیں آیا ہوگا۔ وہ تم سے کیا چاہ رہا تھا؟"

"سلمیٰ نے پیچھے سے اس کے سر پر بیلن مار کر اسے بے ہوش کیا ہے.... اس نے گھر میں گھستے ہی پستول نکال کر میرے ہاتھ اٹھوائے اور پھر مجھے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ وہ مجھ سے فلیٹ میں موجود دوسرے لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ سلمیٰ نے کچن سے یہ منظر دیکھ لیا۔ وہ اس وقت روٹی پکا رہی تھی۔ وہ بیلن لے کر پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے سر پر پہنچی اور بیلن دے مارا۔ وہ قالین پر گرتے ہی بے ہوش ہوگیا..."

میرے لیے سلمیٰ کا وہ کارنامہ حیرت انگیز تھا۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو ذرا سا بھی خطرہ دیکھ کر بدحواس ہوجاتی ہیں اور کوئی مدد کرنے کے بجائے خود ایک مسئلہ بن جاتی ہیں۔ میں نے جہانگیر کو مشورہ دیتے ہوئے کہا "فی الحال تم اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونسو اور اسے کسی باتھ روم میں مقفل کردو۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایس ٹی ایف والے اسے جلد از جلد تمہارے گھر سے نکال لے جائیں۔"

"اور اگر اسی دوران میں اس کا کوئی ساتھی اسے تلاش کرتا ہوا آگیا تو کیا ہوگا؟ ہم دونوں بار بار ایسے معجزے نہیں دکھا سکتے کہ نہتے ہوتے ہوئے بھی ایک مسلح آدمی کو زیر کرلیں۔"

جہانگیر کی وہ بات معقول تھی۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "کوئی بھی آجائے، تمہیں شناخت کیے بغیر دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایس ٹی ایف والے جلد از جلد تمہارے پاس پہنچیں۔ یہ دن کا وقت ہے۔ کوئی بھی مشتبہ آدمی دن دہاڑے تمہارا دروازہ توڑنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ فلیٹوں میں رہنے کا یہی ایک فائدہ ہوتا ہے کہ ذرا سی بھی گڑبڑ ہو تو پاس پڑوس والے چوکنا ہوجاتے ہیں.... یہ اچھی بات ہے کہ سلمیٰ نے وہاں آباد ہوتے ہی اپنے پڑوسیوں سے میل جول کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔"

"تم خود ہی ادھر کیوں نہیں آجاتے؟" اس کی آواز میں الجھن تھی "آتے ہوئے تم ان دونوں کو بھی اپنے ساتھ لا سکتے ہو جو میرے فلیٹ کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

جہانگیر کا وہ سوال منطقی تھا مگر میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں اس وقت ٹرانسیٹر پر اول خان کے کسی اہم پیغام کا انتظار کر رہا تھا اور مجھے کسی بھی لمحے ایک اہم مشن پر روانہ ہونا تھا۔ ویسے تو میں ٹرانسیٹر بھی اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا لیکن راہ چلتے ہوئے اشارہ موصول ہونے لگتا تو میں اول خان کی کال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

اس وقت وہ دونوں مسئلے بہت اہم تھے۔ سخی مراد کے معاملے کو پس پشت ڈالا جا سکتا تھا، نہ جہانگیر کی سلامتی کا کوئی خطرہ مول لیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے چند ثانیوں تک انتظار کرنے کے لیے کہا اور پھر سلطان شاہ کو بلا لیا۔

میرے فلیٹ سے ہلے بغیر جہانگیر کا مسئلہ حل کرنے کی وہ تجویز اچانک ہی میرے ذہن میں آئی تھی۔ ہماری بلڈنگ کے نیچے بھی اسپیشل ٹاسک فورس کے دو آدمی مامور تھے۔ وہ ہم چاروں کے صورت آشنا تھے اور سلطان شاہ ان سے واقف تھا۔ اگر وہ نیچے جا کر ان کو جہانگیر کے فلیٹ میں گڑبڑ کی خبر دے آتا تو وہ چند ثانیوں میں وہاں پہنچ کر اپنے دونوں ساتھیوں کو جہانگیر کے فلیٹ پر بھیج سکتے تھے۔

سلطان شاہ نے میری بات سنتے ہی صورتِ حال کا پورا ادراک کرلیا اور ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر فلیٹ سے دوڑ لگادی۔ مجھے اطمینان ہوگیا کہ میں نے اس مسئلے کا کوئی فوری حل تلاش کرلیا تھا۔

میرے لیے یہ واقعہ حیران کن تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے جہانگیر کے مکان کے آس پاس سے ایک مشتبہ عاشق مزاج نوجوان کے پکڑے جانے کی اطلاع ملی تھی۔ مجھے مکمل یقین تھا کہ وہی شخص جہانگیر کی پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا لیکن اس کے غائب ہونے کے بعد جہانگیر کے گھر پر کسی اور شخص کی کارروائی میری سمجھ سے باہر تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ سلمیٰ کے بیلن سے بے ہوش ہونے والا وہ شخص نہیں تھا جسے دیکھ کر جہانگیر پریشان ہوتا رہا تھا۔ اس نے خود کہا تھا کہ بے ہوش ہونے والا اس کے لیے اجنبی تھا۔

وہ کون ہو سکتا تھا اور کس مقصد سے جہانگیر کے گھر میں گھسا تھا؟ یہ دو سوال بہت اہم تھے اور میرے ذہن میں بری طرح چبھ رہے تھے۔

ان دنوں شہر کے حالات خراب ضرور تھے لیکن اتنے بھی خراب نہیں تھے کہ کلفٹن جیسے متمول علاقے کے محفوظ فلیٹوں میں دن دہاڑے لوگ گھسنے لگے ہوں۔ آنے والا چوری یا ڈکیتی کی نیت سے وہاں داخل ہوا ہوتا تو جہانگیر کے ہاتھ اٹھوانے کے بجائے سب سے پہلے اسے بے ہوش کرنے کی کوشش کرتا تاکہ اسے کسی کی مداخلت کے بغیر فلیٹ کا صفایا کرنے کا موقع مل سکے۔

سلطان شاہ چند منٹ میں واپس لوٹ آیا۔ اس وقت تک میں نے ویرا یا غزالہ کو جہانگیر کے فلیٹ پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن سلطان شاہ نے واپس آکر اس بارے میں بات کرنی شروع کی تو وہ دونوں بھی حیران نظر آنے لگیں۔

غزالہ کو حیرت تھی کہ سلمیٰ نے غیر متوقع بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بڑے خطرے کو ٹال دیا تھا۔

اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جہانگیر میرے ہی سلسلے میں کسی عتاب میں آیا تھا یا وہ ناکام واردات کسی اور سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔

باتیں کرتے کرتے مجھے اچانک یاد آیا کہ میں نے جہانگیر سے چند منٹ بعد فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے نمبر ملایا تو اس بار سلمیٰ نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز ہی سے شدید بوکھلاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"تم ابھی تک فون کر رہے ہو!" وہ میری آواز پہچان کر روہانسی آواز میں گلہ کرنے لگی "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم جہانگیر کا پیغام سنتے ہی ادھر دوڑ لگا دو گے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر دلاسا دیتے ہوئے کہا "فکر مت کرو۔ چند منٹ میں دو آدمی تمہارے گھر پہنچنے والے ہیں۔ وہ سب کچھ سنبھال لیں گے۔ میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ جہانگیر نے کہا تھا کہ بے ہوش ہونے والا اس کے لیے اجنبی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ دو روز سے نظر آنے والا مشتبہ آدمی آج بھی نظر آیا تھا یا نہیں۔ ذرا جہانگیر سے پوچھ کر بتا دو۔"

"وہ کئی بار پردے ہٹا کر جھانک چکے تھے لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ دفع ہوا تو آج دوسرا گھر ہی میں گھس آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پورے شہر میں جہانگیر کے دشمن ہی دشمن بھرے ہوئے ہیں۔"

"تم بھول رہی ہو کہ ہم لوگ بھی اسی شہر میں رہتے ہیں اور جہانگیر کے دشمن نہیں ہیں" میں نے اس کی پریشانی کم کرنے کے لیے شگفتہ لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"تم اپنے چکروں میں گھرے رہتے ہو۔ تمہیں اتنا وقت ہی کہاں ملتا ہے کہ دوسروں کی خیر خبر لے سکو۔"

"فکر مت کرو۔ چند روز کے بعد فرصت ہی فرصت ہوگی اور تم دن رات ہم لوگوں کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہوجاؤ گی۔ یہ پریشانیاں اب اپنے آخری سانسوں پر ہیں۔ ان سے چھٹکارا ملنے ہی والا ہے۔"

"شاید کوئی آیا ہے!" اس کی بھرائی ہوئی آواز کے پس منظر میں مجھے ڈور بیل کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ قدرے توقف کے بعد سلمیٰ سرگوشیانہ لہجے میں بولی "فون بند نہ کرنا۔ جہانگیر دیکھ لیں کہ کون آیا ہے؟"

اسی وقت میرے ایریٹس پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے ریسیور غزالہ کو تھمایا اور جلدی سے ایریٹس اٹھا کر آن کرلیا۔ اس پر اول خان کی آواز آرہی تھی۔

"جلدی آجاؤ۔ میں نیچے تمہارا انتظار کر رہا ہوں" اس غیر رسمی گفتگو میں فقرہ اپنی جگہ مکمل تھا اس لیے اول خان نے کال مجھے اوور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"ہم آرہے ہیں لیکن ایک بری خبر کے ساتھ.... جہانگیر کے گھر میں ایک مسلح آدمی گھس آیا تھا۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟" اول خان وہ خبر سن کر چونک پڑا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے" یہ کہہ کر میں نے اسے پورا قصہ سنا دیا۔

"میرے آدمی پہنچ گئے ہیں تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں لیکن یہ واقعہ تشویش ناک ہے۔ اسے بھی دیکھنا پڑے گا.... فی الحال تم جلدی سے آجاؤ۔ میں دن کے اجالے میں ہی یہ قصہ نمٹانا چاہ رہا ہوں۔"

"بس ہم آرہے ہیں" میں نے ایریٹس آف کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

غزالہ اس وقت بھی فون پر مصروف تھی۔ اس نے دوسری طرف کی بات سنتے ہوئے، ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ اول خان کے دونوں آدمی جہانگیر کے گھر پہنچ چکے تھے۔ میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اسے الوداع کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

نیچے اول خان سویلین نمبر پلیٹ والی ایک پرانی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ہمارا منتظر تھا۔ میرے لیے وہ منظر غیر متوقع تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی دفتری جیپ میں آدمیوں کو ساتھ لایا ہوگا۔ میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا، سلطان شاہ نے عقبی نشست سنبھال لی۔

"اکیلے اور اس چھکڑا سی گاڑی میں آئے ہو؟" میں نے بیٹھتے ہی کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہم کسی فرض کی ادائیگی کے لیے نہیں بلکہ اغوا برائے تاوان کی واردات کرنے جارہے ہیں۔ تیاری بھی اسی طرح کی گئی ہے" اس نے میری مایوسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی لیے بھیڑ بھاڑ بھی نظر نہیں آرہی" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"ایک عیش پسند سیاست داں کو اغوا کرنے کے لیے ہم تین ہی کافی ہیں" وہ بولا۔

"عیش پسند سیاست داں نہیں، راس المیڈا کا معاون کہو" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "اور پھر وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی رکھیل کے گھر میں مسلح آدمی بھی موجود ہیں۔"

"میرے تین آدمی پہلے ہی وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ مزید دو افراد راستے میں ہوں گے۔ اب یہ پانچوں صرف باہر پہرا دیں گے اور ہمیں کور فراہم کریں گے۔ اندر جانے کی راہ ہم خود تلاش کریں گے۔"

"اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں، گھر کا چکر لگانے کے بعد کچھ سوچا جائے گا" اس نے اطمینان سے کہا۔

میرا جی چاہا کہ اس سے کہوں کہ پھر وہ خودکشی کرنے کے موڈ میں نظر آرہا ہے مگر میں خاموش رہا۔ وہ ایک مہم کی رہنمائی اپنے سر لے رہا تھا۔ ایسے موقع پر میں اس کی حوصلہ شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کوئنز روڈ ایک پُرسکون رہائشی علاقہ ہے" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا "وہاں بڑے مکانات میں صاحبِ ثروت لوگ

رہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم سخی مراد کے ملاقاتیوں کے روپ میں جائیں تو ہمیں آسانی سے اندر تک رسائی مل جائے گی۔ اس کے آدمی کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ سہلاتے ہوئے بولا "وہ کسی بند کمرے میں پڑا ہوا ہوگا۔ اس کے آدمیوں کو اس سے رابطہ کرنے میں دیر لگے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھالیں۔"

"وہیں سے ہم اپنا کھیل شروع کردیں گے" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

بات طے ہوگئی۔ گاڑی میں خاموشی چھاگئی۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

پی آئی ڈی سی والے بالائے زمین ریلوے پل کو عبور کرنے کے بعد اول خان نے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔ چند ثانیوں بعد ہم پُرسکون رہائشی علاقے کی کشادہ سڑکوں پر تھے۔

مطلوبہ مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے اول خان نے کار کی رفتار دھیمی کرلی۔ اس کی متجسسانہ نظریں سڑک کے ساتھ ہی گردوپیش کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ شاید اسے اپنے آدمیوں کی تلاش تھی۔

وہ مکان کے سامنے سے گزر کر کافی آگے تک نکلتا چلاگیا پھر اس نے گاڑی واپس گھمالی اور دوبارہ اسی طرف چل پڑا جدھر سے ہوکر وہاں تک آیا تھا۔

اس بار اول خان کے دو آدمیوں نے اپنی پوشیدہ کمین گاہوں سے نکل کر اسے غیر محسوس اشاروں میں تسلی بخش صورتِ حال کی خبر دی۔ اول خان کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ اس نے اپنی گاڑی موڑ کر مطلوبہ مکان کے پھاٹک کے سامنے روک دی اور ہارن بجایا۔

چند لمحوں بعد چوبی پھاٹک چرچراہٹ کی تیز آواز کے ساتھ قدرے کھلے اور ان کے درمیان سے ایک چست وتوانا نوجوان نکل کر الجھے الجھے انداز میں اول خان کی طرف بڑھا۔ میری عقابی نظریں اس کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔ بظاہر اس کے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں سجا ہوا تھا لیکن اس کی قمیص کی لٹکتی ہوئی داہنی جیب اعلان کررہی تھی کہ وہ نہتا نہیں تھا۔

وہ اپنی عمر اور وضع قطع سے چوکیدار نہیں لگ رہا تھا۔ میرا قیاس تھا کہ وہ سخی مراد کے محافظوں میں سے ایک تھا جو اپنے مالک کی عیش کوشی کے لمحات میں پھاٹک سے لگ کر اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔

"پھاٹک کھولو۔ سخی مراد سے ملنا ہے" اس کے قریب آنے پر اول خان نے خشک اور کھردرے لہجے میں کہا۔

"صاب اِدر نہیں رہتا" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ اول خان کے تحکمانہ لہجے سے مرعوب ہوچکا تھا۔

"مجھے معلوم ہے" اول خان نے بگڑ کر کہا "مگر اس نے خود مجھے یہاں بلایا ہے۔ جاکر اسے بتادو کہ رئیس غلام علی اس سے ملنے آیا ہے.... وہ مہمان کو بلاکر بے عزتی کرتا ہے تو میں چلا جاؤں گا۔"

"صاب مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے تم کو بلایا ہے" وہ گھگیاتے ہوئے بولا "تم گاڑی اندر لے کر چلو۔ میں اسے خبر کرتا ہوں.... ویسے سائیں' وہ اِدر کسی سے نہیں ملتا۔"

ہم میں سے کسی کو سخی مراد کے معمولات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہمارے لیے اتنا کافی تھا کہ اس نے فوراً ہی پھاٹک کھول دیا تھا۔ اول خان نے بے نیازی سے گاڑی یوں احاطے میں بڑھائی جیسے وہ خود اسی کا گھر ہو۔ میں نے دیکھا کہ بغلی پورچ کے سائے میں سخی مراد کی پجیرو موجود تھی۔

اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ کھلے ہوئے پھاٹک کے قریب ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ ایک کلاشنکوف اس کے شانے سے لٹکی ہوئی تھی' دوسری اس کے ہاتھ میں تھی۔ شاید پھاٹک کھولنے والے نے باہر جانے سے پہلے اپنی کلاشنکوف بھی اسے تھمادی تھی۔

دوہرے ہتھیاروں والا ہماری گاڑی کے پیچھے پیچھے آیا۔ اس کے ساتھی نے بھی پھاٹک بند کرکے دوڑ لگائی تو میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ ان دونوں کی آمد سے ظاہر ہورہا تھا کہ پھاٹک پر انٹرکام کی سہولت موجود نہیں تھی۔ وہ اندر جاکر ہی اپنے مالک کی مرضی معلوم کرسکتے تھے۔

"جلدی اترو" یہ کہہ کر میں کار سے نیچے آگیا۔ دونوں نے میری تقلید کی۔

دوہرے ہتھیار والے نے اپنے ساتھی کی کلاشنکوف اسے راستے ہی میں لوٹادی جو اس نے اپنے شانے سے لٹکالی۔ ان میں سے ایک ہمارے قریب ٹھہر گیا۔ دوسرا میرے قریب سے گزرا ہی تھا کہ میں نے اس کی کلاشنکوف کی نال پکڑ کر ایک تیز جھٹکے سے اسے اس کے بازو سے نکال لیا۔

میں نے وہ کارروائی بجلی کی سی سرعت سے کی تھی مگر دوسرے نے فوراً ہی اپنی رائفل کے دستے پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اس سے آگے اسے کوئی مہلت نہیں مل سکی۔ اول خان حرکت میں آیا اور اس کا آہنی مکا اتنی طاقت سے اس کی کنپٹی پر پڑا کہ وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اول خان نے اس کی کلاشنکوف پر قبضہ کرلیا۔ لمحہ بھر بعد ہم چاروں اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ذرا بھی آواز نکالی تو بدن چھلنی کردوں گا" میں نے اپنے شکار کے پیٹ میں اسی کی کلاشنکوف کی نال چبھاتے ہوئے کہا پھر سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس کی قمیص کی داہنی جیب وزنی ہے۔ ذرا اسے بھی خالی کردو۔ اب یہی ہم کو سخی مراد تک لے جائے گا۔"

سلطان شاہ نے بڑھ کر اس کی جیب سے چھوٹے بور کا بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔ بالکل نہتا رہ جانے پر اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑگیا اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"اندر چل کر ڈرائیور کو بلاؤ!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد آواز میں کہا "ہم کسی کو نہیں مارنا چاہتے.... ہمارا معاملہ تمہارے صاحب سے ہے۔ جو درمیان میں آئے گا' مارا جائے گا۔ مجبوری میں ہم لوگ خون خرابے سے بھی نہیں گھبراتے۔"

"وہ.... وہ اندر سویا پڑا ہوگا" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اندر اور کون ہے؟" میں نے اسے کلاشنکوف کی نال سے دھکاتے ہوئے پوچھا۔

"بس' صاب اور اس کی عورت ہے" اس کی آنکھیں خوف سے پھیل چکی تھیں۔

وہ اطلاعات حوصلہ افزا تھیں۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا تو ہم معرکہ تقریباً سر کرچکے تھے۔

اس نے ہمارے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور ہمیں کسی کے ہلکے خراٹوں کا شور سنائی دینے لگا۔ سخی مراد کا ڈرائیور کسی مردہ بیل کی طرح ایک سہ نشستی صوفے پر چت پڑا سو رہا تھا۔

"تم زیادہ ماہر ہو" میں نے اول خان سے کہا "اس کی نیند ذرا لمبی کردو۔"

اول خان نے اس بار بھی اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا کہ اس کا مکا لگنے کے بعد سوئے ہوئے ڈرائیور کے تھلتھلے بدن نے ایک تیز جھرجھری لی اور پہلے سے زیادہ پُرسکون ہوگیا۔

"اب ہمیں تمہارے صاحب سے ملاقات کرنی ہے' ہمیں اس کے پاس لے چلو!"

"تت.... تم کون لوگ ہو؟" وہ گویا عالمِ سکرات سے ہوش میں آتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بولا "تم صاب کے دوست نہیں ہو۔ وہ میرا چمڑا گرادے گا' میرے اوپر رحم کرو۔"

"ہم تمہارے صاحب کو ایسی جگہ لے جارہے ہیں جہاں اسے اس کی پسند کی ہر چیز ملے گی۔ ہمیں دو کروڑ روپے کی ضرورت ہے' وہ ملیں گے تو تمہیں تمہارا صاحب واپس مل جائے گا.... شاباش' اب جلدی سے چل پڑو۔ دیر مت کرو.... ہمارا وقت برباد کروگے تو تمہارا حشر بھی اپنے ساتھیوں جیسا ہوگا۔ تمہارے صاحب کو ہم خود ڈھونڈلیں گے۔ ہمارے علم میں ہے کہ وہ شراب پی کر عورت کے کمرے میں پڑا ہوا ہوگا۔"

وہ اپنے ظاہری جثے اور ٹھسے کے باوجود بہت بودا اور بے ہمت ثابت ہوا۔ اس نے روتے اور گڑگڑاتے ہوئے' اول خان کے پیروں میں گرنے کی کوشش کی مگر اول خان نے اسے بالوں سے گھسیٹ کر قدموں پر کھڑا کردیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ ایک طرف رکھے ہوئے فون کا جائزہ لے کر مطمئن ہوچکا تھا کہ اول خان کے ایڈوانس دستے نے ہمارے پہنچنے سے پہلے تار کاٹ کر اسے ناکارہ کردیا تھا۔

اسے آواز اونچی نہ کرنے کا حکم پہلے ہی دیا جاچکا تھا۔ اس کی پسلیوں میں دو ٹہکے لگے تو وہ بس تلملاکر رہ گیا اور پھر کسی حاملہ عورت کی طرح دھیرے دھیرے مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

ایک بند دروازے کے سامنے رک کر اس نے رحم طلب نظروں سے ہماری طرف دیکھا۔ تین سفاک چہرے' دو کلاشنکوفیں اور ایک مہیب بے آواز ریوالور اس کی طرف نگراں تھے۔

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے بند دروازے کے چوبی پٹ پر ہلکی سی دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک برہم اور مترنم نسوانی آواز سنائی دی۔

"صاب کو بھیجو.... اس کا ملاقات آیا ہے" محافظ کی آواز سے بیچارگی برس رہی تھی۔

"دفع ہوجاؤ۔ صاب سو رہا ہے۔ وہ یہاں کسی سے نہیں ملے گا" اندر والی لڑکی یا عورت غصے میں آپے سے باہر ہوکر چیخنے لگی۔

سلطان شاہ کے تیور بگڑ گئے۔ اس نے پوری قوت سے دروازے پر لات رسید کی۔ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ وہ اتنی تیزی سے اور اتنی دور تک اندر گیا کہ چوکھٹ میں لگے ہوئے آہنی قبضوں کی کیلیں تک چرچراکر قدرے باہر نکل آئیں۔

وہ بہت خوش شکل اور سبک اندام لڑکی تھی۔ غصے کی سرخی سے خوف کی زردی میں ڈھلتے ہوئے رنگوں نے اس کے چہرے کا فسوں کچھ اور ہی بڑھادیا تھا۔ اس کے بدن پر ناکافی لباس تھا۔ اس نے بے ساختہ ایک چادر اپنے بدن پر کھینچ لی اور مسہری کے سرہانے پر سمٹ گئی۔

ہتھیار بدست اجنبی چہروں کو اپنے خلوت کدے میں درانہ وار داخل ہوتے دیکھ کر وہ بری طرح دہشت زدہ ہوگئی تھی اور اس کا بدن کانپنے لگا تھا۔ دروازہ کھلنے کا تیز دھماکا سن کر مسہری پر موجود مرد بھی اٹھ گیا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا خوب رو شخص تھا۔ شراب کے خمار میں ڈوبی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں کی سرخی نے اس کی مردانہ وجاہت میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں کیا تھا۔ اس کے بغیر بھی وہ خاصا وجیہہ ہوتا۔

"کیا ہے؟" وہ مسہری پر بیٹھے بیٹھے' کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دہاڑا "یہ کیا ہورہا ہے؟"

"ناٹک.... ناٹک ہورہا ہے" سلطان شاہ نے اس کی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھ کر کہا۔

سرد لوہے کے لمس کو اس نے مدہوشی کے عالم میں بھی پہچان لیا تھا اور کسی کے کچھ کہنے سننے سے پہلے بیٹھے ہی بیٹھے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیے۔

لڑکی نے وہ منظر دیکھا اور شاید سخی مراد کی کنپٹی سے بہتے ہوئے گرم گرم اور زندہ لہو کا تصور کرکے ایک گھٹی گھٹی چیخ ماری اور بے

ہوش ہوگئی۔

"تو م۔۔۔ جو چاہتے ہو وہ لے جاؤ لیکن لڑکی کو ہاتھ نہ لگانا" سخی مراد نے بہکی بہکی گونجیلی آواز میں کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ پولیس کو خبر نہیں کروں گا۔"

میں نے سر کی جنبش سے اشارہ دیا۔ سلطان شاہ نے پھرتی سے ریوالور فضا میں اچھال کر اس کی پھولی ہوئی بے آواز نال اپنی گرفت میں لی اور ریوالور کا بھاری دستہ سخی مراد کی کنپٹی پر رسید کردیا۔ اس گراں ڈیل عفریت نے اندھوں کی طرح فضا میں ہاتھ لہرائے اور پھر بستر پر ہی لڑھک گیا۔

ٹھیک اسی لمحے اوّل خان نے اپنے قریب کھڑے ہوئے محافظ کو گہری بے ہوشی کی سنسناتی ہوئی دلدلوں میں غرق کردیا تھا۔ چادر میں لپٹی ہوئی لڑکی پہلے ہی بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو چکی تھی۔ وہ ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ ہم کل تین نفوس تھے مگر ہم نے کوئی گولی چلائے بغیر' اپنی مرضی کے عین مطابق بے ہوش کردیا تھا۔

میں سخی مراد کو باہر لے جانے میں سلطان شاہ کی مدد کرنی چاہتا تھا لیکن اس وزنی جسم کو ہاتھ پیروں سے لٹکا کر دور تک لے جانا بہت دشوار تھا۔ سلطان شاہ نے ہم دونوں کی مدد سے اسے اپنے شانے پر لادا اور توازن درست کرنے کے بعد آہستہ آہستہ باہر چل دیا۔

اوّل خان مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے ہوئے ہتھیاروں سے کبھی دست بردار نہیں ہوتا تھا۔ اس نے دونوں کلاشنکوفیں اور چھوٹے بور کا ریوالور گاڑی کی ڈکی میں ڈال دیا۔ سلطان شاہ ہمارے بعد باہر آیا تو سخی مراد کے بے ہوش وجود کو پچھلی نشست اور پائیدان پر ڈال دیا گیا۔

"بہت بھاری اور لمبا چوڑا ہے" سلطان شاہ تقریباً ہانپتے ہوئے بولا۔

"گناہوں کا بوجھ زیادہ ہے" اوّل خان نے کہا "ایک دو روز میں ہلکا ہوجائے گا۔"

پھاٹک کھول کر گاڑی باہر نکالی گئی۔ سلطان شاہ نے پھاٹک کے پٹ ملائے اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اول خان نے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر فضا میں بلند کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو کسی قسم کا اشارہ کررہا تھا۔

ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوچکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سخی مراد کے اغوا کی خبر پورے شہر تو کیا ملک بھر میں ہلچل مچادے گی۔

"یہ بہت زیادہ نشے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج یہ سیدھی بات نہیں کرے گا" اول خان نے رائے ظاہر کی "یہ کام کل کے لیے ملتوی کردیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"ہوش میں آنے تک اس کا سارا نشہ ہرن ہوچکا ہوگا۔ اسے اپنے حفاظتی نظام اور شاید ساکھ پر اتنا گھمنڈ تھا کہ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بولٹ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔"

"یہ تمہاری تجویز کا کمال تھا" اوّل خان نے کہا "ہم زبردستی کے مہمان بن کر نہ جاتے تو ہمیں اتنی خاموشی سے اس کے سر پر پہنچنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ اس کے محافظ پھاٹک پر ہی مزاحمت شروع کردیتے۔ ایک آدھ گولی چلتی اور سخی مراد بھڑک جاتا۔۔۔ گولی کی آواز تو ایسی بھیانک ہوتی ہے کہ اس سے شرابی آدمی کیا' وحشی حیوان تک دہشت زدہ ہو کر میلوں دور تک بھاگتے چلے جاتے ہیں۔"

"وقت اور موقع میّسر ہو تو میں سوچے سمجھے بغیر قدم اٹھانے سے گریز کرتا ہوں اسی لیے تم سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرلی تھی ورنہ وہی کیا جاتا جو تم نے سوچا ہوا تھا۔"

"میں تمہیں یہی تو بتا رہا ہوں کہ میں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا" اس نے زور دے کر کہا "میرے لاشعور میں یہ بات جم گئی تھی کہ سخی مراد میرے ہاتھ نہیں آسکے گا۔ ہنگامہ ہوگا تو وہ بدنامی سے بچنے کے لیے وہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل بھاگے گا اور میرے آدمی کہیں نہ کہیں اسے گھیر کر پکڑلیں گے۔"

"اوہ!" میں ہنس پڑا "اسی لیے تم نے اندر کے بجائے باہر کے انتظامات پر بہت زیادہ زور دیا ہوا تھا۔ اسے خوف زدہ کرکے باہر نکالنے اور پھر گھیرنے میں بات پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی۔ اب اس کا محافظ ہوش میں آکر دو کروڑ روپے تاوان کی کہانی سنائے گا تو اس کے خیر خواہ اس خبر کو پوری طرح دبانے کی کوشش کریں گے۔ سب جانتے ہیں کہ تاوان کے لیے اغوا کرنے والے پیغامات اور خبروں کی رازداری کے سلسلے میں بہت حسّاس ہوتے ہیں۔ رازداری برقرار نہ رکھی جائے تو وہ مغوی کو مار بھی دیتے ہیں۔"

"تم چاہو تو میں تمہیں گھر پر اتار دوں۔ تم کل میرے پاس آسکتے ہو؟"

"نہیں۔ شکار ہاتھ آجانے کے بعد اب میں اس کھیل کا انجام بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری مرضی!" اوّل خان نے یہ کہہ کر گاڑی کی رفتار تیز کردی۔

"پتا نہیں جہانگیر والے قصّے کا کیا بنا ہوگا؟" اچانک سلطان شاہ اونچی آواز میں بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو۔ میرے آدمیوں نے اس قیدی کو بھی اسٹیشن فور پہنچادیا ہوگا" اول خان نے پورے اطمینان سے کہا۔ "سخی مراد ہوش میں آئے یا نہ آئے' اس سے پوچھ گچھ ہوجائے گی۔"

"سہراب گوٹھ سے آگے چلے جانے کے بعد بھی تمہارا دفتر اسٹیشن فور ہی کہلاتا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"یہ جگہ کی نہیں' ہمارے یونٹ کی شناخت ہے" اوّل خان نے وضاحت کی "ہم لوگ جہاں بھی پڑاؤ ڈال دیں' وہی جگہ

اسٹیشن فور کہلانے لگے گی۔"

اوّل خان نے اسٹیشن فور پہنچنے کے لیے شہر کے پُرہجوم راستوں کے بجائے متبادل راہ اختیار کی تھی تاکہ سخی مراد کے قصّے کی تشہیر نہ ہو۔ ایس ٹی ایف میں مکمل بحالی کے بعد اس کے کاغذات مکمل تھے اور وہ راستے کی کسی بھی رکاوٹ سے بہ آسانی گزر سکتا تھا لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات غیر متعلقہ لوگوں کے علم میں بھی آجائے کہ سخی مراد کو بے ہوشی کی حالت میں ایس ٹی ایف کے ایک اہل کار کی تحویل میں دیکھا گیا تھا۔

اوّل خان نے جم کلارک وغیرہ سے تصادم کے دنوں میں مجھے اسٹیشن فور کے محل وقوع کے بارے میں بتایا تھا لیکن پھر حالات ایسی قلابازیاں کھاتے رہے کہ مجھے ادھر کا رخ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اس اعتبار سے وہ اس سمت میں میرا پہلا سفر تھا۔

اوّل خان نے سہراب گوٹھ اور اس کے مضافات میں خود رو درختوں کی طرح تیزی سے ابھرتی ہوئی عمارتوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر ٹول پلازا سے کافی پہلے گاڑی بائیں طرف اتاری تو میرے سامنے چٹیل میدان یا ٹیلے ہی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ حدِ نظر تک کسی عمارت یا آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔

"میرا خیال تھا کہ اسٹیشن فور سپرہائی وے سے ہزار پانچ سو گز دور ہوگا مگر یہاں تو ہر طرف اجاڑ ویرانہ پھیلا ہوا ہے اور ہر طرف دھول اُڑ رہی ہے۔ ہم کدھر جارہے ہیں۔"

"یہ پورا راستہ کچا اور ناہموار ہے۔ نئے آدمی کے لیے تھوڑی دیر میں ہر سمت یکساں رہ جائے گی کیونکہ سپرہائی وے ٹیلوں کی اوٹ میں نظروں سے اوجھل ہوجائے گی۔ جب تک سڑک نظر آتی رہے' آدمی کو اندازہ رہتا ہے کہ وہ کدھر جارہا ہے لیکن ٹیلے حائل ہونے کے بعد سارے اندازے دھرے رہ جاتے ہیں۔"

پرانی گاڑی ہلکی رفتار سے تیز جھٹکے اور ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی مگر اوّل خان ان صعوبتوں سے بے پروا بہت خوش نظر آرہا تھا۔

"حیرت ہے کہ کراچی کے مضافات میں ایسے ویرانے بھی موجود ہیں" میں نے کہا۔

"چند برسوں کی بات ہے پھر یہاں بھی عمارتیں اُگنے لگیں گی" اس نے جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ شہر کے پیشہ ور دھوکے بازوں نے ابھی سے ان زمینوں کا لین دین شروع کیا ہوا ہو۔"

"تم نے یہ ابھی تک نہیں بتایا کہ اسٹیشن فور سپرہائی وے سے کتنی دور ہے؟"

"پانچ چھ کلومیٹر سمجھ لو۔ بس وہ اپنے وجود میں ایک الگ تھلگ دنیا ہے۔"

"چھ کلومیٹر کے سفر میں اس پرانی کار کے آدھے پرزے تو شاید راستے ہی میں گر جائیں گے" سلطان شاہ کے دہانے سے پُرتشویش آواز برآمد ہوئی۔

اوّل خان نے ایک جان دار قہقہہ لگایا اور کہا "اس گاڑی کی ظاہری حالت پر نہ جاؤ۔ یہ اتنی پرانی نہیں ہے جتنی نظر آرہی ہے۔ یہ اسی راستے پر مہینوں چل سکتی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ مہینوں سے چل ہی رہی ہوگی" وہ بولا "لیکن اب اس کا شہر میں دیکھا جانا خطرناک ہوگا۔ سخی مراد کے محافظوں نے نمبر کے ساتھ اس کا ماڈل وغیرہ بھی ذہن نشین کرلیا ہوگا۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ اس راستے پر اس گاڑی کا پہلا سفر ہے اور واپسی میں آخری سفر ہوگا۔ یہ چوری کی گاڑی ہے اور اس وقت جعلی نمبر پلیٹ پر چل رہی ہے۔ ہمارے اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد میرا کوئی آدمی اس گاڑی کو اصلی نمبر پلیٹ کے ساتھ شہر میں لاوارث چھوڑ دے گا اور یہ جلد ہی اپنے اصل مالک تک پہنچ جائے گی۔ گھپلے کے کاموں میں مَیں بہت محتاط رہتا ہوں۔"

وقت کے اعتبار سے وہ سفر چند منٹ سے زیادہ طویل نہیں تھا لیکن کچے اور ناہموار راستے کی وجہ سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہم گھنٹوں سے اسی حالت میں سفر کررہے ہوں۔

خدا خدا کرکے مغرب میں ڈوبتے ہوئے سورج کی کمزور نارنجی شعاعوں میں ان بیرکوں کے ہیولے نظر آنے لگے جنہیں اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے آباد کیا تھا۔ شہر' شہری سہولتوں اور آبادی سے دور اس ویرانے میں وہ لوگ خاموشی اور استقامت سے ملک و قوم کی بے مثال خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ لطف کی بات یہ تھی وہ جو کارنامے انجام دیتے تھے ان کا چرچا نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی خبر باہر نکل بھی جاتی تھی تو ایس ٹی ایف کے وجود کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے اس کارنامے کا سہرا فوراً کسی اور کے سر منڈھ دیا جاتا تھا۔

بیرک نظر آتے ہی مجھے اپنے بے آرامی کے احساس پر ندامت ہونے لگی۔ وہ لوگ شب و روز اسی مشقت سے دوچار تھے اور میں چند منٹ کے ایک ہی سفر میں بے زار ہوگیا تھا۔

قریب پہنچ کر میری ساری کوفت اور کلفت ایک بے نام سی خوشی میں ڈھل گئی۔

ان بیرکوں کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ چند مہینے پہلے وہ ویران اور غیر آباد رہے ہوں گے۔ ان پر تازہ چونے کی چمک اس وقت بھی برقرار تھی۔ سادہ کپڑوں اور سفید بنیانوں کے ساتھ خاکی پتلونوں میں ملبوس چاق و چوبند لوگوں کی چہل پہل وہاں جنگل میں منگل کا سماں باندھ رہی تھی۔ زمین پر چونے اور پتھروں کی مدد سے راستے اور حصے بنائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی ایک بڑے مستطیل میں یونٹ فور کی گاڑیاں ترتیب کے ساتھ قطار میں کھڑی ہوئی تھیں۔

اوّل خان راستے میں اشاروں سے اپنے آدمیوں کے سلام قبول کرتا ہوا درمیانی بیرک تک پہنچا اور وہاں گاڑی روک کر نیچے اتر آیا۔ اس کے ذاتی عملے کے تین افراد فوراً اس کے پاس آپہنچے۔

اوّل خان انہیں سخی مراد کے بارے میں ہدایات دے کر برآمدے سے گزر کر اپنے دفتر میں چلا گیا۔ ہم دونوں اس کے پیچھے تھے۔ اول خان کے دفتر میں فون اور برقی آلات کے ساتھ بلب وغیرہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور اس بارے میں سوال کرنے سے باز نہ رہ سکا۔

"ہنگامی ضرورتوں کے لیے ہمارے پاس موبائل جنریٹر بھی ہے لیکن یہاں سے گزرنے والی ہائی ٹینشن لائنوں سے چھوٹے مگر طاقت ور ٹرانسفارمر کے ذریعے ہماری ضروریات پوری کی جارہی ہیں۔ یہ کام مہنگا اور خطرناک ہے مگر ناگزیر بھی ہے۔ فون کے لئے ہمیں وائرلیس سسٹم کے ذریعے دو لائنیں مل گئی ہیں جو کام چلانے کے لیے کافی ہیں۔ کھمبوں اور تاروں کا جال نہ ہونے کی وجہ سے یہ سہولتیں کسی کو بھی الجھن میں ڈالنے کے لیے کافی ہیں" اوّل خان نے اپنی کرسی سنبھال کر بتایا۔

"تمہارے لیے شہر کے مقابلے میں یہ جگہ ہر طرح بہتر اور محفوظ ہے" سلطان شاہ نے بزرگانہ سنجیدگی سے کہا "شہر والی عمارت پر تو آئے دن حملے ہوتے رہتے تھے۔ یہاں کوئی نہیں پھٹک سکتا۔"

"یہاں سے سپرہائی وے تک ہمارے تین آدمی ہر وقت نگرانی پر رہتے ہیں لیکن آج کل جیسے دشمنوں سے پالا پڑا ہوا ہے' وہ گن شپ ہیلی کاپٹروں کے مختصر سے حملے سے سب کچھ فنا کرسکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ کے نائین جیسا مشن ادھر کا رخ بھی کرسکتا ہے" میں نے کہا۔

اوّل خان مسکرا کر رہ گیا اور اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آہستہ آہستہ جھولنے لگا۔

"اپنی زوجہ کو فون کرکے کامیابی کی اطلاع دے دو۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "سخی مراد کے نام کی اتنی دھوم ہے کہ وہ بے چاری پریشان ہورہی ہوگی۔"

"اپنی بہن کے لیے تمہاری پریشانی قابلِ فہم ہے" میرے جواب نے اسے نادم سا کردیا۔

اوّل خان نے فون میری طرف سرکا دیا اور خود انٹرکام پر کسی سے بات کرنے لگا۔

"تم کہاں پہنچے ہوئے ہو؟" ویرا نے فون پر میری آواز پہچانتے ہی سوال داغ دیا۔ دوسری گھنٹی پر اسی نے فون اٹھایا تھا "حالات کس رخ پر جارہے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہے۔ ہم جس مہمان کو لینے گئے تھے' اسے کسی دقت کے بغیر اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ ہم اس وقت اول خان کے ساتھ اس کے دفتر میں بیٹھے چائے کے منتظر ہیں۔" میں نے کہا۔

"وہاں تمہیں چائے ہی مل سکتی ہے۔ یہاں ہوتے تو عیش کرسکتے تھے۔ میں نے ابھی شام کا پہلا گلاس تیار کیا ہے۔ تمہارے نام کا بھی ایک پی لوں گی" ویرا اس وقت خوشگوار موڈ میں معلوم ہوتی تھی۔

"غزالہ کو بلاؤ۔ میں اس سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"حیرت کی بات ہے کہ تمہارے گھر پر نہ ہونے کے باوجود وہ غسل کررہی ہے۔"

"ویرا!" میں نے غرّا کر کہا "بعض اوقات تم بے ہودگی پر مائل ہونے لگتی ہو۔"

"اگر تم غسل کو بے ہودگی سمجھتے ہو تو میں ابھی غزالہ کو باہر بلائے لیتی ہوں۔"

"اردو کے دس پانچ محاورے سیکھ کر تم ہر ایک سے الجھنے لگی ہو۔"

"میری اطالوی اردو سے کہیں زیادہ کمزور ہے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ظفر کے روپ میں مَیں نے ہی البرٹو دیلیسا کی موجودگی دریافت کی تھی ورنہ وہ آج بھی اول خان کی جگہ براجمان ہوتا۔"

"غزالہ کو بتا دینا کہ ہماری واپسی میں دیر بھی ہوسکتی ہے" میں نے بات مختصر کرنی چاہی مگر ویرا نے فوراً ہی جہانگیر کا ذکر چھیڑ دیا۔

وہ کہہ رہی تھی "تمہارے جانے کے بعد اس کے تین فون آچکے ہیں۔ اس کے قیدی کو فورس والے لے گئے تھے۔ اس نے انہیں اپنے فلیٹ کا ایک کمرا دے دیا ہے۔ فی الحال وہاں ایک ہی رہ رہا ہے۔ دوسرا قیدی کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہاں پہنچے گا۔ وہ تم سے بات کرنے کے لیے مرا جارہا ہے۔ ہوسکے تو اسے فون کرلینا۔"

"اس کا قیدی بھی یہیں آنے والا ہے یا آچکا ہے۔ اسے بھی دیکھ لوں گا۔"

"وہ آچکا ہے!" اوّل خان نے میری بات سن کر لقمہ دیا۔ وہ انٹرکام پر گفتگو سے فارغ ہوچکا تھا۔

"اول خان کہہ رہا ہے کہ وہ آچکا ہے" ویرا نے میری تصحیح ضروری سمجھی۔

"اس کا جواب میں نے بھی ابھی ابھی سنا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میری نگاہ میں جہانگیر کا قیدی بہت اہم ہے۔ پہلے اسی کی جھاڑ پونچھ کر ڈالو۔ اگر وہ راس المیڈا کا آدمی نکلا تو سمجھ لو کہ ہمارے اردگرد کوئی بہت بھیانک مصیبت منڈلا رہی ہے۔ وہ اکیلا جہانگیر کے گھر سے واقف نہیں رہا ہوگا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہوگا۔"

وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں نے اس پہلو پر سرے سے غور ہی نہیں کیا تھا۔ اس کی واپسی نہ ہونے پر اس کے مشتعل ساتھی جہانگیر کے گھر پر دوسرا دھاوا بول سکتے تھے۔ ایسے کسی نئے وار کو سہارنا جہانگیر کے بس سے باہر ہوتا۔ میں نے سوچا کہ اس نے

ایس ٹی ایف والوں کو اپنے فلیٹ میں جگہ دے کر اچھا ہی کیا تھا۔

"یہ سب پہلو میری نظروں میں ہیں" میں نے اس کی دور اندیشی کی تعریف کرنے کے بجائے خشک لہجے میں کہا "جہانگیر کے ساتھ ہمیں بھی خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔ اگر یہ راس المیڈا کا چکر ہے تو وہ آدمی میرا سراغ حاصل کرنے کے لیے جہانگیر کے گھر میں گھسا ہوگا۔ تم اتنی نہ پی لینا کہ رات گئے کوئی ہنگامہ ہو تو بے خبر سوتی رہو۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری غیر موجودگی میں مَیں خود کو غزالہ کا سرپرست تصور کرتی ہوں۔"

"کوئی اہم بات ہو تو یہیں فون کرلینا۔ میں جہانگیر سے بات کرلوں گا۔"

میں فون بند کرکے میز کی طرف متوجہ ہوا تو ہم تینوں کے لئے چائے آچکی تھی۔ اس کے ساتھ ایک پلیٹ میں بھاپ اڑاتے ہوئے گرم گرم سموسے بھی رکھے ہوئے تھے۔

"ہم تو خالی ہاتھ آئے تھے پھر اس ویرانے میں اتنے تازہ سموسے کہاں سے آگئے؟"

میرے ہر ایسے سوال پر اول خان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی جیسے وہ میری حیرت کو اپنی انتظامی صلاحیتوں کی تعریف تصور کرتا ہو۔ اس نے کہا "یونٹ کا اپنا فیلڈ میس ہے جہاں شہر سے لائے جانے والے گیس سلنڈر چولھوں کو روشن رکھتے ہیں۔ ایسے کڑے اور صبر آزما ماحول میں جوانوں کو اچھا کھانا بھی نہ ملے تو وہ زندگی سے بے زار ہونے لگتے ہیں۔ آخر کو انسان دو وقت کی روٹی کے لیے ہی سارے پاپڑ بیلتا ہے۔"

"دو وقت کی روٹی!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "سخی مراد سے پوچھنا پڑے گا کہ اس کے گھر کون سے فاقے ہورہے تھے جو اسے راس المیڈا کے لیے کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اول خان صاحب! تم قناعت پسند اور سیدھے سادے آدمی ہو اس لیے دو وقت کی روٹی' تن کے تین کپڑوں' سر پر سائے اور دو گز زمین کی بات کرتے ہو۔ یہ دنیا تمہاری نہیں' ان لوگوں کی ہے جنہیں اپنی دولت گننے کی فرصت ہے' نہ آسائشیں شمار کرنے کی مہلت مگر وہ پھر بھی اور دولت بٹورنے کی ہوس میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"سخی مراد خاصا سخت جان ہے۔" اس نے ایک اداس سی معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اس کے ہوش میں آنے کے آثار نمودار ہوچلے ہیں۔ چائے پی کر دونوں قیدیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔"

"جہانگیر کے گھر پر پکڑے جانے والے قیدی کا کیا حال ہے؟" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"فی الحال اس پر فرسٹ ڈگری چل رہی ہے لیکن عام مار پیٹ سے وہ زبان نہیں کھولے گا۔ پہلے اس نے کہا' وہ ایک پولیس مقابلے سے فرار ہوکر پناہ لینے کے لیے اس بلڈنگ میں گھسا تھا لیکن وہ پولیس مقابلے کے بارے میں کوئی مربوط کہانی نہیں سنا سکا۔ دو دانت جھڑنے کے بعد اس نے بیان بدل دیا کہ وہ ڈکیتی کے ارادے سے جہانگیر کے گھر میں آیا تھا لیکن وہ ابھی تک یہ نہیں بتا سکا ہے کہ اسے جہانگیر کا نام کیسے معلوم ہوا۔ ڈاکو مال دیکھ کر گھروں میں گھستے ہیں' انہیں مالک مکان کے نام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔"

"دلچسپ کیس ہے" میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو یک جا کرلو۔ ذرا میں بھی ان پر ہلکی پھلکی ورزش کرلوں گا۔ ہاتھ پیر کھل جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دونوں ایک دوسرے کی حالت سے سراسیمہ ہوں گے۔ ایسے مجرموں کی قوتِ ارادی کو ایک بار توڑ دیا جائے تو وہ سحرزدہ معمول کی طرح سب کچھ اگلتے چلے جاتے ہیں۔"

"جیف طر کے ساتھ بالکل یہی ہوا تھا" سلطان شاہ بول پڑا۔ "وہ ایک خوں خوار درندے کی طرح مزاحمت پر تلا ہوا تھا لیکن بیم گن سے پنڈلی الگ ہوتے ہی اس کی ساری دلیری جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور ہم لوگوں کو کامیابی کا ایک نیا راستہ ملتا چلا گیا۔"

مجرموں سے بازپرس ہم تینوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ اور بات تھی کہ حالات کے تحت ہمیں اپنا یہ شوق پورا کرنے کے بہت کم مواقع ملتے تھے۔ ہمارے سامنے آنے والے بیشتر مجرم ایسے مستند ہوتے تھے کہ ان کے کچھ کہے بغیر ان کے سیاہ کارنامے ہمارے سامنے ہوتے تھے اور انہیں مارنا واجب ہوجاتا تھا۔ چائے کا دور ختم ہونے تک ہم اسی موضوع میں الجھے رہے۔ اول خان اپنے تجربات کا نچوڑ سناتا رہا۔ جواب آں غزل کے طور پر سلطان شاہ نے ایسے ایسے بھولے بسرے حوالے دیے کہ میں اس کی یادداشت پر حیران رہ گیا۔

چائے ختم کرکے ہم تینوں دفتر سے نکلے اور کمرے کی طرف چل دیے جہاں سخی مراد کو رکھا گیا تھا۔ راستے میں اول خان نے ایک آدمی کو ہدایت کی کہ سات نمبر والے قیدی کو بھی دو نمبر میں پہنچا دیا جائے۔

ہم کمرے میں داخل ہوئے تو سخی مراد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک مسلح شخص کے ساتھ دوسرا تنومند نوجوان بھی موجود تھا۔ وہ دونوں سخی مراد کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے تھے۔ آگے بڑھنے پر مجھے فرش پر وہ خون نظر آیا جو سخی مراد کے دہانے کے نیچے جمع تھا۔

وہ کھیل شروع ہوجانے کی ایک واضح نشانی تھی۔ سخی مراد کو نہ صرف ہوش آچکا تھا بلکہ وہ تشدد کی اذیت کو محسوس کرنے کے قابل بھی ہوچکا تھا۔ اس نے ہمارے قدموں کی چاپ سن کر بھی سر نہیں اٹھایا بلکہ اسی حالت میں بیٹھا خون فرش پر تھوکتا رہا۔

"سخی مراد!" اول خان نے ڈپٹ کر اسے مخاطب کیا "سیدھے کھڑے ہوجاؤ!"

اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے سر اٹھائے بغیر بھاری آواز میں کہا "تم لوگوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ ابھی شاید تم کو میری طاقت اور حیثیت کا اندازہ نہیں ہے......"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" سلطان شاہ اس کی بات کاٹ کر کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "اس وقت تم اپنی مرضی کے مالک نہیں، ہمارے قیدی ہو۔ تمہیں ہمارے سوالات کے جواب دینے ہوں گے ورنہ ہم تمہارے بدن کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالیں گے۔"

"نہیں...... نہیں!" اس نے سختی سے کہا "جب تک مجھے یہ نہیں بتایا جائے گا کہ تم لوگ کون ہو، میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ سخی مراد مر جائے گا لیکن جھکے گا نہیں۔"

اسی وقت بیرونی راہداری میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔ متعدد قدموں کی دھمک سنائی دی پھر دو آدمی ایک لہولہان شخص کو دھکیلتے ہوئے اسی کمرے میں لے آئے۔ مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سلمٰی کے بیلن کا شکار ہونے والا قیدی تھا۔

جوں ہی وہ قریب آیا، اول خان نے اس کے زخمی چہرے پر اتنی زور کا تھپڑ رسید کیا کہ وہ کمرا تڑاخ کی آواز سے گونج اٹھا اور وہ شخص لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم دور جاگرا۔

اول خان اسے سنبھلنے کی مہلت دیے بغیر اس کے سر پر جا پہنچا اور پھر اس کی پسلیوں میں اتنی زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ تڑپتا ہوا فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی پسلیاں دبائی ہوئی تھیں۔

"مم...... میں جھوٹ نہیں بول رہا...... تم مجھ پر ظلم کر رہے ہو۔" وہ فرش پر لوٹتے اور کراہتے ہوئے رک رک کر بولا "میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے...... پتا نہیں، تم مجھ سے کیا سننا چاہ رہے ہو۔"

اس شخص کی آواز میں نہ جانے کیا جادو تھا، اس کے پہلے ہی فقرے پر سخی مراد نے بھڑک کر اپنا سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا اور کمرے میں موجود ہر شخص کو بھول کر صرف اسی قیدی کو گھورے جا رہا تھا جو اذیت سے فرش پر تڑپ رہا تھا۔

میرے لیے سخی مراد کا وہ ردِعمل حیران کن ہی نہیں، سنسنی خیز تھا۔ میری چھٹی حس جاگ اٹھی اور میں کسی بڑے اور انوکھے انکشاف کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔

"ولی داد! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" سخی مراد غصے میں یہ کہہ کر مٹھیاں بھینچ کر قیدی کی طرف لپکا مگر میں نے اس کی ٹانگوں کے درمیان پھرتی سے اڑنگا دیا اور وہ مغلظات بکتا ہوا، منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا مگر فرش پر ہتھیلیاں جما کر فوراً ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

جس طرح ولی داد کی آواز نے سخی مراد پر طلسماتی اثر دکھایا تھا، اسی طرح سخی مراد کی آواز پر ولی داد تھوڑی دیر کے لیے اپنی تکلیف بھول گیا اور بجلی کی سی سرعت سے فرش سے اٹھتا چلا گیا۔

ان ڈرامائی تبدیلیوں پر ہر شخص ہکا بکا رہ گیا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دو الگ الگ قیدی کس طرح ایک دوسرے کے شناسا نکل آئے تھے مگر میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ میں نے سخی مراد کے ابتدائی ردِعمل سے ہی کسی بڑی تبدیلی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے بلکہ شاید ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ سخی مراد نے پہلے اس کی آواز پہچانی تو اسے حیرت ہوئی لیکن ولی داد نے ایس ٹی ایف والوں کو فریب دینے کے لیے اپنی سچ بیانی پر اصرار کیا تو سخی مراد کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ ولی داد کے اعتراف کے نتیجے میں اسے وہ برا وقت دیکھنا پڑا ہے اور اسی خیال نے اسے ولی داد کے خلاف مشتعل کر دیا۔ ان دونوں میں سخی مراد کو واضح طور پر دوسرے قیدی پر برتری حاصل تھی۔

شاید وہ ایک سیکنڈ کا کوئی حقیر سا حصہ تھا جس میں، میں نے اپنا وہ ذہنی تجزیہ مکمل کر لیا۔ اس وقت تک ولی داد مؤدبانہ انداز میں فرش پر گرے ہوئے سخی مراد کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"صاحب، قسم لے لو جو میں نے......" وہ دونوں ایک ہی کھیل کے کردار تھے۔ ولی داد کو معلوم تھا کہ سخی مراد اس پر کیوں برہم ہوا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اس کے ساتھ سخی مراد بھی ہم لوگوں کی قید میں آچکا ہے۔ وہ اپنے بڑے کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی چاہ رہا تھا۔

وہ ایک نازک اور فیصلہ کن موڑ تھا۔ سب حیرت اور دلچسپی سے دونوں قیدیوں کا وہ ڈرامائی تماشا دیکھ رہے تھے مگر میں نے ولی داد کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے فضا میں جست لگائی اور اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا فرش پر جاگرا۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے فوراً اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے زخمی چہرے پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے تاکہ وہ بول سکے اور نہ کچھ دیر بولنے کے قابل رہے۔

مجھے مصروفِ عمل دیکھ کر دوسروں کو ہوش آیا۔ اول خان کے دو آدمیوں نے بڑھ کر ولی داد کو بے رحمی سے بے دست و پا کر دیا۔ اول خان نے مجھے اس کے سینے پر سے اتار لیا۔

"اسے...... اسے فوراً یہاں سے واپس لے جاؤ!" میں نے ہانپتے ہوئے ولی داد کے بارے میں کہا۔

اول خان کے دونوں آدمی اس کی چیخ پکار کی پروا کیے بغیر اسے فرش پر گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف لے چلے۔ اس دوران میں سخی مراد اپنی پیشانی پر چوٹ کا ایک نیا نشان لے کر کھڑا ہوچکا تھا اور بپھرے ہوئے لب و لہجے میں ولی داد کو گندی گندی مغلظات بک رہا تھا۔

سلطان شاہ نے دو آدمیوں کی مدد سے سخی مراد کو بمشکل روکا ہوا تھا ورنہ وہ اچھل اچھل کر ان کی گرفت سے نکل کر ولی داد پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی غصے سے ابلتی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں اسی سمت میں جمی ہوئی تھیں، جدھر ولی داد کو لے جایا گیا تھا۔

اول خان اور سلطان شاہ نے مشینی انداز میں ہاتھ پیر ہلانے شروع کر دیے تھے لیکن ان دونوں کے لیے وہ تمام تبدیلیاں ناقابلِ فہم رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر سوالیہ نشانات تھے اور نگاہیں منتظرانہ انداز میں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں لیکن میں سخی مراد کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا تھا۔

جب ایک طویل وقفہ گزرنے کے باوجود سخی مراد کا اشتعال کم نہیں ہوا تو سلطان شاہ نے اس کی ٹھکائی شروع کر دی "یہ تیرے باپ کی حویلی نہیں ہے جہاں تو یہ غصہ اور نخرا دکھا رہا ہے۔ زبان بند نہیں کی تو مار مار کر ناک سے بھیجا باہر بہا دوں گا۔"

دو آدمیوں نے سخی مراد کے بازو مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے اور سلطان شاہ کو مارنے کے لیے اپنی پسند کے نشانوں کے انتخاب کی آزادی حاصل تھی۔ چند ہی ثانیوں میں سخی مراد کے کس بل نکل گئے اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح گہرے گہرے سانس لے کر ہانپنے لگا۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ روک لیے۔

"مجھے چھوڑ دو!" سخی مراد دو افراد کی گرفت سے پھسل کر فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔ وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ "میں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ مجھے تم لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ جس کی آستین میں سانپ پل رہے ہوں، اسے مارنے کے لیے زہر نہیں پلانا پڑتا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ ولی داد اتنا کمینہ اور نمک حرام بھی ہوسکتا ہے۔"

"وہ تمہارا ہی خون ہے!" میں نے ان دونوں کے ناموں کے آخری حصوں کی گہری مماثلت کی بنیاد پر اندھیرے میں ایک تیر پھینکا اور وہ نشانے پر جا لگا۔

"وہ میرا چچا زاد ہے...... پتا نہیں اس کی ماں نے ہمارے خاندان میں کس کا گناہ پالا ہے...... وہ اپنی اصل سے ہوتا تو کبھی ایسی خطا نہ کرتا کہ مار پیٹ سے اپنی جان بچانے کے لیے مجھے مروا دیتا۔"

بات بالکل کھل گئی۔ غیر ارادی طور پر اول خان کا دہانہ خفیف سا کھل گیا۔

جو کچھ ہوا، وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اگر اس وقت بھی باز پرس کے لیے ان دونوں کو یکجا نہ کیا جاتا تو کوئی بات کھلنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ واقعات کے رونما ہونے میں ہم میں سے کسی کی قابلیت یا منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اتفاقات کے تحت ہوتا چلا گیا۔

ہاں، یہ ضرور تھا کہ میں نے بروقت ولی داد کی زبان بند کر کے سخی مراد کی غلط فہمیاں دور ہونے کا موقع نہیں آنے دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ سخی مراد نے مایوسی کی حالت میں خود بہ خود بولنا شروع کر دیا تھا۔

"تم اپنے کانوں سے سن چکے ہو کہ اس نے بلا کم و کاست سب کچھ اگل دیا ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرنے کا نفسیاتی سلسلہ جاری رکھا "اس نے بہت مار کھائی ہے، تب کہیں جا کر زبان کھولی ہے۔ اب ہم تمہاری کہانی سن کر دونوں کے بیانات کا موازنہ کرنا چاہتے ہیں ورنہ تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہوسکتا ہے۔ ایک دو روز میں وہ وقت آجائے گا، جب تم بولنا چاہو گے مگر زبان تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔"

لوہا گرم تھا، چوٹ بار آور ثابت ہوئی۔ وہ چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں فرش کو گھورتا رہا پھر بولا تو اس کی آواز میں تیزی باقی تھی، نہ پہلے جیسا طنطنہ۔ وہ کہہ رہا تھا "میری شرط اب بھی اپنی جگہ پر ہے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ میں کن لوگوں کی قید میں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ولی داد کی یہاں موجودگی سے مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم لوگوں میں ڈپٹی کون ہے؟"

اس کی پھیلی ہوئی وحشت زدہ نگاہیں ایک ایک چہرے کا طواف کرتی ہوئی میری طرف آئیں اور پھر وہیں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

سخی مراد کو علم تھا کہ ولی داد میرا سراغ لگانے کے لیے جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ وہ پکڑا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ولی داد کی مہم ناکام رہی تھی۔ اس ناکامی کے پردے میں اسے میری ذات نمایاں نظر آرہی تھی۔ میں جہانگیر کا جگری دوست تھا اور آڑے وقت میں اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

کمرے میں سنسنی آمیز سکوت طاری تھا۔ یک بہ یک ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہاں سب ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہوں۔ پہلے شناسا اجنبی بن رہے تھے، اب اجنبی شناسا نظر آنے لگے تھے!

میں نے اپنے سر کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور سپاٹ لہجے میں کہا "تمہارے اندازے درست ہیں۔ میں ڈینی ہوں اور اس وقت تم دونوں میری قید ہو۔"

"پھر سب کو باہر بھیج دو۔ میں تم سے تنہائی میں بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔ جو کچھ کہنا ہے' سب کے سامنے کہو!"

"ناممکن!" اس نے اٹل لہجے میں کہا "تمہیں مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ تم نے مجھے احساس دلایا ہے کہ اب میرا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ بساط الٹ چکی ہے اور تمہاری بازی جم گئی ہے۔ جسم میں تم سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں ہو۔ جیتا ہوا بزدل ہارے ہوئے سورما کو بھی آسانی سے مار لیتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نہتا ہوں' تم اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار رکھ سکتے ہو۔ میں شرارت کروں تو مجھے گولی مار دینا۔"

وہ معقول اور گہری باتیں کررہا تھا۔ میں نے اول خان کے آدمی سے رائفل لے کر تحکمانہ لہجے میں کہا "تم سب باہر جاؤ مگر برآمدے میں رکے رہو گے اور میری اگلی ہدایات کا انتظار کرو گے۔"

میری ہدایت پر یخی مراد کی آنکھوں میں ایک بے نام سی چمک ابھر آئی۔

اول خان کے پیچھے سب لوگ سر جھکا کر کمرے سے باہر نکلتے چلے گئے۔

کچھ دیر تک ہم دونوں براہِ راست ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہے۔ اس نے پلکیں جھپکائیں' نہ میں نے اپنے پپوٹوں کو حرکت دی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی حیوانی کشش تھی جو آسانی سے کسی بھی کمزور شخص کو مسحور کرسکتی تھی۔

آخر اس کے زخمی ہونٹوں کے سرے قدرے پھیلے۔ شاید وہ مسکرایا تھا۔

"بہت سخت جان اور ضدی ہو۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی "بولو! کیا چاہتے ہو؟ کروڑ؟ دو کروڑ؟ چار کروڑ؟ جو چاہو کہہ دو' میں منظور کرلوں گا۔"

وہ اپنی طرح مجھے بھی سیاست کے بازار کی کوئی مہنگی جنس سمجھ رہا تھا جو ہر خریدار کی بساط سے باہر ہوتی ہے لیکن جو اس کے صحیح دام لگادے' وہی اس کا آقا بن جاتا ہے۔

"مجھے اس کام کا پورا معاوضہ پیشگی مل چکا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "زیادہ پیسے کی لالچ میں مَیں اپنے پہلے سودے سے منہ نہیں موڑوں گا۔ میرے لیے پیسے کی کوئی وقعت نہیں' ساکھ زیادہ اہم ہے۔"

"کیا تمہیں میرے پکڑنے کے لیے معاوضہ دیا گیا ہے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

وہ اعصاب کی ہولناک اور فیصلہ کن لڑائی تھی۔ میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"وہ کون ہے؟ تم کس کے لیے کام کررہے ہو؟" اس کی آواز میں منتقمانہ درندگی ابھر آئی۔

مجھے معلوم تھا کہ لفظوں کی جنگ ہوگی تو یخی مراد وار ضرور کرے گا۔ میرے پاس اس سوال کا جواب پہلے سے تیار تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا "راس المیڈا یا چیف!"

اس دوران میں' میں نے ایک پل کے لئے بھی اس کے چہرے پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ پہلے نام پر اسے اعتبار نہیں آیا لیکن دوسرے نام پر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"ان دونوں کو تم ایک ساتھ کیوں ملا رہے ہو؟" اس نے کر پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ ایک ہی ہیں۔ راس المیڈا ہی چیف ہے۔ اسی وجہ سے وہ کسی کے سامنے نہیں آتا۔ ایک آواز بن کر شخص کے اعصاب پر چھایا رہتا ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین ہے۔ جو کل تک تمہارے خون کا پیاسا تھا' آج تمہارا حلیف کیسے بن سکتا ہے؟ ولی داد کی خاطر شہر میں تمہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ وہ جہانگیر تک پہنچا ہو، مارا گیا اور اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبا۔ مجھ سے صاف سیدھی بات کرو۔"

"وہ آج بھی میرے لہو کا طلب گار ہے۔" میں نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کے ٹائین مشن کی ناکامی پر وہ تم سے برہم ہے...... مجھے معلوم ہے کہ وہ تم کو بلیک میل کررہا ہے۔ تم نے اس کے ایک آدمی کو مار کر اس کے اپریٹس پر قبضہ کرلیا۔ اس پر راس المیڈا سے بات کی تو اس نے اختلافات کے بجائے تمہاری بات چھیڑ دی۔ میں نے ایک رقم مانگی اور وہ مقررہ رقم پرسوں مجھے مل گئی۔ وہ مجھے براہِ راست تم سے لڑوانا چاہتا تھا۔ ہم میں سے جو بھی جیتے' فائدہ اسی کو ہوگا۔ رقم اس کے لیے بے معنی ہے۔"

یخی مراد کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے پتا چل رہا تھا کہ ان میں سے کوئی بات اس کے لیے نئی نہیں تھی۔ وہ سب جانتا تھا اور پاکستان میں عملاً راس المیڈا کا دستِ راست تھا۔

"تم بہت کچھ جانتے ہو۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "چیف نے میری زندگی عذاب کردی ہے۔ وہ مجھے بلیک میل کررہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں آگ سے کھیل رہا ہوں۔ شاید وہ مجھ سے میرے حصے کا کام لے چکا ہے اسی لیے اس نے تم کو میرے پیچھے لگایا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے تم کو کتنی رقم دی ہے۔ میں اس کی موت کے لیے تم کو دگنا معاوضہ دے سکتا ہوں۔"

میرے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر وہ اضطرابی لہجے میں بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تین' چار' پانچ گنا کرلو...... خود بتادو کہ کیا چاہتے ہو۔"

میں نے حیرت زدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "اتنی بے اندازہ رقم کے مالک ہو تم؟ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری یہ [illegible] اربوں تک جاسکتی ہے۔ کیا تمہاری اتنی مالی حیثیت ہے؟"

"تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" وہ آسودہ لہجے میں بولا "میری دولت بے اندازہ ہے اور باہر کے بینکوں میں پڑی سڑ رہی ہے۔ تم مانگو گے تو اس کا عشرِ عشیر ہی مانگو گے۔"

"کمائی کے اسی ذریعے کی وجہ سے وہ تمہیں بلیک میل کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آج کی دنیا میں ہیروئن اور کوکین کے سوا کسی کاروبار میں اتنی آمدنی نہیں ہوتی۔ تم خود اس دنیا میں ایک ادنیٰ آدمی رہے ہو۔ میں اتنا کما چکا ہوں کہ اب ہیروئن پر لعنت بھیج کر عزت کی سیاسی زندگی گزارنی چاہتا ہوں۔ میں ہیروئن کا کاروبار چھوڑ دوں گا مگر چیف پھر بھی مجھے بلیک میل کرتا رہے گا۔ اس بلیک میلر کی موت میرے لیے نئی زندگی کا پیغام بن سکتی ہے۔ یہ کام صرف تم کرسکتے ہو۔ جو آدمی یخی مراد کو اس کے گھر سے اٹھا سکتا ہے' وہ چیف کو بھی مار سکتا ہے۔ تم وعدہ کرو' میں تمہاری مدد کروں گا۔"

مجھے متردد پاکر اس نے فوراً ہی ایک اور بات شروع کردی۔ "اگر تم ہی نہیں' تم چاہو تو میں اپنا ہیروئن کا سارا کاروبار تم کو سونپ سکتا ہوں۔ سارا کام لگے بندھے طریقوں سے ہوتا ہے اور دن رات ڈالر برستے ہیں۔ تم چند ہی مہینوں میں ارب پتی ہوسکتے ہو۔ یہ خواب نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں تباہ کرچکا ہے لیکن اختلافات کے بجائے مجھ سے ہاتھ ملا لو تو تمہارے لیے یہ سب حاصل کرنا ممکن ہے۔ گزرے ہوئے چند گھنٹوں کی تلخیاں بھلا کر دوستی کے ایک نئے دور کی ابتدا کریں گے۔ میں حکمرانی کی راہ پر سفر کروں گا' تم دولت کے کھیل کھیلتے رہنا۔"

"یہ چند گھنٹوں کی نہیں' پچھلے ڈیڑھ دن کی تلخیاں ہیں جن کا حساب کررہے ہو۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت اچانک وہ سب چھوڑ دیا اور وہ حیران نظر آنے لگا۔

"کیوں؟ تم نے ابھی سہ پہر کو ہی تو شیری کی خواب گاہ کا دروازہ توڑا تھا!"

"وہ کل سہ پہر کی بات ہے۔" میں نے سکون سے کہا "اس کے بعد سے تم مسلسل مسکن ادویہ کے اثرات میں رہے ہو۔ شاید کراچی میں لوگوں کا خیال ہے کسی نے تمہیں تاوان کے لیے اغوا کیا ہے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر الجھ گیا۔ ملک پر حکمرانی کا خواب دیکھنے والے اس درندے کو بار بار ذہنی جھٹکے دے کر مجھے عجیب سی لذت حاصل ہورہی تھی۔ وہ جب بھی چونکتا اس کا پہلے سے بگڑا ہوا چہرہ کچھ اور مسخ ہوجاتا اور وہ اپنے باطن سے زیادہ قریب نظر آنے لگتا تھا۔

"کراچی میں؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا تم یہ جتا رہے ہو کہ میں کراچی میں نہیں ہوں؟"

"میں کچھ بھی نہیں جتا رہا۔" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "کراچی تمہارے وفاداروں کا شہر ہے' وہاں قدم قدم پر تمہارے زرخرید پھیلے ہوئے ہیں۔ تمہیں وہاں رکھنا خطرناک تھا۔ میں تمہیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس وقت تم سرحد کے قریب ہو۔ یہاں سے بھاگ بھی جاؤ گے تو سرحد پر گولیوں کی باڑھ میں بھون دیے جاؤ گے یا پھر پیاسا صحرا تمہارے وجود کو نگل جائے گا۔ یہاں کراچی کے صرف خواب دیکھے جاسکتے ہیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر چونک کر بولا۔ "تم نے میری پیش کش کا جواب نہیں دیا۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا۔ تم نے شاید میری صحیح بولی لگائی ہے۔ آدمی ارب پتی ہو تو ساکھ خود بہ خود بن جاتی ہے۔ صرف ساکھ کے بل پر زندہ رہنے کی آرزو کرنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی فلسفہ ہے" وہ بے ساختہ بول پڑا۔ اس وقت اندازہ ہی نہیں ہورہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے جسمانی تشدد کا ایک اذیت ناک دور سہہ چکا ہے۔

"تم اطمینان سے یہاں رہو۔ اب کوئی تم کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ میں تمہیں سوچ کر جواب دوں گا۔"

"میں ایک بار ولی داد سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ ذرا اسے میرے سامنے لے آؤ۔"

"غصہ تھوک دو!" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ مقدر کی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو کوئی اور ولی داد پیدا ہوجاتا۔ میری اور تمہاری ملاقات اٹل تھی اور وہ ہوکر رہی' ماضی کو بھول کر اب مستقبل پر نظر رکھو۔"

"تم اسے کب تک بچاؤ گے؟" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "وہ جلد ہی میرے ہاتھوں مارا جائے گا اور اس کا ماتم کرنے والوں میں مَیں ہی سب سے آگے نظر آؤں گا۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکے گا۔"

"اس وقت تم مدر مافیا کے کسی گاڈ فادر جیسی باتیں کررہے ہو۔"

"میں اپنے خاندان کا گاڈ فادر ضرور ہوں۔" وہ متکبرانہ لہجے میں بولا "میں اتنا کما رہا ہوں کہ وہ سب مل کر بھی اسے کم نہیں کر پارہے۔ میرے اثاثے دن بہ دن تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ میں اپنی سیاسی شہرت کو داغ دار ہونے سے بچانے کے لیے پاکستان میں بہت نیچ نوائی میں رہتا ہوں۔ میرا اصل رہن سہن دیکھنا ہو تو کبھی میرے ساتھ باہر چلو۔ پیرس' شکاگو' ڈلاس' مونٹی کارلو اور لندن کی

مشہور تفریح گاہوں میں پورا عملہ میری آمد کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ میرے سامنے وہاں کے خاندانی رؤسا بھی بونے نظر آتے ہیں۔"

"مگر اس وقت تم میرے بے بس قیدی ہو۔" میں نے اسے ایک اور چرکا لگایا۔

وہ اپنے تصورات کی جنت سے یکایک حقائق کے جہنم میں آگرا اور اس کی آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی۔

"تمہارے پاس اتنی دولت ہے تو تم اسے پاکستان میں کیوں نہیں لگاتے؟" میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے سینے میں ابھرنے والا وہ جذباتی سوال اس سے کر ہی ڈالا۔

"جب ارب پتی بنو گے تو اس سوال کا جواب خود بہ خود مل جائے گا۔ تجارت اور صنعت کو تو چھوڑ ہی دو' میں یہاں صدقہ خیرات بھی کروں تو عذاب میں آجاؤں گا۔ جو کام میری پورے خاندان والے اب تک نہیں کرسکے' وہ انکم ٹیکس والے دو تین سالوں میں کر دکھائیں گے۔ یہ جونک بن کر سرمایہ دار کو چوسنے لگ جاتے ہیں۔"

"تم گمنام رہ کر بھی بہت کچھ کرسکتے ہو۔" میں نے اسے ٹٹولنا چاہا۔

"اس کا فائدہ؟ اس سے بہتر ہے کہ میں اپنی رقم کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دوں۔ دینے کا مزہ اسی وقت آتا ہے جب آس پاس بہت سے سراہنے والے موجود ہوں۔ اندھیرے کا لین دین چور بازاروں ہی میں اچھا لگتا ہے جہاں کسی کی کوئی شناخت نہیں ہوتی۔ ہر چیز کی پہچان صرف پیسے سے ہوتی ہے۔"

"میں جارہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم میرے آدمیوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرو گے۔"

"پوری کوشش کروں گا لیکن مجھے جواب کب ملے گا۔" اسے میری طرف سے امید ہو چلی تھی۔

"تم سے باتیں کرتے ہوئے بھی میں ڈالروں کی برسات کے بارے میں سوچ رہا تھا" میں نے اس کی امیدوں کی آبیاری کرتے ہوئے کہا "جس وقت بھی ذہن بن گیا' تمہیں جواب مل جائے گا۔"

"بستر اور ائرکنڈیشنر مل جائے تو میرا وقت اچھا گزر جائے گا۔"

"خدا کا خوف کرو۔ تم حکمرانی کے سفر کے ارادے باندھ رہے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس بے رحم صحرا میں بتی اور پنکھا بھی نعمتوں میں شمار ہوتے ہیں...... ہاں' بستر بھجوا دیا جائے گا۔"

میں نے اس کے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بولٹ کردیا۔

دروازے کی آواز سنتے ہی سب کی متجسس اور متفکر نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"یہ کیمپ سرحدی صحرا میں ہے" میں نے اول خان کے قریب جاکر دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ بات اس کے پاس جانے والے ہر آدمی کو معلوم ہو جانی چاہیے ورنہ میرا پورا کھیل گ... گا۔"

"یہ خبر ہر شخص تک پہنچا دو" اول خان نے وہاں... آدمیوں سے کہا اور پھر مستفسرانہ انداز میں میرا منہ تکنے لگا۔

"باقی باتیں دفتر میں ہوں گی۔" میں ہاتھ سے اشارہ کر... سے چل دیا۔

سخی مراد سے باتیں کرتے ہوئے مجھے یہ دیکھ کر اطمینان... کہ اس کے کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی اور روشن دا... بلندی پر بنے ہوئے تھے کہ کسی طرح بھی وہ وہاں تک نہیں... تھا۔

اول خان نے اپنے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا... کا مطلب تھا کہ کسی کو مخل ہونے کی اجازت نہیں تھی پھر اس... انٹرکام پر کسی کو مزید چائے لانے کی ہدایت کی اور اپنی کرسی... گیا۔

میں نے آہستہ آہستہ اپنی اور سخی مراد کی گفتگو دہرانی شر... دی۔



میرا اندازہ تھا کہ ہیروئن کی ناجائز کمائی سے بے انداز... کما کر سیاسی چور دروازوں سے ملک پر حکمرانی کا خواب دیکھ... سخی مراد اول درجے کا کینہ پرور اور مغلوب الغضب شخص... ان سفاک لوگوں میں سے تھا جو اپنا انتقام لینے کے لیے بر... بھی انتظار کرلیتے ہیں لیکن ان کے سینے میں سلگتا ہوا انتقا... کبھی سرد نہیں ہوتا۔

معاشرے میں عزت اور نیک نامی کی ساکھ رکھنے کے... اس نے اپنے برے وقت سے عارضی سمجھوتا کرلیا تھا اور... ہم نفس سمجھ کر بے لاگ انداز میں اپنی ان تمام کمزور... اعتراف بھی کرلیا تھا جو ہم سب کی دانست میں سنگین تر... جرائم کے دائرے میں آتی تھیں۔

اپنے اعترافِ جرم کے ساتھ اس نے واضح طور... وفاداریاں خریدنے کی کوشش کی تھی اور میں نے بہت... انداز میں اسے اپنے کمزور پڑنے کا تاثر دیا تھا۔ اسے یقین... یقینی کے درمیان معلق رکھنے کی بہت سی وجوہ میں اہم ترین... تھا کہ سمجھوتا ہو جانے کی صورت میں اس نے راس الم... خلاف میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا اور راس المیڈا سے... گہری نفرت کے اسباب بہت واضح تھے۔

وہ بنیادی طور پر منتقم مزاج تھا لیکن عارضی سمجھوتے... راس المیڈا کی ہر ہدایت پر بے چون و چرا عمل کیے جار... انتقام کا جذبہ اس کے دل میں پرورش پارہا تھا۔ وہ ایک... بعد میرے ذریعے اپنے اس وحشیانہ جذبے کی تسکین حاص... چاہ رہا تھا۔ ان سب باتوں میں کوئی پیچ نہیں تھا۔ ہر بات...

...ہی اور صاف تھی۔

...اس سے آگے سب کھلا فریب تھا۔ شاید وہ راس المیڈا کے چکر میں مجھے کچھ بڑی رقمیں دینے کے بارے میں سنجیدہ رہا ہو لیکن میں نے اس کے چہرے سے پڑھ لیا تھا کہ اربوں کی باتیں اور ہیروئن کا کاروبار مجھے سونپ دینے کے وعدے بالکل بے سروپا تھے۔ وہ ہر حال میں ہر قیمت پر وقت خریدنا چاہ رہا تھا۔ یہ میری اپنی صلاحیت تھی کہ میں اس کی اس خواہش کے کیا دام وصول کرسکتا...

وہ میرے ذریعے راس المیڈا سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی اپنی ساری قوت اور صلاحیت مجھے پیس ڈالنے پر مرکوز کردیتا۔ وہ روئے زمین پر ایسے کسی فرد کا وجود برداشت ہی نہیں کرسکتا تھا جس نے اس کی سیمیں بدن محبوبہ کے پہلو سے اٹھا کر بہ یک بنی و دو گوش ایک تپتی ہوئی کوٹھری کے کھردرے فرش پر لا ڈالا ہو۔

مجھے اس کی ترغیب اور تحریص سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ بظاہر وہ ملک کے سیاسی مندر کا ایک پرانا بت تھا لیکن درحقیقت وہ بھی موت کے سوداگروں کے ایک ٹولے کا سرخیل تھا اور اس کی سزا صرف موت تھی لیکن اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے سے پہلے راس المیڈا کا صفایا ضروری تھا۔

میں جانتا تھا کہ وہ چالاک اور باحیثیت ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ بارسوخ بھی تھا۔ اسے ایک بار آزاد کردیا جاتا تو دوبارہ وہ ہاتھ آ ہی نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ ہماری قید میں رہتے ہوئے رضاکارانہ طور پر راس المیڈا کے رازوں کا پردہ چاک کردے۔

سخی مراد کو آزاد کیے بغیر راس المیڈا کے بارے میں اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت کسی کے ذہن میں نہیں آرہی تھی۔

سخی مراد کے ساتھ بند کمرے کی میٹنگ کے بعد میں اول خان اور سلطان شاہ کے ساتھ دیر تک سر کھپاتا رہا' راستے میں اسی معاملے پر سوچ بچار ہوتی رہی پھر گھر لوٹنے کے بعد ویرا اور غزالہ کو پوری کہانی سنانے کے بعد مشورے میں شامل کیا گیا لیکن کوئی حل سامنے نہیں آسکا۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر سخی مراد کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جن میں اس نے خود کو اپنے خاندان کا گاڈ فادر قرار دیا تھا' اس میں وہ دو الفاظ اقتدار و اختیار کی علامت اختیار کیے ہوئے تھے اور شاید وہ سیاست میں بھی وہی روپ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جس میں اس کا کہا ہوا ہر لفظ ملک اور قوم کی تقدیر کا آخری فیصلہ سمجھا جائے۔

ویرا نے بتایا کہ سخی مراد کے اغوا کے بارے میں ٹیلی وژن پر کوئی خبر نہیں تھی' نہ کسی اور ذریعے سے وہ خبر سننے میں آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے اہلِ خاندان نے ہمارے منصوبے کے مطابق اپنے گاڈ فادر کے اغوا کو اغوا برائے تاوان کا کیس تسلیم کر لیا تھا۔

دوسری طرف ولی داد کے غائب ہونے کے بعد جہانگیر کے فلیٹ پر کوئی جوابی کارروائی نہ ہونے کا معاملہ بھی فکر انگیز تھا' ولی داد اور سخی مراد کا باہمی تعلق ثابت ہو جانے کے بعد یہ سمجھنا غلط ہوتا کہ ولی داد کے حامی اپنی شکست سے خائف ہو کر پسپا ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کا مضبوط گٹھ جوڑ تھا۔ انہوں نے اپنے کاموں کے لیے یقینی طور پر پیشہ ور افراد کو ملازم رکھا ہوا تھا۔ ان میں سے کسی نے ولی داد کے غائب ہونے پر کوئی کارروائی کیوں نہیں کی؟

اس سوال کے کئی جواب ہوسکتے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ تھا کہ سخی مراد اپنی دانست میں گاڈ فادر بنا بیٹھا تھا۔ فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اسی کو تھا' جب ولی داد کی گمشدگی کا اندازہ ہوا تو سخی مراد اغوا ہو چکا تھا۔ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔

دوسرا امکان یہ بھی ہوسکتا تھا کہ معاملہ راس المیڈا کا تھا اس لیے سخی مراد نے اپنے ملازمین میں سے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر... براہِ راست ولی داد کو وہ کام سونپا اور پھر دونوں اغوا ہو گئے۔ ولی داد کے بارے میں کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا تھا اس لیے جوابی کارروائی کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ وہ لوگ نیک امیدوں کے ساتھ ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرنے پر مجبور تھے۔

ان الجھنوں کے ساتھ آپس کی نوک جھونک بھی چلتی رہی۔ آخر تھک ہار کر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ غزالہ کے بعد میں خواب گاہ میں پہنچا تو اس کا موڈ بدلا ہوا تھا۔

"اوہو! معلوم ہوتا ہے کہ آج ویرا نے ناوقت غسل کی وجہ سے تمہیں سلگانے کی کوشش کی ہے" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"ویرا کی بھی ایسی باتیں میں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی ہوں' ان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتی" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "دوسروں کی باتیں کبھی کبھی مجھے کھلنے لگتی ہیں۔"

اس کی سنجیدگی دیکھ کر مجھے بھی سنجیدہ ہونا پڑا اور میں نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے پوچھا۔ "آج گھر میں اور کون آیا تھا جس نے اپنی باتوں سے تمہیں آزردہ خاطر کیا ہے؟"

"آیا کوئی نہیں تھا' یہ اسی فون کا ذکر ہے جو آپ نے اچانک مجھے پکڑا دیا تھا۔" وہ منہ بنا کے بولی۔

فوری طور پر اس کی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی لیکن ذہن پر زور دینے سے مجھے یاد آگیا کہ ایرٹیس پر اول خان کی کال آجانے کی وجہ سے میں نے سلمیٰ کی کال اس کے حوالے کردی تھی۔ میں نے چونک کر پوچھا۔ "کیوں؟ کیا سلمیٰ نے تم سے کوئی بدتمیزی کی ہے؟"

"نہیں' بدتمیزی تو کوئی نہیں کی' بہت میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ وہ اپنے میکے سے کراچی آکر خاصی اکیلی ہوجاتی ہے۔"

"برا ماننے کی بات یہ ہے کہ وہ ساری میٹھی میٹھی باتیں آپ کے بارے میں تھیں اور اب آپ بھی اس سے ہمدردی جتا رہے ہیں۔ وہ آپ کے چہیتے دوست کی بیوی ہے' میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہی لیکن اس کی باتیں مجھے پسند نہیں آئیں۔ میں نے بہت مشکل سے اس سے پیچھا چھڑایا تھا۔"

"میں اسے سمجھا دوں گا۔ میں خود بھی اس کی بعض عادتوں سے نالاں ہوں" میں نے یہ کہتے ہوئے غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور وہ پل بھر میں اپنے سارے شکوے بھول گئی۔

ہماری اگلی صبح کا آغاز ذرا قبل از وقت ہی ہوگیا کیوں کہ ہمیں اول خان کے ساتھ اس کے دفتر جانا تھا۔ اس نے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ ہمیں فلیٹ سے لے لے گا لیکن میں نے سختی سے اسے منع کردیا۔ اس کے لیے جمشید روڈ سے کلفٹن آنا اور پھر سپر ہائی وے پر جانا خاصا دشوار ہوجاتا اس لیے ہم نے طے کیا تھا کہ اپنی گاڑی میں اس کے گھر جائیں گے اور اسے وہیں چھوڑ کر اول خان کی گاڑی میں اسٹیشن فور چلے جائیں گے۔

میں نے سخی مراد کو بتایا تھا کہ وہ میری قید میں ہے اس لیے میرا ہر روز اسٹیشن فور کا چکر لگانا ناگزیر ہوگیا تھا۔ جب تک اس سے کوئی دو ٹوک بات نہیں ہورہی تھی' میں اسے کسی شک و شبے کا موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا اور ملاقات نہ ہونے سے اسے میرے دعوے پر شبہ ہوسکتا تھا۔

ہم لوگ اسٹیشن فور پہنچے تو سخی مراد کے کمرے کے قرب و جوار میں ہلکی سی افراتفری اور سراسیمگی کے آثار نظر آرہے تھے۔ گاڑی رکتے ہی ایک آدمی نے اطلاع دی کہ سخی مراد نے ناشتے کی ٹرے ناشتا لے جانے والے پر پھینک ماری اور اسی وقت سے اودھم مچا رہا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ اسے ڈیڈی سے ملوایا جائے ورنہ وہ سب کچھ تہس نہس کردے گا۔

عملے کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ میرے بارے میں سخی مراد کو کوئی یقینی جواب دینے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لیتے رہیں۔ اس وقت اسی حکمتِ عملی سے کام لیا جارہا تھا۔

میں گاڑی سے اترتے ہی سخی مراد کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس کے چیخنے چلّانے کی آوازیں دور تک آرہی تھیں۔ ڈیوٹی پر موجود تین افراد سراسیمگی کے عالم میں اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا ہورہا ہے؟" میں نے بھی دور سے گرج کر کہا۔ "یہاں بھیڑ کیوں لگی ہوئی ہے؟"

سخی مراد نے شاید میری آواز سن کر پہچان لی کیوں کہ اس کا شور فوراً موقوف ہوگیا۔

میں نے دروازے پر پہنچ کر بولٹ سرکایا اور دروازہ کھولا تو سخی مراد اپنے فرشی گدے پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ زخموں سے خون ... صاف ہوجانے کے بعد اس کا حلیہ بہتر نظر آرہا تھا۔

"کیا ہورہا ہے؟" میں نے فرش پر بکھرے ہوئے کراکری ... ٹکڑوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں" اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔ ... ہنگامہ کرکے یہاں اپنی پوزیشن کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ واقعی ... نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا"

"آئندہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کروگے" میں نے ... گھورتے ہوئے کہا۔ "میری غیر موجودگی میں میرے کسی ... دماغ سنک گیا تو وہ میری ہدایات سے انحراف بھی کرسکتا ہے۔"

"آئندہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میری تسلی کے ... یہی ایک تجربہ کافی تھا...... یہ بتاؤ کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے ... زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرسکتا۔" اس کے لہجے میں ذرا بھی ... نہیں تھا۔ وہ مجھ سے مساویانہ لہجے میں بات کررہا تھا۔

"نہ کرو۔" میں نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا۔ "میں ... راس المیڈا کو بتا دوں گا کہ میں نے تمہیں زیر کرلیا ہے۔ پھر ... ہوگا جو وہ چاہے گا۔"

"بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ ٹھنڈے ماتھے سے ... "سب اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہیں اور تم نے مجھے یہاں ... ہوا ہے۔ میں ان حالات کا عادی نہیں ہوں' رات بھر جاگ ... ہوں۔"

"میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔ پہلے تم ناشتا کرو۔ میں کسی ... کہہ دیتا ہوں۔"

میں نے دروازہ باہر سے بولٹ کردیا۔ ایک سادہ پوش ار ... دوبارہ ناشتا پہنچانے کی ہدایت کی اور ولی داد کے کمرے کی طرف چل دیا۔ پچھلے روز مجھے اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ... تھا۔

وہ کھردرے فرش پر اس حالت میں پڑا ہوا تھا کہ اس ... چاروں ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ بیرکوں کے پچھلے برآمدے ... کمرے کے ساتھ بیت الخلا بنا ہوا تھا جس میں بالٹی کے پانی سے ... بھی جاسکتا تھا۔ اسے حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہونے اور ... کرنے کے لیے کھولا گیا تھا لیکن اس نے اپنے بگڑے ہوئے ... کے زخموں کو صاف کرنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی تھی۔

"مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟" مجھے دیکھ کر اس نے پھٹی ... آواز میں پوچھا۔

"تاکہ تم مجھے ہلاک کرسکو۔ مجھے غور سے دیکھ لو۔ میرا نام ... ہے' تم مجھے پوری کراچی میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور یہاں ... تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا گاڑ ... بھی میرا مہمان ہے۔"

"ڈیڈی!" اس نے دہشت سے دہرایا پھر تقریباً رو دینے والی آواز میں بولا۔ "مجھے معاف کردو۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھے بھائی جان نے وہاں بھیجا تھا۔ میں اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا۔"

"تمہارے بھائی جان نے سب کچھ اگل دیا ہے مگر تمہاری زبان اب تک بند ہے۔"

"میں بتا رہا ہوں تاکہ بھائی جان نے مجھے وہاں بھیجا تھا" وہ بے بسی سے بولا۔

"تمہارے بھائی جان کا ہیروئن کا دھندا کون چلاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس سوال پر اس کا چہرہ تاریک ہوگیا اور وہ مایوسی سے بولا۔ "انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ وہ میرا نام لیں گے لیکن سارے کام خود کرتے ہیں۔ میں ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔"

"تمہارے بھائی کا چیف کہاں رہتا ہے؟" میں نے سختی سے سوال کیا۔

"مم...... پتا نہیں۔" وہ میری زبان سے پے در پے خفیہ ... والے سن کر بوکھلا گیا۔ "اس کا فون آتا تھا تو بھائی جان مجھے باہر بھیج کر دروازہ بند کرلیتے تھے۔ میں نے اسے دیکھا تک نہیں' بس کبھی کبھی اس کا فون سنا ہے۔"

"کے نائن کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" لمحہ بھر خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ عجیب نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس بار اس کے ... چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

"ماربل کی شطرنجوں کے ساتھ بارود کی پیٹیاں کون لایا تھا؟"

"ماربل کی کانوں میں دھماکوں کے لیے میں چمن سے پانچ ... کریٹ لایا تھا" وہ ہکلاتے ہوئے بولا "چمن والے آدمی کے نام بھائی جان نے پرچہ دیا تھا۔ وہ کانوں کو گہرا کرنے والا خاص بارود ... تھا۔"

"اور وہ پیٹیاں تم ہی نے ڈیفنس والے مکان میں پہنچائی تھیں؟"

"ہاں' کبھی کبھی مال وہیں سے ائرپورٹ جاتا ہے۔ میں نے وہاں موجود گورے کے سامنے پانچوں پیٹیاں اندر رکھوا دی تھیں۔ اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں کہ ان کا کیا بنا؟"

"ان کاموں کے لیے تمہیں بھائی جان سے کتنی تنخواہ ملتی ہے؟"

"مم.... پچاس ہزار روپے!" رقم بتاتے ہوئے اس کی آواز کانپ گئی۔

"تم اب تک اپنی بدمعاشی سے کتنے آدمیوں کو قتل کرچکے ہو؟" میں نے سختی سے پوچھا۔

"دو..... صرف دو!" اس نے جلدی سے کہا "ایک بھائی جان کا اکاؤنٹنٹ تھا جو لمبی رقم لے کر علاقۂ غیر میں چلا گیا تھا' دوسرے سے میری لڑائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

اس کے جواب سے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ وہ ہم سب کو دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ سخی مراد ہماری قید میں ہے۔ اس کی رہائی ہمارے لیے ایک عذاب بن سکتی تھی۔ اسے لمبی قید میں بھی نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔ اس کا بس ایک ہی علاج تھا کہ اسے قتل کردیا جائے لیکن بادی النظر میں اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں بن رہا تھا۔ اس نے اپنی زبان سے دو افراد کے خون کا اعتراف کرکے بہت آسانی سے وہ جواز مہیا کردیا تھا۔

"دوسرے آدمی سے تمہاری لڑائی کیوں ہوئی تھی؟" میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"وہ ایک لڑکی کا چکر تھا۔ پہلے وہ میری دوست تھی پھر اس کے پاس چلی گئی۔"

میں اس کے مقدر کا فیصلہ کرچکا تھا مگر اس کی زبان میرے ارادے کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ اس کا کہا ہوا ایک بھی غلط لفظ یا جملہ سخی مراد کے اور میرے مراسم میں تلخیاں گھول سکتا تھا۔ اس کی زبان بند کرنے کی بہترین صورت یہ ہوتی کہ اس کی زبان میں مچھلی پکڑنے والا کانٹا پھنسا دیا جاتا۔ وہ کانٹا نکالے بغیر بول سکتا تھا نہ زبان کو بری طرح ادھیڑے بغیر کانٹا باہر نکال سکتا تھا مگر اسپیشل ٹاسک فورس کے اس دور افتادہ پڑاؤ میں ایسے کانٹے کا حصول ممکن نہیں تھا۔

میں نے اپنی جیب میں سے تیز دھار والا قلم تراش چاقو نکالا اور اس کی نوک ولی داد کی گردن سے ٹکا دی۔ وہ ایک بھیانک چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

"ڈرو نہیں" میں نے سفاکانہ ہنسی کے ساتھ کہا پھر اس کا بایاں کان تھام کر اسے چاقو کی دھار سے سہلاتے ہوئے بات جاری رکھی "میں تمہیں ذبح نہیں کروں گا۔ تم نے میرا کام آسان کیا ہے' میں تمہارا کام آسان کردوں گا۔ مجھ سے تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں اپنی جان کے دشمنوں کو معاف کرنے کا عادی ہوں مگر تمہارا بھائی جان بہت موذی ہے' وہ کسی کو نہیں بخشتا۔"

وہ سہم کر فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اسے وحشت ہورہی تھی کہ کہیں میں اچانک ہی اس کا کان الگ نہ کردوں۔ میں اس کے کان سے کھیل رہا تھا کہ اول خان' سلطان شاہ سمیت وہاں آپہنچا۔ شاید ولی داد کی بھیانک چیخ کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔

ان دونوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد میں پھر اپنے کھیل میں مصروف ہوگیا۔

"شاباش! اب ذرا اپنی زبان نکالو" اس نے منہ کھول کر کسی کتے کی طرح اپنی زبان باہر لٹکا دی۔ اس کوشش میں اس کی آنکھوں کی پتلیاں پپوٹوں میں چڑھ گئی تھیں۔

وہ میرے لیے شاندار موقع تھا۔ میں نے پھرتی سے اس کی زبان کا سرا بائیں چٹکی میں دبایا اور ننھے سے چاقو کے پھل سے

زبان کا اگلا حصہ پنیر کے کسی نرم ٹکڑے کی طرح کاٹ کر فرش پر پھینک دیا۔

اس کے دہانے سے خون کے ساتھ عجیب و غریب آوازوں کا سلسلہ رواں ہوگیا۔ وہ بولنا چاہ رہا تھا مگر بولنا اس کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ زبان کا کٹا ہوا ٹکڑا چند ثانیوں تک تڑپنے اور پھڑکنے کے بعد بے جان ہوگیا مگر ولی داد بری طرح مچلتا رہا۔

لعاب دہن کے حیرت ناک اثرات سے خون کا بہنا جتنی تیزی سے شروع ہوا تھا' اسی سرعت سے بند ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ تکلیف سے زیادہ دہشت کے باعث تڑپ رہا تھا۔

اس کے کپڑوں سے ہاتھ اور چاقو کا پھل صاف کر کے میں اول خان کے پاس پہنچ گیا۔

"اس کی زبان کاٹی ہے؟" سلطان شاہ نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے سخی مراد کے سامنے ڈالنے کا فیصلہ کرلیا ہے" میرا جواب سنتے ہی اول خان بے ساختہ بول اٹھا "اچھا ہے' اس کے خون کا بوجھ ہماری گردنوں پر نہیں رہے گا۔"

"بوجھ نہیں' اب یہ ثواب کا کام بن چکا ہے" میں نے باہر نکل کر کہا "میں خود بھی بے گناہوں کے خون سے بچتا ہوں۔ یہ ابھی اپنی مکمل زبان سے دو آدمیوں کے قتل کا اعتراف کرچکا ہے۔"

"میں خود بھی اس کی طرف سے فکرمند تھا۔ یہ آزاد اور زندہ رہ کر کسی بھی وقت ہمارے لیے گھر کا بھیدی بن کر لنکا ڈھا سکتا تھا۔ تمہارا فیصلہ بہت مناسب ہے" اول خان میری وضاحت سے مطمئن ہوگیا۔

ہم تینوں ٹہلتے ہوئے سخی مراد کے کمرے میں پہنچے تو وہ ناشتے سے فارغ ہوگیا۔

"ایک سگریٹ مل جائے گی؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے سوال کیا۔

ماچس یا لائٹر سے وہ بستر کو آگ لگا سکتا تھا۔ میں نے نئی سگریٹ سلگا کر اس کی طرف اچھال دی۔ اس نے بے تابانہ انداز میں وہ سگریٹ اپنے ہونٹوں سے لگائی اور ایک گہرا کش لینے کے بعد اپنے نتھنوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے بولا "تم میری ہر بات مانتے جا رہے ہو لیکن میری ایک فرمائش کو مسلسل ٹال رہے ہو۔ میری بڑی آرزو تھی کہ میں اپنی قید کا پہلا ناشتا اپنے چچا زاد کے ساتھ کرتا لیکن میں تم سے نہیں کہہ سکا۔ پتا نہیں تم اسے مجھ سے دور کیوں رکھ رہے ہو؟"

"تم میرے سامنے اس کے قتل کا عہد کرچکے ہو۔ تم اسے دیکھتے ہی مشتعل ہو جاؤ گے۔ وہ بھی کمزور نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جھگڑا ہو اور وہ تمہارا حلیہ بگاڑ دے" میں نے نپے تلے الفاظ میں اسے اکسایا۔

وہ ایسے ہی دماغ کا آدمی تھا۔ فوراً ضد میں آگیا اور کہنے لگا "تم اسے بلاؤ۔ جھگڑا ہو بھی جائے تو تم دخل نہ دینا اور پھر دیکھ کون جیتتا ہے' وہ پدی کی اولاد مجھ پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکے گا۔"

"تم مصر ہو تو میں اسے بلائے لیتا ہوں" میں نے مکار چارگی سے کہا۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ باہر گیا اور کسی کو ہدای کر اندر لوٹ آیا۔

"وہ تمہارا چچا زاد ہے اور تم اسے پدی کی اولاد کہ ہو؟" میں نے اسے چڑایا۔

"وہ چچی کی اولاد بھی ہے اور وہ پدی تھی.... میں تو اب کو سرے سے اپنا چچا زاد ہی نہیں مانتا۔ پتا نہیں وہ کس کا گن ہے۔ تم بار بار کیوں میری زبان کھلوا رہے ہو؟" اس نے یہ ک سگریٹ سے جلدی جلدی لمبے لمبے کش لے کر کثیف دھوا لگا حتی کہ اس پر کھانسی کا دورہ سا پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا ولی داد کے آنے سے پہلے پوری سگریٹ ختم کرنی چاہ رہا تھا۔

وہ کھانسی کے دورے سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں کہ ولی داد آپہنچا۔

اس کا چہرہ زخموں سے نیلا اودا ہو کر پہلے ہی بہت بگڑ چکا زبان کے زخم سے بہنے والے تازہ خون نے اسے مزید دہشت بنا دیا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے دروازے پر رک کر خو احترام کی ملی جلی نظروں سے اپنے تایا زاد بھائی کی طرف دیک کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ بگڑے ہوئے اور تلفظ غیر واضح تھا۔ ا کوئی بات کسی کے پلے نہیں پڑ سکی۔ اسی وقت سخی مراد نے سے سنبھل کر دروازے کی طرف دیکھا اور اپنے چچا زاد پڑتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر اشتعال میں آگیا۔

وہ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ سخ کے تیور جارحانہ تھے جب کہ ولی داد کا انداز پوری خوشامدانہ تھا۔ ہم تینوں نے تیزی سے ان کی ملاقات کے لی خالی کردی۔

سخی مراد نے اپنی دانست میں ولی داد کے چہرے کو اپنے پر لے کر کسی لڑاکا مینڈھے کی طرح ٹکر رسید کرنے کی کوشش عین اسی وقت ولی داد شاید اپنے بڑے بھائی کے قدم چھو لیے جھکا' سخی مراد کا نشانہ خطا گیا' وہ اوندھے منہ ولی داد پر آ داد اس ناگہانی افتاد سے بوکھلا کر سیدھا کھڑا ہوا تو گراں ڈ مراد اس کے کندھے پر اوندھا لٹکا ہوا تھا۔

ولی داد نے ہڑبڑا کر اسے اپنے کندھے سے اچھال کر پھینک دیا۔ سخی مراد بہت مضحکہ خیز انداز میں فرش پر گرا۔ ا کسی چوپائے کی طرح کہنیوں کے اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنا چہرہ ادھڑنے سے بچایا اور کسی مداری کی طرح ا سیدھا ہوگیا۔

سخی مراد کی غراہٹوں اور گالیوں نے ولی داد کی ہر غلط

کردی تھی۔ سخی مراد سنبھل کر اس پر حملہ آور ہوا تو وہ اپنی مدافعت کے لیے تیار تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو کوئی کاری ضرب لگائے بغیر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے۔

واضح طور پر سخی مراد کا پلہ بھاری تھا۔ وہ جسیم اور توانا ہونے کے ساتھ اشتعال میں بھی آیا ہوا تھا۔ اس نے چند ہی جھٹکوں میں خود کو ولی داد کے شکنجے سے آزاد کرا کے اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر بے تحاشا مکوں کی بوچھاڑ کردی۔ چند ہی لمحوں میں ولی داد کا چہرہ اور جسم تازہ خون میں ڈوبنے لگا اور وہ اپنے اوسان کھو کر فرش پر گر گیا۔

سخی مراد اسے ننگی ننگی گالیاں دیتا ہوا کسی سفاک قاتل کی طرح اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔ سینے پر سواری گانٹھنے کے بعد اس نے ولی داد کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اس کے سہارے اس کا سر فرش سے کئی کئی انچ اوپر اٹھا کر زور زور سے نیچے مارنے لگا۔ وہ چوٹیں کسی بھی شخص کی بربادی کے لیے کافی تھیں۔ ولی داد اُدھ موا ہو کر ہانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ چکے تھے۔

اسے پوری طرح مغلوب کرلینے کے بعد بھی سخی مراد کے کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑی۔ اس نے ولی داد کے سینے سے اترے بغیر تیزی سے سر جھکایا اور کسی کے کچھ سمجھنے سے پہلے ولی داد کے نرخرے میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ مجھے اس کی وحشیانہ حرکت کا اندازہ ولی داد کے تڑپنے اور چیخنے سے ہوا۔

وہ ایک عبرت اثر منظر تھا۔ ان کے جسموں میں وہ آمدنی لہو بن کر دوڑ رہی تھی جو ہیروئن کی تجارت سے حاصل کی گئی تھی۔ وہ دونوں اس کھیل میں ملوث تھے۔ ایک نیک نام اور نام نہاد سیاسی گھرانے میں پروان چڑھنے والے موت کے دو سوداگر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے برسرپیکار تھے۔ میرے لیے ان دونوں کی ایک ہی شناخت تھی اور وہ یکساں انجام کے حق دار تھے۔ وہ ایک دوسرے کے منصب کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور اسی شایانِ شان انداز میں لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کے زندہ جسم کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ان میں سے کون غالب تھا اور کون مغلوب۔

حکمرانی کا خواب دیکھنے والے سخی مراد نے اس وقت مردار خور گدھوں کو بھی شرمایا ہوا تھا۔ وہ قریب المرگ جسموں کے قریب بیٹھ کر روح فرسا آوازوں میں شاید اس کی موت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں لیکن اس وقت تک اس جسم کو نہیں چھوتے، جب تک اس سے روح پرواز نہ کر جائے مگر سخی مراد اپنے زندہ بھائی کا نرخرا اپنے دانتوں سے نوچ رہا تھا، اس کے ابلتے ہوئے لہو کی گرمی اپنے لبوں پر محسوس کر رہا تھا اور پھر بھی اپنے آپ سے شرمسار نہیں تھا۔

وہ منظر دیکھ کر اول خان کراہت اور خوف سے پھریریاں لے رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر سخی مراد کو الگ کرنا چاہا لیکن میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ وہ ملک کے بدن سے ریشے نوچ رہے تھے تو انہیں کس نے روک لیا تھا جو اس برادر کشی میں مداخلت کی جاتی۔

سخی مراد کے دانتوں کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ وہ نکیلے دانت اپنی بنائی ہوئی جگہوں میں گہرے اور گہرے اترتے چلے جارہے تھے۔ ولی داد جھکنے لگا۔ دشمن کا مارا پھر بھی پنپ جاتا ہے لیکن اپنوں کا مارا پانی بھی نہیں مانگتا۔ سخی مراد نے اس کی شہ رگ پر وار کیا تھا جو کاری ثابت ہونے والا تھا۔

ہوتے ہوتے ولی داد کے بدن کی ساری جنبشیں معدوم ہوگئیں۔ اس کا کرب آلود پسینوں میں نہایا ہوا چہرہ موت کی دہشت سے سفید ہو چلا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے اپنے حلقوں سے باہر ابلے پڑ رہے تھے۔ شاید چند آخری سانس اس کے سینے کے قفس میں قید رہ گئے تھے۔ مرتے ہوئے حریف کا سینہ آخری سانسوں پر اتنی تیزی سے پھولنے اور پچکنے لگا کہ اس کے اثر سے سخی مراد کا دھڑ واضح طور پر اوپر نیچے ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔ پھر ولی داد کی گردن ایک جھٹکے سے بائیں طرف ڈھلک گئی۔

سخی مراد کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی بربریت ولی داد کے لہو سے اپنا خراج وصول کر چکی ہے۔ وہ ولی داد کے کچلے ہوئے نرخرے کو چھوڑ کر اس کے بے جان جسم پر سے اتر آیا۔ اس کا پورا دہانہ اور چہرہ خون میں لتھڑا ہوا تھا اور اس خون آشام چہرے کی لہو رنگ سرخی میں صرف دو بڑی بڑی، حیوانی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے آستین سے اپنا منہ صاف کرنے لگا۔

"سخی مراد کا انتقام بہت بھیانک ہوتا ہے" وہ رکی رکی اور مخمور آواز میں بولا۔

"اندر جا کر پانی سے اپنا دہانہ اور چہرہ صاف کرو!" سلطان شاہ کراہت سے مغلوب ہو کر بے اختیار چیخ پڑا۔ "اس وقت تم کسی آدم خور درندے سے بھی گئے گزرے لگ رہے ہو۔"

سخی مراد نے برا مانا اور نہ کوئی حجت کی۔ آواز پر سدھائے ہوئے درندے کی طرح اس عقبی دروازے کی طرف بڑھ گیا جو پچھلے برآمدے میں بنے ہوئے بیت الخلا یا غسل خانے میں کھلتا تھا۔

"دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنے والے اندر سے اسی طرح بے حس ہو کر آدمیت کا احترام کھو بیٹھتے ہیں۔" اس کے چلے جانے کے بعد اول خان نے دردانگیز لہجے میں کہا "اس وقت مجھے سخی مراد کا اصل روپ دیکھ کر اس کی صورت سے نفرت ہوگئی ہے۔ میرا بس چلے تو اسے اسی وقت گولی مار دوں۔"

"صبر سے کام لو... اسے برداشت نہیں کرسکتے تو اپنے دفتر میں چلے جاؤ۔ وہ اس وقت اپنی برتری کے گھمنڈ میں گم ہے۔ میں اسی وقت اس سے کچھ کام کی باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"وہ ویسے بھی تم سے تخلیے میں بات کرتا ہے، میں جارہا ہوں۔"

اول خان بوجھل قدموں سے واپس چلا گیا۔ سلطان شاہ وہیں رکا رہا۔

سخی مراد واپس آیا تو سر اور چہرے کے ساتھ اس کے کپڑے تک اس طرح پانی میں بھیگے ہوئے تھے جیسے وہ لباس سمیت نہا کر آیا ہو۔ کمرے میں آتے ہی اس نے حقارت سے ولی داد کے سر کو اپنی ٹھوکر سے چھیڑا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا "اسے انتقام کہتے ہیں... میں اپنے دشمنوں کو کبھی بھی معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اب میں چیف کا بھی یہی انجام دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو میری موت کا خواہاں ہو، اسے اس زمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے... بولو، تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"اس وقت تم نے اپنے قول و فعل سے میرا تذبذب دور کردیا ہے جس کے بعد میں تم سے کھل کر بات کرسکتا ہوں۔ اس وقت ہم ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے بھیانک کھیل میں الجھے ہوئے تھے جو ذرا بھی چوکا، وہ ولی داد کی طرح مارا جائے گا۔"

"ہرگز نہیں، میری نیت صاف ہے۔ میں تمہارے ساتھ کوئی گندی حرکت نہیں کروں گا۔"

"میں آنے والے وقت کا حساب پچھلے تجربے سے لگاتا ہوں۔ میں، تم اور راس المیڈا... اس کھیل کے تین فریق ہیں۔ پہلے میری اور راس المیڈا کی دشمنی تھی پھر اس نے تمہیں میرے پیچھے لگا دیا۔ تمہاری شہ پر ولی داد میرے ایک دوست تک پہنچ گیا۔ اسی کے ساتھ راس المیڈا نے مجھے تمہارے پیچھے لگا دیا۔ اب تم مجھ سے راس المیڈا کے لیے بات کر رہے ہو۔ تم باہر نکلے تو راس المیڈا تمہیں کسی نئی چال میں پھانس سکتا ہے۔ تمہاری ایک بہت بڑی کمزوری اس کے ہاتھ میں ہے۔ تم اس سے نہیں بچ سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے مجبور کرنے پر کل تم ولی داد کی طرح میرا بھی نرخرا چبا ڈالو۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ ہم سب ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ جو چوکے گا، وہ بے رحمی سے ذبح کردیا جائے گا۔"

وہ چند ثانیوں تک تفکر آمیز خاموشی میں ڈوبا رہا پھر ٹہلتے ہوئے کہنے لگا "میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، تم اس بلیک میلر سے خوف زدہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پھر مجھے تمہارے خلاف اکسائے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ٹالتا رہوں گا۔ پہلے میں خالی ہاتھ تھا۔ اب میرے ہاتھوں میں ولی داد کی لاش ہوگی۔ میں اسے بتاؤں گا کہ وہ تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

"میں ان اندازوں پر نہیں چل سکتا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم خود بتا چکے ہو کہ وہ تم سے تمہاری مرضی کے خلاف بہتیرے کام لیتا رہا ہے۔ میں یہ ماننے سے قاصر ہوں کہ تم اس کا دباؤ قبول نہیں کروگے۔ تمہاری طرح وہ بھی اپنے نافرمانوں کا بہت برا حشر کرتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر تم راس المیڈا سے واقعی نجات حاصل کرنی چاہتے ہو تو اس کی موت تک تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔"

"یہ کوٹھری میرے لیے جیل سے بھی بدتر ہے۔ میں زیادہ دن یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"یہاں نہ سہی، میں تمہیں کراچی میں کوئی آرام دہ کمرا پیدا کرسکتا ہوں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہاں میرے آدمیوں کی نگرانی ہوگی۔ تم میری مرضی کے بغیر باہر نہیں نکل سکوگے" میں نے اپنے مؤقف میں ذرا سی لچک پیدا کرلی۔

وہ وقت کا خریدار تھا تاکہ نجات کی کوئی راہ نکال سکے۔ میری نئی تجویز میں اسے وقت ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں لیکن وہ بولا تو اس کی آواز سپاٹ تھی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمہاری قید میں رہنے کے لیے تیار ہو جاؤں ورنہ تم مجھے راس المیڈا کے سپرد کردوگے؟"

"بدقسمتی سے تمہارے سامنے انتخاب کے لیے صرف یہی دو راستے رہ گئے ہیں۔ تیسرا راستہ تصادم کا ہے۔ تم یہاں سے فرار کی کوشش کرکے دیکھ لو، ستارے یاور ہوئے تو زندہ و سلامت صحرا کے اس پار نکل جاؤ گے، بدنصیبی نے راستہ کاٹا تو میرے کسی آدمی کی گولی تمہیں چاٹ جائے گی۔"

"تمہارا معاوضہ کیا ہوگا؟" وہ تکلفات چھوڑ کر براہِ راست سوال کر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اپنی زندگی کے لیے تم بہت کچھ لٹا سکتے ہو۔ تم نے اپنا ہیروئن کا کاروبار مجھے سونپنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن پیسہ ہی میری زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ تمہاری ہیروئن تم کو مبارک ہو۔ میں برسوں پہلے اسے طلاق دے چکا ہوں۔ مجھے چار کروڑ روپیہ درکار ہے... نقد اور بڑے نوٹوں کی صورت میں۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم رقم لے کر اپنے وعدوں سے مکر نہیں جاؤ گے؟"

"تمہیں میری نیت پر شبہ ہے تو رقم رہا ہونے کے بعد دے دینا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

میری پیش کش پر وہ بھونچکا رہ گیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بے یقینی سے بولا "اگر رہا ہونے کے بعد میں نے رقم دینے سے انکار کردیا تو تم کیا کروگے؟"

"موجودہ تجربے کے بعد تم ایسا نہیں کرسکوگے، منحرف ہوئے تو میرے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ وعدہ خلافی کا حساب میں رقم سے نہیں، خون سے چکایا کرتا ہوں۔ میں نے تمہارا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔ وعدہ خلافی کرکے تم میرا اصل روپ دیکھ لوگے۔"

"اس کام میں تمہیں کتنا وقت لگے گا؟" وہ یک بہ یک فکرمند نظر آنے لگا تھا۔

"میں اسے جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے صرف

راس المیڈا کا پتا درکار ہوگا۔ اس کے تین دن کے اندر اندر وہ اس دنیا میں نہیں ہوگا" میں نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔

"تمہاری شرائط معقول ہیں" وہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولا "تمہاری طرح مجھے بھی سوچنے کی مہلت درکار ہے۔ میں تمہیں کل تک جواب دوں گا۔ بظاہر ہمارا سمجھوتا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"تم سوچنے کے لیے ایک ہفتہ بھی لے سکتے ہو مگر یہ یاد رہے کہ اس طرح تم اپنی قید کی مدت میں اضافہ کررہے ہو۔ رضامندی کے بعد تمہیں صرف راس المیڈا کا سراغ بتانا ہوگا۔"

"مجھے یہی ایک بات پریشان کررہی ہے۔ تمہیں چار کروڑ کی رقم کی پروا نہیں ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم صرف اور صرف راس المیڈا تک پہنچنے میں دلچسپی رکھتے ہو" دل کی بات اس کی زبان پر آگئی۔

"پھر تم راس المیڈا ہی کی تحویل میں چلے جاؤ تو بہتر رہے گا" میں نے برہمی سے کہا اور گھوم کر دروازے کی طرف چل دیا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی برین واشنگ کے لیے میرا ایک بار ہتھے سے اکھڑنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ میرے مصالحانہ رویّے سے اسے میرے اصل ارادوں کی بھنک ملنے لگی تھی۔

اس نے دوڑ کر دروازے پر میرا بازو پکڑلیا۔ میں برہمی کے عالم میں اس کی طرف پلٹا تو اس کا اعتماد متزلزل ہوچکا تھا۔ وہ آہستگی سے بولا "یہ نہ بھولو کہ میں تمہارا قیدی ہوں اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ایک مغلوب شخص کا ذہن ہزاروسوسوں کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ تمہیں صبر سے میری بات سننی چاہیے۔"

"صبر کی ایک حد ہوتی ہے۔ اب تم حد سے تجاوز کرتے جارہے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے" اس نے اسی لہجے میں کہا "مجھے تمہاری تجاویز منظور ہیں۔"

اسی وقت دو آدمی ولی داد کی لاش اٹھانے کے لیے آگئے اور ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔ ان دونوں نے لاش کو اسٹریچر پر ڈالا اور چند منٹ میں وہاں سے چلے گئے۔ سلطان شاہ نے ان سے کہہ دیا کہ وہ فرش وغیرہ کی صفائی تھوڑی دیر بعد کریں تاکہ ہماری گفتگو مکمل ہوسکے۔

"تم خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو پھر مجھے راس المیڈا کا پتا بتادینا" میں نے کہا۔

"میں اپنی قید کی راتوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں ابھی سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔ آج سے میری راتوں کی گنتی شروع ہوجائے گی۔ تم مجھے زیادہ سے زیادہ آج رات یہاں رکھ سکتے ہو۔ کل سے میں دو راتیں کراچی میں بسر کرنے کا حق دار ہوجاؤں گا۔ اس کے بعد تمہیں مجھ کو رہا کرنا ہوگا۔"

اس نے میری تین راتوں والی بات کو مضبوطی سے پکڑلیا تھا اور اپنی دانست میں ان کا حساب بھی لگالیا تھا۔ میں نے اس کی تائید کی تو اس نے ایک گہرا سانس لے کر مجھ سے سگریٹ مانگ لی۔ میں نے اپنے پیکٹ سے دو سگریٹیں سلگا کر ایک اس کے حوالے کردی۔

وہ کمرے میں ٹہل کر سگریٹ کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نازک موڑ پر وہ کسی شدید اندرونی کشمکش میں مبتلا تھا اور وقت گزار کر اس پر قابو پانے کی کوشش کررہا تھا۔

"ہم تمہارے بولنے کا انتظار کررہے ہیں" چند لمحوں کے بعد سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"میری چھٹی حس مجھے تنگ کررہی ہے" وہ رک کر خائفانہ آواز میں بولا۔

"چھٹی حس نہیں، یہ تمہاری اپنی مکاری ہے جو تمہیں ستارہی ہے" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "تم یہ سوچ کر پریشان ہورہے ہو کہ اس وقت تم میری جگہ ہوتے تو تمہاری کیا چال ہوتی۔ تم کینہ پرور اور مغلوب الغضب آدمی ہو اس لیے آئینے میں نظر آنے والی تصویر تمہیں خوف زدہ کررہی ہے۔"

"تم نے میرے ساتھ عہد شکنی کی تو شاید تم مجھے مارنے میں کامیاب ہوجاؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں مرکر بھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ میری روح تم سے بھیانک انتقام لے گی اور تم تاقیامت جہنم کی آگ میں سلگتے رہوگے۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم قیامت اور جہنم پر یقین رکھتے ہو" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "اب یہ وعظ بند کرو اور مجھے کام کی بات بتاؤ تاکہ میں یہاں سے کراچی کی طرف روانگی کا پروگرام بناسکوں۔ میں خود بھی کیمپ کی اس صحرائی زندگی سے بے زار ہوچکا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کراچی کی آسائشوں کو چھوڑ کر یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو؟"

"تم پھر بہک رہے ہو۔ راس المیڈا کا پتا بتاؤ ورنہ ہم جارہے ہیں۔"

اس نے اضطراری طور پر سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر تھوک نگلنے کی کوشش کی پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے کے بعد راس المیڈا کے مکان کا محلِ وقوع بتانے لگا۔

ڈیفنس سوسائٹی میں سعودی قونصل خانے سے ساحل کی طرف جانے والی سڑک کا ذکر آتے ہی میں چونک پڑا۔ سخی مراد جس عمارت کا ذکر کررہا تھا، اسے میں بارہا دیکھتا رہا تھا اور وہ چوکور قلعہ ہمیشہ ہی میری نظروں میں کھٹکتا رہا تھا۔

سلطان شاہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خشونت بھری نظروں سے سخی مراد کو گھور رہا تھا مگر وہ میری طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے سلطان شاہ کی طرف سے یکسر غافل تھا۔

میں جب بھی ادھر سے گزرا، وہ مکان میری خصوصی توجہ کا مرکز بنے بغیر نہ رہ سکا۔ سامنے کے حصے میں تقریباً بیس فٹ اونچے ستونوں کے درمیان اوپر نیچے سرکنے والے بند دروازوں کے علاوہ اس عمارت میں کبھی بھی رسائی کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔

وہ میرا ایک ذہنی مبالغہ بھی ہوسکتا تھا لیکن سخی مراد نے راس المیڈا کی کمین گاہ کا محلِ وقوع بتانے کے ساتھ اس کا جو نقشہ بتایا تھا، وہ اس عمارت پر منطبق ہوتا ہوا نظر آرہا تھا جو میرے ذہن میں جاگزیں تھی۔

وہ اپنے قرب وجوار کے دوسرے مکانات سے کئی گنا زیادہ رقبے پر بنی ہوئی عمارت تھی۔ کنکریٹ کے بلند وبالا ستونوں کے درمیان لگے ہوئے آہنی دروازے اتنے کشادہ تھے کہ ان کے کھول دیے جانے پر بڑے سے بڑے ٹریلر وغیرہ بھی آسانی سے اندر جاسکتے تھے۔ عمارت کے سامنے والے حصے میں جو سڑک پر کھلتا تھا، ایک دوسرے سے متصل ایسے چار دروازے تھے۔ اس سمت میں کسی بھی دیوار وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔

سخی مراد کو اس مکان کا نمبر وغیرہ نہیں معلوم تھا۔ میری دانست میں وہ ایک معمولی بات تھی۔ شہروں میں رہنے والے بیشتر لوگ اپنے شناساؤں اور رشتے داروں کے گھروں کے محلِ وقوع سے بہت اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور جب چاہتے ہیں، کسی دشواری کے بغیر وہاں پہنچ جاتے ہیں لیکن ان سے ان گھروں کا پتا پوچھ لیا جائے تو ان پر دقت پڑ جاتا ہے۔

سخی مراد پتے سے لاعلم ہوتے ہوئے اس مکان کی جو نشانیاں بتاتا رہا، میری نظروں میں وہ بہت واضح تھیں۔ ان نشانیوں سے باخبر ہونے کے بعد دھوکا کھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"تم سب کچھ بتارہے ہو تو اس مکان کا نمبر کیوں نہیں بتاتے؟" سخی مراد کے خاموش ہونے پر سلطان شاہ نے غرا کر پوچھا۔ وہ ڈیفنس کے علاقے سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا اس لیے اس کی الجھن اپنی جگہ پر بجا تھی۔ میں اس کی الجھن رفع کرسکتا تھا لیکن سخی مراد کے سامنے میں زیادہ نرمی دکھانے کے حق میں نہیں تھا۔ میں نے سلطان شاہ سے کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"میں اس مکان کے نمبر سے واقف نہیں ہوں۔ مجھے ایک بار بریفنگ کے لیے وہاں بلایا گیا تھا۔ وہ عمارت ایسی ہے کہ اسے باہر سے ایک بار دیکھ کر بھلایا نہیں جاسکتا۔ تم اس سڑک پر پہنچ گئے تو اس عمارت کو دور ہی سے پہچان لوگے۔ یقین کرو کہ میں تم سے کوئی بلف نہیں کررہا۔ مجھے اپنی زندگی اور آزادی بہت عزیز ہے۔ اگر مجھے اس گھر کا پتا معلوم ہوتا تو میں اتنی لمبی چوڑی تقریر کرنے کے بجائے تمہیں مکان کا نمبر وغیرہ ضرور بتا دیتا۔" سخی مراد نے کہا۔

"کراچی میں اس طرز کے مکانات بنانے کا رواج نہیں ہے۔" اول خان نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "ڈیفنس کے علاقے میں ویسے بھی خوبصورت مکان بنوانے کا رواج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ محلات نما مکانوں کے درمیان میں کسی نے ایک بے ہنگم ڈبا کیوں بنوایا ہوگا۔"

"وہ مکان دیکھنے کے بعد تم کو میری ہر بات پر یقین آجائے گا۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں اس نکتے پر سخی مراد کے ساتھ سختی برتنے پر مائل نظر آرہے تھے۔ مجھے مجبوراً کھنکھار کر دخل دینا پڑا۔ میں نے آہستگی سے کہا "میرا خیال ہے کہ میں نے ڈیفنس میں اس قسم کا مکان دیکھا ہوا ہے۔"

سخی مراد کے چہرے پر رونق سی آگئی اور وہ ممنونیت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "خدا کا شکر ہے کہ یہاں کوئی میرا ہم نوا بھی ہے...... ایک سمجھوتا ہوجانے کے بعد مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ابھی تم نے کہا کہ تم ایک بار اس عمارت میں جاچکے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔ اس نے اپنے سر کی پُرجوش جنبش سے اثبات میں جواب دیا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو باہر سے دیکھنے پر وہ ویران عمارت کسی بڑے گودام سے مشابہ نظر آتی ہے......"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کے اضطراری لہجے میں بول پڑا "یہ اس مکان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ یہ بات میرے دماغ میں گھوم رہی تھی لیکن زبان پر نہیں آرہی تھی۔"

"اگر تم نیک نیتی سے راس المیڈا کی موت کے خواہاں ہو تو اس عمارت کے بارے میں ہر بات بتاتے چلے جاؤ۔ وہ کسی احاطے کے بغیر، کنکریٹ اور لوہے کی ایک بلند فصیل ہے۔ میں اندر رسائی کے طریقے کے بارے میں تمہارا مشورہ چاہتا ہوں۔ اس فصیل میں کہاں اور کیسے شگاف ڈالا جاسکتا ہے؟"

"وہاں داخلے کی راہ تلاش کرنا ہی شاید سب سے بڑا کام ہوگا۔" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے وہاں گیٹ نمبر چار پر پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ دروازوں پر کوئی نمبر نہیں تھا، اس لیے مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں نے بائیں جانب سے پہلے گیٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔ میں نیچے اتر کر سپاٹ ستونوں میں کسی اطلاعی گھنٹی وغیرہ کا بٹن تلاش کررہا تھا کہ کسی خفیہ اسپیکر سے ابھرنے والی تحکمانہ آواز نے مجھے بوکھلا دیا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میں پہلے گیٹ کے سامنے موجود ہوں۔ اس وقت مجھے چوتھے گیٹ کے سامنے ہونا چاہیے تھا۔ باہر کسی متنفس کے موجود نہ ہونے اور سامنے ٹھوس دیوار موجود ہونے کے باوجود اندر والوں کو میری آمد کا علم ہوگیا تھا۔ اس اچانک انکشاف نے مجھے خوفزدہ کردیا اور میں اپنی گاڑی تیزی سے چوتھے گیٹ کے سامنے

لے گیا۔ وہاں کسی نے باہر آنے یا میری شناخت طلب کرنے کی زحمت نہیں کی۔ میری گاڑی رکتے ہی چوڑا فولادی شٹر کسی خود کار نظام کے تحت اوپر اٹھنا شروع ہوا۔ چند ہی ثانیوں میں فرش اور فولادی شٹر کے درمیان اتنا خلا پیدا ہو چکا تھا کہ بیک وقت کئی گاڑیاں اندر جا سکتی تھیں۔ اندر اندھیرا تھا' میں ڈرتے ڈرتے گاڑی اندر لے گیا اور شٹر تیزی سے دوبارہ بند ہو گیا۔"

وہ سانس لینے کے لیے خاموش ہوا تو سلطان شاہ بول پڑا "ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔ یہ اس دور کے معمولی سائنسی شعبدے ہیں۔ انہیں طلسماتی رنگ دینے کی کوشش مت کرو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے اعتراف کیا "بعد میں مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ فوٹو سیل اور وڈیو کیمروں کی مدد سے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن اگر بے خبری میں اچانک ہی ایسے شعبدوں کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اچھے خاصے آدمی کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے...... شٹر بند ہوتے ہی اندر دن کا سا اجالا پھیل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی اونچی سرنگ کے ابتدائی حصے میں ہوں۔ اندر گاڑیاں پارک کرنے کے لیے کشادہ جگہ تھی۔ اس سے آگے ایک دیوار نے سب کچھ چھپایا ہوا تھا۔ دیوار کے وسطی دروازے سے ایک سفید فام نے باہر آ کر میرا استقبال کیا۔ وہ دروازہ ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ کمرے کی بقیہ دو دیواروں میں بند دروازے موجود تھے۔ تیسری دیوار شیشے کی تھی لیکن اس کی دوسری جانب اندھیرے کا راج تھا۔ میرے وہاں پہنچنے کے چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں راس المیڈا کی آواز آئی۔ خفیہ مائیکروفون کے ذریعے میری آواز اس تک پہنچتی رہی۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ مجھے قبرص کے لیے ماربل کی شطرنجوں کی ایک کھیپ تیار کر کے اس مکان میں پہنچانی ہے جہاں اس کا ایک آدمی پہلے سے رہ رہا تھا۔ میں چیف یا راس المیڈا سے ہمیشہ خائف رہا ہوں لیکن اس وقت مجھے اپنا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ شطرنجوں کی کھیپ میں کوئی بڑی گڑبڑ کی جائے گی۔ اگر وہ گڑبڑ پکڑی جاتی تو میری سیاسی زندگی تباہ ہو سکتی تھی۔"

جب کئی ثانیوں کی خاموشی کے بعد بھی اس نے بولنا شروع نہیں کیا تو مجھے احساس ہوا کہ اس مدافعانہ موڑ پر اس نے اپنی بات پوری کر لی تھی۔ میں نے پوچھا "تمہاری بات ادھوری ہے۔ تم نے اپنے اندیشے کے بارے میں راس المیڈا سے کوئی نہ کوئی سوال ضرور کیا ہو گا۔"

"اس نے میرے اندیشے کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دی" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "اسے پورا یقین تھا کہ پاکستان میں کوئی بھی اس کھیپ کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ منزل کے بارے میں اس نے استہزائیہ لہجے میں بتایا تھا کہ اس کھیپ کی سرے سے کوئی منزل ہی نہیں تھی۔ چارٹر جہاز کو پرواز کے چند منٹ بعد ایک مقررہ نشانے پر گر کر تباہ ہو جانا تھا۔ ہر ثبوت جہاز اور نشانے کے جلے ہوئے ملبے کی راکھ میں نیست و نابود ہو کر رہ جاتا۔"

راس المیڈا کے کے نائین نامی مشن کے بارے میں ہم سب نے بہت زیادہ دماغ سوزی کر کے واقعات کی کڑیاں یک جا کی تھیں اور پھر اپنی دانست میں اس مشن کو پرواز سے پہلے ہی برباد کر دیا تھا لیکن ہمیں کہیں سے اس بات کی کوئی شہادت نہیں مل سکی تھی کہ ہم صحیح خطوط پر سوچتے رہے تھے۔ سخی مراد کے بیان سے یہ بات پہلی بار ثابت ہو رہی تھی کہ ہمارے اندیشے درست تھے۔ بارودی پیٹیاں لے جانے والا مال بردار طیارہ قبرص جانے کے بجائے اسی مقام پر کریش ہونا تھا جسے امریکنوں نے چالیس برس قبل کیے جانے والے شہری ترقیاتی منصوبے میں کے نائین کا نام دیا تھا۔

"تم نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ جہاز کہاں گرایا جانے والا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"چیف سوالات بالکل پسند نہیں کرتا۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے میرے ایک سوال کا جواب دے دیا تھا۔ میں کوئی اور سوال کرتا تو وہ برہم ہو سکتا تھا۔ وہ ہر شخص کو اپنے حکم کا غلام دیکھنا پسند کرتا ہے۔ سوچنے والے لوگ اسے بالکل پسند نہیں ہیں۔ یہ بات اس نے روزِ اول ہی مجھ پر واضح کر دی تھی۔"

"تم نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی یہی... خود اعتمادی اسے لے ڈوبی...... طیارے کے انجن چلنے سے پہلے ہی راس المیڈا کے منصوبے کا پردہ چاک کر دیا گیا اور تم یہاں پہنچا دیے گئے۔"

"وہ اپنے قول و فعل کا ذمے دار ہے' میں تو ناگہانی اس چکر میں آ گیا۔"

"تم اتنے معصوم نہیں ہو۔ وہ تم سے تمہارے جرائم کی قیمت وصول کر رہا تھا۔"

"ہیروئن کی تجارت جرم نہیں ہے۔ اسے مغرب والوں نے جرم بنایا ہوا ہے۔ میرے لیے سرحد اور افغانستان سے مال لانے والوں میں بہت سے پنج وقتہ نمازی اور روزے دار بھی ہوتے تھے۔ انہوں نے کبھی ہیروئن کو حرام اور برا نہیں کہا۔ جرم وہ ہوتا ہے جسے قانون کے ساتھ معاشرہ بھی برا سمجھے۔ تم مجھے مجرم کہہ رہے ہو لیکن میں ایک سانس میں تمہیں ان عزت داروں کے نام بتا سکتا ہوں جو اسی پیسے پر پل رہے ہیں......"

"بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں" میں نے سختی سے اسے خاموش کر دیا "ہر مجرم اپنے جرائم کے لیے خود ساختہ جواز لیے پھرتا ہے لیکن پھر بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچتا۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون کند ہو جائیں تو قدرت کا قانون حرکت میں آتا ہے۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ وہاں تم نے اور کیا دیکھا' راس المیڈا کی مزید ہدایات کیا تھیں؟"

"اس نے مجھے قبرص والی کھیپ کی اہمیت سمجھانے کے لیے بلایا تھا' اپنی بات پوری کرنے کے بعد رخصت کر دیا۔ میں نے وہاں اس کمرے کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ خود کار آہنی دروازہ کھلا

اور میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔"

"تم نے بعد میں اس عمارت کا طواف کر کے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔" اس نے کسی جھجک کے بغیر کہا "چیف کے وسائل کا اندازہ لگانے کے بعد میں ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ بریفنگ کے بعد میری نگرانی شروع کرا دی گئی تھی۔"

"اس سے پہلے وہ ایلن کے ساتھ پی ای سی ایچ ایس میں رہ رہا تھا" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "کتوں والے منصوبے کی ناکامی اور عمارت کی تباہی کے بعد وہ وہاں سے نکلا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اب بھی وہ کہیں اور رہ رہا ہوں۔ اس نے سخی مراد کو چکر دینے کے لیے اس عمارت میں بلایا ہو۔"

"تم لوگ اپنے نتائج اخذ کرنے کے لیے آزاد ہو۔" سخی مراد نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "لیکن میں نے وہاں جو کچھ دیکھا' اس کے بعد اس عمارت کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔"

"میرے ساتھی کا اعتراض وزنی ہے۔" میں نے سخی مراد سے معنی خیز لہجے میں کہا "اگر راس المیڈا وہاں نہیں رہ رہا تو ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟ اصل مسئلہ اس کے ٹھکانے کا ہے۔"

"یہ سب تمہارے مسائل ہیں۔" سخی مراد تیزی سے بولا۔ "مجھے جو کچھ معلوم تھا' میں نے بتا دیا۔ اب تین راتوں کے بعد چوتھی رات میں اپنی خواب گاہ میں گزارنے کا حق دار بن چکا ہوں۔ تم میرے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرو گے۔ میں آزاد ہونے کے بعد بھی تمہارے ساتھ بھرپور تعاون کرتا رہوں گا۔ یہ تعاون اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم راس المیڈا کو جہنم واصل نہیں کر دیتے۔"

میں نے گمبھیر مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم نے اس وقت مجھے ایک نئی پیچیدگی کا احساس دلایا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں رہا کرنے کے بعد میرا کیا بنے گا۔"

"تمہارا کیا مسئلہ ہے؟" اس نے مضطربانہ آواز میں کہا "تم تو ویسے ہی راس المیڈا کے ساتھ محاذ آرائی میں مصروف ہو۔ میرے رہا ہونے سے تم پر کیا اثر پڑے گا؟"

"تم بھول رہے ہو کہ یہ کہانی اتنی سیدھی نہیں۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر پھر بھی آپس میں گٹھ جوڑ کر کے تیسرے کو مروانے کی فکر میں ہیں۔ اس وقت کی تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ تمہیں بھاری تاوان کے لیے اغوا کیا جا چکا ہے۔ اگر راس المیڈا کو بھنک بھی مل گئی کہ تمہارے اغوا میں میرا ہاتھ تھا اور میں نے اس سے بد عہدی کرتے ہوئے اس کی رقم ہضم کر کے' کسی نئے سمجھوتے کے تحت تمہیں چھوڑ دیا ہے تو میرے لیے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ میری طرف سے چوکنا ہو جائے گا۔ میں اسے ٹھکانے نہ لگا سکا تو تم مجھے رقم دینے سے انکار کر دو گے۔ تم دونوں یک جا ہو کر میری دشواریوں میں اضافہ کر سکتے ہو۔"

"میں رہا ہوتے ہی تمہیں پوری رقم ادا کر دوں گا۔" بات بگڑنے کے خوف سے وہ ترغیب و تحریص پر اتر آیا۔ "میں فون پر اپنے کسی آدمی سے چار کروڑ کی نقد رقم بڑے نوٹوں کی صورت میں منگوا لوں گا۔ تم اپنی مرضی کے مقام اور وقت پر مجھے آزاد کر کے وہ رقم لے سکو گے۔ اس کے بعد بھی راس المیڈا نہ مارا جا سکا تو میں اس مالی نقصان کو اپنے اغوا کا تاوان سمجھ کر بھول جانے کی کوشش کروں گا۔"

"شاید ہم قبل از وقت ان تفکرات میں الجھ رہے ہیں" اول خان نے اس وقت میری بالادستی پر اثر انداز ہوئے بغیر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "تین دن بعد اصل صورتِ حال سامنے آ جائے گی۔ اس وقت تم اپنی مرضی کے مطابق نیا طریقۂ کار طے کر سکو گے۔"

"تمہارا ساتھی ٹھیک کہہ رہا ہے" سخی مراد نے اول خان کے دل میں پروان چڑھنے والے عزائم کا اندازہ کیے بغیر جلدی سے کہا۔ "مگر میں اب اس جھلستے ہوئے صحرا میں مزید وقت نہیں گزار سکتا۔ مجھے فوری طور پر کراچی کے کسی بہتر ٹھکانے پر منتقل کرنے کا بندوبست کرو۔"

"یہ مت بھولو کہ اس وقت بھی تم بہت بہتر ٹھکانے پر ہو۔" سلطان شاہ اس کے خلاف اپنے دل کے بغض و عناد پر قابو نہیں پا سکا اور زہر آلود لہجے میں بول ہی پڑا۔

"کیا مطلب؟" سخی مراد نے کسی زخمی درندے کی طرح بھڑک کر تیزی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم نے ولی داد کو مار ڈالا۔ اس کے مقابلے میں تم اس وقت بہتر جگہ پر ہو۔ اس مقابلے کا انجام مختلف ہوتا تو ولی داد کی طرح تم بھی صحرا اور شہر کی تمیز سے بے نیاز ہو چکے ہوتے۔"

اس موازنے پر سخی مراد کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ رعونت سے گردن پھیر کر بولا "ولی داد نمک حرام تھا۔ وہ بچپن سے میری کمائی پر پلتا رہا اور آج اس نے میرے خلاف تم لوگوں کے ہاتھ مضبوط کر کے میرے مان کو خاک میں ملا دیا۔ اس کا یہی حشر ہونا

تھا...... تم نہیں جانتے کہ میں برسوں سے اپنے پورے خاندان کی کفالت کر رہا ہوں۔ وہ سب' کچھ کیے بغیر عیش کر رہے ہیں۔ میرے چھوٹے تو چھوٹے' بڑے بھی میرے سامنے نظریں جھکا کر ادب سے بات کرتے ہیں' مجھے بے چون وچرا اپنا سربراہ مانتے ہیں۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ ولی داد نے پیٹھ پیچھے اپنی زبان سے زہر اگلا لیکن جب میری نگاہوں میں خون اترا تو اس کے دست وبازو میں مجھ پر وار کرنے کی سکت نہیں تھی۔ مدافعت اس کا حق تھا۔ ٹوٹے ہوئے پروں والے پرندے بھی جان بچانے کے لیے بھوکے درندوں کے دانتوں میں پھڑپھڑاتے ہیں۔ وہ مجھے مار ہی نہیں سکتا تھا۔ تم نے اس سے میرا موازنہ کر کے میری توہین کی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے بحث ختم کرنے کے لیے سنجیدگی سے اس کی بات کی تائید کی "تم اگر اپنے خاندان کے اَن داتا ہو تو ان گیدڑوں سے تمہارا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اپنا شکار کھانے والا' پس خوردہ کھانے والوں کے برابر کبھی نہیں ہوتا۔ تم یہاں آرام کرو۔ میں تمہاری کراچی منتقلی کا بندوبست کرتا ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں تم سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا کر سکوں۔"

"تم صاف اور سلجھے ہوئے ذہن کے مالک ہو۔" وہ تعریفی لہجے میں بولا "جانے سے پہلے مجھے سگریٹ کا پیکٹ دیتے جاؤ۔ اب تک تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں آگ وغیرہ لگا کر خودکشی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اپنی عقل اور زورِ بازو سے اپنا راستہ بنانا جانتا ہوں۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اپنا سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف اچھال دیا۔

اس نے حریصانہ انداز میں وہ پیکٹ فضا ہی میں لپک لیا اور عامیانہ انداز میں اسے بوسہ دے کر دوبارہ اپنی ہرزہ سرائی شروع کر دی "سیاست میری طاقت اور دولت میرا ہتھیار ہے۔ ولی داد شاید بھول گیا تھا کہ پہاڑوں سے ٹکرانے والے سنگریزے دھول بن کر بکھر جاتے ہیں۔ تم دیکھ لو کہ ہمارا آمنا سامنا دشمنوں کی طرح ہوا تھا۔ تم بہت کچھ جانتے ہو لیکن آخر کار ہمارے درمیان مفاہمت ہو ہی گئی۔ ولی داد جیسے نادان دوست آدمی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں لیکن تم جیسے دانا دشمنوں سے مصالحت کر کے آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے......"

رسی جل گئی تھی لیکن اس کے بل نہیں نکلے تھے۔ قید وعتاب میں آنے کے بعد اس کی زخم خوردہ انا لفظی سہاروں سے بلندی حاصل کرنے کی جستجو کر رہی تھی۔ وہ بولتا رہا اور ہم تینوں نے اس کے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

"اس وقت سخی مراد ذہنی خلل میں مبتلا ہو چکا ہے۔" وہاں سے اپنے دفتر کی طرف جاتے ہوئے اول خان نے سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں تبصرہ کیا۔

"ولی داد کا خون اس کے سر پر سوار ہے۔ اس نے مشتعل ہو کر جس بہیمانہ انداز میں اسے ہلاک کیا ہے' اسے آسانی سے نہیں بھلا سکے گا۔ وہ منظر خوابوں میں بھی اسے ڈراتا رہے گا۔" سلطان شاہ نے کہا "مجھے تھوڑا سا قلق ہے کہ اس وحشیانہ واردات میں ہم خاموش تماشائی بنے رہے۔"

"ولی داد دو آدمیوں کا قاتل اور موت کا سوداگر تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا "تم نے سنا نہیں کہ اس نے دبے لفظوں میں اعتراف کر ہی لیا تھا کہ اپنے بھائی جان کے ہیروئن کے کاروبار کی دیکھ بھال وہی کرتا ہے۔ یہ ہونا ہی تھا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے صف آرا کرنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ سخی مراد اپنے اصل روپ میں کس قدر بھیانک اور وحشی ثابت ہو سکتا ہے۔"

سلطان شاہ نے اول خان کے دفتر میں پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے احتجاج آمیز لہجے میں کہا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سے راس المیڈا کے ٹھکانے کے بارے میں معلومات اگلوانے کے بعد تم اسے منہ کیوں لگا رہے ہو؟ وہ ایک خونی درندہ ہے۔ اسے ختم کر دیا جانا چاہیے۔"

"میں حیران ہوں ایک ممتاز سیاستداں ہوتے ہوئے وہ اتنا شقی القلب انسان ہے" اول خان جھرجھری لے کر بولا "اس کے ظاہر اور باطن میں کیسا لرزہ خیز تضاد ہے۔ اگر اس جیسے انسان کو ہم سب کی قضا وقدر کا مالک بنا دیا جائے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟"

"سیاستدانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں لیکن خدا کا شکر ادا کرو کہ سب ایسے ہی نہیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی تم دیکھ چکے ہو کہ ہمارے سیاست داں نہ صرف مجرموں کی پشت پناہی کرتے ہیں بلکہ خود بھی دامن بچا کر جرائم کر گزرتے ہیں" میں نے تلخ لہجے میں پچھلے تجربات کا سرسری حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "وہ دور ختم ہو چکا ہے جب معززین اور شرفا سیاست کو قومی عبادت سمجھ کر اپنے اثاثے لٹا ڈالتے تھے۔ اب یہ ایک کاروبار ہے۔ ایک لگا کر جب ہر ایک سو اور ہزار کمانے کے چکر میں پڑ جائے تو سخی مراد جیسے لوگوں کو ابھر کر اوپر آنے کا موقع مل جاتا ہے۔ سب ایک دوسرے کے راز داں ہوتے ہیں لیکن پر امن بقائے باہمی کے نظریے کے تحت کوئی کسی پر انگشت نمائی نہیں کرتا۔ کوئی کسی کی دُم کچل ڈالے تو وقتی طور پر الزامات اور جوابی الزامات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر حیرت ناک طور پر ہر طرف سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ جس حمام میں سب ایک جیسے ہوں' وہاں کون کسی کو طعنہ دے کر نادم کر سکتا ہے؟"

"یہ حشر دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ ہم لوگ سب کچھ بھول بھال کر سیاست کے میدان میں کود پڑیں" سلطان شاہ جذباتی لہجے میں بولا "کم از کم ایسے لوگوں سے تو نجات مل سکے گی۔"

"مٹی پلید ہو جائے گی۔" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ہمارا تو خیر ماضی ہی داغ دار ہے' جو شریف آدمی کمر کس کے میدان میں آتا ہے' سارے سیاسی گدھ اسی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ اپنے زخموں کو چاٹتا ہوا میدان سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے...... لوگوں کا حافظہ اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ چناؤ کا وقت آتا ہے تو ولی داد اور سخی مراد جیسے لوگوں کو کندھوں پر اٹھا کر دیوانہ وار ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"یہ نظام کی خرابیاں ہیں" اول خان کی آواز افسردہ ہو گئی۔ "ان کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا خون نہ جلاؤ۔ یہ ہمارے بس سے باہر کی باتیں ہیں۔ ہمیں اسی نظام میں رہ کر برائیوں سے لڑنا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم نے سخی مراد کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ اس سرزمین پر زہریلے ناگوں کو پروان چڑھاتے رہیں گے اور ہم ساری عمر ان سے لڑتے رہنے کے بعد ایک روز خود بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے؟" میرے جواب دینے سے پہلے ہی سلطان شاہ غصے اور مایوسی کے عالم میں بول پڑا۔

"زمین پر انسانی خون کی پہلی بوند گرنے سے اب تک یہی ہوتا چلا آیا ہے اور شاید ابد تک ہوتا رہے گا" اول خان ملول سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہر دور میں چہرے بدلتے رہتے ہیں' کردار وہی ہوتے ہیں۔ لڑائی میں ایک فریق غالب آتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی دوسرا چھانے لگتا ہے......"

"یہ بحث کبھی ختم نہیں ہو سکتی" میں نے فیصلہ کن لہجے میں اول خان کی بات کاٹ کر کہا "سخی مراد کے انجام کے بارے میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ قانون کے محافظوں کی موشگافیاں ہم سن چکے ہیں۔ سخی مراد کے مقابلے میں بھی قانون بے بس رہے گا کیونکہ اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ اس نے ہمارے سامنے جو کچھ اعترافات کیے ہیں' وہ ان سے پھر سکتا ہے۔ اسے ہم کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ہوگا۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ نیک کام کب ہوگا؟" سلطان شاہ اس بارے میں بہت بے چین تھا۔

"ہم نے انگلی ہلائے بغیر ولی داد کو اس انجام تک پہنچا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ سخی مراد کے ساتھ بھی ایسی ہی کہانی دہرائی جائے۔ میں راس المیڈا کی تلاش تک اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے اسے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ وہ تھر کے کسی صحرائی کیمپ میں مقید ہے۔ وہ کل کا دن طلوع ہوتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دے گا کہ اسے کراچی کیوں نہیں پہنچایا گیا" اول خان نے کہا۔

"اگلی صبح وہ خود کو کراچی کی کسی آرام دہ خواب گاہ میں پائے گا" میں نے اطمینان سے کہا "اسے کھانے پینے کے لیے اب جو چیز بھی دی جائے' اس میں کسی خواب آور دوا کی خاصی مقدار ملا دی جائے تاکہ وہ رات ہونے سے پہلے ہوش میں نہ آ سکے......"

"اس کے لیے کس ہوٹل میں کمرا بک کرانے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے جل کے پوچھا۔

"تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے ماحول پر چھائے ہوئے جمود کو ختم کرنے کے لیے اسے چڑایا۔

"ہمیں اپنے لیے ہی مشکل سے سر چھپانے کا ٹھکانا ملا ہے' اول خان کے پاس اس ویرانے کے علاوہ صرف اپنا گھر ہے۔" سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا "اس مصیبت کو تم کہاں لے جاؤ گے؟"

میں سکون اور دلچسپی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے سنجیدگی سے کہا "تم بھول رہے ہو کہ اس وقت نادرہ کا گھر بھی ویران پڑا ہوا ہے۔ اول خان کے دو آدمیوں کی نگرانی میں سخی مراد کو اسی تہ خانے میں ڈالا جا سکتا ہے جہاں گیری ہارٹ کے ماتحت' انسپکٹر جیف ملر کو رکھا گیا تھا۔"

"اور اگر سخی مراد نے وہاں ہنگامہ آرائی شروع کر دی؟" سلطان شاہ نے کھسیائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اول خان کے آدمی تماشا نہیں دیکھیں گے۔ ناگزیر ضرورت پڑنے کی صورت میں اسے قبل از وقت ہلاک بھی کیا جا سکتا ہے۔ وہ زندہ رہا تو شاید ہم اسے ایک مہرے کی صورت میں استعمال کر سکیں۔"

بات طے ہو گئی۔ سخی مراد کے لیے نئے ٹھکانے کی تجویز سننے کے بعد سلطان شاہ مطمئن نظر آنے لگا لیکن زبان سے میری تجویز کی تائید کرنے کے بجائے وہ لاتعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

نادرہ کے گھر کا محلِ وقوع بہت آسان تھا۔ محض پتا بتا دینے پر بھی اول خان کے آدمی سخی مراد کو لے کر آسانی سے وہاں پہنچ سکتے تھے لیکن وہ گھر سلطان شاہ کا دیکھا بھالا تھا۔ اس کی رہنمائی میں وہ کام بہتر طریقے سے سرانجام دیا جا سکتا تھا۔

سخی مراد کو کسی شبہے کا موقع دیے بغیر وہاں سے نادرہ کے گھر منتقل کیا جانا تھا اس لیے اسے فوری طور پر یا زبردستی بے ہوش کرنا مناسب نہ ہوتا۔ ایس ٹی ایف والوں کو پورے صبر وتحمل سے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب سخی مراد بھوک یا پیاس سے مغلوب ہو کر خورونوش کی کسی چیز کی فرمائش کرتا۔

سلطان شاہ کو وہاں رک کر وقت گزارنا تھا لیکن میں راس المیڈا کا ایک نیا سراغ مل جانے کے بعد وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں اول خان ہی کے ساتھ اسٹیشن فور آیا تھا اور میری گاڑی اول خان کے گھر پر کھڑی ہوئی تھی۔ اسٹیشن فور سے اول خان کے گھر تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

مجھے اس بارے میں لب کشائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ اول خان نے نظروں ہی نظروں میں میری الجھن بھانپ لی اور اپنے اردلی سے ایک ڈرائیور کو بلوا کر اسے میرے حوالے کر دیا۔

میری خواہش تھی کہ وہ ڈرائیور مجھے سپرہائی وے یا زیادہ سے زیادہ سہراب گوٹھ پر چھوڑ کر لوٹ آتا اور میں وہاں سے کوئی ٹیکسی وغیرہ پکڑ کر اول خان کے گھر پہنچ جاتا لیکن اول خان ایسے معاملات میں بہت حساس اور وضع دار واقع ہوا تھا۔ اس نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کر دی کہ وہ مجھے اس کے گھر تک پہنچا کر واپس لوٹ آئے۔ ناچار مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔

میں ان دونوں کو الوداع کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا تو مجھے یہ

اطمینان تھا کہ اول خان کا دیا ہوا ایڈریس میرے پاس موجود تھا اور میں ضرورت پڑنے پر شہر کے کسی بھی حصے سے اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔ مجھے لے جانے والا ڈرائیور بہت کم گو اور ڈسپلن کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی خاموشی کی وجہ سے مجھے راستے میں سوچنے کا موقع مل گیا اور میں اپنے ذہن میں بہت سے نقشے بناتا اور بگاڑتا ہوا اول خان کے گھر کے قریب جا پہنچا جہاں میری گاڑی موجود تھی۔

اپنی گاڑی کو کشمیر روڈ کے راستے پر لاتے ہوئے میں راس المیڈا کی متوقع کمین گاہ کا ایک چکر لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دن کے اجالے میں قرب وجوار کا گہرا جائزہ لینے کے بعد میں کارروائی کے وقت اور طریقۂ کار کا بہتر تعین کر سکتا تھا۔

اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا، میں ڈیفنس کے اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں سے ایک سڑک سمندر کے تفریحی ساحل کی طرف اور دوسری ویران ساحل کی طرف جاتی تھی۔ میں نے سعودی قونصل خانے والے چوراہے سے اپنی کار دوسری سڑک پر ڈال دی۔

ساحلی ویرانے کی طرف جانے والی وہ دو رویہ سڑک خاصی کشادہ تھی اور اس وقت اس راستے پر برائے نام ٹریفک چل رہا تھا۔ میں چاہتا تو تیز رفتاری سے درمیانی فاصلہ طے کر مطلوبہ مقام تک پہنچ سکتا تھا لیکن میں رفتار میں غیر معمولی کمی بیشی کر کے غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ سیاہ آہنی شٹرز کی اونچی فصیل مجھے دور ہی سے نظر آنے لگی۔ اس عمارت کی پہلی جھلک نظر آتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس عمارت سے راس المیڈا کا تعلق ظاہر ہونے کے بعد میرے ذہن میں عجیب عجیب وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

میں چوکنے انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اچانک عقب نما آئینے میں ایک تیز رفتار سیاہ کار کا عکس نظر آیا۔ وہ کار اتنی تیز رفتار سے چلی آ رہی تھی جیسے اسے چلانے والا اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روندتے چلے جانے کا عزم لے کر شہر کی سڑکوں پر نکلا ہو۔

اس کار کی وجہ سے چند ثانیوں کے لیے میری توجہ بٹ گئی۔ میں نے داہنی طرف کافی جگہ چھوڑی ہوئی تھی جو آنے والی کار کے گزرنے کے لیے بہت کافی تھی لیکن اس کار کے ڈرائیور نے مسلسل ہارن بجانے کے ساتھ ہی ہیڈ لیمپس جلانے بجھانے شروع کر دیے۔

وہ واضح طور پر اس کی شرارت تھی۔ میں نے اپنی گاڑی مزید ہٹالی۔ وہ گاڑی میرے برابر سے گزری تو میں نے اگلی نشستوں پر دو نو عمر چہرے دیکھے اور پھر میرے بدن میں خوف کی لہر سرایت کر گئی۔ پسنجر سیٹ والے لڑکے نے میرا نشانہ لے کر کچھ پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ میں بے اختیار اسٹیئرنگ کی طرف جھک گیا۔ چلتی گاڑی میں میرے لیے اس سے زیادہ مدافعت کی گنجائش نہیں تھی۔

اچانک کوئی ٹھوس چیز میری گردن سے ٹکرائی اور پھٹ گئی، فضا ان دونوں لڑکوں کے قہقہوں سے گونج اٹھی اور وہ کار خطرناک رفتار سے آگے نکلتی چلی گئی۔

میں نے گردن پر نمی محسوس کر کے ہاتھ لگایا تو چپچپاہٹ کا احساس ہوا پھر کالر میں پھنسا ہوا انڈے کا چھلکا میرے ہاتھ میں آگیا اور میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کے رہ گیا۔

شاید وہ دونوں شرارتی لڑکے اپنے بڑوں کی بے خبری میں بے رحمی سے گاڑی دوڑاتے اور دوسروں کو کچے انڈوں کا نشانہ بنا کر لطف اندوز ہوتے پھر رہے تھے۔ میں شہر کے آسودہ حال گھرانوں کے نوخیز بچوں کی نت نئی اور مردم آزاد تفریحات کے بارے میں آئے دن اخبارات وغیرہ میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا، اس لیے میں نے اپنے اس ناخوشگوار تجربے کو شہر کے اس علاقے کا ایک معمول سمجھ کر فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا۔

اس وقت تک میری گاڑی مطلوبہ عمارت کے سامنے پہنچ چکی تھی۔ ادھر نگاہ پڑتے ہی یہ دیکھ کر میرے ذہن کو جھٹکا لگا کہ اس عمارت کا ایک سیاہ شٹر تقریباً نصف بلندی تک زمین سے اٹھا ہوا تھا اور اس کے نیچے پیدا ہونے والی مستطیل سرنگ میں سے ایک دیو ہیکل ٹرک نمودار ہو رہا تھا جس کے عقب میں کنٹینر بردار ٹریلر بھی نظر آ رہا تھا۔ اس غیر متوقع منظر کو دیکھ کر میں چند ثانیوں کے لیے بوکھلا گیا۔

اس وقت عمارت کا ایک شٹر کھلا ہوا تھا۔ ٹرک کی ونڈ شیلڈ کے پیچھے دو انسانی چہرے بہت حقیر نظر آ رہے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس تاریک سرنگ میں مزید کتنی نگراں آنکھیں موجود تھیں۔ میں اس عمل کا جائزہ لینے کے لیے وہاں رکتا تو اپنے نادیدہ دشمنوں کی نگاہ میں آسکتا تھا اور انہیں شکار کرنے سے پہلے خود ہی شکار ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنی رفتار میں کمی کیے بغیر، سخی مراد کی بتائی ہوئی ترتیب کو ذہن میں تازہ کیا اور یہ تعین کر لیا کہ وہ ٹرک اور ٹریلر دوسرے گیٹ میں سے باہر نکل رہا تھا۔

آگے جا کر میں نے قدرے خطرہ مول لیا اور گاڑی کی رفتار کم کر کے عقب نما آئینے کو اس طرح ترچھا کر دیا کہ وہ ٹریلر مجھے نظر آتا رہے۔ ٹریلر اور اس پر لدے ہوئے کنٹینر کو کھینچنے والا اونچا ٹرک سڑک کے تقریباً وسط تک آچکا تھا لیکن ٹریلر کا کنٹینر کا آخری سرا غائب تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ چالیس فٹ لمبا کنٹینر تھا جو اس پُراسرار اور مشتبہ عمارت سے کسی نامعلوم منزل کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔

کنٹینر کی بغلی دیوار پر اے پی ایل کے بڑے بڑے انگریزی حروف اور تقریباً چوکور پروں والے عقاب کی تصویر بھی مجھے عقب نما آئینے میں نظر آنے لگی تھی۔ وہ امریکن پریذیڈنٹ لائن کا آہنی کنٹینر تھا جو اس ٹریلر پر لدا ہوا تھا۔

مجھے بے اختیار افغان کوچی کیمپ میں اپنی قید کے وہ ایام یاد آگئے جب مجھے ایسے ہی ایک آہنی کنٹینر میں قید رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا لیکن وہ خیال میرے ذہن سے فوراً ہی محو ہو گیا۔ جو کچھ گزر چکا تھا، وہ ایک بھولا ہوا خواب تھا لیکن میں اس وقت جو کچھ دیکھ رہا تھا، وہ بہت سنسنی خیز اور ناقابلِ یقین تھا۔

سخی مراد نے اس عمارت کے چوتھے گیٹ کے اندرونی حصے کی جو کہانی سنائی تھی، وہ بہت مختلف تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ شٹر کے پیچھے صرف گاڑی پارک کرنے کی جگہ تھی۔ اس سے آگے ایک مضبوط دیوار نے راستہ مسدود کیا ہوا تھا جب کہ میں دوسرے گیٹ سے چالیس فٹ لمبے کنٹینر سمیت ایک ٹرک کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس عمارت کی بیرونی ساخت کی طرح اندرونی بناوٹ بھی بہت پُرپیچ تھی۔ ہر گیٹ کے پیچھے تعمیراتی سہولتوں کا ایک بالکل مختلف سلسلہ پھیلا ہوا تھا یا پھر سخی مراد کو نظر آنے والی کنکریٹ کی مضبوط دیوار محض ایک فریب تھی۔ اسے ضرورت کے مطابق آگے یا پیچھے سرکایا جا سکتا تھا۔

بیس فٹ اونچی اور کم وبیش اسی قدر چوڑی ایک دیوار اور اس سے ملحقہ کمروں وغیرہ کے بارے میں میرا آخری قیاس خود میری نظروں میں مضحکہ خیز تھا لیکن میرے حریفوں کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں تھی۔ جو کچھ نظر آ رہا تھا، وہ خود بھی کم حیران کن نہیں تھا۔

پتا نہیں راس المیڈا نے اس عمارت میں کون سا شیطانی کارخانہ لگایا ہوا تھا جس کی کوکھ میں ٹرانسپورٹ کی اتنی بڑی بڑی گاڑیاں سما سکتی تھیں؟ وہ کنٹینر وہاں سے کیا لے جا رہا تھا؟ اس کی منزل کہاں تھی؟

میرے ذہن میں خیالات اور اندیشوں کی آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر اپنی گردن صاف کی، انڈے کے چھلکے کے باقی ماندہ ٹکڑے کالر سے الگ کیے اور گاڑی واپس گھمالی۔

پورا ٹریلر باہر آجانے کے بعد ٹرک شہر کی طرف جانے والے راستے پر مڑ رہا تھا۔

ٹریلر بڑے محیط میں گھوم کر سڑک پر سیدھا ہوا تو اس کے رفتار پکڑتے ہی میں نے بھی سست روی سے اپنی کار اس کے تعاقب میں ڈال دی۔

وہ عمارت جیسی بھی اور جہاں بھی تھی، وہیں رہنی تھی۔ اسے کسی طلسماتی شعبدے کے بغیر وہاں سے ہلایا نہیں جا سکتا تھا لیکن وہ ٹرک اور ٹریلر ایک بار غائب ہو جاتے تو ان کا سراغ لگانا ناممکن ہو جاتا۔ اس خیال سے میں نے اس وقت عمارت کا جائزہ لینے کے بجائے کنٹینر بردار ٹریلر کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میرے لیے اس کارگو ٹرک کا تجربہ زیادہ پرانا نہیں تھا جو ماربل کے سامان کے ساتھ بارودی کریٹ ائرپورٹ لے گیا تھا۔ میں کے نائین مشن سے اس کارگو ٹرک کے گہرے تعلق کی بنا پر ٹریلر کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں راس المیڈا نے کراچی میں کیا چکر چلایا ہوا تھا کہ اس کی ہر بڑی سرگرمی میں بھاری ٹرانسپورٹ کی کارکردگی ضرورت سے زیادہ نمایاں تھی۔

میں اس عمارت کے سامنے سے گزرا تو اس کے چاروں در اس طرح بند تھے جیسے انہیں برسوں سے نہ کھولا گیا ہو۔ عمارت کے آس پاس کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ کسی بھی چیز سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ چند منٹ قبل ایک ٹرک اور ٹریلر، کنٹینر لے کر وہاں سے نکلا تھا۔

اس وقت مجھے ان نو عمر رئیس زادوں پر سخت غصہ آیا جو سیاہ کار میں خرمستیاں کرتے پھر رہے تھے۔ اگر انہوں نے اہم موقع پر میری توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرائی ہوتی تو میں اس عمارت کا زیادہ گہرا مشاہدہ کر سکتا تھا لیکن ان کی مداخلت سے وہ موقع ضائع ہو گیا تھا۔

گزری روڈ پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ اس گاڑی کی عقبی نمبر پلیٹ خشک کیچڑ اور مٹی میں اس بری طرح لتھڑی ہوئی تھی کہ اس کا نمبر نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ میں چند گاڑیوں کے فاصلے سے اس ٹریلر کے پیچھے لگا رہا۔

ٹریلر کی اٹھی ہوئی کمانیوں، ٹرک کی رفتار اور اس پر لدے ہوئے کنٹینر کے شور سے مجھے جلد ہی احساس ہو گیا کہ کنٹینر خالی تھا۔ کے نائین مشن کی تکمیل کے لیے ایک کارگو ٹرک بارودی کریٹ ائرپورٹ لے گیا تھا اور اس مرتبہ چالیس فٹ کے کنٹینر میں کچھ ساز وسامان راس المیڈا کے ٹھکانے پر پہنچایا گیا تھا۔

اس زمانے میں کلفٹن کے علاقے کو بندرگاہ سے ملانے والا مائی کلاچی بائی پاس تعمیر نہیں ہوا تھا۔ وہ ٹرک کلفٹن کا پُل عبور کر کے ہوشنگ روڈ، ڈاکٹر ضیاء الدین روڈ اور پھر پی آئی ڈی سی ہاؤس والے پل سے گزر کر مولوی تمیز الدین خان روڈ پر مڑا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔

کیماڑی کے نئے پل کو عبور کرنے کے بعد بھی میں اسی خوش فہمی میں مبتلا رہا پھر اچانک ہی وہ ٹرک ٹمبر پونڈ کی طرف مڑ گیا جہاں بدبو دار پانی کی وسیع کھاڑیوں کے کنارے کئی شپنگ کمپنیوں کے سیکڑوں کنٹینرز ہر وقت جمع رہتے ہیں۔

میں نے پورے راستے یہ احتیاط رکھی تھی کہ ڈرائیور یا کلینر کو اپنے تعاقب کا شبہ نہ ہونے پائے۔ اسی احتیاط کی وجہ سے میں ٹمبر پونڈ والے راستے پر نہ مڑ سکا۔ اس وقت وہاں کوئی ٹریفک نہیں تھا۔

میں نے اگلے موڑ سے گاڑی واپس گھمائی اور گہری سوچوں میں غلطاں دوبارہ اسی قلعے کی طرف روانہ ہو گیا جس کی فصیلوں کے پیچھے راس المیڈا روپوش تھا۔

معاً مجھے اول خان کا دیا ہوا ایڈریس یاد آیا اور میں نے فوراً ہی اس پر اول خان سے رابطہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ دوسری کال پر اول خان لائن پر آگیا۔

"تمہارا دوست بے ہوش ہو چکا ہے۔ اب اسے کراچی منتقل

کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔" میری آواز پہچان کر اول خان نے خوش دلانہ آواز میں مجھے مطلع کیا۔

"اور میں کیماڑی بلکہ بندرگاہ کے علاقے میں بھٹک رہا ہوں۔" اس کی آواز معدوم ہونے پر میں نے اس کی طرف سے لائن اوور ہونے کا انتظار کیے بغیر کہا۔

"تم ڈیفنس سے وہاں کیسے پہنچ گئے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ستارے جہاں لے جائیں' جانا پڑتا ہے۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔"

"راس المیڈا بھی خود کو ڈیوڈ اسٹار کہتا ہے۔ اگر تم اسی داؤدی ستارے کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے ہو تو تمہاری کارکردگی قابلِ رشک ہے۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہوگا' عذاب میں ہوگا۔ میں لوہے کے ایک صندوق کے پیچھے یہاں پہنچا ہوں۔"

اس کے استفسار پر میں نے اپنی پوری کہانی اسے سنا ڈالی۔

"تم ذرا سا خطرہ مول لے کر ٹریلر کی منزل دیکھ لیتے تو بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ کنٹینروں اور ٹریلروں کے اس جنگل میں نمبر وغیرہ کے بغیر کچھ معلوم کرنا بہت دشوار ہے" میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔

"پھر میں ادھر کا ایک چکر لگا ہی لیتا ہوں۔ وہ ٹریلر وہیں موجود ہوگا۔"

"کوشش کرلو۔" اول خان کی آواز سے ناامیدی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "وہاں ہر وقت لفٹر اور کرینیں متحرک رہتی ہیں۔ چند منٹ میں ٹنوں وزنی کنٹینر اتر کر اونچی قطاروں میں گم ہو جاتے ہیں۔"

"بہرحال میں کوشش کیے لیتا ہوں۔ اوور اینڈ آل!" میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے ایک لمبا چکر کاٹ کر گاڑی دوبارہ ٹمبر پونڈ کی طرف موڑ دی۔

ٹریلر کے ٹرک ڈرائیور نے اپنی کسی مصلحت یا ضرورت کی بنا پر جس بغلی سڑک پر موڑ لیا تھا' میں نے اپنی کار اس سے پہلے والی سڑک پر موڑ لی۔ اس بار میں ٹریلر کے پیچھے کے بجائے ٹرک کے سامنے سے اسے دیکھنا چاہتا تھا تاکہ ٹرک کا نمبر اور وہ نہ سہی تو کم از کم کنٹینر ہی کا نمبر وغیرہ دیکھ سکوں۔

مجھے معلوم تھا کہ عالمی جہاز رانی اور مال برداری میں استعمال کیے جانے والے کنٹینروں کے بھی اسی طرح نمبر ہوتے ہیں جس طرح گاڑیوں کے نمبر ہوتے ہیں اور کوئی بھی کنٹینر ہزاروں کے ڈھیر میں محض اپنے مخصوص نمبر کی بنا پر آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔

میں یہی سب کچھ سوچتا ہوا' ٹمبر پونڈ کی طرف جانے والی پتلی سی سڑک پر گاڑی چلا رہا تھا کہ اچانک ٹمبر پونڈ کے متوازی سڑک پر داہنی طرف سے اچانک نیلے رنگ کا وہی ٹرک اور ٹریلر نمودار ہوا جو میں راستے بھر دیکھتا چلا آیا تھا۔ ٹریلر پر وہی کنٹینر بدستور لدا ہوا تھا۔

اس طویل گاڑی کو جوں کا توں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ خالی کنٹینر وہاں اتارنے کے بجائے کچھ چھوڑنے آئے تھے یا پھر اپنے تعاقب کا اندازہ لگانے کے بعد کسی مقصد کے بغیر اس طرف مڑ گئے تھے۔ شاید وہ وہاں رک کر میرا انتظار کرتے رہے اور پھر میدان صاف پاکر اصل منزل کی طرف چل پڑے تھے۔

میں نے اس ٹرک اور ٹریلر کو پہچانا اور ڈرائیور نے اسی لمحے میری گاڑی کو پہچان لیا۔ ایک غضب ناک آواز کے ساتھ اس مہیب گاڑی کی رفتار یک بہ یک تیز ہوگئی۔ ٹرک نے بائیں طرف مڑنے کے بجائے' اس بار میری گاڑی کا رخ کیا تھا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ڈرائیور بے رحمی کے ساتھ مجھے کار سمیت اپنے وزنی ٹرک اور ٹریلر کے پہیوں کے نیچے روند ڈالنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گاڑی روک کر اسے پیچھے لے جانے کی کوشش کرتا۔ گاڑی رکنے سے پہلے ہی ٹرک مجھے پیس ڈالتا۔ میرے پاس نجات کی بس ایک ہی راہ تھی۔ میں نے گیئر چھیڑے بغیر ایکسلیٹر پر یک لخت پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

انجن کے ہلکے سے احتجاج کے ساتھ کار کی رفتار تیز ہوئی اور میں چشم زدن میں ٹرک کی زد سے نکلتا چلا گیا۔ عقب نما آئینے میں یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ ٹرک بھی اسی طرف گھوم رہا تھا۔ چلتے ہوئے ٹرک کے کیبن کے بائیں دروازے سے تومند کلیز کود کر نیچے آچکا تھا اور اپنے ٹرک سے آگے آگے دوڑتا ہوا میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں یک بہ یک الجھ کر رہ گیا۔ کھلے راستے پر وہ کسی بھی طرح میری کار کی گرد نہیں پاسکتے تھے لیکن ان کی حرکات سے ناقابلِ فہم اعتماد ظاہر ہو رہا تھا۔

چند ہی ثانیوں میں ہر بات روزِ روشن کی طرح میری کھوپڑی پر عیاں ہوگئی۔

میں ٹرک کی زد سے بچ کر ساحل کی طرف آنے والی جس سڑک پر بڑھتا چلا آیا تھا' وہ ایک بند گلی کی طرح تھی۔ اس کے اختتام پر ٹمبر پونڈ کا گدلا اور ناہموار ساحل تھا اور دونوں اطراف میں واقع پلاٹوں پر خالی کنٹینروں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

وہ بہت خطرناک صورتِ حال تھی۔ پیچھے ٹرک اپنے ٹریلر سمیت کسی دیو پیکر عفریت کی طرح چلا آرہا تھا' آگے وسیع سمندری کھاڑی تھی۔ جس کار نے مجھے ٹرک کے نیچے آنے سے بچایا تھا' وہ اچانک ہی اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی۔ میں نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ کلچ دبائے بغیر رفتار ختم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں پوری کار نے دو تین شدید جھٹکے لیے اور انجن دھڑ دھڑا کر بند ہوگیا۔

میں نے دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت ٹرک کے دوڑتے ہوئے کلیز نے چند مغلظات بکتے ہوئے مجھے رکنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت کیے بغیر کنٹینروں سے بھرے ہوئے ایک پلاٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔

میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری وہ جدوجہد غیر متوقع طور پر اس قدر خطرناک رخ اختیار کرلے گی۔ اس ٹرک کا ڈرائیور اور کلیز یقینی طور پر راس المیڈا یا اس کے ساتھیوں کے پکے جاں نثاروں میں شامل تھے۔ انہیں اپنے مشن کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ تھا اور وہ اپنا راستہ کاٹنے والے کو سرد مہری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے تھے۔ میرے لیے ان سے دور رہنا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

میں نے کلیز کی للکار پر دھیان نہیں دیا تو اچانک ہی فضا ایک فائر کے دھماکے سے لرز اٹھی۔ اس وقت کسی خوش فہمی کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ فائر میرے اوپر ہی کیا گیا تھا۔ کلیز نے وہ فائر دوڑتے ہوئے کیا تھا اس لیے اس کا نشانہ خطا گیا اور گولی ٹھک کی آواز کے ساتھ کسی کنٹینر کی فولادی چادر میں پیوست ہوگئی۔

اس فائر نے میرے اعصاب کے لیے ایک تازیانے کا کام کیا۔ بات آخرکار زندگی یا موت کے دوراہے پر پہنچ چکی تھی۔ ایک طرف ٹمبر پونڈ کا ہلکورے لیتا ہوا پُرسکون پانی تھا جس کی بساند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں پانی میں کودتا تو وہ چند ثانیوں میں کنارے پر پہنچ جاتے اور میرے رینج سے نکلنے سے پہلے ہی گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیتے۔ میں کوئی ماہر تیراک نہیں تھا۔ وہ پانی میں کود کر بھی مجھے بے بس کرسکتے تھے۔

ان کے آتشیں ہتھیار یا ہتھیاروں کے مقابلے میں میرے پاس بدقسمتی سے کوئی جوابی ہتھیار نہیں تھا۔ بیم گن محدود فاصلے کے لیے توقع سے زیادہ مہلک تھی لیکن اس کی رینج پستول یا ریوالور کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

میں سوچتا اور دوڑتا رہا۔ دوسرے فائر نے کئی فٹ کے فاصلے پر زمین سے دھول اڑائی تو میں کئی منزلہ کنٹینروں کی دیوار تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے دور ہی سے بھانپ لیا تھا کہ سارے کنٹینر مختلف بلاکوں کی صورت میں ذخیرہ کیے گئے تھے۔ ہر بلاک آٹھ دس کنٹینروں کی لمبائی اور چوڑائی پر مشتمل تھا اور ان اونچے اونچے بلاکوں کے درمیان کئی کئی فٹ کا فاصلہ موجود تھا۔ میں دوڑتا ہوا ایسے ہی قریب ترین خلا میں گھس گیا۔

کھلی فضا کے مقابلے میں وہ تنگ سی آہنی گلی محفوظ ہونے کے ساتھ خطرناک بھی تھی۔ کنٹینروں کی مشینی ساخت کی وجہ سے پوری بلندی تک ان گلیوں کی چوڑائی یکساں تھی لیکن ان میں اوپر سے آنے والی روشنی ناکافی تھی۔ میں ملگجے سے اجالے میں دوڑتا رہا پھر پہلا بغلی راستہ نظر آتے ہی اس میں مڑ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ دونوں ان پُرہول آہنی گلیوں میں بھی میرا تعاقب کریں گے۔ اگر میں سیدھا بھاگتا رہتا تو وہ پیچھے سے ایک ہی فائر کرکے مجھے ڈھیر کرسکتے تھے۔ مجھے اپنے پیچھے ان دونوں کی مشتعل آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن اس دوران میں میں اتنے موڑ گھوم چکا تھا کہ مجھے خود بھی سمت کا کوئی ادراک نہیں رہا تھا۔ کنٹینروں کے جنگل میں بنی ہوئی بھول بھلیاں نے وقتی طور پر مجھے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

بھاگتے بھاگتے میرا ایک پیر کچھ نرم اور لجلجے جسموں پر پڑا۔ کمزور آوازوں کے شور میں کوئی غضب ناک بلی غرائی اور میں نے اس کے پنجے کی خراش اپنی داہنی پنڈلی کی جلد پر محسوس کی۔ شاید اس بلی نے اس محفوظ گوشے میں بچے دیے ہوئے تھے اور میں نے بے خبری میں اس کے بچوں کو اپنے پیر سے کچل دیا تھا۔

میں پنڈلی کی خراشوں کی پروا کیے بغیر دائیں' بائیں اور سیدھا بھاگتا رہا۔ بھاگنے کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے میرا سانس پھولنے لگا تھا لیکن میں نے رکنے کی حماقت نہیں کی۔ مجھے اپنے دونوں حریفوں کی وحشیانہ آوازیں لوہے کے کنٹینروں میں گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنے ٹرک' ٹریلر اور کنٹینر کو بھول کر اس وقت صرف میرے پیچھے لگے ہوئے تھے اور میرے غائب ہو جانے پر پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

انہیں اپنے فرار کی سمت سے بے خبر رکھنے کے لیے میں پنجوں کے بل دوڑ رہا تھا۔ ایک موڑ کاٹنے کے بعد میں دوڑتا ہوا آہنی گلیارے کے سرے پر پہنچا تو اچانک ہی خود کو ٹمبر پونڈ کے ساحل پر پایا۔

اتنی دوڑ کے بعد آخرکار میں لوہے کے جنگل سے ایک محفوظ مقام پر نکل آیا تھا۔ داہنی طرف کافی فاصلے پر بہت سے لوگ بڑے بڑے پتھروں پر پیر ٹکائے اپنی بنسیوں میں مچھلیاں پھنسنے کا انتظار کررہے تھے۔ ان سے آگے متعدد پیشہ ور ماہی گیر چھوٹے جال ڈال کر مچھلیاں پکڑنے میں مصروف تھے۔ ساحل سے تھوڑے فاصلے پر سمندری پانی میں جا بجا خودرو سمندری جھاڑیوں اور کیچڑ کے چھوٹے چھوٹے جزیرے پھیلے ہوئے تھے۔ بعض لوگ ان جھاڑیوں تک بھی پہنچے ہوئے تھے۔ حدِ نظر تک پھیلی ہوئی اس آڑی ٹیڑھی کھاڑی میں کہیں کہیں ماہی گیروں کی کشتیاں بھی ایک جگہ ٹھہری ہوئی نظر آرہی تھیں۔

باہر کے ان مناظر پر ایک سرسری نظر ڈال کر میں اپنی نکاسی کے راستے میں دو قدم اندر سمٹ آیا۔

اگر میرے دشمن آتشیں ہتھیاروں سے لیس نہ ہوتے تو میں ان سے تصادم کا خطرہ مول لے کر اپنے فرار کی کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتا تھا لیکن ان کے تیور بہت خراب تھے۔ وہ دیکھتے ہی مجھے گولی مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ آسانی سے میری واپسی کا راستہ دیتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے۔ ان حالات میں میرے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے کہ ان ہی کنٹینروں کے درمیان چھپ کر

اندھیرا پھیلنے کا صبر آزما انتظار کروں اور اندھیرا پھیلنے پر چوری چھپے وہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔ متبادل صورت ایک ہی تھی کہ کار تک رسائی کا خیال ذہن سے نکال کر میں ٹمبر پونڈ کے گندے اور عفونت زدہ پانی میں چھلانگ لگا دوں اور تیر کر کسی محفوظ کنارے تک پہنچنے کی کوشش کروں۔

آبی راستہ اختیار کرنے میں کئی قباحتیں تھیں۔ پانی سے بیم گن کو کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن اول خان کا ایرٹیس بھیگ کر قطعی ناکارہ ہوجاتا اور میں رابطے کی اس واحد سہولت سے بھی محروم ہوجاتا۔

دوسری دشواری یہ تھی کہ پورے لباس اور جوتوں کے ساتھ سمندر میں تیراکی آسان نہیں تھی۔ یہ حرکت مجھے ہر تماشائی کی توجہ کا مرکز بنا سکتی تھی۔ میں لباس کو خیرباد کہہ کر زیر جاموں میں وہ مہم سر کر سکتا تو خطرے سے نکلنے کے بعد اس ہیئت کذائی میں گھر تک پہنچنا محال تھا۔

میں نے اپنے دشمنوں کی آوازوں پر کان جمائے تو اندازہ ہوا کہ وہ بھٹک کر کافی دور نکل چکے ہیں اور میں ان کی آوازوں کی بازگشت سن رہا تھا۔

میں کنٹینروں کے درمیان چھوڑی ہوئی تنگ گلیوں سے فائدہ اٹھانے کے گُر سے واقف ہوچکا تھا۔ مجھے یہ اندازہ بھی ہوچکا تھا کہ جہاں بھی کنٹینرز موجود تھے وہاں ایسی گلیاں قدم قدم پر مل سکتی تھیں۔

میں چند ثانیوں تک گاؤں سے شہر آئے ہوئے کسی دہقانی کی طرح سر اٹھا اٹھا کر دائیں بائیں دیکھتا رہا۔ دراصل میں اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میری کار کس طرف ہوسکتی تھی۔ آخر میں نے ساحل کے متوازی مگر کنٹینروں کے سائے میں بائیں طرف چلنا شروع کیا۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ میں نے اپنی کار کو خیرباد کہنے کے بعد داہنی طرف دوڑ لگائی تھی اس لئے میں بائیں طرف چل کر ہی اس مقام تک پہنچ سکتا تھا۔

واپسی میں مجھے اندازہ ہوا کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے دوڑتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا۔ واپسی میں ان دونوں کی آوازیں بھی رفتہ رفتہ معدوم ہوگئیں۔ میں نے سوچا کہ کار تک پہنچنے کے بعد میں قریبی کنٹینروں کے درمیان چھپ کر ان دونوں کی واپسی کا انتظار کروں گا اور موقع ملا تو اس دوران میں ایرٹیس پر اول خان سے رابطہ کرکے اسے بتادوں گا کہ اس کا مشورہ مجھے کتنا مہنگا پڑا تھا۔

ایک سرے پر پہنچنے کے بعد آخر کار مجھے اپنی گاڑی نظر آگئی۔ وہ سڑک کے تقریباً وسط میں اسی طرح کھڑی ہوئی تھی جس طرح میں نے اسے چھوڑا تھا۔ فرق صرف یہ پڑا تھا کہ ٹرک ڈرائیور نے اپنی فطری خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹرک کے اگلے حصے سے ضرب لگا کر میری کار کا پچھلا حصہ پچکا دیا تھا۔

ان دونوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا مگر میں نے کار کے قریب جانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے دور ہی سے یہ رائے قائم کی تھی کہ باڈی کو نقصان پہنچنے کے باوجود شاید میری گاڑی چلنے کے قابل تھی۔

گاڑی اور ٹرک وغیرہ پر نظر رکھنے کے لئے کنٹینروں کا عقبی ساحلی حصہ بالکل نامناسب تھا۔ اس طرف کمین گاہ سے باہر آنے کا خطرہ مول لیے بغیر کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میرے چھپنے کے لیے وہی رخ بہترین تھا' جدھر سے میں ان دونوں کو جُل دے کر فرار ہوا تھا۔

میں نے پوری احتیاط سے قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ بیم گن ہاتھ میں سنبھالی اور میدان صاف دیکھتے ہی پنجوں کے بل اپنے مطلوبہ رخ پر دوڑنا شروع کردیا۔ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ پہلا خلا نظر آتے ہی میں وہاں گھس جاؤں گا اور پھر اطمینان سے اپنے دشمنوں کی واپسی کا انتظار شروع کردوں گا۔

مجھے اپنی راہ میں کسی رکاوٹ کے حائل ہونے کا ذرا بھی اندیشہ نہیں تھا اس لئے میں تقریباً دوڑتا ہوا ہی پہلی تنگ گلی میں داخل ہوا اور بری طرح کسی سے الجھ گیا۔ اگر دونوں طرف چُنے ہوئے کنٹینرز بہت قریب نہ ہوتے تو شاید میں بری طرح منہ کے بل گرا ہوتا لیکن میں نے بروقت کنٹینروں کی عمودی نالیوں میں ہتھیلیاں پھنسا کر خود کو سنبھال لیا۔ اس بار میرے پیروں میں آنے والے بلی کے بچے نہیں بلکہ دو مضبوط انسان تھے۔

ان میں سے ایک بیٹھا ہوا تھا۔ میری غیرارادی ٹھوکریں اور گھٹنوں کی ضربات سے وہ بری طرح بلبلایا تھا۔ میرا دھڑ اُس کے ساتھی کے بدن اور چہرے سے ٹکرایا تھا۔ وہ دونوں ہی گندی گندی گالیاں بک رہے تھے۔

میرے لئے وہ آوازیں اجنبی نہیں رہی تھیں۔ یہ مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ میں نے جو حکمتِ عملی سوچی تھی' وہ دونوں پہلے سے اس پر عمل کئے بیٹھے تھے اور مقدر کی گردش نے ہم تینوں کو اس تنگ جگہ میں یکجا کردیا تھا۔

میرے ناگہانی بوجھ اور تصادم سے وہ دونوں بری طرح بوکھلائے ہوئے تھے۔ میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پہل کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔

کھڑا ہوا حریف جو میری جھونک کی وجہ سے غراتا ہوا پیچھے لڑکھڑاتا چلا گیا تھا' سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے ملگجے سے اجالے میں بیم گن کی پوزیشن سیدھی کرکے فائر کردیا۔ میری ٹانگوں میں موجود حریف کسی جونک کی طرح میری پنڈلیاں دبوچ چکا تھا لیکن میں نے اپنے جسم کی ساری قوت مجتمع کرکے اپنا نشانہ نہیں بھٹکنے دیا۔ لحہ بھر کے لئے بیم گن کے نوزل سے موت کی نیلگوں شعاعوں کی ایک پتلی سی دھار خارج ہوئی اور میرے حریف کی پیشانی کے وسط میں سوراخ کرتی ہوئی معدوم ہوگئی۔

فولاد کو جلا دینے والی اس ہولناک شعاع نے یقیناً اس کے کاسہ سر اور مغز میں ایک آرپار سرنگ تخلیق کردی تھی۔ وہ کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کرسکا۔ جس حالت میں تھا' اسی حالت میں کسی بے جان شہتیر کی طرح پیچھے گرتا چلا گیا۔

"اوئے فرزند!" نیچے والا وحشیانہ آواز میں غرایا "سالے کی گردن دبوچ لے۔ میں نے اس حرامی کی پنڈلیاں جکڑلی ہیں۔ ہم اسے یہیں کاٹ کے رکھ دیں گے۔ اس کی ......" اس کی زبان سے گالیاں ابل پڑیں۔

فرزند شاید اس کے ساتھی کا نام تھا۔ اس کے فعّال ہونے سے پہلے ہی موت اسے اپنی فرزندی میں لے چکی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں دوسرے کو بھی فوراً ہی ٹھکانے لگا دیتا لیکن وہ کسی سانڈ کی طرح طاقتور تھا۔ اس نے میری دونوں پنڈلیاں جوڑ کر میرے پیر زمین سے اکھاڑ دیے تھے اور میں اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے کنٹینروں کا سہارا لینے پر مجبور ہوگیا تھا۔

اس وقت مجھے لحہ بھر کی بھی مہلت ملتی تو بیم گن کا نوزل اوپر سے اس کی کھوپڑی پر جما کر پلک جھپکنے میں اس کا کام تمام کیا جاسکتا تھا۔ میں پوری طاقت صرف کرکے اپنی پنڈلیاں اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس نے کسی طاقتور ناگ کی طرح اپنے بازوؤں کو بل دے کر میری پنڈلیوں کو اپنے پیٹ اور سینے سے لگالیا تھا۔

یک بہ یک مجھے احساس ہوا کہ اس کے بازو میرے گھٹنوں کے پیچھے لپٹے ہوئے تھے اور میں اپنے پیروں کو کسی حد تک آگے پیچھے ہلا سکتا تھا۔ میں نے بلا تردّد اس کے زیر ناف حصے میں ہلکی سے داہنی ٹھوکر لگائی۔ اس گرفت میں رہتے ہوئے میں اس سے زیادہ کاری وار کرہی نہیں سکتا تھا۔

میری ٹھوکر ٹھیک نشانے پر لگی۔ اس کے حلق سے اوغ کی بے ساختہ آواز برآمد ہوئی۔ لحہ بھر کے لئے اس کی گرفت کمزور ہوئی اور میں نے اچھل کر اپنی دونوں پنڈلیاں اس کے بازوؤں کے حلقے سے آزاد کرالیں مگر اس کوشش میں بدقسمتی سے بیم گن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

میں چند قدم پیچھے لڑکھڑانے کے بعد سنبھلا تو میرا حریف بہت تیزی سے اپنے قدموں پر اٹھ چکا تھا۔ فرزند کی مسلسل خاموشی سے اس نے خطرے کا ادراک کرلیا تھا۔ دوسری طرف میری فکرمندی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ کسی آتشیں ہتھیار سے لیس تھا اور میں بیم گن گرانے کے بعد بالکل نہتا رہ گیا تھا۔ بیم گن مجھے نظر آرہی تھی لیکن اسے اٹھانے کا موقع نہیں تھا۔

مجھے اپنے حریف کی آنکھوں میں سراسیمگی نظر آنے لگی تھی۔ شاید وہ مڑ کر بھاگ نکلنے کے چکر میں تھا۔ وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا تو چند قدم دور جانے کے بعد پلٹ کر مجھے آسانی سے گولی مار سکتا تھا۔

ہم دونوں خالی ہاتھ ایک دوسرے کو کینہ توز نظروں سے گھورتے رہے۔ ہمارے درمیان کئی قدم کا فاصلہ تھا۔ میرے پیچھے سڑک پر نکاسی کا راستہ تھا اور میرے حریف کے عقب میں فرزند کا بے جان جسم سدِ راہ تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ فرزند ہمیشہ کے لئے اس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔

اس نے اچانک پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ میں اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی فرزند کے پہلو میں الجھ کر اس پر ڈھیر ہوگیا۔ پیچھے سے میں اس پر ٹوٹ پڑا۔

تنگ جگہ میں ہونے والی وہ لڑائی بہت خون آشام ثابت ہوئی۔ کئی سیکنڈ تک ہم فرزند کے بے جان جسم پر لڑتے رہے اور پھر یکایک مجھے موقع مل گیا۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اس کا سر قریبی کنٹینر کی آہنی دیوار سے دے مارا۔ ایک آہنی جھنکار کے ساتھ اس کی غراہٹ ابھری۔ اس کے بعد میں نے اس کے چہرے اور کنپٹیوں پر تابڑتوڑ مکّوں کی بوچھاڑ کردی۔

وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سخت جان ثابت ہوا۔ میرے اعصاب پر تھکن طاری ہونے لگی تھی لیکن وہ مسلسل مزاحمت کئے جارہا تھا۔ میرے آخری تین مکے کاری ثابت ہوئے اور اس کے ہاتھ' پیر بالکل ڈھیلے پڑ گئے۔ میں اس کی جیب سے بھرا ہوا ریوالور نکال کر الگ ہوگیا۔

مجھے حیرت تھی کہ ٹرانسپورٹ اور جہازراں کمپنیوں وغیرہ کے کاروبار کا مرکز ہونے کے باوجود وہاں کام کرنے والوں میں ذرا ذرا سی بات پر اپنا کام چھوڑ کر تماش بنی کی عادت نہیں تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہاں دو گولیاں چلی تھیں لیکن اس وقت وہاں فائرنگ کا کوئی ردِ عمل نظر نہیں آرہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کھلی فضا میں گولیاں چلنے کی وجہ سے کسی نے ان پھیلتی ہوئی آوازوں کو اہمیت نہیں دی ہو اور جنہیں اس بارے میں تجسّس رہا ہو وہ قرب وجوار میں کسی ہنگامے کے آثار نہ پاکر مطمئن ہوگئے ہوں۔

غیرمتوقع طور پر اس تصادم کا نتیجہ میرے حق میں رہا تھا۔ میں نے تیزی سے فرزند کے ساتھی کے بارے میں سوچا۔ وہ دونوں راس المیڈا کے خونی کارندے تھے۔ اگر دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تو ہوش میں آنے کے بعد اپنے آقاؤں کو تفصیلی واقعات سے آگاہ کردیتا اور راس المیڈا ہوشیار ہوکر ٹھکانا بھی بدل سکتا تھا۔ دوسرے کے مارے جانے کے بعد ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

دو لاشیں اور لاوارث ٹرک اور ٹریلر کی دریافت کے بعد بھی کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ ان معاملات کا راس المیڈا سے تعلق رہا ہوگا۔ کنٹینر کی گمشدگی کے حوالے سے اگر کوئی کڑی مل جاتی تو وہ دیگر بات ہوتی اور اس میں دو تین دن کا وقت لگ سکتا تھا۔

میں نے زمین پر سے بیم گن اٹھائی اور خاموشی سے دوسرے شکار کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وہ دونوں مقامی تھے اور میں مقامی مجرموں کے بارے میں اپنے

دل میں ہمیشہ ایک نرم گوشہ محسوس کرتا تھا۔ اپنے لڑکپن اور نوجوانی کے تلخ تجربات کی بنا پر میں جانتا تھا کہ ہمارے معاشرے کی اندوہناک ناہمواریاں اور طبقاتی ظلم بھی بہتیرے شریف النفس اور نرم خو نوجوانوں کو زبردستی جرائم کی اندھی دلدلوں میں دھکیل دیتا ہے لیکن ان دونوں کے معاملے میں بات صرف اتنی نہیں تھی۔ وہ دونوں مجرم ہی نہیں بلکہ غیر ملکی دشمنوں اور سازشیوں کے اندھے ہمدرد اور وفادار تھے۔ جرم و گناہ کے راستے پر چل کر اپنی روزی کماتے ہوئے انہوں نے یہ تمیز بھی کھو دی تھی کہ جرم اور غداری میں کیا فرق ہوتا ہے۔

ٹرک‘ ٹریلر اور کنٹینر کے خوں خوار محافظ اجل کی آغوش میں جاسوئے تھے۔ میں نے باہر نکل کر اچھی طرح ہر چیز کے نمبر اور نشانات دیکھے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کنٹینر کے غیر مقفل دروازے کھول کر اندر بھی ایک نگاہ ڈال لوں لیکن وہ قدرے وقت طلب معاملہ تھا۔ جو کچھ حاصل ہو چکا تھا‘ میں نے اسی پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے آہستگی سے ٹرک کے مہیب بمپر سے الگ کر لیا۔

میں ہیجان اور سنسنی کے عالم میں اس بند راستے پر پہنچا تھا لیکن وہاں سے لوٹتے ہوئے میں خود کو اندر سے بہت آسودہ اور مطمئن محسوس کر رہا تھا۔ چوراہے پر پہنچ کر میں نے کسی ارادے کے بغیر گاڑی ساحل کے متوازی‘ اس سڑک پر ڈال دی جو عمارات کے درمیان واقع تھی۔

مختلف کمپنیوں کے پلاٹوں پر میں نے کنٹینروں کو جمانے کا مختلف طریقہ دیکھا۔ بیشتر پلاٹوں پر زمینی رقبہ ملانے کے لئے سارے کنٹینر اس طرح ایک دوسرے سے ملا کر رکھے گئے تھے کہ ان کے درمیان صرف حشرات الارض ہی رینگ سکتے تھے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک ایسا وسیع کنٹینر یارڈ مل گیا تھا جہاں آہنی گلیاروں کی بھول بھلیاں بنی ہوئی تھیں۔ اسی وقت مجھے ایک لرزہ خیز خیال آیا۔ ایک دوسرے پر لدے ہوئے کنٹینروں کی کوئی بھی ٹکڑی اگر کسی فنی خرابی کی وجہ سے گر پڑتی تو قرب و جوار کے ہر انبار کا توازن درہم برہم کر دیتی۔ ایسی صورت میں آہنی گلیوں میں پھنسے ہوئے افراد کا جو حشر ہو سکتا تھا‘ اس کے تصور کے لئے کسی غیر معمولی صلاحیت کی ضرورت نہیں تھی۔

ایک طویل چکر کاٹ کر میں نے گاڑی ویران ساحل کی طرف اتار دی۔

گاڑی کا انجن بند کر کے میں کسی بے فکرے کی طرح پانی کے کنارے جا بیٹھا اور ایئر پیس پر اول خان سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اول خان نے فوراً ہی میری کال کا جواب دیا تھا۔

"کہو کیا خبر ہے؟ وہ ٹریلر ملا یا غائب ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"ایسا ملا کہ اب اس کا کوئی ولی وارث ہی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ کیا وہ ٹریلر کو کہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ہاں‘ ذرا جہنم تک ٹہلنے گئے ہیں۔ آج کافی مدت کے بعد میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوا تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ مرنے سے بال بال بچا ہوں۔ میرے بچنے کا نتیجہ ان دونوں کی موت کی صورت میں نکلا اور میں سمندر کے کنارے بیٹھا ٹھنڈی ہوا کھا رہا ہوں۔"

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ کہ کیا ہوا ہے!" اس کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔

"وہ مجھے دھوکا دینے کے لئے نمبر پونڈ کی طرف مڑے تھے ورنہ ان کی منزل کوئی اور ہی تھی۔ میری گاڑی دیکھتے ہی انہوں نے اسے ٹریلر سے کچلنے کی کوشش کی تھی۔" اس تمہید کے ساتھ میں اپنی کہانی دہراتا چلا گیا۔

وہ لاسلکی مواصلاتی رابطہ تھا جس میں ایک وقت میں صرف ایک فریق بول سکتا تھا۔ دوسرے کو وہ پیغام خاموشی سے سننا پڑتا تھا۔ دونوں بیک وقت بولنے کی کوشش کریں تو کسی پیغام کا کوئی لفظ دوسری طرف سے موصول نہیں ہوتا۔ اول خان خاموشی سے میری کہانی سن رہا تھا۔

میں نے جوں ہی لائن اسے اوور کی تو وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا "آج آگ کے بدلے پیغمبری والا قصہ ہوا ہے۔ تم اس پُراسرار عمارت کا سروے کرنے گئے تھے لیکن درمیان میں یہ کنٹینر بردار ٹریلر آ کودا۔ اب سب کام چھوڑ کر اس ٹریلر کو غائب کر دو۔ ٹرک کی چابیاں کہاں ہیں؟"

"مجھے چابیوں کا علم نہیں۔ وہ ڈرائیور کے پاس ہوں گی۔ لیکن تم کیا چاہ رہے ہو؟ شیطان کی آنت جیسے اس ٹریلر اور کنٹینر کو میں کہاں غائب کروں گا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "بعض اوقات تم سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں کہہ جاتے ہو جن پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔"

"میں نے ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر ادا کیا ہے...... تم کہانی سنا رہے تھے اور میں مسلسل سوچ رہا تھا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں‘ اس پر عمل کر گزرو۔ نتائج سامنے آئیں گے تو تم بھی جھوم اٹھو گے۔" اس نے میری بات کا برا مانے بغیر نہایت خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"یہ جناتی ٹریلر کہاں غائب کیا جا سکے گا؟ تم کیا چاہ رہے ہو؟"

"بہت سیدھی سی بات ہے۔ لاشوں کی تلاشی لے کر ان کی شناخت ضائع کر دو۔ چابیاں اپنی تحویل میں لو اور اس ٹرک کو ٹریلر سمیت وہاں سے نکال لاؤ۔ کسی بھی مقررہ جگہ پر میرے آدمی تم سے وہ سب وصول کر کے اسٹیشن فوراً لے آئیں گے۔" اول خان نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"اور میں اپنی گاڑی کندھے پر اٹھا کر خالی کنٹینروں میں چھ

دوں؟"

"چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت تمہاری گاڑی غیر اہم ہے۔ تم اسے کہیں بھی پارک کرسکتے ہو۔ اسے بعد میں منگوالیا جائے گا۔ اس وقت ساری اہمیت ٹرک' ٹریلر اور کنٹینرز کی ہے۔ شاید تمہاری کھوپڑی پر برف جمی ہوئی ہے۔ تمہیں ابھی تک اندازہ ہی نہیں ہوسکا ہے کہ تم نے کیا تیر مارا ہے۔"

"تیر وہ ہوتا ہے جو کسی ہدف پر چلایا جاتا ہے۔ اگر یہ کوئی اہم واقعہ ہے تو تم اسے تُکا کہہ سکتے ہو۔"

"پھر تم ٹریلر کو وہاں سے نکال کر کہاں پہنچا رہے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لئے سوچا۔ ٹریلر ڈیفنس سے نکل کر جس راستے سے نمبر پونڈ تک پہنچا تھا' وہ ان لوگوں کا معمول کا راستہ ہوسکتا تھا۔ ماری پور روڈ کی طرف جانے میں اندیشہ تھا کہ ٹریلر پہچان نہ لیا جائے۔ اگر مرنے والوں کا کوئی شناسا ان کے کیبن میں ایک اجنبی چہرے کو دیکھتا تو تشویش میں مبتلا ہوسکتا تھا اور اس کی وہ تشویش ٹرانسپورٹروں کے اس علاقے میں میرے لئے کسی سنگین بدمزگی کا سبب بن سکتی تھی۔

میں نے کہا "میں ٹریلر کو یہاں سے نکال کر بیچ لگژری ہوٹل کے قرب وجوار کی کسی بھی سڑک پر اس طرح پارک کروں گا کہ اسے مین روڈ سے نہ دیکھا جاسکے۔ تمہارے آدمیوں کو وہیں پہنچنا چاہئے۔"

"اور تمہاری گاڑی کے لئے نمبر پونڈ پہنچنا ہوگا؟" اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"میری گاڑی کی فکر مت کرو۔ ٹریلر تمہارے آدمیوں کے حوالے کرنے کے بعد میں ٹیکسی سے واپس آکر اپنی گاڑی خود لے لوں گا.... یہ بتاؤ سلطان شاہ ابھی تک وہیں ہے یا نکل چکا ہے؟"

ایرپیس پر اس کی پُراطمینان آواز ابھری۔ "وہ لوگ سخی مراد کو لے جاچکے ہیں۔"

میں نے دانستہ اول خان سے اس کے پلان کے بارے میں مزید سوالات نہیں کئے۔ میں اپنے طور پر سوچنا چاہ رہا تھا کہ وہ کون سا نکتہ تھا جسے میں فراموش کر بیٹھا تھا مگر اول خان نے پکڑلیا تھا۔

اس سے گفتگو ختم کرکے میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور اپنی گاڑی مین روڈ پر لیتا چلا گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ نمبر پونڈ کی گلیوں میں بار بار ایک گاڑی کو دیکھ کر لوگ چوکنا ہوجائیں۔

مین روڈ سے اتر کر ایک معقول جگہ پر اپنی گاڑی پارک کرنے کے بعد میں نے دروازے مقفل کئے اور بظاہر بے پروایانہ انداز میں اسی طرف چل دیا جہاں ٹریلر موجود تھا۔

میں کن انکھیوں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا مطلوبہ سڑک پر پہنچا تو وہ لاوارث ٹریلر جوں کا توں کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور قرب وجوار میں میدان صاف دیکھ کر سرعت سے اسی تنگ جگہ میں گھس گیا جہاں دو تازہ لاشیں موجود تھیں۔

بیم گن میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس کا درست نشانہ لیا جاتا تو اس کا شکار تکلیف کا کوئی احساس ہونے سے پہلے ہی حیرت ناک سرعت کے ساتھ بے جان ہوجاتا تھا۔ اس کے استعمال کا دوسرا کمال یہ تھا کہ وجود میں آنے والی لاش مسخ ہوتی تھی' نہ خون سے آلودہ ہوتی تھی۔ میں نے کسی داغ دھبے کی پروا کئے بغیر باری باری ان دونوں کی جیبوں کی تلاشی لے کر سب کچھ اپنی تحویل میں لے لیا۔

کاغذات' لائسنس' نقدی' دو فحش تصاویر اور ٹرک کی چابیوں کے ساتھ مزید ایک ریوالور میرے قبضے میں آیا۔ میں نے وہ ساری چیزیں اس شاپنگ بیگ میں ڈال لیں جس میں فرزند علی کا ڈرائیونگ لائسنس تھا۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ فرزند علی ڈرائیور اور دوسرا اس ٹریلر کا کلینز تھا۔

اس کام سے فارغ ہوکر میں کھلی سڑک پر نکل آیا۔ میرا حلیہ روایتی ڈرائیوروں سے بہت مختلف تھا لیکن اس وقت وہاں سے گزرنے والے اکا دکا افراد کو میری طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوگیا۔

میں نے اپنی زندگی میں عام ٹرکوں سمیت بھانت بھانت کی گاڑیاں چلائی تھیں لیکن چالیس فٹ لمبے ٹریلر کو کھینچنے والے ٹرک کے کیبن میں بیٹھنے کا احساس ہی بہت مختلف تھا۔ اس ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ عام ٹرکوں سے کہیں زیادہ بلند اور شاہانہ تھی۔

نشست سنبھالنے کے بعد میں نے دونوں دروازوں پر لگے ہوئے بڑے بڑے عقب نما آئینوں کو اپنے حساب سے درست کیا اور انجن کے ہیٹر آن کرنے کے مقررہ وقفے کے بعد انجن اسٹارٹ کردیا۔

بظاہر وہ بہت لمبی اور مشکل گاڑی تھی لیکن اس کے کنٹرول عام گاڑیوں سے زیادہ مختلف نہیں تھے۔ میرے لئے اصل دشواری صرف ایک تھی کہ اس وقت ٹرک کا رخ سمندر کی طرف تھا' ٹرک کو یوٹرن دینے کے لئے اس سڑک کی چوڑائی ناکافی تھی۔ مجھے اس کو چوراہے تک ریورس کرکے مخالف سمت میں موڑنا تھا۔ کسی مددگار کے بغیر اس عفریت کو پورے اعتماد سے ریورس کرنا آسان نہیں تھا۔

میں چوراہے تک ٹریلر کو آہستہ آہستہ پیچھے لے گیا لیکن اسے نوّے درجے کے زاویے پر داہنی سڑک پر موڑنے کا مرحلہ آتے ہی ٹریلر نے کسی اونٹ کی طرح اپنا رنگ دکھانا شروع کردیا۔ دو ناکام کوششوں کے بعد مجھے اندازہ ہوسکا کہ ٹرک کے اسٹیرنگ وھیل اور ٹریلر میں کیسا نازک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ تیسری بار میں ٹرک کو سیدھا کرنے کے بعد ریورس کرنے لگا تو ایک پیشہ ور کلینز خود بخود ٹریلر کے آخری سرے کے پیچھے پہنچ کر مجھے اشارے دینے لگا۔

عقب نما آئینے میں اس شخص کے اشاروں کو دیکھتے ہوئے میں نے ٹریلر کو آہستہ آہستہ مطلوبہ سمت میں موڑلیا اور پھر اشارے سے اپنے مددگار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹریلر کو مین روڈ کے رخ پر ڈال لیا۔

مین روڈ پر ایک مرتبہ پھر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ مشق اور تجربے کے بغیر اتنی بڑی گاڑی کو سڑک پر لانا آسان کام نہیں تھا۔ ٹریلر کو چھوٹے محیط میں گھمانے کی کوشش میں ٹریلر کے عقبی پہیئے درمیانی پٹی یا کسی اور رکاوٹ پر چڑھ کر ٹریلر کو الٹنے کا سبب بن سکتے تھے۔

میرے موڑ کاٹنے کے دوران میں بندرگاہ سے شہر جانے والے راستے پر متعدد گاڑیاں رک گئی تھیں۔ میں نے بہت سست رفتار اور احتیاط کے ساتھ ٹریلر کو سڑک پر ڈال کر سیدھا کیا۔ اور اس علاقے سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرا سفر زیادہ طویل نہیں تھا لیکن ناتجربے کاری کی وجہ سے مجھے وہ فاصلہ بہت طویل محسوس ہورہا تھا۔ سڑک پر سفر کرتے ہوئے مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں ٹریفک پولیس کا عملہ کلینز کے بغیر وہ ٹریلر سڑک پر نکالنے کے جرم میں مجھے نہ روک لے لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ آمدنی کے لحاظ سے نہایت زرخیز ثابت ہونے والا وہ راستہ اس وقت ٹریفک پولیس کی توجہ سے یکسر محروم تھا۔ میں آسانی اور اعتماد کے ساتھ پل عبور کرکے مولوی تمیزالدین خان روڈ پر اتر گیا۔

ایک لمبے چوڑے ٹریلر کا اغوا میرے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ میں نے وہ ٹریلر بیچ لگژری ہوٹل سے پہلے ہی ایک گلی میں روک دیا۔ وہاں دو رویہ رہائشی بنگلے تھے۔ ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن کی نشست اتنی بلند تھی کہ میں اس پر بیٹھے بیٹھے کئی مکانات کے احاطوں سے اندر کا جائزہ لے سکتا تھا۔

ٹریلر کے اغوا کی پریشانی دور ہوتے ہی میرا ذہن اول خان کے منصوبے میں الجھ گیا۔

وہ اس مسروقہ ٹرک اور ٹریلر سے کون سا اہم کام لینا چاہتا تھا؟ یہ سوال ایک سوالیہ نشان بن کر میرے ذہن میں اٹک گیا تھا۔ میں نے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے ایک سگریٹ سلگائی اور آرام سے ٹرک کے کشادہ کیبن کی نشست پر ہی نیم دراز ہوگیا۔

کافی دیر تک میرے ذہن میں متعدد بے سروپا خیال آتے رہے اور تجزیے کے بعد میرا ذہن ان کو خود ہی مسترد کرتا رہا اور پھر اچانک ہی ایک نیا خیال میرے ذہن میں ابھرا جو قرین قیاس معلوم ہوتا تھا۔

اس وقت تک ہمیں راس المیڈا کی کمین گاہ کے اندرونی معاملات کے بارے میں کوئی اہم بات معلوم نہیں ہوسکی تھی۔ سخی مراد کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوچکا تھا کہ اس عمارت کے داخلی راستوں کی نگرانی حساس الیکٹرونک آلات کے ذریعے کی جاتی تھی۔ ان سے بچ کر کوئی اجنبی اس قلعے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس عمارت میں بظاہر ایسا کوئی حصہ نہیں تھا جسے استعمال کرکے ہم لوگ اندر رسائی حاصل کرسکتے۔

ایک طرف وہ حقائق تھے اور دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ مسروقہ ٹریلر کا اس عمارت سے گہرا تعلق تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے اسی عمارت سے برآمد ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب اگر ہمارا کوئی آدمی وہ ٹریلر لے کر دوبارہ اس عمارت کے بند دروازوں کے سامنے پہنچ جاتا تو اس عمارت کے نادیدہ نگہبان ٹریلر کو وہاں دیکھ کر سخت حیرت اور تشویش میں مبتلا ہوسکتے تھے۔ ان کی یہ تشویش اس وقت دوچند ہوجاتی جب انہیں ٹرک میں شناسا چہروں کے بجائے اجنبی چہرے نظر آتے۔

ان لوگوں میں اپنی چار دیواری سے باہر آنے کا زیادہ رواج نظر نہیں آتا تھا۔ اپنے بھیجے ہوئے ٹریلر یا کنٹینرز کے بارے میں مزید اور تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے انہیں اس کو اندر بلانا پڑتا۔ اس طرح عمارت میں داخلے کی ایک سہل صورت پیدا ہوسکتی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ اندر پہنچنے کے بعد ٹریلر لے جانے والوں کو بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا اور ان کی گلوخلاصی کی ہر راہ مسدود ہوکر رہ جاتی۔

اس کے سدِباب کے لیے ٹریلر پر ایک خالی کنٹینر موجود تھا۔ اس میں ایس ٹی ایف کے مسلح افراد کی بھاری نفری آسانی سے سماسکتی تھی۔ وہ سب تربیت یافتہ جنگ جو افراد تھے۔ اگر ان کی ایک ٹولی ٹریلر کے اندر پہنچتے ہی سرعت سے باہر کود کر وہاں خوف وہراس پھیلادیتی اور حفاظت پر مامور عملے کو بے بس کرلیتی تو دنیا کی کوئی طاقت ان لوگوں کو عمارت میں داخلے اور تصرف سے نہیں روک سکتی تھی۔

ایسی صورت میں اندر خوں ریزی کے ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اندر والوں کے رویّے پر ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ راس المیڈا کے اس ٹھکانے پر بھاری مسلح نفری موجود ہوگی اور وہ لوگ ہر قیمت پر حملہ آوروں کو ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ منصوبہ بہت خوں ریز اور بھیانک ثابت ہوسکتا تھا لیکن اس وقت مجھے وہی قرین قیاس معلوم ہورہا تھا۔ اول خان اپنے دماغ میں کوئی اور ترکیب لیے بیٹھا تھا تو وہ میری دسترس سے باہر تھی۔

ہم لوگ راس المیڈا کی کمین گاہ پر دھاوا بولنے کی تیاریوں کے ابتدائی مراحل میں تھے اور میں اس کا جائزہ لے کر کام کی ابتدا کے ارادے سے اس طرف گیا تھا۔ وہاں اتفاقاً وہ کنٹینر بردار ٹریلر نظر آگیا۔ بظاہر وہ ایک ضمنی واقعہ تھا لیکن مجھے محسوس ہورہا تھا کہ آنے والے وقت میں اول خان اس ٹریلر سے اہم کام لینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

اسٹیشن فور سراب گوٹھ سے بھی آگے شہر کا ایک سرا تھا تو بیچ لگژری ہوٹل ساحل سمندر پر شہر کا تقریباً آخری سرا تھا۔ ان

دونوں کے درمیان طویل فاصلہ تھا اور دن کے اوقات میں شہر کے سارے ہی راستے پُر ہجوم ٹریفک میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اول خان کے آدمیوں کو مجھ تک پہنچنے میں وقت لگتا لیکن میں تنہائی اور انتظار سے جلد ہی اکتاہٹ محسوس کرنے لگا۔ میری جیب میں اول خان کا اپریٹس موجود تھا۔ میں نے فوراً ہی اسے بھی اپنی بوریت میں شریک کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں پچھلے ایک گھنٹے سے تمہارے آدمیوں کے انتظار میں کھیاں ماررہا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ٹرک کو مقفل کرکے چابیاں ڈیزل کی ٹنکی پر چھپادوں۔ تمہارے آدمی وہاں سے چابیاں حاصل کرلیں گے۔" سلسلہ مل جانے پر میں نے براہِ راست اپنی بات شروع کردی "اس طرح میں بوریت سے بچ جاؤں گا۔"

میرے شکوے پر اس نے سرزنش کے انداز میں کہا "ڈیِی! خدا کا خوف کرو۔ ابھی تو ہماری آخری گفتگو کو بھی ایک گھنٹا نہیں ہوا۔ میرے دو آدمی موٹر سائیکل پر اسی وقت نکل گئے تھے۔ بس وہ کسی بھی وقت پہنچنے والے ہوں گے۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرلو۔ میں شام کو دفتر سے نمٹ کر تمہارے گھر آؤں گا۔"

"تم اپنے آدمیوں کو کنٹینر میں چھپاکر راس المیڈا کے ٹھکانے میں لے جانے کا منصوبہ بنارہے ہو؟"

وہ خوش ہو کر بولا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھل رہی ہے۔ میں حیران تھا کہ اتنی آسان اور سادہ سی ترکیب تم جیسے آدمی کے ذہن میں کیوں نہیں آسکی تھی۔"

"ایک نہتا آدمی دو مسلح شکاریوں کے نرغے میں آیا ہوا ہو تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ ٹرک چلانے والا شاید مشکل ہی سے بچ سکے گا۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ لوگ اسے اڑادیں گے۔"

"میں نے ایک مبہم سا خاکہ بنایا ہے۔ اب اس کے رنگ مکمل کرنے میں تم بھی میری مدد کروگے۔"

"اس عمارت کا جائزہ لینے کے بعد ہی کچھ کہا جاسکتا ہے۔ فی الحال میں خود بھی خالی الذہن ہوں۔"

کسی خیال کے تحت اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری "تم نے ان دونوں کی جیبیں تو خالی کردی تھیں نا؟"

"اس بارے میں تم اتنے زیادہ فکرمند کیوں ہو؟ ویسے میں تمہاری ہدایت پر عمل کرچکا۔ ان کی جیبوں سے برآمد ہونے والی ساری چیزیں ایک شاپنگ بیگ میں اسی ٹرک کے کیبن میں موجود ہیں۔"

"گڈ!" اس کی ستائشی آواز ابھری "اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ لاشوں کی شناخت نہ ہونے سے راس المیڈا کے ساتھیوں کو ان کے یا ٹریلر کے انجام کا علم نہیں ہوسکے گا۔ وہ لوگ اچانک ہی ٹریلر کو اپنے دروازے پر دیکھ کر حواس باختہ ہوجائیں گے اور کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔"

"شاید تمہارے آدمی آپہنچے ہیں؟" میں نے ٹرک کے قریب ایک موٹر سائیکل رکنے کی آواز سن کر کہا۔

"اب تم اپنی گاڑی لے کر سیدھے گھر ہی جاؤگے؟" اس نے سوال کیا۔

"پہلے ڈیفنس والے مکان کا جائزہ لوں گا۔ میرا اصل کام ابھی تک ادھورا ہے۔"

"ویرا تمہارے لیے دو مرتبہ فون کرچکی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ تم کہاں ہو اور کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"میں اسے دیکھ لوں گا اوور اینڈ آل" میں نے اپریٹس آف کرکے جیب میں ڈالا اور ٹرک کے کیبن سے نیچے کود گیا۔ وہ دونوں موٹر سائیکل کا انجن بند کرکے میرا انتظار کررہے تھے۔

ان میں سے ایک چہرہ میرا شناسا سا تھا۔ میں نے سر کی جنبش سے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا "تم دونوں آئے ہو تو اس موٹر سائیکل کا کیا بنے گا؟ دو آدمی تو صرف ٹریلر پر درکار ہوں گے۔"

"موٹر سائیکل ہم کنٹینر میں چڑھالیں گے" سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ملازمین تھے۔ ان میں سے ہر فرد' ہر وقت اپنی بساط سے بڑھ کر کام کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار رہتا تھا۔ وہی اگر عام سرکاری ملازم ہوتے تو موٹر سائیکل کو اونچے کنٹینر پر چڑھانا درکنار' اسے کچھ دور تک دھکیلنے کے نام پر بھی ناک بھوں چڑھانے لگتے۔ میں نے دل ہی دل میں ان کی لگن کا اعتراف کرتے ہوئے' ٹرک کی چابیاں دیں اور الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر ایک طرف چل دیا۔

ہوٹل سے مین روڈ کی طرف آنے والی سڑک پر مجھے فوراً ہی خالی ٹیکسی مل گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بندرگاہ کی طرف جانے سے انکار کیا لیکن میٹر سے دس روپے زائد کی پیش کش پر فوراً رضامند ہوگیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں اپنی گاڑی میں واپسی کا سفر طے کررہا تھا۔



شام کی چائے پر ہم چاروں یک جا تھے۔ میں انہیں اپنی کتھا سناچکا تھا۔ سلطان شاہ کی کہانی بس اتنی تھی کہ وہ سخی مراد کو اول خان کے دو آدمیوں سمیت نادرہ کے مکان کے تہ خانے میں چھوڑ آیا تھا۔ مکان بالکل اسی حالت میں تھا جس حالت میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ بادی النظر میں وہاں کسی چوری چکاری کے آثار نہیں تھے۔

ویرا کی ذہنی اور جسمانی صحت پوری طرح بحال ہوچکی تھی۔ اس کے چہرے کا ورم وغیرہ دور ہوچکا تھا۔ نیل اور سوجن غائب ہونے کے بعد اس کے چہرے کا پرانا نکھار واپس لوٹ آیا تھا۔ وہ

اس بات پر بہت زیادہ برہم تھی کہ اس کے ٹھیک ہوجانے کے باوجود ہم نے اسے عضوِ معطل بنا کر گھر میں محبوس کیا ہوا تھا۔ اس وقت بھی ویرا چڑچڑے لہجے میں یہی کہہ رہی تھی "اگر میں بھی تم دونوں کے ساتھ اول خان کے دفتر چلی جاتی تو کون سی قیامت آجاتی؟ میں گھر میں بند رہ کر خود کو بیمار محسوس کرنے لگی ہوں۔"

"قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں" سلطان شاہ خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر بڑبڑانے لگا "جب عورتیں گھروں سے نکل کر بازاروں میں اپنے جلوے دکھانے پر کمربستہ ہوجائیں اور مرد کاٹھ کے اُلو کی طرح اپنی دم ہلاتے رہیں تو قیامت کسی بھی لمحے آسکتی ہے۔"

"بکواس مت کرو" وہ سلطان شاہ پر برس پڑی "یہ وعظ تم غزالہ کو سناسکتے ہو' مجھے نہیں۔ میں ایک آزاد خیال مغربی لڑکی ہوں۔ میں گھر میں بند نہیں رہ سکتی' تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟"

"ماشاء اللہ!" سلطان شاہ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "مغربی اور پھر وہ بھی لڑکی! میں نے تو سنا ہے کہ پچیس برس سے عمر ایک دن بھی اوپر ہوجائے تو لڑکی عورت کہلانے لگتی ہے۔ یہاں چالیس برس کی عمر کی مغربی لڑکی دیکھنے میں آرہی ہے۔ شاید یہ بھی قربِ قیامت ہی کی نشانی ہے۔"

سلطان شاہ کے اس سلگا دینے والے تبصرے پر ویرا آپے سے باہر ہوگئی۔ وہ دانت پیستے ہوئے اٹھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سلطان شاہ کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا "میں تمہیں چالیس برس کی لگتی ہوں تو جانوروں کے کسی ڈاکٹر سے اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔ سبزہ کھاکر تمہاری بینائی تیز ہوجائے گی.... میری عمر صرف بائیس برس ہے.... یہ اور بات ہے کہ تم جیسے مردودوں میں رہ کر میں نے اتنی ہی عمر میں اتنا کچھ سیکھ لیا ہے جو تم جیسے کوڑھ مغز سو برس کی عمر پاکر بھی نہیں سیکھ سکتے.... سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا!" سلطان شاہ نے بے بسی سے کہا "لیکن یہ غنڈا گردی کیوں دکھارہی ہو؟ بیٹھ کر بات کرو۔ ہاتھا پائی کرنے سے عمریں آدھی ظاہر ہونے لگیں تو دنیا بھر کے غنڈے ہمیشہ جوان نظر آئیں گے۔"

"تم آرام سے بیٹھو اور اسے بولنے دو!" میں نے ویرا سے کہا۔ "اس کی زبان میں خارش ہے۔ یہ جب تک تمہاری بیماری کے دنوں کا کوٹا پورا نہیں کرے گا' ایسی اوٹ پٹانگ باتیں ہی کرتا رہے گا۔"

ویرا ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑ کر پلٹی تو سلطان شاہ ڈھٹائی کے ساتھ اپنے گریبان پر آئی ہوئی شکنیں دور کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا "جب سے تم نے ہمارے ساتھ یک جہتی کا اعلان کیا تھا اور اپنی قومیت تک کو ٹھکرادیا تھا' میں تمہیں غزالہ کی طرح سمجھنے لگا تھا مگر آج پتا چلا کہ تم غزالہ سے مختلف ہو اور میں اپنے وعظ تم کو نہیں سناسکتا۔ ڈیِی کو تمہارے قول و فعل کا یہ تضاد بھی نظر نہیں آتا مگر میری ہر بات اوٹ پٹانگ نظر آتی ہے۔ پتا نہیں تم نے اسے کیا گھول کر پلایا ہے کہ اسے تمہاری خامیاں بھی خوبیاں بن کر نظر آتی ہیں۔"

سلطان شاہ نے مکاری سے کام لے کر مجھے بھی اس جھگڑے میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں کچھ کہے بغیر بے نیازی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہا۔

ویرا نے ایک نظر میری طرف دیکھا پھر پھٹ پڑی "میری زندگی تم لوگوں کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ میں غزالہ کو خود بتاچکی ہوں کہ میرے باپ نے ڈان مریانو کا روپ دھار کر مجھے روم کے عیاش امرا کی محفلوں میں کس طرح پروان چڑھایا تھا۔ اس کی وہ تربیت میری سرشت میں شامل ہوچکی ہے۔ میرے چند الفاظ میری اس فطرت کو تبدیل نہیں کرسکتے۔ تم لوگوں سے یک جہتی کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے اپنی فطرت بدل لی ہے یا آزادی بیچ دی ہے۔ میں جو ہوں اور جیسی ہوں' ویسی ہی رہوں گی مگر امریکا کے جہنم میں جانے کے بجائے تم لوگوں میں رہوں گی.... میں مذہب کی زیادہ قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی میں نے اپنا مذہب نہیں بدلا ہے' مسلمان نہیں ہوئی ہوں۔ تم اپنی اسلامی تعلیمات غزالہ کو شوق سے سناؤ۔ مجھ سے یہ توقع کبھی نہ رکھنا کہ میں اپنی آزادی کو تج کر گھر کی بند دیواروں میں قید رہوں گی۔ میری یہ باتیں بری لگتی ہیں تو ایک بار بتادو۔ مجھے اس شہر میں بہتیرے ٹھکانے مل جائیں گے۔"

"خوب!" سلطان شاہ اس بار بھی خاموش نہ رہ سکا اور حیرت آمیز سنجیدگی سے بولا "مجھے یہ جان کر اچنبھا ہوا کہ تم جذباتی بھی ہوسکتی ہو۔ اے بائیس برس کی آزاد خیال اور غیر مسلم دوشیزہ! میں اپنے کہے پر نادم ہوں اور تمہاری اطلاع کے لیے صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس شہر میں تمہیں بہتیرے ٹھکانے ضرور مل جائیں گے لیکن وہاں ہر مرد کے نفس میں تمہیں ڈان مریانو کا ایک چیلا نظر آئے گا۔ ہم لوگوں جیسے شریف اور مسکین ساتھی کہیں نہیں مل سکیں گے۔ میں سبزے کے بجائے سبزی کھاکر اپنی بینائی تیز کرنے کی کوشش ضرور کروں گا تاکہ مجھے تمہاری صحیح عمر نظر آتی رہے۔ اگر مجھ سے کبھی بھول چوک ہوجائے تو اسے اپنے دل پر نہ لیا کرو۔"

سلطان شاہ وہ معذرت کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر ایسے برے برے منہ بنارہا تھا جیسے اپنی مرضی کے خلاف کوئی کڑوی دوا نگل رہا ہو۔ ویرا اسے گھورتی رہی۔ مجھے اس کے بھنچے ہوئے ہونٹوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کررہی تھی لیکن جب سلطان شاہ نے اپنی بینائی تیز کرنے کا ذکر کیا تو غزالہ ہنس پڑی۔ اسی کے ساتھ ویرا کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تت.... تم پکے سُور ہو!" وہ ہنسی کے دوران بہ دقت تمام

صرف اتنا ہی کہہ سکی۔
"بچے تو بڑے بھائی ہیں" سلطان شاہ نے میری طرف اشارہ کرکے برجستہ کہا "میں ابھی کچا ہوں۔"
بظاہر مذاق میں ہونے والی وہ ترش، ذو معنی اور قدرے دوستانہ گفتگو میری دانست میں بہت دوررس اثرات کی حامل تھی۔ اگر اسے ذہن میں محفوظ کرلیا جاتا تو ہم لوگ مستقبل میں ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب بنے بغیر مکمل افہام و تفہیم کے ساتھ اپنا وقت گزار سکتے تھے۔
دونوں عورتوں کا ہنسی کا دورہ ختم ہوا تو غزالہ نے مجھے بتایا کہ سلمیٰ اپنے ہاتھوں بے ہوش ہونے والے آدمی کا انجام جاننے کے لیے سخت بے چین تھی اور اسی چکر میں میری غیر حاضری میں دو مرتبہ فون بھی کرچکی تھی۔
"اس کا انجام میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں" میں نے شانے اچکا کے غزالہ سے کہا "سلمیٰ نے حوصلے اور حاضر دماغی سے کام لے کر ولی داد کو بے ہوش نہ کیا ہوتا تو آج کی روداد بہت مختلف اور مایوس کن ہوتی اور ہم پورے شہر میں جہانگیر کو تلاش کرتے پھر رہے ہوتے۔"
"اس کا تیسرا فون کسی بھی لمحے آسکتا ہے" غزالہ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔
اور یہی ہوا۔ اس کی بات پوری ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلمیٰ میرے ہی بارے میں پوچھ رہی تھی۔
لحہ بھر کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ میں اسے اپنی آواز سنائے بغیر ریسیور کسی اور کو دے دوں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں اس طریقے سے سلمیٰ کو زیادہ دیر تک نہیں ٹال سکتا تھا۔
میری آواز سنتے ہی سلمیٰ خوش ہوگئی اور چہکتی ہوئی آواز میں بولی "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سننے کو ملی۔ شاید غزالہ نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں پہلے بھی دو مرتبہ فون کرچکی ہوں۔"
"میں ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔ غزالہ مجھے یہی بتارہی تھی۔ تم اس آدمی کے بارے میں فکر مند کیوں ہو؟"
"وہ آدمی جہنم میں جائے۔ مجھے اس کی فکر کیوں ہونے لگی؟ میں تو صرف یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ اس نے پکڑے جانے کے بعد کیا کہانی سنائی ہے۔ وہ جہانگیر کے دشمنوں میں سے کوئی تھا یا کوئی عادی چور ہے۔"
"اسے پولیس کے حوالے کردیا گیا ہے" میں نے سلمیٰ کو مطمئن کرنے کے لیے کہا "تھوڑی سی مار کھاتے ہی اس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ وہ چوری بلکہ ڈکیتی کی نیت سے تمہارے گھر میں آیا تھا۔"
"خدا کا شکر ہے" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں تو ڈر رہی تھی کہ اب جہانگیر کے دشمنوں نے ہمارا نیا گھر بھی دیکھ لیا ہے.... لیکن جہانگیر کہہ رہے تھے کہ یہ وہ آدمی نہیں تھا جسے وہ بلڈنگ کے سامنے منڈلاتا ہوا دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔"
"وہ فلیٹوں میں کام کرنے والی ایک لڑکی کا عاشق تھا۔ اسے بھی سرزنش کردی گئی ہے۔ اب وہ بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا" میں سلمیٰ کو اس بارے میں پوری طرح مطمئن کرنا چاہ رہا تھا۔
"اس کا مطلب تھا کہ جہانگیر بلاوجہ ہی اس قدر خوف زدہ ہو رہے تھے!"
"اس کے دشمنوں کا وجود اپنی جگہ پر ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ تم جانتی ہو کہ آدمی ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہو تو اسے اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگتا ہے" میں نے کہا۔
"وہ خوف زدہ ہوتے ہیں تو اپنے ساتھ مجھے بھی دہلا کر رکھ دیتے ہیں۔"
"خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ تم ہی کو اپنے دکھ سکھ کا ساتھی سمجھتا ہے۔"
"تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو۔ تم تو ایسی باتیں کرکے میرا دل نہ جلایا کرو" اس نے شکایتی لہجے میں کہا "جب تک وہ خطرات میں گھرے ہوئے ہیں تو میرے ساتھ وقت گزارنے پر مجبور ہیں۔ آج حالات بہتر ہوجائیں تو وہ نئی لڑکیوں کے چکر میں نکل پڑیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں اتنی آسانی سے اپنے مطلب کی لڑکیاں کیسے مل جاتی ہیں؟"
"یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں۔ تم اپنے بچے اور شوہر پر دھیان دو...."
"اچھا، یہ بتاؤ کہ تم کب آرہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔
"غزالہ کے ساتھ کسی بھی وقت چکر لگالوں گا" میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ میری طرف پشت کیے ویرا سے باتیں کرنے میں مصروف تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کے کان میری ہی طرف لگے ہوئے تھے۔
"اکیلے نہیں آؤ گے؟" سلمیٰ کی آواز دھیمی اور رازدارانہ ہوگئی "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"
"دیکھوں گا۔" میں نے سرسری جواب دے کر فوراً ہی موضوع بدل دیا "جہانگیر کیا کر رہا ہے؟"
"صبح سے خطرہ ٹل جانے کی خوشی میں خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں!" اس کی آواز استہزائیہ ہوگئی۔
"کیا نمازیں پڑھ رہا ہے؟" میں نے شدید حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔
"نمازیں؟" وہ زہریلی آواز میں بولی "نماز کیا، انہیں تو وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں ہے۔ ان کے لیے تو ہر چیز کا صرف شراب ہے۔ خوشی ظاہر کرنے کے لیے اور غم بھلانے کے لیے وہ صرف شراب پیتے ہیں۔ آج خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے صبح سے پی رہے ہیں اور مدہوش ہیں۔ جب آنکھ کھلتی ہے، ایک اور گلاس اپنے معدے میں انڈیل لیتے ہیں۔"

"دونوں محافظوں کے آنے کے بعد وہ کچھ زیادہ بے فکر ہوگیا ہے۔"
"وہ دونوں بہت اچھے آدمی ہیں" سلمیٰ کے اس تبصرے پر میرے کان کھڑے ہوگئے اور مجھے اول خان کے ان شریف آدمیوں کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی "حفاظت کے ساتھ میرے باہر کے چھوٹے موٹے کام بھی کررہے ہیں۔"
ازدواجی زندگی کی بے کیفی اور تلخیوں سے اکتائی ہوئی بہتیری خانہ دار عورتیں اس دھیمی دھیمی آگ میں سلگ کر کسی بے وفائی کا ارتکاب کیے بغیر اپنی پوری عمر گزار دیتی ہیں مگر ان کے دشتِ خیال میں بھی کسی اجنبی کے تصور کا بھی گزر نہیں ہوتا لیکن سلمیٰ کا شمار ایسی قناعت پسند عورتوں میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس جیسی عورتیں ساری زندگی یقین اور بے یقینی، وفا اور بے وفائی کے دوراہے پر ڈگمگاتی رہتی ہیں۔ بعض اسی عالم میں اپنی تشنہ کامیوں سمیت اپنے سانس پورے کرلیتی ہیں لیکن جنہیں ذرا بھی ترغیب اور تحفظ نظر آئے، وہ رازداری سے دلدل میں اتر جاتی ہیں۔
اول خان کے دو آدمیوں کو جہانگیر کے گھر پر رہنے کی اجازت دیتے ہوئے میرا ذہن اس خطرے کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا۔ میں سلمیٰ کی ذہنی کج روی کے ہلکے پھلکے ذاتی تجربات سے دوچار ہوتا رہتا تھا۔ اس کی زبان سے اول خان کے آدمیوں کی تعریف سن کر یک بہ یک مجھے احساس ہوا کہ میں نے آگ اور تیل کو یکجا کرکے جہانگیر کی خانگی زندگی کے لیے ایک حادثے کا پورا اہتمام کر ڈالا تھا۔
میں نے فوراً ہی سلمیٰ سے کہا "تمہیں ان دونوں سے فاصلہ برقرار رکھنا چاہیے۔ تم ان سے جو کچھ کہو گی، وہ اسے تمہارا حکم سمجھ کر بجا لائیں گے۔ تم ان کی سعادت مندی پر ناز کرتی رہ جاؤ گی اور وہ اپنے ایک ایک فعل کی رپورٹ اپنے اس افسر کو پہنچادیں گے جو میرا گہرا دوست ہے۔"
"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی!" اس کی آواز سے شدید الجھن مترشح تھی۔
"وہ اچھے ضرور ہیں لیکن انہیں اپنے ساتھ غیر ضروری طور پر بے تکلف ہونے کا موقع نہ دینا۔"
"تم مجھے ایسا ہی گیا گزرا سمجھتے ہو؟" میری وضاحت پر وہ بھڑک اٹھی "میں اچھی...."
میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ کے کہا "میری بات کا غلط مفہوم نہ لو۔ ان کے آنے سے پہلے بھی تمہارے گھر کے سارے کام کاج چل رہے تھے۔ انہیں صرف وہی کام کرنے دو جس کے لیے انہیں بھیجا گیا ہے۔ تم نے انہیں اپنا گھریلو ملازم سمجھنا شروع کردیا تو میرے لیے دشواری پیدا ہوجائے گی۔"
"اوہ! یہ مطلب تھا تمہارا" وہ اپنے ردِّعمل پر نادم ہوکر بولی۔ "میں کچھ اور سمجھی تھی۔"
"یہ تمہاری پرانی خرابی ہے۔ جو کہا جاتا ہے اس سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتی ہو۔"
اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی شوخ آواز آئی "پتا نہیں تم میں کیا خوبی ہے کہ تمہارا ایسا کڑوا کسیلا لہجہ بھی برداشت کرلیتی ہوں، جہانگیر ایسی باتیں کریں تو میں ان سے لڑ پڑتی ہوں۔"
اس کے وہ فقرے ایک طویل جواب اور سرزنش کے طالب تھے لیکن میں اس وقت زیادہ کھل کر بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لیے بس اتنا کہہ کر رہ گیا "یہ تمہاری مہربانی ہے۔"
"وہ ڈاکو تو پکڑا گیا لیکن اس کی وجہ سے ہم لوگوں کو عدالتوں کے چکر تو نہیں لگانے پڑیں گے؟" وہ اچانک ہی پٹڑی بدل کر ایک نیا سوال کر بیٹھی "میں نے سنا ہے کہ ایسے قصوں میں پولیس والے بھی خاصا پریشان کرتے ہیں۔"
"سب بندوبست ہوجائے گا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ابھی تک کوئی بھی پولیس والا تمہارے گھر نہیں آیا ہوگا۔ میں تم دونوں کا دشمن نہیں، بہی خواہ ہوں" میں نے سخت لہجے میں کہا۔
"جہانگیر تمہاری دوستی پر ناز کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کا یہ ناز بجا ہے۔ کاش میری بھی تم سے ایسی ہی گہری دوستی ہوسکتی لیکن تم نہ جانے کیوں مجھ سے دور بھاگنے کی کوششیں کرتے رہتے ہو!"
وہ ایک مرتبہ پھر بہکنے لگی تھی۔ میں اس کی ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے اس کے تبصرے کو گول کرکے جلد ہی اس کے گھر آنے کا وعدہ کرکے فون بند کردیا۔
"اگر سلمیٰ کو ولی داد کے اصلی انجام کا پتا چل جائے تو وہ دہشت سے بے ہوش ہوجائے گی" فون بند ہوتے ہی غزالہ نے تبصرہ کرکے میرے اس خیال کی تصدیق کردی کہ وہ اپنی ظاہری مصروفیت کے باوجود میری اور سلمیٰ کی گفتگو پوری توجہ سے سنتی رہی تھی۔
چائے سے فارغ ہونے کے بعد ہم چاروں اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف رہے لیکن ہمیں شدت سے اول خان کا انتظار تھا۔ اس کے آنے کے بعد ہی راس المیڈا کی تلاش کے لیے کوئی اور منصوبہ طے کیا جاسکتا تھا۔
میں نے انتظار سے اکتا کر فون کیا تو پتا چلا کہ اول خان کافی دیر پہلے دفتر سے نکل چکا تھا۔ میں نے اپریٹس کی مدد سے اسے تلاش کرنے کا ارادہ کیا اور ترک کردیا۔ میری دانست میں چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے اس لاسلکی آلے کے استعمال سے اس کی اہمیت اور افادیت کم ہوتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے ذرا دیر پہلے اول خان آپہنچا۔ اس کے بدن پر صبح والے دفتری لباس کے بجائے قمیص شلوار نظر آرہی تھی۔ چہرے مہرے سے بھی وہ بالکل تروتازہ نظر آرہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں اپنی بیگم سے ملتے ہوئے آرہے ہو!" میں سوچتا ہی رہ گیا اور ویرا نے بے تکلفی سے اپنی بے باکانہ رائے کا اظہار کرڈالا۔

"سہراب گوٹھ سے ادھر آتے ہوئے میرا گھر راستے میں پڑتا ہے" اول خان کا لہجہ مدافعانہ تھا۔

"یہ نہ کہو۔ میں کئی ایسے راستے بتاسکتی ہوں جو تمہارے گھر سے نہ گزرتے ہوں۔"

"نہادھوکر لباس تبدیل کیے بغیر یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ڈیوٹی ختم ہوچکی ہے۔ تروتازہ ہونے کے بعد کام کرنے میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے" ویرا سے یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "تم کیا خبریں لائے ہو؟"

"وہ عمارت شاید چار پلاٹوں پر مشتمل ہے" میں نے کہا "اس کے دونوں طرف رہائشی مکانات ہیں۔ احاطے کی دیوار کی ہر طرف وہی اونچائی ہے جو مین روڈ کی طرف نظر آتی ہے لیکن پچھلی سڑک پر مین روڈ کی طرف پوری اونچائی اور پوری چوڑائی والے شٹرز کے بجائے دیوار میں عام سائز کے دو گیٹ ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عمارت کے مکین اپنی آمدورفت کے لیے وہی عقبی راستہ استعمال کرتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ عمارت میں داخلے کے لیے عقبی سڑک بھی استعمال کی جاسکتی ہے" اول خان نے پُرخیال انداز میں کہا پھر پوچھا "عمارت کے مکینوں کے بارے میں تم نے وہاں پوچھ گچھ تو کی ہوگی؟"

"وہاں کے باشندے اس عمارت کو پراسرار تصور کرتے ہیں۔ عمارت کے مکین کسی سے میل جول نہیں رکھتے۔ ابتدا میں یہ سمجھا گیا کہ وہ کوئی سفارتی عمارت ہے لیکن وہاں آج تک کوئی پرچم بردار گاڑی نہیں دیکھی۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ وہاں غیر معمولی آمدورفت نہیں ہے۔ عام گھروں کی طرح دن میں چار چھ بار دروازہ کھلتا ہے اور گاڑیوں میں مقامی یا غیر ملکی آتے جاتے نظر آتے ہیں۔"

اس عمارت کے بارے میں معمول کی آمدورفت کے علاوہ ہر بات غیر معمولی تھی مثلاً وہاں کبھی دودھ، اخبار یا سبزی والوں کو نہیں دیکھا گیا تھا۔ شاید وہ لوگ اپنی جملہ ضروریات کی اشیا بازار سے خود ہی خرید کرلانے کے عادی تھے۔ اس طرح وہ اپنے آس پاس رہنے والوں سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔

کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ مکان کس کی ملکیت تھا اور وہاں رہنے والے خود اس جگہ کے مالک تھے یا کرائے دار کی حیثیت سے وہاں رہ رہے تھے۔ علاقے کے دوسرے گھروں کے برعکس وہاں کبھی کوئی تقریب بھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی ان تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ بھی اس گفتگو میں گہری دلچسپی لے رہے تھے اور اپنے طور پر سوالات بھی کرتے جارہے تھے۔

وہ سب سن لینے کے بعد ویرا نے کہا "اگر اس عمارت کی پراسرار تاریخ اتنی پرانی ہے تو ہمیں وہاں راس المیڈا کے بجائے راڈنی آرک کو تلاش کرنا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ امریکن قونصل خانہ کسی غیر سفارتی انداز میں اس عمارت کا مالک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کو وہاں ٹھہراتے ہوں۔ آج کل راس المیڈا یہاں راڈنی آرک کے نام سے آیا ہوا ہے۔ وہ اسی روپ میں وہاں ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت کے عملے کو بھی راڈنی آرک کی دہری شخصیت کا علم نہ ہو اور وہ اسے سرکاری مہمان سمجھ رہے ہوں۔"

"تمہاری آخری بات قرین قیاس نہیں ہے" اول خان نے کہا "سخی مراد نے بتایا ہے کہ راس المیڈا نے سامنے آئے بغیر چیف کے روپ میں اسے کے نائین کے بارے میں بریفنگ دی تھی۔ عمارت کے عملے کو اعتماد میں لیے بغیر ایسی کارروائی کرنی ممکن نہیں تھی۔ وہ جو کوئی بھی ہیں، سب ایک ہیں۔ ان میں کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں" سلطان شاہ نے کہا "وہاں آپریشن ہو تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ ہمیں آج رات ہی اس عمارت پر دھاوا بولنے کی تیاری کرلینی چاہیے۔"

"ہم کبھی بھی بے مقصد خون خرابا نہیں کرتے" اول خان نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا "آپریشن سے پہلے، وہاں رہنے والوں کی حیثیت کا تعین ضروری ہے ورنہ ہمارے ہاتھوں بہت سے بے گناہ بھی مارے جاسکتے ہیں۔"

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "تم نے ابھی سے فرض کرلیا کہ تم وہاں فاتح رہوگے۔ ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تم وہاں گھس کر کامیاب ہوسکوگے یا نامراد لوٹ آؤگے۔"

"شاید ڈینی نے تمہیں ٹریلر کی کہانی نہیں سنائی ہے؟" اول خان نے اسے گھور کر پوچھا۔

"وہ میں سن چکی ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ تمہارے سوچے ہوئے طریقے پر اپنے ردِعمل کا اظہار کریں۔ وہ ٹریلر کی دوبارہ آمد کو کسی سازش کا پیش خیمہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

"ہونے کو ہر بات ہوسکتی ہے" میں نے کہا "ناکامی کے خوف سے ہم آپریشن کا ارادہ ترک نہیں کرسکتے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

"ہمیں فوراً ہی اپنی منصوبہ بندی کا آغاز کردینا چاہیے۔ ہم دیر کریں گے تو ہماری کامیابی کے امکانات بھی موہوم ہوتے جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے کہا "سخی مراد کے گھر والوں کا صبر جواب دے چکا ہے۔ تاوان کا کوئی باقاعدہ مطالبہ نہ ملنے پر انہوں نے آج دوپہر اعلیٰ حکام کو سخی مراد کے اغوا کے واقعے سے باخبر کردیا ہے اور اس کی تلاش کے لیے بڑے پیمانے پر سرگرمیاں شروع کردی گئی ہیں۔ یہ بات پھیلتے ہی راس المیڈا بھی چوکنا ہوجائے گا۔"

"تمہیں سخی مراد سے جو کچھ معلوم کرنا تھا، وہ تم معلوم کرچکے ہو" ویرا نے اول خان سے کہا "اب اسے میجر غوث کے حوالے کردو۔ وہ اسی کا کیس ہے۔ وہ سخی مراد کو اپنے شکنجے میں جکڑ لے گا۔"

اول خان کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا "وہ خود جانتا ہے کہ وہ عدالت میں سخی مراد کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکے گا۔ سخی مراد بہت بڑی مچھلی ہے۔ اپنے ذرائع سے اس کے اغوا کی خبر ملتے ہی میجر غوث نے مجھے فون کیا تھا۔ وہ غیر سرکاری طور پر سخی مراد کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ میں نے انجان بن کر اس کے اغوا پر اپنی حیرت کا اظہار کیا تو وہ مزید کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔"

"تم نے اس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، ولی داد کا قاتل ضرور ہے۔ مناسب وقت پر شہر کے کسی حصے سے ان دونوں کی لاشیں دستیاب ہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سخی مراد کے دانتوں سے ولی داد کی گردن کے ریشوں کی برآمدگی کی کہانی سنائے گی تو ہر طرف سنسنی پھیل جائے گی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ مناسب وقت آنے تک سخی مراد ان ریشوں کی پرورش کرتا رہے گا؟" سلطان شاہ نے اس انکشاف پر بے اعتباری سے پوچھا۔

"تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اس نے کتنی طاقت سے اپنے دانت ولی داد کے نرخرے میں گاڑے تھے۔ سخت برش یا خلال کے بغیر وہ ان ریشوں سے نجات حاصل نہیں کرسکے گا۔ وہ سڑ کر اس کے مسوڑھوں کو خراب کردیں گے۔ میں نے بندوبست کیا ہے کہ ایسی کوئی چیز سخی مراد کو نہ مل سکے جس سے وہ اپنے دانت صاف کرسکے۔"

"اگر ایسا ہوگیا تو یہ اخبارات کے لیے ایک لرزہ خیز کہانی ہوگی۔ اپنے دانتوں سے بھائی کا نرخرا نوچنے والے رہنما کی کہانی لوگوں کی آنکھیں کھول کر رکھ دے گی مگر مجھے بھی تمہاری اسکیم کی کامیابی میں شبہ ہے" میں نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"دانتوں کے علاوہ اس کا لباس بھی اس کے جرم کی گواہی دے گا" اول خان نے پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اس نے سلطان شاہ کی ہدایت پر اپنا چہرہ اور لباس پانی سے دھولیا تھا لیکن کپڑے کے تانے بانے سے خون کے ذرات اتنی آسانی سے الگ نہیں ہوتے۔ ایک گمنام فون کے ذریعے حکام کو ان راہوں پر ڈال دیا جائے گا۔"

"سخی مراد کے ساتھ یہی ہونا چاہیے" غزالہ نے آنکھیں بند کرکے جھرجھری لیتے ہوئے کہا "ایسے درندہ صفت انسان کو بے نقاب کیا جانا ضروری ہے جو اپنی عام زندگی میں لوگوں کا رہنما اور غم گسار بنا پھرتا ہے لیکن اندر سے بالکل حیوان ہے۔ میرا بس چلے تو میں اسے زندہ رکھ کر یہ سب باتیں ثابت کروں تاکہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔"

"اسے زندہ رکھا گیا تو کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔" اس خیال نے اول خان کو افسردہ کردیا "ملزم سخی مراد کی طرح قد آور شخصیت کا مالک ہو تو اس کے خلاف کام کرنے والوں پر قانون اور ضابطوں کی پابندیاں بہت سخت ہوجاتی ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ بدعنوان حکمرانوں کی سرپرستی میں کرپشن کا ناسور کتنا گہرا ہوچکا ہے۔"

"بس!" اول خان کی بات مکمل ہوتے ہی ویرا نے اسے خاموش کردیا "ہمیں تقریروں کے بجائے کام کرنا چاہیے اور اس وقت راس المیڈا کی سرکوبی سب سے بڑا کام ہے۔"

ہم میں سے ہر شخص کی دلی خواہش تھی کہ راس المیڈا کا فتنہ جلد از جلد اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے لیکن میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر عجلت کے حق میں نہیں تھا۔ دوسری طرف اول خان نے ٹریلر کے اسٹیشن فور پہنچتے ہی اسے ایک ہلکے پھلکے آرمرڈ پرسونل کیریئر میں تبدیل کرانے کا کام شروع کردیا تھا۔

کنٹینر کی پتلی اور غیر محفوظ آہنی دیواروں کے پیچھے چار فٹ اونچی اور موٹی چادریں ویلڈ کی جارہی تھیں تاکہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے افراد باہر سے ہونے والی فائرنگ سے محفوظ رہ سکیں۔ ان چادروں کی موٹائی اتنی رکھی گئی تھی کہ ہلکے اور درمیانی کلیبر کے ہتھیاروں کا فائر ناکام بنایا جاسکے۔ اس چار فٹ کی بلندی کے بعد کنٹینر کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کیے جارہے تھے تاکہ ان کے ذریعے اندھادھند فائرنگ کرکے دشمن کو ہراساں کیا جاسکے۔ اول خان کا خیال تھا کہ وہ کام رات تک مکمل ہوجانا چاہیے تھا۔

ان تیاریوں پر بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ٹریلر کے ڈرائیور کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پورے پلان میں بظاہر وہی ایک فرد تھا جس کی جان کو سب سے زیادہ خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔ ونڈ شیلڈ سے آنے والی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کرسکتی تھی اور اول خان اپنے کسی بھی آدمی کو ایسے خطرے میں جھونکنے پر آمادہ نہیں تھا۔ کھلے مقابلے میں اس کے دس آدمی بھی مارے جاتے تو شاید اسے اس جنگی ناکامی کی پروا نہ ہوتی لیکن جانتے بوجھتے ہوئے وہ اپنے کسی آدمی کو زخمی کرانے کا خطرہ تک مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

"کیوں نہ سخی مراد سے یہ کام لیا جائے؟" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی "اسے اول اور آخر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ وہ اپنے چیف کے حواریوں کے ہاتھوں انجام کو پہنچے۔"

ویرا نے پُرزور لہجے میں اس کی تائید کی لیکن میں نے اس مشورے کو یکسر مسترد کر دیا۔

"سارا خطرہ ڈرائیور کے پہچان لیے جانے کی صورت میں پیدا ہوگا۔ انہوں نے ٹریلر دیکھ کر ڈرائیور پر دھیان نہ دیا اور تاریکی نے مدد کی تو ٹریلر کسی مزاحمت کے بغیر اندر پہنچ جائے گا۔" میں نے کہا "خرابی اس وقت پیدا ہوگی جب وہ ڈرائیور کو پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ سخی مراد ایک معروف سیاسی رہنما ہے۔ اس کی تصاویر اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ اسے دیکھتے ہی وہ خطرہ بھانپ لیں گے۔ اگر راس المیڈا کو سخی مراد کے اغوا کی خبر مل چکی ہے تو بات اور بھی گمبھیر ہو جائے گی۔ میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ہم اس بارے میں بلاوجہ اتنی مغززنی کر رہے ہیں" غزالہ نے اچانک ہی سب کو چونکا دیا "رات کے گہرے اندھیرے میں تاریک کیبن میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور کو کون پہچان سکے گا؟ یہ سب فضول باتیں ہیں۔"

"تم ان لوگوں سے ناواقف ہو اس لیے ایسی بات کہہ رہی ہو" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "امریکا انفراریڈ ٹیکنالوجی میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ ایسی دوربینوں کے ذریعے گھور اندھیرے میں بھی دور کی اشیا بالکل صاف نظر آتی ہیں۔ اس عمارت میں جدید سہولتوں کا ایک منظم جال بچھا ہوا ہوگا اور پھر وہاں خفیہ سرچ لائٹس بھی ہو سکتی ہیں جو ضرورت پیش آنے پر آس پاس کے علاقے کو منور کر دیں۔"

"پھر بھی یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" غزالہ نہایت سادگی سے اپنے مؤقف پر قائم رہی "اپنے آدمی کے سر، چہرے اور جسم کے بعض حصوں پر ڈریسنگ کر کے ناقابلِ شناخت بنایا جا سکتا ہے۔ اسے دیکھ کر وہ یہی سمجھیں گے کہ ان کا آدمی کسی حادثے میں زخمی ہو کر رات گئے واپس لوٹ آیا ہے۔"

غزالہ کی وہ سیدھی سادی تجویز سن کر سب ہی حیرت اور مسرت سے اچھل پڑے۔

"تم نے کمال کر دیا" اول خان تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "سامنے کی اتنی سی بات ہم میں سے کسی کی عقل میں نہیں آ رہی تھی۔ اب ہم کسی بھی وقت کارروائی کر سکتے ہیں۔"

"میری زوجہ ہے!" میں نے قہقہہ لگا کر کہا "عام طور پر خاموش رہتی ہے لیکن جب بولتی ہے، کفن پھاڑ کر بولتی ہے اور ہر ایک کو دنگ کر دیتی ہے۔"

"اس نے سیدھے سادے انداز میں سوچنے کا یہ دیسی طریقہ مجھ ہی سے سیکھا ہے" سلطان شاہ بولا۔

"ہاں، ہاں... اس نے تو دودھ پینا بھی تم ہی سے" ویرا نے جل کر کہا۔

"کھال میں رہو!" سلطان شاہ اس پر بگڑ کر بولا، "بدتمیزی پسند نہیں کرتا۔"

"اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے؟" ویرا نے

"تم خود ہی اسے اپنی چھوٹی بہن کہتے ہو....."

"خاموشی!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کی بات

"ذرا میں اپنے دفتریات کر لوں۔"

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی اور سلطان شاہ کو زبان چل دی۔ غزالہ بے اختیار ہنس پڑی۔

وہ ایک سنگین تعطل تھا جو باتوں ہی باتوں میں اچانک تھا۔ منصوبے پر عمل شروع ہونے کی امید بندھتے ہی پُرجوش اور فعال نظر آنے لگا تھا۔

میں نے پردوں کے درمیان سے دیکھا کہ باہر اندھیرا تھا۔ شاید ویرا شام کا پہلا گلاس لینے کے لیے اپنے کمرے تھی۔ میرے دل میں یک بہ یک مے نوشی کی خواہش نے اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"شاید تم ویرا سے وقت معلوم کرنے جا رہے ہو!" سلطا نے ذومعنی لہجے میں مجھے ٹوکا۔ وہ اتنا خرانٹ ہو گیا تھا ک اوقات میرے چہرے سے میرے دل کی بات پڑھ لیتا تھا۔

میں غصے سے اسے گھور کر رہ گیا۔ اس وقت تک ا فون پر گفتگو شروع کر چکا تھا۔ غزالہ نے سلطان شاہ کے قر کہا "ان سے مت لڑو۔ آؤ ہم عمدہ سی چائے بنا کر پیتے ہیں۔"

میں رکے بغیر ڈرائنگ روم سے نکل کر ویرا کے ک طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس کے کمرے میں پہنچ کر مجھے دوسری حیرت کا سامنا اس کے سامنے میز پر دو گلاس رکھے ہوئے تھے اور وہ د دوسرے گلاس میں اسکاچ انڈیل رہی تھی۔

"یہ دوسرا گلاس کس کے لیے بنا رہی ہو؟" میں نے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے لیے" اس نے بے ساختہ کہا "ہم پانچوں کون اسے منہ لگاتا ہے؟ مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے میں نے پہلے سے دو صاف گلاس نکال لئے تھے۔"

"میں مے نوشی کے لیے نہیں، تم سے تخلیے میں کرنے کے لیے آیا تھا" میں نے بھنا کر کہا۔

"تم پینے کے موڈ میں نہیں ہو تو دوسرا گلاس بھی میں گی۔ کہو کیا بات کرنی ہے؟"

اس نے وہ فقرے ایسی بے پروائی سے کہے تھے میری وضاحت پر ذرا بھی یقین نہ آیا ہو۔ میں چند ثانیوں

بھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور پھر گلاس اٹھا کر ایک لمبا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرلیا۔

اس وقت تک ویرا نے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر گہری دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں فوراً ہی اسے نظر انداز کرکے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ میں پہلا کش بھی نہیں لے پایا تھا کہ اس نے جھک کر میرے ہونٹوں سے سگریٹ اچک لی اور میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ہنس کر کہنے لگی "یہ گلاس کا حساب ہے۔ شریف بچے کی طرح اپنے لیے دوسری سگریٹ سلگالو۔"

"میں غزالہ کی وجہ سے گھر میں تمہارا لحاظ کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں ورنہ بعض اوقات تمہارے بال پکڑ کر تھپڑ لگانے کو طبیعت چاہتی ہے۔ کبھی کبھی تم مجھے آپے سے باہر کردیتی ہو۔" میں نے دوسری سگریٹ سلگا کر کہا۔

"میرا لحاظ نہ کرو۔ باہر چل کر تم اپنا یہ شوق بھی پورا کرسکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ ٹی کے ابتدائی دنوں میں میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی تو میرے مارشل آرٹس سے تم سب ہی تھراتے تھے۔"

"وہ اور زمانہ تھا۔ اس وقت میں ٹی کی غلامی کررہا تھا اور جمی لائیڈ کے کتوں سے بھی ڈرنے پر مجبور تھا۔ اسی کے بل پر تمہاری دھونس چل رہی تھی اور میں نے بعد میں تمہارا مقابلہ بھی کیا ہے۔"

اس نے گلاس سے بمشکل چند چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے تھے لیکن وہ اپنی کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر مخمور آواز میں ہولے سے ہنس پڑی اور بولی "میرا چہرہ بگڑا ہوا تھا تو تم میرے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آرہے تھے۔ اب میری صورت کچھ سنوری ہے تو تھپڑ لگانے کی باتیں کررہے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"میرے دل میں تمہارے لیے اب صرف ہمدردی ہی ہمدردی رہ گئی ہے!"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے کبھی کبھی تم اپنے فیصلوں پر پچھتاوا محسوس کرتے ہو..... اور شاید اسی کی کسک تمہیں کچھ تلخ بنادیتی ہے۔ پہلے تم ایسے تو نہیں تھے۔ حسین عورتوں کی دل داری اور ناز برداری کے سارے طریقے جانتے تھے۔"

"گڑے مردے مت اکھیڑو!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنا گلاس اٹھایا اور خالی کرکے میز پر رکھ دیا۔ "شادی انسان کو باہر سے ہی نہیں، اندر سے بھی بالکل بدل دیتی ہے۔ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں غزالہ کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ انسان بیوی کے ساتھ اس سے زیادہ خوشیوں کی توقع نہیں کرسکتا۔"

"لیکن محبوبہ کے ساتھ اس سے زیادہ خوشیاں مل سکتی ہیں" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا پھر میرے گلاس میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے بات جاری رکھی "برے بھلے وقت کے لیے آدمی کی کوئی محبوبہ ہو تو وہ کبھی خسارے میں نہیں رہتا۔ میاں بیوی کا رشتہ بہت جلد پرانا ہوجاتا ہے اور باہمی کشش کھو کر بہن بھائی کی طرح ایک دوسرے کے لیے بے ضرر ہوجاتے ہیں لیکن محبوبہ پچاس برس بعد بھی محبوبہ رہتی ہے۔ اسے جب بھی چھوا جائے، کرنٹ لگتا ہے۔ پتا نہیں تم نے یہ خانہ کیوں خالی چھوڑا ہوا ہے۔"

"اگر تم اس خالی خانے کے لیے امیدوار ہو تو اپنا ٹینڈر رہنے دو۔ وقت آئے گا تو تمہارے بارے میں بھی سوچ لوں گا" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر بے رحمانہ لہجے میں کہا "تم آج بھی خوب صورت ہو۔"

"تم بہت سفاک ہو" وہ اپنا گلاس خالی کرکے گھائل آواز میں بولی "تم نے مجھے برباد کردیا ورنہ ڈان مرسیانو نے مجھے یہی سکھایا تھا کہ ہر مرد کو ایک کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلتی رہوں۔ دل بھر جائے تو اسے دھتکار دوں۔ تمہارے سامنے میری یہ تربیت اور برسوں کا سارا ریاض دھرا کا دھرا رہ گیا۔ میں تمہیں کھلونا نہیں بنا سکی۔ میں نے تمہیں جیتنے کی کوشش کی اور تم نے مجھے کھلونا بنالیا۔ تم نے مجھے یہ آزار نہ دیا ہوتا تو میں آج بھی ایک آزاد پنچھی کی طرح خوشی کے گیت گاتی ہوئی ڈال ڈال گھوم رہی ہوتی۔ اب میں 'میں' نہیں رہی ہوں۔ تمہارے دیے ہوئے دکھ کا ایک سایہ بن کر رہ گئی ہوں۔ ذرا جلدی سے گلاس خالی کرو۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔"

ابتدا میں میں نے تیزی دکھائی تھی لیکن تیسرا گلاس ہم دونوں نے ایک ساتھ ختم کیا۔ وہ مغربی معیار کے گلاس نہیں تھے جن میں شراب بقدر اشکِ بلبل اور برف بے حساب ہوتی ہے۔ پاکستان میں رہتے رہتے ویرا بھی دیسی حساب سے پیمانے بنانے کی عادی ہوچکی تھی۔

ڈرائنگ روم سے ہم دونوں ہی بہت خوشگوار موڈ میں الگ اٹھے تھے لیکن ویرا کی خواب گاہ میں چند لمحوں میں نہ جانے کیا ہوا کہ ساری خوشی ایک بے نام سی اداسی میں ڈھل گئی تھی۔

میں نے اپنے دل و دماغ کو ٹٹولا لیکن دور دور تک پچھتاوے کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اپنے اکیلے پن پر ویرا بہت مغموم ہوگئی تھی۔ یہ شاید اسی کے موڈ کا پرتو تھا جو مجھے اداس کرگیا تھا۔

"کیا تم دونوں لڑ کر آرہے ہو؟" ہمیں دیکھتے ہی اول خان نے بے ساختہ سوال کیا۔ وہ فون سے فارغ ہوکر غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھا۔

"نن..... نہیں تو!" ہم دونوں نے بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے تقریباً بیک آواز کہا۔

"تو پھر تمہاری چمک دار آنکھوں میں نمی کیوں جھلملا رہی ہے؟" اول خان نے ویرا سے پوچھا۔

"باپ یاد آگیا تھا" ویرا کی آواز اچانک بھرا سی گئی "وہ کتنا بھی برا سہی لیکن میرا باپ تھا۔ مجھ جیسے لوگ تو ویسے بھی اپنی پیدائش سے موت تک اپنے باپ کے پیار کے لیے ترستے رہتے ہیں اور..."

اس کی آواز رندھ گئی اور وہ اپنی بات پوری نہیں کرسکی۔ اس نے اپنے اندر کے دکھ کو کمال مہارت سے اپنے باپ کی طرف موڑ دیا تھا۔ میں نے نرمی سے اس کا بازو تھام کر ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ غزالہ فوراً ہی اس کے پاس آبیٹھی۔ میں نے اول خان کو اشارے سے بتایا کہ وہ پی کر آئی تھی اس لیے زیادہ حساس ہورہی تھی ورنہ اس کے بارے میں فکرمندی کی کوئی بات نہیں تھی۔

"پھر تم نے کیا طے کیا ہے؟" میں نے اپنی نشست سنبھالنے کے بعد ویرا کی کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے، اونچی آواز میں اول خان سے پوچھا "راس المیڈا کے شکار کے لیے کون سا وقت مناسب رہے گا؟"

"آج اس پروگرام کو ملتوی کردو!" اول خان پُرتشویش نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ویرا کو شاید تم لوگوں کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں کہ میں نے یہاں کا ماحول بوجھل کردیا" ویرا پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی تو اس کی آنکھوں میں خمار کے گلابی گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری وجہ سے پروگرام ملتوی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود بھی اس مہم میں شریک ہونا چاہوں گی۔"

"یہ ہم بعد میں طے کرلیں گے کہ اس مہم میں کس کس کو شریک ہونا ہے" میں نے کہا پھر اول خان سے پوچھا "یہ بتاؤ کہ سیشن نور کی کیا خبریں ہیں۔ کنٹینر کب تک تیار ہوجائے گا؟"

"ایک گھنٹے میں سارا کام ختم ہوجائے گا۔ اگر ہم ابھی کوئی فیصلہ کرلیتے ہیں تو رات کے ایک بجے کے بعد میرے آدمی کسی بھی وقت ٹارگٹ پر پہنچ سکتے ہیں۔ آدمیوں کو تیار ہونے میں وقت نہیں لگے گا۔"

"ہمیں اس عمارت کو دونوں طرف سے دیکھنا ہوگا۔ کیا تمہارے پاس اتنی نفری موجود ہے؟" میں نے اس کے پھنسے ہوئے آدمیوں کی تعداد پر غور کرنے کے بعد سوال کیا۔

"نجی مراد پر مامور ایک آدمی کو ہٹانا پڑے گا۔ جہانگیر کے گھر پر اگر رات میں صرف ایک آدمی رہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صبح ضرورت ہوئی تو میں وہاں دوسرا آدمی بھی بھیج دوں گا۔ تمہارے فلیٹ پر دونوں آدمی ضائع ہورہے ہیں۔ انہیں ساتھ لینا پڑے گا" اول خان نے پوری وضاحت پیش کردی۔

"یہاں کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ ویرا بھی چلنے پر مصر رہی تو غزالہ یہاں اکیلی رہ جائے گی۔ میں اس کے بارے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"آپ میری طرف سے بے فکر رہیں۔ میں دروازے مقفل کرکے آرام سے سوجاؤں گی۔ میں اپنی وجہ سے کسی پر کوئی جبر نہیں کرنا چاہتی" غزالہ نے بے خوفی سے کہا "جو عورت آتشیں ہتھیاروں کے استعمال سے واقف ہو، وہ کسی خوف کے بغیر اکیلی بھی رہ سکتی ہے۔"

"کنٹینر میں سات آدمی بلکہ کمانڈو موجود ہوں گے۔ آٹھواں ڈرائیور ہوگا۔ ٹریلر والوں کو باہر سے مدد فراہم کرنے کے لیے ایک چار نفری موبائل یونٹ پوری تیاریوں کے ساتھ موجود رہے گا۔ اسی قسم کے دو یونٹ عقبی سمت سے اندر گھسنے کے لیے تیار رہیں گے۔ ان میں چھ، چھ افراد ہوں گے" اول خان کے لیے وہ اس کا پیشہ ورانہ موضوع تھا۔ وہ پوری تفصیل کے ساتھ اپنا پلان پیش کررہا تھا۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں ٹریلر کے پیچھے والے موبائل یونٹ سے کمان کروں گا۔ شٹر اٹھتے ہی ٹریلر اندر داخل ہوگا اور ایسی پوزیشن میں روک لیا جائے گا کہ کنٹینر کا کچھ حصہ باہر نکلا رہے۔ اس طرح وہ کوشش کے باوجود اس کھلے ہوئے راستے کو بند نہیں کرسکیں گے۔ ٹریلر رکتے ہی ساتوں کمانڈو ایک برسٹ ماریں گے۔ یہ پچھلے موبائل یونٹوں کے لیے کارروائی کے آغاز کا سگنل ہوگا۔ کمانڈوز باری باری کنٹینر سے باہر نکل کر ٹریلر کی آڑ میں فائر کرتے ہوئے اندر پیش قدمی کریں گے۔ اسی وقت پچھلی سڑک والے موبائل یونٹ دونوں پھاٹکوں پر پہنچ کر انہیں کھولنے کا حکم دیں گے۔ تعمیل میں تاخیر ہوئی تو ان مخصوص گاڑیوں کی فاضل آہنی گرل کی ضربات سے گیٹ گرا دیے جائیں گے۔ وہ اندر گھستے ہی فضا میں ٹریسر فائر کریں گے جس سے مجھے ان کی کامیابی کا علم ہوجائے گا۔ اس کے بعد کھلی جنگ ہوگی۔ ہر گروپ کمانڈر کے پاس اس کا اپنا ایریئس ہوگا جس پر سب لوگ ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں گے۔"

"شاندار!" سلطان شاہ اس کے خاموش ہوتے ہی بے ساختہ بول پڑا۔

"پورے منصوبے میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم دن بھر اسی پلان پر کام کرتے رہے ہو" ویرا اپنی اداسی بھول کر دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اول خان سے مخاطب ہوئی۔

"دن بھر کہاں" اول خان عاجزانہ ہنسی کے ساتھ بولا "دوپہر کے بعد تو ٹریلر کی خبر ملی ہے۔ ڈینی کو ٹریلر کے اغوا کی ہدایت دیتے ہی میں نے عرق ریزی سے کام کرنا شروع کردیا تھا۔"

"مگر مجھے تمہارے منصوبے میں ایک سنگین سقم نظر آرہا ہے" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟" اول خان میرے اعتراض پر ہمہ تن گوش ہوگیا اور صوفے سے آگے جھک آیا۔

"اس میں ہم میں سے کسی کا کوئی کردار نہیں ہے" میں نے

سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

اول خان بے اختیار ہنس پڑا "تم بھول رہے ہو کہ کلیدی کردار تمہارا ہی ہے۔ اگر وہ ٹریلر اور کنٹینر ہمارے ہاتھ نہ آتا تو اتنا قابلِ عمل پلان بن ہی نہیں سکتا تھا۔"

"وہ الگ بات ہے۔ میں راس المیڈا کی سرکوبی کے معاملے سے اتنا الگ تھلگ نہیں رہ سکتا" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے ہم آواز ہو کر میری تائید کر ڈالی۔

"پہلے مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو پھر اپنے اعتراضات پیش کرو" اول خان نے مفاہمانہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اندر مذاکرات نہیں ہوں گے۔ وہ مارنے یا مرجانے کا مشن ہوگا۔ اس کے لیے صرف اور صرف میرے پیشہ ور آدمی موزوں رہیں گے۔ تم نے یہ نہیں سنا کہ میں کمانڈر ہوتے ہوئے بھی اپنے یونٹ کے ساتھ باہر رہوں گا۔ میری طرح تم تینوں پچھلی سڑک پر بھاگنے والوں کی گوشمالی کے لیے موجود رہو گے۔ تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اچھے کمانڈر محاذ سے ذرا پیچھے رہ کر پوری منصوبہ بندی سے اپنے آدمیوں کو لڑاتے ہیں اور انہیں ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ وہ خود جنگ میں ملوث ہو جائیں تو یہ اہم ترین کام کون کرے گا؟ محاذ پر مناسب رہنمائی نہ ہو تو بہت جلد سب کچھ بکھر کر رہ جاتا ہے۔"

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اول خان نے مجھے لاجواب کر دیا تھا۔ بظاہر اس کی حکمتِ عملی پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔

"اور اگر ہم تماشائی بن کر وہاں جانے کے بجائے یہیں رکے رہیں؟" سلطان شاہ نے بے تکا سا سوال کر ڈالا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ تم وہاں تماشائی نہیں، میرے دستِ راست ہو گے" اول خان ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا "اگر میرے ذہن میں تم لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو میں پیچھے سے حملہ آور ہونے والے بارہ افراد کے دو کے بجائے تین یونٹ بناتا اور ایک یونٹ کو باہر مامور کر دیتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اندر زیادہ نفری کی ضرورت پڑے گی۔ حملہ آوروں کی بھاری تعداد اندر والوں کو سراسیمہ کر کے ان کے پیر اکھاڑ دے گی۔"

"وہ سوال میں نے ایسے ہی کر لیا تھا" سلطان شاہ نے نادم ہو کر کہا۔

"اب سوال یہ ہے کہ وقت کیا رکھا جائے؟" اول خان نے چند ثانیوں کے بعد کہا "اس کے مطابق یہ بندوبست بھی کروانا پڑے گا کہ پولیس کی کوئی گشتی پارٹی اس محاذ آرائی میں فریق بننے کی کوشش نہ کرے۔"

"رات جتنی گہری ہو جائے اسی قدر بہتر رہے گا" غزالہ نے رائے دی "نیند سے اٹھنے والا دشمن صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بڑی حد تک محروم ہوتا ہے اور پھر شہر بھی ویران ہو چکا ہوتا ہے۔"

"لیکن اتنی تاخیر نہیں ہونی چاہیے کہ ہم سورج نکلنے تک وہیں الجھے رہیں۔ ہم لوگوں کو ہر حالت میں سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے نکل جانا ہوگا" اول خان نے زور دے کر کہا۔

میں اس کی مجبوری جانتا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس جو خدمات سرانجام دیتی تھی جو ماورائے قانون ہوتی تھیں۔ اسی لیے اس کا وجود خفیہ رکھا گیا تھا۔ سرکاری کاغذات پر اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اس کی داغ بیل ڈالنے والے گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ کسی ایک واقعے کی وجہ سے اس کے نام کو وجود کی کوئی سند مل جائے۔ خفیہ طور پر پاکستان کے دشمنوں بلکہ امریکا جیسے نامہربان دوست کو بھی معلوم تھا کہ ملک کی سرزمین پر ایس ٹی ایف نام کی کوئی خفیہ تنظیم فعال ہے لیکن وہ خود بھی اسے ثابت کرنے کے اہل نہیں تھے۔

"دو بجے کا وقت مناسب رہے گا۔ ہم اجالے سے پہلے وہاں سے نکل سکتے ہیں" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے!" اول خان نے کہا "تمہارا ایڈریس تمہارے پاس ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں میرا کوئی آدمی تم تینوں کے لیے ہتھیار اور فاضل میگزین وغیرہ لے آئے گا۔ کار تم اپنی ہی استعمال کرو گے۔ بس رات کو اس کی نمبر پلیٹ پر کچھ لگا دینا۔ ہم رات کو ٹھیک دو بجے آبدوز والے چوراہے پر یکجا ہوں گے۔"

"ہتھیار ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہمیں فاضل میگزین اور راؤنڈز کی ضرورت ہو گی۔" میں نے اس سے کہا۔

اس کے استفسار پر میں اسے میگزین اور راؤنڈز کا سائز بتانے لگا۔ وہ ایک کارڈ کی پشت پر جلدی جلدی نوٹ لیتا چلا گیا پھر عجلت میں فلیٹ سے رخصت ہو گیا۔

"آج راس المیڈا کی آخری رات ہو گی" سلطان شاہ نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا "اس کے بعد فی الحال کوئی اور دشمن میدان میں نہیں ہے۔ ایک طویل مدت کے بعد ہمیں سکون میسر آئے گا۔"

"اس خوش فہمی کو دل سے نکال دو" میں نے کہا "سخی مراد کو باہر سے نہیں بھیجا گیا تھا۔ ہماری اپنی سرزمین پر ایسے ایسے زہریلے سنپولیے پھل پھول رہے ہیں جو سیکڑوں دساوری ناگوں پر بھاری ہیں۔ پھر بھارتی دوست بھی حسبِ توفیق منہ ماری کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آج کی رات گزرنے کے بعد امریکنوں کا کیا ردِ عمل ہوگا۔"

"وہ اپنا سر پیٹیں گے اور بوٹیاں نوچیں گے۔" اس نے کہا "اس بار راس المیڈا کے خلاف ایسا مضبوط منصوبہ بنا ہے کہ وہ بچ کر نہیں نکل سکے گا۔ اس کا قصہ پاک ہونے سے ہمارے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ جائے گا۔"

"جم کلارک کی موت کے بعد سے شی کی کوئی خیر خبر نہیں" ویرا نے کہا "ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا کی ناکامی کے بعد ایک بار پھر کسی کا سہارا لیا جائے۔ مشکل یہ ہو گئی ہے کہ وہ لوگ تمہارے لگائے ہوئے زخموں کو کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ ان کے پاس مالی اور افرادی وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی میدان میں آتا ہی رہے گا۔"

"کبھی خیریت اور سکون کی باتیں بھی سوچ لیا کرو" سلطان شاہ نے آنکھیں نکال کے کہا "اور ہاں، یہ تو بتاؤ کہ اول خان کے سامنے شراب پی کر رونا کیوں شروع کر دیا تھا؟ اگر نشہ برداشت نہیں کر سکتیں تو اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو۔ وہ بے چارہ شریف آدمی ناحق پریشان ہو رہا تھا۔"

"اپنی زبان کو قابو میں رکھو ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔ یہ نہ بھولو کہ میں اس وقت نشے میں ہوں۔" ویرا نے سرد لہجے میں کہا "نشے کی حالت میں رونے والیاں کبھی کبھی کاٹنا بھی شروع کر دیتی ہیں۔"

سلطان شاہ پھر کوئی تلخ و ترش جواب دینے والا تھا لیکن میری گھورتی ہوئی نظریں دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

اس وقت ساڑھے آٹھ بجنے والے تھے۔ وقت کم رہ گیا تھا۔ میرا مشورہ تھا کہ قبل از وقت کھانا کھا کے کچھ دیر آرام کر لیا جائے تاکہ مقررہ وقت تک ہم سب تر و تازہ ہو سکیں۔

غزالہ کو آمادہ پا کر ویرا اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ سلطان شاہ نہانے کے لیے غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

تنہائی میسر آتے ہی غزالہ نے میرے سامنے آکر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کے لب خاموش تھے مگر اس کی آنکھوں میں مجھے کئی سوال ہلکورے لیتے نظر آ رہے تھے۔ میرے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔ میں نے بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپا لیا۔ وہ کسی نرم موم کے مجسمے کی طرح میری گرفت میں یوں سما گئی تھی جیسے ہم دونوں ایک جان دو قالب ہوں۔

ہم دونوں کئی ثانیوں تک اسی طرح کھڑے رہے۔ اس کے جسم کی بھینی بھینی حیوانی مہکار مجھے قدرے مشتعل کر رہی تھی۔ اس کی نرم زلفوں کی خوشبو مجھے سرور دے رہی تھی۔ میں نے اپنے ہونٹ اس کے بالوں پر رکھ دیے۔

"ڈیئر! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی" اندر سے آنے والی ویرا کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

"اب وہ آپ کو پھر پینے کی دعوت دے گی اور آپ بیٹھ جائیں گے" غزالہ نے ایک مرتبہ پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شکوہ کیا "آپ تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو میرے دل میں چند روز سے وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پہلے مجھے پروا بھی نہیں ہوتی تھی مگر اب اس کی نظریں کچھ بدل رہی ہیں۔ کبھی کبھی میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔"

غزالہ کے اس بروقت شکوے پر میں حیران رہ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ویرا مجھ سے ذو معنی باتیں کر رہی تھی اور اب غزالہ شکایت کر رہی تھی۔ وہ میری بیوی تھی اور اپنے حق کے سلسلے میں شاید اس کی جبلت پوری طرح کام کر رہی تھی۔

"تم احمق ہو۔" میں نے اس کے نرم رخسار پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا "ویرا بری عورت ہوا کرتی تھی۔ وہ خود اس کا اعتراف کرتی ہے مگر اب وہ بری نہیں ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر پینے سے تھوڑی سی ذہنی عیاشی ہو جاتی ہے اور اب تو میں ویسے بھی کبھی کبھار ہی پیتا ہوں۔"

"میں خدا سے دعا کرتی رہوں گی کہ آپ ہمیشہ میرے اعتبار کو قائم رکھ سکیں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا پھر بوجھل قدموں سے ویرا کے کمرے کی طرف چل دیا۔

میں نے اپنے دل کو ٹٹولا اور محسوس کیا کہ میں اس وقت بھی غزالہ سے پہلی جیسی محبت کرتا ہوں۔ میرے بارے میں ویرا کے خیالات جو بھی رہے ہوں، میرے دل میں اس کے لیے دوستی کے سوا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر، پی کر اور باتیں کر کے مجھے لطف ضرور آتا تھا لیکن اس سے زیادہ کوئی بات نہیں تھی۔ جو کچھ تھا، وہ میری اور غزالہ کی شادی سے پہلے کا افسانہ تھا جو رفتہ رفتہ ایک بھولا ہوا خواب بنتا جا رہا تھا۔

اگر سب کچھ ٹھیک ہی تھا تو پھر گڑبڑ کہاں تھی؟ غزالہ کی جبلت اسے کیوں اکسا رہی تھی؟ کہیں ویرا نے ہی میری غیر موجودگی میں غزالہ سے الٹی سیدھی باتیں کرنی تو نہیں شروع کر دی تھیں؟

میں ان ہی خیالات میں غلطاں ویرا کے کمرے میں پہنچا تو اس نے فوراً ہی فقرہ چست کر دیا "غزالہ کے شوہر ہو۔ مجھ سے دوستی ہے لیکن سوچ کسی اور کے بارے میں رہے ہو۔ کون ہے وہ؟"

"تمہارا ہم وطن۔ راس المیڈا!" مجھے بروقت وہ موزوں جواب سوجھ گیا۔

"تم نے میری باتوں کا برا تو نہیں مانا تھا؟" ویرا نے ٹٹولنے والی نظروں سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں سوال کیا تو میں نے پہلی بار اپنے وجود میں بے چینی کی ایک لہر ابھرتی ہوئی محسوس کی۔

مجھے یاد آیا کہ ہمارے گھر میں ایف ایم مائیکرو فون جیسا خطرناک آلہ آ چکا تھا جس پر وہ لوگ میری اور نادرہ کی بات چیت سن چکے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ غزالہ نے اسی آلے کی مدد سے میری اور ویرا کی کوئی غیر محتاط گفتگو سن لی ہو اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہو گئی ہو۔

میں نے تیزی سے ویرا کو جواب دیا "میں نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا تھا لیکن تمہاری نمناک آنکھوں نے مجھے سب

کے سامنے شرمندہ کیا۔ غزالہ بے زبان عورت ہے۔ اس نے کچھ نہیں کہا لیکن تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے وہ میری طرف سے بدگمان ہوسکتی ہے۔ اب میں تم سے ذاتی نوعیت کی کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا" وہ تلخی سے بولی "ہم کیڑے مکوڑوں پر باتیں کرلیا کریں گے۔ میں نے تو ویسے بھی اپنی ذات کو بڑی حد تک بھلا دیا ہے۔ تم چاہتے ہو تو اب اس پر بات بھی نہیں ہوگی۔"

"پلیز! میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو ویرا!" اس کے ردِعمل پر مجھے ملتجیانہ لہجہ اختیار کرنا پڑگیا "مجھے تمہاری ذات سے کوئی پرخاش نہیں ہے لیکن کبھی کبھی تمہارا جذباتی ردِعمل میری پوزیشن مشکوک بنادیتا ہے۔ ان تینوں نے سوچا ہوگا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے......"

"تم خود بتاؤ کہ کیا میرا جذباتی ردِعمل غلط ہوتا ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"مم...... میں کیا کہہ سکتا ہوں!" ویرا کے اس براہِ راست سوال پر میں گڑبڑا کر رہ گیا۔

"تم بہت کچھ کہہ سکتے ہو اور بہت کچھ جانتے ہو۔ اگر تم نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی مجھے اپنی مصلحتوں کا ایندھن بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے یہ بھی منظور ہے۔ اب یہ باتیں ختم کرو۔ لو! اپنا گلاس اٹھاؤ! اب ہم راس المیڈا کی بربادی کا جام نوش کریں گے۔"

میں نے گلاس اٹھاتے ہوئے ویرا کی آنکھوں میں جھانکا اور دھیمے سے کہا "صرف جام تجویز کرکے دشمن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تمہاری مکمل صحت یابی اور بحالی کا جام ہے۔"

وہ کھل اٹھی۔ فضا میں دونوں گلاس ہولے سے ٹکرائے اور واپس لبوں کی طرف ہولیے۔

میں ویرا سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا مگر مجھے خوشی تھی کہ میں نے اپنا مدعا کسی نہ کسی حد تک اس پر واضح کردیا تھا۔ مجھے اس سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ ویرا نے میری بات سمجھ لی تھی اور وہ عام موضوعات پر باتیں کررہی تھی۔ اس بار ہم نے وہی ایک گلاس ختم کیا اور وہاں سے اٹھ گئے۔

غزالہ کسی فرض شناس بیوی کی طرح میز لگارہی تھی۔ فلیٹ کی بند فضا میں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔ میں نے اپنی مخصوص کرسی سنبھال لی۔ ویرا، غزالہ کے ساتھ مصروف ہوگئی۔

سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف سے اس وقت بھی پانی گرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔ "جلدی نکل آؤ ورنہ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا۔"

"یہ عجیب آدمی ہے۔" ویرا نے میز پر پانی کے گلاس لگاتے ہوئے کہا "شادی شدہ نہ ہونے کے باوجود ہر وقت نہاتا رہتا ہے۔ پتا نہیں اسے کون سا مرض لاحق ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر حیا آمیز تبسم بکھر گیا۔ میں نے لہجے میں ویرا سے کہا "تمہیں کون سا مرض ہے جو تم دوسروں کے غسل کا شمار کرتی رہتی ہو؟ اس کے سامنے یہ کہہ دینا۔ وہ مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ کسی کو ہر وقت ستھرا رہنے کا خبط ہو اور پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب ہو طور پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ گرم ممالک میں کثرت سے نہانا عادتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔"

ویرا نے شاید میرا مشورہ مان لیا تھا کیونکہ سلطان شاہ میں لباس تبدیل کرکے کھانے کی میز پر آیا تو ویرا نے اس پر چبھتا ہوا تبصرہ نہیں کیا اور یوں پرسکون ماحول میں کھانے کا شروع ہوگیا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے ساڑھے نو بج گئے۔ میں خواب گاہ میں گیا تو فوراً ہی محفل بکھر گئی۔ تنہا رہ جانے کے غزالہ بھی باہر کی روشنیاں گل کرکے کمرے میں آگئی۔

کمرے میں ٹیلی وژن پر کوئی انگریزی فلم چل رہی تھی۔ ویرا نے دروازہ بند کرکے خواب گاہ کی روشنیاں گل کیں تو ٹیلی وژن اسکرین کا ہلکا ہلکا نیلگوں اجالا پھیل گیا۔ میں بستر پر خاموشی سے غزالہ کی نقل و حرکت دیکھتا رہا۔ مجھے اچانک ہی اس پر بہت زیادہ پیار آنے لگا تھا اور وہ تھی بھی پیار کے قابل۔ خوش جمال اور سبک اندام ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوب سیرت تھی۔ ماں کی موت، باپ کی خودکشی اور اکلوتے بھائی کے سفاکانہ قتل کے بعد وہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ مجھ سے شادی کے بعد اس نے اپنی ساری توقعات اور خوشیاں صرف میری ذات سے وابستہ کرلی تھیں۔ میں اس کی دل آزاری کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

وہ شب خوابی کے حریری لبادے میں ملبوس ہوکر بستر پر آئی۔ میں اس کے سارے گلے شکوے دور کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

راس المیڈا کے خلاف صف آرا ہونے میں بس چند گھنٹوں کا وقت باقی رہ گیا تھا۔ تمام تر آثار اچھے ہونے کے باوجود مجھے خوفناک معرکے کے بارے میں زیادہ خوش فہمی نہیں تھی۔ میں ان چند گھنٹوں کو غزالہ کے ساتھ تجدیدِ محبت کے ان یادگار و نازک لمحوں میں تبدیل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا جو کسی بھی جوڑے کے لیے زندگی بھر کا اثاثہ بن جاتے ہیں اور مرتے دم تک خوشگوار یاد بن کر ذہن سے چپکے رہتے ہیں۔

میں لمحہ بھر کے لیے بھی پلک جھپکائے بغیر ایک بجے طرح تیار ہوکر اپنے کمرے سے باہر آیا تو سلطان شاہ ڈرائنگ کی بالکونی میں کھڑا ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

"اول خان کا آدمی میگزین اور راؤنڈز لے کر نہیں..." سلطان شاہ نے میرے قدموں کی آہٹ پاکر پُرتشویش لہجے میں ..."نہ ہی اول خان کا کوئی فون آیا۔"

"مختصر نوٹس پر اتنے بڑے آپریشن کی تیاری آسان نہیں ہوتی۔ وہ کام میں الجھ گیا ہوگا۔ دو بجے ملے گا تو میگزین وغیرہ لے لیں گے۔ راس المیڈا سے ملاقات کے لیے ہمارا کوئی وقت طے نہیں ہے۔" میرے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

پھر ویرا بھی آگئی۔ اس کی متورم آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سونے کے بجائے مسلسل پیتی رہی تھی۔

"میں تیز کافی کی ضرورت محسوس کررہی ہوں۔" وہ آتے ہی بولی "کہو تو تمہارے لیے بھی بنالوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ! جلدی لاؤ اور اس کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لیتی آنا۔"

مقابلے کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس باتوں کا ذخیرہ ختم ہوتا جارہا تھا۔ سلطان شاہ کینوس کے تھیلے میں ہتھیاروں کو یک جا کرنے میں مشغول ہوگیا اور میں صوفے پر نیم دراز ہوکر ایلن کی سازشوں سے شروع ہونے والی اس کہانی کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا جو راس المیڈا کی ذات پر اٹک گئی تھی۔

غزالہ اپنے کمرے سے خاصی دیر میں برآمد ہوئی۔ اس وقت تک ہم تینوں کافی پی چکے تھے۔

ہمارے گھر سے آبدوز والے چوراہے کا راستہ زیادہ نہیں تھا۔ اتنی رات گئے ہم پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں وہاں پہنچ سکتے تھے مگر میں نے احتیاطاً پونے دو بجے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

غزالہ کو بہت احتیاط سے دروازے مقفل کرکے گھر میں محصور رہنے کی رسمی ہدایات دے کر ہم تینوں فلیٹ سے روانہ ہوگئے۔ سلطان شاہ کے ہاتھ میں جھولتے ہوئے وزنی تھیلے سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ہم تینوں کسی طویل سفر پر جارہے ہوں۔ نیچے اونگھتے ہوئے چوکیدار نے ہمیں قدرے تحیر زدہ نگاہوں سے دیکھا۔ ہم اسے نظرانداز کرکے گاڑی میں سوار ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ڈرائیونگ سلطان شاہ نے سنبھال لی۔ میں اس کے برابر والی نشست پر تھا۔ ویرا پچھلی سیٹ پر بیٹھی، تھیلے میں سے ہتھیار نکال کر انہیں لوڈ کررہی تھی۔

کراچی میں دن بھر موسم کیسا ہی سخت رہے، رات کو ساحلِ سمندر سے آنے والی ہوائیں خوشگوار ہوتی ہیں۔ اس وقت ہم ساحل سے قریب تر اور آلودگی سے پاک علاقے میں تھے اس لیے وہ ہوائیں قدرے خنک محسوس ہورہی تھیں۔

سلطان شاہ نے سپر مارکیٹ والے چوراہے سے کار داہنی طرف گھمائی تو ہمیں سڑک کے بائیں جانب کنارے کے ساتھ ساتھ چار وزنی گاڑیوں کا ایک کارواں فوجی انداز میں سفر کرتا ہوا نظر آیا۔ سب سے آگے کنٹینرز سے لدا ہوا ایک لمبا ٹریلر تھا، اس کے پیچھے اونچے ایکسل والی تین پک اپس تھیں۔ واضح طور پر وہ اول خان کا مشینی کارواں ہی تھا۔

ان گاڑیوں کو دیکھتے ہی سلطان شاہ جوش میں آگیا۔ وہ کارواں وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سست رفتار سے جارہا تھا تاکہ اسے مقررہ مقام پر زیادہ دیر تک نہ رکنا پڑے۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی ان سے آگے نکالی تو ٹریلر کے پیچھے والی پک اپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر مجھے اول خان نظر آیا۔ میں نے اسے ہاتھ لہرایا اور ہماری گاڑی آگے نکلتی چلی گئی۔

آبدوز والے چوراہے سے گزری روڈ پر داہنی طرف گھوم کر سلطان شاہ نے گاڑی کنارے سے لگادی۔

چند منٹ میں انجنوں کی وزنی گڑگڑاہٹ کے ساتھ وہ کارواں ہماری کار کے پیچھے آرکا۔

پچھلی گاڑیاں رکتے ہی تین چاق و چوبند ہیولے ہماری طرف آئے۔ وہ سب چھاپا ماروں جیسے چست اور مٹیالے لباسوں میں ملبوس تھے۔ ان میں سب سے آگے اول خان تھا۔ پیچھے والوں میں سے ایک کے ہاتھ میں تھیلا تھا جو اس نے آتے ہی ہماری طرف بڑھادیا۔ سلطان شاہ نے وہ تھیلا فوراً ہی ویرا تک پہنچادیا۔

"مصروفیت کی وجہ سے میں بھول گیا تھا" اول خان نے کہا "اس تھیلے میں میگزین اور فاضل راؤنڈز کے علاوہ فرسٹ ایڈ کا سامان بھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہاری گاڑی کی پچھلی نمبر پلیٹ دور ہی سے پڑھی جارہی ہے۔ اب کیچڑ نہیں ملے گی، اس کا بلب نکال لو یا توڑ دو۔"

سلطان شاہ اس کے کسی ماتحت کی طرح دوبارہ کار کی طرف چلا گیا۔

"میرا کوڈ نام اور تمہارا ہیری ہے۔" اول خان اس وقت بہت سنجیدہ اور فکرمند نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ٹریلر کا گروپ کمانڈر الفا ہے۔ پچھلی سمت کے داہنے گیٹ والوں کا کوڈ بیٹا اور بائیں گیٹ والوں کا گاما ہے۔ دشمن جدید ترین وسائل سے مالا مال ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس ایسے آلات ہوں جو فوراً ہی ہماری ٹرانسمٹنگ فری کوئنسی مانیٹر کرکے ہمارے پیغامات پکڑنے لگیں اس لیے گفتگو میں بہت احتیاط ضروری ہے۔"

اس نے اپنے ساتھ آنے والوں کا تعارف بیٹا اور گاما کے طور پر کرایا۔ الفا پٹیوں میں لپٹا ہوا ہونے کی وجہ سے اپنے ٹرک کے کیبن میں براجمان تھا۔

"یہاں سے تم ہماری فارمیشن کے آخر میں چلو گے۔" تعارف کرانے کے بعد اول خان نے ہماری بریفنگ جاری رکھی "مسعودی قونصل خانے سے اگلی دو گاڑیاں سیدھی نکل جائیں گی۔ آخری گاڑیاں داہنی طرف گھومنے کے بعد ٹارگٹ کے پچھلے حصے میں پہنچیں گی۔" لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر اس نے اپنی رسٹ واچ

پر نظر ڈالی پھر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا "ہمارا ایچ آور یعنی حملے کا وقت دو بج کر دس منٹ ہے مگر بیٹا اور گاما یونٹ برسٹ فائرنگ کے بعد حرکت میں آئیں گے۔ عمارت وسیع ہے اور آپس میں کراس فائر کا نشانہ بننے کا امکان نہیں ہے لیکن اندر گھسنے کے بعد سب کو پوزیشنوں کا علم رہنا چاہیے" یہ کہہ کر اوّل خان نے مجھ سے اور سلطان شاہ سے ہاتھ ملایا اور وہ تینوں تقریباً دوڑتے ہوئے اپنی گاڑیوں کی طرف چلے گئے۔

میں نے مڑکر دیکھا تو ہماری گاڑی کی پچھلی نمبر پلیٹ تاریک ہو چکی تھی۔

ٹرک کا انجن بدستور بیدار تھا۔ وہ ایک تیز غراہٹ کے ساتھ حرکت میں آیا اور ٹریلر ہماری گاڑی سے آگے نکلتا چلا گیا۔ ہم دونوں پھرتی سے اپنی گاڑی میں آبیٹھے۔

وہ بہت سنسنی خیز لمحات تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی جنگی مشن کے ساتھ محاذ پر جانے والا ہوں۔ اول خان کی ساری تیاریاں اسی انداز کی تھیں۔

چوتھی گاڑی یعنی گاما یونٹ کے گزرتے ہی ہماری گاڑی بھی حرکت میں آگئی۔

دن میں وہ سڑک خاصی مصروف اور پُرہجوم ہوتی ہے لیکن اس وقت بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ نیول اسکول کے قریب کھڑی ہوئی چند ٹیکسیوں کے ڈرائیوروں نے حیرت بھری نظروں سے اس کارواں کو دیکھا اور لمحہ بھر میں ہم دوبارہ سڑک کے ویران حصے میں پہنچ گئے۔

گزری کی آبادی سے ملحق ڈیفنس کا رہائشی علاقہ شروع ہوگیا۔ مقررہ چوراہے پر ٹریلر رفتار کم کر کے سیدھا نکل گیا۔ اول خان کی گاڑی اس کے پیچھے رینگ رہی تھی۔ بقیہ گاڑیاں داہنی طرف گھوم کر بائیں سمت کے پہلے موڑ پر مڑ گئیں۔ اگلی گاڑیوں کی رفتار بڑھتے ہی سلطان شاہ نے بھی اپنے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

میرا خیال تھا کہ اول خان کے آدمی شہر کے ان علاقوں سے بہت زیادہ واقف نہیں تھے لیکن اس وقت اندازہ ہو رہا تھا کہ اصل کارروائی سے بہت پہلے اس علاقے کی دیکھ بھال کر لی گئی تھی۔ چند موڑ گھومنے کے بعد مجھے دور ہی سے راس الیڈا کے پُرہول مسکن کی بلند عقبی فصیل نظر آنے لگی۔ ہم تینوں نے فوراً اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔

پہلی گاڑی مطلوبہ مکان کے تقریباً وسطی حصے کی طرف رک گئی۔ دوسری گاڑی مکان سے پہلے تھم گئی تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی اسی کے پیچھے روک لی۔ تینوں گاڑیوں کے انجن بند کر دیے گئے تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دو بج کر نو منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ پچھلے پندرہ بیس منٹ اتنی تیزی سے گزرے تھے کہ وقت کا احساس ہی نہیں ہو سکا تھا۔

"وقت ہوگیا" چند ثانیوں بعد پیچھے سے ویرا کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ میرے اعصاب تن گئے۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو ویرا کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔

میرے کان برسٹ فائر کے شور کا انتظار کرنے لگے۔ سلطان شاہ نے بے چینی سے اپنی سیٹ میں پہلو بدل کر کہا "یہ انتظار بہت روح فرسا ہے۔ میرے تو اعصاب چٹخنے لگے ہیں۔"

لمحہ بہ لمحہ وقت سست رفتاری سے رینگتا رہا۔ فضا پر موت کا ہیبت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس مختصر سے فاصلے میں بیک وقت پندرہ چاق و چوبند نفوس موجود تھے لیکن ہر طرف سناٹا تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ دو بج کر بارہ منٹ ہوگئے لیکن کچھ نہ ہوا۔

بے یقینی کے صدمے سے میرا دل بیٹھنے لگا۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی لیکن وہ کیسی گڑبڑ تھی جو اتنی خاموشی اور رازداری سے ہوئی تھی کہ کانوں کان کسی کو پتا نہیں چل سکا تھا۔ گڑبڑ کی صورت میں بھی کچھ نہ کچھ فائرنگ اور ہنگامہ آرائی ہونی لازمی تھی۔ اگر الفا پارٹی کا لیڈر کسی مشکل سے دوچار ہوگیا تھا تو ٹام یعنی اول خان کہاں سو گیا تھا۔ اس نے حملے کی جو منصوبہ بندی کی تھی، وہ بہت بے داغ تھی۔ یہ امکان ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں پارٹیاں بیک وقت دشمن کی کسی ناگہانی چال کا شکار ہو جاتیں۔

تیرہواں منٹ پورا ہونے سے پہلے ہی فضا بھیانک فائرنگ کے شور سے لرز اٹھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ایک ہی وقت میں متعدد خود کار رائفلوں کے جہنمی دہانے کھل گئے تھے۔ دونوں اگلی گاڑیوں کے انجن جاگ اٹھے۔ گاما پارٹی کی پک اپ اچھل کر آگے بڑھی پھر بہت تیزی سے داہنی طرف گھوم کر بائیں پھاٹک سے چند انچ کے فاصلے پر رک گئی۔

دونوں پک اپس کے ہیڈ لیمپ روشن تھے اور ان کے ہارن بھی بجائے جا رہے تھے۔ پُرسکون رہائشی علاقے میں اس وقت فائرنگ کا ایسا لرزہ خیز شور گونج رہا تھا کہ کان پڑی آواز تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اگلے محاذ پر آتشیں ہتھیار موت کے نغمے اگل رہے تھے لیکن عقبی سمت میں مسلسل بے یقینی کا راج تھا۔

اندر سے آنے والا شور اچانک اور تیز ہوگیا۔ واضح طور پر محسوس ہوا تھا کہ فائرنگ میں کچھ نئے ہتھیار شامل ہوئے تھے۔ شاید اندر والوں نے سنبھالا لے کر الفا پارٹی پر جوابی فائر کھول دیا تھا۔

ایسے بھیانک مقابلے میں یہ توقع بے سود تھی کہ پھاٹک رضاکارانہ طور پر کھول دیے جائیں گے۔ پارٹی لیڈروں نے بھی اس بات کا ادراک کر لیا۔ دیوہیکل ڈیزل پک اپس اچھل کر آہنی پھاٹکوں سے ٹکرائیں اور فضا کان کے پردے پھاڑ دینے والی آہنی جھنجھناہٹ سے گونج اٹھی۔ پھاٹک لرزہ کر رہ گئے۔ پہلی ٹکر انہیں اکھاڑنے میں ناکام رہی تھی۔

دونوں پک اپس میں سے پانچ پانچ مسلح آدمی، میگزینوں کے تھیلے پشت پر لادے نیچے کود گئے۔ گاڑیوں میں صرف ڈرائیور رہ گئے۔ وہ دونوں گاڑیاں ممکنہ حد تک پیچھے ہٹیں۔ لمحہ بھر کے لیے رکیں پھر ان کے ٹائر سڑک پر چرچرائے اور وہ بہت تیزی سے پھاٹکوں سے ٹکرا گئیں۔

اس بار دونوں پھاٹک اکھڑ گئے۔ بیٹا پارٹی کی پک اپ کی ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ پھاٹک اکھاڑنے کے بعد اسے روندتی ہوئی نصف سے زیادہ اندر گھستی چلی گئی۔ گاما پارٹی کی پک اپ پھاٹک گراتے ہی رک گئی تھی۔ ان دونوں گاڑیوں پر جتنی مقدار میں بھاری ملبہ گرا تھا، اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ دونوں گاڑیوں کے ڈرائیونگ کیبن بند ضرور تھے مگر اس تصادم کے نتائج ڈرائیوروں کے لیے مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔

فضا میں دو ٹریسر فائر ہوئے اور زمین سے بہت اوپر تک ایک روشن لکیر تیرتی چلی گئی۔ دس مسلح آدمیوں نے پھاٹک اور اپنی گاڑیوں کی آڑ لے کر اندر آگ برسانی شروع کر دی۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی قدرے آگے بڑھالی جہاں سے ہم حالات پر بہتر انداز میں نظر رکھ سکتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بایاں گیٹ گرانے والی پک اپ کا ڈرائیور بھی پھرتی سے باہر آ کر فائرنگ کرنے والوں میں شامل ہو چکا تھا۔

عمارت میں پھیلی ہوئی روشنی میں مختصر اندرونی احاطہ ویران نظر آ رہا تھا۔ اگلی سمت میں خطرہ محسوس کرتے ہی شاید اندر والوں کی ساری نفری اسی طرف مرکوز ہوگئی تھی۔ اندر سے جوابی فائرنگ نہ ہونے پر اول خان کے آدمی احتیاط اور پھرتی سے اپنی پوزیشنیں بدل بدل کر اندر پیش قدمی کر رہے تھے۔

پھر میں نے اس مقابلے کا پہلا زخمی دیکھا۔ اس کا داہنا بازو غیر فطری انداز میں اس کے پہلو سے جھول رہا تھا۔ وہ جھومتا اور لڑکھڑاتا ہوا اس پک اپ کی اوٹ سے نمودار ہوا تھا جو پھاٹک گرا کر اندر گھس گئی تھی۔ اس کی چست وردی دیکھتے ہی اندازہ ہوگیا کہ وہ ہمارے ساتھیوں میں سے تھا۔

اس کے کسی ساتھی نے اسے دیکھا اور فوراً ہی اپنی فائرنگ پوزیشن چھوڑ کر اس کی مدد کے لیے باہر آگیا۔ اس اثنا میں مَیں بھی دوڑ کر اس تک پہنچ چکا تھا۔ وہ بہت بری طرح زخمی تھا مگر اپنی مضبوط قوتِ ارادی کے سہارے اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔

اس کی پھٹی ہوئی آستین خون میں تر تھی اور بازو کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے میرا سہارا پاتے ہی اپنا بوجھ میرے اوپر منتقل کرتے ہوئے غنودہ آواز میں کہا۔ "سر..... سرا..... گھس..... گیا..... جج..... جیب..... سے..... اپ..... اپریٹس..... لل....." وہ اپنی بات مکمل کیے بغیر ہمارے بازوؤں میں جھول گیا۔

اگر اپریٹس اس کے پاس تھا تو وہ بیٹا گروپ کا لیڈر ہی ہو سکتا تھا۔

اسے ہماری کار کی عقبی نشست پر ڈال دیا گیا۔ اس کا ساتھی فوراً ہی اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ میں نے ویرا کو فرسٹ ایڈ فراہم کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے اپنا اپریٹس اٹھایا ہی تھا کہ اس پر آواز آنے لگی۔

"الفا فار ٹام! اندر سے سخت مزاحمت ہو رہی ہے۔ میں ابھی تک اپنے کیبن ہی میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں نے اپنی ساری پٹیاں کھول دی ہیں۔ اب ایڈوانس شروع ہوتے ہی رپورٹ دوں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

"ہیری فار ٹام!" وہ گفتگو مکمل ہوتے ہی میں نے اپنا پیغام نشر کرنا شروع کر دیا "گیٹ کریش کرتے ہوئے بیٹا زخمی ہو کر بے ہوش ہو چکا ہے۔ اس کا بازو ٹوٹا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ نرس اسے فرسٹ ایڈ دے رہی ہے۔ اوور!"

"پوزیشن کیا ہے؟ اوور!" اول خان کی آواز سے فکرمندی مترشح تھی۔ اس نے اپنے آدمی کے ناکارہ ہو جانے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ شاید وہ مطمئن تھا کہ ویرا اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔

"اندر بہت چھوٹا سا احاطہ ہے۔ مزاحمت بالکل نہیں ہے۔ گروپ اب اندر بڑھ رہے ہیں۔ اوور!"

"مزاحمت نہیں ہے تو تیزی سے بڑھو!" اول خان نے تیزی سے کہا۔ یقینی طور پر اس کی آواز گاما بھی سن رہا تھا۔ اول خان کہہ رہا تھا "الفا پارٹی ڈٹی ہوئی ہے۔ پیچھے سے بڑھ کر دشمن کو گھیر لو۔ اوور اینڈ آل۔"

"میں الفا ہوں..... باہر نکل چکا ہوں۔" اچانک ہی ایک حوصلہ افزا پیغام سنائی دیا "دشمن کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اس کا فائر کمزور ہوگیا ہے۔ کسی بھی وقت پاؤں اکھڑ سکتے ہیں۔ اوور!"

"شاباش!" اول خان کی آواز میں جوش سمٹ آیا "پوری طاقت سے دشمن کو تہس نہس کر دو۔ کوئی زخمی ہوا ہے تو اسے باہر نکال دو۔ میرا یونٹ دروازے پر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

ایک لمحہ بعد ہی اچانک وہ عمارت گھور اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اس اندھیرے میں گولیوں کی چھوڑی ہوئی بارودی لکیریں بہت واضح نظر آنے لگی تھیں۔ میرے لیے وہ اندھیرا پریشان کن تھا۔

"فائر روک دو! کوئی نظر آئے تو اڑا دو۔ اوور اینڈ آل" اول خان کی اس ہدایت کے ساتھ ہی عقبی حصے کے شور میں تیزی سے کمی آتی چلی گئی۔

"الفا سر!" چند ثانیوں بعد پیغام آیا "پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب چکی ہے۔ دشمن نے فائر روک دیا ہے۔ مگر ایڈوانس مہلک ہو سکتا ہے۔ اوور!"

"اس راستے پر تمہارا قبضہ ہے۔ باقی راستے میری زد میں ہیں۔

پیچھے تیسری پارٹی ہے۔ دشمن بری طرح گھر چکا ہے۔ فائر بند کردو اور ٹرک کے ہیڈ لیمپس روشن کردو۔ اوور۔"

"ٹرک کا اگلا حصہ چھلنی ہوچکا ہے' سر! سرچ لائٹس استعمال نہیں کی جاسکتیں۔ اوور!"

"ٹھیک ہے۔ فائر بند کرکے اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔ اوور اینڈ آل!"

"دلچسپ!" اچانک میرے ایرپیس پر ایک نئی آواز ابھری۔ وہ لب ولہجے سے غیرملکی معلوم ہورہا تھا اور انگریزی بول رہا تھا "اتنی خوش فہمیاں اچھی نہیں۔ میرا نام راس المیڈا ہے۔ تم شیر کی کچھار میں گھسے ہو تو تم کو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ تم میری گرد بھی نہیں پاسکو گے۔ ہیری شاید ڈینی کا کوڈ ہے۔ میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے اور میں براہِ راست تم سے مخاطب ہوں۔ اوور۔"

اس کا دوسرا فقرہ شروع ہوتے ہی میں نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور میرے بدن کے مساموں سے یک لخت ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی غدار نے ایس ٹی ایف کا کوئی ایرپیس راس المیڈا کے کسی حواری تک پہنچا دیا ہوگا لیکن راس المیڈا کا وہ پیغام اس حقیقت کو ثابت کررہا تھا۔

اس وقت تک فائرنگ بالکل ختم ہوچکی تھی۔ میں نے راس المیڈا سے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "آج تم نہیں بچ سکو گے۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ثابت ہوگی۔ ایک ایرپیس حاصل کرکے تم سمجھ رہے ہو کہ تم نے ہماری قوت کے بارے میں سب کچھ جان لیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو تم اپنے اسی بھٹ میں سڑا دیے جاؤ گے۔ کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آسکے گا۔ اوور۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم فوج لے کر آئے ہو۔ میں تمہاری کئی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے حیث طرکا ایرپیس چوری کرکے مجھے زک پہنچائی تھی آج میں نے تمہاری اس گھٹیا حرکت کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ میں نے کچھ چرانے کے بجائے اپنے ریڈیو فری کوئنسی اسکینر پر تمہارے پیغامات پکڑے ہیں اور میں اسی پر تم سے بات کررہا ہوں۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ میں اس عمارت سے میلوں دور ہوں جہاں تم جھک مار رہے ہو۔ آخر میں تمہیں چند اور باتیں بتاؤں گا تو تم غصے سے پاگل ہوجاؤ گے۔ یہ لکھ لو کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اوور۔"

"پتا نہیں تم یہ باتیں میرے علم میں لاکر کیا حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟ اوور!"

"وہی جو تم نے آخری گفتگو میں حاصل کیا تھا۔ انا کی تسکین بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ حریف کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کس ترکیب سے زیر کیا گیا ہے۔ جب تک میں اس شہر میں ہوں' تم کوئی ریڈیو ٹرانسیٹر استعمال کرنے کی جرأت نہیں کرسکو گے۔ تمہیں ہر لمحے یہ خوف ستاتا رہے گا کہ میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔ اوور!"

"عمارت میں اندھیرا کرنے کے بعد تم نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ تمہاری کوئی چال ہے لیکن تم اپنی اس چال سے کچھ بھی حاصل نہیں کرسکو گے۔ ہم کسی صورت میں محاصرہ ختم نہیں کریں گے۔ اوور۔"

میں نے اپنی بات پوری کی تھی کہ سامنے سے ایک تیز رفتار گاڑی آکر ہمارے قریب رکی اور اس کا انجن بند ہوتے ہی اول خان دوڑتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔

راس المیڈا ٹرانسیٹر پر کہہ رہا تھا "تم محاصرہ ضرور جاری رکھو لیکن میرا مشورہ ہے کہ اپنے بے گناہ فوجیوں کو اس عمارت سے نکال کر کچھ فاصلے پر مامور کردو۔ میری ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح خونی بھیڑیا نہیں ہوں کہ ان بے گناہوں کو بھی اندھا دھند ہلاک کردوں۔ ٹریلر کی واپسی کی خبر ملتے ہی میں نے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگالیا تھا اور اس عمارت کے تمام حفاظتی سسٹم آن کرادیے تھے۔ اسی وجہ سے ٹریلر کو اندر بلانے میں دیر ہوئی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم کنٹینر ہی میں فوجیوں کو بھر کر لائے ہوگے۔ تھوڑی دیر بعد اس عمارت کے تہ خانوں میں محدود طاقت کا ایک عدد ڈائنا مائیٹ پھٹنے والا ہے جس کے نتیجے میں دوسرے مکانات کو نقصان پہنچائے بغیر یہ عمارت ڈھے جائے گی اور ملبہ آگ پکڑ لے گا۔ اگر تمہیں اپنے آدمیوں کی زندگی عزیز ہے تو انہیں باہر نکالو اور فائر انجنوں کا انتظام کرلو۔ ملبے کی کیمیائی آگ بہت تیزی سے پھیلے گی۔ اس پر قابو نہ پایا گیا تو آس پاس کے مکان بھی جل جائیں گے۔ اوور!"

"تو کیا تم اپنے تمام آدمیوں کو اسی ملبے میں دفن کردینے کا ارادہ رکھتے ہو؟ انہیں باہر نکالنے کے بجائے میرے آدمیوں سے اتنی ہمدردی کیوں جتا رہے ہو؟ اوور!"

اس کی مکارانہ ہنسی کی آواز سنائی دی وہ پھر بولا "تم بہت چالاک ہو۔ تم نے میرے کافی آدمی مروائے ہیں۔ انہیں یہیں جلنا ہوگا۔ جو اپنے پیروں پر چلنے کے قابل تھے' وہ ایک خفیہ سرنگ کے راستے یہاں سے نکل چکے ہیں۔ اندر میرا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اپنے آدمیوں کو بچا سکتے ہو تو بچالو۔ اوور!"

"تم جھوٹے ہو راس!" میں نے غرا کر کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم اس وقت بھی اندر موجود ہو۔ اوور!"

"ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ تمہیں یہ غلط فہمی کیوں پیدا ہوئی۔ اوور!"

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ تم اپنی گفتگو میں اس عمارت کے لیے مسلسل یہاں کا لفظ استعمال کررہے ہو۔ اگر تم کہیں اور مرے ہوئے ہوتے تو اس عمارت کے لیے وہاں کا لفظ استعمال کرتے۔ تمہاری اس خفیف سی لاشعوری غلطی نے یہ ظاہر کردیا ہے کہ تم مجھے باتوں میں الجھا کر صرف وقت حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ مگر کیوں؟ اوور!"

"تم واقعی بہت چالاک اور حرامی ہو" راس المیڈا کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ اسی وقت خاموش فضا میں کسی بڑے انجن کے اسٹارٹ ہونے کا شور گونج اٹھا۔

راس المیڈا نے قدرے توقف کے بعد زہریلے لہجے میں بات جاری رکھی۔ "میں جارہا ہوں۔ تمہارے فرشتے بھی مجھے نہیں روک سکیں گے۔ اوور!"

میں نے محسوس کیا کہ راس المیڈا کے پیغام کے ساتھ بھی انجن کا وہ شور ایرپیس پر گونج رہا تھا۔

"دوڑو' ورنہ وہ نکل جائے گا۔" یہ کہہ کر میں پوری قوت سے دوڑ پڑا مگر پھاٹک کے ملبے نے مجھے احتیاط برتنے پر مجبور کردیا۔ میری نظریں باربار عمارت کی چھت کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

انجن کی آواز بتدریج بلند ہونے کے بعد ایک جگہ ٹھہر گئی تھی اور اسی کے ساتھ کسی پنکھے کا شور بھی سنائی دینے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس مکان کی چھت سے ایک چھوٹا ہیلی کاپٹر بہت تیزی کے ساتھ سیدھا اوپر اٹھتا چلا گیا۔ سب کی حسرت زدہ نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"تم صدمے سے گونگے ہوگئے ہو تو اب میں اپنی بات پوری کرلوں" ایرپیس پر ہیلی کاپٹر کے شور کے ساتھ راس المیڈا کی آواز ابھرنے لگی۔ "یہ چھوٹا سا ہیلی کاپٹر برے وقتوں کے لیے پرزوں کی صورت میں لاکر خفیہ طریقے سے یہاں' بلکہ وہاں جوڑا گیا تھا۔ اس کو آزمایا نہیں جاسکا تھا۔ فائرنگ شروع ہونے پر اسے اسٹارٹ کرنے کی کوششیں کی گئیں تو فیول پمپ لیک تھا۔ مجھے تم سے صرف اتنا وقت درکار تھا کہ میرے آدمی اس معمولی خرابی کو دور کرکے انجن اسٹارٹ کرلیں اور دیکھ لو کہ میں تمہیں چکما دینے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے احتیاطاً اوپر آنے والے زینوں کے قالین کو پٹرول میں بھگویا ہوا تھا۔ اگر تم آہی جاتے تو میں اسے آگ لگادیتا۔ اس کی نوبت نہیں آئی لیکن میں نے چلتے ہوئے ادھر دیا سلائی اچھال دی تھی۔ تم چاہو تو اندر جاکر دیکھ سکتے ہو۔ ہیلی کاپٹر میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے ہاتھوں سے اپنے چند پرانے وفاداروں کو ہلاک کرنا پڑا ہے۔ ان کی لاشیں چھت پر موجود ہیں۔ یہ سارے خون تمہارے کھاتے میں ہیں اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اب جلد ہی تم سے یہ سارا حساب لوں گا' اوور اینڈ آل۔"

میں نے ایرپیس بند کرکے اول خان کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں غم وغصے کے ساتھ اُداسی تیر رہی تھی۔

اسی وقت عمارت میں بہت سے لوگوں کا ملا جلا شور گونجنے لگا اور متعدد افراد دونوں ہاتھ بلند کیے باہر آنے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ دوسری طرف کے گھور اندھیرے میں بھی وہی صورتِ حال رونما ہوچکی ہوگی۔

اندر لگی ہوئی آگ کے شعلوں کی سرخ سرخ روشنی نے شیشوں سے باہر اتنا اجالا پھیلا دیا تھا کہ راس المیڈا کے لیے کام کرنے والوں کے ہراساں چہرے واضح طور پر دیکھے جاسکتے تھے۔

"آدمیوں کو باہر نکال لیا جائے؟" اول خان نے میرے قریب ہوکر آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں؟ پھر ہتھیار ڈالنے والوں کو کون سنبھالے گا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"ڈائنامائٹ" اول خان نے آہستہ سے کہا "پتا نہیں وہ کب پھٹ جائے۔"

"وہ اس کا فراڈ تھا۔ اسے بھول جاؤ۔ اندر کوئی خفیہ سرنگ بھی نہیں ملے گی۔ سرنگ ہوتی تو اندر سے ہتھیار ڈالنے والا ایک شخص بھی برآمد نہ ہوتا۔ سب سے پہلے اپنے آدمیوں کا جائزہ لے کر زخمیوں کی فکر کرو۔ بیٹا کی حالت خراب ہے۔ اس کے بعد فائر بریگیڈ والوں کو اطلاع دو۔ مجھے قلق ہے کہ ہماری آج کی ساری بھاگ دوڑ رائگاں گئی۔ خود مجھے بھی ہوش نہیں آیا ورنہ ہیلی کاپٹر پر فائرنگ کی جاتی تو اس کے بلند ہونے سے پہلے ہی ایک آدھ گولی نشانے پر لگ کر اسے نیچے گرا سکتی تھی۔"

"تم سمجھ گئے تھے۔ باربار تمہاری نظریں چھت کی طرف اٹھ رہی تھیں" سلطان شاہ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "مگر ہم میں سے کسی کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کیسے نکلنے والا ہے۔"

"میں اس چوٹ کو عمر بھر نہیں بھلا سکوں گا" میں نے افسردگی سے کہا "وہ تو غنیمت ہوا کہ محاصرے میں گھرے ہوئے راس المیڈا کو بوکھلاہٹ یا تاریکی کی وجہ سے ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کا خیال نہیں آیا۔ اگر وہ چھت سے پرواز کرتے کرتے دو چار ہلکے برسٹ بھی چلادیتا تو ہم میں سے کئی افراد ٹھنڈے ہوسکتے تھے۔"

اس پورے مقابلے میں صرف ایک بات ہی طمانیت کا باعث تھی کہ اول خان کو کہیں سے بھی اپنے کسی آدمی کی ہلاکت کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ صرف تین افراد زخمی ہوئے تھے جن میں بیٹا کی حالت سب سے خراب تھی۔

میں راس المیڈا کے فرار سے اس قدر دل برداشتہ ہوگیا تھا کہ میرے لیے وہاں ٹھہرنا محال ہونے لگا۔ اصل مجرم کے نکل جانے کے بعد میری دلچسپی صرف اتنی رہ گئی تھی کہ چھت پر موجود لاشوں کو دیکھ لوں۔ میرا اندازہ تھا کہ ان میں بلیک اور وائٹ ہاک کی لاشیں بھی ہونی چاہییں کیونکہ گرے ہاک کی ہلاکت کے بعد صرف وہی دونوں راس کے مقربینِ خاص تھے۔

زینوں میں لگی ہوئی آگ مصنوعی ریشے کے قالینوں کے سبب ہر طرف پھیل رہی تھی اس لیے اس طرف سے چھت پر جانا ممکن نہیں تھا۔ عمارت کی سپاٹ اور اونچی دیواروں کے باعث باہر سے چھت پر پہنچنا آسان نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرا دل کھٹا ہوچکا تھا اور مجھے وہاں کی کسی بات سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔

وہ معاملات آسانی سے سمٹتے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ میجر غوث کے آدمیوں کو اس عمارت کا چارج دے کر نکلنے کی فکر کرے ورنہ بارسوخ شرفا کی آبادی میں ہونے والے اس بھیانک تصادم پر پریس والے دن چڑھتے ہی اس کی زندگی عذاب بنا دیں گے۔

بات اول خان کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے الفا کو زخمیوں کی اسپتال روانگی' قیدیوں کی تحویل اور دیگر معاملات کے بارے میں ہدایات دے کر اپنی گاڑی بھی وہیں چھوڑ دی کیونکہ واپسی میں ان آٹھ افراد کے لیے بھی سواری کی ضرورت تھی جو ٹریلر پر سوار ہو کر وہاں پہنچے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ عقبی گیٹ گرانے والی گاڑیاں نقصان پہنچنے کے باوجود استعمال کے قابل تھیں۔

الفا سے جلد واپسی کا وعدہ کرکے اول خان ہمارے ساتھ روانہ ہو گیا تاکہ فون پر میجر غوث سے تفصیل بات کر سکے۔ روانگی سے پہلے بے ہوش بیٹا کو اس پک اپ میں منتقل کر دیا گیا تھا جو زخمیوں کو لے جانے کے لیے تیار تھی۔

ہم ساڑھے تین بجے فلیٹ پر پہنچے تو غزالہ نے گہری نیند سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ہم اس مہم سے اتنی جلد واپس لوٹ آئیں گے۔

سب کے لٹکے ہوئے چہرے دیکھ کر غزالہ مہم کے بارے میں ویرا سے سوال کر ہی بیٹھی۔

"ڈینی نے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا" ویرا کا وہ جواب سن کر میری کھوپڑی بھنا گئی۔

"جو کچھ ہوا' اس میں میرا کیا قصور تھا۔ یہ سراسر ہمارے مقدرات کی خرابی تھی۔"

"تمہارا قصور یہ ہے کہ تمہاری کھوپڑی نے ذرا سی تاخیر سے کام کرنا شروع کیا۔ اگر تم ذرا پہلے ہی اپنی کوئی رائے قائم کر لیتے تو راس المیڈا کو ہیلی کاپٹر کا انجن چلنے سے پہلے پکڑا جا سکتا تھا۔"

"اس کی باتیں سب ہی سن رہے تھے۔ میں نے کسی کو سننے یا سوچنے سے نہیں روکا تھا۔"

اول خان خاموشی سے میجر غوث کے گھر کا فون نمبر ملانے میں مصروف ہو چکا تھا۔

پوری بات سمجھنے کے بعد غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے سلطان شاہ سے کہا "یہ تو پتا چل گیا کہ راس المیڈا صاف نکل گیا لیکن یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ منصوبے میں کیا کمی رہ گئی تھی کہ اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا؟"

سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم کے دور افتادہ گوشے کا رخ کرتے ہوئے کہا "سب کچھ شاندار طریقے سے ہوتا چلا گیا۔ دھواں دھار فائرنگ کے سائے میں انہیں دونوں طرف سے گھیر لیا گیا تھا لیکن پھر راس المیڈا ہم سب کو الجھا کر ہیلی کاپٹر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

"وہاں ہیلی کاپٹر کہاں سے آ گیا؟" غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"وہ پہلے سے اس مکان کی چھت پر موجود تھا اور شاید اسی کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اس مکان کی دیواریں اتنی اونچی بنائی گئی تھیں۔ خوشی کی بات صرف اتنی سی ہے کہ اس مار دھاڑ میں اول خان کا کوئی آدمی نہیں مارا گیا' دوسری طرف کے کئی آدمی مارے گئے ہیں۔"

"لیکن یہ سب اتنی جلدی کیسے نمٹ گیا؟" غزالہ کی نیند بالکل غائب ہو چکی تھی۔

"وہاں بکھیڑا پھیلا ہوا ہے۔ ڈینی بددل ہو کر عمارت میں داخل ہوئے بغیر لوٹ آیا۔ اب اول خان واپس جا کر میجر غوث یا اس کے آدمیوں کو وہاں کا چارج دے دے گا۔ اندر کی خبریں بعد میں ہی مل سکیں گی۔ راس المیڈا نے جاتے جاتے اپنے ان قریبی ساتھیوں کو بھی مار ڈالا جو اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ اسے خدشہ رہا ہو گا کہ پکڑے جانے کے بعد وہ تشدد کے سامنے اس کے سارے راز اگل دیں گے اس لیے اُس نے جاتے جاتے ان کا قصہ پاک کرکے عمارت میں آگ لگا دی...."

"مجھے افسوس یہی ہے کہ اب وہاں سے ناکارہ قیدیوں کی ایک کھیپ کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آ سکے گا" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "آگ نے وہاں بہت کچھ جلا کر راکھ کر دیا ہو گا۔"

اس دوران اول خان نے میجر غوث سے اپنی بات مکمل کر لی تھی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "میجر غوث گہری نیند سے اٹھا تھا لیکن وہ بہت فرض شناس افسر ہے۔ پوری بات سمجھتے ہی خود ہی وہاں پہنچنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اس کے آدمی بھی آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اب سورج نکلنے سے پہلے تمہاری گلوخلاصی ہو جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے میرے تبصرے کے جواب میں مایوسی سے کہا "راس المیڈا کے مقابلے میں اس ناکامی کے بعد مجھے شدید تھکن کا احساس ہو رہا ہے۔ میں گھر جا کر آرام کروں گا۔"

"جانے سے پہلے فائر بریگیڈ والوں کو بھی کھڑکا دو ورنہ وہ آگ پھیل جائے گی۔"

"شعلوں کی سرخی دیکھ کر پڑوسیوں نے خبر دے دی ہو گی پھر بھی میں اپنا فرض پورا کیے لیتا ہوں۔"

اس نے ڈائریکٹری کی مدد سے سینٹرل فائر بریگیڈ کا نمبر ملا کر بات کی تو اسے بتایا گیا کہ اس آتش زدگی کی خبر پہلے ہی سے مل چکی تھی اور قریبی اسٹیشنوں سے چار گاڑیاں جائے وقوع کی طرف روانہ کی جا چکی تھیں۔

وہ ڈیفنس کے علاقے میں آگ لگنے کا معاملہ تھا اس لیے اطلاع پر تیزی سے کارروائی کی گئی تھی۔ اول خان نے فوراً ہی واپس لوٹنا چاہا لیکن میں نے اسے چائے کے لیے روک لیا۔

"اب وہاں رسمی کارروائیوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ میجر غوث کو بھی پہنچنے میں وقت لگے گا۔ یہاں تک آ گئے ہو تو چائے کی ایک پیالی پیتے جاؤ۔ پتا نہیں اب تمہیں کس وقت کھانا پینا نصیب ہو گا۔"

"پھر میں الفا سے رپورٹ لے لیتا ہوں" اول خان نے اپنا ایرپیس نکالتے ہوئے پژمردہ آواز میں کہا اور ایرپیس آن کرکے الفا کو کال کرنے لگا۔

الفا اپنی ڈیوٹی پر مستعد اور فعال تھا۔ اس نے فوراً ہی اول خان کی کال کا جواب دیا "الفا رپورٹنگ' سر! یہاں فائر انجن آ چکے ہیں۔ زخمیوں کو اسپتال روانہ کیا جا چکا ہے۔ دشمن کے اٹھارہ قیدی ہاتھ آئے ہیں۔ جن حصوں تک ہماری رسائی ہو سکی' وہاں سے دو زخمی اور چار لاشیں ملی ہیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اندر کی آگ میں کتنے زخمی جل کر مر جائیں گے۔ فی الحال میں نے قیدیوں کو غیر مسلح کرکے پھنسے ہوئے کنٹینر میں بند کر دیا ہے اور ان پر دو گارڈ لگا دیے ہیں۔ قرب و جوار کے مکانوں سے لوگ خوف زدہ ہو کر باہر نکلنے شروع ہو گئے تھے لیکن میں نے اپنے آدمیوں کی مدد سے انہیں اپنے اپنے احاطوں میں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آبادی میں سخت خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں رہنے والوں کے دباؤ سے اعلیٰ حکام یہاں پہنچ جائیں۔ میں ان کے دباؤ کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔ مجھے شدت سے آپ کی کمی محسوس ہو رہی ہے اوور!"

"تم فکر نہ کرو۔ میں پندرہ بیس منٹ میں واپس لوٹ رہا ہوں۔ ہو سکے تو ٹریلر کو اس عمارت سے باہر نکالنے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ آگ بے قابو ہونے کی صورت میں سارے قیدی زندہ جل کر مر جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں کوئی بھی قابل ذکر مجرم نہیں ہو گا۔ اوور!"

"کوشش کی تھی مگر وہ ناکام رہی۔ ٹرک کا انجن اسٹارٹ نہیں کیا جا سکا۔ اسے دھکیل کر باہر نکالنا بھی ناممکن ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ آہنی شٹر کنٹینر کی چادریں پھاڑ کر تقریباً ایک فٹ تک اس میں پھنسا ہوا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ٹریلر کے رکتے ہی اندر والوں نے شٹرز کو بار بار بلند کرکے پوری طاقت سے نیچے گرا کر راستہ بند کرنا چاہا تھا۔ ان کوششوں میں شٹر کنٹینر میں بری طرح پھنس گیا تھا.... اوور!"

"میں اسی لیے تمہیں پسند کرتا ہوں کہ تم بدترین حالات میں بھی سارے امکانات پر نظر رکھتے ہو" اول خان نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "تم نے کسی قابل ذکر مجرم کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ابھی تک اپنی کوئی رائے نہیں دی' اوور۔"

"اس بارے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اٹھارہ قیدیوں میں تین سفید فام ہیں۔ وہ مقامیوں سے کہیں زیادہ دہشت زدہ ہیں اور ہذیانی انداز میں بار بار اپنی بے گناہی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ ان کی زبانیں بند کرانے کے لیے مجھے ان پر تھوڑا سا تشدد کرنا پڑا ہے۔ اب وہ سب خوف زدہ چوہوں کی طرح کنٹینر میں بند ہیں اوور۔"

"تم نے اپنے ایرپیس پر بڑے مجرم کی ہرزہ سرائی سن لی ہو گی۔ یہ اطمینان رکھو کہ اس عمارت میں کوئی ڈائنا مائٹ یا خطرناک کیمیکل نہیں ہے۔ یہ انتظامات ہوتے تو وہ فرار ہوتے ہوئے پٹرول ڈال کر عمارت کو آگ نہ لگاتا۔ وہ سب اس کی کھوکھلی دھمکیاں اور مکاریاں تھیں۔ اوور۔"

اسی وقت غزالہ سب کے لیے چائے تیار کرکے لے آئی۔ اسی کے ساتھ وہ بسکٹ بھی لے آئی تھی۔

الفا ایرپیس پر کہہ رہا تھا "مجھے ہیری کی جوابی گفتگو سے ان سب کی باتوں کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ہیری بہت حاضر دماغ آدمی ہے اس نے راس المیڈا کی گفتگو میں یہاں اور وہاں کا فرق چند لمحوں پہلے بھانپ لیا ہوتا تو بازی ہمارے ہی ہاتھ میں رہ سکتی تھی مگر پھر بھی یہ ضرور ہوا کہ راس المیڈا کی دھمکیوں کا بھرم کھل گیا۔ میں پریشان ہوں کہ باہر کا ایک آدمی ہمارے ایرپیس پر کیسے بات کر رہا تھا.... اوور۔"

"تم سب عمر بھر پریشان رہو گے!" ایرپیس پر اچانک ہی ایک سرد اور سفاکانہ آواز ابھرنے لگی جو ہم سب کے لیے اجنبی تھی۔ میں بھونچکا ہو کر اول خان کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ مجھ سے زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔

اگر وہ راس المیڈا کی آواز ہوتی تو بات قابل فہم تھی کیونکہ وہ ریڈیو فریکوئنسی اسکینر کے حوالے سے پہلے بھی ہم سے بات کر چکا تھا مگر اردو بولنے والی وہ اجنبی آواز میرے لیے حیران کن تھی۔

بولنے والے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی حیرت خود ہی رفع کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا "راس عظیم ہے اور اپنا بدلہ لینا جانتا ہے۔ تم نے اس کے ایرپیس پر قبضہ کرکے اس کا قیمتی سسٹم ناکارہ بنایا تھا۔ آج وہ تمہارے سسٹم پر دسترس حاصل کر چکا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ صرف انگریزی سمجھتا ہے۔ وہ تھوڑی بہت اردو بھی سمجھ لیتا ہے اور اسے ہمارا تعاون حاصل ہے۔ اس وقت بھی میں نے اسے تمہارے ہر فقرے سے آگاہ کیا ہے۔ تمہاری سازشوں کے باوجود وہ محفوظ ہے اور بہت جلد تم سے اپنا بدلہ لے گا۔ اوور!"

راس یقیناً اپنے کسی مقامی ہمدرد کے ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ اول خان نے اپنے ایرپیس پر الفا سے رابطہ کیا تو سب ہی یہ بات بھول چکے تھے کہ راس المیڈا ایرپیس پر ہونے والی ہر بات سننے پر قادر ہو چکا تھا اور اہم معاملات کے لیے اس کا استعمال خطرناک ہو سکتا تھا۔

اس بار میں نے اول خان کے ہاتھ سے ایرپیس لے لیا اور انگریزی میں براہِ راست راس المیڈا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم درندے اور خود غرض ہو۔ تم نے فرار ہوتے ہوئے محض اپنی ذات

کا پردہ رکھنے کے لیے اپنے ان سفید فام وفاداروں کو بھی ہلاک کردیا جو تمہارے ایک اشارے پر اپنی جان کی بازی لگاتے رہے تھے۔ تم نے اپنے زخمیوں اور مردوں کی پروا کیے بغیر عمارت میں پٹرول چھڑک کر ان سب کو صرف اس لیے نذرِ آتش کردیا کہ تم اس عمارت سے بہت سے ثبوت ضائع کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت یہ مقامی غدار کتا یہ سمجھ کر تمہارے تلوے چاٹ رہا ہے کہ اسے تمہاری وفاداریوں کا کوئی بڑا انعام ملے گا۔ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ برا وقت آنے پر تم اسے خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس بار تم بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن میں پاتال میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ اگلی بار تم سے میرا سامنا ہوا تو وہ فیصلہ کن ہوگا۔ تمہارے دن گنے جاچکے ہیں۔ اوور!"

میں انتظار کرتا رہا لیکن ایریئس پر سناٹا چھایا رہا۔ بے نام ریڈیائی لہروں کے دھیمے دھیمے شور کے سوا اس پر کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

"تم نے اس کے آدمیوں کو بغاوت پر اکسانے والی باتیں چھیڑ دی تھیں" اول خان نے کافی انتظار کے بعد زبان کھولی "معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہاری اس زہر افشانی سے اپنے ہمدرد کو محفوظ رکھنے کے لیے درمیان ہی میں کسی وقت اپنا اسکینر بند کردیا تھا۔"

"اب وہ کسی مقامی کے ذریعے ہمیں للکارنے کی ہمت نہیں کرے گا" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا۔

"تم اس سے اسی کی زبان میں بات کرنی جانتے ہو" اول خان نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر ہنستے ہوئے کہا "اس قسم کی چالوں سے اپنے حریف کو بے بسی کے احساس میں مبتلا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"حریف ہی نہیں، ڈیئی بعض اوقات اپنی باتوں سے اپنے حلیفوں تک کی ہڈیاں سلگا دیتا ہے" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "مجھے اس کے ساتھ رہتے ہوئے کئی بار ایسے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔"

میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے ویرا کو گھورا پھر اول خان سے مخاطب ہوکر کہا "اب میرا ذہن ایک اور ہی راستے پر کام کررہا ہے۔ میری دعا ہے کہ میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو ورنہ ہم مارے جائیں گے۔"

"اب تمہیں کیا سوجھ رہی ہے؟ اشاروں کنایوں کے بجائے کھل کر بات کیا کرو" ویرا بولی۔

"درمیان میں فقرے اچکنے کی کوشش نہ کرو۔ میری بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے راس! لمیڈا کا ریڈیو فری کوئنسی اسکینر والا قصہ بھی سراسر بے بنیاد معلوم ہورہا ہے۔"

"کیا اس کا ہم سے بات کرنا اس کے دعوے کا ٹھوس ثبوت نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس نے ہمیں فری کوئنسی اسکینر کی کہانی میں الجھادیا ہے لیکن درحقیقت وہ اسی قسم کا ایریئس حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔"

اول خان کا چہرہ دھواں ہوگیا اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا "مگر اس کے پاس ایس ٹی ایف کا یہ مخصوص ایریئس کہاں سے آگیا؟"

"کوئی غدار!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "ہمیں اس کو تلاش کرنا ہوگا اسی لیے میں اپنے اندازے کی غلطی ثابت ہونے کی دعا کررہا تھا۔ اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو پھر یہ امکان قوی ہوجاتا ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی صفوں میں ایک مرتبہ پھر کوئی البرٹو یلیسا گھس آیا ہے اور اسی نے فورس کا ایریئس چوری کرکے راس المیڈا تک پہنچایا ہے۔"

"نہیں!" اول خان کے دہانے سے ایک بے ساختہ مایوسانہ آواز برآمد ہوئی "یہ نہیں ہوسکتا، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اب پھر ہمارے درمیان کوئی کالی بھیڑ گھس آئی ہے تو میں کسی پر اعتبار نہیں کرسکوں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک تلخ امکان کی نشان دہی کی ہے لیکن ہم شترمرغ کی طرح ریت میں گردن چھپا کر طوفان کو نہیں ٹال سکتے۔ ہمیں حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اول خان کھوئی کھوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا "تم خود کہہ رہے ہو کہ یہ تمہارا اندازہ ہے.... تم نے کس بنیاد پر یہ ہولناک رائے قائم کی ہے؟"

"اگر تم یاد کرو تو راس المیڈا ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کے بعد سے لے کر ہیلی کاپٹر میں فرار ہونے تک ایریئس پر کسی وقفے کے بغیر بات کرتا یا سنتا رہا تھا" میں نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز ایریئس پر بھی سنی تھی۔"

"اس کا اسکینر اگر وجود رکھتا ہے تو وہ اتنا مختصر ہرگز نہیں ہوسکتا کہ راس المیڈا اسے اپنے ساتھ لیے پھرتا رہے۔ میں نے فری کوئنسی پکڑنے اور جام کرنے والے جن جنگی آلات کے بارے میں پڑھا یا سنا ہے، وہ کافی بڑے ہوتے ہیں اور کسی ایک جگہ یا گاڑی میں نصب ہوتے ہیں۔ ان کے لیے مسلسل برقی طاقت کی فراہمی بھی ضروری ہوتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے تفہیمی انداز میں مجھے لقمہ دیا۔

"اگر راس المیڈا ایسے ہی کسی اسکینر کو استعمال کررہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی جگہیں بدل بدل کر ہم سے بات کرتا رہا اور جب انجن اسٹارٹ ہوگیا تو اس اسکینر کو اپنے ساتھ لے کر پل بھر میں ہیلی کاپٹر سے فرار ہوگیا؟ یہ ایک الجھا ہوا سوال ہے۔ بظاہر یہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایریئس ہی استعمال کررہا ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی ریڈیائی مواصلات کا ماہر نہیں ہے" ویرا نے فوراً کہا "تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ قرینِ قیاس ہونے کے باوجود ایک عام سا اندازہ ہے۔ چند برسوں میں مواصلات کے میدان میں حیرت ناک ترقی ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی جدید ترین اسکینر استعمال کررہا ہو جو سائز میں بہت چھوٹا اور وزن میں ہلکا ہو۔"

"بالکل ہوسکتا ہے" میں نے فراخ دلی سے اعتراف کیا "لیکن اس کی تصدیق ضروری ہے۔"

"میں آری سگنل کور یا نیول ریڈار آفس سے یہ معلومات حاصل کرسکتا ہوں" اول خان نے کہا۔

"پھر اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔ "کوئی بڑا نقصان اٹھانے سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ ایس ٹی ایف میں کوئی غدار موجود ہے یا نہیں۔ اس کا انحصار تمہاری حاصل کی ہوئی معلومات پر ہوگا۔"

"میں اپنی موجودہ الجھنوں سے فارغ ہوتے ہی کام شروع کرتا ہوں۔"

"باتوں میں الجھ کر تم یہاں بیٹھے رہ گئے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میجر غوث تم سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور بے چارہ الفا بے بسی کا شکار ہوجائے" اچانک سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"میں چلتا ہوں، کوئی خبر مل گئی تو فون پر بتادوں گا ورنہ شام کو ادھر آؤں گا" یہ کہہ کر اول خان سرعت سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس کے پاس اپنی سواری نہیں تھی اس لیے وہ ہماری گاڑی کی چابی اپنے ساتھ لیتا چلا گیا تھا۔ شام کو ہماری گاڑی بہرحال واپس مل ہی جاتی تھی۔

"میں مسلسل ایک فکر انگیز خیال میں الجھا ہوا ہوں" اول خان کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "بعض اوقات قدرت انسان کی زبان سے نکلی ہوئی کسی بات کی ایسی گرفت کرتی ہے کہ حالات وواقعات کے بالکل برعکس، انسان کا کہا ہوا ایک ٹھوس حقیقت بن جاتا ہے۔"

"جس انسان کا کہا ہوا حقیقت کا روپ دھارنے لگے، وہ درویش کامل کہلانے لگتا ہے۔ اس وقت تم کس کو اس درجے پر پہنچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہو؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"آبدوز والے چوراہے پر تم کار میں بیٹھی نشے سے اونگھ رہی تھیں" سلطان شاہ اسے ترکی بہ ترکی جواب دینے میں کبھی بھی نہیں چوکتا تھا۔ وہ ویرا ہی کے لہجے میں کہہ رہا تھا "اول خان نے وہاں بریفنگ دیتے ہوئے ایریئس کے محتاط استعمال کا مشورہ دیتے ہوئے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ حریف جدید مواصلاتی سہولتوں سے لیس،

ہونے کی وجہ سے ریڈیائی گفتگو سننے کا اہل ہوسکتا ہے اور دیکھ لو کہ آخر کار یہی ہوکر رہا۔"

اس کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ اس خطرے کی بنیاد کا اولین اظہار اول خان کی زبان سے ہوا تھا مگر وہ خود بھی شاید اپنی کہی ہوئی بات کو سرے سے بھول چکا تھا۔

"اول خان تمہاری طرح ہر کام قدرت کو سونپ کر عیش کرنے والوں میں سے نہیں ہے" ویرا نے اسے چڑانے کے لیے کہا "وہ عملی آدمی ہے۔ جو شخص اپنے کام سے پورا پورا انصاف کرتا ہے، اسے آنے والے خطرات صاف نظر آنے لگتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں تو کوئی خطرہ بھی نہیں سوجھتا ہوگا۔"

"تم دونوں لڑتے رہو۔ میں اب لمبی تان کو سوؤں گا" میں انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سونے سے پہلے اسے اس کے کمرے بلکہ پنجرے میں بند کردو تاکہ یہ میرے منہ نہ لگے۔ اس نے زیادہ بک بک کی تو میں اسے بالکونی سے نیچے پھینکنے میں دریغ نہیں کروں گی" ویرا نے غصے سے کہا۔

"تمہارے منہ لگا تو شراب کے بھبکوں سے میرا دماغ اڑ جائے گا" سلطان شاہ کا لہجہ تمسخرانہ ہوگیا "نشے کی جھونک میں ایک چوہا بھی شہر بھر میں بلی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا، تم مجھے پھینک دینے کا دعویٰ کررہی ہو تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے، یہ ہوتا رہتا ہے۔"

میں اس وقت ان کی تکرار سے محظوظ ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ دونوں کی طرف ہاتھ لہرا کر ڈرائنگ روم سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ غزالہ میرے ساتھ ہولی۔

جسم پر شدید تکان اور ذہن پر کوفت سوار تھی۔ مجھے رہ رہ کر مہم کی ناکامی پر جھنجلاہٹ محسوس ہورہی تھی۔ اس وقت میری بالکل وہی کیفیت تھی جو ہاتھ آئی ہوئی بڑی مچھلی پھسل جانے پر کسی شکاری کی ہوتی ہے۔

غزالہ نے میرے بالوں میں اپنی نرم اور گداز انگلیاں پھیرنی شروع کیں تو تھوڑی ہی دیر میں نیند نے مجھے آلیا۔

دن کی نیند کتنی بھی طویل اور گہری ہو، رات کی بے خوابی کا ازالہ نہیں کرسکتی۔ ویسے بھی رات کو جاگ کر دن میں سونا قانونِ قدرت سے لڑنے کے مترادف ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ جب میں شام کے چار بجے بیدار ہوا تو تکان دور ہونے کے بجائے میرے پورے بدن میں میٹھا میٹھا درد لہریں لے رہا تھا۔ میں نے کروٹ لی تو غزالہ غائب تھی۔ شاید وہ مختصر سی نیند لے کر ہی گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی۔

میں غسل خانے میں گھس گیا اور پورا شاور کھول کر نہانے

کے لیے کھڑا ہوگیا۔ جب دیر تک ٹھنڈے اور نیم گرم پانی کی تیز دھاریں دیر تک بدن اور کھوپڑی پرپڑتی رہیں تو مجھے کچھ سکون ملا اور میں شیو وغیرہ کرنے کے بعد غسل خانے سے باہر آگیا۔ باہر سناٹا تھا۔ غزالہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹیلی وژن دیکھ رہی تھی۔

"دوپہر میں آپ کے لیے اول خان کا فون آیا تھا" مجھے دیکھتے ہی غزالہ نے کہا۔

"وہ کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میرا ذہن فوراً اپریٹس کی طرف گیا تھا۔

"وہ ویرا سے بات کرتا رہا تھا۔ تفصیل اسی کو معلوم ہوگی۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ دونوں کہاں ہیں؟"

"سلطان شاہ کہیں سے ایک شطرنج اٹھالایا ہے اور ویرا کے کمرے میں ہے۔ دونوں کھیل میں منہمک ہوں گے" غزالہ نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا اور میں اس انقلاب پر حیران رہ گیا۔

"ہم سونے کے لیے گئے تو وہ دونوں لڑ رہے تھے اور اب اکٹھے شطرنج کھیل رہے ہیں۔"

"یہی ہوتا ہے" غزالہ کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا۔ "سب کے سامنے وہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ تنہائی میسر آجائے تو شیر و شکر ہوجاتے ہیں۔"

"دونوں ہی بے چارے اپنی اپنی ذات میں اکیلے ہیں۔ وہ ہم دونوں کو ایک کمرے میں یک جا دیکھ کر اور بھی کڑھتے ہوں گے۔" میں نے ہنس کر کہا "کبھی کبھی تو مجھے بھی ان پر رحم آنے لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کیا بنے گا۔"

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ خود ہی اپنی اپنی راہیں نکال لیں گے۔"

"آؤ! ذرا دیکھتے ہیں کہ وہ اندر گھسے کیا کر رہے ہیں؟" میں نے اسے دعوت دی۔

غنیمت یہ تھا کہ ان کا کمرا مقفل نہیں تھا۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو سامنے ایک دلچسپ منظر نظر آیا۔

کھڑکیوں کے سارے دبیز پردے کھنچے ہوئے ہونے کی وجہ سے کمرے میں رات اتری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ فضا میں ہلکی ائرکنڈیشننگ کی وجہ سے خوش گوار خنکی رچی ہوئی تھی۔ کمرے کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے ویرا کے سرہانے دھیمی روشنی والا صرف ایک سائیڈلیمپ روشن تھا۔ ویرا بائیں پہلو کے بل، سر ہتھیلی پر ٹکائے اپنی مسہری پر دراز تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہی تھی۔ سلطان شاہ اس کے مقابل ایک کرسی پر آگے جھک کر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان رکھی ہوئی میز پر شطرنج جمی ہوئی تھی۔ اسی کے برابر میں ایش ٹرے اور اسکاچ کا دمکتا ہوا گلاس رکھا ہوا تھا اور ان دونوں کی نظریں شطرنج کے مہروں پر مرکوز تھیں۔

"خوب!" غزالہ اندر گھس کر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولی "یہاں تمباکو اور الکحل کی اتنی تیز بو رچی ہوئی ہے کہ میں زیادہ دیر یہاں رکی تو میرا سر چکرانے لگے گا۔"

وہ دونوں ہی چونک کر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ مجھے دیکھ کر سلطان شاہ نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی اور خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "ویرا بہت اچھی شطرنج کھیلتی ہے۔۔۔۔ تم کھیلوگے؟"

"باہر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے رہتے ہو اور دوسروں کو پریشان کرتے ہو اور بند کمرے میں یہ خرمستیاں ہوتی ہیں" میں نے آنکھیں نکال کے کہا۔ غزالہ میرے بولنے سے پہلے ہی وہاں سے رخصت ہو کر دروازہ بند کر چکی تھی۔

"دیکھو، ڈینی تمہیں گدھا کہہ رہا ہے" ویرا نے مخمور مسکراہٹ کے ساتھ اسے اکسایا "خرمستیاں گدھے ہی کرتے ہیں۔"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے" سلطان شاہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "بعض اوقات میں واقعی گدھا ہو کر رہ جاتا ہوں۔"

"اول خان کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے سلطان شاہ کو نظرانداز کر کے خشک لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

"پہلے اپنا لہجہ درست کرو" وہ اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بے پروائی سے بولی "بند کمرے میں شطرنج کھیلنا کوئی جرم نہیں ہے جو تم اتنی برہمی دکھا رہے ہو۔ بیٹھ کر شرافت سے بات کرو۔"

"ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے کہ تم سے بات کی جائے یا شرافت سے" یہ کہہ کر میں نے بیٹھتے ہوئے عاجزانہ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی "اگر تم مجھے اول خان کی گفتگو سے آگاہ کر سکو تو میں عمر بھر تمہارا ممنون رہوں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے" وہ اٹھتے ہوئے بولی "وہ آرمی سگنل کور کے کسی افسر سے تمہاری بات کرانی چاہ رہا تھا۔"

"وہ ایک اہم معاملہ ہے۔ تمہیں پورا پس منظر معلوم ہوگا۔ مجھے بیدار کر دیا ہوتا۔"

"اول خان کو پتا چلا کہ تم سو رہے ہو تو اس نے تمہیں جگانے سے منع کر دیا۔ اس قصے میں کچھ ایسی باتیں تھیں جو اول خان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں مگر پھر اس نے خود ہی معاملہ نمٹانے کا فیصلہ کر لیا۔"

میں ان دونوں کو چھوڑ کر باہر آگیا۔

میں نے باری باری اسٹیشن فور اور اول خان کے گھر فون کیا لیکن وہ دونوں جگہوں سے غائب تھا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ پچھلی شام کو گھر سے نکلنے کے بعد واپس ہی نہیں لوٹا تھا۔ بس فون کر کے اپنی مصروفیت کی اطلاع دے دی تھی۔ میرے پاس اپریٹس بھی تھا لیکن راس المیڈا کی مداخلت کی وجہ سے میں اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ راس المیڈا کی قیام گاہ پر جو کارروائی کی گئی تھی، وہ غیر معمولی نوعیت کی تھی۔ وہاں سے گرفتار کیے جانے والوں اور فرار ہونے والوں کے خلاف قانونی ضابطوں کے تحت کارروائی کا کام خاصا طویل اور پُرپیچ تھا جس میں اول خان کا ملوث ہونا ناگزیر تھا۔ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی بلکہ آتش زدگی اور ہلاکتوں کے واقعات اول خان کی دشواریوں میں مزید اضافہ کر سکتے تھے۔

سوا چھ بجے میجر غوث کا فون آیا۔ وہ بھی اول خان کی تلاش میں تھا۔

میری آواز پہچان کر اس نے کہا "تمہارا اصل شکار تمہارے ہاتھوں سے نکل گیا مگر پھر بھی تم لوگوں نے جو کچھ کیا ہے، اس پر تم سب مبارک باد کے مستحق ہو۔ پریس میں ان خبروں کا مکمل بلیک آؤٹ کرا دیا گیا ہے لیکن شہر کا ہر چھوٹا بڑا افسر اول خان کی زبان سے پورے واقعات سننے پر کمربستہ ہے۔ شاید وہ اسی لیے کہیں روپوش ہوگیا ہے۔"

"روپوش ہوگیا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جب کوئی شخص اپنے سارے ممکنہ ٹھکانوں سے غائب ہو تو اسے روپوشی ہی کہیں گے۔ اس سے رابطہ ہو تو بتانا کہ میں نے اس کی مشکلات حل کر دی ہیں۔ یہ کیس براہِ راست میرے محکمے کی تحویل میں آگیا ہے۔ سویلین حکام کو اس معاملے سے بالکل دور رہنے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔"

"میرا رابطہ ہوا تو میں بتا دوں گا۔ وہ تمہیں مل جائے تو اس سے کہنا کہ مجھے فون کر لے۔"

ریسیور پر میجر غوث کا ایک جان دار قہقہہ سنائی دیا اور پھر لائن بے جان ہوگئی۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ڈوربیل چیخ اٹھی۔

میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا مگر مجھ سے پہلے ہی سلطان شاہ، ویرا کے کمرے سے نکل کر دروازے پر پہنچ گیا۔

سلام کی آواز سے علم ہوا کہ آنے والا اول خان تھا۔ میں اس کے استقبال کے لیے اٹھ گیا۔

وہ اندر آتے ہی تھکے ہارے انداز میں صوفے پر گر گیا۔

"ایک گلاس پانی دو۔ آج میں سارا دن بھاگ بھاگ کر بری طرح تھک گیا ہوں" اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ اس کے لیے پانی لینے چلا گیا۔ میرے لیے اپنے تجسس اور اضطراب پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب بیٹھ کر آہستہ سے پوچھا "ریڈیو فری کوئنسی اسکینر والے قصے کا کیا بنا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے" اس نے چونک کر کہا "وہ لوگ بہت ہی پیچیدہ اصطلاحات استعمال کر رہے تھے جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔

تم سے رابطہ نہ ہونے کے بعد میں نے انہیں اصل صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ ان کی حتمی رائے ہے کہ فری کوئنسی معلوم کرنے والا کوئی آلہ اتنا ہلکا پھلکا اور خودکار نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی اسے لے کر تیزی کے ساتھ آزادانہ نقل و حرکت کر سکے۔ راس المیڈا یقینی طور پر کوئی اپریٹس استعمال کر رہا ہے۔"

اول خان کے اس انکشاف نے میرے ذہن کو سُن کر کے رکھ دیا۔ وہ جو کچھ بتا رہا تھا اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی فولادی صفوں میں ایک مرتبہ پھر شگاف پڑ چکا تھا اور اس بار اس شگاف کے اُس پار راس المیڈا کا شیطانی چہرہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ایس ٹی ایف کا کوئی اپریٹس راس المیڈا کی تحویل میں چلا گیا ہے؟" میری خاموشی پر ویرا نے متجسسانہ لہجے میں اول خان سے سوال کیا۔

"اس بارے میں وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی" اول خان نے سلطان شاہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر دھیرے سے کہا "وہ کئی امکانات کی بات کررہے ہیں۔ میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

وہ نہ جانے کب سے پیاسا تھا کہ اپنی بات پوری کرتے ہی گلاس منہ سے لگا کر خالی کرتا چلا گیا۔ ان چند لمحوں میں میرے ذہن میں دو صورتیں نمودار ہوئیں۔ ان واقعات کے پیشِ نظر پہلا امکان یہ ہوسکتا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی مقامی تنظیم کا کوئی آدمی راس المیڈا کے ہمدردوں کے ساتھ مل گیا ہو اور اس نے فورس کا کوئی اپریٹس ان کے حوالے کردیا ہو جس پر راس المیڈا اول تا آخر ساری گفتگو سنتا رہا ہو اور دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ راس المیڈا کے مسکن پر واقعی کوئی ریڈیو فریکوئنسی اسکینر موجود رہا ہو۔ اس نے ہم لوگوں کے مشترکہ حملے کا آغاز ہوتے ہی اپنے اس حساس آلے کے ذریعے سراغ لگایا ہو کہ اس کے دشمن کس ریڈیو فریکوئنسی پر ہدایات اور معلومات کا تبادلہ کررہے ہیں اور پھر اس نے اسی فریکوئنسی پر کام کرنے والے کسی ہلکے پھلکے اپریٹس کے ذریعے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ دوسرا امکان ایس ٹی ایف میں کسی غدار کی موجودگی کی واضح نفی کرتا تھا۔

پانی کا گلاس خالی کرنے کے بعد اول خان نے اپنی بات کا سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا "ایک بات طے ہوگئی ہے کہ ابھی تک کوئی اتنا ہلکا پھلکا ریڈیو فریکوئنسی اسکینر ایجاد نہیں ہوا ہے جسے کوئی شخص ایک دستی آلے کے طور پر اپنے ساتھ لے کر گھومتا پھرے۔ اگر راس المیڈا اپنے اسکینر پر بات کررہا ہوتا تو چھت سے ہیلی کاپٹر میں منتقلی کے وقت اس کی باتوں میں کچھ نہ کچھ تعطل ضرور آنا چاہیے تھا۔"

ویرا اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی مضطربانہ لب ولہجے میں بول پڑی "اس کا مطلب ہے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی اپریٹس حاصل کرچکا ہے؟"

"نہیں، میں نے اس بارے میں اپنا پورا اطمینان کرلیا ہے" اس نے کہا "فورس کے لیے ایس آرسیون تھری فور قسم کے کل چالیس اپریٹس درآمد کیے گئے تھے اور اب سے ایک گھنٹے پہلے تک یہ پوری تعداد ایس ٹی ایف کے مختلف یونٹوں کی تحویل میں موجود تھی۔ ان میں سے نو اپریٹس اسٹیشن فور کے پاس تھے اور یہ تعداد اس وقت بھی پوری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے کسی آدمی کی غداری کا شبہ اب بے بنیاد ثابت ہوچکا ہے۔"

"پھر تمہارے مواصلاتی نظام میں راس المیڈا کیسے مداخلت کررہا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اس نے اپنے اسکینر پر ہماری آپریٹنگ فریکوئنسی کا سراغ لگایا اور پھر اسی رینج کے کسی اپریٹس پر ہماری گفتگو میں مداخلت شروع کردی۔ یہ اس پوری پہیلی کا آسان ترین حل ہے۔" اس نے کہا۔

ویرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اس نے کہا "اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو ایس آرسیون تھری فور امریکا ہی کے بنے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے وہ میرا وطن ہے اور میں اپنے مکار ہم وطنوں کو بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ وہ ترقی پذیر ملکوں کو مدد دے رہے ہوں یا ان سے تجارت کررہے ہوں، ہر وقت ان کے حلقوم پر اپنی انگلی رکھے رہتے ہیں۔ انہوں نے کسی فوجی یا نیم فوجی معاہدے کے تحت چالیس ایس آرسیون تھری فور تم کو بھیجے ہوں گے تو دو اپنے کمرشل یا فوجی اتاشی کو بھی بھیجے ہوں گے تاکہ وہ خفیہ طور پر ان آلات کے استعمال کی نگرانی کرتے رہیں او ہو اب وہی خفیہ اپریٹس راس المیڈا کی مدد کررہے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" اول خان نے اعتراف کیا "ہم نے ایک مدت تک ان سے فریب کھائے ہیں لیکن اب ہم بھی ہوشیار ہوگئے ہیں۔ وہ ان آلات کو جس فریکوئنسی پر سیٹ کرکے بھیجتے ہیں، ہم استعمال سے پہلے اسے بدل دیتے ہیں۔ یہ صرف ایس ٹی ایف کا معاملہ نہیں ہے پورے دفاعی نظام میں یہ حکمتِ عملی اختیار کی جاتی ہے ورنہ کسی بھی شعبے میں ہماری رازداری برقرار نہیں رہ سکتی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہمارے ذمے دار اہل کار ہماری قومی ترجیحات پر ہر وقت نگاہ رکھتے ہیں۔" سلطان شاہ ویرا کے چہرے پر نظریں جما کے قدرے استہزائیہ لہجے میں بولا "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم امریکا اور اس کے سازشی فتنوں کے بارے میں اتنے وثوق سے دعوے کیسے کرتی ہو؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے امریکا کے مقتدر حکام تم سے مشورہ کرکے اپنی ساری حکمتِ عملیاں مرتب کرتے ہیں۔"

"تم میری باتوں پر بلاوجہ سلگ رہے ہو" ویرا نے نرمی سے کہا۔ "موجودہ حالات کو تو چھوڑ ہی دو، میں نے جمی لائیڈ کی زندگی میں بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں امریکن پالیسیوں میں کوئی عمل دخل رکھتی ہوں۔ ساری بات اس فوجی اور سیاسی جن کی نفسیات کو سمجھنے کی ہے۔ میں اپنے ہم وطنوں کی ذہنیت کو اچھی طرح سمجھتی ہوں اور اسی لیے ان کے بارے میں کھلی کھلی باتیں کہہ ڈالتی ہوں جو سچ نہیں تو سچ سے بہت قریب ہوتی ہیں۔ شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ پچھلے چند برسوں میں امریکا میں عالمی حکمرانی کا ایک نیا تصور انگڑائیاں لینے لگا ہے۔ اب واشنگٹن میں بیٹھا ہوا ہر طاقت ور سرکاری اہل کار یہ سمجھنے لگا ہے کہ وہ امریکن ٹیکس دہندگان کا خادم ہونے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کا مخدوم ہے اور عالمی نقشے پر موجود

کسی بھی ملک کو اپنے اشاروں پر نچانے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ وہ برابری کے بجائے دوسروں سے اپنی برتری کے پیشِ نظر معاملات طے کرتے ہیں۔"

"تم بلاوجہ سیاست میں ٹانگ اڑا رہی ہو" میں نے ناخوشگوار لہجے میں ویرا کو ٹوکا "اس وقت ہمارا مسئلہ راس المیڈا ہے۔ ہمیں اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"راس المیڈا آسمان سے نہیں ٹپکا، وہ ان حالات کی پیداوار ہے جن پر میں روشنی ڈال رہی تھی۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو" سلطان شاہ نے سرہلا کر تفہیمی لہجے میں تبصرہ کیا "اگر تم اس پر روشنی نہ ڈالتیں تو گہرے اندھیرے کی وجہ سے ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ اول خان راس المیڈا کے بجائے مائیکل جیکسن کے پیچھے ہولیتا اور راس المیڈا اندھیرے میں چھپا رہ جاتا۔"

"تم دونوں تھوڑی دیر کے لیے اپنی زبانیں بند رکھو" میں نے سختی سے انہیں ڈانٹا "خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اول خان سے کچھ اہم باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

میری برہمی پر غزالہ بے اختیار مسکرانے لگی۔ ویرا نے مجھے کینہ توز نظروں سے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولی۔

"رات جس عمارت میں راس المیڈا سے ہمارا تصادم ہوا، وہ فریڈم لاج کہلاتی ہے اور پچھلے تین برس سے ریمی مارٹن نامی ایک امریکن کے تصرف میں ہے۔ اس نے وہ عمارت کرائے پر لی ہوئی تھی اور ہر سال مالک مکان سے معاہدے کی باقاعدہ تجدید کرتا رہا ہے" اول خان نے قدرے توقف کے بعد بتایا۔

"ایک غیر ملکی کو شہر میں اتنی بڑی عمارت کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے کرائے داری کے معاہدے میں اس عمارت کا کوئی نہ کوئی معرف تو ظاہر کیا ہی ہوگا" میں نے کہا۔

اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر وضاحت کرتے ہوئے بتایا "وہ مقامیوں کے تعاون سے کوئی رفاہی ادارہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ عمارت کو رہائش کے ساتھ اس رفاہی ادارے کے دفتر کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔"

"مجرمانہ مقاصد کی آڑ کے لیے اس سے بہتر عذر ہو ہی نہیں سکتا تھا" غزالہ نے تبصرہ کیا "رفاہی ادارے کی آڑ میں وہاں ہر طبقے کے لوگوں کی آمدورفت کو تحفظ حاصل رہا ہوگا۔"

"بظاہر ریمی مارٹن وہاں کرائے دار تھا لیکن اس نے خطیر رقم خرچ کرکے اس مکان میں بہت سی تبدیلیاں کرائی تھیں۔ ان ہی میں دیواروں کا اونچا کیا جانا اور خود کار شٹرز کی تنصیب بھی شامل تھی۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" میں نے اول خان سے پوچھا "وہ ہاتھ آجائے تو ہمیں اپنے بہت سے سوالات کے جواب مل سکتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ تین سال سے یہاں موجود تھا اور اس کی سرگرمیاں بھی جاری رہی ہوں گی مگر وہ ہم سب کی نگاہوں سے اس طرح اوجھل تھا کہ کسی کو اس کے وجود کی بھنک تک نہیں مل سکی۔"

"فریڈم لاج میں مرنے والوں میں ریمی مارٹن بھی شامل تھا" اول خان نے انکشاف کیا "اٹھارہ قیدیوں اور چار لاشوں کے علاوہ تم دو زخمیوں کے بارے میں بھی سن چکے تھے۔ ایک جلی ہوئی لاش بھی وہاں پائی گئی تھی۔ مکان کی چھت پر دو سفید فاموں اور ایک مقامی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ان تینوں کی پیشانیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ تینوں شاید راس المیڈا کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے اس لیے اس نے فرار ہوتے ہوئے ان تینوں کو خود ہی ختم کردیا۔ ان ہی میں سے ایک گورے کو ریمی مارٹن کی حیثیت سے شناخت کیا گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ریمی مارٹن ہی بلیک ہاک رہا ہوگا" ویرا نے تبصرہ کیا۔

"ریمی مارٹن وائٹ ہاک بھی ہوسکتا ہے۔ بلیک ہاک براہِ راست راس المیڈا کو جواب دہ تھا۔ وہ سخی مراد والے بنگلے میں رہ رہا تھا اور میں نے اسے وہیں گھیرا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ ریمی مارٹن شروع ہی سے فریڈم لاج سنبھال رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ میرے ہاتھوں مرنے والا گرے ہاک بھی اسی کے ساتھ رہتا ہو" میں نے کہا۔

"کسی کے کہیں بھی آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اول خان نے کہا "ہوسکتا ہے کہ بلیک ہاک صرف کے نائین مشن کی تکمیل کے لیے سخی مراد کی کوٹھی میں منتقل ہوا ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ راس المیڈا کو خود ہی اپنے دو قابلِ اعتماد ساتھیوں کو ختم کردینا پڑا اور اب وہ عملاً تنہا ہو کر رہ گیا ہے۔"

"تنہا نہیں ہوا" میں نے جواب دیا "تم بھول رہے ہو کہ اسے امریکن قونصل خانے کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔"

"ان کی مدد لینے کے لیے اسے راڈنی آرک بننا ہوگا" سلطان شاہ بولا۔

"ہم نے راس المیڈا کی سرکوبی کے لیے پورا منصوبہ بنالیا تھا" اول خان نے اچانک جھرجھری لے کر کہا "لیکن کل رات مجھے خیال آیا کہ اس کی پناہ گاہ کوئی سفارتی عمارت ثابت ہوئی تو ایک کہرام برپا ہوجائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ فریڈم لاج کا قونصل خانے والوں سے کوئی تعلق سامنے نہیں آیا۔"

راس المیڈا فریڈم لاج میں آٹھ لاشیں اور بیس قیدی چھوڑ کر اپنے زخموں کو چاٹتا ہوا فرار ہوا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا اور میجر غوث کی مداخلت کے بغیر اسے پریس میں آنے سے نہیں روکا جاسکتا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ فریڈم لاج میں متعدد کمپیوٹروں کے ساتھ ساتھ بہت سا جدید مواصلاتی سازوسامان بھی موجود تھا جس کا بیشتر حصہ راس المیڈا کی لگائی ہوئی آگ کا ایندھن

بن گیا لیکن وہ کمرا محفوظ رہا جہاں سے ہتھیاروں وغیرہ کی ایک بڑی کھیپ برآمد ہوئی۔ اس میں بیس خود کار رائفلوں اور چار ہلکے راکٹ لانچرز کے علاوہ اندھیرے میں دور تک دیکھنے والی انفراریڈ دوربینوں کا ایک کریٹ، گولیوں اور میگزین کا انبار اور ڈائنامائٹ اسٹکس کا ذخیرہ شامل تھا۔ ہمارے مقابلے کے لیے فریڈم لاج کے مکین جو ہتھیار استعمال کررہے تھے وہ اس ذخیرے کے علاوہ تھے۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ریمی مارٹن کن مقاصد کے تحت تین برس سے فریڈم لاج میں مقیم تھا، وہ لوگ وہاں کیا کررہے تھے؟ ان کی سرگرمیوں کی کیا نوعیت تھی اور وہاں ہتھیاروں وغیرہ کا ذخیرہ کیوں موجود تھا؟

میرے ان سوالات نے سب ہی کو الجھادیا۔ راس المیڈا کا نام کے ٹائین مشن کے محدود حوالے کے ساتھ اچانک ہی ہمارے سامنے آیا تھا۔ کے ٹائین نامی منصوبے کی بربادی کی آنکھ مچولی میں ہمیں کسی بھی موقع پر یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی منظم نفری بھی رہی ہوگی۔ اس وقت لے دے کر بس ایلن سیمفریال ہمارے سامنے تھا جو مقامی غنڈوں کے سہارے راس المیڈا کی معاونت کررہا تھا لیکن کے ٹائین کا بھیانک منصوبہ ناکام ہوتے ہی راس المیڈا نے ایک دم اپنی کینچلی بدل لی تھی اور ایک بالکل ہی نئے روپ میں ہمارے سامنے آیا تھا۔

ہم پانچوں اس بارے میں کافی دیر تک مغززنی کرتے رہے پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ راس المیڈا ابتدا میں ایلن اور پیٹر سے کام لیتا رہا پھر اس کی اعانت کے لیے گیری ہارٹ اور جیف طر بھی میدانِ عمل میں آگئے لیکن ایلن اور پیٹر اپنی بدقسمتی سے ہمارے چنگل میں پھنس گئے۔ پیٹر مارا گیا، ایلن بری طرح زخمی ہونے کے بعد چل بسا۔ اس موقع پر راس المیڈا بھی بال بال بچا اور زخمی ہونے کے بعد موقع سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ایلن کی اس... کمین گاہ پر جشن میں جو لوگ جمع ہوئے تھے، وہ غالباً فریڈم لاج ہی کے مکین تھے۔ مقامیوں اور غیر ملکیوں کے اس ملے جلے بدمست ہجوم نے ایلن کی کمین گاہ پر ویرا کی ایسی تذلیل کی تھی کہ وہ عارضی طور پر اپنا ذہنی توازن کھو کر سکتے کا شکار ہوگئی تھی۔

جب راس المیڈا ہر طرف سے تنہا ہونے لگا تو غالباً امریکن قونصل خانے نے ریمی مارٹن اور اس کے دو ساتھیوں کی خدمات راس المیڈا کے سپرد کردیں۔ بنیادی طور پر وہ تینوں اپنے قونصل خانے کے ایجنٹ تھے جو اپنے سفارتی رابطوں سے بالکل الگ تھلگ ہوکر برسوں سے فریڈم لاج میں اپنی گھناؤنی سازشوں کو پروان چڑھارہے تھے۔

فریڈم لاج سے اسپیشل ٹاسک فورس یا ملٹری سیکرٹ سروس والوں کو کوئی ایسا ریکارڈ نہیں مل سکتا تھا جس سے ان کی سرگرمیوں اور مقاصد پر روشنی پڑتی ہو لیکن وہاں موجود ہتھیاروں وغیرہ کی بنا پر یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ فریڈم لاج والے غیر سفارتی مگر پیشہ ورانہ انداز میں پاکستان میں دہشت گرد اور تخریبی عناصر کی سرپرستی کرکے امن وامان کو تباہ کرنے کا کام کررہے تھے۔ ہتھیاروں سے بھری ہوئی الحدید نامی لانچ کے پکڑے جانے کے بعد، پہلے بھی امریکنوں کے اس قسم کے عزائم کی نشان دہی ہوچکی تھی۔

اس وقت ان کے رابطے بھی سامنے آگئے تھے۔ وہ بھارتی ایجنٹوں کے ذریعے غیر قانونی ہتھیار اندرونِ سندھ پھیلے ہوئے ڈاکوؤں اور دہشت گردوں میں پھیلا کر انہیں ریاستی قوتوں کے خلاف صف آرا کرانا چاہتے تھے۔

راس المیڈا کا کے ٹائین نامی منصوبہ ناکام ہونے کے ساتھ ساتھ فریڈم لاج کا فتنہ بھی بڑی حد تک مٹ گیا تھا۔ ان دنوں راس المیڈا کے ستارے ہی گردش میں آئے ہوئے تھے کہ اس کی نحوست کا سایہ اس کے حلیفوں کی بربادی کا سبب بن رہا تھا۔ اپنے آدمیوں کو کھودینے کے بعد اس نے فریڈم لاج کے مضبوط قلعے میں پناہ لی تو وہ قلعہ ہی برباد ہوگیا۔ اس کے مکین ہلاک یا گرفتار ہوچکے تھے مگر فکرمندی کی بات یہ تھی کہ راس المیڈا زندہ اور آزاد تھا۔

"اپنی پے در پے ناکامیوں کے بعد وہ یہاں سے فرار کی راہ بھی اختیار کرسکتا ہے" وہ بحث سمیٹنے کے بعد سلطان شاہ نے پُرامید لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک ایک کرکے اپنے تمام ہی ٹھکانوں سے محروم ہوچکا ہے" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیکن وہ بہت ڈھیٹ اور ضدی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اتنی آسانی سے میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔ اس نے اب اپنے آقاؤں سے مدد طلب کی ہوگی۔"

"وہ پاکستان سے بہت زیادہ ناخوش ہیں۔ دل کھول کر اس کی مدد کریں گے" ویرا بول پڑی۔

اچانک ہی مجھے راس المیڈا کے ہیلی کاپٹر کا خیال آگیا اور میں نے اول خان سے سوال کرڈالا "یہ بات قابلِ فہم ہے کہ ہیلی کاپٹر پرزوں کی صورت میں فریڈم لاج کی چھت پر لاکر جوڑا گیا اور پھر ترپالوں وغیرہ میں چھپادیا گیا لیکن فریڈم لاج سے پرواز کرنے کے بعد وہ اتنی آسانی سے کہیں غائب نہیں ہوسکتا تھا۔ کوشش کی جائے تو پتا لگایا جاسکتا ہے کہ کل رات راس المیڈا نے کہاں پناہ لی ہے۔"

"کسی کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ اس بارے میں سوچتا" اول خان نے ایمان داری سے کہا "راس المیڈا نے اسے کسی ویرانے میں چھوڑنے کی حماقت نہیں کی ہوگی بلکہ اسے قونصل خانے کے اسی وسیع گیراج میں اتارا ہوگا جہاں بکتر بند ایمبولینس پہنچائی گئی تھی۔ وہاں کوئی مقامی اہل کار داخل نہیں ہوسکتا۔ میرا خیال ہے کہ اب اس کے پیچھے سر کھپانا بے سود ہے۔"

"وہ نکل گیا مگر اب میرے اعصاب پر سخی مراد سوار ہورہا ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ! اسے تو میں بھول ہی بیٹھا تھا۔ وہ نادرہ کے ویران مکان کے تہ خانے میں اپنی آزادی کا انتظار کررہا ہوگا" میرے یاد دلانے پر اول خان اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کے بے ساختہ بولا "تمہارے مشورے کے مطابق میں نے اسے بے ہوشی کی حالت میں اپنے دو آدمیوں کے ساتھ نادرہ کے گھر کے لیے روانہ کردیا تھا۔"

"لیکن وہ بدکار اور قابلِ نفرت شخص تمہیں کیوں یاد آگیا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"وہ ایک جانا پہچانا سیاسی لیڈر ہے" میں نے اسی سرد لہجے میں کہا "اپنی منافقت کے سہارے اس نے اپنے حامیوں کا ایک قابلِ ذکر حلقہ بنایا ہوا ہے۔ وہ اقتدار کا اس قدر بھوکا ہے کہ ہیروئن کی تجارت سے کمائی ہوئی دولت کے سہارے منتخب ہوکر جلد از جلد اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ جانا چاہتا ہے۔ اسی جیسے قوم فروش لوگوں نے راس المیڈا جیسے سازشیوں کو یہاں پہنچنے کے لیے سازگار فضا فراہم کی ہوئی ہے۔ سانپ نکل گیا ہے مگر میں اس بل کو تباہ کردوں گا۔ سخی مراد کو مرنا ہوگا تاکہ اس کے انجام سے دوسرے غدار عبرت حاصل کرسکیں۔"

"اسے مارنا تو شاید اس وقت دنیا کا آسان ترین کام ثابت ہوگا۔ قید میں موجود دشمن کو مارنے کے بارے میں تمہاری فکرمندی میری سمجھ سے باہر ہے" سلطان شاہ بولا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ اب وہ ایک گولی کا مہمان ہے" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا "مگر میں اسے اتنے سہل انجام کا حق دار نہیں سمجھتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی موت اپنے حلیف کے ہاتھوں ہو تو دوسروں کو کچھ عبرت حاصل ہوسکے۔"

"تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہم نے اس سے آزادی کا وعدہ کیا ہے۔ کل اسے آزادی مل جانی چاہیے۔"

"تم الجھی ہوئی باتیں کررہے ہو۔ ایک بار وہ نکل گیا تو دوبارہ اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ جس اثر ورسوخ کا مالک ہے، تم جانتے ہی ہو۔ اس کی شکایت پر شہر کی پوری انتظامیہ اس کی حفاظت کے لیے حرکت میں آجائے گی۔ ابھی تک تاوان کی وجہ سے یہ قصہ دبا ہوا ہے۔"

میں نے یکے بعد دیگرے سگریٹ کے چند گہرے کش لیے پھر کہا "فریڈم لاج کے بارے میں آج اخبارات کو ایک مختصر مگر سنسنی خیز خبر جاری کرادو کہ ملک کے نامور سیاسی رہنما، سخی مراد کی نشان دہی پر مقامی حکام نے بین الاقوامی دہشت گردوں کی ایک خفیہ پناہ گاہ پر چھاپا مار کر بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کیا ہے۔"

"یہ خبر معاملات کو الجھادے گی۔ ایک طرف سخی مراد کی... گمشدگی کے بارے میں اغوا برائے تاوان کا تاثر پیدا کیا گیا ہے۔ اب اس کی نشان دہی پر چھاپے کی خبر جاری کی گئی تو سخی مراد کے اغوا کی ذمے داری کسی نہ کسی ایجنسی پر آجائے گی۔ میجر غوث بھی یہ ذمے داری لینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"اور پھر وہ خبر دیکھ کر سخی مراد سمجھ لے گا کہ تم پاکستان کی سرکاری ایجنسیوں کے لیے کام کررہے ہو" سلطان شاہ نے اول خان کا ساتھ دیتے ہوئے اضافہ کیا۔

"کھیل میں شریک ہر اہم فریق اب میرے اصل کردار سے باخبر ہوچکا ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "سخی مراد کے جان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر اغوا کی ذمے داری والی بات قابلِ فہم ہے۔ میں کوئی نئی الجھن کھڑی کیے بغیر صرف اتنا چاہتا ہوں کہ سخی مراد کو رہا کرنے سے پہلے یہ بات راس المیڈا کو ذہن نشین کرادی جائے کہ فریڈم لاج میں اس کی بربادی سخی مراد کی مخبری کی بنا پر ہوئی ہے۔"

"اوہ! اب میں سمجھا" اول خان اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں سکیڑ کر تحیر سے بولا "تم سخی مراد کو اپنا چارا بنانا چاہتے ہو۔ راس المیڈا اس کا رخ کرے گا اور تم اسے پکڑلوگے۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ رازداری کی خاطر راس المیڈا ایسی حماقت کرگزرے تو اور بات ہے ورنہ وہ سخی مراد کی زندگی کے خاتمے کے لیے کرائے کے کسی آدمی کو بھی استعمال کرسکتا ہے" میں نے کہا۔

"خبر جاری کرنے میں ایک اور خطرہ بھی پوشیدہ ہے" غزالہ نے آہستگی سے کہا۔ وہ ابتدا ہی سے پوری گفتگو بہت غور سے سن رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آزادی پانے کے بعد سخی مراد وہ خبر دیکھتے ہی گھبرا جائے گا کہ اس کے سارے راز آپ کے ذریعے سرکاری ایجنسیوں تک پہنچ گئے ہیں یا پہنچ سکتے ہیں۔ اپنی سلامتی کو خطرے میں پاکر اگر وہ فوراً ہی ملک سے فرار ہوگیا تو ہم سب ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"پھر کوئی اور تجویز سوچنی پڑے گی" ان لوگوں کی باتوں نے مجھے فکرمند کردیا۔

"وہ ایس ٹی ایف کا اپریٹس نہیں تو اسی فریکوئنسی پر کوئی اور ٹرانسمیٹر استعمال کررہا ہے" غزالہ نے پھر کہا "آپ راس المیڈا کو براہِ راست مخاطب کیوں نہیں کرتے۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے لاف وگزاف ضرور کرے گا۔ آپ باتوں ہی باتوں میں اسے بتادیں کہ سخی مراد نے فریڈم لاج کی نشان دہی کی تھی۔"

غزالہ کی اس سیدھی سی تجویز پر سب ہی خوشی سے اچھل پڑے۔

"اس وقت تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔" میں نے ستائشی لہجے میں کہا "اپنے چچا زاد بھائی ولی داد کو سخی مراد نے ہلاک کیا۔ تمہاری تجویز پر عمل کرنے کی صورت میں کسی کے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں ہوگی اور سخی مراد، راس المیڈا کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ہمارا مقدر یاور رہا تو ہم راس المیڈا کا کوئی نیا سراغ حاصل کرلیں

گے۔"

"غزالہ بہت کم بولتی ہے لیکن ہماری باتوں میں جب بھی دخل دیتی ہے' کوئی چونکا دینے والا نکتہ لاتی ہے" وہ فقرے ادا کرتے ہوئے سلطان شاہ کی باچھیں کھلی جارہی تھیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ غزالہ ہماری باتیں سنتی ہی نہیں' ان پر غور بھی کرتی رہتی ہے" اول خان نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ میرا دماغ خراب کردیا جائے' مجھے یہاں سے اٹھ جانا چاہیے" غزالہ نے انکسار سے ہنستے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھنا چاہا مگر ویرا نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ اس کی جگہ پر بٹھادیا۔

ایس ٹی ایف کا ایک اپریٹس پچھلی رات سے ہماری تحویل میں تھا۔ سلطان شاہ میری خواب گاہ سے وہ اپریٹس لینے گیا اور پھر انتہائی جوش کے عالم میں دوڑتا ہوا واپس آیا۔ اپریٹس اس کے ہاتھ میں تھا اور اس پر کسی کال کی آمد کا مخصوص اشارہ موصول ہورہا تھا۔

"میں نے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ کال سگنل آنے لگا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپریٹس آن کرکے میری طرف بڑھادیا۔

"راس کالنگ فارڈیبی!" اپریٹس کے ریسیور پر راس المیڈا کی مخصوص آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"بات کرو!" اول خان نے اضطراری انداز میں مجھے ٹھوکا دے کر کہا۔

"یہ بہترین موقع ہے" ویرا بھی بول پڑی "وہ خود ہی تمہارے دام میں آرہا ہے۔"

اپریٹس پر قدرے وقفے کے بعد راس المیڈا کا وہی پیغام دوبارہ سنائی دیا۔ اس بار وقفہ ہوتے ہی میں نے بٹن دبا کر کہا "کیا بات ہے؟ میں ڈیبی بول رہا ہوں" میرا فقرہ مکمل تھا اس لیے میں نے بھی راس المیڈا کی طرح کال اوور کرنے کی رسمی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ایسے لاسلکی آلات پر دو تجربے کار آدمی بات کررہے ہوں تو وہ فقروں سے خود ہی اندازہ کرلیتے ہیں کہ دوسری طرف کی بات پوری ہونے کے بعد انہیں کب بولنا چاہیے۔

"اب میں تم سے کھل کر بات کرسکتا ہوں" راس المیڈا بولا۔ "کیونکہ میرے آس پاس ایسا کوئی آدمی موجود نہیں ہے جسے تم اپنی زہریلی باتوں سے گمراہ کرسکو۔"

"گمراہ میں نہیں' تم کرتے ہو۔ میں تمہارے آدمیوں کے خون کا پیاسا ہوں لیکن تم نے بلیک ہاک اور وائٹ ہاک کے ساتھ جو سفاکانہ سلوک کیا ہے' اس نے مجھے لرزادیا ہے۔"

"وہ حلق کاٹنے کی لڑائی تھی۔ میں انہیں زندہ چھوڑ دیتا تو وہ تمہارے قیدی بن جاتے۔ جیف ملر کے معاملے میں میں تمہاری بے رحمانہ حرکتوں سے واقف ہوچکا ہوں۔ وہ میرا قابل فخر آدمی تھا۔ جب وہ تمہارے سامنے اپنی زبان بند نہیں رکھ سکا تو وہ دونوں کسی گنتی میں نہیں تھے۔ میں جیف ملر کی اُگلی ہوئی باتوں کے زخم ابھی تک سہہ رہا ہوں۔ میں کوئی نیا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ زندہ رہتے تو میرے بہت سے راستے مسدود ہو کر رہ جاتے۔"

"تمہارے راستے مسدود ہوچکے ہیں۔ بہت جلد تم خود کو میرے روبرو پاؤ گے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے ان دونوں کو کیسے پہچان لیا" راس المیڈا کی آواز تحیر زدہ تھی۔ "وہ کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف تمہاری قیاس آرائی تھی۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا "اگر وہ میری قیاس آرائی تھی تو اب تم اس کی تصدیق کرچکے ہو۔ تمہاری معلومات کے لیے میں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ تمہارے کے نائین نامی منصوبے کا سراغ ملنے کے بعد میں نے ڈیفنس کے مکان میں اپنی انفراریڈ دوربین سے اندھیرے میں بھی تمہارے آدمیوں کو دیکھ لیا تھا اور اسی وجہ سے گرے ہاک وہاں مارا گیا تھا۔ میں تمہارے ساتھ تمہارے ہی معیار کی لڑائی لڑ رہا ہوں۔"

"میں یہی جاننا چاہتا ہوں کہ تم میری راہ میں روڑے کیوں اٹکا رہے ہو؟"

"یہ میری ہابی ہے۔ ہتھیار ڈال دو ورنہ کسی بھیانک انجام کا سامنا کرنے کی تیاری کرلو کیونکہ ایک ایک کرکے تمہارے سارے مہرے ٹوٹتے جارہے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ فریڈم لاج جیسا قلعہ بھی میری دسترس سے نہیں بچ سکا۔"

"میں واقعات کی کڑیاں یک جا کررہا ہوں۔ سخی مراد کو کسی نے تاوان کے لیے اغوا کیا ہوا ہے۔ پورے شہر میں صرف وہ جانتا تھا کہ فریڈم لاج سے میرا کوئی تعلق ہے۔ کیا وہ تمہارے قبضے میں ہے؟"

وہ خود ہی میرے جال میں پھنس رہا تھا۔ میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "دانا دشمن کا مقابلہ کرکے مجھے ہمیشہ لطف آتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ بعض باتیں تم خود بہ خود سمجھ لیتے ہو۔ میں غیر ضروری خون خرابے سے ہمیشہ ہی پرہیز کرتا ہوں۔ جیف ملر سے کام کی باتیں معلوم کرکے میں نے ایمان داری سے اسے رہا کردیا تھا۔ اب سخی مراد کو بھی آزادی مل جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ تم اسے نہیں چھیڑو گے۔"

"اپنے فیصلوں کے لیے میں تمہارے مشوروں کا محتاج نہیں ہوں" اس کا سرد لہجہ قدرے سخت ہوگیا۔

"تو پھر تم نے مجھ سے کس لیے رابطہ کیا ہے؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"سنو اور کان کھول کر سنو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود اب کوئی راز نہیں رہا ہے" وہ کہہ رہا تھا "پاکستان کی حکومت لاکھ انکار کرتی رہے لیکن البرٹو ویلیسا نے اپنی جان پر کھیل کر اس بھیانک فورس کے سارے کارنامے دنیا بھر میں پھیلا دیے ہیں۔ البرٹو ویلیسا نے ظفر کے روپ میں تمہارے لیے بھی بہت کچھ کیا تھا۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے مخبر بن چکے ہو۔ میں تمہیں اس ذلت سے نکال کر عزت کا کوئی مقام دلوا سکتا ہوں۔"

"اپنی عزت اور ذلت کی سند کے لیے مجھے تمہارے کسی ہم وطن کی رائے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دو منہ والے سانپ ہو۔ ایک سرے پر راس المیڈا ہو اور دوسرے پر راڈنی آرک۔ تمہارے ان دونوں دہانوں میں زہریلی زبانیں ہیں جو کسی بھی حالت میں تریاق نہیں اگل سکتیں۔"

"تم اسی طرح لڑتے لڑتے ایک دن مرجاؤ گے اور کوئی تمہارا نام تک لینا گوارا نہیں کرے گا۔ میں آواگون کا قائل نہیں ہوں۔ ہر انسان کو صرف ایک بار زندگی ملتی ہے جسے احترام اور عزت سے گزارنا چاہیے۔ میری بات مان لو تو تمہیں امریکا کی شہریت اور تمہارے من پسند کاروبار کی ضمانت مل سکتی ہے۔"

"مجھے اپنے وطن کی مٹی تمہارے ملک کے ہونے سے ہزاروں گنا زیادہ عزیز ہے۔"

"پھر مجھے تم کو اسی مٹی میں ملانا پڑے گا" اس کی آواز قہربار ہوگئی "یہ آخری موقع تھا جو تم گنوا رہے ہو۔ ابھی تک میں دوسرے کاموں میں الجھ کر تمہیں ڈھیل دے رہا تھا مگر اب میری پوری توجہ تم پر مرکوز رہے گی۔"

"تم خونی بھیڑیے ہو۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کو کھانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ تم میرا کیا بگاڑ سکو گے؟"

"تمہارا وقت تیزی سے پورا ہورہا ہے۔ اگر کسی وقت تمہیں عقل آجائے تو اپنے اسی اپریٹس پر مجھ سے رابطہ کرلینا۔ میں تمہاری دہشت کو سمجھ رہا ہوں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں غدار حلیفوں کے معاملے میں بہت سنگ دل اور سفاک ہوں البتہ ہتھیار ڈال دینے والے دشمنوں کے حق میں ہمیشہ مہربان ثابت ہوتا ہوں۔ ماضی کی مثالوں میں تم اس اصول کو ہر جگہ کارفرما پاؤ گے۔"

"شاید جیف ملر کے بارے میں تمہاری بات درست ہو" میں نے اپنے لہجے میں تذبذب کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے کہا "اس نے زبان کھول کر تم سے غداری کا ارتکاب کیا تھا لیکن بلیک اور وائٹ ہاک کا کیا قصور تھا؟ تم غیب داں نہیں ہو۔ تم نے صرف ایک شبہے کی بنا پر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

مجھ پر اثر انداز ہونے کا احساس ہوتے ہی اس نے پُرزور الفاظ میں وضاحت کرنی شروع کردی "ہر اچھا سربراہ اپنے ساتھیوں کی خامیوں اور خوبیوں سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ مجھے مان تھا کہ جیف ملر اپنے بدن کا ریشہ ریشہ الگ ہوجانے کے باوجود مجھ سے دغا نہیں کرے گا مگر اس نے میرا مان توڑ دیا۔ یہ اس کی کمزوری نہیں' تمہارے بے پناہ تشدد کی کامیابی تھی کہ وہ بے بسی کے احساس میں مبتلا ہوکر بہک گیا۔ دوسرے دونوں آدمی جیف ملر سے کہیں زیادہ کمزور تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ جیف سے آدھا تشدد بھی نہیں سہہ سکیں گے۔ ہیلی کاپٹر ان کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھا۔ وہ مجھے بہت عزیز تھے۔ میں نے بہت دکھ کے ساتھ انہیں گولیاں ماری تھیں۔"

"تمہاری یہ باتیں بے وزن اور پھسپھسی ہیں' میں ان پر اعتبار نہیں کرسکتا۔"

"سوچ لو۔ تمہیں تمہاری مرضی کی ضمانتیں فراہم کی جاسکتی ہیں۔ شاندار مستقبل تمہارا منتظر ہے۔ مٹی سے رشتے نبھانے کا دور گزر چکا ہے۔ اب پوری دنیا ایک گاؤں میں بدل چکی ہے۔ گوادر کے رہنے والے نیویارک میں ٹہلتے ہیں اور میں اپنے شہر کو بھول کر یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ سوچو اور سوچتے رہو۔ ایک دن تم میرے ہم خیال ہوجاؤ گے' بائی۔"

راس المیڈا کے آخری لفظ کے ساتھ ہی اپریٹس پر صرف ہلکا سا ریڈیائی شور باقی رہ گیا۔ میں نے اپنے لاسلکی آلے کو بے پروائی سے تپائی پر ڈال دیا۔

"راس کی اس کال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا" ویرا بڑبڑائی۔ "ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے تمہارا مقصد پورا کرانے کے لیے یہ کال کی ہو۔ اس کی ساری باتیں بے سروپا تھیں۔"

"ترغیب اور تحریص کے اس گھسے پٹے حربے کو بے سروپا بھی کہا جاسکتا ہے۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت راس المیڈا نے میری اور اپنی گفتگو کسی تیسرے اہم فرد کو سنوانے کے لیے بات کی ہو۔ میں نے یہ بات کئی مرتبہ محسوس کی تھی۔"

"تمہارے خیال میں اتنا اہم آدمی کون ہوسکتا ہے؟" اول خان نے خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا۔

"وہ امریکن قونصل جنرل بھی ہوسکتا ہے۔ راس المیڈا نے منہ کی کھانے کے بعد اسی کا رخ کیا ہوگا اور اب اس سے مدد مانگ رہا ہوگا۔ وہ لوگ یہاں پے در پے اتنے نقصانات اٹھا چکے ہیں کہ اب ہمارے خلاف کوئی نئی مہم جوئی کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہوں گے۔ فریڈم لاج میں پھیلنے والی تباہی نے ان کا رہا سہا حوصلہ بھی ختم کردیا ہوگا اور راس المیڈا کو انہیں عملی اقدام پر آمادہ کرنے میں دشواری پیش آرہی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"اگر یہی بات ہے تو تم نے اپنے ابتدائی سخت رویّے کو ترک کرکے آخر میں تذبذب اور بے یقینی کا لب و لہجہ کیوں اپنا لیا تھا؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے سوچ سمجھ کر وہ انحراف کیا تھا۔ اگر قونصل خانے والے خوف زدہ ہوکر راس المیڈا کی مدد سے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو میرا بدلا ہوا لب و لہجہ ان کی پسپائی کو تقویت دے گا۔ وہ راس المیڈا پر زور دیں گے کہ میرے ذہن میں تبدیلی کی لہر آچکی ہے۔ محاذ

آرائی سے گریز کر کے چند روز انتظار کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ میں راس المیڈا سے مصالحت کے جال میں پھنس کر خود کو ان کے حوالے کر دوں۔"

"آسان کامیابی کی امید میں وہ انتظار کر سکتے ہیں" اول خان نے میری تائید میں سر ہلا کر کہا "لیکن راس المیڈا سخی مراد کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ ابھی تک اس کے اغوا کی خبر عام نہیں ہوئی ہے۔ اس کے گھر والوں نے اس کی اور ولی داد کی پراسرار گم شدگی کو سختی سے راز میں رکھا ہوا ہے مگر راس المیڈا اندر کی اس بات سے بھی باخبر ہے۔ وہ اپنی بساط کے ہر مہرے پر گہری نظر رکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔"

"آؤ!" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر کہا "ذرا سخی مراد سے بھی کچھ باتیں کر لی جائیں۔"

سلطان شاہ نے بھی ہمارے ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ نادرہ کے بظاہر غیر آباد مکان میں زیادہ افراد کی آمد و رفت کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بھی بن سکتی تھی۔

راستے میں اول خان نے مجھے بتایا کہ اس کے آدمی سخی مراد کو طویل وقفوں کے لیے مسکن دواؤں کے زیر اثر رکھ رہے ہوں گے تاکہ انہیں بھی آرام کرنے کا موقع مل سکے۔ خور و نوش کی اشیا میں ملا کر دی جانے والی ادویات کی مقدار اس طرح کم و بیش کی جاتی تھی کہ سخی مراد کھانے پینے کے اوقات پر ہوش میں رہ سکے مگر دن اور رات کے بیشتر حصوں میں گہری نیند سوتا رہے۔

اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر میں نادرہ کے گھر جا پہنچے۔ اول خان کا ایک آدمی احاطے میں مستعد تھا۔ دوسرا تہ خانے میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ باہر والے سے یہ معلوم کر کے ہم دونوں کو خوشی ہوئی کہ سخی مراد رات کے کھانے کے انتظار میں اس وقت ہوش میں تھا۔

تہ خانے کے زینوں تک پہنچنے سے پہلے ہی اول خان نے بلند آواز میں راجر کا لفظ کہا۔ شاید وہ باہمی شناخت کا کوئی طے شدہ کوڈ تھا جو تہ خانے والے کو یہ بتانے کے لیے ادا کیا گیا تھا کہ آہٹوں پر اسے بھڑکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیوں کہ آنے والے دوست تھے۔

تہ خانے میں سخی مراد ہمارا منتظر تھا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا اور وہ مسہری پر نیم دراز تھا۔ اس کا محافظ مسہری سے دور ایک کرسی کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔" سخی مراد نے بوجھل آواز میں کہا "میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم مجھے اس جہنم سے یہاں لے آئے ہو مگر تمہارے آدمی بہت خشک مزاج ہیں۔ میری کسی بات کا جواب نہیں دیتے۔"

"یہ نہ بھولو کہ یہاں بھی تم قیدی ہو۔ یہ قید تم نے اپنی مرضی سے منتخب کی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہاں ائرکنڈیشنر اور شراب کی کمی بری طرح کھل رہی ہے۔" اس نے شکایت کی۔

"یہ کمرا ٹھنڈا ہے اور شراب جگر کی دشمن ہوتی ہے اس لیے یہاں نہیں پائی جاتی۔"

"میں ایک رات گزار چکا ہوں' دوسری رات آ چکی ہے۔ کل یہاں میری آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد تمہیں مجھ کو رہا کرنا ہوگا۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"بے فکر رہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے یقین دلایا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہیں کل ہی رہا کر دیا جائے۔"

"تو کیا راس المیڈا تمہارے ہاتھ آ چکا ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر بے یقینی سے پوچھا۔

"فی الحال میں نے اسے بھول جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسے بعد میں دیکھا جائے گا۔"

وہ پُر تشویش انداز میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا "مگر تم تو اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بے چین تھے۔ اس کے خاتمے کے لیے میرا اور تمہارا سودا بھی طے ہو چکا ہے۔"

"اس سودے کی مد میں ہم نے تم سے کوئی رقم نہیں لی ہے۔ رہائی کے بعد تم ہمیں تاوان کی رقم ادا کرنے کے پابند ہو۔ راس المیڈا کا قصہ تمام ہوگا تو وہ حساب بھی کر لیا جائے گا۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"مگر میرا کیا بنے گا؟ میرے خلاف راس المیڈا تمہیں رقم دے چکا ہے۔ میری واپسی اسے شبے میں ڈال دے گی۔"

"پھر یہیں رہتے رہو۔" میں نے مکارانہ مسکراہٹ سے کہا "شراب اور ائرکنڈیشنر کے بغیر۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کے بولا "تم نے مجھے بدترین الجھن میں ڈال دیا ہے......"

"تم پورے ملک پر حکمرانی کرنے کا خواب دیکھ رہے ہو مگر اتنی سی بات پر پریشان ہو گئے!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "ابھی تک راس المیڈا کو یہ علم نہیں ہے کہ تم میرے ہاتھ آ چکے ہو۔ یہ بات کھل چکی ہوتی تو تم سے کوئی سودا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تم گھر جا کر آرام کی نیند سونا۔ راس المیڈا تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔"

خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ بولا "تم واقعی بہت ذہین آدمی ہو۔ تم میرے ساتھ مل جاؤ تو میں تھوڑے ہی عرصے میں اپنا ہر خواب پورا کر سکتا ہوں۔ تمہارے پاس سوچنے والا ذہن ہے اور میرے پاس بے حساب پیسہ۔ اس ملک میں انسان سے زمین تک ہر چیز بکاؤ ہے۔ کوئی سستے داموں بک جاتا ہے' کوئی اپنی پوری پوری قیمت وصول کرتا ہے۔ میں ہر ایک کے دام لگا ڈالوں گا اور تم میرے دستِ راست ہو گے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ فی الوقت راس المیڈا نے تمہیں خریدا ہوا ہے اور تم اس کے دیے ہوئے احکام بجا لانے پر مجبور ہو۔ جو خود بک چکا ہو' وہ دوسروں کو کیا خرید سکتا ہے۔" میں نے اسے چڑ کا لگایا۔

وہ ایک خوش فہم اور خود پرست سیاست دان تھا۔ میرے فقروں کی تلخی کو نرمی سے سہہ گیا اور مسکرا کر بولا "دس راس المیڈا بھی مل کر میری قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ وہ میری کمزوریوں کی قیمت وصول کر رہا ہے۔ آدمی اقتدار میں آتا ہے تو اس کی کمزوریاں خود بہ خود چھپ جاتی ہیں۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ایمان داری کے ساتھ اپنے وعدوں پر عمل کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہو۔ میں بھلے وقت آنے پر بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔"

وہ بالکل بھولا ہوا تھا کہ اپنا بھلا وقت وہ پہلے ہی گزار چکا تھا۔ آنے والا وقت اس کے لیے ذلت اور موت کا پیغام لے کر آ رہا تھا۔ ملک زوال کی طرف جا رہا تھا۔ حکمرانوں کا انتخاب کرنے والوں کے حافظے کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن پھر بھی ان پر اتنا برا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ سخی مراد جیسے رنگے سیار کو اپنی قضا و قدر کا مالک بنا کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیتے۔

"تم سیاست کے میدان کے پرانے کھلاڑی ہو۔ اندر کی بہت سی کہانیاں جانتے ہو گے۔ کیا کچھ کہانیاں سنانی پسند کرو گے؟" میں نے نرم لہجے میں کہا "مجھے دوسروں کی کمزوریاں جاننے کا بہت شوق ہے۔"

"میرے ساتھ رہو گے تو رفتہ رفتہ سب کچھ جان لو گے۔" وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا "ایک دوسرے کی کمزوریوں کو اچھالنا ہماری سیاسی تہذیب کے خلاف ہے کیوں کہ کسی کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔"

"پتا نہیں تم کس تہذیب کی بات کر رہے ہو۔ یہاں تو آئے دن ایک دوسرے پر بد عنوانیوں کے الزامات لگتے رہتے ہیں۔" اول خان نے بے ساختہ لہجے میں پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ فائدے حاصل کرنے کے سیاسی حربے ہیں' ان میں کوئی جان نہیں ہوتی۔ آج تک کسی نے عدالت میں اپنے لگائے ہوئے الزامات کو ثابت کیا ہے اور نہ ملزم بنائے جانے والوں نے اپنے حریفوں پر ہتکِ عزت کا مقدمہ دائر کیا ہے۔ ایسی لڑائیوں کو صرف اخبارات اچھالتے ہیں کیوں کہ انہیں ہر روز اپنا پیٹ بھرنے کے لیے بھاری مواد درکار ہوتا ہے۔ لڑائیاں زور پکڑ لیں تو اخباروں کو لاکھوں روپے کے اشتہار بھی ملنے لگتے ہیں۔ سب سیاسی خاندان جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک دوسرے کے اصل جرائم کو بے نقاب کرنا شروع کر دیا تو ان کی برادری تباہ و برباد ہو جائے گی اور نئے چہرے ان کی مسندوں پر بیٹھ جائیں گے۔ جب تک برادری برقرار ہے' دیر سویر ہر ایک کو اس کا حصہ ملتا ہی رہے گا۔ ہر دم من و سلویٰ اگلنے والی ہانڈی کے پیندے میں کوئی احمق بھی سوراخ نہیں کرتا۔"

"تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔" اس کی بے تکان تقریر میں وقفہ آتے ہی میں بول پڑا "زندگی رہی تو تمہارے ساتھ محفلیں جمتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ کے ٹائین کے سلسلے میں تمہاری فرم پر بننے والے مقدمے کا کیا بنے گا؟"

"کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔ جہاز کے کپتان کی خودکشی نے سب کا بھرم رکھ لیا ہے۔ بارودی کریٹ وہی بمبئی سے لایا تھا اور نامعلوم مقاصد کے لیے قبرص لے جا رہا تھا۔ میرے وکیل اس کہانی میں جان ڈال دیں گے۔" بولتے بولتے اس نے چونک کر سوال کیا "مگر یہ سب لمبی کہانیاں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ولی داد کی لاش کہاں ہے؟"

"اس میں تمہیں کیا دلچسپی ہے؟ تم اسے مار کر اپنی خون کی پیاس بجھا چکے ہو۔" میں نے کہا۔

"وہ میرا ایک روپ تھا جو تم نے دیکھ لیا۔ اس کے علاوہ بھی میرا ایک روپ ہے۔ میں اپنے خاندان کا گاڈ فادر یا اَن داتا بھی ہوں۔ اس کی لاش پر ماتم کرنا اور اسے عزت سے دفن کرانا میرا فرض ہے۔" وہ نہایت مکاری اور ڈھٹائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا۔ آزادی کی خوش خبری نے اس کے مزاج میں خاصی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

"ولی داد کی لاش ہم صحرا میں پھینکنے کے بجائے کراچی لے آئے تھے۔ یہاں وہ لاش ایک ویرانے سے پولیس کی تحویل میں جا چکی ہے۔ تم ذرا سی تگ و دو کرو گے تو اپنے مقتول کو کسی سرکاری اسپتال کے مردہ خانے میں تلاش کر لو گے۔ حیرت ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ ہی نہیں' اپنے خاندان میں بھی اس قدر منافقت سے کام لیتے ہو۔ پہلے اپنے جیتے جاگتے چچا زاد کو ایک لاش میں تبدیل کیا اور اب اسی لاش پر ڈرامے بازی کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"اس نے میری نشان دہی کر کے تمہیں میرے پیچھے لگایا' وہ ایسی ہی موت کا مستحق......"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر تصحیح کی "اس نے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ تم دونوں الگ الگ پکڑے گئے تھے۔ اسے تمہارے سامنے لانے تک ہمیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ تم دونوں آپس میں رشتے دار ہو۔ تم دونوں کے یک جا ہو جانے کے بعد ہی ہمیں تمہارے تعلق کا علم ہوا تھا۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ اس نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے؟" میرے انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ اس نے میرے ساتھی کا تھپڑ کھانے کے بعد خود ہی فریاد کی تھی کہ وہ ہر بات سچ سچ بتا چکا ہے اور اس کے اسی فقرے نے تمہارا دماغ الٹ دیا تھا۔ سچ کیا تھا؟ یہ تمہارے اور ولی داد کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس نے تشدد سے بچنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ تم اس جھوٹ کو سچ سمجھے اور یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ تمہارے بارے میں اسی نے زہر اگلا ہے۔ تمہارے دل میں چور تھا اس لیے تم نے خود ہی پوری کہانی ترتیب دی اور یہ سمجھ کر کہ تمہارے گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھایا ہے' ہر بات اگلتے چلے گئے۔"

سخی مراد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا پڑیں۔ وہ مجھے یوں گھور رہا تھا جیسے میرے سر پر اچانک سینگ نکل آئے ہوں۔ پھر اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "اس کا مطلب ہے کہ ولی داد ناحق ہی میرے ہاتھوں مارا گیا...... ہائے میرا چچا زاد......! وہ میرا کس قدر وفادار تھا!"

لمحوں ہی لمحوں میں اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔

اول خان نے حقارت سے کہا "ہوش میں رہو اور ڈراما بند کرو۔ اس وقت تم اپنے خاندان میں نہیں' اس قتل کے دو چشم دید گواہوں کے سامنے بیٹھے ہو۔ مگرمچھ کے آنسو اپنے گھر کے لیے بچا کر رکھ لو۔"

"اگر مجھے غلط فہمی ہوئی تھی تو تم نے اسے دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" اس نے اول خان کو نظر انداز کر کے بھرائی ہوئی دردناک آواز میں شکوہ کیا "تم اسے قتل ہونے سے تو بچا سکتے تھے۔"

"وہ بھی پارسا نہیں تھا۔ بعد میں اس نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ تم نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ میرا اصول ہے کہ دو بھیڑیے لڑ رہے ہوں تو دخل اندازی کرنے کے بجائے دور رہ کر تماشا دیکھتا ہوں۔ لڑائی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر میں جیتنے والے سے اپنا حساب بے باق کرتا ہوں۔"

"جو ہونا تھا' ہوگیا...... اب ولی داد کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا...... کاش! تم نے یہ بات مجھے نہ بتائی ہوتی۔ اب یہ بوجھ زندگی بھر مجھے تڑپاتا رہے گا کہ میں نے بلاوجہ اپنے بھائی کو ماردیا۔"

"تم نے ہی بات بڑھائی تھی۔ تم مجھ پر غلط بیانی کا الزام نہ لگاتے تو میں اس وقت بھی تمہیں کچھ نہ بتاتا۔" میں نے اس کی ذہنی اذیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "میں غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرتا ہوں۔"

اصل صورتِ حال کے انکشاف سے سخی مراد کو واقعی شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ اسے ملول اور دل گرفتہ چھوڑ کر ہم دونوں وہاں سے لوٹ آئے۔

میں نے اس کی رہائی کے بارے میں اُس کے ذہن میں ایسی اطمینان بخش تصویر بٹھادی تھی کہ اسے اپنے خلاف کسی سازش کا شبہ تک نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر اسے اس بریفنگ کے بغیر رہا کردیا جاتا تو وہ شدید ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو کر ملک سے فرار تک ہوسکتا تھا۔ اس کی مکمل برین واشنگ کے بعد ہم دونوں کو یقین ہوگیا تھا کہ سخی مراد رہائی ملتے ہی پوری بے فکری سے اپنے معمولات میں مشغول ہوجائے گا اور اسے اس وقت تک سنگین خطرے کا ادراک نہیں ہوسکے گا جب تک راس المیڈا یا اس کا کوئی ہرکارہ اس کے سر پر مسلط ہوجائے۔

واپسی پر اول خان ٹیکسی لینے پر مُصر تھا کیونکہ اسے میری مستعار لی ہوئی گاڑی چھوڑنی تھی مگر میں نے زبردستی اسے اس کے گھر پہنچایا اور واپس گھر پہنچ گیا۔

وہاں تینوں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ وہ میرے اس غیر متوقع دورے کے محرکات اور نتائج جاننے کے خواہش مند تھے۔ اسی کے ساتھ ان کے پاس ایک اہم اطلاع بھی تھی کہ میجر غوث بہت شدت سے مجھے اور اول خان کو تلاش کر رہا تھا۔ میرے گھر پہنچنے سے پہلے اول خان کا فون آیا تھا۔ وہ یہی خبر دے رہا تھا کہ میجر غوث نے ہم دونوں کی تلاش میں اس کے گھر کئی فون مرتبہ فون کیا تھا۔

فریڈم لاج کا پورا قضیہ باضابطہ طور پر میجر غوث کے سپرد کیا جا چکا تھا۔ اس عمارت سے گرفتار کیے جانے والے قیدی بھی اسی کی تحویل میں تھے۔ میں نے اس کے پیغام سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ فریڈم لاج والے قصے میں کوئی ایسی الجھن پیدا ہوگئی تھی جسے سمجھنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

وہ تینوں میری جان کو جونک بنے ہوئے تھے اور یہ جاننے پر مُصر تھے کہ میں سخی مراد کی طرف کیوں گیا ہوا تھا۔ میں نے اول خان سے بات کرنے کے لئے تین مرتبہ فون کا ریسیور اٹھایا لیکن تینوں مرتبہ ویرا کریڈل دبا کر بیٹھ گئی۔ اس کا مطالبہ تھا کہ کسی بھی دوسری مصروفیت سے پہلے اسے مطلوبہ معلومات فراہم کی جائیں۔

اس مضحکہ خیز صورتِ حال پر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں کہیں بھاگا نہیں جارہا تھا لیکن اس وقت ویرا کی سربراہی میں وہ تینوں یک زبان ہوچکے تھے۔ میں نے جھلّائے ہوئے لہجے میں صرف تین فقروں میں ان کا مطالبہ پورا کردیا اور پھر پھاڑ کھانے والی نظروں سے ویرا کو گھورنے لگا۔

"تم اسے صرف یہ بتانے کے لئے گئے تھے کہ فی الحال تم راس المیڈا کو بھول چکے ہو' اسے رہا کر رہے ہو اور اسے کسی طرح فکر مند نہیں ہونا چاہیے...... آخر تمہیں اس پیغام رسانی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" ویرا نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اپنی یہ بے ہودہ جرح تم بعد میں بھی کرسکتی ہو۔ پہلے مجھے اول خان سے بات کرنے دو۔ جرح کا سلسلہ چل پڑا تو بات میں سے بات نکلتی چلی آئے گی۔" میں نے غصے سے کہا۔

ویرا ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولی "تم میری جرح سے بچنا چاہتے ہو تو فی الحال صرف اتنا ہی بتا دو کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا وجود میں آیا تھا۔"

صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت مجھے سلگانے پر تُلی ہوئی تھی۔ میں برہمی یا بے زاری کا اظہار کر کے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ اسے غزالہ اور سلطان شاہ کی حمایت بھی حاصل تھی۔ میں نے دل پر جبر کر کے ہنستے ہوئے کہا "پہلے انڈا دیتی ہوئی مرغی وجود میں آئی تھی۔ ہوا لگنے سے انڈے کا چھلکا سخت ہوتے ہی مرغی اس پر چڑھ کر بیٹھ گئی...... بالکل اسی طرح جیسے اس وقت تم کریڈل پر قابض ہو اور پھر پولٹری فارمنگ کا سلسلہ چل نکلا اور سیکڑوں کے وارے نیارے ہوگئے۔"

ویرا کو شاید مجھ سے ایسی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ میرے جواب پر حیرت سے اس کا دہانہ کھل گیا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو اس بار وہ کریڈل دبانا بھول گئی اور میں نے اول خان کا نمبر ملالیا۔

اول خان کی آواز سنتے ہی میں پوچھ بیٹھا "بڑے بھائی! کیا تم انڈے اور مرغی کے قصے پر روشنی ڈال سکتے ہو؟ ان دونوں میں سے پہلے کون وجود میں آیا تھا؟"

"کیا بک رہے ہو؟" میرے کانوں میں اول خان کی جھلّائی ہوئی آواز آئی۔ "میجر غوث ہم دونوں سے بات کرنے کے لئے مرا جارہا ہے اور اب اس کا فون مسلسل مصروف ہے۔ ایسے میں تم کو انڈے اور مرغی کی سوجھ رہی ہے۔ تم نے اس کا نمبر ملانے کی کوئی کوشش کی تھی؟"

"اس وقت وہ بھی کڑک...... مم...... میرا مطلب ہے کہ شاید مصروف ہے۔ یہ میرا نہیں' ویرا خانم کا سوال ہے جو میں نے تم سے پوچھا ہے ورنہ میں خود بھی میجر غوث کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"تم فون بند کردو۔" اول خان نے اسی جھونک میں کہا "میں اس کا نمبر ملا رہا ہوں۔ بات ہوگئی تو پھر تم سے رابطہ کروں گا۔ اس وقت تک تم اپنے انڈے بچوں سے نمٹنے کی کوشش کرو۔"

لائن کٹنے کی آواز کے ساتھ ہی فون پر ٹوں ٹوں کی انگیج ٹون سنائی دینے لگی۔ میں نے ریسیور کو اپنے کان سے الگ کر کے غصے سے گھورا اور جھلا کر اسے کریڈل پر پٹخ دیا۔

"ایک نمبر پر تین انسٹرومنٹ ہونے کا یہی نقصان ہوتا ہے کہ آدمی فون سے کشتی لڑنی شروع کردیتا ہے اور تینوں کو توڑے بغیر اعتدال پر نہیں آتا۔" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بیویوں سے ڈرنے والے عام طور پر گھر کی چیزوں پر ہی غصہ اتارتے ہیں۔" ویرا نے پُرتشویش آواز میں کہا "پتا نہیں کہ فون کے بعد کس چیز کی باری آئے گی۔"

"اپنے جھگڑے میں مجھے نہ گھسیٹو!" غزالہ نے فوراً ہی احتجاج کیا "میں کسی کو نہیں ڈراتی۔"

پتا نہیں میرے پہنچنے سے پہلے وہ تینوں کس رنگ میں تھے کہ اس وقت اچانک ہی میرے خلاف متحدہ محاذ بنا بیٹھے تھے۔ میں بھنا کر وہاں سے اٹھا اور اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر مسہری پر گر گیا۔

وہ تینوں ابتدا ہی سے میرے ساتھ بے تکلفی کے باوجود ادب و احترام کا خصوصی برتاؤ کیا کرتے تھے۔ آپس کی ہلکی پھلکی چوٹوں میں بھی یہ احترام جھلکتا رہتا تھا لیکن کچھ دنوں سے مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ ویرا میرے ساتھ کبھی کبھی بہت جارحانہ رویّہ اختیار کرلیتی تھی اور سلطان شاہ کچھ سمجھے بوجھے بغیر اس کا ساتھ دینے لگتا تھا جبکہ غزالہ منہ سے کچھ نہ کہنے کے باوجود ایسے مواقع پر خود کو الگ تھلگ رکھ کر یہ ظاہر کردیتی تھی کہ وہ اس قسم کی بے لحاظی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ میں خاصی دیر تک یہی سوچ کر اپنا خون سلگاتا اور سگریٹ پھونکتا رہا۔ میرے پیچ و تاب کا یہ سلسلہ اس وقت موقوف ہوا جب فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ویرا ڈرائنگ روم والے انسٹرومنٹ کے ذریعے مداخلت نہ کرے لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ دوسری طرف مجھے صرف اول خان کی آواز سنائی دی تھی۔

"میجر غوث نے ایک چونکا دینے والی خبر سنائی ہے۔" ابتدائی رسمی کلمات کے بعد اس نے بتایا۔ "ابھی ابھی میں فون پر اس سے طویل گفتگو کر کے فارغ ہوا ہوں۔"

"موجودہ حالات میں شاید ہمیں ایک ہی خبر چونکا سکتی ہے کہ فریڈم لاج سے گرفتار ہونے والوں میں راس المیڈا بھی موجود ہے۔" میں نے اپنا ذہن صاف کرتے ہوئے' خوش دلی سے کہا۔

"فریڈم لاج سے پکڑے جانے والوں میں ایک امریکن عورت بھی ہے۔ ابتدا میں اس نے اپنا نام کچھ اور بتایا تھا۔ اسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ لاشوں کی شناخت کے لئے لے جایا گیا تو ریمی مارٹن کی لاش دیکھتے ہی صدمے سے اس کی حالت غیر ہوگئی اور وہ لاش سے لپٹ کر بری طرح رونے لگی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ اس کا اصل نام ایلس گومز ہے اور وہ ریمی مارٹن کی بیوی ہے۔ میجر نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا کہ راس المیڈا پہچان لیا گیا ہے۔"

"مغرب میں ناموں کا جو طریقہ رائج ہے' اس سے تم بھی اچھی طرح واقف ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ریمی مارٹن کی بیوی کے نام کا آخری حصہ مارٹن کے سوا کچھ اور ہو؟"

اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "تمہارا اعتراض درست ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے شوہر نے پاکستان میں کام کرنے کے لئے ریمی مارٹن کا فرضی نام اختیار کیا تھا۔ اس کا

اصل نام بوب گومز ہے۔ اسی نے پاکستان میں فریڈم لاج کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ لوگ یہاں شی کے لئے کام کررہے تھے اور اس کا شوہر ایک سازش کے تحت بین الاقوامی مجرموں کی رسا کشی کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے۔"

"اگر اس عورت کا ذہنی توازن درست ہے تو اس کی کہانی واقعی سنسنی خیز ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "حیرت کی بات ہے کہ شی کا یہ یونٹ تین برس سے کراچی میں فعّال ہے اور ویرا بھی اس کے وجود سے بے خبر ہے۔ کیا دوسرے قیدیوں میں سے کسی نے الیس کی کہانی کی تصدیق کی ہے؟"

"نہیں، وہ سب نچلی سطح کے کارکن اور محافظ ہیں۔ وہ الیس کو مس ہاروے کے نام سے جانتے ہیں۔ ان میں سے کوئی الیس کی باتوں کی تصدیق کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔"

"معاملہ دلچسپ اور اہم نظر آتا ہے۔ الیس سے مل کر ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ اس نے اپنے بیان میں شی کے بارے میں عجیب و غریب باتیں بتائی ہیں جو میجر غوث کے پلّے نہیں پڑسکیں اسی لئے وہ ہم لوگوں کی تلاش میں تھا لیکن اس وقت وہ ہمیں اپنے دفاتر سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ ہم الیس سے ملنے کے لئے وہاں گئے تو دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"کیسی دشواریاں؟ مسلّمہ مجرموں کے خلاف کام کرتے ہوئے ہمیں کیا پریشانی ہے؟"

"کراچی میں تھوڑا سا بھی اثر ورسوخ رکھنے والے ہر شہری کو فریڈم لاج کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوچکا ہے اور ہر شخص خبریں اڑانے کے لئے ملٹری سیکرٹ سروس پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ دوسری طرف کچھ امریکن شہریوں کی گرفتاری کے حوالے سے امریکن قونصل خانہ بھی حرکت میں آچکا ہے۔ وہ شہری حکام سے یہ جاننے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں کہ ان کے کتنے شہری کن الزامات میں پکڑے گئے ہیں۔"

"پھر میجر غوث ہم سے کیا چاہتا ہے؟" میں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"میری تجویز پر اس نے یہ بات مان لی کہ وہ اپنے ریکارڈ میں مس ہاروے یا مسز الیس گومز کی گرفتاری کا سرے سے اندراج نہ کرے اور اسے اسپیشل ٹاسک فورس کے حوالے کردے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو بعد میں کسی بھی وقت اس کی گرفتاری ظاہر کی جاسکے گی۔"

"پھر کیا مسئلہ ہے؟ اسے اسٹیشن فور لے آؤ۔ اس سے دو بہ دو باتیں کرکے سب کچھ معلوم کرلیا جائے گا۔ تم نے ابھی تک جو کچھ بتایا ہے، اس میں دو باتیں بری طرح میرے ذہن میں چبھ رہی ہیں۔"

"میرے ذہن میں بھی بے شمار سوالات ہیں مگر میجر غوث ان کے جواب نہیں دے سکا۔ ویسے تم کیا سوچ رہے ہو؟ ہمیں ایک دوسرے کی الجھنوں سے پوری طرح باخبر رہنا چاہئے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ راس المیڈا نے کل رات ہی قونصل خانے والوں کو فریڈم لاج کے زوال کی خبر دے دی ہوگی۔ انہیں معلوم ہے کہ وہاں کون کون تھا پھر وہ تفصیلات جاننے کے لئے اتنے مضطرب کیوں ہیں؟"

"یہ سامنے کی بات ہے۔ راس المیڈا سے ملنے والی خبر اطلاعات کو وہ کہیں استعمال نہیں کرسکتے۔ وہ جلد از جلد ساری تفصیلات حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے جو آدمی زندہ ہیں، زندہ ہی رہیں۔ ہمارے بارے میں منظم پیمانے پر یہ خبریں پھیلائی جاتی ہیں کہ ہماری زیرِ تفتیش قیدی تشدد کی تاب نہ لاکر حراست میں مرجاتے ہیں اور پھر ریکارڈ بدل دیا جاتا ہے کہ وہ مردہ حالت میں ہی ہاتھ لگے تھے۔ ان افواہوں کو مدِنظر رکھا جائے تو ان کی تشویش اور بھاگ دوڑ کا جواز مل جاتا ہے اور دوسری بات کیا ہے؟"

"راس المیڈا گھر کا بھیدی تھا۔ اگر الیس اتنی اہم عورت تھی تو اس نے اسے زندہ کیوں چھوڑا؟ آخری لمحات پر وہ دو سفید فام اور ایک مقامی کے ساتھ الیس کو بھی چھت پر بلا کر گولی مار سکتا تھا۔ اس نے فرار ہوتے ہوئے بھی ہر اہم گواہ کو ختم کرنے کا پورا پورا اہتمام کیا تھا۔"

"تمہاری یہ بات واقعی قابلِ غور ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا اور کہا "الیس کی ساری کہانی شی کے گرد گھومتی ہے اس معاملے میں ہمیں ویرا سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہی الیس کے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کردے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن فی الحال میں اسے زیادہ منہ نہیں لگاؤں گا۔" میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا "ابھی اس نے میرے ساتھ خاصی بدتمیزی کی ہے۔ میں اسے تھوڑی سی سزا دینا چاہتا ہوں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ کب شیر و شکر ہوتے ہو اور کب ایک دوسرے سے خفا ہوجاتے ہو۔ میرے جانے تک سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ تم شاید تھوڑی ہی دیر پہلے گھر پہنچے ہو۔ اس ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا؟"

"انڈا" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا۔ "میں نے ذرا سے بلاوجہ ہی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ بے سروپا بات ویرا ہی نے چھیڑی تھی۔ جب وہ کسی کو چڑانے پر تُل جاتی ہے تو اس کی ہڈیاں تک سلگا کر رکھ دیتی ہے لیکن تم فکر مت کرو۔ ایک آدھ روز میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" چند ثانیوں کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"الیس اسٹیشن فور پہنچ جائے تو وہیں پہنچنا پڑے گا۔" میں نے بلاتوقف جواب دیا۔ "اگر وہ عورت ہمیں چکر دینے کے لئے جھوٹ بول رہی ہے تو اسے سوچنے کی مہلت دیئے بغیر اس پر سوالات کی یلغار کرنی ہوگی تاکہ اسے اپنی کہانی کے جھول دور کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ وہاں کب پہنچے گی؟"

"میجر غوث کے رضامند ہوتے ہی میں نے ہدایات جاری کردی تھیں۔ اسے اگلے دو گھنٹے میں اسٹیشن فور پر ہونا چاہئے۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ "مگر یہ سمجھ لو کہ وہاں تمہاری پوری رات کالی ہوجائے گی۔"

"اگر یہ کسی فلم کے مکالمے ہوتے تو میں یہاں ضرور یہ جذباتی فقرہ ادا کرتا کہ ہماری راتیں کالی ہونے سے اگر ہمارے کروڑوں ہم وطنوں کو سکون و عافیت کی گہری نیند میسر آسکتی ہے تو ہم اپنی ہر رات کا سُکھ کھونے پر تیار ہیں۔" میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا اور اول خان بھی میری ہنسی میں شریک ہوگیا۔

"میں نہانے جارہا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں کھانا مل جانا چاہئے۔" میں نے کچن کے دروازے پر رک کر خشک لہجے میں کہا تو غزالہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی تیر رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے رسانیت سے پوچھا۔ "کیا آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں؟"

مجھے غزالہ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو میرا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا مگر میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو اپنی برہمی کا احساس دلانے کے لئے اپنے چہرے کے تاثرات بگاڑ لئے تھے مگر غزالہ کے سہمے سہمے سے سوال نے نہ جانے مجھ پر کیا اثر کیا کہ اسے کوئی جواب دیئے بغیر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ مڑے بغیر مجھے احساس ہوگیا تھا کہ وہ میرے رویّے سے فکرمند ہوکر، اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر میرے پیچھے آرہی تھی۔

مجھ پر یک بہ یک غزالہ سے ہلکی سی لڑائی لڑنے کا خبط سوار ہوچکا تھا۔ دل ہی دل میں مجھے اچھی طرح احساس تھا کہ میرا وہ خبط یا شوق قطعی غلط اور غیر منصفانہ تھا لیکن بس تھا اور میں اسے پورا کرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔

میاں بیوی میں مفاہمت اور ذہنی ہم آہنگی ہو تو یہ رشتہ بڑی نرم و نازک لطافتوں کا امین بن جاتا ہے۔ لڑنے کے اصول ہوتے ہیں نہ چاہت کا کوئی ضابطہ۔ پورا گھر الٹ جائے تو پیشانی پر کوئی شکن نہیں آتی، کبھی ایک تنکا سرک جانے پر فساد برپا ہوجاتا ہے۔ بے زاری یا انانیت کی کوئی لہر ذہن پر سوار ہو تو سولہ سنگار میں لپٹی ہوئی بیوی بھی دل کو مائل نہیں کرتی مگر جب دل کے نرم گوشوں میں ہلکی ہلکی سی گدگدی ہورہی ہو تو ہر زیبائش اور بناوٹ سے محروم، اپنے فطری انداز میں بے پروائی سے سوئی یا ٹہلتی ہوئی بیوی حسینۂ عالم نظر آنے لگتی ہے اور مرد اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر اپنا دل اس محبوب ہستی کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔

میں اندر داخل ہوکر دروازہ بند کرنے کے لئے پلٹا تو غزالہ کا نرم اور حرارت آگیں وجود میرے بدن سے ٹکرایا۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں۔ اس کی جھیل جیسی گہری اور سیاہ آنکھوں میں ادای کے ساتھ ہلکی سی نمی بھی تیر رہی تھی۔ ان نگاہوں میں قیامت کا ایک خاموش شکوہ پنہاں تھا۔

غزالہ نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر بائیں ہاتھ سے اَدھ کھلا دروازہ بند کردیا اور لرزتی ہوئی آواز میں ہولے سے بولی۔ "آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

غزالہ میرے لئے کوئی اجنبی دوشیزہ نہیں تھی لیکن اس کے اچانک ہی آٹکرانے کی وجہ سے میں خاصا بوکھلا گیا تھا۔ اس کے وجود کی حرارت ایک سرور بن کر میرے ذہن پر سوار ہوگئی۔ میرا لڑنے کا ارادہ متزلزل ہوگیا مگر پھر بھی میں نے قدرے تختی سے کہا۔ "غصہ اسی بات کا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔" میرے پُرفتور ذہن نے اس کی وضاحت میں سے لڑنے کا ایک نکتہ نکال لیا۔ "ویرا نے مجھ سے بدتمیزی کی اور تم تماشا دیکھتی رہیں۔"

اس کی آنکھوں سے دو شفاف موتی بے چین ہوکر اُس کے گلابی رخساروں پر ڈھلک آئے اور وہ تقریباً رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں آپ دونوں کے درمیان کبھی بھی کچھ نہیں بولتی...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں بیوی ہوکر بھی بس تماشا دیکھتی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے کرب آلود انداز میں اتنی زور سے اپنی آنکھوں بھینچیں کہ اس کے اوپر اور نیچے کی پلکیں یک جان ہوگئیں اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک ہلکی سی لڑی بہہ کر نیچے قالین میں معدوم ہوگئی۔ یک بہ یک مجھے محسوس ہوا کہ اس وقت غزالہ کے ساتھ میرا سلوک سنگین اور بے رحمانہ ہوگیا تھا۔ میں نے اضطراری حالت میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے لب خاموش تھے لیکن اس کا مرمریں پیکر اندر ہی اندر، ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ میری مضبوط گرفت میں آتے ہی اس نے اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا۔

○☆○

میں نے اپنی گاڑی اول خان کے گھر چھوڑ دی تھی اور اس وقت اُس کی جیپ میں اسٹیشن فور کی طرف جانے والے راستوں پر رواں تھا۔ اول خان اسٹیئرنگ وہیل میرے حوالے کرکے پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"تمہاری ویرا سے صلح ہوگئی یا ابھی تک لڑائی چل رہی ہے؟" حسن اسکوائر کے ٹریفک سگنل سے آگے نکلنے کے بعد اول خان نے سرسری لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"اس سے صلح کیا ہوتی، غزالہ سے سنگین بلوہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔" میں نے اپنے رگ و پے میں گزرے ہوئے نشاط آور لمحوں کا سرور محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "غزالہ صلح جُو ہے اس لئے لڑائی ٹل گئی ورنہ ویرا نے آج اپنے چند ہی فقروں سے میرے دماغ پر سنک سوار کردی تھی۔"

"طویلے کی بلا بندر کے سر نہ ڈالا کرو۔" اول خان نے تہدیدی لہجے میں کہا۔ "میں غزالہ کا ہم عمر ہوں، نہ اتنا بڑا کہ اسے اپنی بیٹی کہہ سکوں مگر میں تمہیں اتنا ضرور بتانا چاہوں گا کہ وہ

اپنائیت کو ترسی ہوئی ایک قابلِ قدر لڑکی ہے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ڈون کو انگ فو نے زبردستی اسے تمہاری شریکِ حیات بنوا دیا۔ اس کا خیال رکھا کرو۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ اتنی حساس اور خوددار طبیعت کی مالک ہے کہ تمہاری بے وفائی کو شاید اپنا نصیب سمجھ کر برداشت کرلے مگر تمہاری بے اعتنائی نہیں سہہ سکے گی۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میں نے بہت آسان اردو میں اپنی بات واضح کردی ہے۔ بے وفا کھونٹے سے بندھا ہوا وہ شخص ہوتا ہے جس کی رسّی ڈھیلی بلکہ دراز ہوتی ہے۔ وہ دن بھر جہاں بھی منہ مارتا رہے مگر شام کا دھندلکا پھیلتے ہی اپنے کھونٹے کے پاس آبیٹھتا ہے لیکن بے اعتنا وہ ہوتا ہے جو کھونٹے پر قابض ہونے کے باوجود خود کو کسی چھوٹی بڑی رسّی کا پابند نہیں سمجھتا اور جب چاہتا ہے' اپنا کھونٹا بدل لیتا ہے۔"

"بس! اب آگے نہ بولنا ورنہ سنسر کی زد میں آجاؤ گے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "مجھے گھریلو زندگی کی ان نزاکتوں کا پورا پورا احساس ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ غزالہ سے لڑتے لڑتے میں پگھل گیا۔ اس نے عجیب طبیعت پائی ہے' بالکل پانی کی طرح ہے اور پانی میں کس نے آگ لگتی دیکھی ہے۔"

"یہ نہ کہو" اول خان نے چیلنج کرنے والے لہجے میں کہا۔ "جلتے ہوئے تیل کی چھینٹیں چند لمحوں کے لئے پانی میں بھی آگ بھڑکا دیتی ہیں اور عیال دار کی زندگی میں کبھی کبھی وہ چند لمحے ہی زندگی بھر کا عذاب بن جاتے ہیں۔"

اول خان کی بات ذو معنی اور فکر انگیز تھی۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شادی سے پہلے مجھے یہ تجربہ ہوچکا تھا کہ غزالہ میری کسی بات پر روٹھ کر ایسی غائب ہوئی تھی کہ میں جب بھی اسے ڈھونڈ کر اُس کے قریب پہنچا' وہ میرا سامنا کئے بغیر سرعت سے کہیں اور روپوش ہوگئی۔ وہ بہت حساس اور رومانوی طبیعت کی مالک تھی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سنگین جذباتی صدمے سے دوچار ہونے کی صورت میں کیا کر گزریں گے۔

راشد منہاس روڈ کا پل عبور کرنے کے بعد ٹریفک کی رفتار یک لخت سست ہوگئی۔ آگے بڑھنے پر پتا چلا کہ پولیس کی دو گاڑیوں نے راستہ اس طرح مسدود کیا ہوا تھا کہ پورا ٹریفک وہاں سے صرف ایک قطار کی صورت میں گزر سکتا تھا۔ راستے کے دونوں اطراف میں کھڑے ہوئے سپاہی متعدد گاڑیوں کو تفصیلی دیکھ بھال کے لئے ٹریفک کی روانی سے الگ کرکے کنارے سے روک رہے تھے جہاں پولیس کی بھاری نفری گاڑیوں اور کاغذات کی دیکھ بھال کررہی تھی۔

آج کل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن اُن دنوں اسپیشل ٹاسک فورس کی گاڑیوں پر عام شہری نمبر پلیٹ ہوتی تھی اور کوئی بھی عام آدمی ان گاڑیوں کو شناخت نہیں کرسکتا تھا البتہ گھاگ نظریں ان گاڑیوں کی سج دھج اور ساخت سے اندازہ لگاسکتی تھیں کہ وہ عام گاڑیاں نہیں تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی بڑی واردات ہوگئی ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "بڑی تعداد میں گاڑیاں قطار سے الگ کی جارہی ہیں۔ اندازہ ہورہا ہے کہ ہمیں بھی روکا جائے گا۔"

"کل شہر میں ہڑتال ہے۔ یہ تلاشیاں اسی کا پیشگی خمیازہ ہیں۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کے کہا۔ "کوئی بھی حکومت ضد پر اتر آئے تو ریاستی قوت سے پنجہ آزمائی کرنے والوں کو تھوڑی سی مدت کے لئے ناک چنے چبوا دیتی ہے اور پھر حالات اپنی پرانی ڈگر پر چلنے لگتے ہیں۔"

"جو کچھ ہورہا ہے' اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اسے کریدا۔

"کچھ بھی نہیں؟" اس نے بے دلی سے جواب دیا۔ "یہ سب سیاسی باتیں ہیں اور سیاست ہمارا شعبہ نہیں ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے سسٹم میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ ایسے ایسے بھیانک جھول ہیں کہ سخی مراد جیسے سفاک اور خود غرض درندے قومی رہنماؤں کی صف میں داد و تحسین کے ڈونگرے وصول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن سسٹم کی تبدیلی ہمارا کام نہیں ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے ہر ادنیٰ اور اعلیٰ اہل کار کو ملک میں رائج سسٹم میں رہ کر کام کرنے کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ ہم اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرسکتے۔"

ہماری گاڑی پولیس والوں کے چھوڑے ہوئے تنگ راستے سے گزر گئی' کسی نے بھی ہمیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ شاید ایس ٹی ایف کا جلال کسی واضح علامت کے بغیر اس جیپ سے عیاں ہورہا تھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کے ملازم ہونے کے ساتھ ساتھ تم ایک عام شہری بھی تو ہو۔" رکاوٹوں سے گزر جانے کے بعد میں نے جیپ کی رفتار بڑھاتے ہوئے اول خان کو چھیڑا۔

"ایس ٹی ایف کی ملازمت ایک نظریاتی نوکری ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم پر کوئی قاعدہ یا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ہم ہر کام اپنی ایمان دارانہ صوابدید پر کرتے ہیں۔ جسے حق پر سمجھتے ہیں' اسے پوری قوت سے تحفظ فراہم کرتے ہیں جو ملک اور قوم کا دشمن یا غدار نظر آتا ہے' اسے سرد مہری سے موت کی بھیانک وادیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔ ہماری لغزشوں پر کوئی سزا دی جاتی ہے' نہ بہترین کارکردگی پر کوئی انعام ملتا ہے کیونکہ ہمارے بارے میں یہ یقین کرلیا جاتا ہے کہ ہماری نیتیں صاف ہوتی ہیں۔ ہماری غلطی بھی نیک نیتی کی مرہونِ منت ہوتی ہے' اس میں ذاتی بغض و عناد کا کوئی عنصر نہیں ہوتا۔ ایسی نظریاتی نوکری اختیار کرتے ہی ہر اہل کار کو اپنی انفرادیت قربان کرنی پڑجاتی ہے۔ ملازمت کے معاہدے پر دستخط کرتے ہی ہم عام شہری نہیں رہتے۔ سوتے اور جاگتے ہوئے ہر وقت اسپیشل ٹاسک فورس کے ملازم ہوتے ہیں۔ اگر اسپیشل ٹاسک فورس کے کارکنوں میں کام کرنے کی یہ روح موجود نہ ہو تو

[...] بھی کام نہیں کرسکتے۔ میرے ایک سپاہی نے ایک مشن [...] نفری کی کمی ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے جنازے میں [...] نہیں کی کیونکہ اس کے لئے مشن زیادہ مقدس اور اہم تھا۔ [...] کے ماحول میں تم کسی عام شہری سے اتنے عظیم ایثار کی توقع [...] ہو؟ میں سنتا ہوں کہ تنخواہ دار طبقے کے بہت سے لوگ [...] اس بنیاد پر کئی کئی دن کی چھٹی کرلیتے ہیں کہ ان کی بیوی کے [...] بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ زچگی کا کرب عورت سہتی ہے لیکن [...] مرد کے ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔۔۔۔ تمہارے سوال پر مجھے حیرت [...] ہے۔ اچھی طرح سن لو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی بھی اہل کار عام شہری نہیں ہوتا۔"

"تمہاری تقریر طویل ضرور تھی مگر بے مزہ نہیں تھی۔" میں [...] ہنستے ہوئے کہا۔ "وقت کے سمندر میں ڈوب کر کبھی کبھی میں [...] تمہاری فورس کو قہر و جبروت کا ایک طوفانی ریلا سمجھنے لگتا ہوں۔ [...] تمہاری زبان سے گاہے گاہے ایس ٹی ایف کے مقاصد کی تجدید [...] ہوتی ہے تو میرا حافظہ تازہ ہوجاتا ہے۔ شاید گاہے گاہے باز خواں [...] ایں قصۂ پارینہ را والی بات ایسے ہی مواقع کے لئے شعر بند کی گئی ہے۔"

اس نے میری باتوں کو سراہتے ہوئے کہا۔ "اچھا مصرع ہے۔ [...] میرا خیال ہے کہ اچھا شعر کہنا بھی کوئی صحت مند بچہ جننے کی طرح [...] مشکل اور کرب ناک کام ہوتا ہے۔"

میں اس کی دی ہوئی بونگی مثال پر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا۔ [...] شاعری کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے۔ اچھے شاعر پر شعر نازل ہوتے ہیں تو بس ہوتے ہی چلے جاتے ہیں۔ دیرینہ قبض کے مریض کی طرح ناک منہ پھیلا کر جو لوگ کسی شعر کی تلاش میں مبتلا نظر آتے ہیں' وہ بے چارے شاعری کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ [...] مثال کسی اچھے اور فطری شاعر کے سامنے نہ دہرا دینا۔ وہ چند [...] میں تمہاری ایک ایسی ہجو لکھے گا کہ تمہاری طبیعت صاف ہوجائے گی۔ شعر جننے والے شاعر دوسرے ہوتے ہیں جن کے [...] پر ہر وقت اقلیدس کے مثلث' تکون' مربعے اور مستطیل [...] بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"یہ سب زندگی گزارنے کے لطیف پیرائے ہیں جن سے ہم [...] جیسے تم پھوڑ قسم کے لوگ ہمیشہ ناآشنا رہتے ہیں۔" اس نے سادگی سے کہا۔ "ہماری زندگی تو بس سنگین حقیقتوں سے لڑتے ہوئے گزر جائے گی۔ اس میں جانو ماچھی' ملّا سرکار' جمی لائیڈ اور جم کلارک جیسے زور آور عفریت کسی لطافت کو آنے ہی نہیں دیں گے۔"

"کئی دن سے تمہاری باتوں سے مایوسی جھلک رہی ہے جیسے تم [...] کسی بھی چیز سے مطمئن نہ ہو اور لشتم پشتم اپنا وقت گزار رہے ہو۔ کیا اس مایوسی اور بے زاری کا کوئی خاص سبب ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیا تم اپنے گرد و پیش سے مایوس اور بے زار نہیں؟" اس

نے فوراً ہی مجھ سے جوابی سوال کرڈالا۔ "جب ہر طرف زوال ہی زوال نظر آرہا ہو تو کوئی خوش کیسے رہ سکتا ہے؟ ہم لوگ ان معنوں میں عام آدمی ہوتے ہیں کہ ہمیں اپنے فطری جذبوں پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ خودرُو ہوتے ہیں۔ چھوئی موئی کے نرم و نازک پودے کی طرح حالات کے نرم و گرم تھپیڑوں سے بکھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں۔"

بات دھیمے دھیمے سنجیدگی کا موڑ لیتی جارہی تھی۔ میں نے یک لخت خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ باتیں زیادہ دیر تک جاری رہیں تو اول خان اس قدر ملول اور افسردہ ہوجائے گا کہ پھر اسٹیشن فور پر ایلس سے باز پُرس میں گہری دلچسپی نہیں لے سکے گا۔

ہم سپرہائی وے سے بائیں طرف کے کچے راستے پر مڑے تو میرے لئے گھور اندھیرے میں ہر سمت یکساں تھی۔ مجھے بس وہی راستہ نظر آرہا تھا جو ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے دور تک نمایاں کیا ہوا تھا مگر اول خان کی بات مختلف تھی۔ وہ اس علاقے کے چپّے چپّے سے واقف ہوچکا تھا۔ راستے میں اس نے تین مقامات پر گاڑی کی روشنیوں سے اشارے دیئے تاکہ اندھیرے میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے نگہبانوں کو بتاسکے کہ وہ ان کا دشمن نہیں' دوست تھا۔

معاً مجھے ایک پرانی بات یاد آگئی اور میں نے اول خان سے کہا۔ "خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارا یہ ٹھکانا ہمارے ہر دشمن کی نگاہوں سے محفوظ ہے ورنہ راس المیڈا کے بارے میں ظاہر کئے ہوئے خدشات درست ثابت ہوسکتے تھے۔"

"کن خدشات کی بات کررہے ہو؟" اس کے لہجے سے گہرا تجسس جھلک رہا تھا۔

"زمین پر تمہارے محافظوں کا جال پھیلا ہوا ہے مگر فضائی راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ راس المیڈا نے پہلے کے ناکام منصوبے میں ایک ہلکا مال بردار طیارہ استعمال کیا پھر فریڈم لاج سے ہیلی کاپٹر میں فرار ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضائی وسائل پر دسترس رکھتا ہے اور اس ویرانے میں بہت آسانی سے کوئی فضائی وار کرسکتا ہے؟"

"کاش' وہ ادھر کا رخ کرنے کی حماقت کرہی گزرے۔" اول خان کی آواز میں حسرت سمٹ آئی۔ "کل ہی ائرفورس والوں سے دو ہلکی اینٹی ائرکرافٹ گنیں مستعار لے کر یہاں نصب کی گئی ہیں۔ میرے ذہن میں کوئی خطرہ جنم لیتا ہے تو میں فوراً ہی اس کا تدارک کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ ادھر آیا تو جلے ہوئے ملبے میں اس کی لاش پہچانی بھی نہیں جاسکے گی۔ میرے دونوں گنر ائرفورس ہی سے ریٹائر ہوکر آئے ہیں۔"

ہم اسٹیشن فور کی حدود میں داخل ہوئے تو رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے اور وہاں رات اتری ہوئی تھی۔ بیرکوں میں کہیں کہیں ہلکی روشنی کے قمقمے جل رہے تھے لیکن بیشتر کمرے تاریک تھے البتہ اول خان کے دفتر والی بیرک میں کچھ چہل پہل نظر [illegible] تھی۔

اول خان اپنے آدمیوں کے سلام قبول کرتا ہوا اپنے [illegible] بجائے اس سے ملحق کمرے میں گھستا چلا گیا۔ دروازہ کھلتے [illegible] دراز سفید فام عورت ہڑبڑا کر اٹھی مگر چارپائی سے نیچے نہیں [illegible]

وہ پختہ عمر کی ایک دراز قامت اور حسین عورت تھی۔ [illegible] اسے الوداع کہہ رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر ایک باوقار [illegible] پھیلی ہوئی تھی جس نے اس کے ڈھلتے ہوئے حُسن کو چار [illegible] لگادیے تھے۔ اس کے بال قدرے بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں [illegible] خاصی متورم تھیں جیسے وہ دیر تک روتی رہی ہو۔

"اب میں کہاں ہوں؟ کن لوگوں میں ہوں؟ خدا کے لئے مجھے کچھ بتاؤ ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" ہمیں [illegible] ہی اس نے شستہ انگریزی میں بے بسی سے فریاد کرتے ہوئے [illegible]

"صبر اور سکون سے کام لو۔" اول خان نے وہاں موجود [illegible] سنبھال کر بے پروائی سے کہا۔ "تمہارے اطمینان کے لئے [illegible] کافی نہیں کہ تم ابھی تک زندہ ہو اور تقریباً چوبیس گھنٹے گزر [illegible] کے باوجود کسی نے تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ تم دیکھ چکی [illegible] تمہارے پچھلے دوست ریمی مارٹن کو ہلاک کرچکے ہیں۔"

"مجھے صرف لاشیں دکھائی گئی ہیں..... یہ نہیں بتایا گیا [illegible] انہیں کس نے مارا ہے۔"

"رفتہ رفتہ تمہیں سب کچھ بتادیا جائے گا۔ فی الحال خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرو اور ہمارے سوالات کے جواب [illegible] چلی جاؤ۔ تمہاری ادھوری کہانی ہم تک پہنچی ہے مگر بہتر ہوگا کہ [illegible] از سرِ نو گفتگو کا آغاز کریں۔" اول خان اس سے بہت نرمی [illegible] بات کررہا تھا۔ اس اثنا میں' میں دوسری خالی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"پہلے میں جہاں تھی' وہاں مجھے دوسرے قیدیوں کے رو [illegible] رکھا گیا تھا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "غنیمت [illegible] یہاں مجھے الگ کمرا اور بستر دے دیا گیا ہے۔ تم شریف لوگ معلوم ہوتے ہو۔"

"فریڈم لاج سے پہلے تم اپنا تعارف کرادو تو بہتر رہے گا۔ [illegible] تم مس ہاروے کہلاتی تھیں لیکن اب تم اچانک ایلس گومز [illegible] کی دعوے دار بن گئی ہو۔ اس میں کیا چکر ہے؟" میں نے اسے [illegible] راہ پر لاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے شوہر کا اصل نام بوب گومز ہے بلکہ تھا۔" اس [illegible] نظریں نیچی کرکے چند ثانیوں تک اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں [illegible] یک جا کیا پھر بولنے لگی۔ "وہ ڈیٹرائٹ میں گاڑیوں کے پرزے بنانے والی ایک بڑی فیکٹری کا مالک تھا۔ وہ فیکٹری اتنی بڑی [illegible] مشہور تھی کہ صرف جنرل موٹرز کے لئے پرزے بناتی تھی۔ [illegible] گومز نے جب اپنے سارے اثاثے سمیٹ کر پاکستان آنے کا [illegible] کیا تو ہم دونوں نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لئے الگ الگ [illegible]

اپنے [illegible] کا ارادہ کرلیا۔ وہ بوب گومز سے ریمی مارٹن بن گیا اور میں مسز ایلس گومز سے مس للی ہاروے بن گئی۔"

اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر ایلس سے پوچھا۔ "پاکستان آنے کے لئے تم دونوں کو اپنی شخصیات کو [illegible] نے کا خیال کیوں آیا؟"

وہ ایک گہرا سانس لے کے بولی "یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ان دنوں ہمارے دلوں میں ہیروئن کے خلاف ایک مشنری جذبہ بھرا ہوا تھا۔ ہم دونوں امریکا میں ہیروئن کی فراہمی کے خلاف کوئی قابلِ قدر کام کرنا چاہتے تھے۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی جیسے اپنے [illegible] ہوئے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہو پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "فریڈم لاج کی بربادی اور بوب کے قتل کے بعد میرے پاس کسی بات کو چھپائے رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہا [illegible] مجھے بتادیا گیا ہے کہ تفتیش مکمل ہونے تک مجھے میرے ملک کے سفارتی حکام سے نہیں ملنے دیا جائے گا۔ میں پہلے بھی بتاچکی ہوں اور اب پھر بتارہی ہوں کہ بوب اور جمی لائیڈ پرانے کلاس فیلو تھے۔ بوب کو معلوم تھا کہ جمی لائیڈ امریکا میں بنائی گئی سوسائٹی فار ہیروئن اراڈی کیشن کا طاقت ور سربراہ ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ جمی لائیڈ ہمارے دکھ سے پوری طرح واقف تھا۔ اسی نے بوب کے جذبے کو دیکھتے ہوئے اسے نام بدل کر پاکستان آنے کا مشورہ دیا تھا۔"

ایلس کے انکشافات واقعی اہم اور سنسنی خیز تھے۔ ٹی کی پوری تاریخ جانے بغیر کوئی اس کہانی پر بھرپور جرح کرہی نہیں سکتا تھا۔ اول خان نے اس سے اگلا سوال کیا۔ "نام بدلنے کے مشورے سے بوب کو یہ خیال نہیں آیا کہ جمی لائیڈ اسے اپنی مجرمانہ سازش میں ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔"

"جمی لائیڈ نے پہلے ہی اسے ہر بات بتادی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے مخلص دوست تھے اور دونوں ہی امریکا سے ہیروئن کا نام و نشان مٹانے کا عزم لئے ہوئے تھے۔ جمی لائیڈ نے اسے بتایا تھا کہ امریکا میں ہیروئن کی بیشتر مقدار پاکستان سے آتی ہے۔ یہ ہیروئن افغانستان' پاکستان اور بھارت کے سرحدی علاقوں میں پیدا کی جانے والی افیم سے تیار کی جاتی تھی مگر یورپ اور امریکا کے لیے اس کی اسمگلنگ پاکستان سے ہوتی تھی۔ ڈیمانڈ اور سپلائی کے معروف معاشی اصول پر عمل کرتے ہوئے امریکا کی نئی نسل میں ہیروئن کی مانگ کو ختم کرنا ناممکن تھا اس لیے ٹی پاکستان میں ہیروئن کو مقبول بنانے کے لئے ایک لمبے منصوبے پر کام کررہی تھی۔" ایلس پوری وضاحت کے ساتھ اپنی کتھا سنارہی تھی۔ "جمی لائیڈ کا مشورہ تھا کہ اگر بوب اپنی عمر بھر کی کمائی ہیروئن کے خلاف لگانے کا ارادہ کرہی چکا ہے تو اسے اپنے اثاثوں کی پاکستان میں سرمایہ کاری کرنی چاہئے جہاں ہر طرف کرپشن کا راج ہے۔ وہ سماجی بہبود کے کسی بھی منصوبے کی آڑ لے کر پاکستان کی غریب آبادیوں میں مفت ہیروئن تقسیم کرنا شروع کردے تو چند ہی برسوں میں صرف پاکستان میں ہیروئن کی کھپت اتنی بڑھ جائے گی کہ ہم لوگ دوسرے ملکوں سے پاکستان میں ہیروئن کھپا سکیں گے۔"

"جمی لائیڈ امریکا کا ایک مراعات یافتہ مجرم تھا۔" اول خان نے تلخی سے کہا۔ "وہ صدرِ امریکا تک براہِ راست رسائی رکھتا تھا۔ اسے خطیر رقمیں مہیا کی جاتی تھیں۔ آخر بوب کے دماغ میں کیا خلل آگیا تھا کہ وہ اپنی کامیاب زندگی کو تج کر اپنی ساری دولت پاکستان کے خلاف لٹانے پر آمادہ ہوگیا تھا۔"

"یہی ہمارے دکھ' مصائب اور بربادی کی اصل داستان ہے۔" ایلس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹیڈ گومز ہمارا اکلوتا بیٹا تھا۔ گھریلو آزادیوں کی وجہ سے وہ سات سال کی عمر میں ہیروئن کا عادی ہوگیا۔ ہمیں اس کے ایڈکشن کا علم ہوا تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔ بوب دیوانگی کے عالم میں اسے اپنے ساتھ لے کر دنیا بھر کی خاک چھانتا رہا لیکن ٹیڈ کی لت نہیں چھوٹ سکی۔ اس کا نشہ ٹوٹتا تو اس کا پورا بدن اکڑ کر کانپنے لگتا' آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ جاتیں' بدن سے پسینے کی دھاریں بہنے لگتیں اور اکثر پتلے دست شروع ہوجاتے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر اس کے معالج تو کیا' خود بوب کو اسے ہیروئن دینی پڑجاتی تھی۔ بوب کو ہیروئن سے شدید نفرت تھی مگر اپنے ٹیڈ کے لیے وہ ہر وقت اس ہوش ربا سفوف سے بھری ہوئی شیشی جیب میں لیے پھرتا تھا۔ ہماری محنت کسی کام نہیں آسکی۔ گیارہ سال کی عمر میں ٹیڈ نے ہماری بانہوں میں سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ اس کی موت بہت بھیانک تھی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ہیروئن معصوم انسانوں کو دھیرے دھیرے کس طرح موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں دھکیلتی ہے۔ ٹیڈ کو دفنانے کے بعد بوب کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا۔ وہ کہنے لگا کہ بے جان موٹروں کے پرزے بنا بنا کر اُس نے اپنی زندگی برباد کی ہے۔ اسے زندہ انسانوں کے لیے کچھ کرنا چاہئے اگر وہ ایک انسان کی زندگی بھی بچالے تو سمجھے گا کہ اس نے اپنا مقصدِ حیات پالیا ہے۔"

"گڈ!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "اور اس طرح اس نے امریکا میں بسنے والوں کی زندگیاں بچانے کے لیے پاکستان کے انسانوں کو اس ہولناک وبا میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کرلیا ..... بڑا سفاک تھا' تمہارا شوہر جو انسانوں میں صرف رنگ اور نسل کی بنیاد پر اتنا گھناؤنا امتیاز برتتا تھا۔"

"یہ اس کی سوچ نہیں تھی' وہ بس ہیروئن کا دشمن تھا۔" ایلس نے اپنی مدافعت کرتے ہوئے کہا۔ "اسے یہ سوچ جمی نے دی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ پاکستان اور افغانستان کے مشترکہ سرحدی علاقوں میں افیم کی جڑیں تباہ کئے بغیر دنیا کو دردناک موت کے اس عذاب سے نہیں بچایا جاسکتا اور پاکستان کے حکمراں یہ قدم اسی وقت اٹھائیں گے' جب ان کی سرحدوں میں گھر گھر ہیروئن کا

آسیب ناچ رہا ہوگا۔"
"قدرت نے بوب کے قابلِ نفرت جرم کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کردیا ہے۔" میں نے بے رحمی سے کہا۔ "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کے بعد شی میں شمولیت اختیار کی تھی۔"
"میں نے یہ نہیں کہا۔۔۔ ہم کبھی بھی شی میں شامل نہیں ہوئے۔ بوب کے اثاثے کئی ملین ڈالر مالیت کے تھے۔ وہ یہ سب جمی لائیڈ کو سونپ دینا چاہتا تھا مگر جمی لائیڈ نے اسے روک دیا۔ شی کو خطیر سرکاری گرانٹ ملتی تھی۔ جمی لائیڈ اسے ایمان داری سے ان ہی مقاصد پر خرچ کرتا تھا جن کے لیے شی بنائی گئی تھی۔ لیکن زیرِ زمین دنیا کے بعض بے تاج بادشاہ اس رقم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ جمی لائیڈ کو اپنے ساتھ ملا کر یا اسے راہ سے ہٹا کر ساری گرانٹ کھا جانا چاہتے تھے۔ جمی لائیڈ نے بوب سے کہا کہ اس نے اپنا سرمایہ شی میں لگایا تو وہ کسی بھی وقت ڈوب جائے گا۔ پھر اس نے بوب کو پاکستان آکر مشن چلانے کا ایک منصوبہ دیا۔ بوب، جمی لائیڈ سے مشورے ضرور لیتا تھا لیکن وہ فریڈم لاج کا مالک و مختار تھا۔ پچھلے تین سالوں میں اس نے بڑی عرق ریزی سے کام کرتے ہوئے یہاں کروڑوں روپے خرچ کیے ہیں۔"
مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتی تھی۔ میرے لیے یہ ایک چونکا دینے والا انکشاف تھا کہ امریکا میں بھی کوئی لابی جمی لائیڈ کے خلاف کام کررہی تھی۔ ایلس کے سینے میں چھپے ہوئے وہ تمام راز نرمی سے ہی اگلوائے جاسکتے تھے۔ ہمارے سخت سوالات اور تبصروں سے وہ کسی بھی لمحے بھڑک کر خاموشی اختیار کرسکتی تھی۔
"یہاں شی کے کارندے تمہاری مدد تو کرتے ہوں گے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔
"بالکل نہیں" اس نے نفی میں سرہلا کر کہا۔ "جمی لائیڈ کو یہاں بغاوت کا سامنا تھا۔ حالات قابو میں آنے تک اس نے بوب کو بالکل الگ تھلگ رہ کر کام کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر مناسب وقت آنے سے پہلے ہی جمی لائیڈ کو واشنگٹن میں گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔ اس کے مخالف آخر کار صدر کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔"
"یعنی امریکا کے صدر نے جمی لائیڈ کے مخالفوں سے گٹھ جوڑ کرکے انہیں شی کی سرکاری امداد کھانے کی کھلی چھوٹ دے دی اور جمی لائیڈ کو مروا دیا؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔
"ہوسکتا ہے کہ سب کچھ بالکل اسی طرح نہ ہوا ہو مگر جمی لائیڈ کے جانشین کی نامزدگی نے ثابت کردیا کہ وائٹ ہاؤس کی سوچ میں کوئی ایسی ہی تبدیلی آئی تھی۔ جمی لائیڈ نے اپنے قتل سے دو دن پہلے سیٹلائٹ فون پر بوب سے بات کی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے چوکنا کردیا تھا اور وہ اپنی جان کو خطرے میں محسوس کررہا تھا۔

اسے اپنے گرد کوئی جال مضبوط ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا کہ [...]
کی انتخابی مجبوریاں اسے جمی لائیڈ کے مخالفوں کی طرف [...]
مجبور کررہی تھیں۔"
"تم اپنی گفتگو میں بہت اختصار سے کام لے رہی ہو۔ [...]
لائیڈ کے قتل کا پورا پس منظر جاننا چاہتا ہوں۔"
"صدر کے کسی اہم ملاقاتی کا ایوانِ صدر کے احاطے [...]
ہونا ہی میری باتوں کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ جمی لائیڈ کو [...]
کسی بے آواز رائفل کا نشانہ بنایا گیا، جب وہ صدر سے [...]
کے بعد روانگی کے لیے اپنی آرمرڈ کار میں بیٹھ رہا تھا۔ یہ کوئی [...]
نہیں تھا، اس واقعے کی پہلے سے منصوبہ بندی کرلی گئی تھی۔ [...]
لائیڈ کے جانشین کے تقرر نے پوری بات ہی کھول دی۔" ان [...]
میں محو ہو کر ایلس عارضی طور پر اپنے غم اور صدمے کو بھلا [...]
تھی اور نہایت پُراثر انداز میں کہہ رہی تھی "جم کلارک [...]
سربراہ بنا دیا گیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ راس المیڈا کا [...]
تھا اور راس المیڈا جمی لائیڈ سے ظاہری دوستی رکھنے کے باوجود [...]
رقم کا جو شی کو ملتی ہے، سب سے بڑا طلب گار تھا۔ راس [...]
ایک ارب پتی صنعت کار ہونے کے باوجود ڈیوڈ اسٹارز نامی [...]
یہودی تنظیم کا روحِ رواں ہے۔ اس حوالے سے زیرِ زمین [...]
بااثر لوگوں میں اس کا گہرا اثر و رسوخ ہے۔ اس بات میں کوئی [...]
نہیں کہ وہ ڈیوڈ اسٹارز کی ترقی پر بے دریغ اپنی دولت لٹاتا ہے [...]
ذاتی معاملات میں وہ بہت حریص اور لالچی انسان ہے۔ اس [...]
آرزو تھی کہ شی کو ملنے والی بے اندازہ رقوم پاکستان میں [...]
کے فروغ میں لٹانے کے بجائے ہیروئن کی تجارت میں لگائی [...]
اور اس طرح حاصل ہونے والی بھاری آمدنی سے ڈیوڈ اسٹارز [...]
کی طاقتور ترین نسلی اور سیاسی تنظیم بنا دیا جائے۔ اپنے ان [...]
کے لیے اسے امریکا میں آباد پوری یہودی برادری کی حمایت حا[...]
ہے۔ امریکا میں یہودیوں کے ہر معبد کے ربی ڈیوڈ اسٹارز سے [...]
مشاہرہ حاصل کرتے ہیں۔ راس المیڈا نے امریکا کے صد[...]
دھمکی دی تھی کہ جمی لائیڈ کو شی کی سربراہی سے معزول کرکے [...]
کے آدمی کو نامزد نہ کیا گیا تو امریکا میں آباد سارے یہودی [...]
انتخابات میں مخالف جماعت کا ساتھ دیں گے۔"
"یعنی جمی لائیڈ کو ہٹانا صدر کی انتخابی مجبوری بن گئی تھی" [...]
میں نے کہا۔
"یہودیوں کی حمایت امریکی انتخابات میں کلیدی کردار ادا [...]
ہے۔" ایلس بولی "دونوں پارٹیاں اپنے انتخابی منشور میں [...]
کی خوشنودی کے لیے خاص اہتمام کرتی ہیں۔"
"صدر کو آنے والے انتخابات میں یہودیوں کی حمایت [...]
یقین دہانی مل گئی اور راس المیڈا کو شی کے وسائل سے [...]
آزادی مل گئی۔ جمی لائیڈ کے خون پر ہونے والا یہ سودا [...]
سیاست میں یہودیوں کے اثر و نفوذ کا ایک خون آشام ثبوت [...]

لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تمہارے صدر نے جمی لائیڈ کے قتل کے لیے ایوانِ صدر کا انتخاب کیوں کیا؟"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے کہیں بھی قتل کرایا جاسکتا تھا مگر بوب کا ایک خاص نظریہ تھا۔ صدر نے اسے استعفیٰ دینے کے لیے بلایا ہوگا۔ جمی لائیڈ اڑ گیا۔ وہ صدر کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ باہر جاکر وہ زبان کھولتا تو امریکا میں ایک طوفان برپا ہوجاتا۔ جمی کا انکار صدر کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا اور جمی کو وہاں سے زندہ لوٹنا نصیب نہ ہوسکا۔"
"اس سے مذاکرات ضروری تھے" اول خان نے کہا۔ "مذاکرات کیے بغیر صدر اس کی موت کا پروانہ جاری نہیں کرسکتا تھا کیونکہ جمی لائیڈ بہرحال صدر کا ایک خاص مہرہ تھا جس سے دوسرے کام بھی لیے جاسکتے تھے۔"
"جمی لائیڈ کے قتل کے بعد شی سے تمہارے رابطے ختم ہوگئے؟" میں نے ایلس سے پوچھا۔
"جمی لائیڈ کے ہمدردوں سے کچھ خبریں ملتی رہیں۔ جم کلارک نے شی کی سربراہی سنبھالتے ہی پاکستان کے ذریعے امریکا اور یورپ میں ہیروئن کی اسمگلنگ کا کاروبار منظم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ان بھیڑیوں کو صرف پیسہ کمانے سے غرض ہے، انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ہیروئن استعمال کرنے والے کتنی سرعت سے دردناک موت کی آغوش میں پہنچتے ہیں۔ جم کلارک شی کے باغیوں اور جمی لائیڈ کی روپوش بیٹی سے گہری کاروباری مفاہمت کرنے کے ارادے سے کراچی آیا لیکن وہ ان لوگوں کو اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکا۔ ویرا لائیڈ اپنے باپ کے کسی جانشین کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ باغی یہ سمجھے ہوں گے کہ جم کلارک ان کی سرکوبی کے لیے بہ نفسِ نفیس یہاں آپہنچا ہے۔ انہوں نے بے دردی سے اسے بھون ڈالا۔"
میں محسوس کررہا تھا کہ ایلس کو اس وقت تک یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ فریڈم لاج میں ان لوگوں پر حکم چلانے اور بوب کو ہلاک کرنے والا راس المیڈا ہی تھا۔ اس کے بارے میں ایلس کا لب و لہجہ لاتعلقانہ سا تھا۔
"جم کلارک کی جگہ کس نے لی ہے؟" ایلس کو خاموش پاکر میں نے سوال کیا۔
"وہ بھی راس المیڈا ہی کا کوئی حاشیہ بردار ہوگا" ایلس نے قدرے حقارت سے کہا۔
"اس کا مطلب ہے کہ آخری دنوں میں کراچی میں شی نے بوب کے حریف کا روپ دھار لیا تھا۔ بوب ہیروئن کو یہاں پھیلانے پر محنت کررہا تھا اور شی یہاں کی ساری ہیروئن سمیٹ کر مغربی منڈیوں میں لے جانا چاہتی ہے۔"
"کوشش یہی تھی لیکن شی کو ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوسکی ہے۔ وہ یہاں کے باغیوں سے خوف زدہ ہیں۔ ان میں ڈیبی کا نام سرِفہرست ہے۔ وہ کسی بدمست سانڈ کی طرح ہر اس شخص سے الجھتا پھرتا ہے جو پاکستان کے کسی بھی مفاد کے خلاف کوئی کام کررہا ہو۔ بوب اور رینڈل سے بھی حال ہی میں اس کی جھڑپیں ہوئی تھیں۔"
"اس کے بارے میں بھی بتاتی چلو۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔
"وہ ہماری بدنصیبیوں کی ابتدا تھی" ایلس ایک گہرا سانس لے کے بولی "بوب اپنے عروج کے دنوں میں امریکا کا ایک معروف آدمی تھا۔ وہ یہاں جس مشن پر کام کررہا تھا، وہ پاکستانیوں کے نزدیک کوئی سنگین جرم ہوسکتا ہے لیکن ہماری اس وقت کی سرکاری پالیسی اور شی کے مقاصد سے ہم آہنگ تھا۔ ابتدا میں ہمیں اپنی بقا کے لیے یہاں متعین سفارت کاروں سے مدد لینی پڑی۔ رفتہ رفتہ سفارتی اہل کاروں سے ہمارے ایسے مراسم ہوگئے کہ ہم کبھی کبھار ان کے لیے خفیہ معلومات فراہم کرنے لگے۔
"جب بوب نے اپنے مشن کے لیے فریڈم لاج حاصل کرلیا تو اس نے اپنے دو ہم خیال اور قریبی ساتھیوں کو بھی امریکا سے یہاں بلا لیا۔ بوب بہت فیاضی سے ان کی ساری مالی ضروریات پوری کرتا رہتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام رینڈل اور دوسرے کا نام تھا۔ نام چند روز پہلے ہی ڈیبی سے ایک مقابلے میں مارا گیا تھا۔"
"ڈیبی سے ان تینوں کو کیا پرخاش تھی؟" میں نے پوری بات سمجھ لینے کے باوجود انجان بن کر معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔
"کچھ بھی نہیں" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "پچھلے تین برسوں میں ہمارا کسی سے کوئی تصادم نہیں ہوا تھا۔ ہم نہایت خاموشی مگر لگن سے اپنا کام کررہے تھے۔ سماجی کاموں میں دلچسپی لینے والے معزز گھرانوں سے ہمارا گہرا میل جول تھا لیکن چیف کی آمد نے ہمارا سارا انتظام درہم برہم کردیا۔"
"یہ چیف کون ہے اور کہاں سے آیا تھا؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔
"وہ وہی منحوس ہے جو فریڈم لاج میں بوب اور رینڈل کو قتل کرکے ہیلی کاپٹر سے فرار ہوا تھا" وہ غصیلے لہجے میں بولی "وہ سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اور انسپکٹر جیف ملر کو ساتھ لے کر ڈیبی کا قلع قمع کرنے آیا تھا مگر چند ہی روز میں ان دونوں پر اعتماد کھو بیٹھا۔ چیف کی مدد کے لیے ہمارے قونصل جنرل نے بوب کو فون کیا تھا۔ بوب جب چیف سے مل کر آیا تو سخت مضطرب اور پریشان تھا۔ اس نے بتایا کہ قونصل خانے کے ایک کمرے میں چیف نے پردے کے پیچھے سے سارے مذاکرات کیے تھے۔ اس نے رینڈل اور نام کے بارے میں جاننے کے بعد بوب کو تین اپرٹس دیے تھے اور ان تینوں کو بلیک گرے اور وائٹ ہاک کے کوڈ دیے تھے۔ اس کے بعد ہی سے وہ تینوں مصروف اور پریشان رہنے لگے تھے۔ ایک رات چیف کے حکم پر بوب اور نام گھر سے گئے لیکن پھر

بوب اکیلا واپس آیا۔ وہ سخت خوف زدہ تھا کیونکہ ٹام ڈیفی سے مقابلے میں مارا گیا تھا۔ اس کے بعد بوب اور رینڈل مجھ سے بھی رازداری برتنے لگے۔"

"انہوں نے تم کو نہیں بتایا کہ چیف کے روپ میں کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا۔ "وہ خود اس کی اصلیت سے ناواقف تھے تو بے چارے مجھے کیا بتاتے لیکن میں جانتی ہوں کہ چیف کے آنے کے بعد ان کی زندگیاں اجیرن ہوگئی تھیں۔ وہ تینوں ہروقت خوف زدہ اور پریشان رہنے لگے تھے۔"

"بعد میں چیف فریڈم لاج ہی میں آپہنچا تھا۔ اس وقت بھی تم کو نہیں معلوم ہوا کہ وہ کون تھا۔"

"وہ قد آور اور وجیہہ آدمی تھا لیکن اس نے اپنا کوئی تعارف نہیں کرایا۔ ہم لوگ اسے ادب اور احترام سے چیف ہی کے نام سے پکارنے پر مجبور تھے۔" ایلس نے بے بسی سے کہا۔

"تم چاروں میں سے کوئی راس المیڈا کو پہچانتا تھا؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ بری طرح چونک پڑی اور مجھے گھورتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ چیف کے روپ میں راس المیڈا خود یہاں آیا ہوا ہے؟"

"فی الحال میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک موہوم سا خیال آیا تھا۔ مجھے اپنے سوال کا جواب درکار ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی راس المیڈا سے واقف نہیں تھا۔ امریکا میں بھی بہت کم لوگوں نے اسے دیکھا ہوگا۔ وہ اپنی ذات کو ہمیشہ پس منظر میں رکھتا ہے۔ اس کے طور طریقے بالکل جمی لائیڈ جیسے ہیں۔"

پہلی بات یہ تھی کہ ابتدا میں وہ چاروں راس المیڈا کو نہیں پہچانتے تھے اور نہ انہیں یہ راز معلوم تھا کہ چیف کے پردے میں راس المیڈا کراچی آیا ہوا ہے مگر گیری ہارٹ اور جیف ملر کے قبضے میں، میں نے ایرٹس پر تلخ و ترش باتیں کرتے ہوئے اس کا یہ راز فاش کردیا تھا مگر بوب اور رینڈل نے ایلس کی پریشانی کے خیال سے یا پھر راس المیڈا کی کسی دھمکی کے زیرِ اثر ایلس کو یہ راز نہیں بتایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایلس اپنے فریڈم لاج میں چیف کو فعال دیکھ کر بھی اسے شناخت نہیں کرسکی۔ ٹام وہ راز جاننے سے پہلے ہی جہنم داصل ہوچکا تھا۔ بوب اور رینڈل کو راس المیڈا نے فرار ہوتے وقت ہلاک کردیا۔ پتا نہیں اس نے ایلس کو کیوں فراموش کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایلس یا مس للی ہاروے کو ان معاملات سے بالکل الگ تھلگ سمجھ رہا ہو۔

"تم نے ہمارے ساتھیوں کے سامنے ابتدائی بیان میں کہا ہے کہ تمہارے شوہر کی موت بین الاقوامی مجرموں کی رسّاکشی کا نتیجہ ہے۔ کیا تم اپنے اس بیان کی وضاحت کروگی؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"جب تک شی میں جمی لائیڈ کے قدم جمے ہوئے تھے، ہیروئن اور پاکستان کے حوالے سے ہم سب کا مشن یکساں تھا۔ ہماری حکومت سے بوب تک، سب کی یہی کوشش تھی کہ پاکستان میں ہیروئن کی مانگ اور کھپت بڑھا کر امریکا کو محفوظ کیا جائے۔ شی پر راس المیڈا کا قبضہ ہونے کے بعد پوزیشن بدل گئی۔ حکومت اپنے موقف سے دستبردار ہوگئی۔ راس المیڈا پاکستانی اور افغان ہیروئن کا طلب گار تھا جب کہ ہم اپنے خرچ پر اسے یہاں مفت بانٹ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جو شخص اپنے سینے پر اکلوتے بیٹے کی دردناک موت کا داغ لے کر، اپنا سب کچھ برباد کرکے ایک مشن پر پاکستان آیا ہے، وہ کسی بھی قیمت پر اپنے مشن سے انحراف نہیں کرے گا۔ چیف ہماری حکومت کا نمائندہ رہا ہو یا راس المیڈا کا ہرکارہ، وہ امریکا ہی سے فریڈم لاج کی بربادی کا منصوبہ لے کر چلا تھا اور تم دیکھ لو کہ چیف نے پسپا ہوتے ہوتے بھی بوب اور رینڈل کو مار کر فریڈم لاج کا مشن ہمیشہ کے لیے دفن کردیا۔"

"تمہیں یقین آگیا کہ انہیں چیف نے فرار ہوتے ہوئے قتل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے مجھے شبہ تھا کہ مجھے چیف سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن پھر مجھے لاشوں کی حالتیں دکھائی گئیں۔ جو لوگ لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، ان کی لاشیں بری طرح چھلنی ہوگئی تھیں۔" ایلس نے کہا۔ "میں خود فریڈم لاج میں محصور تھی مجھے معلوم ہے کہ وہاں تاک تاک کر نشانے بازی نہیں ہورہی تھی بلکہ اندھا دھند برسٹ برسائے جارہے تھے۔ اس مقابلے میں مرنے والوں کا وہی حشر ہونا چاہئے تھا۔ دوسری طرف تین لاشیں بالکل صحیح سلامت تھیں۔ ان تینوں کے دل یا پیشانی میں صرف ایک مہلک گولی کا داغ تھا۔ بوب اور خان کے سینوں میں دل کے مقام پر سوراخ تھے اور رینڈل کی پیشانی کے وسط میں گولی پیوست ہوئی تھی۔ مقابلے میں ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔"

"چیف کے ہاتھوں مرنے والا تیسرا مقامی کون تھا؟" اسے تعاون پر آمادہ پاکر میں ہربات جان لینی چاہ رہا تھا۔

"وہ ایک وفادار قبائلی دلاور خان تھا مگر ہم اسے صرف خان کہا کرتے تھے۔ وہ بہت دبنگ آدمی تھا۔ ہمارے مقامی اسٹاف کو وہی کنٹرول کرتا تھا۔ اس کی صورت سے سب کی روح فنا ہوتی تھی کیونکہ ڈسپلن کے معالے میں وہ بہت سخت تھا۔ ہماری ضرورت کے لیے عمدہ ہیروئن کی خریداری بھی وہی کیا کرتا تھا۔"

"بوب کو ایسا وفادار قبائلی کہاں سے مل گیا جو ہرفن مولا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمارے سفارت کار تمہارے ملک کے مختلف حصوں کے دورے پر جاتے رہتے ہیں اور لوگوں سے ملنے جلنے کے دوران کام کے آدمیوں کو تاڑ لیتے ہیں۔ وہ پہاڑوں میں رہنے والے ایک ملک کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے ماحول سے بری طرح اکتایا ہوا تھا اور کراچی کی بارونق زندگی کے مزے اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے باپ نے ایک سفارت کار سے اس کا ذکر کیا تھا۔ فریڈم لاج بنا تو اس سفارت کار نے خان کو اس کے پہاڑی گاؤں سے کراچی بلا کر بوب کے حوالے کردیا۔ بوب کی دی ہوئی مراعات اور آزادیوں نے اس کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ بوب کے اشارے پر کسی کو قتل بھی کرسکتا تھا۔ وہ میٹرک تک پڑھا ہوا تھا۔"

"وہ تمہارے لیے ہیروئن کہاں سے لایا کرتا تھا؟" کافی دیر بعد اول خان نے دوبارہ دخل انداز ہوکر پوچھا۔

"اس کے ہیروئن فروشوں سے قریبی رابطے تھے۔ صوابی میں اس کے باپ کی زمینوں پر افیم کی کاشت ہوتی ہے اور وہ لوگ اس مہنگی فصل کی وجہ سے خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ افیم کی کاشت کرنے اور ہیروئن بنانے والوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہ دلاور خان کے لیے کوئی کام ہی نہیں تھا۔"

میجر غوث نے ایلس کے سامنے راس المیڈا کا نام نہ لے کر نہایت ہوش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ چیف کی اصلیت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایلس نے شاید اپنی پوری کہانی بلاکم وکاست سنادی تھی۔ اگر اسے پہلے ہی حقیقت کا علم ہوگیا ہوتا تو وہ ہرگز بھی اتنی تفصیل میں نہ جاتی۔

اس نے جمی لائیڈ، راس المیڈا اور امریکا کے صدر کے درمیان انتخابی گٹھ جوڑ اور پھر خوں ریزی کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ بہت الم ناک تھا۔ ہم پاکستان میں سخی مراد کے گھناؤنے کردار کو رو رہے تھے لیکن انسانی آزادیوں کے سب سے بڑے علم بردار امریکا کی سیاست بھی کچھ کم گندی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سائنسی اور مشینی ترقی کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں انسانی معاشرے تضاد، شکست وریخت اور تنزل کا شکار ہورہے تھے، رہی سہی انسانی اور اخلاقی اقدار تیزی سے مٹ رہی تھیں اور جمہوریت کی آڑ میں ہرجگہ جنگل کا سا قانون پھل پھول رہا تھا۔ باہر سے نرم خو، انسان دوست اور منکسرالمزاج نظر آنے والے سیاست داں شاید دنیا کے ہر حصے میں ایک جیسے تھے۔ ان کا باطن سیاہ تھا اور وہ اپنے اقتدار کے لیے اپنے بھائیوں اور جاں نثاروں تک کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔

"جب چیف فریڈم لاج میں آیا تو تم لوگوں کو حیرت نہیں ہوئی کہ اس بار اس نے خود کو چھپانے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟" میں نے ایک سگریٹ سلگانے کے بعد ایلس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"سب ہکا بکا رہ گئے تھے کیونکہ پہلی ملاقات میں بوب اور چیف کے درمیان ایک دبیز پردہ حائل رہا تھا۔ وہ آیا تو اسے کوئی بھی نہیں پہچان سکا مگر پھر بوب نے اس کی آواز میں چند اہم باتیں سنیں تو فریڈم لاج کا شیرازہ بکھرا دیا گیا اور چیف کسی شہنشاہ کی طرح اندر داخل ہوکر پورے نظم ونسق پر چھاتا چلا گیا۔"

"تمہیں اب یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ چیف دراصل راس المیڈا ہی تھا۔"

تھوڑی دیر پہلے وہ خود یہی سوال کرچکی تھی لیکن میری زبان سے وہ انکشاف سن کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں اور اس کے ہونٹوں سے کانپتی ہوئی آواز برآمد ہوئی "آخر میرے شبہات درست ہی نکلے۔ وہ فریڈم لاج کو تباہ کرنے کا منصوبہ لے کر آیا تھا اور اپنا کام پورا کرکے چلا گیا۔"

وہ شہر کے میلے میں گئے ہوئے دیہاتی کی سی بات تھی۔ میلے میں اتفاقاً اس کا کمبل گم ہوگیا۔ واپسی پر گاؤں والوں نے بڑے اشتیاق سے شہر کے میلے کا احوال پوچھا تو دیہاتی نے برا سا منہ بنا کر کہا تھا "میلہ ویلہ کچھ نہیں تھا۔ یار لوگوں نے میرا کمبل چرانے کے لیے سارا سوانگ رچایا ہوا تھا۔"

ایلس نے میری توقع سے کہیں بڑھ کر تعاون کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے اپنے خیال کا اظہار کرکے اس کے جذبات کو مجروح کیے بغیر کہا "وہ فریڈم لاج سے ضرور چلا گیا لیکن ابھی اسی شہر میں ہے کیونکہ اسے اپنے کچھ اور کام بھی نمٹانے ہیں۔ تم صرف یہ سوچو کہ اسے کس طرح گھیرا جاسکتا ہے۔ تم اس کی موت یا گرفتاری میں کوئی مدد کرسکیں تو تمہیں آزاد کرکے امریکا بھیج دیا جائے گا ورنہ یہاں کی کوئی خستہ حال جیل تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"میں کیا، تم سب بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ بہت چالاک اور سفاک درندہ ہے۔" ایلس خوف زدہ لہجے میں بولی "وہ ہیلی کاپٹر تین برس سے فریڈم لاج کی چھت پر پوشیدہ تھا۔ اسے کسی برے وقت کے لیے وہاں لایا گیا تھا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ جب ہم لوگوں پر برا وقت آیا تو وہ ہیلی کاپٹر ہمارے کسی کام نہیں آسکا، راس المیڈا اس میں فرار ہوگیا۔"

"اس ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد کو لے جانے کی گنجائش تھی؟" میں اچانک ہی پوچھ بیٹھا۔

"کل تین افراد... ہوا باز کے علاوہ صرف دو" اس نے کہا۔ "کلف ہمارا ہوا باز تھا۔ بقیہ قیدیوں اور لاشوں میں صرف مارون غائب ہے۔ پتا نہیں راس المیڈا نے ان دونوں کا کیا حشر کیا ہوگا۔"

ہوا باز کو ساتھ لے جانا ناگزیر تھا مگر مارون کون تھا۔ میں نے ایلس سے یہ بھی پوچھ لیا۔

"وہ شاید ہماری صفوں میں راس المیڈا کا جاسوس تھا۔ وہ امریکا سے تمہارے شمالی علاقوں کی سیاحت کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ اسے تین ہفتے پہلے ہیری نے بوب کے پاس بھیجا تھا۔"

"ہیری کون ہے؟" ایلس کی بات میں سے بات نکلتی چلی آرہی

تھی۔

"وہ قونصل خانے کا ایک ملازم تھا جسے مارون کی سفارش کے اگلے ہی روز اس کی خواب گاہ میں کسی دور مار رائفل کا نشانہ بنا دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی گرل فرینڈ بھی ماری گئی تھی۔"

الیس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے ذہن میں غزالہ اور ویرا کا وہ کارنامہ تازہ ہوگیا جو خطرناک ہونے کے ساتھ میرے لیے حیران کن بھی تھا۔ وہ ان دنوں کی بات تھی جب امریکن قونصل خانے نے میرے خلاف انعامی اشتہار شائع کرائے تھے اور میں جہانگیر کے ویران گھر میں محصور ہوکر رہ گیا تھا اور ان دونوں عورتوں نے میدانِ عمل میں کود کو کلفٹن کے علاقے میں اس جوڑے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

مجھے یک بہ یک محسوس ہونے لگا کہ ہمارے لیے الیس کا کردار بہت اہم تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے پے در پے متعدد اہم ترین واقعات رونما ہوتے چلے آرہے تھے لیکن ان کا کوئی سبب سامنے نہیں آرہا تھا' نہ ان میں کوئی ربط نظر آرہا تھا۔ وہ سلسلہ جمی لائیڈ کے قتل کی خبر سے شروع ہوا تھا اور اس وقت تک جاری تھا۔

امریکا میں جمی لائیڈ قتل کردیا گیا پھر اچانک شی کا نیا سربراہ جم کلارک پاکستان آپہنچا۔ اس کے ساتھ کرنل جیسی جونز کا بیٹا بھی تھا اور پال ایتھرٹن بھی۔ وہ تینوں جہنم واصل کردیے گئے۔ امریکنوں نے میرے خلاف محاذ آرائی تیز کردی پھر شاید راس المیڈا خود میدان میں آگیا۔ وہ پس پردہ رہ کر میرے خلاف ایلن اور پیٹر سے کام لیتا رہا مگر پھر اسے خود سامنے آنا پڑگیا۔ وہ اپنی اپنی جگہ مکمل واقعات تھے لیکن ان میں کوئی ربط نہیں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی زنجیر کی کڑیاں بکھری پڑی ہوں مگر الیس کی پُرپیچ کہانی نے ان تمام کڑیوں کو یک جا کرکے میری آنکھیں کھول دی تھیں کہ امریکا کے بیشتر سرکردہ مجرم اپنے مفادات کے زبردست ٹکراؤ کے باوجود میری مخالفت پر متفق تھے۔

جمی لائیڈ اور راس المیڈا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تو تھے ہی مگر اپنی اپنی جگہ دونوں میری جان کے دشمن تھے اسی وجہ سے شی میں قیادت بدل جانے کے باوجود میری مخالفت کا طوفان جاری تھا۔ الیس نے موت کے عالمی سوداگروں کی داستان کے گمشدہ حصے فراہم کرکے یہ ثابت کردیا تھا کہ بظاہر چھوٹے چھوٹے مفادات کا تصادم نظر آنے والی وہ لڑائی درحقیقت ہیروئن کے مہاجنوں کے خلاف میری مہیب جنگ کا تسلسل تھی۔

راس المیڈا ابتدا ہی سے میری بیخ کنی پر تُلا ہوا تھا تو اب اس کے قابلِ فہم اسباب بھی سامنے آگئے تھے۔ وہ شی پر قابض ہونے کے بعد ہیروئن کی اسمگلنگ پر اپنی اجارہ داری کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میری زندگی میں اس کے لیے اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی لیے اُس نے ایلن' پیٹر' گیری ہارٹ' جیف مل' نادرہ اور پھر فریڈم لاج کے مکینوں کے ذریعے گھیرنے کی کوششیں کیں' مجھے الجھانے کے لیے کے تائین جیسا خوفناک منصوبہ تیار کیا مگر اسے ہر محاذ پر ناکامی ہورہی تھی۔ وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ تھا نہ فرار کی راہ اختیار کررہا تھا۔ وہ موذی جب تک پاکستان کی سرزمین پر موجود تھا' میں اس سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔

"راس المیڈا کے ہاتھوں بوب اور رینڈل کے قتل کے اسباب سمجھ میں آتے ہیں" اول خان الیس سے پوچھ رہا تھا "ٹام زندہ ہوتا تو وہ بھی راس المیڈا کے ہاتھوں مارا جاتا لیکن اس نے دلاور خان کو کیوں قتل کیا؟"

"فریڈم لاج میں مارون موجود تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے بوب کے معاملات میں خان کے کردار کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہو اور راس المیڈا نے خان کو بوب کا ہم راز سمجھ کر اسی کے ساتھ ٹھکانے لگادیا ہو" الیس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس کے علاوہ خان کے قتل کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اگر ایسا ہی تھا تو بوب کی بیوی ہونے کی وجہ سے تمہاری زیادہ اہمیت تھی۔ راس المیڈا نے تمہیں کیوں زندہ چھوڑ دیا؟" اول خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولی "یہ سوال میری حیثیت مشکوک بنادیتا ہے لیکن مارون نیا آدمی تھا۔ اس کے لیے میں صرف مس للی ہاروے تھی۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں بوب کی بیوی ہوں۔ دوسری طرف راس المیڈا بھی مجھے نہیں پہچانتا ہوگا۔ وہ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کسی تقریب میں جاتا ہے' نہ لوگوں سے میل جول پسند کرتا ہے۔ امریکا میں ہم کبھی بھی اس سے نہیں ملے تھے۔"

"لیکن تمہارے قونصل خانے والے اس بات سے پوری طرح باخبر ہوں گے کہ بوب اپنی بیوی کو مس للی ہاروے کے روپ میں کراچی لایا ہے۔ راس المیڈا کے ان سے گہرے مراسم ہیں بلکہ وہ راڈنی آرک کے فرضی نام سے ایک سفارت کار بن کر ہی یہاں آیا ہے۔ کیا قونصل خانے والوں نے اسے تمہارے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔"

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ کمزور لہجے میں بولی "ضرور بتایا ہوگا۔ اس صورت میں میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ اس نے مجھے ضروری اہمیت نہیں دی۔ اسٹاف کی نظروں میں میں اس کی بیوی نہیں تھی اس لیے اس سے الگ تھلگ ہی رہتی تھی۔ ہمارے سونے کے کمرے بھی الگ تھے جو مشترکہ باتھ روم کے ذریعے ملے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ راس المیڈا نے ہمارے اس رویے کو ہمارے تعلقات کی کشیدگی سمجھ کر مجھے نظرانداز کردیا ہو۔"

اول خان کے سوالات نے الیس کے دل میں خوف پیدا کردیا تھا لیکن وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ بالکل ہی بے وزن نہیں تھا۔ مم

اول خان کے کسی نئے سوال سے پہلے بات بدل دی "اگر فریڈم ...رف ہیروئن کے مقامی استعمال کی حوصلہ افزائی کے لیے کام ...تھا تو وہاں ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کہاں سے آگئی؟"

...میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں یہ سوال سب سے پہلے کرنا ...تھا" وہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئے بولی "اس سوال کا جواب ...سے پہلے میں پانی پینا چاہوں گی' اتنی دیر سے بولتے بولتے میرا ...ہوگیا ہے۔"

اول خان نے فوراً ہی کسی نورے کو آواز دی۔ برآمدے سے ...اس کا سادہ پوش اردلی اندر آگیا۔ اول خان نے اسے پانی ...لانے کی ہدایت دے کر واپس بھیج دیا۔

...آنے تک کمرے کی فضا میں گمبھیر سکوت چھایا رہا۔ ہم ...اپنی اپنی جگہ گہری سوچ میں مستغرق تھے۔

الیس اتنی پیاسی تھی کہ ٹھنڈے پانی کے پورے دو گلاس پی ...پیاس بجھانے کے بعد وہ پُرسکون لہجے میں کہنے لگی۔ "میری ...میں یہ واحد خطرناک اور مجرمانہ کام تھا جو فریڈم لاج کی ...کے نیچے ہورہا تھا۔ میں نے ابتدا میں ہی اس کی مخالفت کی ...بوب کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ قونصل خانے کی کسی ہدایت ...راف نہیں کرسکتا تھا۔ یہ مال بند ٹرکوں میں آتا ہے اور اسی ...معلوم مقامات پر بھیج دیا جاتا ہے۔ میں اس کام کے خلاف ...لیے میں نے کبھی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہتھیار ...سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔"

...یہ کام بوب خود ہی سرانجام دیتا تھا؟" میں نے نئی سگریٹ ...جلا۔

...وہ تینوں بلکہ چاروں مل کر ایسے کام کیا کرتے تھے۔ بوب' ...ٹام کے ساتھ خان بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ خان میٹرک ...اپنے شوق کی وجہ سے اس نے ابتدائی چند مہینوں میں ہی ...بڑی بولنی شروع کردی تھی کہ بات سمجھنے یا سمجھانے میں ...دقت پیش نہیں آتی تھی۔"

...ہدایات فون یا ٹرانسمیٹر پر ہی ملتی ہوں گی؟" میں نے ...لہجے میں پوچھا۔

...اس کا جواب نفی میں تھا۔ اس نے کہا "یہ کام معمولات میں ...نہیں تھا۔ مہینے' دو مہینے بعد کوئی کھیپ آتی تھی اور چند روز ...رازداری سے کہیں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کام کے لیے ...ٹریلر استعمال ہوتا تھا جس کی آڑ میں تم لوگوں نے فریڈم ...کا حصار توڑا تھا۔ ہر کھیپ آنے سے چند روز پہلے ایک ...بوب کے لیے زبانی ہدایات لے کر آتا تھا اور چند منٹ ...لوٹ جاتا تھا۔"

...کی موت پر بوب نے اپنے قونصل خانے سے چیف کی ...سرگرمیوں کی کوئی شکایت تو ضرور کی ہوگی؟" میں نے اپنے ...ابھرنے والا آخری سوال بھی پوچھ ڈالا۔

"بوب کی ہمت ہی نہیں تھی کہ اس کی شکایت کرتا۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ تینوں اپنے چیف سے بری طرح خائف رہتے تھے اور پھر ہمیں قونصل خانے سے دور رہنے کی سخت ہدایات تھیں۔ حد یہ ہے کہ ہم عام امریکن شہری کی حیثیت سے بھی وہاں فون نہیں کرسکتے تھے۔ جب بھی ضرورت پیش آتی تھی' وہ لوگ خود ہی فون یا قاصد کے ذریعے ملاقات کا وقت اور مقام طے کرتے تھے۔ یہ ملاقاتیں عموماً ہوٹلوں یا پارکوں میں ہوا کرتی تھیں۔"

"تم لوگوں کے پاس پاکستان میں قیام کا ویزا تو ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہم امریکا سے کئی ملین ڈالر لے کر یہاں آئے تھے۔ ہمیں رفاہی اور سماجی خدمات سرانجام دینے کے لیے پاکستانی سفارت خانے نے پانچ سال کا ابتدائی ویزا دیا تھا جو ابھی تک کارآمد ہے۔" الیس نے جواب دیا۔

اسی وقت اول خان کا آدمی چائے لے آیا۔ اس طویل ذہنی مشقت سے ہم تینوں تھک چکے تھے' اس لیے سب فوراً ہی چائے کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے عقل مندی اور صاف گوئی سے کام لیا ہے" میں نے تھوڑی دیر بعد الیس سے ستائشی لہجے میں کہا "اس طرح تم نے خود کو نہ صرف بہت سی پریشانیوں سے بچالیا ہے بلکہ کچھ مراعات کی حق دار بھی بن گئی ہو۔ فی الحال تم یہیں رہوگی اور تمہیں تمہاری ضرورت کی ہر معقول چیز فراہم کی جائے گی جس میں لباس سے شراب تک ہر چیز شامل ہے۔"

شراب کی فراخ دلانہ فراہمی کی پیش کش پر اول خان نے مجھے گھورا لیکن الیس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "میں نے اپنی گود میں سر رکھے ہوئے اکلوتے بیٹے کی آنکھوں میں موت کو دھیرے دھیرے اپنے ڈیرے جماتے دیکھا ہے۔ کیا تم کسی ماں سے ایسی سنگ دلی کی توقع رکھ سکتے ہو کہ وہ اپنی زندگی کا ایسا بھیانک المیہ سہنے کے بعد بھی اپنے گردوپیش کی پُرفریب رنگینیوں میں دلچسپی لیتی رہے۔۔۔ ٹیڈ کی موت کے بعد سے میں نے الکحل اور سگریٹ کو ہاتھ لگانا بھی چھوڑ دیا ہے۔۔۔ میں قناعت پسند ہوگئی ہوں۔ اب میرا مشن صرف یہی رہ گیا ہے کہ ٹیڈ کے بعد امریکا میں کسی اور ماں کا کوئی لختِ جگر ایسی اذیت ناک موت کا شکار نہ ہونے پائے۔"

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور آواز رُندھ کر حلق میں پھنس گئی۔

"تمہارا مشن بہت نیک ہے الیس" میں نے نرمی سے کہا۔ "لیکن بہتر ہوگا کہ اس میں امریکا کے ساتھ پاکستان کی ماؤں اور ان کے معصوم جگر گوشوں کو بھی شامل کرلو۔ ہیروئن ہر ملک میں ایک جیسی تباہی لاتی ہے اور کالے' گورے یا زرد میں کوئی امتیاز نہیں

کرتی۔"
وہ سر جھکائے، خاموشی سے سسکیاں لے کر روتی رہی۔

○☆○

میں اول خان کے گھر سے گاڑی لے کر واپس گھر پہنچا تو اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے اور ہوا میں سرور انگیز خنکی رچی ہوئی تھی۔ گاڑی پارک کر کے میں عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا تو خمار سے میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ گھر قریب آجانے پر رات بھر کی تکان ایک دم رنگ دکھانے لگی تھی۔

میں نے ڈور بیل بجائی تو سلطان شاہ نے دروازہ کھولا کیونکہ اسی کی خواب گاہ دروازے سے سب سے زیادہ قریب تھی۔

اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس ضرور موجود تھا لیکن آنکھوں میں نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بستر پر دراز ہو جانے کے باوجود میرے انتظار میں جاگ کر کروٹیں بدل رہا تھا۔ میں اس کے سلام کا جواب دے کر اندر داخل ہو گیا۔

اس وقت تک بقیہ دونوں کمروں کے دروازے بھی کھل چکے تھے اور وہاں سے دونوں عورتیں باہر آچکی تھیں۔ ان کی کیفیت سلطان شاہ سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔ میں ان تینوں کی حالت پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے بظاہر اپنے اپنے کمروں میں محصور ہو گئے تھے لیکن تشویش اور اضطراب کے باعث پہاڑ جیسی رات میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکے تھے کیونکہ میں نے وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے انہیں فون پر اول خان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا تھا اور نہ ہی یہ بتایا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

میرے موڈ کی وجہ سے ویرا یا سلطان شاہ نے مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ویرا اپنی خواب گاہ کے دروازے کے سامنے، دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی تھی اور مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے اسے ضرور دیکھا مگر پھر اسے نظرانداز کر کے براہِ راست اپنے کمرے میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ ویرا کی نگاہیں میرے قدموں کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ میں اس کے قریب سے گزرا ہی تھا کہ اچانک میرے بدن کو ایک جھٹکا لگا اور میرا اگلا قدم اٹھا ہی رہ گیا۔

میں بھنا کر پلٹا تو ویرا نے پشت سے میری قمیص پکڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے برہمی مترشح تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ قمیص چھوڑو میری!" میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے کہا۔

"گھر میں دوسرے لوگوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر کہاں جا رہے ہو؟" ویرا نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"اس وقت صبح کے چار بجنے والے ہیں۔ اپنے کمرے کے سوا کہاں جاؤں گا؟" میں نے تلخی سے جواب دیا۔

"ہم سب کے لیے چارج رہے ہیں" وہ غرائی "حیرت ہے کہ تم گھر میں کسی کو کچھ بتائے بغیر ہی یہاں سے [illegible] ہوئے تھے اور ہم تینوں پوری رات تمہاری طرف سے [illegible] ہیں۔"

"یہ تمہارا احسان تھا مجھ پر۔۔۔ مگر میں کوئی بے [illegible] ہوں جو شہر میں گم ہو جاتا۔"

"تم پوری رات گزار کر کہاں سے آرہے ہو؟" [illegible] قدرے تحکمانہ ہو گئی۔

"جھک مار کر آرہا ہوں۔ ویرا! خدا کا خوف کرو۔ [illegible] بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت مجھے نیند آرہی ہے۔ میں [illegible] ہونے سے پہلے کچھ دیر سونا چاہتا ہوں" میں نے چڑ [illegible] کہا۔

"جانے سے پہلے فون پر تمہاری اول خان سے [illegible] تھی؟" وہ میرے ردِّعمل کو یکسر نظرانداز کر کے مشینی [illegible] سوالات کیے جا رہی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ تماشائی [illegible] ہم دونوں کے قریب خاموش اور قدرے حیران حیران [illegible] تھے۔

"اس وقت مجھے نیند کے سوا کچھ یاد نہیں۔ مجھ [illegible] تکرار مت کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اب مجھے کوئی بھی با[illegible] چاہتے" وہ پیچ و تاب کھا کر بولی۔

"تم جو چاہو، سمجھ لو مگر مجھے تھوڑی دیر کے لیے سونے دو" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" وہ [illegible] ہوئے بولی۔

"تم مجھے کس بات کی دھمکی دے رہی ہو؟" میں [illegible] پوچھا۔

"یہ تمہارا گھر ہے۔ میں یہاں بن بلائے مہمان [illegible] ہوں" اس نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا "میں [illegible] بات کی دھمکی نہیں دے سکتی۔ اگر تمہاری نظریں بدل [illegible] ایک پل کے لیے بھی اس چھت کے نیچے نہیں رہ سکتی [illegible] مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں ابھی اور اسی وقت یہاں [illegible] ہوں۔"

اس کا چہرہ گمبھیر اور لہجہ اٹل تھا۔ اس کی چمک [illegible] سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس پر عمل [illegible] عزم کر چکی تھی۔

میرا ارادہ صرف اسے چڑانے اور جلانے کا تھا [illegible] کی غلطی کا احساس دلا سکوں مگر وہاں مذاق ہی مذاق نظر آنے لگی تھی۔ میرے پیروں کے نیچے سے زمین

مذاق میں' مَیں اتنی دور نکل گیا تھا کہ میری فوری واپسی ممکن ہی نہیں رہی تھی۔

پتا نہیں غزالہ نے میرے دلی جذبات بھانپ لیے یا وہ از خود اس تصادم پر پریشان ہوگئی تھی کہ اس نے بڑھ کر ویرا کے دونوں بازو تھام لیے اور لجاجا کر کہا "غصہ مت کرو۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ ڈیڈی اس وقت تھکے ہارے واپس آئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تم کو بن بلایا مہمان نہیں سمجھتا۔ صبح تمہیں ہر بات معلوم ہوجائے گی۔"

"یہ کہیں ہل نہیں جوت رہا تھا جو اتنا تھک گیا ہوگا" ویرا اس بار غزالہ سے مخاطب ہوکر بولی تھی "اس سے پوچھو کہ یہ کہاں گیا تھا۔ کئی کئی راتوں تک مسلسل جاگنے والے کو آج اتنی نیند کیوں آرہی ہے۔"

میں نے غزالہ کا چہرہ اپنی طرف گھما کر کہا "اسے بتادو کہ میں کہیں رنگ رلیاں نہیں منا رہا تھا۔ ہمیشہ اس کا ساتھ دینے والے کو آج نیند ستا رہی ہے تو یہ چراغ پا کیوں ہو رہی ہے؟"

ویرا نے غزالہ کا بازو کھینچ کر تیزی سے کہا "اس سے پوچھو کہ یہ خود کو اتنا چالاک اور اہم کیوں سمجھتا ہے؟ میں اس کی زر خرید باندی نہیں ہوں کہ اس کی رام لیلا سننے کے لیے صبح کا انتظار کروں گی۔" غزالہ دخل اندازی کرکے ایک نئی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ وہ ہکا بکا نظروں سے ویرا کو تکے جا رہی تھی۔

"خدا کے لیے نیچی آواز میں لڑو!" سلطان شاہ ویرا کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "یہ کوئی الگ تھلگ مکان نہیں' ایک فلیٹ ہے۔ ذرا سے شور پر پڑوسیوں کی بھیڑ دروازے پر جمع ہوجائے گی۔"

"یہ میری باندی نہیں ہے تو میں بھی اس کا غلام نہیں ہوں۔ وہی کروں گا جو چاہوں گا۔"

"پھر میں بھی وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا" ویرا بدستور غزالہ سے مخاطب تھی۔ "میں ابھی یہاں سے اپنا منہ کالا کر رہی ہوں۔ کوئی بھی میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرے۔"

یہ کہہ کر اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ سلطان شاہ اس کے سامنے آگیا۔ ویرا نے سلطان شاہ کے سینے پر دوہتڑ مار کر اسے پیچھے دھکیلنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے مضبوطی سے اس کی دونوں کلائیاں پکڑلیں۔

"اگر ڈیڈی اس وقت سب کچھ بتائے بغیر اپنے کمرے میں گیا تو میں بتا رہی ہوں کہ یہ عمر بھر پچھتائے گا۔ اگر اسے ضد ہے تو میں بھی ضد کی پکی ہوں" ویرا اپنی کلائیاں چھڑانے کے لیے سلطان شاہ سے زور آزمائی کرتے ہوئے غرائی مگر اس بار اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ مجھے محاذ آرائی ختم کرنے کا وہ موقع مل گیا تھا جس کا میں منتظر تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر یہ میری مجبوری کو ضد کہ... تو میں اپنی نیند قربان کیے دیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ب... اس کے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں' اسی وجہ سے یہ مجھ... ہے۔"

"بکواس مت کرو" اس بار ویرا بپھر کر دوبارہ مجھ... راست مخاطب ہوگئی "مجھے تمہاری آنکھوں کی ہر تحریر... نظر آتی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے رات کے ... لینے پر تلے ہوئے ہو....."

"ہو نہیں بلکہ تھے" سلطان شاہ نے اس کی بات... جلدی سے کہا "اب ڈیڈی نے اپنی ضد ختم کرکے محفل... آمادگی ظاہر کردی ہے تو پرانی باتوں پر لعنت بھیج دو۔ آ... روم میں بیٹھتے ہیں۔"

"ہونہہ!" میں پلٹتے ہوئے اتنی اونچی آواز میں بڑبڑا... میری بات سن لے "بوڑھا ڈرائے مرنے سے اور جوا... بھاگنے سے' بھاگ کر جائے گی کہاں؟"

"مجھے بھی پھبتیاں کسنی آتی ہیں" ویرا نے کہا "ا... گھمنڈ ہے تو دیکھ لینا کہ میں کسی دن خاموشی سے نکل ج... اور تم دور دور تک میرا سراغ نہیں پاسکو گے۔"

میں نے چلتے چلتے پلٹ کر پوچھا "تم نے سراغ ہی کہا... وہ سوال اضطراری طور پر میری زبان پر آگیا تھا مگر... برمحل ثابت ہوا کہ ویرا خاموش ہوگئی۔ اس کے بشر... وندامت کی سرخی پھیل گئی تھی۔

ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی میں ایک دہرے صوف... اور سگریٹ سلگانے کے بعد بولا "تم لوگوں نے میری ... کر ہی دی۔ اب کچھ پوچھتے بھی جاؤ تاکہ تمہارے سار... کے جواب دے کر آرام کرسکوں۔"

چند ثانیوں تک وہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیک... غزالہ نے پہل کرتے ہوئے پوچھا "رات کو جانے ... کے پاس اول خان کا کوئی فون آیا تھا؟"

"ہاں۔ اب اگلا سوال" میں نے گہری سنجیدگی سے ... "کوئی کچھ نہیں پوچھے گا" میری اس حرکت پر ویرا... صادر کردیا "تم خود ہی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔"

"وہ کوئی کہانی نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تم... سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں" میں نے مذاق کو بالائے ... ہوئے کہا "میرا خیال تھا کہ یہ باتیں صبح ہوتیں تو بہتر ہو..."

"رات کے اندھیرے میں ہم سب کی عقلیں بہت ... کام کرتی ہیں" ویرا نے بھی اپنے لیے سگریٹ سلگا... دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "صبح کا انتظار کرنے... اپنی جرح ابھی سے شروع کردو۔"

"اول خان کو میجر غوث سے اطلاع ملی تھی کہ ... قیدیوں میں ایک سفید فام عورت بھی ہے جو خود کو ریمی مارٹن کی بیوہ قرار دے رہی ہے۔ اس کی بہت سی باتیں میجر غوث کے لیے قابلِ فہم نہیں تھیں اس لیے اسے اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ میں اول خان کے ساتھ وہیں گیا تھا" میں نے ان تینوں کو بتایا۔

"قیدیوں میں کسی عورت کا ہونا اتنا اہم تو نہیں تھا کہ تم دونوں ادھر دوڑ لگادیتے" سلطان شاہ نے کہا۔

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ویرا سے پوچھا۔ "تم بوب گومز نام کے کسی امریکن سے واقف ہو؟"

"وہ جمی لائیڈ کے بچپن کے ان چند دوستوں میں سے ہے جو ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتے رہے" اس نے بلا توقف جواب دیا۔ "امریکا میں' مَیں نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ وہ ڈیٹرائٹ میں جنرل موٹرز کے لیے پرزے بنانے والی ایک بہت بڑی اور منافع بخش فیکٹری کا مالک ہے لیکن تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"بدقسمتی سے وہی فریڈم لاج کا سربراہ اور بلیک ہاک تھا" میں نے اسے آگاہ کیا "وہ پچھلے تین برسوں سے پاکستان میں اپنی عمر بھر کی کمائی خرچ کرکے ہیروئن کے استعمال کو پھیلا رہا تھا۔"

"اوہ خدا!" ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "اس کا مطلب ہے کہ وہ شریف النفس آدمی بھی آخر کار میرے باپ کی باتوں میں آکر غلط راستوں پر نکل چکا ہے۔ ٹکڑوں میں بات کرنے کے بجائے مجھے پوری بات بتاؤ۔ شی میں جمی لائیڈ کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے بعد اس پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہوگا۔"

میں نے بوب گومز کے بیٹے ٹیڈ کے المناک کردار سے وہ قصہ شروع کردیا۔

بوب گومز' ایلس گومز اور ٹیڈ گومز کے مختصر سے خاندانی مثلث کے گرد گھومنے والی تباہی و بربادی کی وہ حکایت ان تینوں کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت ناک اور سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ تینوں منہ پھاڑے ہمہ تن گوش بنے رہے۔ میری عقابی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ ویرا کے چہرے پر کہیں کہیں غم و غصے کے آثار ابھر آتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے درمیان میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔

وہ پُرپیچ واقعات اور بھیانک سازشوں کا ایک ایسا سلسلہ تھا جسے بیان کرنے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ میں ایلس کے بیان کے بارے میں ویرا کی رائے بھی حاصل کرنی چاہتا تھا اس لیے میں نے اپنی طرف سے ایلس کے بیان کی بہت سی وضاحتیں بھی شامل کردی تھیں۔

ایلس کی آخری کیفیت اور عزم کا اظہار کرتے ہوئے میں نے آخر کار بات ختم کردی۔

"یہ بالکل ناقابلِ یقین سی بات ہے کہ بوب اتنے عرصے سے کراچی میں کام کر رہا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا "جرائم پیشہ لوگوں کو بھی اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔"

"اصل بات یہ تھی کہ اسے شروع ہی سے زیرِ زمین دنیا کے لوگوں سے خفیہ مراسم پیدا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی" غزالہ نے جواب میں کہا "ایک سفارتی افسر کے ذریعے آنے والے دلاور خان نے اس کا کام بہت آسان کردیا تھا۔ وہ آدمیوں سے لے کر ہیروئن تک' ضرورت کی ہر چیز فراہم کرنے کے وسائل کا مالک تھا۔"

"یہ بوب کی نہیں' جمی لائیڈ کے خلاف سازشوں کی اندرونی کہانی ہے" ویرا قہربار آواز میں بولی "اس کی موت کے بارے میں' مَیں اب تک غلط فہمی کا شکار رہی تھی۔ اب پتا چلا کہ میرے باپ کو امریکا کی انتخابی سیاست کی بھینٹ چڑھایا گیا تھا۔"

"جمی لائیڈ کے قتل کا فیصلہ صدر کا تھا لیکن اس پر دباؤ ڈالنے والا راس المیڈا ہے جو امریکا کے سارے یہودی ووٹوں کا مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"پہلے بہت سی باتیں صاف نہیں تھیں لیکن اب سب کچھ سامنے آگیا ہے۔ ایلس کے بیان نے میرے زخموں کو تازہ کردیا ہے۔ اگر جمی لائیڈ اپنے اثر و رسوخ کے باوجود زندہ نہیں رہ سکا تو میں راس المیڈا کو بھی زیادہ دن سانس نہیں لینے دوں گی۔" ویرا اس وقت واقعی مشتعل نظر آنے لگی تھی۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ایلس پر کس حد تک اعتبار کیا جاسکتا ہے؟" میں نے ویرا کی ذہنی حالت کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ایک سوچا سمجھا سوال کیا۔

"میں ایلس سے واقف نہیں تھی" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں صرف بوب سے واقف تھی۔ میرا باپ بھی کبھی کبھی اس کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ اسے فخر تھا کہ اگر اس نے غیر قانونی کاموں سے بے اندازہ دولت کمائی ہے تو اس کے جگری دوست نے اپنے قانونی کاروبار سے تقریباً اسی قدر دولت کے ساتھ نیک نامی بھی کمائی ہے۔"

"جمی لائیڈ نے کبھی ٹیڈ کی علت یا اس کی موت کا ذکر تو کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں' بوب کی گھریلو زندگی کے بارے میں ہماری کبھی کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"وہ جگری دوست تھے اور دونوں کا تقریباً ایک جیسا انجام ہوا" سلطان شاہ افسردگی سے بولا "ان کی دولت ان کے کسی کام نہیں آسکی۔ یہ صرف خراب صحبت کی کرشمہ سازی نظر آتی ہے۔"

"تم کس کی خراب صحبت کی بات کر رہے ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"میں کسی پر طنز نہیں کر رہا لیکن یہ غور کرنے والی بات ہے کہ

بوب کو عزت، شہرت اور دولت، سب ہی چیزیں حاصل تھیں لیکن وہ جمی لائیڈ کے بہکاوے میں آکر اچانک غلط راستے پر چل پڑا۔ دیکھا جائے تو اس نے نہایت نیک نیتی سے اس راستے کا انتخاب کیا تھا جو کہیں نہ کہیں عبرت ناک موت کے اندھیرے میں گم ہوجاتا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کے قتل میں راس المیڈا کا کلیدی حصہ تھا۔"

"راس المیڈا کو امریکا، وہاں کے انتخابات یا شی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے" ویرا پُرخیال لہجے میں بولی "اس کی ساری دلچسپی ڈیوڈ اسٹارز میں ہے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی نسل پرست تنظیم کو طاقت اور وسائل کے اس مقام پر لے جانا چاہتا ہے جہاں کوئی اس کا حریف نہیں ہو۔ تم لوگ امریکا کو نہیں جانتے۔ میں وہاں کی سیاست کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس ایلس کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے۔ وہ واقعات پر گہری نظر رکھنے والی ایک سمجھ دار عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"راس المیڈا نے امریکا میں صدر کو اپنے ہزار پا شکنجے میں جکڑ کر تمہارے باپ کو قتل کرادیا" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "لیکن وہ پاکستان میں کہیں بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکا۔ ابھی تک اسے اپنے ہر مقصد میں مسلسل ناکامیوں کے سوا کچھ بھی نہیں مل سکا۔"

ویرا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی "تم سخی مراد کو بھول رہے ہو۔ تمہارا نام ور سیاست داں اس کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔"

"لیکن وہ بھی پوری طرح نہیں بک سکا۔ پرواز کرنے سے پہلے اس کے پر کاٹ دیے گئے۔"

"پوری صورتِ حال میں سے اسپیشل ٹاسک فورس اور ہم چاروں کے کردار منہا کرکے دیکھ لو۔ تمہیں امریکا سے بدتر نتیجہ ملے گا۔ تم نے ایک سخی مراد پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہاں نہ جانے کتنے سخی مراد پل رہے ہوں گے۔"

سخی مراد کے نام نے میرے ذہن کے کچھ دریچے کھول دیے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگیا تھا۔ اگر اسے پوری احتیاط سے استعمال کیا جاتا تو راس المیڈا کو کراچی ہی میں پیوندِ خاک کیا جاسکتا تھا۔

"پتا نہیں جم کلارک کے بعد کون شی کا سربراہ بنایا گیا ہوگا؟" غزالہ بولی۔

"وہاں اب کوئی کالا کتا بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا" ویرا نے تلخی سے کہا "شی اب راس المیڈا کی مٹھی میں ہے۔ اس کی نظر شی کی گرانٹ پر تھی، وہ اسے حاصل کرچکا ہے۔ کاغذوں پر شی کے مقاصد وہی رہیں گے جو طے کرلیے گئے تھے لیکن عملاً انہیں الٹ دیا جائے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ راس المیڈا بہت حریص اور لالچی ہے۔ اگر وہ پاکستان میں ملنے والی سستی اور بہترین ہیروئن یہاں سے سمیٹ کر امریکا اور یورپ میں پھیلانے کا فیصلہ کرچکا ہے تو وہ تخریب کاریوں کے ساتھ اس منصوبے پر بھی کام کررہا ہوگا۔"

"اگر اسے یہاں کی ہیروئن ہی خریدنی تھی تو اس کے لیے بہترین راستہ یہ تھا کہ وہ پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں خاموشی سے آتا اور لمبی مدت کے سودے کرکے لوٹ جاتا۔ اسے کراچی میں گند پھیلانے اور خطرات مول لینے کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان شاہ نے کہا۔

"تم جمی لائیڈ کے تجربات کو بھول رہے ہو" ویرا نے جواب دیا۔ "پاکستان میں شی بہت مستحکم اور توانا ہوگئی تھی۔ ہم یہاں اپنے من مانے فیصلے نافذ کرنے لگے تھے مگر ایمان داری کی بات یہ ہے کہ ڈینی کی بغاوت نے شی کی بنیادوں میں ایسی دراڑیں ڈال دیں کہ آج شی پاکستان میں اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔ پھر مدر مافیا کے عالمی حلقوں میں حبیب جیوانی کی کہانی بھی ابھی تک گردش کررہی ہوگی۔ ان کے ڈان نے ڈینی سے خود سمجھوتا کیا تھا مگر انجام یہ ہوا کہ مافیا پاکستان میں پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی، حبیب جیوانی خاک میں مل گیا۔ پاکستان میں شاید بے خبر لوگ بستے ہوں گے مگر پاکستان سے باہر ہر بڑے منشیات فروش کی یہ اٹل رائے ہے کہ ڈینی کو راستے سے ہٹائے بغیر پاکستان میں منشیات کی کوئی بھی منظم تجارت نہیں چل سکتی۔ ہم بعد میں ڈینی کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔ ایس ٹی ایف بھی بہت بعد کی بات ہے۔ ابتدا میں شی سے ٹکر صرف ڈینی نے مول لی تھی۔"

"تم جہانگیر کی خدمات اور قربانیوں کو فراموش کررہی ہو" سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"آج بھی کوئی آئی مین اس کے سامنے اپنی سلور آئی لہرائے تو اس کا پیشاب خطا ہوجائے گا" ویرا غصے سے بولی "اس کی بات رہنے دو۔ وہ بس ڈینی سے دوستی کی وجہ سے پانچوں سواروں میں شامل ہے۔"

"یا مظہرالعجائب!" سلطان شاہ حیرت سے بولا "تھوڑی دیر پہلے تم ڈینی سے لڑ کر یہاں سے بھاگی جارہی تھیں اور اب اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی ہو۔ تمہارا کوئی بھروسا ہے؟"

"دوستی یا اختلاف کی وجہ سے حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں۔ ڈینی میں جو خوبیاں ہیں، وہ ہیں۔ میری تنقید سے وہ کم نہیں ہوسکتیں مگر ڈینی کو مان لینا چاہیے کہ اس میں بہت سی برائیاں بھی ہیں۔"

"خوبیوں سے پہلے میں اپنی برائیوں کو تسلیم کرتا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "تم بات کو دوسرے رخ پر لے گئیں۔ ابھی سلطان شاہ کے اس سوال کا جواب دینا باقی ہے کہ راس المیڈا کراچی میں زبردست گند پھیلا کر خطرات کیوں مول لے رہا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ کھسیائی ہوئی بلی کی طرح کھمبا نوچنے میں مصروف ہے" ویرا نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ وہ بہت چالاک اور مکار ہے" میں نے زور دے کر کہا "تم خود کہہ رہی ہو کہ وہ ڈیوڈ اسٹارز کو دنیا کی ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"شاید میں نے یہی کہا تھا اور میں اب بھی اپنی اس رائے پر قائم ہوں" ویرا نے میری مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں دھیرے سے کہا "راس المیڈا جائز اور ناجائز ذرائع سے اربوں ڈالر کماتا ہے اور اپنی اس بے اندازہ آمدنی کو اندھادھند ڈیوڈ اسٹارز پر خرچ کرتا ہے۔"

"ڈیوڈ اسٹارز یعنی داؤدی ستارے ویسے ہی یہودیوں کے مقدس داؤدی ستارے کا جمع کا صیغہ ہے۔ اس نام ہی سے ظاہر ہے کہ راس المیڈا مجرم، دہشت گرد، سیاست داں یا صنعت کار جو کچھ بھی ہو، اندر سے کٹر اور نسل پرست یہودی ہے۔" میں نے کہنا شروع کیا "شروع میں فلسطینیوں اور عربوں کی یہودیوں سے بدترین دشمنی تھی کیونکہ ان ہی کی زمین پر جبری لکیریں ڈال کر اسرائیل کا مصنوعی جغرافیہ تیار کیا گیا تھا۔ عربوں سے یہودی کئی خون آشام جنگیں بھی لڑ چکے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ زخم مندمل ہوتے جارہے ہیں۔ ان روایتی حریفوں کی دشمنی رفتہ رفتہ دوستی میں بدلتی جارہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دونوں نے ایک دوسرے کے پچھلے گناہ معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارا ملک جو اسرائیل سے سیکڑوں میل دور واقع ہے اور کبھی بھی اسرائیل کے ساتھ کسی براہِ راست لڑائی میں ملوث نہیں ہوا، آج بھی ہر متعصب یہودی کی نفرت کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ راس المیڈا نہایت بدبودار نسلی جنونی ہے۔ وہ یہاں آیا ہے تو اپنے اصل کاموں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے قومی مفادات کو سبوتاژ کرنا اپنا فرض تصور کرتا ہے۔ اسی لیے کے نائین کی سازش سامنے آئی تھی۔"

"میں تم سے متفق ہوں" ویرا نے کہا "کے نائین کی ناکامی کے بعد وہ کوئی اور سازش کرسکتا ہے۔ پہلے وہ ہمارا ایک عام سا حریف تھا لیکن ایلس کے بیان کے بعد میں نے اسے اپنا خاص ہدف بنالیا ہے۔"

"تم پہلے اس کو معاف کرتیں، نہ اب کروگی پھر عام اور خاص ہدف بنانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"راس المیڈا یہاں سازشیں کررہا ہے، میں ڈیوڈ اسٹارز کو ان کے گڑھ میں تگنی کا ناچ نچاؤں گی" ویرا نے سفاکانہ لہجے میں کہا "میں نے اس سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے جلد از جلد امریکا جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

ویرا کے اس انکشاف نے ہم سب کو حیران کردیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ اس نے تھوڑی دیر پہلے خاموشی سے فرار ہونے کی جو دھمکی دی تھی، وہ اسی کو عملی جامہ پہنانے کے بہانے تراش رہی تھی۔

"تم اس طرح یکایک امریکا نہیں جاسکتیں" میں نے بے اعتباری سے کہا۔

"کیوں؟ میری وجہ سے یہاں کون سا خاص کام رک جائے گا؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی کام رکے یا نہ رکے، تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری اصل دشمنی ڈیوڈ اسٹارز سے نہیں، راس المیڈا سے ہے اور وہ اس وقت کراچی میں موجود ہے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اس کو سزا دینے کے لیے تم لوگ کافی ہو۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مکار اور بزدل ہے۔ اگر اس کو اپنی جان کا حقیقی خطرہ محسوس ہوا تو وہ دُم دبا کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے منہ کی کھا کر امریکا پہنچے تو میں اس کے استقبال کے لیے وہاں موجود رہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم کو ہماری ناکامی کا مکمل یقین ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"میں سیدھی سیدھی باتیں کررہی ہوں۔ ان سے کوئی مطلب نکالنے کی کوشش مت کرو۔"

"مگر تم امریکا کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ چکی تھیں" غزالہ نے حیرت سے سوال کیا "بیٹھے بٹھائے تم کو اچانک وہاں جانے کی کیا سوجھی ہے؟"

"میں نے امریکا کی شہریت کو خیرباد کہا ہے، وہاں نہ جانے کا کوئی عہد نہیں کیا۔ میں اپنی مرضی سے دنیا کے کسی بھی حصے کا سفر کرسکتی ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ گھوم پھر کر میں واپس پاکستان ہی آؤں گی۔"

"اس وقت تم ہم لوگوں میں مایوسی اور بددلی پھیلا رہی ہو" غزالہ نے صاف کہہ دیا۔

"یہ مجھ پر الزام تراشی ہے" ویرا نے احتجاج کیا "اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا میرا فرض ہے۔ میں اپنا یہ فرض پورا کرنے کے لیے قطب شمالی تک بھی دوڑ لگا سکتی ہوں۔"

"تم سب کچھ کرنے کا حق رکھتی ہو مگر ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے" میں نے اپنے لہجے میں قدرے بے اعتنائی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی ایک اہم ترین کارڈ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ راس المیڈا بے چینی سے سخی مراد کی رہائی کا منتظر ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر شاید راس المیڈا تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔ وہ زیر ہوجاتا ہے تو کھیل یہیں ختم ہوجائے گا۔ تمہیں اس سے اپنا انتقام لینے کا موقع مل جائے گا۔"

"تم لوگ میری بات کی تہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے" اس نے زچ ہو کر کہا "راس المیڈا میرے باپ کے قتل کی سازش کا سب سے بڑا مجرم ہے لیکن اس سازش میں کچھ اور لوگ بھی شریک تھے۔ اس شخص کا جرم کچھ کم سنگین نہیں ہے جس نے جمی لائیڈ کو ختم

کردینے کا حکم صادر کیا تھا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنے دشمنوں کے بارے میں سوچ سوچ کر کڑھتی رہوں گی۔ ایک بار یہاں سے باہر نکل گئی تو موت کی بھیانک آندھی کی طرح ایک ایک کر کے اپنے دشمنوں کو چاٹتی چلی جاؤں گی۔"

"ہم تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتے لیکن یہ یاد رکھو کہ اب امریکا تمہارا دوست نہیں، دشمن ہے۔ اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی تم مشکلات میں گھر جاؤ گی" غزالہ نے اسے ایک اہم خطرے کا احساس دلانا چاہا۔

ویرا کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "تم بھول رہی ہو کہ میں آخری بار میلان سے کراچی آئی تو انطونیو میرے چارٹرڈ جہاز کا ہوا باز تھا اور میرا نام ماریا نا گبرائیل تھا۔ میرے وہ سفری کاغذات ابھی تک محفوظ ہیں۔ میں پل پل میں روپ بدلنے والی عورت ہوں۔ تم لوگوں کا محبت بھرا ساتھ مل جانے کے بعد کاہل اور آرام پسند ضرور ہوگئی ہوں لیکن میری صلاحیتوں کو زنگ نہیں لگا ہے۔ مجھے جانے دو۔ میں اکیلی کچھ کرنے کے لیے نکلوں گی تو میری پرانی توانائیاں بحال ہوجائیں گی۔ واپسی پر نئی ویرا تمہارے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہوگی۔"

"خیر، تم صبح کی پرواز سے تو نہیں جارہی ہو" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "یہ فیصلہ بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت شاید ہم سب کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں آج ہی سے تیاریوں کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔ تم مصر ہو تو تھوڑی سی تاخیر ہی سہی۔"

"اور اگر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہوں؟" سلطان شاہ نے نہایت معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

"تاکہ تم وہاں لڑ لڑ کر میری زندگی اجیرن کردو!" ویرا نے ہنستے ہوئے پوچھا "آخر تم تینوں اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری ٹولی میں شامل ہونے سے پہلے میں اکیلی تم سب سے لڑتی رہی تھی۔ میرا نام بلیک کوئن تھا اور اس نام سے بڑے بڑے سورما تھراتے تھے۔"

"وہ تمہارے عروج کا زمانہ تھا۔ اب تم سہاروں کی عادی ہوگئی ہو۔ یہ حقیقت تم کو مان لینی چاہیے" غزالہ نے محبت سے ویرا کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"میں اسی طرح بلیک کوئن بن کر اپنی بقیہ زندگی گزارنے کی آرزومند ہوں۔ میری واپسی پر تم دیکھ لوگی کہ میں کسی سہارے کے بغیر بھی خود کو منوانے کی ہمت رکھتی ہوں۔"

"میں مانتا ہوں کہ تمہارے حوصلے بہت بلند ہیں لیکن تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کس قدر مہلک باتیں سوچ رہی ہو۔ امریکا کے صدر سے انتقام لینے کی سوچ سراسر دیوانگی ہے" میں نے کہا۔

وہ پھر ہنس پڑی "تمہیں معلوم ہے کہ امریکی تاریخ کے کتنے صدر قاتلانہ حملوں میں مارے گئے ہیں؟ کوئی دیوانہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر میدان میں کود پڑے تو بڑی بڑی اَن ہونی باتیں ہو جاتی ہیں۔ خیر، اب اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ ہمیں تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔"

اس وقت سلطان شاہ عجیب سی نظروں سے ویرا کو تکے جارہا تھا جیسے وہ پہلی بار اس کے سامنے آئی ہو۔ وہ ایک ادا کے ساتھ ہم تینوں کی طرف ہاتھ لہرا کر اپنی خواب گاہ میں گھس گئی اور دروازہ بند کرلیا۔

"اور لڑو اس سے" میں نے آہستہ سے سلطان شاہ سے کہا۔ "وہ چلی گئی تو پھر عمر بھر تمہاری نگاہیں اسے ڈھونڈتی ہی رہیں گی اور تم اسے نہیں پاسکو گے۔ اس پر جنون سا طاری ہوگیا ہے۔"

"مجھے تو اس سے لڑے ہوئے بھی بہت دن ہوگئے ہیں" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا "اس وقت تم ہی سے اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔ وہ اپنی نادانیوں کی وجہ سے ماری گئی تو اس کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

"جاؤ! اس وقت اچھے بچوں کی طرح سوجاؤ، جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا اور پھر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ سلطان شاہ نے سر جھکا کر لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا اور پھر فیصلہ کن انداز میں ویرا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ادھر کہاں جارہے ہو؟" میں نے بوکھلائی ہوئی دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

"نیند نہیں آرہی۔ تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ شطرنج کھیلوں گا" اس نے مغموم سی آواز میں کہا۔

اسے اس کے حال پر چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں گھس گیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے اندر پہنچ کر بستر کی چادر اور تکیے وغیرہ درست کرنے میں مصروف ہوچکی تھی۔

حالات اتنی تیزی سے کروٹیں بدل رہے تھے کہ میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی تھی۔ ویرا کے نئے فیصلے نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی تھی۔ ویرا کے رہنے یا چلے جانے سے ہماری کارکردگی میں کوئی بڑا فرق پڑنے کا امکان نہیں تھا لیکن اس نے اپنی مخصوص عادتوں کی وجہ سے ہم سب کے دلوں میں اس طرح گھر کرلیا تھا کہ اس کی روانگی کے تصور نے ہم تینوں کو پریشان کردیا تھا۔

بستر پر بھی غزالہ مجھ سے دیر تک ویرا کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ کچھ دنوں سے اسے میرے ساتھ ویرا کی بے تکلفی کھلنے لگی تھی۔ اس بارے میں اس نے مجھ سے شکایت بھی کی تھی۔ اس کے باوجود وہ ویرا کے جانے کے ارادے سے خوش نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا کسی طرح بھی اپنے گزرے ہوئے دنوں کی سی شہرت حاصل نہیں کرسکتی تھی۔ اس وقت اسے جمی لائیڈ کی خاموش حمایت حاصل تھی۔ بہت سے نامی گرامی مجرم جمی لائیڈ کے خوف سے ویرا کا راستہ کاٹتے ہوئے گھبراتے تھے اور وہ آزادی سے ہر طرف دندناتی پھرتی تھی۔ جمی لائیڈ کے قتل کے بعد ویرا اس سائے سے محروم ہوچکی تھی۔ راس المیڈا کے زیرِ اثر آجانے کی وجہ سے شی کی پوری تنظیم ہی ویرا کے خون کی پیاسی ہوچکی تھی۔ ان حالات میں اس کا امریکا جانے کا فیصلہ نہایت غیر دانشمندانہ تھا۔

مجھے غزالہ کی کئی باتوں سے اتفاق نہیں تھا لیکن میں نے زبان سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اس وقت میں ایسی کسی بحث میں الجھ کر غزالہ کے دل میں شکوک و شبہات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے نیند کی مہربان دیوی نے آلیا اور میں خوابوں کی دنیا میں گم ہوگیا۔

میں سہ پہر کو بیدار ہوا تو گھر میں چہل پہل تھی۔ وہ تینوں پہلے ہی اپنی اپنی نیند پوری کرچکے تھے۔

وہ ناشتے کا وقت نہیں تھا۔ دوپہر کا کھانا کھایا جاچکا تھا۔ رات کے کھانے میں کافی دیر باقی تھی۔ میں نے غزالہ سے ذرا بھاری ناشتے کی فرمائش کی اور اخبار بینی میں مصروف ہوگیا۔

سلطان شاہ ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھا۔ ویرا بیٹھی ٹیلی وژن دیکھ رہی تھی۔ میں اخبار کی اوٹ سے دیکھ رہا تھا کہ وہ کن انکھیوں سے بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پاکر اس نے تھوڑی دیر بعد ٹیلی وژن آف کردیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"ویرا ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ رات کے اندھیرے میں ہماری عقلیں بہت تیزی سے کام کرتی ہیں اور دن میں کند ہو کر رہ جاتی ہیں۔" اس کے چلے جانے کے چند لمحوں بعد سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میں نے اخبار ایک طرف پھینک کر اس سے پوچھا "تمہیں یہ نادر خیال کیسے آگیا؟"

"رات کو سب ہی ویرا کے جانے یا نہ جانے کے بارے میں پورے زور شور سے بحث کر رہے تھے۔ آج سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ تم آئے تو تم بھی اس سے بات کرنے کے بجائے اخبار لے کر بیٹھ گئے۔"

"آپ کو اس سے بات کرنی چاہیے تھی" غزالہ نے میرے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا "اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہماری طرف سے بات چیت کی ابتدا کی توقع کر رہی ہے۔"

"تم کہتی ہو تو میں ناشتے کے بعد اس سے بات کرلوں گا۔ سلطان شاہ بلاوجہ مبالغہ کر رہا ہے۔ ویرا سے آج صبح چار بجے کے بعد بات ہوئی تھی اور ابھی میں نے ناشتا تک نہیں کیا ہے۔ اس کا جانا اتنا سنگین مسئلہ نہیں ہے کہ اس پر نہار منہ بحث چھیڑ دی جائے۔"

میں ناشتے سے فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے فون اٹھایا۔ اس کی سلام دعا کی آوازوں سے پتا چلا کہ دوسری طرف اول خان تھا اور مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔

میں ایک لمبے گھونٹ میں چائے کی پیالی خالی کر کے فون کی طرف متوجہ ہوا تو اول خان بولا "تھوڑی دیر پہلے سخی مراد کو نیم بے ہوشی کی حالت میں شہر سے باہر ایک ویرانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ ایک آدمی چھپ کر اس کی نگرانی کر رہا ہے، دوسرا اس کے مکان پر مامور ہے۔ مکان والے نے اطلاع دی ہے کہ بند اور تاریک شیشوں والی ایک کار میں دو غیر ملکی وقفے وقفے سے سخی مراد کے مکان کے گرد منڈلا رہے ہیں۔"

"بہت اچھی خبر ہے" میں نے خوش ہو کر کہا "اس کا مطلب ہے کہ ہمارا منصوبہ بار آور ہونے کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ تمہارے آدمیوں نے حاضر دماغی سے کام لیا تو ہمارا شکار ضرور پھنس جائے گا۔"

"مجھے ایسی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ہم میں سے کون راس المیڈا کو پہچان سکے گا؟"

اول خان کے اس سوال پر میں لمحہ بھر کے لیے چکرا کر رہ گیا۔ صرف میں نے اسے ایک بار ایلن کی کمین گاہ پر دیکھا تھا۔ اس وقت وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "وہ خاصا جسیم اور قد آور ہے۔ اسے آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"شاید ایک چوتھائی امریکن اسی قد و قامت کے ہوتے ہیں۔ مشتبہ گاڑی والے نیچے نہیں اترے لیکن ان کے بارے میں اندازہ ہے کہ دونوں کے مضبوط جسم چھ فٹ سے نکلتے ہوئے ہوں گے۔"

وہ اطلاع تشویش انگیز تھی۔ اگر وہ دونوں ایسے ہی تھے تو اس کا ایک ہی مطلب نکالا جاسکتا تھا کہ راس المیڈا کو ہماری اس کمزوری کا علم تھا۔ وہ سخی مراد کی آزادی میں پنہاں خطرات سے بھی واقف تھا۔ اس نے ہم لوگوں کو تذبذب میں ڈالنے کے لیے ایسے آدمیوں کو مامور کیا تھا جو اسی جیسی جسامت کے مالک تھے۔

"اس جیسا چالاک مجرم اتنی بڑی حماقت نہیں کرسکتا کہ نگرانی جیسے معمولی کام پر نکلنے کا خطرہ مول لے۔ یہ دونوں ڈمی معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر دور سے نگرانی کی جائے۔ راس المیڈا یہ یقین کرنے کے بعد میدان میں آئے گا کہ سخی مراد اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔"

"اس کی شناخت کا مسئلہ پھر بھی باقی رہے گا۔ ہم راس المیڈا ہونے کے شبے میں ہر لمبے چوڑے امریکن پر تو ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کس کو پکڑنا چاہ رہے ہیں۔"

"تم اس وقت کہاں موجود ہو؟" ذہن میں ایک خیال آتے ہی میں نے اس سے پوچھا۔

"اس وقت میں اسٹیشن فور میں ایک نئے اپرنٹس کے ساتھ

موجود ہوں۔ راس المیڈا اس پر ہونے والی گفتگو نہیں سن سکے گا۔ ہمارے پاس اس ساخت کے صرف دو یونٹ ہیں۔ ایک میرے پاس اور دوسرا مکان کی نگرانی کرنے والے کے پاس موجود ہے تاکہ وہ مجھے موقع کی بدلتی ہوئی صورتِ حال سے باخبر رکھ سکے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ تم مسز ایلس گومز سے بات کر کے راس المیڈا کی نشانیاں معلوم کرو۔ اس نے فریڈم لاج میں اس خبیث کو بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ اس وقت صرف ایلس ہی ہماری مدد کر سکتی ہے۔"

"گڈ! تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان کی مسرت آمیز آواز آئی پھر اس نے بتایا "ایلس بہت اداس ہے۔ اس نے ابھی تک کسی چیز کی فرمائش نہیں کی لیکن اپنی بلی کے بارے میں بہت فکر مند ہے۔"

"بلی؟" میں نے حیرت سے دہرایا "یہ بلی کہاں سے پیدا ہوگئی؟"

البرٹو ویلیسا کے سدھائے ہوئے دھماکا خیز بندروں اور ایلین کے خوں خوار کتوں کے بعد ایلس کی بلی کا ذکر میرے لیے بہت زیادہ حیرت کا سبب بنا تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ ہمارا ہر مجرم کوئی نہ کوئی جانور پالنے کے خبط میں مبتلا تھا۔

"ہاں' وہ کالے رنگ کی ایک بڑی سی سیاہ بلی ہے جس کا نام پومی ہے" اول خان بتا رہا تھا۔ "وہ ایلس کی پالتو بلی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ بلی مل جائے تو وہ اس کے ساتھ مصروف رہ کر آسانی سے اپنا وقت گزار سکے گی۔"

"وہ بلی تم کہاں سے پیدا کرو گے؟ اس سے کہو کہ وہ کسی اور جانور کو سدھانے پر توجہ دے۔"

"میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ میں فریڈم لاج میں تلاش کراؤں گا۔ پومی وہاں موجود ہوئی تو ضرور اس کے حوالے کردی جائے گی۔ تم مشورہ دو تو میں یہ کوشش کر کے دیکھ لوں" اول خان ہنس رہا تھا۔

"مجبوری ہے۔ اس وقت ایلس بہت اہم ہے۔ ہمیں اسے خوش رکھنا ہوگا۔"

اول خان سے ملنے والی دونوں ہی اطلاعات عجیب و غریب تھیں۔ سخی مراد کے مکان کے گرد دو ہم قامت غیر ملکی دیکھے جا رہے تھے اور ایلس اپنی پالتو بلی کے لیے مری جا رہی تھی۔ اول خان نے ان دونوں باتوں کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر میں راس المیڈا سے لڑتے ہوئے ہر احتیاط سے کام لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہم لوگوں نے ابتدا میں راس المیڈا کی طاقت اور حیثیت کا بہت غلط اندازہ لگایا تھا اور اس سے عام مجرموں کی طرح نمٹنے کی کوشش کی تھی لیکن وقت گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ وہ جرائم کی ایک ایسی سلطنت کا حکمراں تھا جو جمی لائیڈ کی شی سے ہر اعتبار سے بڑی تھی۔

میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو اس گفتگو کے بارے میں آگاہ کردیا۔

ویرا ہر فون کال کے بارے میں گہرے تجسس کا مظاہرہ کرنے کی عادی تھی لیکن اس مرتبہ اس نے اول خان کے فون کی گھنٹی سن لینے کے بعد بھی باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"اندر جا کر دیکھیں کہ وہ کیا کر رہی ہے؟" غزالہ نے اس کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں غزالہ کی اسی ہدایت کا منتظر تھا۔ میں اس کے بند دروازے پر لمحے بھر کے لیے ٹھٹک گیا کیونکہ اندر سے دھیمے سُر میں سیٹی بجانے کی دلکش آواز آرہی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا اپنی کسی دُھن میں خاصی مگن تھی۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے چوبی دروازے پر دستک دی تو اندر سے کم اِن کی آواز آئی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ ویرا میرے سامنے تھی۔ میں مسحور نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ اس وقت گلابی رنگ کے پھول دار حریری لبادے میں ایک کرسی پر بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ اسکاچ کا گلاس اس کے داہنے ہاتھ میں تھا اور پیر شیشے کی میز پر رکھے ہوئے تھے۔ قدرت نے اسے بہت فیاضی سے ہر قسم کے حسن سے نوازا تھا۔ خدوخال سے لے کر اپنے پیکر تک وہ مرمر سے تراشے ہوئے ایک مجسمے کی طرح تھی لیکن اس وقت شبِ خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس نے اس کے وجود کی کشش کئی گنا بڑھا دی تھی۔

"دروازے پر رک کیوں گئے؟ اندر آجاؤ" اس نے بے پروائی سے پیر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو تم اچھے خاصے لباس میں تھیں۔ اس وقت شبِ خوابی کا لباس پہننے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"دل چاہ رہا تھا۔ یہ لباس تمہیں برا لگ رہا ہو تو باہر چلے جاؤ۔ بعد میں بات کرلینا۔"

"یہ سب کیا ہے؟" میں نے مسہری پر پھیلے ہوئے چند جوڑوں' سفری تھیلے اور ویرا کی روز مرّہ ضرورت کی متعدد اشیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہ کیا ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا "لمبے سفر کے لیے میری یہ تیاریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کراچی سے لندن یا فرینکفرٹ اور پھر وہاں سے دوسرے طیارے میں نیویارک کا سفر طویل ہوتا ہے۔ ویسے یہ سب تمہارا ہی لایا یا دلایا ہوا ہے۔ اعتراض ہو تو چھوڑ دوں؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم جانے کا یک طرفہ فیصلہ کر چکی ہو؟"

"فیصلے ہوتے ہی یک طرفہ ہیں۔ آدمی اتنا خود غرض ہوتا ہے کہ سارے فیصلے اپنی پسند اور ناپسند سے کرتا ہے۔ میں نے بہت سوچا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مجھے اپنا فیصلہ برقرار رکھنا چاہیے۔"

"تم نے فیصلہ کر ہی لیا تھا تو سوچنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"تم تینوں کا اصرار میرے دل پر بوجھ بن رہا تھا۔" اس نے ایک ادا سے مسکرا کے کہا۔

میرے دل پر تیر سے چل گئے مگر میں مسہری کے جس سرے پر تھا' وہیں ٹکا رہا اور پوچھا "تو کیا اب تم نے اس بوجھ کو اپنے دل سے اتار کر کچرے کے کسی ڈھیر پر پھینک دیا ہے؟"

"مجھے محسوس ہوا ہے کہ مسلسل تمہارے ساتھ رہنے کی وجہ سے میں تمہاری نظروں میں اپنی توقیر کھو بیٹھی ہوں۔ دور رہ کر کچھ عرصے بعد واپس آؤں گی تو تم میری زیادہ قدر کرو گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ جمی لائیڈ کے انتقام اور راس المیڈا کے انجام کی باتیں محض بہانہ تھیں؟"

"یہ کس نے کہا؟ میرے سفر کے اصل محرکات وہی ہیں۔ دوسری باتوں سے انہیں تقویت ملی ہے۔"

"دوسری باتیں نہ ہوتیں تو تم اپنے سفر کو کچھ عرصے کے لیے ملتوی کردیتیں؟"

اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ فی الحال اپنا ارادہ ملتوی کردو!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ حکم ہے یا التجا؟" اس نے ذو معنی تبسم کے ساتھ سوال کیا۔

"جو چاہو' سمجھ لو۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ اس کا وہ سوال بہت ٹیڑھا تھا۔

"مگر کس رشتے سے؟" اس وقت ویرا کی آنکھوں کی چمک بہت بڑھ گئی تھی۔

"دوستی کے رشتے سے۔" میری آواز اچانک ہی کمزور پڑ گئی تھی۔

"مرد اور عورت کے درمیان صرف تین رشتے ہوتے ہیں۔ ماں' جو میں ہو نہیں سکتی کیوں کہ ہم دونوں تقریباً ہم عمر ہیں۔ بیوی' جو میں بن نہیں سکتی کیوں کہ یہ عزت تم غزالہ کو دے چکے ہو۔ بہن اور بیٹی' جو تم کہہ نہیں سکتے کیوں کہ ہمارا دھندلایا ہوا ماضی ان لطیف رشتوں سے کوئی میل نہیں کھاتا۔ ان کے درمیان چوتھا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔" ویرا کی آواز اچانک تلخ اور کاٹ دار ہوگئی تھی "دوستی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کچھ بھی نہیں ہیں اور اگر ہم ایک دوسرے کے کچھ بھی نہیں ہیں تو تم مجھ سے التجا کرنے یا حکم دینے والے کون ہوتے ہو؟"

سب کچھ واضح ہوگیا تھا۔ وہ صرف اور صرف میری سرد مہری سے مایوس ہو کر واپس جا رہی تھی۔

"میں پھر کہوں گا کہ اپنا فیصلہ بدل دو۔ اس میں تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

اس نے ایک اور گھونٹ لیا' بائیں آنکھ دبا کر مسکرائی اور سرگوشیانہ آواز میں بولی "میں ایک شرط پر اپنا فیصلہ تبدیل کر سکتی ہوں ورنہ کل کراچی سے نکل جاؤں گی۔"

"میرے بس میں ہوا تو میں تمہاری شرط پوری کردوں گا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بہت محتاط لفظوں میں جواب دیا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ مجھ سے کھیل رہی تھی لیکن میں اس کے اُن کہے الزام سے بچنا بھی چاہتا تھا۔ مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے امریکا لوٹ جانے کی ساری ذمے داری میرے اوپر آجائے۔

"اسی وقت میرے پہلو میں آکر بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرک کر کرسی میں میرے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا۔

"غزالہ آگئی تو قیامت آجائے گی۔" الفاظ اضطراری طور پر میری زبان سے پھسلتے چلے گئے۔

وہ اپنا سر پیچھے جھکا کر تلخ آواز میں ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی تھمی تو اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا "مجھے معلوم تھا کہ تمہارا جواب یہی ہوگا۔ کچھ ہونے اور کچھ بھی نہ ہونے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ میں چوری کا مال نہیں ایک جیتی جاگتی عورت ہوں۔ تم تصور نہیں کرسکتے کہ جب تمہاری خواب گاہ کا دروازہ بند ہوتا ہے تو میرے دل پر کیا گزرتی ہے۔ کئی بار میں گھنٹوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس بند دروازے کو دیکھتی رہی ہوں لیکن ہر صبح میں نے مسکرا کر تم دونوں کا استقبال کیا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا حق چھین لیا گیا ہو۔ میں پہلے ہی تمہیں اور غزالہ کو بہت دکھ دے چکی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا یہ دبا دبا انتقامی جذبہ کسی روز آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔ میں تم دونوں کو مزید دکھ نہیں دینا چاہتی اسی لیے جا رہی ہوں مگر یقین رکھو کہ اپنی سوچ کا یہ زہر دھو کر میں جلد ہی واپس آؤں گی۔ میری طرف سے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی سمجھا دینا۔ سلطان شاہ بہت پیارا نوجوان ہے لیکن وہ اندر سے ایک بچہ ہے۔ فی الحال اسے محبوبہ کی نہیں' ایک ایسی آیا کی ضرورت ہے جو کبھی کبھی فیڈر بھر کر اس کی شکم پری کرا سکے......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا "ان باتوں کے ساتھ ساتھ میں تمہیں یہ بھی بتانے آیا تھا کہ سخی مراد کو چھوڑ دیا گیا ہے مگر وہ ابھی تک اپنے گھر نہیں پہنچ سکا اور دو لمبے تڑنگے مشتبہ سفید فام صبح سے اس کے گھر کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راس المیڈا اسے ایک لمحے کی مہلت بھی دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے آتے ہی دبوچنے کی کوشش کرے گا۔"

"تم اسے مار بھی لو تو مجھے سفر سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" اس نے کہا "میں نے تمہیں کھل کر اپنے دل کا حال بتا دیا ہے۔ یہاں سے میرا دل اچاٹ ہوگیا ہے۔ دعا کرو کہ میں

دربدر کی ٹھوکریں کھا کر جلد ہی تمہاری دہلیز پر لوٹ آؤں۔ تقدیر نے یاوری کی تو کچھ روز ڈٹ کر اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔"

"میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں۔ تم جانے پر تلی ہی گئی ہو تو کامیابیوں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔" یہ کہہ کر میں اٹھا اور تیزی کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

سلطان شاہ نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ میرا نشانہ خطا گیا تھا۔ میں ڈرائنگ روم میں شکست خوردہ انداز میں صوفے پر گر گیا اور انہیں بتایا "تم دونوں اسے چھیڑنے کی کوئی کوشش نہ کرنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موذی عورت کا دماغ سنک گیا ہے۔ اب اسے راس المیڈا کے انجام سے بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے۔ ہاں وہ بھاگ نکلا تو امریکا میں اسے ضرور گھیرے گی۔"

"وہ موذی ضرور ہے لیکن بلاوجہ نہیں سنک سکتی۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "یقیناً کوئی نہ کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ اس کی معافی تلافی ہو جائے تو وہ رک سکتی ہے۔"

"افلاطون مت بنو!" میں نے آنکھیں نکال کے کہا "وہ کل روانگی کے لیے اپنی پیکنگ کر رہی ہے۔"

"کل؟" سلطان شاہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا "وہ کل کیسے جائے گی۔ اس کا ٹکٹ بنا ہے' نہ سیٹ کنفرم ہوئی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم دونوں میں ہی کچھ ٹھنی ہوئی ہے۔ میں اس سے......"

"نہیں!" میں نے اس کی پوری بات سنے بغیر کہا "میں کہہ رہا ہوں کہ اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ورنہ بات بہت زیادہ بگڑ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت اپنا سفری تھیلا لے کر ائرپورٹ پر ڈیرا ڈال دے۔"

میرے بگڑنے پر سلطان شاہ خاموش ہو گیا لیکن اس کی آنکھوں میں تشویش کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

"اس کے بغیر یہ گھر اداس اور خالی خالی رہ جائے گا۔" غزالہ فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

میں مزید کچھ کہے بغیر بھنا کر وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ شاید وہ میرے اندر کا مجرمانہ احساس تھا جو ان کے ہمدردانہ تبصروں پر مجھے کچوکے لگا رہا تھا۔

گھر کی ہنستی کھیلتی فضا میں دیکھتے ہی دیکھتے کشیدگی اور اداسی سرایت کر گئی۔ چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ہر ایک بولنے میں بھی یوں کفایت سے کام لے رہا تھا جیسے ہنسنے بولنے پر بھی سیلز ٹیکس لگا دیا گیا ہو۔ سلطان شاہ کی سرگرمیاں مشکوک ہو گئی تھیں۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ بار بار میری نظریں بچا کر ویرا کے پاس جا گھستا تھا اور اس کی دل جوئی کی کوششیں شروع کر دیتا۔ اس معاملے میں شاید اسے غزالہ کی خوش نودی بھی حاصل تھی۔

چھ بجے اول خان کی طرف سے تین خبریں آئیں۔ سخی مراد اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ ایلس کی پالتو سیامی بلی فریڈم لاج سے برآمد کر کے اس تک پہنچا دی گئی تھی اور ایلس نے راس المیڈا کی چند واضح نشانیاں بتا دی تھیں۔

میرا اندازہ تھا کہ سخی مراد کو اپنے گھر پہنچنے میں بہت دیر لگ جائے گی جب کہ پومی کو بہت سرعت کے ساتھ فریڈم لاج کی حدود سے برآمد کر لیا گیا ہے۔

ایلس کی بتائی ہوئی نشانیوں میں سب سے واضح نشانی یہ تھی کہ راس المیڈا کے چہرے پر بائیں آنکھ کے سرے اور کان کے درمیان چنے کے دانے کے برابر سیاہ رنگ کا ایک مسّا موجود تھا جو دور ہی سے نمایاں نظر آتا تھا۔ وہ ایک اہم شناخت تھی اور مجھے حیرت تھی کہ راس المیڈا جیسا رازداری کا شوقین شخص اپنے چہرے پر ایک ایسی نشانی لیے پھر رہا تھا جسے ایک حقیر سی سرجری سے الگ کیا جا سکتا تھا۔

ساڑھے چھ بجے اول خان فلیٹ پر پہنچا تو میں حیران رہ گیا کہ وہ آدھے گھنٹے کی قلیل سی مدت میں اسٹیشن فور سے ہمارے گھر تک کیسے پہنچ گیا لیکن اس نے یہ بتا کر کہ اس نے مجھ سے راستے کے ایک پبلک بوتھ سے بات کی تھی' میری الجھن دور کر دی۔

اول خان کو ویرا کے ارادوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ آیا تو ویرا اپنے کمرے میں بند تھی۔ اول خان کا ذہن اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے ویرا کی غیر حاضری کو محسوس کیے بغیر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور میں فوراً ہی تیار ہو گیا۔

اس وقت گھر میں کشیدگی' گھٹن اور رازونیاز کی جو صورت حال پیدا ہو چکی تھی وہ میری برداشت سے باہر تھی۔ اول خان نہ آتا تو میں تھوڑی دیر میں خود ہی گاڑی لے کر شہر کی آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کی کھوپڑیوں پر اس وقت ویرا سے کسی مفاہمت کا بھوت سوار تھا اس لیے انہوں نے میری اور اول خان کی مختصر گفتگو میں کوئی دلچسپی لی' نہ خلاف معمول سلطان شاہ نے ہمارے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا ہو گا کہ میرے چلے جانے کے بعد اسے ویرا سے کھل کر بات کرنے کا موقع مل سکے گا۔

"مجھے راستے میں اطلاع ملی ہے کہ سخی مراد کے مکان کے قرب و جوار میں گھومنے والے دو میں سے ایک سفید فام کے چہرے کے بائیں حصے پر سیاہ مسّا موجود ہے۔" سفر شروع ہوتے ہی اول خان نے پُرجوش لہجے میں مجھے بتایا "زیادہ بھیڑ بھاڑ سے معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اوپر یہ بات نہیں بتائی تھی۔"

"شاید تم نے بتایا تھا کہ ان کے پاس بند اور تاریک شیشوں والی ایک کار ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں' شاید ان کی کار ائرکنڈیشنڈ ہے۔" اول خان نے روانی میں جواب دیا۔

"پھر راس المیڈا کے چہرے کا مسّا کیسے دیکھ لیا گیا؟" میں نے

سوال کیا۔

"یہ...... یہ تو میں نے نہیں پوچھا تھا۔ ابھی معلوم کیے لیتا ہوں۔" وہ گڑبڑا گیا۔

"اتنی عجلت نہ کرو۔" میں نے اس کے ہاتھ سے ایرٹیس واپس لے لیا اور کہا "اس معاملے میں کچھ اور باتیں بھی غور طلب ہیں۔ اگر وہ واقعی راس المیڈا ہے تو نگرانی جیسے معمولی کام میں کیوں الجھا ہوا ہے۔ یہ کام کسی اور سے بھی لیا جا سکتا تھا۔ جب سخی مراد کی واپسی کی اطلاع مل جاتی تو وہ خود میدان میں آجاتا۔"

"تمہاری بات معقول ہے۔ اتنے بڑے مجرم سے ایسی حماقت کی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن جب کسی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور وہ خود ہی آگ میں کود پڑتا ہے۔"

میں سگریٹ سلگا کر کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اول خان سے پوچھا "تمہارے پاس وہ ناکارہ ایرٹیس موجود ہے جس پر ہونے والی ہر بات راس المیڈا سن لیتا ہے۔"

"آج کل میں اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں کہ پتا نہیں کب اس کی ضرورت پڑ جائے یا راس المیڈا کا کوئی پیغام آنے لگے۔ وہ گلو کمپارٹمنٹ میں پڑا ہوا ہے۔"

"اب، ذرا اپنے آدمی سے پوچھو کہ اس نے راس المیڈا کا مسّا کیسے دیکھا تھا۔ یہ بھی معلوم کرنا کہ مکان کی نگرانی کرنے والے اس سے پہلے وہاں موجود تھے یا بعد میں نظر آئے تھے۔" میں نے کہا۔

اول خان نے فوراً ہی اپنے آدمی سے رابطہ کر کے اس کی رپورٹ طلب کی۔ اس نے بتایا کہ وہ سخی مراد کے مکان کے سامنے ایک اوٹ میں چھپا ہوا تھا لیکن پچھلے پندرہ بیس منٹ سے تاریک شیشوں والی مشتبہ کار غائب ہے۔ مکان میں کسی قسم کی کوئی ہلچل دیکھنے میں نہیں آرہی۔

"وہ کار تمہارے پہنچنے کے بعد وہاں دیکھی گئی تھی یا پہلے سے موجود تھی؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ شاید پہلے سے وہاں منڈلا رہے تھے۔ میں اپنے لیے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا تو میں نے پہلی بار اس کار کو دیکھا اور نظر انداز کر دیا مگر تاریک شیشوں اور غیر ملکی چہروں کی وجہ سے کار میرے ذہن میں محفوظ ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہی کار دوبارہ نظر آئی تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے پہلے اس مکان میں دلچسپی لے رہے تھے۔ جب تک مجھے پورا یقین نہیں ہو گیا میں نے ان کی موجودگی کی رپورٹ نہیں دی تھی۔"

"اور تمہیں ان میں سے ایک کا سیاہ مسّا کیسے نظر آیا تھا؟" اول خان نے اگلا سوال کیا۔

"مسّے والا پسنجر سیٹ پر سوار تھا۔ ایک مرتبہ وہ گاڑی کے ٹائروں کی ہوا دیکھنے کے لیے نیچے اترا تھا تو میں نے وہ سیاہ مسّا دیکھا تھا۔ اپنی طرف کے ٹائروں کو ٹھوکریں مارنے کے بعد وہ دوبارہ اندر بیٹھ گیا تھا۔"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ ضرورت پڑی تو دوبارہ بات کروں گا۔" "وہ کھلا ہوا دھوکا تھا۔" بات ختم ہو جانے پر میں نے اول خان سے کہا "راس المیڈا سمجھ چکا ہے کہ ہم اسے خبر دے کر سخی مراد کو رہا کر رہے ہیں تو اسے گھیرنے کے چکر میں ہیں۔ سخی مراد کے گھر کی نگرانی کرنے والے کسی بھی آدمی کو سامنے لانے کے لیے وہ گاڑی بہت پہلے سے ادھر گھوم رہی ہوگی۔ یہ ساری کارروائی اتنے بھونڈے انداز میں ہوتی رہی ہے کہ ہر بات خود بہ خود واضح ہے۔"

"مسّے والے کا گاڑی سے اترنا بھی اسی اسکیم کا حصہ رہا ہوگا۔" اول خان سوچتے ہوئے بولا "مگر راس المیڈا کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگ مسّے والے کو تلاش کر رہے ہوں گے؟"

"اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ فریڈم لاج سے پکڑے جانے والے اس سے ناواقف تھے مگر یہ بات ہر ایک جانتا ہوگا کہ سیاہ مسّے والا وہاں آتے ہی اپنا حکم چلانے لگا تھا اور وہی فساد کی جڑ تھا۔"

"اس سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تاریک شیشوں والی کار میں راس المیڈا خود سوار تھا۔"

"وہ یہ حماقت کر ہی نہیں سکتا۔ وہ خود ہوتا تو کبھی نیچے اتر کر ٹائروں کی ہوا نہ دیکھتا۔ یہ کام اس کے ڈرائیور کو کرنا چاہیے تھا۔ وہ اپنے جیسے قد و قامت والے کسی بھی سفید فام کے چہرے پر زنانہ میک اپ والی سیاہ پنسل سے ایسا داغ ڈال سکتا ہے جو دور سے دیکھنے پر مسّا معلوم ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ مارون یا ہیلی کاپٹر کا ہوا باز ہو۔ فرار ہوتے ہوئے راس المیڈا ان دونوں کو اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ وہ اب بھی اس کے لیے کام کر رہے ہوں گے۔"

"وہ فریڈم لاج میں قدم رکھے بغیر بھی اپنا کام چلا رہا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کا قونصل خانہ اسے بھرپور حمایت فراہم کر رہا ہے۔ آدمیوں کی فراہمی اس کے لیے بہت آسان ہے۔"

"یہ برا ہوا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ کار غائب ہو گئی ورنہ ہم ان دونوں کو ہی رگید سکتے تھے۔"

"کار کا غائب ہونا اس اعتبار سے برا ہوا کہ ہم نے راس المیڈا کی ڈی کو آزمانے کا موقع کھو دیا۔"

"آزمانے کا موقع؟ تم نے تو انہیں چھیڑنے سے منع کیا ہوا تھا۔" اول خان نے حیرت سے کہا۔

"ہم انہیں چھیڑے بغیر آزما سکتے تھے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ کار نگاہوں میں آتی تو میں ایرٹیس پر راس المیڈا سے رابطہ کرتا۔ اس کا جواب ملتے ہی اندازہ ہو جاتا کہ مشتبہ کار والا ڈمی ہے یا اصل راس المیڈا ہے۔ وہ اصل ہوتا تو ایرٹیس پر انجن کا شور سنائی دیتا اور پھر اس کی حرکات سے بھی ظاہر ہو جاتا کہ وہ بے کار بیٹھا ہوا ہے یا ایرٹیس استعمال کر رہا ہے۔"

"آج کل تم ضرورت سے زیادہ سوچنے اور بال کی کھال نکالنے لگے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"مجبوری ہے ورنہ کون اپنے ذہن کو بلاوجہ تھکانا پسند کرے گا۔ اور ہاں، ایک طرح سے مشتبہ کار کا غائب ہونا بہتر بھی ہے۔ طویل جائزہ لینے کے بعد وہ دونوں میدان صاف ہونے اور سخی مراد کے آجانے کی خبر لے کر گئے ہیں تو راس المیڈا کسی بھی وقت اپنے شکار پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔"

"کاش تمہارا یہ شگون درست ثابت ہو ورنہ آج کی محنت رائگاں جائے گی۔ میں تو مشتبہ کار میں راس المیڈا کی ڈی کی موجودگی کی خبر پا کر بہت خوش ہوا تھا اور تمہارا نمبر نہ ملنے پر دفتر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔"

"راس المیڈا کا معاملہ نہ ہوتا تب بھی تمہیں فلیٹ پر آنا ہی پڑتا۔" چند ثانیوں بعد میں نے کہا۔

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟" میرے لہجے نے اسے چونکا دیا۔

"ہاں۔ تمہاری چہیتی کی کھوپڑی الٹ گئی ہے۔ آج شاید تم اس سے آخری ملاقات کر سکو گے۔"

"کس چہیتی کی بات کر رہے ہو؟ میں عورتوں سے بہت دور بھاگتا ہوں۔"

"تم دیرا کو اپنی فورس میں نوکری دلوانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے مگر کسی وجہ سے اس کا دماغ اچانک ہی الٹ گیا۔ وہ کل امریکا جا رہی ہے اور اپنے اس فیصلے پر اڑی ہوئی ہے۔"

وہ انکشاف سن کر اول خان حیرت سے اچھل پڑا "وہاں وہ ماری جائے گی۔ اسے روکو، ہر قیمت پر روکو۔ یہ تم نے عجیب ہی خبر سنائی ہے۔ وہ ہر قدم پر ہمارے بہت کام آتی رہی ہے۔"

"تمہاری سب باتیں بجا ہیں لیکن اب وہ نہیں رکے گی۔ ملو گے تو تم بھی اسے سمجھا کر دیکھ لینا۔ اس کے چلے جانے کی خبر نے سب کو اداس اور پریشان کر دیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ بہت ضدی طبیعت کی مالک ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ وہ ایلس سے ضرور ملے گی۔ اس کے بیان پر وہ کیا کہتی ہے؟"

"وہ ایلس کو نہیں جانتی لیکن بوب سے واقف تھی۔ اصل خرابی ایلس کے بیان ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے امریکا جانا چاہتی ہے۔" میں نے بتایا۔

"لیکن جمی لائیڈ کے قتل کا اصل ذمے دار تو یہاں دندناتا پھر رہا ہے۔"

"اس نے راس المیڈا کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ وہ بچ نکلا تو پھر ورا اس کی خبر لے گی۔"

"اگر راس المیڈا کے بارے میں اس کی یہ سوچ ہے تو کیا وہ بڑے صدر سے ٹکرانے کا ارادہ رکھتی ہے؟" اول خان نے بالکل منطقی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بے اعتباری اور حیرت سے پوچھا۔

"وہ یہی کچھ سوچ رہی ہے۔ کہتی ہے کہ امریکا میں کچھ وقت گزار کر پاکستان لوٹ آئے گی۔"

"خدا کرے کہ وہ زندہ رہے اور لوٹ آئے لیکن میں اس کے بارے میں ایک بات ضرور کہوں گا۔"

میں اس کی رائے سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو گیا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا "اس بے چاری کے ساتھ تمہارا اور سلطان شاہ کا رویّہ اکثر بے رحمانہ ہو جاتا ہے۔ آپس کی نوک جھونک اور ہنسی مذاق حد سے بڑھ جائے تو تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لمحات میں وہ خود کو بالکل اکیلا محسوس کرتی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی اکتاہٹ نے اسے یہاں سے منتقل ہونے پر مجبور کیا ہو۔"

وہ پورے حالات اور پس منظر سے ناواقف تھا لیکن اس کا تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ میں جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کے ایرٹیس پر کال کا اشارہ آنے لگا۔

"سر! سخی مراد کا مکان دھماکوں سے اڑا دیا گیا ہے۔" رابطہ ہونے پر اول خان کے آدمی کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی "سیاہ رنگ کی ایک تیز رفتار کار اس مکان کے قریب آکر اچانک رکی۔ اس میں سے دو بم اندر اچھالے گئے اور دھماکوں سے پوری عمارت اڑ گئی۔ بم بہت طاقت ور تھے۔ فضا میں گرد اور دھواں ہی دھواں بھر گیا۔ میں پوری رفتار سے اس کار کا پیچھا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ میری موٹر سائیکل کا انجن میرا ساتھ نہیں دے سکے گا۔" اس خبر پر میں سن ہو کر رہ گیا۔

"تعاقب جاری رکھو اور پوزیشن بتاتے رہو۔ میں اسی طرف آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"یہ بہت برا ہوا۔" اول خان متاسفانہ لہجے میں بولا "اس نے وار کرنے میں حیرت ناک تیزی دکھائی ہے۔ سخی مراد کے ساتھ نہ جانے اور کتنے لوگ مرے ہوں گے۔"

ایرٹیس پر سیاہ کار کی پوزیشن آرہی تھی۔ اول خان اس کے مطابق راستہ طے کر کے تیز رفتاری سے موڑ پر موڑ کاٹتا جا رہا تھا۔ وہ جوش اور سنسنی کے عجیب لمحات تھے۔ میری دلی آرزو تھی کہ ہم سیاہ کار کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اول خان کا آدمی سیاہ کار کا فاصلہ بڑھنے کی خبر دے رہا تھا۔ پھر وہ کار اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ وہ پوری رفتار سے سیدھا بڑھتا چلا گیا لیکن آگے میدان بالکل صاف تھا۔ سیاہ کار ٹریفک کی آڑ لے کر راستے میں ہی کہیں مڑ چکی تھی۔

"کار کا نمبر کیا تھا؟" وہ ساری مشق رائگاں جانے کے بعد اول خان نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے مایوسانہ آواز میں پوچھا۔ اس کے چہرے سے اندرونی کرب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"کار کی نمبر پلیٹ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ میں آر فائیو سے آگے

کچھ نہیں پڑھ سکا۔"

"سیدھے اسٹیشن فور چلے جاؤ اور وہاں کی رپورٹ دو۔ میں شہر میں رکوں گا۔"

"سخی مراد اپنے ساتھ اپنے اہلِ خانہ اور شاید کچھ ملازمین کو بھی لے ڈوبا۔" تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔

"مجھے دکھ ہے کہ وقت کے ذرا سے فرق سے وہ سب بلاوجہ مارے گئے۔"

"بلاوجہ کوئی نہیں مارا جاتا۔ اسے تم مکافاتِ عمل کہہ سکتے ہو۔ ان سب کی پرورش حرام کی اسی آمدنی سے ہو رہی تھی جو سخی مراد کو حاصل ہوتی تھی۔ ولی داد کی طرح سب جانتے ہوں گے کہ ان سب کا کفیل کن ذرائع سے کما رہا ہے لیکن کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور آج وہ سب نہیں تو ان میں سے کافی مارے گئے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ راس المیڈا کا اندھا دھند حملہ تھا جس میں نشانہ لیے بغیر وار کیا گیا تھا۔ اگر مارے جانے والوں میں سخی مراد شامل نہ ہوا تو تمہارا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کا زندہ رہ جانا انصاف کے فطری اصولوں کے خلاف ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ راس المیڈا اس وقت سخی مراد کے مکان کے قریب ہی کہیں روپوش ہے جب ہی وہ اتنی جلدی وہاں تک پہنچ گیا۔" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ راس المیڈا اس وقت خود کو شہر میں کہیں بھی محفوظ تصور نہیں کرسکتا تھا۔ فریڈم لاج میں موت کے جبڑوں سے نکلنے کے بعد وہ صرف اور صرف قونصل خانے میں ہی پناہ لینے کا تصور کرسکتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے سخی مراد پر وار کرنے کے لیے اس کے مکان کے قرب و جوار میں واقع اپنے کسی ہم وطن کے گھر کو عارضی اڈے کے طور پر استعمال کیا ہو اور وار کرنے کے بعد دوبارہ اپنے مستقل مسکن کی طرف فرار ہو گیا ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو لڑتے ہوئے بے خوفی سے خطرات مول لیتے رہتے ہیں۔

ہم سخی مراد کے مکان کے کھنڈرات کے قریب پہنچے تو اس وقت بھی فضا گرد و غبار اور کثیف دھوئیں سے اٹی ہوئی تھی۔ وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکان کا بیشتر حصہ دھماکوں کی شدت سے مسمار ہو چکا تھا۔ اس وقت تک کوئی امدادی پارٹی جائے وقوع پر نہیں پہنچی تھی اور وہاں جمع ہو جانے والے دہشت زدہ تماشائیوں میں کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ملبے میں گھس کر زخمیوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتا۔ لوگوں کی چہ میگوئیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں موجود ہر شخص تیسرے دھماکے کے خطرات سے سخت خوف زدہ تھا۔

سخی مراد کا وہ گھر ایک کشادہ لیکن غیر مصروف سڑک پر واقع تھا۔ علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا بلکہ جا بجا خالی پلاٹ نظر آ رہے تھے۔ بیشتر مقامات پر تعمیراتی سرگرمیاں چل رہی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ ایسا علاقہ تھا جہاں کوئی بھی اجنبی دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر نگرانی وغیرہ کا کام سرانجام دے سکتا تھا۔

اول خان جوش اور انسانی ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر گاڑی سے اترا۔ دروازے مقفل کر کے ہم دونوں منہدم ملبے میں چند ہی قدم بڑھے تھے کہ گہرے دھوئیں نے نتھنوں کے راستے اول خان کے پھیپھڑوں پر حملہ کر دیا۔ بارود اور غبار کے مہلک ذرات کی سوزش سے اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبائے راستے سے ہی واپس لوٹ گیا۔

تماشائی اسے حیرت اور تحسین کی نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ کچھ بھی نہیں کرسکا تھا لیکن اہم بات یہ تھی کہ اس نے ایک نیک کام کرنے کی اپنی سی کوشش ضرور کی تھی۔

شدید کھانسی نے اول خان کو بے حال کر دیا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور ان سے پانی رواں ہو گیا تھا۔ میں اسے سہارا دے کر گاڑی تک لایا اور دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بٹھا دیا۔ مزدور طبقے کے کچھ لوگ ہماری گاڑی کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ میں نے وہاں مزید رک کر تماشا بننے کے بجائے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس بار میرا رخ اپنے گھر کی طرف تھا۔

"یہ بھی مکافاتِ عمل کا ہی ایک حصہ ہے۔" اول خان کی کھانسی تھم جانے پر میں نے دھیرے سے کہا۔

"خدا کی پناہ!" وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا "میرا سینہ ابھی تک جل رہا ہے۔ گیس ماسک کے بغیر کوئی بھی اندر قدم نہیں رکھ سکے گا۔"

"سخی مراد ملبے سے بچ گیا ہوگا تو دھوئیں سے دم گھٹنے کی وجہ سے مر جائے گا۔ اصولاً اسے مرنا ہی چاہیے۔ تم نے قدرت کی اس مرضی میں دخل دینے کی کوشش کی اور دھوئیں نے تمہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ میں تمہارے ساتھ تھا لیکن دھوئیں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا..... لاؤ ذرا گلو کمپارٹمنٹ میں سے دوسرا اپریٹس تو دو۔ دیکھتے ہیں کہ راس المیڈا اب کیا کہتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ہم اس سے غافل نہیں ہیں۔"

"یہاں ٹریفک ملے گا۔ گھر سے بات کرلینا۔" اس نے تقریباً ہانپتے ہوئے کہا۔ دھوئیں کے موذی اثرات سے نجات پانے کے لیے اس کے پھیپھڑوں کو اس وقت بہت زیادہ آکسیجن کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔

ہم گھر پہنچے تو غزالہ اور سلطان شاہ کی کوششوں سے جمود کچھ ختم ہوا تھا۔ ویرا عام لباس اور بہتر موڈ میں ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔ اول خان سیدھا اسی کی طرف گیا اور پُر خلوص لہجے میں بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم امریکا جانے کے لیے پر تول رہی ہو..... بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ وہاں جا کر تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

"سب کچھ جاننے کے بعد بھی میں یہاں بیٹھی رہی تو اپنے خون سے بے وفائی کروں گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے راس المیڈا کی کیا خبریں ہیں؟ ڈیٹی اس کے خاتمے کے بارے میں بہت پُرامید ہے۔" اس نے چالاکی سے بات بدل دی۔

"ہم اسی کے پیچھے گئے تھے۔ وہ سخی مراد کے مکان کو تباہ کر کے نکل گیا۔"

ویرا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ ایک بار پھر کسی چمکتی مچھلی کی طرح پھسل کر ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ وہ لومڑی کی طرح مکار اور بھیڑیے کی طرح خوں خوار درندہ ہے۔ جو شخص امریکا کے صدر کو اپنے ایک حلیف کے قتل پر مجبور کرسکتا ہو، وہ عام آدمی سے بہت مختلف ہوتا ہے اور اس سے اسی طرح نمٹنا پڑتا ہے۔ اسے یہاں سے نکل جانے دو۔ میں اسے اس کے گھر میں گھیر کر کسی خارش زدہ کتے کی موت ماروں گی۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ میرا مجرم ہے اور میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"اسے زبردستی یہاں سے نہیں نکالا جاسکتا۔" اول خان نے نفت سے کہا "تم امریکا جانے پر تلی ہی گئی ہو تو کوشش کر کے اسے بھی اپنے ساتھ لیتی جاؤ۔"

"خاموشی!" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "ذرا میں راس المیڈا کی مزاج پرسی کرلوں۔"

میں اپریٹس پہلے ہی آن کر چکا تھا۔ خاموشی ہوتے ہی بٹن دبا کر راس المیڈا کے لیے پیغام نشر کرنے لگا۔

"کیا بات ہے؟ تم بار بار مجھے کیوں پریشان کرتے ہو؟" دوسری طرف سے فوراً ہی راس المیڈا کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا کہ آخر کار تم نے وہی کیا، جس کی تم سے توقع کی جا رہی تھی۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا مگر پھر فوراً ہی بات میں ٹکڑا لگاتے ہوئے کہا "لیکن تمہارا نشانہ بہت خراب ہے۔ کئی ہلاکتوں کے باوجود سخی مراد زندہ ہے اور اس وقت سرکاری مہمان خانے میں ہے۔"

"نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا۔" اس کی سخت آواز میں بے یقینی تھی "اس کی خواب گاہ مکان کے اگلے حصے میں ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں نہیں بچ سکتا تھا۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم، تم صرف قیاس آرائی کر رہے ہو۔"

"میں پورے واقعے کا چشم دید شاہد ہوں۔ کیا تم انکار کرسکتے ہو کہ تم نے چلتی کار روک کر سخی مراد کے گھر پر دو طاقت ور دستی بم پھینکے تھے؟"

"تم وہاں تھے تو سامنے کیوں نہیں آئے؟ تم نے میرے لیے چوہے دان بنانے کی کوشش کی تھی۔"

"عین وقت پر گاڑی جواب دے گئی ورنہ تمہاری سیاہ کار بچ کر نہیں نکل سکتی تھی۔ ویسے اس کا نمبر دیکھ لیا گیا ہے اور اب تمہاری گردن پھندے سے بہت قریب ہو گئی ہے۔"

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا اور کہا "اس نمبر کی گاڑی تم عمر بھر ڈھونڈتے رہو گے۔ اس پر آگے پیچھے دو مختلف اور نامکمل نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔"

"دوسری بات یہ کہ تمہارے ڈمی کے چہرے پر بنایا ہوا مسا بہت ناقص تھا۔ میں اس کے ہاتھ پیر توڑ کر تمہارے پاس بھیج سکتا تھا لیکن میں نے محض تمہارے انتظار میں اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ خود کو نمایاں کرنے کی کوششوں میں اس نے بس سڑک پر ناچنے سے گریز کیا ورنہ وہ ساری احمقانہ حرکتیں کر گزرا تھا۔"

"زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش کرو گے تو تم خود ہی منہ کے بل گرو گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہمارے درمیان فیصلہ ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے۔" اس کی آواز بہت زیادہ تلخ ہو گئی۔

"ہمارے درمیان مقابلہ ہونے سے پہلے سرکاری ادارے تمہیں گھیر لیں گے۔ سخی مراد کے خلاف انہیں بہت سا مواد میں دے چکا ہوں۔ وہ اس سے باز پرس کریں گے اور تمہارا کھوج نکال لیں گے۔ سخی مراد کو یہ سمجھنے میں وقت نہیں ہوگی کہ اس پر ناکام قاتلانہ حملہ تم نے کرایا ہے۔"

"میں مان ہی نہیں سکتا کہ پاکستان میں کوئی سرکاری ادارہ سخی مراد پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔"

"یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک نصیب ساتھ دیتا ہے۔ بدنصیبی کا آغاز ہو جائے تو سب کچھ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تمہیں ایک بار راس المیڈا ثابت کر دیا گیا تو راڈنی آرک کے نام سے بنے ہوئے سفری کاغذات تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ اس بات کو لکھ لو کہ تم پاکستان سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

"رفتہ رفتہ تم بہت کچھ جان گئے ہو۔ اب تمہارا ہٹایا جانا گزیر ہو گیا ہے۔" اس کی آواز سرد غراہٹ میں تبدیل ہو گئی "تم سب کچھ کرسکتے ہو لیکن مجھے راس المیڈا ثابت نہیں کرسکو گے اور یہی تمہاری سب سے بڑی شکست ہوگی کہ کوئی تمہاری بات پر اعتبار نہیں کرے گا۔"

"تم کو شاید یاد نہیں رہا کہ تم نے فریڈم لاج میں اپنے خلاف ایک مضبوط گواہ چھوڑ دیا تھا۔"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟ ان تینوں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔ میرا نشانہ اتنا بے خطا ہوتا ہے کہ ایک گولی کھانے والا دوسرا سانس لینے کے قابل نہیں رہتا۔"

"میں ان تینوں کی نہیں، مس للی ہاروے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ! وہ سیامی بلی سے کھیلنے والی حسین بڑھیا! وہ تمہیں کیا بتا سکے گی۔"

"پھر تم اسے پہچان ہی نہیں سکے یا پھر تمہارے دوستوں نے تمہیں دانستہ اندھیرے میں رکھا۔ وہ حسین بڑھیا ریمی مارٹن یا بوب گومز کی بیوہ ایلس گومز کہلاتی ہے اور اس نے تمہارا سارا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔ اس کی کہانی پھیل گئی تو دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔"

لائن پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی۔ پہلی بار وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوا تھا۔

"اس نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" چند لمحوں کے بعد راس المیڈا کی آواز سنائی دی۔

"میرے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہاری سازشوں اور کرتوتوں سے وہ اتنی ہی باخبر تھی جتنا بوب گومز تھا۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے سینے میں کیسے کیسے راز پوشیدہ ہوں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں کسی عدالت کے کٹہرے میں نہیں ہوں کہ اپنے خلاف ثبوتوں اور گواہوں کی فکر کروں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں جو چاہتا ہوں' کر گزرتا ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے ارادوں پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتی۔ مجھے اس بڑھیا کو بھی مار دینا چاہیے تھا لیکن اس کے زندہ رہنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہو سکے تو اس کی گواہی پر میرے بلیک وارنٹ جاری کرادو۔"

ابتدائی جھٹکے کے بعد اس نے سنبھالا لے لیا تھا۔ دل کی طرح اس کے اعصاب بھی سخت تھے۔

"اس بھول میں نہ رہنا کہ تم امریکا میں ہو جہاں کا صدر اپنی انتخابی مجبوریوں کے تحت تمہارا ہر دباؤ قبول کرلیتا ہے۔ یہاں کا ایک عام شہری تمہیں اپنی ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دے گا۔"

"تمہارے ایک ایک لفظ سے حسرت اور بے بسی ٹپک رہی ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"یہ تمہیں آنے والا وقت بتائے گا۔ سفارتی مراعات زیادہ دیر تک تمہاری گردن نہیں بچا سکیں گی۔ اوور اینڈ آل۔" یہ کہہ کر میں نے اپریٹس بند کردیا۔

"اس وقت کی گفتگو نے اندر سے اسے ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔" اول خان نے کہا۔

"یہ احساس ہی بہت جان لیوا ہوتا ہے کہ موت انسان کا تعاقب کررہی ہو۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "اس وقت تم نے راس المیڈا کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا ہے۔ تم کو خود سے اتنا قریب محسوس کرکے وہ واقعی خوف زدہ ہوگیا ہوگا۔"

"اس کا خوف زدہ ہونا کافی نہیں ہے۔ وہ کافی دنوں سے یہاں دندناتا رہا ہے۔ اب اس کا کھیل ختم ہونا چاہیے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "اس وقت اس کا نیا سراغ ملنا ضروری ہے۔"

"یہ باتیں چلتی رہیں گی۔" اول خان نے اچانک کہا "کل ویرا یہاں سے جارہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج کے بعد ایک طویل مدت تک ہم پانچوں کو یوں مل کر بیٹھنا نصیب نہ ہو۔ ہمیں اس وقت کو بہترین طریقے پر استعمال کرنا چاہیے۔ میرے خیال میں بہترین صورت یہ ہوگی کہ ہم سب مل کر ایک بار پھر ویرا کو منانے یا سمجھانے کی کوشش کریں تاکہ یہ پاکستان سے امریکا جانے کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔"

"نہیں!" ویرا نے سخت لہجے میں کہا "اس بارے میں بہت باتیں ہوچکی۔ اب انہیں دہرانا بے سود ہے۔ میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ جانے کا فیصلہ میرا اپنا ہے۔ اس کے لیے کسی کو الزام نہ دیا جائے۔"

"پھر ہم آج مل کر باہر کھانا کھاتے ہیں۔" سلطان شاہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم سب کا ایک ساتھ باہر نکلنا حکمتِ عملی کے خلاف ہوگا۔ تم ہوٹل سے اپنی پسند کا کھانا لے آؤ۔ ہم مل کر گھر ہی میں کھالیں گے۔" اول خان نے نرمی سے اس کی تجویز مسترد کردی۔

سلطان شاہ خوشی سے ہر ایک کی فرمائش معلوم کرنے میں مصروف ہوگیا۔

"میرا امیگریشن کا ایک مسئلہ ہے" ویرا نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "میں ماریانا گبرائیل کے نام سے تین ماہ کے ویزے پر یہاں آئی تھی مگر میرا قیام کئی سالوں پر محیط ہے۔ اس سلسلے میں تم میری کوئی مدد کرسکو تو بہتر ہوگا ورنہ مجھے ائرپورٹ پر رشوت کا ہتھکنڈا استعمال کرنا پڑے گا۔"

"یہ کوئی کام نہیں ہے' تم اپنا پاسپورٹ میرے حوالے کردو۔" اول خان نے کہا۔

"پھر ٹکٹ بھی تم ہی کرادینا" اول خان سے یہ کہتے ہوئے میں نے غزالہ کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر اندر گئی اور ایک لاکھ کے نوٹوں کی ایک گڈی اول خان کے حوالے کردی۔

"ابھی امریکا کے ٹکٹ اتنے مہنگے نہیں ہوئے ہیں" اول خان بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے بولا۔

"یہ سب ٹکٹ کے لئے نہیں ہیں" میں نے کہا "جو رقم بچے' اس کے ڈالر منگوالینا۔ ویرا کو اپنے اخراجات کے لئے بھی ضرورت ہوگی۔"

"اخراجات کی فکر نہ کرو۔ پاکستان میں میرے سارے اخراجات تم لوگ ہی اٹھاتے رہے ہو۔ میرے پاس ہزار' بارہ سو ڈالر پڑے ہوئے ہیں جو ابتدائی اخراجات کے لئے کافی ہوں گے پھر امریکا میں ہی گزارے کا کوئی نہ کوئی بندوبست ہوجائے گا" ویرا نے تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے بندوبست ہوجائے گا؟" اول خان نے اسے گھور کر پوچھا "نوکری کروگی وہاں؟"

ویرا' اول خان کے اس سوال پر دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔ "جمی لائیڈ کے زمانے میں مجھے پورے امریکا کے زیرِ زمین حلقوں میں زبردست شہرت حاصل تھی۔ وہاں بے شمار غیر قانونی کاروبار چلانے والوں میں سیکڑوں ایسے شریف بدمعاش ہوں گے جو جمی لائیڈ کے ذاتی احسانات کی وجہ سے میرا احترام کریں۔ میں جہاں بھی گئی' خاطر تواضع کے ساتھ دو چار ہزار ڈالر لے کر اٹھوں گی۔

ہماری لائن کے لوگ نوکریاں کرتے ہیں نہ ایسی پابندیاں انہیں راس آتی ہیں پھر بھی زندگی ٹھاٹ سے بسر ہوتی ہے۔"

"پھر بھی تم ڈالر منگوالو۔ یہ ہماری طرف سے ویرا کے لئے ایک حقیر تحفہ ہوگا" اول خان سے بات کرکے میں ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "تمہیں معلوم ہے کہ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم میرے پاس موجود ہے۔ تم چاہو تو مزید رقم لے سکتی ہو۔"

"مجھ سے زیادہ اس رقم کی ضرورت تمہیں اور غزالہ کو ہے" اس نے ایسے لہجے میں کہا جس کی کسک میرے سوا شاید کسی اور کو محسوس نہ ہوسکی ہو۔

"یہاں جو کچھ ہے' اس پر سب کا برابر کا حق ہے۔" غزالہ نے مسکرا کر ویرا کو جواب دیا "تم واپس آؤگی تو اپنا حصہ محفوظ پاؤگی۔ ہم قناعت پسند لوگ ہیں۔ زیادہ اسراف نہیں کریں گے۔"

اسی وقت مجھے یاد آیا کہ اول خان کے آدمی نے اسٹیشن فور پہنچ کر اسے کوئی رپورٹ نہیں دی تھی۔

اول خان باتوں میں لگ کر اسٹیشن فور کو بھول ہی گیا تھا لیکن اسٹیشن فور کے ساتھ ہی اسے اپنا وہ آدمی یاد آگیا جو سیاہ کار کے ناکام تعاقب کے بعد اپنی موٹر سائیکل پر اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اول خان کو یقین تھا کہ وہ اسٹیشن فور پہنچ گیا ہوتا تو سب سے پہلے اپریٹس پر اس سے رابطہ کرتا۔ اس کی طرف سے رپورٹ نہ ملنے کا ایک ہی سبب ہوسکتا تھا کہ اسے راستے میں کوئی حادثہ پیش آگیا ہو یا راستے میں اس کی موٹر سائیکل جواب دے گئی ہو۔ اس نے پہلے اپنے آدمی کی خیر خبر لینے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ کافی دیر تک اس کے لیے پیغام دیتا رہا لیکن دوسری طرف مکمل سکوت چھایا رہا۔ وہ صورتِ حال پریشان کن تھی۔ اول خان کی پیشانی پر پُرتشویش لکیروں کا ایک جال سا پھیلتا چلا گیا۔

ادھر سے مایوس ہو کر اول خان نے فون پر اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو ادھر سے انگیج ٹون سنائی دے رہی تھی۔ دوسرے نمبر پر بھی یہی کیفیت طاری تھی۔ اول خان پُرتشویش اور ہیجان کے عالم میں باری باری دونوں نمبر ملانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اپنے دفتر کے کسی آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دم سب رابطے کیسے ختم ہوگئے۔" وہ دونوں ہاتھ اپنی پشت پر باندھ کر اضطراری حالت میں ٹہلتے ہوئے بڑبڑایا "اپریٹس والا لاپتا ہے۔ فون مسلسل انگیج ہیں۔"

اس کی بڑھتی ہوئی پریشانی دیکھ کر میں فون ملانے کی کوشش کرنے لگا لیکن میری کوششیں بھی بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ سب کے ہنستے مسکراتے چہروں پر اچانک تشویش اور پریشانی کے سائے لہرانے لگے۔

اس وقت تک سلطان شاہ کھانے کا ساز و سامان لینے کے لیے جاچکا تھا۔

"عجیب اور لرزہ خیز اتفاق ہے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اول خان سے کہا "تم ٹیلی فون کے محکمے سے معلومات کیوں نہیں لیتے؟"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے فون کی طرف لپکا اور اس محکمے کے کسی خاص افسر کا نمبر ملانے لگا۔ محکمۂ ٹیلی فون کے شکایات کے عام نمبروں کے برعکس وہ نمبر فوراً ہی مل گیا۔ اول خان نے کسی کوڈ کے حوالے سے اپنے نمبروں کے بارے میں استفسار کیا تو لائن ہولڈ کرانے کے تقریباً ڈیڑھ منٹ بعد اسے بتایا گیا کہ انسٹرومنٹس کے ریسیور غلط رکھے ہوئے تھے یا پھر تاروں کے کنکشن خراب ہوگئے تھے۔ اول خان کی استدعا پر فوراً ہی عملہ بھیجنے کا وعدہ کرلیا گیا۔

اگر ایک نمبر کی بات ہوتی تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ریسیور غلط رکھا گیا ہوگا لیکن وہاں دونوں لائنوں کا ایک ہی حال تھا۔ وہ صرف ریسیور کی بات نہیں تھی' کوئی اور ہی گڑبڑ تھی۔

"مجھے وحشت ہورہی ہے۔ میں دفتر جارہا ہوں۔" اول خان نے ٹہلتے ٹہلتے کہا۔ اندرونی خلفشار اور پریشانی کے باعث اس کی پیشانی پسینوں میں ڈوب چکی تھی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس ڈرامائی صورتِ حال پر سب دم بخود رہ گئے تھے۔

ہم دونوں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

"سر! یہ ڈپٹی صاحب کا گھر ہے؟" ایک سخت اور کمزوری آواز میرے کان میں گونجی۔

"اول خان صاحب کو تلاش کرکے خبر کردیں کہ اسٹیشن پر بڑا حادثہ ہوگیا ہے۔ میرا نام ہیر علی ہے۔ میں نے ان کے گھر بھی پیغام چھوڑ دیا ہے۔ فون ناکارہ ہوگئے ہیں۔ میں سہراب گوٹھ چنگی سے فون کررہا ہوں۔"

اپنے فطری تجسس کی وجہ سے میں درمیان میں دخل دیے بغیر اس کی پوری بات سنتا رہا پھر کہا "میں اول خان سے بھی بات کراتا ہوں مگر وہاں کیا حادثہ ہوا ہے؟"

"صاحب! سیاہ بلی زبردست دھماکے سے پھٹ گئی......"

میں نے اتنی بات سنتے ہی ریسیور اول خان کی طرف بڑھا دیا۔

میرے ذہن میں اچانک راس المیڈا کا ایک فقرہ گونجنے لگا۔

اس نے ایلس گومز کے لیے خاص طور پر بلی سے کھیلنے والی حسین بڑھیا کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ کہیں وہ مجھے کوئی بات جتانی تو نہیں چاہ رہا تھا!

میں نے خاموشی سے ہیرعلی کا پیغام سنا تھا اور اپنی زبان سے کچھ کہے بغیر ریسیور اوّل خان کے حوالے کردیا تھا۔

ہیرعلی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا' وہ بہت ہولناک تھا۔ اگر ایلس گومز کی سیامی بلی اسٹیشن فور میں دھماکے سے پھٹ گئی تھی تو حادثہ یقیناً سنگین رہا ہوگا۔ اس دھماکے کی تباہ کاری کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ اسٹیشن فور کے فون ناکارہ ہوچکے تھے اور ہیرعلی کو اوّل خان سے رابطہ کرنے کے لیے سراب گوٹھ کی چنگی تک آنا پڑا تھا۔

ایلس نے نہایت معصومانہ بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے اوّل خان سے پوسی نامی اپنی سیامی بلی کی تلاش کی فرمائش کی تھی جو چند گھنٹوں میں پوری کردی گئی تھی۔ مجھے پوسی کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس وقت ہوا تھا جب راس المیڈا نے ایلس کے لیے سیامی بلی سے کھیلنے والی حسین بڑھیا کا استہزائیہ فقرہ استعمال کیا تھا لیکن اس وقت بھی یہ بات میرے سان وگمان میں نہیں آسکی تھی کہ پوسی پالتو بلی کے روپ میں کوئی بارودی ہتھیار بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

اول خان نے ہیرعلی کی زبان سے اسٹیشن فور پر رونما ہونے والے المناک سانحے کی خبر سنی تو وہ بے اعتباری سے تقریباً چیخ اٹھا۔ اس کے اضطراری ردِعمل نے دوسروں کو بری طرح چونکا دیا تھا۔

فون پر اوّل خان کے سوالات بے ربط اور کم وبیش بالکل وہی تھے جو وہ بری خبر سننے کے بعد میرے ذہن میں پیدا ہوئے تھے۔ میں اوّل خان کا کہا ہوا ہر لفظ سن رہا تھا مگر ہیرعلی کے جوابات میری سماعت کی دسترس سے باہر تھے۔

ہیرعلی' اوّل خان کے آدمیوں میں یقیناً کسی اہم مرتبے کا مالک تھا۔ ان دونوں کی گفتگو بہت زیادہ طویل نہیں تھی۔ اسٹیشن فور کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کرنے کے بعد اوّل خان نے اسے امدادی کارروائیوں کے بارے میں مختصر مگر جامع ہدایات دیں اور فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اس وقت وہ اپنے بشرے سے بہت فکرمند نظر آرہا تھا۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ سب کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں لیکن کوئی بھی اس سے سوال کرنے میں پہل کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

"ایلس میرے اندازوں کے برعکس بہت چالاک اور مکار عورت ثابت ہوئی" چند ثانیوں کے اعصاب شکن سکوت کے بعد اوّل خان نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا "پوسی نامی سیامی بلی کے بارے میں اس کا اضطراب بلاسبب نہیں تھا۔ اس نے اپنی سادگی سے مجھے بے وقوف بنایا اور میں نے فریڈم لاج کے کھنڈرات میں سے وہ بلی تلاش کرکے اس تک پہنچادی۔۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ اسے اپنا انجام نظر آنے لگا تھا اور اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی کی ہے۔ اپنی یہ غلطی مجھے مدتوں یاد رہے گی۔"

"تمہارے آدمیوں کو بھی نقصان پہنچا ہوگا؟" ویرا نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

اوّل خان نے لمحہ بھر کے لیے ویرا کی طرف دیکھا پھر ملول آواز میں بتایا "ایلس کے چیتھڑے اڑگئے۔ میرے دفتر اور اس سے ملے ہوئے تین کمروں سمیت' پوری بیرک ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا کوئی آدمی اس حادثے میں کام نہیں آیا۔ صرف تین آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ وہ تینوں بیرک اور اس کے برآمدے سے باہر کھلی فضا میں بیٹھے ہوئے' دور سے ایلس کے کمرے کی نگرانی کررہے تھے۔ انہیں دھماکے سے اڑنے والے ملبے سے نقصان پہنچا ہے۔ وہ براہِ راست دھماکے کی زد میں آئے ہوتے تو ایلس کی طرح ان کا بھی پتا نہ چلتا۔"

وہ تفصیل سن کر میری جان میں جان آئی۔ ہیرعلی نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا' اس میں جھوٹ کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا لیکن اس کے الفاظ نے مجھے دہلادیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید سیامی بلی کے دھماکے نے پورے اسٹیشن فور ہی کو اڑادیا تھا مگر وہاں کی صورتِ حال اتنی زیادہ خراب نہیں تھی۔ وہاں ہونے والے مالی نقصان کا تخمینہ جو کچھ بھی رہا ہو' یہ بات اطمینان بخش تھی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کا اصل اثاثہ اس کے جوان ہی تھے جن کا کوئی بدل نہیں تھا۔ سازوسامان اور عمارت تو پیسے کے بل پر دس بار حاصل کی جاسکتی تھی۔

"ذرا سی دیر ٹھہرو!" اوّل خان کو روانگی پر آمادہ پاکر میں نے آہستگی سے کہا "تم خود بتارہے ہو کہ وہاں کسی کو خطرناک زخم نہیں آئے ہیں۔ تمہارے آدمی زخمیوں کی دیکھ بھال کرلیں گے۔۔۔۔ چند منٹ میں' میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ بس ذرا سلطان شاہ کو آجانے دو۔"

"سلطان شاہ کا انتظار بے سود ہے۔ اب مجھ سے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا جائے گا" اوّل خان بولا "وہ آئے تو تم لوگ مل جل کر میری کمی پوری کرلینا۔ میں جب تک اسٹیشن فور نہیں پہنچوں گا' بے چین رہوں گا۔"

"لاحول ولا قوۃ!" اوّل خان کی اس نکتہ آفرینی نے میری طبیعت بے مزہ کردی اور میں نے فوراً ہی کہا "اس وقت ہم میں سے کوئی بھی کھانا زہرمار نہیں کرسکے گا۔ میں سلطان شاہ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔"

میرے جواب نے اوّل خان کو شرمندہ کردیا مگر وہ ڈرائنگ روم میں ٹک کر کہیں بیٹھنے کے بجائے مضطربانہ انداز میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلے جارہا تھا۔

"تم نے اس واقعے کو کس بنا پر ایلس کی خودکشی کی واردات قرار دیا ہے؟" تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا۔

"اس نے بلی کی تلاش کے لیے میری خوشامد کی تھی۔ وہ دیکھ

اسٹیشن فور کے بھاری پہرے میں اس کی کوئی کارروائی نہیں ہوسکے گی۔ دوسری طرف اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے بدن کے کسی حصے میں کوئی ایسا ڈیٹونیٹر وغیرہ موجود کے ساتھ بہت کچھ اڑا سکتا ہے۔ بلی پر قابو پانے کے بعد اپنے فیصلے پر بہت اچھی طرح غور وخوض کیا اور پھر خودکشی کرلیا۔ اس واقعے کے بارے میں اس کے سوا کوئی اور بات نہیں جاسکتی" اوّل خان روانی سے کہتا چلا گیا۔

ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے اس کی تائید کی "اس واقعے المیڈا سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ پوسی' ایلس کی پالتو بلی راس المیڈا کے فریڈم لاج پہنچنے سے پہلے وہاں رہ رہی تھی' ہے کہ بوب گومز ہی نے کسی برے وقت میں اپنی اور ایلس کی خاتمے کے لیے اس سیامی بلی کے جسم میں کوئی طاقت ور نصب کرائی ہو۔ وہ راس المیڈا کے ہاتھوں مارا گیا۔ ایلس سے واقف تھی۔ اس نے عذاب میں گھر کر زندہ رہنے کے کے ذریعے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔"

"اس وقت یہ حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو میں راس المیڈا کے کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔" اوّل خان متاسفانہ لہجے میں بولا۔ بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔ اسے پتا چلنا چاہیے کہ کی سرزمین پر وہ اس طرح اپنی من مانیاں نہیں کرسکتا جس ریکا میں کرتا پھرتا ہے۔"

تم اس وقت بھی اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو" میں نے سایا۔

تم میری ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے" اس نے لمحہ بھر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے رکھنے کے بعد جواب دیا۔ ن فور کے فون بند ہونے کا سبب سامنے آچکا ہے۔ اب مجھے ں آدمی کی فکر ہے جو سخی مراد کے گھر پر بموں سے حملہ کرنے ا کار کے ناکام تعاقب کے بعد اسٹیشن فور جارہا تھا۔"

اوہ!" میرے منہ سے ایک بے ساختہ اور تحیرزدہ آواز نکلی۔ یہ تھی کہ میں عارضی طور پر اس شخص کو یکسر فراموش تھا۔

اس کے پاس ایریٹس تھا" اوّل خان نے اپنی بات جاری اگر موٹرسائیکل جواب دے گئی تھی تو وہ شہر کے آخری حصے اپنے ٹرانسیٹر پر مجھ سے رابطہ کرسکتا تھا۔ یہ کیسا عجیب ہے کہ اسٹیشن فور کے فون ایلس نے ناکارہ کردیے اور میرا آدمی پراسرار طور پر غائب ہے۔"

ت ذرا سی بے رحمانہ تھی مگر میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ ے ملک کے بالائی علاقوں کی طرف جانے والے بھاری ریلرں اور دوسرے تمام ٹریفک کے لیے نیشنل ہائی وے اب گوٹھ کے دو ہی راستے تھے۔ ان میں سے سپرہائی وے شعمال ہوتی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں اوّل خان کا موٹر سائیکل سوار آدمی کسی حادثے کا شکار نہ ہوگیا ہو مگر میں نے اوّل خان پر اپنا یہ خیال ظاہر نہیں کیا۔

"موٹرسائیکل غیر محفوظ سواری ہوتی ہے" ویرا نے اسے تسلی دی "اس پر تیز رفتاری سے سفر کرنے والے کی جیب سے کوئی بھی چیز گرسکتی ہے۔ ٹرانسیٹر ایک نازک اور حساس آلہ ہوتا ہے۔ وہ۔۔۔۔"

اوّل خان اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا "وہ کوئی عام موٹرسائیکل سوار نہیں تھا۔ دشمن کے مقابلے پر میدان میں اترے ہوئے جیالوں کو اپنے مواصلاتی آلات ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ مواصلات کا سلسلہ برقرار رہنے یا ٹوٹ جانے پر ہی ہر بڑی اور چھوٹی لڑائی میں ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔"

اوّل خان کے اس سخت جواب پر ویرا نے چپ سادھ لی اور کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

میں اوّل خان کی لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی بے چینی کو بھانپ رہا تھا۔ سلطان شاہ کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ اپنے سامنے خورونوش کی تازہ اشیا بنوانے کا فیصلہ کرلیتا تو اس کی واپسی میں دیر لگ سکتی تھی۔ میں نے فیصلہ کرکے اپنی جگہ چھوڑ دی اور غزالہ سے کہا "سلطان شاہ آجائے تو اسے گھر میں روکے رکھنا۔ وہ جہانگیر کی بھی خیر خبر لے لے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں سخی مراد نے اپنے لوگوں کو یہ نہ بتادیا ہو کہ دلی داد' جہانگیر کو گھیرنے کے نتیجے میں کسی آفت کا شکار رہا ہے۔"

میری اس بات پر اوّل خان چونک پڑا "تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ اس وقت سخی مراد کے حامی تمہارے لیے راس المیڈا سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔ ابھی تو یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ راس المیڈا کے کیے ہوئے دھماکوں میں سخی مراد زندہ بچا ہے یا مرچکا ہے' تمہیں گھر پر ہی رکنا چاہیے۔"

"نہیں' میں تمہارے ساتھ اسٹیشن فور چل رہا ہوں" میں نے اصرار کیا۔

"تم یہیں رکوگے" اوّل خان نے سختی سے یہ کہتے ہوئے اپنا ایریٹس نکال کر میری طرف بڑھادیا "میں اسٹیشن فور پر وہاں کے مسائل میں گھرا رہوں گا۔ یہ تم رکھ لو' موٹرسائیکل والے کا نام اسرار ہے۔ اس کا کوئی بھی پیغام آئے تو تم اپنے طور پر فیصلہ کرکے عمل کرڈالنا۔"

شہر سے باہر' اسٹیشن فور میں اوّل خان کی ضرورت تھی اور شہر میں بھی کئی معاملات توجہ طلب تھے۔ چند ثانیوں کی بحث کے بعد مجھے ہتھیار ڈالنے پڑگئے اور اوّل خان اکیلا ہی اسٹیشن فور کے لیے رخصت ہوگیا۔

"اب میرے پاسپورٹ اور ٹکٹ کا کیا بنے گا؟" اوّل خان کے چلے جانے کے بعد ویرا پُرتشویش لہجے میں بولی۔

اوّل خان بے دھیانی میں ایک لاکھ کے نوٹوں کی گڈی اپنے

ساتھ لے گیا تھا لیکن ویرا کا پاسپورٹ اس کے حوالے کرنے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہم لوگوں کے پاس گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی بیشتر رقم ڈالروں کی صورت میں موجود تھی۔ ہم اس میں سے نسبتاً چھوٹی رقمیں اپنی ضروریات کے لیے مقامی کرنسی میں تبدیل کراتے رہتے تھے۔ ویرا کو ضرورت ہوتی تو ہم کسی دقّت کے بغیر اسے ڈالروں کی صورت میں خطیر رقم دے سکتے تھے۔

"ٹکٹ بنوانا شاید اتنا بڑا مسئلہ نہ ہو لیکن تمہارے پاسپورٹ پر ویزے کی مدت سے زیادہ قیام کا کوئی نہ کوئی قانونی جواز موجود ہونا چاہیے۔ یہ کام صرف اوّل خان ہی کے بس کا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میری دانست میں ٹکٹ کا معاملہ بھی اتنا سیدھا نہیں ہے۔ بین الاقوامی پروازوں پر ٹرینوں کی طرح رش رہنے لگا ہے۔ مجھے کل کا ٹکٹ ملنے کی اب کوئی امید نہیں رہی۔ پتا نہیں اوّل خان کو اپنی الجھنوں سے کب تک فرصت مل سکے گی۔ اس وقت تو اس سے اس بارے میں بات بھی نہیں کی جاسکتی" ویرا کی آواز سے مایوسی مترشح تھی۔

"تم ایک اور بات بھول رہی ہو" میں نے اسے یاد دلایا "آج کل کے سفری قوانین کے تحت ویزے پر بین الاقوامی سفر کرنے والوں کو دو طرفہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ تمہاری شہریت امریکا کی ہے۔ تمہیں یہاں سے نیویارک تک کا ٹکٹ بنوانے میں دشواری پیش آئے گی۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے" اس نے بے فکری سے کہا "میں چارٹرڈ پرواز سے یہاں آمد کا ذکر گول کرکے ٹکٹ گم ہوجانے کا بہانہ کرکے ٹکٹ بنواسکتی ہوں۔ اوّل خان کے لیے یہ باتیں رکاوٹ نہیں بنیں گی۔"

جب تک اوّل خان ہمارے ساتھ موجود رہا' ہمارے ذہن اسپیشل ٹاسک فورس کے مقامی ٹھکانے پر رونما ہونے والے روح فرسا واقعے میں اس بری طرح الجھے رہے کہ ہم اپنی ساری ضروریات کو فراموش کربیٹھے تھے لیکن اس کے چلے جانے کے بعد ہماری فطری ضروریات رفتہ رفتہ سر ابھارنے لگیں۔

"پتا نہیں یہ سلطان شاہ کہاں مرگیا" اس بارے میں سب سے پہلے ویرا نے اپنی زبان کھولی تھی "معلوم ہوتا ہے کہ بکرے ذبح کراکے کھانا تیار کرا رہا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ اوّل خان اس کا انتظار کرنے کے بجائے چلا گیا۔"

"یہی حال میرا بھی ہے" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔"

"اوّل خان یہ باتیں سن لے تو تم دونوں کی منافقت پر اپنا سر پیٹ لے گا" میں نے طنزاً کہا۔

"یہ منافقت نہیں' سچائی ہے" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"دنیا میں انسانی ضرورتوں میں صرف دو ہی اٹل سچائیاں ہیں اور بھوک۔ یہ ہر جگہ اور ہر حال میں ستاتی ہیں۔ مرنے وا لواحقین میت کے گرد سوکھا منہ بناکر غم کے آنسو بہاتے ہیں لیکن موقع پاکر بازار میں کھسک جاتے ہیں اور پھر آتش کرکے دوبارہ میت کے سرہانے سے لگ کر بیٹھ جاتے حال۔۔۔"

وہ چونک کر خاموش ہوگئی کیونکہ اوّل خان کے ہوئے مخصوص ٹرانسمیٹر پر کال آنے کا اشارہ موصول ہوا سب کے لیے وہ ایک اہم پیش رفت تھی۔ میں نے ٹرانسمیٹر آن کردیا۔

دوسری طرف سے اسپیشل ٹاسک فورس کا اسرار ہی تھا۔

"میں ڈیپی بول رہا ہوں۔ تمہارا باس تھوڑی دیر پہلے فور گیا ہے۔ تم کہاں غائب ہو؟" میں ایک ہی سانس میں پوری کرتا چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں باس کی ہدایت پر عمل کر بجائے دوبارہ سیاہ کار کے پیچھے لگ گیا۔ وہ مجھے اچانک ہی سے نکلتی نظر آئی اور میں اس کے پیچھے ہولیا" اسرار نے بتایا۔

"لیکن تم نے کوئی پیغام کیوں نہیں دیا؟ باس تمہارے میں پریشان تھا۔"

"سر! میں مجبور تھا۔ میں نے کئی مرتبہ رابطہ کرنے کی کی لیکن میرے اپریٹس کے بیرونی سیل کمزور ہوچکے تھے۔ اب سیل ڈالنے کا موقع ملا تو بات کررہا ہوں۔" اس کا لہجہ مدافعانہ

"رپورٹ کیا ہے؟" میں نے غزالہ کی معنی خیز نگاہ ابھرنے والا سوال دہرایا۔

"سیاہ کار سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک اجاڑ کے احاطے میں گئی تھی۔ بظاہر وہ مکان غیر آباد نظر آتا ہے لیکن نے وہاں کم از کم چار افراد دیکھے ہیں۔ ان میں وہ دونوں بھی تھے جو سخی مراد کے گھر پر بم پھینکنے کے بعد سیاہ کار میں وہاں تھے۔"

"تو کیا تم اس مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو تھے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"یس سر!" اس کی آواز پُرعزم تھی "باس نے اس کام لیے سخت ہدایات دی ہوئی تھیں اس لیے میں پوری تیاری تھا۔ موٹر سائیکل پر ہونے کی وجہ سے میں آخر تک ان کی نظر سے بچا رہا۔ جب کار احاطے میں چلی گئی تو میں نے واپس آکر موٹر سائیکل چوراہے پر واقع اسنیکس بار کے سامنے کھڑی دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔ وہ چاروں ایک کمرے میں بیٹھے شراب تھے۔ میں چاہتا تو وہاں بہت کچھ کرسکتا تھا لیکن مجھے ان کو کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ میں نے احاطے میں چھپ کر

نے انہیں بہت غور سے دیکھا' اپنے اسپائی کیمرے سے تصویریں لیں اور لوٹ آیا۔"

ویل ڈن!" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا "ان کی تصویریں نے ناقابلِ تصور کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اب وہ لوگ نہیں بچیں گے۔ کیا ان میں سیاہ مسّے والا بھی شامل تھا؟"

لیکن وہ نہیں تھا جس نے تاریک شیشوں والی ائرکنڈیشنڈ از کرائوں کی ہوا چیک کی تھی" اسرار کا جواب خاصا تھا "وہ اسی جیسی جسامت والا ایک اور ہی درشت رو غیر اس کی بائیں آنکھ اور کان کے درمیان سیاہ چنے کے برابر ابھرا ہوا مسّا موجود تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے وہ مسّا ے اکھیڑ کر جیب میں ڈال لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہی آدمی ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ہر وقت اپنی مصنوعی مسّا لگائے پھرتا ہے۔"

اسرار! تم اتنی اہم باتیں رک رک کر کیوں بتا رہے ہو؟" نفت آمیز خفگی سے پوچھا۔

سوری سر! میں اتنی باتیں ایک دم کیسے بتا سکتا ہوں؟ ان مصنوعی مسّے والا ہی سب سے برتر معلوم ہورہا تھا۔ اس سے مرعوب بلکہ کچھ کچھ خائف تھے۔"

دوسروں میں کوئی مقامی بھی تھا یا وہ چاروں ہی غیر ملکی نظر تھے؟"

نے والے کے علاوہ دو غیر ملکی اور ایک مقامی وہاں موجود ملکیوں کے نام ہارون اور روکٹر تھے۔ مقامی کو ساگا کہا جا رہا والے کو نام سے نہیں پکارا گیا تھا۔"

ساگا!" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے دہرایا "یہ مورت والا وہ تنومند شخص تو نہیں تھا جو بولتا ہے تو اس ود بخود حرکت کرنے لگتے ہیں؟"

یس۔۔۔ بالکل وہی تھا" اسرار کی طرف سے بے ساختہ

وہ چاروں اس وقت بھی اس عمارت میں موجود ہیں؟" خیال لہجے میں پوچھا۔

کی واپسی تک وہ وہیں بیٹھے شراب نوشی کررہے تھے" کہا۔

ہمارا کہنا ہے کہ اس عمارت کا احاطہ بالکل ویران پڑا ہوا ے ذہن میں سوالات ابھرتے چلے آرہے تھے۔ ہر کی معلوم ہورہا تھا۔ کسی مزاحمت کے بغیر میری واپسی ثبوت ہے۔"

نے اس سے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے اس مشتبہ تفصیل بتالینے کے بعد کہا "اپنے کیمرے کی ریل دھلنے کے نیگیٹو کے چار پرنٹ بنوالو اور جلد از جلد اسٹیشن فور ایک مہلک دھماکے کے نتیجے میں سارا مواصلاتی نظام

درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے۔"

"مہلک دھماکا!" اس کی آواز سے حیرت اور بے یقینی جھلک رہی تھی "ہم۔۔۔ مگر یہ کیسے ہوا؟ اس دھماکے میں کون کون مارا گیا ہے؟"

"فی الحال ایک قیدی کی موت کی خبر ملی ہے۔ تمہارے تین ساتھی زخمی ہیں۔ تم پرنٹ لے کر جلد از جلد وہاں پہنچو اور اوّل خان سے میری بات کراؤ۔ تمہاری حاصل کی ہوئی معلومات نے معاملات کو نیا رخ دے دیا ہے۔"

"بہادر آباد یا طارق روڈ سے ایک گھنٹے سے پہلے پرنٹس مل جائیں گے۔ وہاں سے میں سیدھا اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوجاؤں گا۔ اس وقت تک باس سے کوئی نئی خبر ملے تو مہربانی کرکے مجھے مطلع کردیں۔ دھماکے کی اطلاع نے میرے دل ودماغ کو منتشر کردیا ہے۔"

اسی وقت فلیٹ کی ڈور بیل بج اٹھی۔ غزالہ نے دروازہ کھولا تو سلطان شاہ مہکتے ہوئے کھانوں کے کئی تھیلے سنبھالے اندر چلا آیا۔ حالات سے بے خبری کی بنا پر اس کے چہرے پر مسرت ناچ رہی تھی۔

"تم بے فکر ہوکر فوراً چل دو۔ اگر تمہارے ٹرانسمیٹر کی بیٹریاں جواب دے گئی تھیں تو میرا اپریٹس بھی کسی وقت دھوکا دے سکتا ہے۔ میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ اب ہمارے رابطے میں کوئی خلل نہیں آنا چاہیے۔ پتا نہیں اسٹیشن فور کے فون وغیرہ کب تک بحال ہوں گے۔ اوور اینڈ آؤٹ!"

سلطان شاہ کے جانے تک ہم لوگ اسٹیشن فور اور موٹر سائیکل سوار سے رابطے کی کوششوں میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اس نے واپسی پر مجھے اسرار سے گفتگو میں مصروف پایا تو خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوگیا لیکن زبان سے کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے ہی اس کی متجسس نظروں نے اوّل خان کی غیرحاضری محسوس کرلی۔

"ہمارا جرنیل کہاں ہے؟" اس نے شاپنگ بیگ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

ویرا نے اسے اختصار سے ان تمام واقعات سے آگاہ کردیا جو اس کے علم میں نہیں تھے۔

"اگر ہمیں راس المیڈا کا ٹھکانا معلوم ہوچکا ہے تو ہم یہاں اپنا وقت کیوں برباد کررہے ہیں؟" ویرا کے خاموش ہوتے ہی غزالہ بے چینی سے بول پڑی "یہ اس پر وار کرنے کا سنہری موقع ہے۔ اسے ضائع کردیا گیا تو پھر ہم شاید کبھی اس کی گرد بھی نہیں پاسکیں گے۔"

"سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کا علاقہ قدیم اور گنجان آباد ہے" میرے بولنے سے پہلے ہی سلطان شاہ اسے سمجھانے لگا "اگر ہم نے اسپیشل ٹاسک فورس کی چھتری کے بغیر ان پر ہاتھ ڈالا اور

بات بڑھ کر کھلے تصادم تک پہنچ گئی تو ہمیں خاصے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہاں پولیس فورس بہت تیزی سے مداخلت کرے گی۔ وہاں چوراہے پر ہر وقت پولیس کے ایک دو گشتی دستے موجود رہتے ہیں۔۔۔ ڈیٹی کو اس بارے میں سوچنے دو۔"

"اگر مصنوعی مسّے والا راس المیڈا ہی ہے اور اس کی تصاویر لے لی گئی ہیں تو سمجھ لو کہ اب اس کا برا وقت قریب آچکا ہے" ویرا نے پورے اعتماد سے اپنا فیصلہ صادر کردیا "وہ اسی مکان میں رہے یا وہاں سے نکل بھاگے' ہر حالت میں مارا جائے گا مگر مجھے وکٹر اور ساگا کی فکر ہے۔ یہ دونوں کہاں سے آٹپکے؟"

آخری سوال اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کیا تھا۔ میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "راس المیڈا کا ہیلی کاپٹر اڑانے والے ہوا باز کا نام ایلس نے کلف بتایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا پورا نام کلف وکٹر یا وکٹر کلف رہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہوں۔ رہا ساگا کا معاملہ تو وہ کچھ عرصے قبل تک سب سے بڑے پیمانے پر یہاں سے ہیروئن یورپ لے جارہا تھا۔ راس المیڈا کے عزائم سامنے آجانے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ہیروئن کے بڑے اسمگلروں سے رابطہ کرے گا۔ ایسے مقامیوں میں ساگا کا نام شاید آج بھی سرِفہرست ہے۔"

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پوچھا۔

"راس المیڈا' وکٹر اور مارون کو ٹھکانے لگانے کا یہ موقع گنوایا نہیں جاسکتا" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "آج راس المیڈا کے میدان میں اتر آنے کی وجہ سے ٹی کا عملی کردار بدل چکا ہے لیکن امریکا کے صدر کی انتخابی مجبوریاں پیدا ہونے تک ٹی کا منشور کچھ اور تھا۔ وہ ہمارے دامن کو آگ لگانے کی کوششیں کررہی تھی اور ساگا آگ کے اس طوفان کو ان کی سرزمین پر دھکیل رہا تھا۔ ہمیں اس پر ہلکا ہاتھ رکھنا ہوگا۔"

"تم کہاں جارہے ہو؟ کھانا کھاتے جاؤ" ویرا نے سلطان شاہ کے لائے ہوئے تھیلوں میں سے کھانے کے ڈبے نکالتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں وہاں سے تمہاری واپسی کب ہو۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا نے ہمارے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی والے مشتبہ مکان میں ہمیں کامیابی یا ناکامی کی پروا کیے بغیر بہت سرعت سے اپنی کارروائی مکمل کرکے نکل آنا تھا۔ وہاں دیر لگانے کا مطلب خود کو چوہے دان میں پھنسانے کے مترادف ہوتا لیکن میں نے ویرا کی فرمائش کے جواب میں وہ تاویل پیش کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔

چکن روسٹ' سیخ کباب' بُھنے ہوئے گردوں اور فرائڈ فش کے بھاپ اڑاتے ہوئے اشتہا انگیز پیکٹ کھولے گئے تو ہم چاروں کی بھوک جاگ اٹھی۔ باقاعدہ میز لگانے کا تکلف کیے بغیر کھڑے کھڑے ان ہی ڈبوں سے اپنی شکم سیری کی پھر ہاتھ ... میں سلطان شاہ کے ساتھ فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

اس بار راس المیڈا کے خلاف جس قدر خفیہ انداز ... ہوئی تھی' اس کے پیشِ نظر میں نے بہت زیادہ تیاری کی ... محسوس نہیں کی تھی لیکن پھر بھی ہم ناسازگار حالات کا سا... کے لیے تیار تھے۔

"اسٹیشن فور پر رونما ہونے والے واقعے کی وجہ سے کل روانگی تو ٹل ہی گئی ہوگی" سلطان شاہ نے کچھ دور تک سے کار ڈرائیو کرنے کے بعد تجسس سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ اوّل خان اپنے معاملات سے نمٹنے کے ویرا کے ویزے میں توسیع کراسکے گا۔"

"ویرا بلاوجہ اس جھنجٹ میں پڑرہی ہے۔ وہ ماریانا گ... کے نام سے سفر کرنے کا ارادہ ترک کردے تو میں چند گھ... اس کا نیا پاکستانی پاسپورٹ بنواسکتا ہوں" اس نے پُرخیال... کہا۔

"ایسا ہی ہے تو تم نے یہ تجویز اس کے سامنے کیوں پیش... کی؟"

"وہ بے وقوف ہے۔ میں اس کی روانگی میں آسانیاں... کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار دن کی... تو اس کے ذہن سے امریکا جانے کا بھوت خود بہ خود اتر جائے...

میں ہنس پڑا اور بولا "بے وقوف وہ نہیں بلکہ ت... ماریانا گبرائیل کے روپ میں وہ امریکن ہے۔ جب چاہے... روک ٹوک کے بغیر امریکا میں داخل ہوسکتی ہے۔ تم نے ا... لیے پاکستانی پاسپورٹ بنوادیا تو اسے امریکا میں داخلے ... ویزے کی ضرورت ہوگی۔ آج کل امریکا کا ویزا آسانی سے... ملتا۔"

"ایسے مسئلے ڈرپوک اور مفلس لوگوں کو پریشان کرتے..." اس نے بے پروائی سے کہا "جیب میں پیسے ہوں تو کراچی میں ... کا ہر کام کھڑے کھڑے ہوجاتا ہے۔ لاکھ' ڈیڑھ لاکھ میں لوگ... عمدہ ویزا لگاتے ہیں کہ امریکن امیگریشن افسر بھی اصل اور ... میں تمیز نہیں کرسکتے۔"

"یہ دو نمبر کیا ہوتا ہے؟" میں نے جانتے بوجھتے انجان... پوچھا۔

اس بار وہ میری بے خبری پر دل کھول کر ہنسا اور بولا "... برسوں سے چلنے والی ایک نئی اصطلاح ہے۔ ہر جعلی کام اور... قانونی دھندا دو نمبر کہلاتا ہے۔ اب تو آدمی تک دو نمبر ہونے... ہیں۔ ضرورت پڑجائے تو زید کہیں بھی بکر بن کر ہر کام کرگزر... اور کسی کو اس پر شبہ نہیں ہوتا۔"

"تھوڑی دیر کے لیے ویرا کو اپنے ذہن سے جھٹک دو..."

...نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا "اور صرف راس المیڈا کے بارے میں سوچو۔ ہم ابھی تک صرف قیاس کے سہارے اس سے لڑتے چلے آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ سندھی مسلم سوسائٹی میں دیکھا جانے والا راس المیڈا آخری لمحات میں دو نمبر ثابت ہو۔"

"راس المیڈا تو مہینوں سے ہمارے سروں پر سوار ہے" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ اگر آج بھی وہ خود موجود نہ ہوا تو یہ قصہ طول پکڑتا چلا جائے گا۔"

پھر ہم دونوں خاموشی سے اپنے اپنے خیالوں کی دنیا میں گم ہوگئے۔

شہر میں اپنی آوارہ گردی کے دوران میں نے شاہراہ قائدین سے شارع فیصل پر آنے کے لیے سیکڑوں بار سندھی مسلم سوسائٹی کا راستہ اختیار کیا تھا لیکن کبھی بھی اس آبادی کے اندرونی حصوں میں گھومنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ نے مشتبہ مکان کا رخ کرنے سے پہلے ایک دو گلیوں کا چکر لگایا تو مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ شہر کی اس آبادی میں ہر مکان کے دونوں طرف سڑکیں یا گلیاں موجود تھیں۔ بعد میں ابھرنے والی آبادیوں کی طرح اس علاقے میں مکانوں کی پشت ایک دوسرے سے نہیں ملی ہوئی تھی۔

اس ابتدائی جائزے سے فارغ ہوکر میں نے سلطان شاہ کو اصل ٹھکانے کی طرف چلنے کی ہدایت کی تو اس نے نہایت سعادت مندی سے تعمیل کی۔

گاڑی گلی میں مڑتے ہی پہلی خوش گوار علامت نے ہمارا استقبال کیا۔ گلی کے سارے اسٹریٹ لیمپ تاریک پڑے ہوئے تھے۔ بس اکا دکا مکانوں کے پھاٹکوں پر جلنے والی روشنیوں کی وجہ سے گلی میں ہلکا سا اجالا پھیلا ہوا تھا۔

سلطان شاہ اس سنسان اور نیم تاریک ذیلی سڑک پر یوں سست رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا جیسے نمبروں کی مدد سے کسی خاص مکان کی تلاش میں ہو لیکن ہم دونوں نے دور ہی سے اپنا مطلوبہ مکان دیکھ لیا تھا۔

اس مکان کے احاطے کی دیواریں خاصی نیچی تھیں۔ اندر اندھیرے کا راج تھا۔ مکان کے در و دیوار باہر ہی سے اپنے مکینوں یا مالکوں کی عدم توجہی کا نوحہ کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس وقت اندھیرا کافی پھیل چکا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ دن کے اجالے میں وہ مکان اسی طرح ویران اور اجاڑ نظر آتا ہوگا۔

ہماری گاڑی دھیرے دھیرے اس مکان سے آگے نکل گئی۔ اس وقت ہم اسی سڑک پر تھے جس کی نشان دہی اسرار نے کی تھی۔ میرے ایما پر سلطان شاہ نے مکانوں کی قطار کے آخری سرے سے گاڑی اس سڑک پر موڑلی جدھر مشتبہ مکان کا عقبی حصہ ہونا چاہیے تھا۔

اس گلی میں اسٹریٹ لیمپس روشن تھے۔ مکان کے اس رخ پر

بھی اندھیرے کا راج تھا لیکن پھاٹک کے قریب لگے ہوئے کھمبے پر جلنے والے بلب نے مکان کے بیرونی حصے کو اتنا روشن کیا ہوا تھا کہ اس طرف سے کوئی بھی تاریکی کی آڑ لے کر خفیہ طور پر مکان میں نہیں گھس سکتا تھا۔

ہم نے گاڑی اس مکان سے دور لے جا کر ایک مکان کی ایسی بغلی دیوار کے سائے میں لگادی جس میں کوئی پھاٹک نصب نہیں تھا۔ گاڑی پارک کرتے ہی ہم دونوں تیزی سے اسی گلی میں ہولیے جو تاریک پڑی ہوئی تھی۔

گھر سے چلتے ہوئے ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں اور فاضل راؤنڈز کے ساتھ سہراب گوٹھ سے خریدے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے بارودی شعبدے بھی اپنی جیبوں میں رکھ لیے تھے۔ ان معمولی تیاریوں میں میں نے یہ احتیاط ضرور رکھی تھی کہ بیم گن اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اول خان والا ٹرانسیٹر ابتدا سے ہی میری جیب میں تھا۔

"میں آگے رہوں گا..... تم کچھ وقفے کے بعد دیوار پھاندنا" میں نے چلتے چلتے اپنی حکمتِ عملی واضح کرتے ہوئے کہا "ایک دوسرے سے الگ رہ کر ہم اپنے دشمنوں سے بہتر طور پر نمٹ سکیں گے۔"

"مگر اس بھوت بنگلے میں اندھیرے کا راج ہے' ایسا نہ ہو کہ تاریکی میں ہم ایک دوسرے سے بھڑ جائیں۔"

"ہم میں سے کوئی اتنا احمق نہیں ہے" میں نے برا سامنہ بنا کر کہا اور اپنی چال تیز کر کے سلطان شاہ سے آگے نکلتا چلا گیا۔

پیش قدمی کرتے ہوئے میں کن انکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ اس وقت تک میدان بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنا رخ قدرے تبدیل کیا اور چند ہی ثانیوں میں مشتبہ مکان کے احاطے کی دیوار کے تاریک سائے میں پہنچ گیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو سلطان شاہ چند قدم پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اس کی طرف سے اپنا اطمینان کر کے میں نے پنجوں کے بل اچک کر مکان میں نگاہ ڈالی تو بیک وقت دو باتیں میرے مشاہدے میں آئیں۔ گو دور سے وہ مکان بالکل تاریک نظر آ رہا تھا لیکن اس کی ایک کھڑکی کے شیشے پر مجھے روشنی کی خفیف سی عمودی لکیر نظر آئی تھی۔ شاید وہ وہی کھڑکی تھی جس کی جھری میں سے اسرار نے اندر کے مناظر دیکھے تھے لیکن دوسرا مشاہدہ تلخ تھا۔ اسرار کے بیان کے برعکس سیاہ کار اندر موجود نہیں تھی۔

میں وہی سب سوچتا ہوا' اپنے ہاتھ دیوار کے سرے پر جما کر فضا میں اچھلا اور دیوار پر سے اڑتا ہوا' دھپ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ احاطے کی کچی زمین پر جا کودا۔ میں چند ثانیوں تک کوئی جنبش کیے بغیر زمین پر اسی حالت میں بیٹھا رہا جس حالت میں میرے قدموں نے زمین کو چھوا تھا۔ میرے کان کہیں سے بھی پیدا ہونے والی کسی آواز کے منتظر تھے۔ اس خطرناک مکان میں پہنچتے ہی میری چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی اور بظاہر سب کچھ نارمل نظر آنے کے باوجود مجھے کسی سنگین خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

میں ہتھیلیوں اور پنجوں کے بل تیزی سے سرک کر خود رو پودوں کے ایک کنج کے قریب پہنچ گیا۔ وہ پوزیشن لیتے ہی میں نے روشن جھری والی کھڑکی کی طرف نگاہ ڈالی اور میرے بدن میں چیونٹیاں سی سرسرانے لگیں۔ اس کھڑکی کے شیشے مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہاں روشنی کی کوئی رمق تک باقی نہیں رہی تھی۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ اس مکان میں کوئی نہ کوئی موجود تھا اور اس نے مجھے احاطے کی دیوار پھلانگتے ہوئے دیکھ کر فوراً ہی مکان کی رہی سہی روشنیاں گل کر دی تھیں تاکہ اندھیرے میں پوشیدہ رہ کر وہ میری نقل و حرکت کا غور سے جائزہ لے سکے لیکن فوراً ہی ایک اور خیال بھی آیا۔ میں نے کھڑکی میں جو روشن عمودی لکیر دیکھی تھی' وہ شیشے پر سامنے کے کسی مکان سے پڑنے والا عکس بھی ہو سکتا تھا۔ باہر سے وہ عکس نظر آ رہا تھا لیکن میری پوزیشن تبدیل ہوتے ہی وہ عکس میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ انعکاس کا وہ ایک اٹل اور سادہ سا اصول تھا۔

دونوں امکانات اپنی اپنی جگہ مضبوط تھے مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے شاید ایک سیکنڈ کے سوویں حصے میں وہ سب سوچا اور سلطان شاہ کو عارضی طور پر باہر ہی روکنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت میرا ذہن اتنی تیزی سے کام کر رہا تھا کہ فیصلے پر پہنچتے ہی میرے دہانے سے خود بہ خود ٹرچ کی ایک تیز آواز برآمد ہوئی۔ کسی عام آدمی کو شبہ ہوتا کہ جھاڑیوں میں پوشیدہ' حشرات الارض کی کسی قسم نے آواز پیدا کی ہے لیکن درحقیقت وہ اکلوتی آواز سلطان شاہ کے لیے انتظار کا اشارہ تھی۔

جب تک میں اندر کی چھان بین کر کے اپنا اطمینان نہ کر لیتا سلطان شاہ باہر رک کر میرے دوسرے اشارے کا منتظر رہتا۔ میدان صاف ہونے پر میں اسی قسم کی دو مسلسل آوازیں نکال کر اسے باخبر کر سکتا تھا۔

میں جھاڑیوں کی اوٹ میں دبکا صبر آزما انتظار سے گزرتا رہا۔ ہر طرف ایسے گہرے سکوت کا راج تھا جیسے میرے سوا وہاں کسی اور ذی روح کا وجود نہ ہو لیکن میرا ذہن اس مصنوعی سناٹے پر اعتبار کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ میں باہر کی کھلی فضا میں تھا اور میرا دشمن' اگر کوئی تھا تو وہ اس مضبوط عمارت کی فصیلوں میں محصور تھا۔ میری ذرا سی بے احتیاطی میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میں نے ٹٹول کر جھاڑیوں کی جڑوں میں سے ایک ڈھیلا اٹھایا اور پھر اسے دور اچھال دیا۔ اس پُرہول سچویشن میں ڈھیلا زمین پر گرنے کی آواز بھی غیر معمولی محسوس ہوئی۔ فوراً فضا میں کسی زنگ آلود آہنی قبضے کی ہلکی سی آواز گونجی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ کسی بے آواز فائر یا ٹارچ کی تیز روشنی کا منتظر رہا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن میں خیال آیا کہ قبضے کی آواز کھڑکی کھلنے سے نہیں' بند ہونے سے پیدا ہوئی تھی۔ اندر جو کوئی بھی تھا' سمجھ چکا تھا کہ کوئی اجنبی عمارت میں داخل ہو چکا ہے۔ اس نے تجسس میں پڑنے یا اجنبی سے الجھنے کے بجائے پسپائی یا شاید فرار کی راہ اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی۔

میں نے اپنے قدموں پر اٹھ کر پنجوں کے بل عمارت کی طرف دوڑ لگا دی۔

اسی وقت مجھے عمارت کے پختہ فرش پر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی ہلکی سی دھمک سنائی دی اور میں نے اس پر کان جما دیے۔ عام حالات میں شاید میں وہ آواز نہ سن پاتا لیکن خطرے میں گھر جانے کے بعد ہر ذی روح کی ساری جبلی صلاحیتیں معمول سے کئی گنا زیادہ کام کرنے لگتی ہیں۔

توجہ کے ارتکاز نے ثابت کر دیا کہ وہ میرا وہم نہیں تھا۔ وہ واضح طور پر کسی ایک شخص کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک تھی جو تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی اور آخرکار وہ معدوم بھی ہو گئی۔

میں نے اضطراری طور پر قریب ترین کھڑکی پر ہاتھ ڈال دیا۔ میری زور آزمائی کے باوجود کھڑکی اپنی جگہ پر جمی رہی۔ بند شیشوں کے پیچھے مضبوطی سے بولٹ لگا ہوا تھا۔

قدموں کی معدوم ہو جانے والی دھمک سے میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ اسرار کے مشاہدے کے برعکس اس وقت اندر صرف ایک آدمی موجود تھا۔ اس کے بقیہ ساتھی شاید سیاہ کار لے کر جا چکے تھے اور اندر رہ جانے والا اپنی سلامتی کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ صرف ڈھیلے کے گرنے کا شور سن کر ہی بھاگ نکلا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور دیوار کی اوٹ میں جھکے جھکے کر شیشے پر آہنی دستے سے ضرب لگائی۔ ایک ہلکے سے چھناکے سے شیشہ ٹوٹ کر اندر کی طرف گر گیا۔ میں نے اس مرتبہ بھی چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر ٹوٹے ہوئے شیشے میں ہاتھ ڈال کر ذرا سی جدوجہد کے بعد کھڑکی کا بولٹ کھول دیا۔

کھڑکی کے آگے دبیز پردہ لہرا رہا تھا۔ میں باہر سے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالنے کا خطرہ مول لیے بغیر تن بہ تقدیر ہو کر کھڑکی کے راستے اندر پہنچ گیا۔

وہاں کوئی ہوتا تو میرے سنبھلنے سے پہلے مجھے چھاپ چکا ہوتا۔ ذرا امن و عافیت کا ہونا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس وقت میدان میں میرا کوئی حریف نہیں تھا۔ میں نے اطمینان سے اپنی جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔

وہ فرشی قالین سے آراستہ ڈرائنگ روم تھا جہاں وسطی تپائی پر چار خالی گلاسوں کے ساتھ اسکاچ کی ایک خالی بوتل اور شراب نوشی کے دیگر لوازم موجود تھے لیکن ان سب سے زیادہ اہم وہ لاش تھی جو اسی تپائی کے قریب قالین پر پہلو کے بل پڑی ہوئی تھی۔

میں نے ٹارچ بجھا کر فوراً ہی اپنے پیچھے والی کھڑکی پر پردہ پھیلایا تاکہ باہر سے کسی کو اندر کا منظر نظر نہ آ سکے اور دوبارہ ٹارچ روشن کر کے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا۔ چند ثانیوں میں وہ کمرا روشن ہو چکا تھا۔

مرنے والا ایک جوان عمر سفید فام تھا۔ اس کے جسم یا لباس پر تشدد یا مزاحمت کی کوئی علامت نہیں تھی لیکن اس کی پیشانی کے وسط میں گولی کا صاف ستھرا سوراخ دور ہی سے نمایاں تھا۔ مجھے فریڈم لاج کی چھت پر مارے جانے والوں کے بارے میں سنی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔ اپنے حریفوں کے دل یا پیشانی میں ایک گولی اتار کر ان کا خاتمہ کرنا راس الیڈا کا محبوب ترین مشغلہ تھا!

لاش کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مجھے سلطان شاہ کا دھیان آیا۔ میں اپنی پیش قدمیوں میں منہمک ہو کر اسے بالکل ہی بھول بیٹھا تھا جب کہ وہ میری طرف سے خطرہ ٹل جانے کا اشارہ سننے کے انتظار میں باہر کھڑا سوکھ رہا تھا۔

میں نے پردے کے قریب جا کر اپنے دہانے سے دو مرتبہ مخصوص آواز نکالی پھر پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی غضب ناک آواز گونجنے لگی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی غصے یا عجلت میں گیئر تبدیل کیے بغیر ڈیزل انجن والی گاڑی کو دوڑائے چلا آ رہا تھا۔

بریکوں کی پرشور آواز کے ساتھ انجن کی آواز تھم گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ آوازیں اسی مکان کی دوسری جانب والی سڑک سے آئی تھیں اور میرا نامعلوم حریف بھی اسی طرف سے فرار ہوا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کا نعرہ گونجا مگر اس وقت تک مکان کا احاطہ دھپا دھپ اور پھر بھاری قدموں کے شور سے گونجنے لگا تھا۔ آنے والے بہت تیزی اور بے خوفی سے اندر کود کر عمارت کے گرد پھیل رہے تھے۔

"پولیس..... ہتھیار ڈال کر سب لوگ باہر نکل آؤ..... تم گھیرے میں لیے جا چکے ہو" فضا میں ہانپتی ہوئی ایک بے لوچ آواز گونجی اور میرا دل بیٹھ گیا۔ وہ دشمن کے ہرکارے نہیں بلکہ پولیس والے تھے۔

اس مکان سے بھاگنے والے نے میدان چھوڑتے ہوئے بھی زبردست چال چلی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اندر ایک لاش موجود تھی۔ اس نے جاتے جاتے پولیس کے کسی بھی گشتی دستے کو خبر دے دی ہوگی کہ اس مکان میں کچھ مجرم روپوش ہیں یا پھڈا کا پڑ رہا ہے اور ان کی موبائل آناً فاناً میں وہاں پہنچ گئی۔

سلطان شاہ باہر تھا۔ شاید اس نے بروقت خطرے کا ادراک کرلیا تھا اس لیے وہ میرے اشارے کا جواب دینے یا اندر داخل ہونے کے بجائے خاموشی سے کہیں کھسک گیا تھا۔

پولیس پارٹی مکان کے احاطے میں دوسری طرف سے داخل ہوئی تھی۔ ان کے بے رحمانہ چنگل سے بچنے کے لیے میرے سامنے صرف ایک راہ باقی تھی کہ میں پردہ ہٹا کر کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر کود جاتا اور جدھر سینگ سماتے، اسی طرف بھاگتا چلا جاتا۔

میں نے آخری فیصلے تک پہنچنے میں بہت تیزی دکھائی تھی مگر پولیس والوں کو نہ جانے کیا اطلاع دی گئی تھی کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ پھرتیلے ثابت ہوئے۔ میں نے جوں ہی کھڑکی سے پردہ ہٹایا، تاریک احاطے سے غراہٹ ابھری "اوئے ڈاکو! ہاتھ اوپر کرلے ورنہ فیر کردوں گا۔"

اپنی آزادی کو طول دینے کے لیے میں اچانک بیٹھ کر خود کو اس نادیدہ سپاہی کی زد سے بچا سکتا تھا لیکن میری ایسی کوئی بھی حرکت صورتِ حال کو بہت زیادہ بگاڑ سکتی تھی۔ وہ اضطراری طور پر بے مقصد فائر کردیتا تو اس کے ساتھی بھی بھڑک سکتے تھے۔ مجھے ان کی نفری کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ میں ان کے ساتھ آنکھ مچولی میں مصروف رہتا اور وہ تھانے وغیرہ سے مزید نفری طلب کرکے میرے فرار کی ہر راہ مسدود کردیتے۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ مقابلے کے بعد ملزم کو اپنے قابو میں لینے پر پولیس والوں کا ردِ عمل کس قدر شدید اور بے رحمانہ ہوتا ہے۔

میرے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے میں ٹارچ دبی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"شاباش اوئے نرکے بچے!" مجھے للکارنے والے کی آواز سے فاتحانہ مسرت مترشح تھی۔ "تونے میری بات مان کر میرا دل خوش کردیا۔ میں تیری..... اوئے خانہ خراب..." ایک ہلکے سے دھماکے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

وہ بہت گھٹا گھٹا اور محدود دھماکا تھا۔ اس کی آواز کسی پٹاخے سے بھی کم تھی لیکن تاریک احاطے کے ایک حصے میں تیزی سے تاریک تر دھواں پھیلنے لگا تھا۔ شاید سلطان شاہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر سہراب گوٹھ سے لائے ہوئے شعبدے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

میرے نزدیک سلطان شاہ کا وہ قدم خطرناک اور ناپسندیدہ تھا مگر وہ اپنی صوابدید پر عمل کرچکا تھا۔ میں اس دھماکے سے فائدہ اٹھاتا یا نہ اٹھاتا، پولیس والے اس کا عذاب میرے ہی کھاتے میں جوڑ دیتے۔ میں نے دھواں پھیلتے ہی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

اس وقت پولیس والوں کی ساری توجہ دھماکے اور دھوئیں پر مرکوز ہوگئی تھی۔ مجھے ہینڈز اپ کرانے والا شاید اپنی جگہ چھوڑ کر کسی محفوظ آڑ میں پہنچ چکا تھا۔ اسے میرا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"پیچھے رہو..... ادھر بمباری شروع ہوگئی ہے" کسی کی دہشت زدہ آواز سن کر میں اس حالت میں بھی اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس وقت تک میں دھوئیں کی اوٹ میں پہنچ چکا تھا۔

دوسرا دھماکا ہوا۔ وہی گھٹی گھٹی سی آواز تھی۔ میں ہر طرف سے دھوئیں میں گھر گیا۔

پھر کسی نے فائر کردیا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ گولی کس طرف چلائی گئی تھی۔ میں اپنی پنڈلیوں کی پوری قوت مجتمع کرکے احاطے کی دیوار کی طرف دوڑ پڑا۔ سلطان شاہ نے مجھے بدترین مشکل سے دوچار کردیا تھا۔ دھوئیں کے ہلکے بموں کے دھماکوں کے بعد پولیس والے مجھ پر غالب آجاتے تو پھر کوئی معجزہ ہی مجھے اس پولیس مقابلے میں جہنم واصل ہونے سے بچا سکتا تھا۔ اس وقت میری بقا صرف اور صرف تیز ترین فرار میں مضمر تھی۔

میں جس سرعت سے اس احاطے میں داخل ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ تیزی سے باہر پہنچ گیا۔ سلطان شاہ نہ جانے کس وقت گاڑی وہیں لے آیا تھا۔ اس کا انجن بیدار تھا اور اگلے دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر جم گیا۔ سلطان شاہ چکر لگانے کے بجائے دروازہ کھول کر عقبی نشست پر گر گیا۔ میں نے بہت تیزی سے گاڑی آگے بڑھائی تو جھٹکے کی وجہ سے تینوں دروازے پُرشور آواز سے بند ہوگئے۔

"یہاں سے جلدی نکل چلو" سلطان شاہ کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا "مین روڈ یا چوراہے کی طرف جانے کے بجائے گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے خداداد کالونی کی طرف نکلنے کی کوشش کرو..."

"تم نے بہت بڑا رسک لیا ہے.... پہلے دھماکے کے وقت میں ایک سپاہی کے نشانے پر تھا۔"

"میں نے پولیس موبائل کو تیز رفتاری سے دوسری گلی کی طرف جاتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اول خان کی طرف سے کوئی مدد ملنے سے پہلے وہ تمہیں اتنا رگید ڈالتے کہ تم بھی خود کو نہ پہچان پاتے۔"

"تمہاری کارروائی کامیاب رہی ہے اس لیے اس وقت تم جو چاہو، کہہ سکتے ہو۔ ناکامی کی صورت میں نتائج اس قدر بھیانک ہوتے کہ تم شاید عمر بھر روتے رہتے...."

"حقیقت کو دیکھو۔ مفروضوں پر بات کرکے اپنی زبان مت تھکاؤ" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "اس وقت میری عقل بری طرح چکرائی ہوئی ہے۔ ہم راس المیڈا کو مارنے آئے تھے لیکن یہاں پولیس کے نرغے میں پھنس گئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اول خان کا آدمی دوسرے اپرینٹس سمیت پکڑا گیا ہو اور راس المیڈا کے کسی آدمی نے تمہیں بہکا کر ادھر کی راہ دکھائی ہو اور تم اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو!" میں نے چڑ کر کہا "وہ کال دراصل اول خان کے لیے تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اس نے اپنا اپرینٹس میرے حوالے کردیا ہے۔"

"وہ بات کرتا تو راس المیڈا یہی چال اس کے لیے بھی استعمال کرتا۔ تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ ایس ٹی ایف کے ایک اہم افسر کو شہری پولیس کے ہاتھوں مروا کر اسے کس قدر خوشی ہوتی...."

"خاموش بیٹھو اور خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرو۔ دیکھ رہے ہو کہ پولیس والوں کی گاڑیاں سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔ دعا کرو کہ سڑک کے اندھیرے میں کسی نے ہماری کار کے نمبر نہ دیکھے ہوں۔"

"شاید تم بھول گئے کہ فریڈم لاج پر حملے سے پہلے اول خان نے نمبر پلیٹ والی روشنی کے بلب نکلوا دیے تھے" اس نے مجھے یاد دلایا اور کہا "کسی نے نمبر دیکھ بھی لیا ہو تو وہ پولیس کو نہیں بتائے گا... یہ رجحان روز بہ روز جڑ پکڑتا جارہا ہے۔ قانون کی مدد کرنے کی کوشش کرنے والوں کو ایک طرف پولیس گواہی کے چکروں میں رگڑتی ہے اور دوسری طرف دہشت گردوں کی انتقامی کارروائی کی دہشت زندگی عذاب کردیتی ہے۔ ہم ایک ..فعہ سہیل وا[illegible] پہنچ جائیں تو بالکل محفوظ ہوجائیں گے۔ یہ [illegible] راس ا[illegible] کہاں غائب ہوگیا؟"

"وہ چار تھے۔ تین غائب ہیں اور چوتھا بے جان حالت میں وہاں پڑا ہوا تھا۔"

"چوتھا؟ تو کیا انہوں نے ساگا کو ہلاک کردیا؟" سلطان شاہ نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"وہ دکٹریا ماروِن کی لاش ہے۔ اب اول خان کا آدمی ہی اسے شناخت کرسکے گا۔ اس کی پیشانی میں گولی ماری گئی ہے۔ بظاہر وہ راس المیڈا کا کام معلوم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے نشے کی جھونک میں راس المیڈا کے خلاف کوئی سخت بات کہہ دی ہو۔ اپنے آدمیوں کی آزاد خیالی کے بارے میں وہ بہت کینہ پرور ہے۔ دیکھا جائے تو یہ اس کا چھٹا شکار ہے۔ گیری ہارٹ اور جیف ملر کو قید کرکے امریکا بھیج دیا گیا۔ بوب گومز، رینڈل اور دلاور خان کو اس نے فریڈم لاج کی چھت پر گولیاں مار کر ہلاک کیا اور اب ایک اور سفید فام اس کی درندگی کی بھینٹ چڑھ گیا۔"

"وہ اپنے ہی ساتھیوں کو پھاڑ کھانے والا خونی درندہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر بھی اسے وفادار ساتھی کہاں سے مل جاتے ہیں.... اس کی سفاکیاں انہیں اپنا انجام کیوں یاد نہیں دلاتیں؟"

"بھاری معاوضے کے لالچ میں لوگ ہر برے کام پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ اس دلدل میں جو بھی قدم رکھتا ہے، دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ بعد میں دہشت اور بلیک میلنگ کی وجہ سے وہ کنارہ کشی اختیار نہیں کرسکتے۔"

"اگر اندر ایک لاش موجود تھی تب بھی پولیس اچانک کیسے آگئی؟" اسے اپنا سوال پھر یاد آگیا۔

"پہلے میرا اندازہ تھا اور اب مجھے پورا یقین ہے کہ میں احاطے میں کودا تو اندر ایک زندہ آدمی بھی موجود تھا۔ وہ خطرہ بھانپ کر دوسری طرف سے فرار ہوگیا۔ جاتے جاتے اسی نے پولیس پارٹی کو کوئی اطلاع دی ہوگی۔"

"وہ زندہ آدمی راس المیڈا بھی ہوسکتا ہے" سلطان شاہ نے رائے زنی کی "ایسی بزدلی کی توقع صرف اسی سے کی جاسکتی ہے۔ اپنے آدمیوں میں وہ وحشی درندہ بنا رہتا ہے، دشمن کے مقابلے میں گیدڑ بن جاتا ہے۔"

میں اس کی دی ہوئی مثالوں پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا پھر میں نے کہا۔ "سانپ نکل چکا ہے۔ اب لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔ ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ راس المیڈا نہیں تھا۔ راس المیڈا اپنے ایک ساتھی کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوسرے ساتھی سمیت کسی محفوظ تر [illegible]نے کی طرف چلا گیا ہوگا۔ لاش کے ساتھ ساگا موجود رہا ہوگا۔"

"ساگا کے بارے میں تو تم ہی جانتے ہو۔ میرے لیے وہ ایک اجنبی نام ہے۔"

"ساگا ایک زمانے میں بہت نڈر اور دلیر بدمعاش ہوا کرتا تھا لیکن اب اس کے دن پھر چکے ہیں۔ جو لوگ گروہ بندیوں میں پڑ جاتے ہیں، وہ لڑنا بھڑنا چھوڑ کر بس منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے جاں نثاروں کے حصار میں ہوں تو بہت بے جگری دکھاتے ہیں، تنہا کہیں گھر جائیں تو میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ساگا اب شہر کا معمولی بدمعاش نہیں رہا۔ وہ غنڈوں کی ایک بڑی کھیپ کو پال رہا ہے۔"

"تمہیں اس کا ٹھکانا تو معلوم ہی ہوگا؟" سلطان شاہ نے تجسس سے پوچھا۔

"ایسے لوگ جو تنہائی میں اپنے سائے سے بھی خوف کھاتے ہوں، ہر وقت اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں" میں نے جواب دیا۔ "لیکن پھر بھی اس کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ راس المیڈا کی طرح چھلاوا نہیں بن سکے گا۔"

"وہ گرفت میں آجائے تو پھر راس المیڈا کے نرخرے تک بھی رسائی حاصل ہوجائے گی۔"

ہم ٹریفک کی بھیڑ میں شامل ہوکر نہایت اطمینان سے پرانی نمائش کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ وہاں بنی ہوئی ٹریفک پولیس کی چوکی کے قریب پولیس والوں کی تین گشتی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا عملہ اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں سڑک کی وسطی پٹی کے قریب خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ ناقص مواصلاتی نظام یا پھر ریڈیائی پیغامات میں عدم دلچسپی کی بنا پر شاید انہیں علم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ ان سے دو چار کلو میٹر دور ایک پولیس پارٹی "سنگین

بمباری" کے خطرے سے دوچار ہوچکی تھی اور مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

میں نمائش کے چوراہے سے صدر کے راستے پر گھوم رہا تھا کہ اچانک اپریٹس کے ریسیور پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ وہ سگنل سلطان شاہ سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔

مجھے متذبذب پاکر اس نے میری جیب سے اپریٹس نکالنا چاہا لیکن میں نے سختی سے اسے روک دیا۔

اس نے حیرت سے کہا "یہ اول خان کی کال معلوم ہوتی ہے۔ وہ کوئی اہم بات کرنی چاہ رہا ہوگا۔"

"مجھے بھی معلوم ہے" اس کے اضطراب پر میں نے دانت پیس کر کہا "لیکن یہ یاد رکھو کہ اس وقت ہم مفرور مجرم ہیں۔ اتنے بھاری ٹریفک میں اپریٹس استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"میں پچھلی سیٹ پر لیٹ کر بات کیے لیتا ہوں" اس نے نیم دلی سے کہا۔

"تم گدھے ہو..... بسوں اور اونچی گاڑیوں میں سفر کرنے والے کاروں میں اندر تک جھانک سکتے ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ابھی تک ہمیں کہیں نہیں روکا گیا۔ تلاشی کی نوبت آگئی تو ہم ہتھیاروں اور دستی بموں کی موجودگی کا کوئی ہلکا سا جواز بھی پیش نہیں کرسکیں گے۔ چین سے بیٹھو۔ گھر پہنچ کر اول خان سے رابطہ کرلیا جائے گا۔"

"اس وقت تم بھی گروہ بند شہزادوں کی طرح مصلحت کی راہ اختیار کررہے ہو۔"

میں برقی اشتہاروں کے تیز انعکاس میں اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

ہمارا بقیہ سفر تقریباً خاموشی سے طے ہوا۔ میرے ذہن پر اس وقت بس ایک ہی الجھن سوار تھی کہ راس المیڈا کے ساتھ ہمارا تصادم جوں جوں طول پکڑ رہا تھا' شہر میں خوں ریزیوں میں شدت آتی چلی جارہی تھی۔ ان دنوں ویسے بھی امن و امان کی صورتِ حال تسلی بخش نہیں تھی' ان بے نام و نشان مقابلوں کی آڑ لے کر شہر کے چھوٹے موٹے بدمعاش بھی انتظامیہ کے لیے دشواریاں کھڑی کرسکتے تھے۔ ان واقعات کا جلد از جلد تدارک کیا جانا ناگزیر ہوگیا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ راس المیڈا کا قصہ تمام کردیا جائے یا پھر اسے پاکستان کی سرحدوں سے باہر فرار ہونے پر مجبور کردیا جائے۔

میں اسی اُدھیڑبُن میں الجھا ہوا تھا کہ راس المیڈا کے لیے بدترین مصائب پیدا کرنے کا ایک خوش گوار منصوبہ میرے ذہن میں سر ابھارنے لگا۔ اس پر عمل کرکے اس موذی درندے پر بہت آسانی سے عرصۂ حیات تنگ کیا جاسکتا تھا۔ اس منصوبے میں کلیدی اہمیت ان تصاویر کی تھی جو اول خان کے اسرار نامی ماتحت نے اپنے اسپائی کیمرے سے حاصل کی تھیں۔

سارے راستے رہ رہ کر اپریٹس پر کال کے اشارے موصول ہوتے رہے لیکن میں مسلسل انہیں نظرانداز کرتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طرف سے جواب نہ ملنے پر اول خان سخت پریشان ہو رہا ہوگا۔ جواب نہ ملنے سے وہ ایک ہی نتیجہ اخذ کرسکتا تھا کہ میں کسی مصیبت سے دوچار ہوگیا ہوں مگر میں مجبور تھا۔

ہم دونوں گاڑی میں آگے پیچھے سوار تھے لیکن سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کی حدود سے باہر آتے ہی سلطان شاہ عقبی نشست سے اچک کر میرے برابر والی سیٹ پر آچکا تھا اور اپنی زبان بند رکھنے کے باوجود وقفے وقفے سے بہت غور سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ راس المیڈا کے خلاف ایک شاندار منصوبہ سوجھ جانے پر میرے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی آنی فطری تھی۔ سلطان شاہ نے وہ تبدیلی بھانپ کر کئی مرتبہ زبان کھولنے کا ارادہ کیا مگر مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پاکر خاموش رہنے پر مجبور ہوگیا۔ بظاہر میری ساری توجہ پُرہجوم سڑکوں پر مرکوز تھی لیکن میں کن انکھیوں سے وہ ساری کیفیات دیکھ کر سلطان شاہ کی پریشانی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

جب میں گاڑی بند کرکے اترا تو اس سے نہ رہا گیا اور وہ پوچھ ہی بیٹھا "تم راستے بھر کیا منصوبہ بندیاں کرتے آئے ہو؟ تمہارے چہرے سے دبی دبی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔"

"اتنا صبر کیا ہے تو چند منٹ اور انتظار کرلو۔ گھر آہی گیا ہے۔ وہاں بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

ہم دونوں گھر میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اول خان ہم سے پہلے وہاں موجود تھا۔ اس کا چہرہ فق تھا اور آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کھڑا اٹھا۔

"میرا دم نکلا ہوا تھا۔ کیا تمہارے اپریٹس کی بیٹریاں جواب دے گئی ہیں؟" اس نے سلطان شاہ کو تپاک سے اپنے سے لگاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"اپریٹس ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہماری بیٹریاں ڈس چارج ہونے سے بال بال بچ گئیں" میں نے ہنس کر کہا۔

"پھر تم میری کالز کا جواب کیوں نہیں دے رہے تھے؟ میں از کم دس مرتبہ تمہیں ٹرائی کرچکا ہوں۔"

"مجبوریاں۔ یہ بتاؤ کہ اسٹیشن فور کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"پریشانیوں کا سلسلہ چل نکلے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان ٹوٹ پڑے گا..... وہاں کے فون بے جان تھے' اسرار کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا پھر بھلا وقت شروع ہوا تو پتا چلا کہ وہ مسائل اتنے سنگین نہیں تھے۔ اسرار کی چونکا دینے والی کہانی تم سن چکے ہو۔ اسٹیشن فور پر دو آدمیوں کو معمولی خراشیں آئی ہیں۔ اپنے زخموں سے زیادہ خون بہنے کی وجہ سے وہ بھیانک نظر آرہے تھے۔ تیسرے آدمی کے زخم ذرا گہرے ہیں مگر وہ بھی چند روز میں بھر جائیں گے۔ مجھے ان زخمیوں کی فکر تھی۔ مالی نقصان کی مجھے کبھی پروا نہیں ہوتی۔ ایلس کی حرکت سے فورس کو خاصا مالی نقصان پہنچا ہے۔ چند روز میں اس کا بھی ازالہ کرلیا جائے گا۔"

"شاید اسی لیے تم وہاں سے اتنی جلدی لوٹ آئے؟" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی۔

"وہاں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ مجھے اسرار کی زیادہ فکر تھی۔ وہ مجھے راستے میں مل گیا۔ اس کی کہانی سننے کے بعد میں نے اس کا اپریٹس لے کر اسے اسٹیشن فور بھیج دیا۔ میں راستے بھر تم سے بات کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔"

"حیرت کی بات ہے کہ تم سہراب گوٹھ سے یہاں پہنچ گئے مگر ہم نے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی سے یہاں تک آنے میں زیادہ وقت لیا" سلطان شاہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"میں شہر کی کم مصروف سڑکوں پر تیز رفتاری سے سفر کرتا رہا۔ تم پورے شہر کے گندے ٹریفک سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہو۔ وقت میں کچھ نہ کچھ فرق تو پڑنا ہی تھا..... یہ بتاؤ کہ تم دونوں کیا کرکے آئے ہو۔ سنا ہے کہ تم راس المیڈا اور اس کے ساتھیوں کے شکار پر نکلے ہوئے تھے۔"

"ارادہ یہی تھا لیکن ستاروں نے یاوری نہیں کی ورنہ آج سارا قصہ نمٹ جاتا۔"

میرے جواب پر ویرا کے خوب صورت ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولی "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم بھی ستاروں وغیرہ میں یقین رکھتے ہو۔ یہی بات میں نے کی ہوتی تو تم اعتراض جڑ دیتے۔"

"میں ان خرافات میں یقین نہیں رکھتا۔ بس محاورے کی بات تھی جو کہہ ڈالی۔"

"بس!" اول خان ہاتھ اٹھا کے بولا "آپس کی بحث میں الجھنے کے بجائے اپنی کہانی شروع کرو۔"

"مجھے صرف ایک بات بتادو!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اسرار کی بنائی ہوئی تصاویر کہاں ہیں؟"

"وہ میں لے آیا ہوں مگر پہلے تمہاری کہانی......" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اول خان وہ تصاویر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ میں نے ڈرامائی جزئیات سے گریز کرتے ہوئے ان دونوں کو وہ تمام واقعات بلاکم وکاست سنادیے جو سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں ہمارے ساتھ پیش آئے تھے۔ میری کہانی زیادہ طویل نہیں تھی۔ میرے خاموش ہوتے ہی سوالات کا سلسلہ چل نکلا مگر وہ واقعات اس قدر واضح سمتوں کی نشان دہی کررہے تھے کہ چند ہی منٹ میں ان تینوں کے سوالات کا ذخیرہ جواب دے گیا۔

"اور اب وہ تصاویر!" کمرے میں خاموشی ہوتے ہی میں نے اپنا مطالبہ پیش کردیا۔

اول خان کے اشارے پر ویرا نے کشن کے نیچے سے تصاویر کا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"اسرار کا اسپائی کیمرا بہت حسّاس اور جدید ترین ہے۔" اول خان مدافعانہ لہجے میں بولنے لگا "اس نے ان لوگوں کے چھتیس فریم لیے تھے لیکن کھڑکی کی جھری ناکافی تھی۔ پینتیس تصویروں میں کسی کا بھی مکمل چہرہ نہیں آسکا۔ بس راس المیڈا کی تصویر مکمل ہے مگر اس کا فوکس بگڑا ہوا ہے۔"

میں پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصاویر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ پردوں کی درمیانی جھری تصویر کشی کے لیے ناکافی تھی۔ ہر زاویے سے صرف وہی کچھ فلم بند کیا جاسکتا تھا جو جھری میں سے نظر آسکتا تھا۔ بقیہ تفصیلات دائیں بائیں موجود پردوں کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔

ساگا میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اس کی ادھوری تصویروں میں بھی اسے پہچان لیا۔ ویسے بھی تین سفید فاموں میں وہ واحد گندمی جِلد والا تھا۔ رنگت کی بِنا پر اس کی شناخت دشوار نہیں تھی۔

پھر مجھے اس چہرے کا ایک حصہ نظر آیا جو مجھے سندھی مسلم سوسائٹی کے مکان میں بے جان نظر آیا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اسرار نے اس کا نام مارون بتایا تھا۔ اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر مجھے راس المیڈا کی بربریت میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ مارون اسے اس قدر عزیز تھا کہ وہ بوب' رینڈل اور دلاور کو قتل کرکے اسے فریڈم لاج سے اپنے ساتھ نکال لے گیا تھا۔ وہ مارون کے لیے راس المیڈا کی محبت کا ایک رخ تھا۔ جب اسی مارون نے راس المیڈا کی افتادِ طبع کے خلاف کوئی بات کی تو اس نے بلا تامل مارون کی پیشانی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دیا۔ وہ اپنے گستاخ غلاموں کے لیے راس المیڈا کی نفرت کی دوسری انتہا تھی۔ اپنے ان متضاد رویّوں کی وجہ سے وہ نارمل نظر نہیں آتا تھا۔

اس کی تصویر خوش قسمتی سے مکمل تھی۔ شاید اسرار نے اپنی ساری توجہ اسی کو فوکس کرنے پر مرکوز رکھی تھی۔ جوں ہی اس کا پورا چہرہ کیمرے کی گرفت میں آیا اسرار نے بٹن دبا دیا۔ وہ تصویر بہت واضح نہیں تھی' تھوڑی سی دھندلی تھی۔

آگے کی طرف قدرے مڑے ہوئے کانوں' چوڑے جبڑوں' تنگ پیشانی' سرد آنکھوں اور سیدھی لکیر کی طرح کھنچے ہوئے سفاکانہ ہونٹوں سے راس المیڈا بالکل ویسا ہی نظر آرہا تھا جیسا وہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہسکی کا گلاس تھا اور اس کی نظریں اپنے گلاس پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ راس المیڈا کی واحد مکمل تصویر تھی۔ دوسری تصاویر میں

اس کے چہرے کے بعض حصے موجود تھے۔ مکمل تصویر دیکھ لینے کے بعد ان جزوی خدو خال کو آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا۔

سلطان شاہ میرے بدن سے چپک کر ان تصاویر پر جھکا ہوا تھا۔ میں کئی سیکنڈ تک اپنے اس خون آشام حریف کی تصویر دیکھتا رہا پھر میں نے وہ پورا پلندا سلطان شاہ کو تھما دیا۔

"مجھے اسرار سے پوچھنا یاد نہیں رہا...... جب اس نے اپنے کانوں سے ان لوگوں کے نام سنے تھے تو ان کی دوسری گفتگو بھی سنی ہوگی۔ وہ وہاں جمع ہو کر کس موضوع پر باتیں کر رہے تھے؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"وہ سب سخی مراد کے خلاف اپنے دل کا غبار نکال رہے تھے۔" اول خان نے جواب دیا "ان کی گفتگو میں اس غدار کے لیے برے القاب اور گالیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ ایک طرح سے سخی مراد کی ہلاکت کا جشن تھا۔"

"ہاں' اس کی کیا خیر خبر ہے؟" میں نے چونک کر سخی مراد کے بارے میں پوچھا۔

"کچھ پتا نہیں۔" اول خان اپنے شانے اچکا کے بولا "اسٹیشن فور کے فون ناکارہ ہونے کی وجہ سے میرا کسی سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ چند گھنٹوں میں وہاں کی لائنیں بحال ہو سکیں گی۔ ابھی فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔"

"ہو سکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان پر رونما ہونے والے واقعات اور ہارون کی لاش کے بارے میں کیا سوچا جا رہا ہے۔ ان حوالوں سے میں ایک نئی بساط بچھانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

اول خان فون پر نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے سر ہو گیا "ہم گھر آ چکے ہیں۔ اب بتاؤ کہ تم راستے بھر کیا سوچ سوچ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے؟"

"اول خان فون سے فارغ ہو جائے تو اس بارے میں بات کریں گے۔"

"تم ایک ہی بات سوچ کر خوش ہو سکتے ہو کہ میں عنقریب تمہارا پیچھا چھوڑنے والی ہوں۔" ویرا استہزائیہ لہجے میں بیچ میں بول پڑی۔

"ویرا! میں تم سے دست بستہ التجا کر رہا ہوں کہ فضا کو اتنا مکدّر نہ کرو کہ تمہاری روانگی تک ہم سب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے تلخیوں کی بنیاد پڑ جائے۔" میں نے اسے گھور کر خشک لہجے میں کہا۔

اول خان شاید نمبر ملا کر دوسری طرف سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر اپنا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور کہنے لگا "پہلے تم لوگ اپنے جھگڑوں سے نمٹ لو' میں بعد میں فون کر لوں گا۔"

"آؤ! ہم سب کمرے میں چلتے ہیں۔" ویرا نے غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مجھ سے کہا "اول خان کو سکون سے فون پر بات کرنے دو۔ ہماری باتوں کی وجہ سے ان کا دھیان بٹا رہے گا۔"

سلطان شاہ نے فوراً ویرا کی تقلید کی تھی۔ غزالہ کے ہونٹوں پر میٹھی میٹھی مسکان پھیل گئی تھی۔ وہ بہت دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف ویرا کی سلگا دینے والی نظریں بھی میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں بے بسی سے مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ویرا ذرا ذرا سی باتوں میں مجھ سے ان بھلے دنوں کا خراج وصول کرنے کی خواہاں نظر آ رہی تھی جو ہم نے ساتھ رہ کر بڑی آسودگی سے گزارے تھے۔

اس نے مجھے کبھی بھی کوئی ناشائستہ دھمکی نہیں دی تھی لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں یہ تحریر ہر وقت بہت واضح نظر آتی تھی کہ میں نے اس کا دل توڑا یا اس کی بات نہ مانی تو وہ کسی نہ کسی طرح غزالہ کو ان خوش گوار ملاقاتوں کا احوال سنا دے گی جن کی یادیں میرے اور اس کے دلوں میں دفن تھیں۔

اول خان نے ہمارے قافلے کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کسی بت کی طرح اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکائے ہمیں ڈرائنگ روم سے رخصت ہوتے دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں اس کی پیشہ ورانہ لاتعلقی ابھر آئی تھی۔ ایسے لمحات میں وہ اخلاق اور مروّت کو بھول کر صرف ڈسپلن کا پابند رہ جاتا تھا۔

ویرا' غزالہ کو لے کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دی تھی۔ مجھے بھی مجبوراً ادھر کا ہی رخ کرنا پڑا۔ اس روز موسم خاصا اچھا تھا لیکن بند دروازہ کھلتے ہی اندر سے آنے والے خنک ہوا کے جھونکے سے اندازہ ہوا کہ ویرا کے کمرے کا ائر کنڈیشنر پورے زور شور سے کام کر رہا تھا۔

"آبی جانور کو خشکی پر چھوڑ کر مرغ مسلّم کھلایا جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر کہا۔

وہ لمحے بھر کے لیے بوکھلایا مگر سنبھالا لے کر فوراً ہی پورے زور شور سے میری ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

"وہ کون سے آبی جانور ہیں جو مرغ مسلّم کھاتے ہیں؟" ویرا نے مڑ کر آنکھیں نکالیں۔

"اصل اہمیت آبی جانور کو خشکی پر لانے کی ہے۔ مرغ مسلّم بلاوجہ مارا جاتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس کمرے میں آئے ہو تو اب ایسی بے سروپا باتیں کرو گے؟" وہ غرا کے بولی۔

"مجبوری ہے۔ یہاں کا موسم ہی کچھ ایسا ہو رہا ہے۔" میں نے اس کی برہمی کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔

"اس کمرے کے موسم میں کون سے کیڑے نکل آئے جو تمہارے دماغ پر اثرانداز ہو رہے ہیں۔"

"برفانی ریچھ استوائی جنگلات میں بلک بلک کر مرجاتا ہے۔ یہ ...ادات کی باتیں ہوتی ہیں۔ تم نے اپنے کمرے کو اچھا خاصا ...خانہ بنایا ہوا ہے۔ میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھا تو مجھے سرسام ...ئے گا۔"

"...میں ائر کنڈیشنر بند کر دوں گی لیکن تم کو یہاں سے بھاگنے نہیں ...گی۔"

"...ابھی رہنے دو۔" اسے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتا دیکھ کر میں ...کمزور آواز میں کہا "سرسام شروع ہوتے ہی میں تمہیں بتا دوں ...یہ بتاؤ کہ تم ہمیں گھیر کر یہاں کیوں لائی ہو؟"

"وہاں اول خان ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ اب تم یہ بتاؤ گے کہ ...سلطان شاہ سے کیا بات چھپا رہے ہو؟"

"وہ تم بتا ہی چکی ہو۔" میں نے اسے سلگانے کے لیے دانستہ ...بڑھا جواب دیا۔

"ویرا سے زیادہ میں بے چین ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم کوئی ...لائن طے کر چکے ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"چند منٹ بعد اول خان آئے گا تو پوری کتھا پھر سے سنانی ...ے گی۔" میں نے ان دونوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے بتایا۔ ...میرے منصوبے کی کامیابی کے لیے اول خان کا تعاون ضروری ...ہے۔"

"تفصیل بعد میں بتا دینا۔ سرپیر کا تو کچھ پتا چلے!" ویرا جھلّا کر ...بولی۔

"میں راس المیڈا کی تصویر کے ساتھ کسی اخبار میں ایک فیچر ...چھپوانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"آپ کیوں ان دونوں کو غصہ دلانے پر تلے ہوئے ہیں؟" ...غزالہ نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو!" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر غزالہ سے کہا۔ اس کی آنکھوں ...میں اس وقت غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرا ...خیال ہے کہ میں ڈیئی کی بات سمجھ گئی ہوں۔ یہ پھر بہت دور کی کوڑی ...لایا ہے۔"

"میری قریب کی نظر کمزور ہوتی جا رہی ہے' میں دور کی کوڑی ...نہ لاؤں گا؟"

"بکو مت...... ابھی تک وہ آزادی سے ہر طرف دندناتا پھر ...رہا ہے کیوں کہ اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ لوگ اس سے مل کر ...بھی اسے پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ تصویر چھپنے کے بعد وہ اپنی ...شہرت کے حصار میں گھر کر رہ جائے گا۔ جدھر جائے گا' اس کے ...دوستوں کے ساتھ دشمن بھی اسے پہچان لیں گے اور یہی اس کی ...موت ہوگی۔"

...میں حیرت سے ویرا کا منہ تکنے لگا۔ غزالہ کی ستائشی نظریں بھی ...اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

ویرا کی اس خوبی نے برسوں سے مجھے اس کا گرویدہ بنایا ہوا تھا ...کہ لاحسین ہونے کے ساتھ ہی بلا کی ذہین بھی تھی اور ذرا سا اشارہ پاتے ہی ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کی بے پناہ فطری صلاحیت رکھتی تھی۔

"اگر تم میرے منصوبے کی افادیت کی قائل ہو چکی ہو تو اس پر مزید دماغ کھپانا بے سود ہے۔ اب تم ہی اول خان کو پوری بات سمجھا دینا۔ وہ اب بھی تمہاری بات بہت توجہ سے سنتا ہے۔"

"اب بھی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ اب کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟"

"سینگ نکل آئیں تو انہیں کاٹ کر سانڈ بھی بچھڑوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تمہارا مرض لاعلاج ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں امریکا روانگی سے نہیں روک سکے گی۔"

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور پھر اول خان دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس وقت بند کمرے کا اجلاس کس منزل پر پہنچا ہوا تھا۔ ہم چاروں عارضی طور پر خاموش ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی بات شروع کر دی "سخی مراد کی موت کی تصدیق ہو چکی ہے۔ دھماکے میں نچلا دھڑ اڑ جانے کے باوجود اس کی لاش شناخت کر لی گئی ہے۔"

وہ ایک مثبت خبر تھی۔ ایک ایک کر کے ہمارے حریف رفتہ رفتہ مارے جا رہے تھے۔ اس بار کمال یہ تھا کہ یہ کارِ خیر ہمارے بجائے راس المیڈا اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہا تھا اور اسی کو اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔

"اور ہارون کی لاش کے بارے میں کیا سوچا جا رہا ہے؟" چند ثانیوں بعد میں نے پوچھا۔

"سب کی عقلیں ماؤف ہیں۔ لاش پولیس کی تحویل میں ہے لیکن ابھی تک کوئی کہانی نہیں بن سکی۔ پولیس والے دھوئیں کے بموں کے استعمال کی کہانی سنا رہے ہیں لیکن وہ دھماکے اتنے ہلکے تھے کہ قرب و جوار میں رہنے والوں نے بھی نہیں سنے۔ اعلیٰ حکام اس پورے واقعے کو شک و شبے کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔"

"یعنی انہیں اپنے موبائل اسکواڈ کے بتائے ہوئے واقعات پر یقین نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے۔ غیر ملکیوں کی لاشوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے سب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرے منصوبے کے لیے فضا خود بہ خود سازگار ہوتی جا رہی ہے۔"

"تمہارا کیا منصوبہ ہے؟ وہی جس کے بارے میں سلطان شاہ کچھ کہہ رہا تھا۔"

"اس پر ویرا خانم روشنی ڈالیں گی۔" میں نے اول خان کو جواب دے کر سگریٹ نکال لی۔

ویرا نے پورے اہتمام سے اول خان کو میری تجویز سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔ اس کے الفاظ کم وبیش وہی تھے جو چند منٹ پہلے استعمال کرچکی تھی۔ اول خان پورے دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"یہ سب تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن یہ فیچر کس بنیاد پر بنے گا؟" اس کی بات مکمل ہونے پر اول خان نے اس سے سوال کیا اور وہ بوکھلا کر میرا منہ دیکھنے لگی۔

"اب مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔ تم بہت عقل مند ہو۔ سب کچھ سمجھ گئی تھیں اس لیے اب تم ہی اول خان کے سوالوں کے جواب دو۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا میں اس وقت سگریٹ سے لطف اندوز ہورہا ہوں۔ میرے اس مشغلے میں خلل مت ڈالو۔" میں نے قدرے بے رخی سے کہا۔

"جو حقائق ہیں' ان ہی کو لے کر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔" چند ثانیوں بعد ویرا بولی۔

"ان کو ثابت کون کرے گا۔ اخبار والے بہت کائیاں ہوتے ہیں اور ہم لوگ تو ویسے بھی اخبار والوں سے بہت دور بلکہ الگ تھلگ رہتے ہیں۔ انہیں ذرا سا سرا مل جائے تو وہ راس المیڈا کو بھول کر اسپیشل ٹاسک فورس ہی کے پیچھے لگ جائیں گے۔" اول خان کے اعتراضات خاصے وزنی تھے۔

"اخبارات میں لکھنے کے لیے کچھ ثابت کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ پریس سے تمہارے مراسم ہی نہیں ہیں۔ اخبار والوں سے دوستی ہو تو وہ خود ہی رائی کا پہاڑ بنالیتے ہیں۔"

"ہماری براہِ راست دوستی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اول خان چڑ کر بولا "میں کوشش کروں تو انٹر سروسز پبلک ریلیشنز میں میری کوئی نہ کوئی جان پہچان نکل آئے گی۔ وہ لوگ پریس میں بڑا اثر ورسوخ رکھتے ہیں لیکن ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کہانی میں جان ہونی چاہیے۔"

"میجر غوث بہت سے واقعات کا گواہ ہے۔ وہ تمہاری کہانی کی تائید کرے گا۔"

"وہ واقعات کا گواہ ہوسکتا ہے لیکن ان میں راس المیڈا کے ملوث ہونے کے بارے میں وہی کچھ جانتا ہے جو ہم اسے بتاتے رہے ہیں۔ وہ تو یہ بھی نہیں بتاسکے گا کہ راس المیڈا کی تصویر اصلی ہے یا نقلی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ راس المیڈا اس وقت راڈنی آرک کے سفارتی روپ میں یہاں آیا ہوا ہے۔ اس کی تصویر کسی اور حوالے سے چھاپنا آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے دوستوں کی تیوریوں پر دسیوں بل آجائیں گے اور ان کا لب ولہجہ تلخ ہوجائے گا۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا۔"

ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"اول خان نے میری تجاویز کا تو بے رحمانہ پوسٹ مارٹم کرڈالا مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ تمہاری تجویز قابلِ عمل ہے۔ میں کہیں بھٹک رہی ہوں۔ اب تم ہی اول خان کو سمجھاؤ کہ تمہارے ذہن میں اس منصوبے کا کیا خاکہ ہے۔"

"تم اپنے آدمیوں پر ظلم کررہے ہو۔" میں نے اول خان سے کہا "اسرار نے راس المیڈا کی تصاویر لے کر ایسا کام کیا ہے کہ اسے جو بھی انعام دیا جائے' وہ کم ہوگا اور تم اسے اسٹیشن فورے شہر تک موٹر سائیکل پر دوڑ لگوا رہے ہو۔"

"واقعی۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "اس نے ہمارے غیر ملکی دشمنوں کے خلاف لڑتے ہوئے جس دلیری سے یہ کام کیا ہے اس پر اسے نشانِ حیدر ضرور ملنا چاہیے۔"

اول خان یوں ہنس پڑا جیسے اس نے کوئی احمقانہ بات کہہ ڈالی ہو اور سمجھاتے ہوئے بولا "جو بات معلوم نہ ہو' اس پر زبان نہیں کھولا کرتے۔ اعزازات ملک وقوم کے جذبۂ تشکر کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتے۔ نشانِ حیدر زندہ سورماؤں کو نہیں دیا جاتا۔ یہ ان مثالی شہیدوں کے لیے وقف ہے جو ملک و قوم کے دفاع میں ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دیتے ہوئے اپنی جانوں پر کھیل کر ہمیشہ کے لیے امر ہوجاتے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟ شجاعت کا یہ اعزاز کسی زندہ انسان کو کیوں نہیں دیا جاسکتا؟"

"اس اعزاز کو ملک کا سالارِ اعظم بھی اپنا سلام پیش کرتا ہے۔" اول خان سنجیدگی سے بولا "فوج کے مراتب اور ڈسپلن میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کہ بڑا افسر اپنے چھوٹوں کو باضابطہ سلامی دے۔ دادِ شجاعت دینے والے غازیوں کے لیے دوسرے اعزازات موجود ہیں۔ انہیں نشانِ حیدر دیا گیا تو ڈسپلن کا کیا بنے گا؟"

بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلانے لگا۔

"تمہاری بات ادھوری رہ گئی۔ تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے تھے؟" اول خان نے مجھے ٹوکا۔

"اسرار کی لی ہوئی تصاویر میں راس المیڈا کی ایک تصویر کے علاوہ ایسی تصاویر بھی ہیں جن میں ہارون اور راس المیڈا کے چہروں کے کچھ حصے دیکھے جاسکتے ہیں اور ایسی ہی تصویریں کہانی کی بنیاد بنیں گی۔ متوفی اپنی موت سے قبل اس مکان میں امریکا کے رسوائے زمانہ صیہونی دہشت گرد' راس المیڈا کے ساتھ مے نوشی کررہا تھا پھر راس المیڈا نے اسے ہلاک کردیا۔ میجر غوث کی تحویل میں موجود چند قیدی یہ تصدیق کرسکتے ہیں کہ راس المیڈا ہی چیف بن کر فریڈم لاج میں رہنے والوں پر حکمرانی کررہا تھا۔ پورا فیچر سختی سے ان ہی واقعات تک محدود رہے گا۔ کے نائین یا دوسری تخریبی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔ تم یقین کرو کہ اس فیچر کی اشاعت

کے بعد راس المیڈا اپنی سفارتی حیثیت کہیں استعمال نہیں کرسکے گا۔ وہ جہاں جائے گا' پہچان لیا جائے گا۔"

"یہ بات بن سکتی ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "مگر یہ فیچر تم ہی تیار کرسکتے ہو۔"

میں بے اعتباری سے ہنس پڑا "خدا کا خوف کرو۔ میں نے آج تک کوئی خط تک نہیں لکھا ہے۔ میں مرکر بھی فیچر تیار نہیں کرسکوں گا۔ یہ کام تمہارے انٹر سروسز پبلک ریلیشنز والے ہی کسی سے کروادیں گے۔"

"فیچر کوئی بھی لکھ لے گا۔ نکات تم کو بتانے پڑیں گے۔ مجھے بہت زیادہ زبانی بریفنگ دینی پڑی تو میں بھٹک کر دوسرے واقعات کا ذکر بھی نکال لوں گا۔ یہ کام تم اسی وقت کرڈالو۔" اول خان بولا۔

اس منصوبے کا کلیدی نکتہ یہ تھا کہ پاکستان میں موجود ہر امریکن اہل کار کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ راس المیڈا صرف اپنا ہمدرد تھا۔ دوسرے اس کے لیے محض چارے کا کام کرتے تھے۔ وہ بے رحمی سے اپنے ساتھ کام کرنے والے امریکنوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔ راس المیڈا پر سیکڑوں پاکستانیوں کے قتل کا الزام عائد کرکے بھی امریکنوں کے دل میں اس کے خلاف نفرت پیدا نہیں کی جاسکتی تھی۔ دوسری طرف صرف ہارون کے قتل کی فردِ جرم پڑھ کر ہر امریکن اس کی طرف سے خوف اور نفرت کا شکار ہوسکتا تھا۔ چند روز بعد اس پر بوب گومز اور رینڈل کے قتل کا الزام بھی عائد کیا جاسکتا تھا۔

اس حکمتِ عملی کے تحت وہ اپنے قریبی ساتھیوں کی ہمدردیاں کھوکر بالکل تنہا رہ جاتا۔ اپنی تصویر کی تشہیر کے بعد وہ راڈنی آرک بن کر بھی منظرِ عام پر نہیں آسکتا تھا۔ فیچر میں اس کے لیے یہی پیغام پنہاں ہوتا کہ وہ اب صرف نام سے نہیں' اپنے چہرے سے بھی پہچان لیا جائے گا اور سامنے آتے ہی مار ڈالا جائے گا۔

"سب کچھ اسی طرح ہوا تو اس کے لیے پاکستان کی زمین تنگ ہوجائے گی اور وہ چوری چھپے یہاں سے فرار ہونے کی کوششوں میں مصروف ہوجائے گا" مزید تبادلۂ خیال کے بعد ویرا نے اپنا نظریہ پیش کیا۔

"اس کی کوششوں کو ناکام بنانا ہمارا کام ہوگا" میں نے کہا "وہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوگیا تو نیویارک کے کسی بھی ہوائی اڈے پر تم اس کا استقبال کروگی۔ ایک بار اس کے اعصاب بکھر گئے تو وہ ہم سے کہیں بھی مقابلہ کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا۔"

"تم اسی وقت اول خان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ یہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہیے۔ میں ائرکنڈیشنر کا تھرمو اسٹیٹ لو کرکے تم دونوں کے لیے یہ کمرا خالی کیے دیتی ہوں۔ آج کی رات غزالہ کے ساتھ گزار لوں گی۔"

"تم جاؤ۔ خنکی میں کمی بیشی ہم خود کرلیں گے" میں نے اس کی

تجویز مان لی۔

"اور ہاں!" وہ جاتے جاتے اوّل خان کی طرف پلٹ پڑی۔ "کل میرے پاسپورٹ اور ٹکٹ کا کام ہو جانا چاہیے۔ میں اس کام میں ایک دو دن سے زیادہ تاخیر برداشت نہیں کر سکوں گی۔ زیادہ دیر ہوئی تو میں خود ہی کوئی دوسرا راستہ اختیار کرلوں گی۔"

"ابھی جاکر آرام کرو" اوّل خان نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔ "اپنے کام سے نمٹ لیں تو تمہارے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا جائے گا۔ تمہیں غیر قانونی ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

وہ تینوں ویرا کی خواب گاہ سے چلے گئے اور میں اوّل خان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"کیا دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟ اس طرح کیوں مسکرا رہے ہو؟" اوّل خان بگڑ کے بولا۔

"میرے ذہن میں ابھی ابھی کہانی کا ایک نیا اور بھرپور خاکہ ابھرا ہے۔ میں اپنے نوٹ بنالوں تو تم اچھل پڑو گے۔"

"بس یہ یاد رکھنا کہ ہم جو کچھ کہیں' اسے کسی نہ کسی حد تک ثابت ضرور کرسکیں۔ آئی ایس پی آر والے ہم سب سے زیادہ محبِ وطن ہیں لیکن وہ بے سروپا باتیں قبول نہیں کریں گے۔"

"تم فکر مت کرو۔ جہاں ضرورت ہوئی' میں تم سے مشورہ لیتا رہوں گا۔"

بظاہر وہ زیادہ لمبا کام نہیں تھا۔ راس المیڈا کی فتنہ انگیزیوں کے بارے میں بس چند رہنما نکات قلم بند کرنے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں نمٹ جائیں گے لیکن بات شروع ہوئی تو پھر وقت تیزی سے گزرتا ہی چلا گیا۔ میں اس کہانی کو جمی لائیڈ اور راس المیڈا کی محاذ آرائی سے شروع کرنا چاہ رہا تھا۔ اس میں شی اور جمی لائیڈ کا نام تک بدل دیا گیا مگر امریکا کے صدر اور وائٹ ہاؤس کے کردار کے تعین کے بغیر بات نہیں بن رہی تھی۔ وہ نام ایسے حساس تھے کہ انہیں سرِعام کسی اسکینڈل میں ملوث نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان دنوں راس المیڈا کے دیس میں وہی شخص حکمراں تھا جو اس کھیل میں کلیدی کردار ادا کرکے اسی شی کے سفید و سیاہ کا مالک بن چکا تھا۔ وہ کسی قیمت پر بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کا منظورِ نظر تیسری دنیا کے ایک تیسرے درجے کے ملک میں بے بسی کا شکار ہونے کے بعد آنے والے انتخابات میں اس کی مدد کرنے سے قاصر ہوجائے۔ کہانی میں ذرا سا بھی سیاسی اشارہ شامل ہوتا تو اس مقتدر شخص کو مداخلت کا نادر بہانہ مل سکتا تھا۔ اس کی مداخلت کا امکان ایک ہی صورت میں ختم کیا جاسکتا تھا کہ پوری کہانی صرف راس المیڈا کے جرائم اور خوں ریزیوں پر مشتمل ہو۔ اس میں سیاست کے بارے میں کوئی لفظ نہ آنے پائے۔

کافی بحث کے بعد یہ نکتہ طے پاگیا۔ آخر کار کہانی کی ابتدا گومز خاندان کی بدقسمتی کی حقیقی کہانی سے شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

ٹیڈ گومز کسی گمنام اور عسرت زدہ گھرانے کا اکلوتا وارث نہیں ... اس کی ہیروئن نوشی اور ہلاکت کی کہانی امریکا میں یقیناً اچھا ... ہوگی۔ ٹیڈ کی ہلاکت کے بعد بوب گومز کو جمی لائیڈ نے تباہ ... راستے پر ڈالا تھا۔ وہ اپنے عروج کے زمانے میں ایوان اقتدار ... منظورِ نظر تھا۔ سیاست کا آخری شائبہ تک دور کرنے کے لیے ... لائیڈ کا نام حذف کرکے کہانی یہ بنائی گئی کہ راس المیڈا کو یہ ... بالکل پسند نہیں آئی تھی کہ بوب گومز اپنی خطیر دولت پاکستان ... ملک میں برباد کرے۔ وہ ڈیوڈ اسٹارز کو تیزی سے آگے بڑھانے ... لیے بوب گومز کی بے اندازہ دولت پر قبضے کا خواہاں تھا۔ اس ... بوب پر ہر طرح دباؤ ڈلوائے اور ناکامی کے بعد خود پاکستان آ ... اس نے اپنی سازشوں کے ذریعے کسی طرح فریڈم لاج پر اپنا قبضہ ... لیا۔ اپنے حریفوں کو قتل کرکے اس عمارت میں بڑے پیمانے پر ... پھیلائی اور خود وہاں سے نکل گیا۔ مارون نے اس کی ان سنگین ... کارروائیوں پر احتجاج کیا تو راس المیڈا نے سرد مہری سے اسے ... موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ بوب کی دولت تک رسائی حاصل ... کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور پاکستان سے فرار کے لیے پر تول رہا ... تھا۔

اس کہانی میں رنگ بھرنا اوّل خان کے ان دوستوں کا کام ... جو پریس کی زبان اور ضروریات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ تصاویر کا ... ایک سیٹ اوّل خان نے ہمیں دے دیا تھا۔ دوسرا سیٹ ان ... کے ساتھ منسلک کیا جانا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسرار کی لی ہوئی ... ادھوری تصویروں کی مدد سے وکیٹرا اور ساگا کی مکمل تصاویر بنا کر ... کہانی میں مزید جان ڈالی جاسکتی تھی۔

ہم اپنے کام سے فارغ ہوئے تو صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ ... کی بند اور خنک خواب گاہ میں وقت کا کوئی احساس نہیں ہوا ... ہم کمرے سے باہر نکلے تو فضا میں صبح کا ملگجا اجالا تیزی سے ... جا رہا تھا اور فضائیں بھانت بھانت کے پرندوں کی چہکار سے ... رہی تھیں۔

سلطان شاہ اور ویرا کو کسی وقت نیند نے آلیا تھا۔ غزالہ ... ساری رات جاگتی اور ہمیں چائے وغیرہ فراہم کرتی رہی تھی۔ ... اس وقت بھی تھکن کے کسی اظہار کے بغیر جاگ رہی تھی اور ... دونوں کے لیے ناشتا تیار کرنے کے لیے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔

"اب ایک کام تمہیں کرنا ہوگا" اوّل خان نے برآمدے ... تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"ایک نہیں' میں چار کام کرسکتا ہوں۔ بس اس سے ... آرام کا ذرا سا وقفہ چاہوں گا۔"

"میں شادی شدہ جوڑوں کے آرام کا مقصد خوب ... ہوں" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ تم خود بھی اسی صف میں شامل ..." میں نے کہا۔

وہ یک لخت سنجیدہ ہوگیا "اب میں اس کہانی کی تیاری اور اشاعت کے مسائل میں الجھ جاؤں گا۔ ویرا کے کام کے لیے مجھے وقت نہیں مل سکے گا۔ اس کے پاسپورٹ پر اندراج اور سیٹ کی بکنگ کا کام تم کرالو۔"

"اگر یہ کام اسی قدر آسانی سے ہوسکتے ہیں تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔"

"میں کسی بھی وقت کرنل رحمٰن کو فون کردوں گا۔ تم دس بجے کے بعد ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے دفتر میں پہنچ کر اس سے مل لینا۔ وہ بیٹھے بیٹھے پاسپورٹ والا کام کرادے گا۔ اس کے بعد سیٹ بک کرائی جاسکتی ہے۔"

"اب تم اس طرف سے بے فکر ہوجاؤ۔ میں کرنل رحمٰن سے مل لوں گا۔"

ہم تینوں نے ایک ساتھ ناشتا کیا۔ ناشتے کے دوران اوّل خان نے ایک لاکھ کے نوٹوں کی گڈی واپس کرنے کے ساتھ اپنا اپریٹس میرے ہی پاس چھوڑ دیا۔ اپنے لیے وہ اسرار والا اپریٹس لے چکا تھا۔ اس نے اسٹیشن فور کی پوری طرح بحالی تک کے لیے وہ عارضی بندوبست کیا تھا تاکہ ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکیں۔

اسٹیشن فور کا ذکر آنے پر غزالہ نے اسے یاد دلایا کہ ٹیلی فون والے پچھلی شام ہی کو وہاں پہنچ گئے تھے۔ اوّل خان کا اندازہ تھا کہ چند گھنٹوں میں فون بحال ہوجائیں گے۔ اس نے مشورہ دیا کہ اوّل خان جانے سے پہلے نمبر ملا کر دیکھ لے کہ فون ٹھیک ہوچکے ہیں یا بدستور خراب ہیں۔

ناشتے سے فارغ ہوکر اوّل خان نے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ اسے پہلی ہی گھنٹی پر وہاں سے جواب مل گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک فون پر مصروف رہا پھر فلیٹ سے روانہ ہوگیا۔



راس المیڈا کو ہر طرف سے گھیرنے کی کارروائی کی داغ بیل ڈالی جاچکی تھی۔ میں نے اپنے حصے کا کام کرلیا تھا۔ باقی ذمے داری اوّل خان کی تھی۔ اس طرف سے بے فکری ہوجانے کے بعد میرے سر پر صرف دو بوجھ باقی رہ گئے تھے۔ پہلا کام ویرا کے پاسپورٹ اور ٹکٹ کا تھا جس کے لیے میں اس وقت ائرپورٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے بعد مجھے پوری طرح ساگا کی تلاش میں مصروف ہوجانا تھا۔

سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان سے ساگا کے بجائے مارون کی لاش ملنے سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ کھیل کے اس مرحلے میں راس المیڈا نے مارون کو اپنے عتاب کا نشانہ بنا کر ساگا کو زندہ رکھا ہوا تھا۔ اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ امریکا اور پاکستان کے ان دو بڑے مجرموں کے درمیان باہمی تعاون کا کوئی اہم معاہدہ ہوچکا تھا اور وہ ان دنوں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کے اصولوں پر کاربند تھے۔

میں اپنی دھن میں مگن سڑک کی وسطی قطار میں گاڑی چلا رہا تھا۔ داہنی قطار میں یکے بعد دیگرے بہت سی تیز رفتار گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ میں نے ان میں سے کسی پر دھیان دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن جب عقب نما آئینے میں مجھے دو ایسی گاڑیاں نظر آئیں جو سڑک پر انتہائی داہنی طرف رواں تیز رفتار ٹریفک سے بھی آگے نکلنے کے لیے بار بار قطار بدل رہی تھیں تو میں ان میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔

ان میں سے اگلی گاڑی کا رنگ سیاہ تھا۔ دوسری سرخ بی ایم ڈبلیو تھی۔ ان دونوں گاڑیوں پر عام نمبر پلیٹیں تھیں اور وہ یوں ایک دوسرے کے پیچھے لگی ہوئی تھیں جیسے ان میں تیز رفتاری کا مقابلہ ہو رہا ہو۔

ذرا سی دیر میں وہ دونوں گاڑیاں وسطی قطار میں دوسروں کو دباتی ہوئی میرے پیچھے آگئیں۔ سیاہ کار والے نے ہارن بجا کر مجھے اپنی قطار سے مزید بائیں طرف دھکیلنا چاہا لیکن میں نے سنی ان سنی کردی پھر اچانک ہی دونوں گاڑیاں قدرے ترچھی ہوکر میرے بائیں پہلو پر آئیں اور زن سے آگے نکل گئیں۔

اس وقت تک میری پوری توجہ ان گاڑیوں پر مرکوز ہوچکی تھی۔ شاید اس کا ایک لاشعوری سبب یہ بھی تھا کہ پچھلے روز راس المیڈا نے سخی مراد کے مکان پر حملے میں سیاہ کار ہی استعمال کی تھی۔

سیاہ کار میں ڈرائیور کے علاوہ دو افراد سوار تھے۔ اپنی چستی اور لباس سے وہ محافظ معلوم ہو رہے تھے لیکن پچھلی کار میں ڈرائیور کے پیچھے صرف ایک سفید فام سوار تھا جس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک جمی ہوئی تھی۔ میں اس کی بس ایک ہی جھلک دیکھ سکا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

میں نے سرخ بی ایم ڈبلیو میں جو کچھ دیکھا' وہ میرے لیے بڑی حد تک ناقابلِ یقین تھا۔ وہ سو فیصد جمی لائیڈ کا بدترین حریف اور میرے لہو کا پیاسا راس المیڈا تھا جو نہایت اطمینان سے پچھلی نشست میں دھنسا بیٹھا تھا۔ اس کی صورت بالکل وہی تھی جو میں اسرار کی لی ہوئی تصویر میں دیکھ چکا تھا۔

اگر وہ راس المیڈا ہی تھا تو سیاہ کار میں یقیناً اس کے محافظ یا سفارتی ملازمین تھے جو اس کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ وہ راستہ سیدھا ائرپورٹ کی طرف جاتا تھا۔ اس سے آگے شہر کی مضافاتی بستیاں اور دیہی علاقے شروع ہوجاتے تھے۔

یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ راس المیڈا ان مضافاتی بستیوں یا دیہی علاقوں کی طرف جا رہا ہوگا۔ وہ واضح طور پر ائرپورٹ ہی کا قصد رکھتا تھا۔

شاید پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھ کر اس نے نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا۔ میں نے گھر سے نکلنے سے پہلے اخبارات نہیں دیکھے تھے مگر میرا اندازہ تھا کہ اسے اخبارات سے یا پھر ساگا کی زبانی یہ معلوم

ہوچکا تھا کہ پچھلی رات نامعلوم افراد نے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان میں گھسنے کی کوشش کی اور پھر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان جارحانہ واقعات کے تواتر نے غالباً راس المیڈا کے حوصلے پست کرکے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے اور اس نے پہلی فرصت میں پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

امریکنوں کے ساتھ شہر میں جابہ جا پیش آنے والے مہلک واقعات کی وجہ سے ان کے سفارت خانے نے اسلام آباد سے واضح ہدایات جاری کی ہوئی تھیں کہ ان کے شہری ایسی سواریوں میں سفر نہ کریں جن کی وجہ سے انہیں دور ہی سے شناخت کیا جاسکے۔ اپنی آمدورفت کے لیے اوقات اور راستوں کے معمولات میں اچانک تبدیلیاں کرتے رہیں تاکہ انہیں گھات لگاکر کسی دہشت گردی کا نشانہ نہ بنایا جاسکے‘ اجنبی ملاقاتیوں کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں۔ اپنی ڈاک کسی کھلی جگہ پر اپنے ملازمین سے کھلوانے کے بعد پڑھیں‘ مقامیوں سے میل جول سے اجتناب کریں اور ایسی ہی بہت سی احتیاطی تدابیر تھیں جن کا مقصد امریکنوں کو غیر متوقع دہشت گردی سے بچانا تھا۔

راس المیڈا ان دنوں راؤنی آرک بن کر کراچی میں مقیم تھا۔ اس حیثیت میں وہ بہت سی سفارتی مراعات کا حق دار تھا لیکن اس نے عام نمبرپلیٹ والی کار میں سفر کرکے یہ واضح کردیا تھا کہ وہ خود بھی اپنی شناخت کے امکانات سے خاصا خوف زدہ تھا۔

چند ہی ثانیوں کی کوششوں کے بعد میری گاڑی اور سرخ بی ایم ڈبلیو کے درمیان صرف دو گاڑیاں رہ گئیں۔ میں نے اپنے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی تو مجھے پچھلی گاڑی ضرور نظر آئی مگر سورج کی شعاعوں کے تیز انعکاس کی وجہ سے اس کے ڈرائیور کا چہرہ نظر نہیں آسکا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس تعاقب میں اگلی دونوں گاڑیوں کا کوئی ڈرائیور میرے چہرے کا عکس دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

اچانک ہی سامنے آنے والی اس نئی صورت حال نے مجھے سخت اعصابی اضطراب میں مبتلا کردیا تھا۔ اگر راس المیڈا نے خاموشی سے پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا تھا تو ان آخری لمحات میں اسے روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دوسرا اور کمزور سا امکان یہ بھی تھا کہ وہ پاکستان سے باہر نہیں بلکہ کسی دوسرے شہر تک جارہا ہو۔ میرے لیے اس کا کسی اور شہر کا رخ کرنا بھی سود مند نہیں تھا۔ کراچی میں میں ساگا کے ذریعے اس کا کھوج نکال سکتا تھا۔ وہ کہیں اور چلا جاتا تو اس کی تلاش کا ہر امکان معدوم ہوکر رہ جاتا۔

سفر جاری تھا۔ میں ویرا اور اس کی سفری دستاویزات کو بھول کر بہت تیزی کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ راس المیڈا کو کس طرح اس کے متوقع سفر سے روکا جائے۔

میرے ذہن میں پہلی تجویز یہ آئی کہ طیارے پر کسی بم کی موجودگی کی گمنام اطلاع دے کر پرواز ملتوی کرادی جائے لیکن میں نے خود ہی اس تجویز کو مسترد کردیا۔ پہلی بات یہ تھی کہ مجھے سرے سے یہ معلوم نہیں کہ راس المیڈا کس پرواز سے اور کہاں جارہا تھا۔ کسی طرح یہ معلوم کرلیا جاتا تب بھی بم کی اطلاع پر پرواز ملتوی ہوسکتی تھی‘ اس کے منسوخ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ طیارہ خالی کرانے کے بعد پورے جہاز کی تفصیلی تلاشی لی جاتی اور سیکیوریٹی کلیرنس کے بعد پرواز کو روانگی کی اجازت مل جاتی۔

ائرپورٹ سیکیوریٹی فورس والا کرنل رحمٰن بھی راس المیڈا کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ گو وہ کسی کروفر کے بغیر جارہا تھا لیکن راؤنی آرک بن کر اس نے سفارتی سفری دستاویزات حاصل کی ہوئی تھیں۔ ان کی وجہ سے اسے روکنے کا ہر امکان خارج از بحث ہوجاتا تھا۔

اسٹار گیٹ سے وہ دونوں گاڑیاں ائرپورٹ کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گئیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ راس المیڈا کہیں بھی جارہا ہو‘ روانگی کے لیے بھیڑ بھاڑ میں پھنسنے سے گریز کرتے ہوئے وی آئی پی لاؤنج استعمال کرے گا۔

وقت پر لگاکر اڑ رہا تھا۔ ہم لحہ بہ لحہ ائرپورٹ سے قریب تر ہوتے جارہے تھے۔ ہمارے مہینوں کے ریاض کا ثمر ہاتھ آنے کا موقع آیا تو راس المیڈا ملک چھوڑ کر فرار ہورہا تھا اور میں بے بس تھا۔ اس معاملے میں مجھے اول خان سے بھی کسی مدد کی کوئی امید نہیں تھی ورنہ میں چاہتا تو اس سے ایرٹیس پر رابطہ کرسکتا تھا۔

آخر تعاقب کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ میری توقع کے مطابق وہ دونوں گاڑیاں وی آئی پی لاؤنج کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ میں نے سست روی سے اپنی کار پارکنگ ایریا میں داخل کرتے ہوئے دیکھا کہ دراز قامت اور قوی الجثہ راس المیڈا کار سے اترتے ہی بہت تیزی سے عمارت میں داخل ہوتا چلا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی بریف کیس جھول رہا تھا۔ دوسرا سامان اگر کوئی تھا تو وہ ڈرائیوروں وغیرہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

سخت جھنجلاہٹ اور بے بسی کے عالم میں اپنی گاڑی مقفل کرکے میں وی آئی پی لاؤنج سے ملحق عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اے ایس ایف کے ایک اہل کار سے میں نے کرنل رحمٰن کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دینے سے پہلے‘ چبھتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لیا پھر ایک طرف اشارہ کردیا۔

کرنل رحمٰن اے ایس ایف کا کوئی بڑا افسر اور خاصا مصروف آدمی تھا۔ اوّل خان کے حوالے سے پرچی اندر پہنچتے ہی اس نے مجھے بلالیا۔ اندر مجھ سے پہلے تین مرد اور دو عورتیں موجود تھیں۔

کرنل رحمٰن کی میز کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے صرف پانچ ہی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے مجھے الگ پڑے ہوئے صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تیزی کے ساتھ

میرے پاس آگیا۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ خاصا خشک اور دبنگ آدمی نظر آرہا تھا۔ میں احتراماً دوبارہ کھڑا ہوگیا۔

اس نے آتے ہی مجھ سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور کسی تمہید یا تعارف کے بغیر پاسپورٹ کا مطالبہ کردیا۔

"میں ایک اہم مسئلے کے لیے آپ کے چند منٹ لینا چاہتا ہوں" میں نے دھیمی آواز میں درخواست کی۔

"آپ جس کام کے لیے آئے ہیں‘ میں اس سے واقف ہوں۔ آپ پاسپورٹ مجھے دے دیں۔"

"وہ پاسپورٹ کے علاوہ دوسرا کام ہے" میں نے لجلجا کر کہا۔

"اول خان نے مجھ سے صرف پاسپورٹ کے لیے بات کی ہے" اس کی آواز میں تلخی عود کر آئی "آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرے پاس آپ سے پہلے دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں.... پاسپورٹ لائیں!"

اس کے ریکارڈ کی سوئی صرف اور صرف پاسپورٹ پر اٹکی ہوئی تھی۔ میں نے ناچار اپنے بلیزر کی اندرونی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور مایوسانہ لہجے میں کہا "یہ میرا ذاتی نہیں‘ قومی کام تھا.... وقت نکل گیا تو کچھ بھی نہیں ہوسکے گا.... مگر آپ مصروف ہیں!"

"قومی کام!" کرنل رحمٰن کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے اضطراری طور پر مضبوطی سے میرا بازو تھاما اور مجھے ساتھ لے کر صوفے کے ایک کنارے پر ٹک گیا پھر اس نے عقابی نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نیچی آواز میں کہا "مجھے مختصر ترین الفاظ میں بتاؤ کہ کیا معاملہ درپیش ہے۔"

"ہم لوگ ایک بدترین مجرم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس وقت کسی پرواز سے فرار ہورہا ہے۔"

"اوہ!" اس کے ہونٹ ایک دائرے کی صورت میں سکڑ گئے "تو یہ معاملہ ہے۔ وہ کس پرواز سے جارہا ہے؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں نے اتفاقاً اسے راستے میں دیکھا ہے۔ اس وقت وہ وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہے۔ اسے روک کر آپ ملک و قوم کی بہت بڑی خدمت کریں گے۔"

"کسی وی آئی پی کو پرواز سے آف لوڈ کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ کیا وہ کوئی سرکاری افسر ہے؟"

"وہ ایک امریکن دہشت گرد ہے جو ڈپلومیٹ بن کر یہاں آیا ہوا ہے" میں نے اسے آگاہ کیا۔

کرنل رحمٰن کی چمکتی ہوئی آنکھیں لحہ بھر کے لیے دھندلا گئیں‘ چہرے پر مایوسی نے ڈیرے ڈال دیے اور وہ پژمردہ آواز میں بولا۔ "سوری مسٹر! ڈپلومیٹک اسٹاف کا معاملہ بہت نازک اور حساس ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اسلام آباد کا محکمۂ خارجہ ہی کچھ کرسکتا ہے اور آپ بتارہے ہیں کہ وہ امریکن ڈپلومیٹ ہے۔ اسے تو کوئی بھی نہیں چھیڑے گا۔ میرا فون حاضر ہے‘ آپ چاہیں تو اسلام آباد میں کسی سے بات کرسکتے ہیں۔"

"کسی سے بات کرنے کا وقت نہیں رہا" میں نے مایوسی سے کہا۔ ان ہی لمحات میں میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ میں نے پُرامید لہجے میں اس سے پوچھا "آپ چند منٹ کے لیے مجھے وی آئی پی لاؤنج میں داخل ہونے کی اجازت تو دلوا سکتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح ہمارا کام بن جائے۔"

"نہیں!" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سختی سے کہا "میں تمہیں اندر جاکر اسے ہراساں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس نے فارن آفس کو شکایتی خط لکھ دیا تو پورا سیکیوریٹی اسٹاف معطل کردیا جائے گا۔"

"آپ کے مسلح آدمی میری نگرانی کرسکتے ہیں۔ میں چند منٹ اندر رہ کر باہر لوٹ آؤں گا۔"

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو" وہ جھلا کر آپ سے تم پر اتر آیا "اندر جاکر تم کون سا منتر پڑھو گے کہ چند منٹ میں تمہارا مطلوبہ مقصد حاصل ہوجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ ائرپورٹ کے ممنوعہ علاقے میں تشدد کرنے والے یا کسی بھی مشتبہ شخص کو للکار کر گولی مارنے کے مکمل اختیارات سے لیس نگہبان چپے چپے پر پھیلے ہوئے ہیں۔"

"مجھے صرف ایک سفری بیگ درکار ہوگا جس سے یہ ظاہر ہوسکے کہ میں بھی اسی کے ساتھ سفر پر نکل رہا ہوں" میں نے اپنے خیالات کو یک جا کرتے ہوئے اسے بتایا "میں اسے جانتا ہوں‘ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ وہ ہرگز میرا قرب پسند نہیں کرے گا اور مجھے دیکھتے ہی وی آئی پی لاؤنج سے فرار ہوجائے گا۔"

میری تجویز پر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر متذبذب لہجے میں پوچھنے لگا۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اندر پہنچنے کے بعد تم اپنی اس تجویز سے انحراف نہیں کروگے؟"

"ضمانت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مجھے اوّل خان نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں ایک ذمے دار اور فرض شناس شہری ہوں۔ اپنی کسی حرکت سے آپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا.... انحراف کروں تو مجھے بے دریغ گولی ماردی جائے۔"

اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہورہا تھا کہ میری بے باکانہ گفتگو نے اسے متاثر کیا ہے۔ وقت ایسا آگیا ہے کہ قومی مفاد کے لیے گولی کھانا صرف پیشہ ور سرکاری اداروں کا فرض بن کر رہ گیا ہے۔ عام شہریوں میں کوئی قربانی کے اس بے لوث جذبے سے سرشار نہیں ہوتا۔

"یہ معقول بات ہے" اس نے میرا بازو چھوڑ کر کہا پھر پوچھا۔ "تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"ڈینی!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے گرم جوشی سے بولا "اب مجھے پورا

اطمینان ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں اڑتی اڑتی افسانوی خبریں سنی ہیں۔ تمہارا نام ہی تمہارے الفاظ کی بھرپور ضمانت ہے۔"

بگڑتے بگڑتے بات اچانک سنبھلنے لگی۔ پروازوں کے ساتھ جانے والے کسی ائر کمانڈو کا ایک سفری بیگ عارضی طور پر میری تحویل میں دے دیا گیا۔ کرنل رحمٰن نے اے ایس ایف کے دو سینئر افسران کو مختصر ہدایات دے کر میرے ساتھ کردیا اور تینوں فوراً ہی وی آئی پی لاؤنج کی طرف چل دیے۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وی آئی پی پارکنگ لاٹ میں راس المیڈا کو لانے والی دونوں میں سے کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ وہ لوگ اس خبیث کو اندر پہنچانے کے بعد بے فکر ہو کر واپس جا چکے تھے۔

اے ایس ایف کے دونوں افسر اپنے اور دیگر عملے کو ہدایات دینے کے لیے مجھ سے چند قدم آگے چل رہے تھے۔ میرے بہروپ کو تکمیل کرنے کے لیے ایک استعمال شدہ بلکہ ناکارہ ٹکٹ میرے حوالے کردیا گیا تھا جو میرے ہاتھ میں تھا۔

میں بورڈنگ اور سیکیورٹی کے مراحل سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوا تو میری عقابی نظروں نے دیکھ لیا کہ راس المیڈا دو نشستوں والی ایک دور افتادہ میز کے گرد بیٹھا سگریٹ نوشی کر رہا تھا۔

سارے مراحل طے ہونے کے بعد اے ایس ایف والے پیش قدمی ترک کر کے میرے پیچھے ہو گئے تھے۔

میں ایک چکر کاٹ کر ایسے زاویے سے راس المیڈا کے سامنے نمودار ہوا کہ اس نے فوراً ہی مجھے دیکھ لیا۔

میں اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ لیے اس کی طرف بڑھتا رہا۔ اس نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔ کرسی پیچھے الٹ گئی اور چائے یا کافی کی پیالی میز پر گر گئی۔

اس ہڑبونگ پر پورے لاؤنج میں سنسنی پھیل گئی۔ میں جہاں تھا' وہیں رک گیا۔

راس المیڈا کے چہرے کے نقوش دہشت اور بے یقینی سے بری طرح بگڑ گئے تھے۔ اس نے بائیں ہاتھ سے بریف کیس اٹھایا اور داہنے ہاتھ سے اپنے دل کے مقام کو دباتا ہوا امدادی ڈیسک کی طرف دوڑ پڑا۔

وی آئی پی لاؤنج کے سنجیدہ اور گمبھیر ماحول میں وہ واقعہ وحشت ناک تھا۔

پتا نہیں وہ حقیقت تھی یا اداکاری مگر معلوم یہی ہو رہا تھا جیسے گراں ڈیل راس المیڈا پر دل کا دورہ پڑ گیا ہو۔ ایک سفید فام وی آئی پی کو ایسی کربناک حالت میں دیکھ کر سول ایوی ایشن کا امدادی عملہ تیزی سے حرکت میں آیا اور راس المیڈا کو ڈیسک تک پہنچنے سے پہلے ہی سنبھال لیا۔

"ایمبولینس یا ٹیکسی لاؤ۔ اسے دل کا شدید دورہ پڑا ہے" اسے سنبھالنے والوں میں سے کسی نے ہانک لگائی۔

راس المیڈا نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ میری زہریلی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

راس المیڈا میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ہذیانی آواز میں دہاڑا "سب کو روک دو..... کوئی میرے قریب آیا تو میں اس کا گلا دبادوں گا..... اوہ گاڈ! میرا دل..... مجھے یہاں سے جلدی باہر نکالو۔"

سول ایوی ایشن والے بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے نکاسی کے راستے کی طرف لے جانے لگے۔

وہاں میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ راس المیڈا دل کے دورے کے بہانے باہر نکل کر فرار ہو جاتا مگر میں بورڈنگ لاؤنج میں داخل ہونے کے بعد اے ایس ایف والوں کی مدد کے بغیر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

میری نظروں سے وہ دونوں میرا مدعا سمجھ گئے اور ایک مرتبہ پھر میرے آگے چلنے لگے۔

وی آئی پی لاؤنج سے نکلتے ہی میں نے اے ایس ایف والوں سے کہا "کرنل رحمٰن کو یہاں کی روداد بتا دینا۔ میں اپنے شکار کے پیچھے جا رہا ہوں۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ دل کے دورے کی اداکاری کر رہا ہے۔"

میں نے بلاوجہ ہی اس کی اداکاری کی بات نہیں کی تھی۔ اس نے جس انداز میں لوگوں کو دور رکھنے اور اپنے باہر جانے کی بات کی تھی اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اگر کسی کو دل کا شدید دورہ پڑ جائے تو وہ اس حالت میں گرد و پیش سے بالکل ہی بے خبر ہو کر ناقابل برداشت اذیت سے گزرتا رہتا ہے۔ راس المیڈا نے مجھے دیکھتے ہی وہاں سے فرار ہونے کی وہ ترکیب سوچی تھی ورنہ بورڈنگ کارڈ لے لینے کے بعد وہ اتنی آسانی سے وہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے پارکنگ لاٹ سے اپنی گاڑی باہر لانے میں بہت تیزی دکھائی۔ اس وقت تک راس المیڈا ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ سول ایوی ایشن کے عملے نے اسے ایمبولینس کے ذریعے اسپتال بھیجنا چاہا ہوگا لیکن اس مکارِ اعظم کا مفاد ٹیکسی لینے میں تھا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو بھاری معاوضے کا لالچ دے کر بہت آسانی سے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔

ائرپورٹ کی حدود میں مختلف فضائی کمپنیوں کی گاڑیوں میں لاسلکی ٹرانسمیٹرز کا استعمال عام تھا۔ ان اطراف میں آنے جانے والے ایسے آلات کے استعمال کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ اس ضمن میں اسٹار گیٹ تک آنے والی سڑک بہت محفوظ تھی۔

راس المیڈا کی ٹیکسی برق رفتاری سے سڑک پر اڑی جا رہی تھی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے اپریٹس نکال کر اور

پان سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔

اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے ویرا کی سفری دستاویزات کی تبدیلی کے بارے میں پوچھا تھا۔

"کاغذات پر لعنت بھیجو۔ اس وقت میں ائرپورٹ سے راس المیڈا کا پیچھا کرتا ہوا نکلا ہوں۔ اس کی ٹیکسی بہت تیزی سے اسٹار گیٹ کی طرف جا رہی ہے۔ اس وقت اسے گھیر لیا جائے تو وہ بالکل بے نقاب ہو جائے گا۔"

"یہ ناممکن..... فوری طور پر کچھ بھی نہیں ہو سکتا" اس کی آواز ناسفانہ تھی "تمہیں ائرپورٹ پر راس المیڈا کہاں سے مل گیا؟ تم تو ویرا کے پاسپورٹ کے لیے کرنل رحمٰن سے ملنے گئے تھے۔"

"لمبی کہانی ہے۔ بہت سی باتیں تم کو کرنل رحمٰن سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ میں زیادہ دیر تک اپریٹس استعمال نہیں کر سکتا۔ بس تم میری کامیابی کی دعا کرتے رہو۔ مشکل یہ ہے کہ اس وقت میں بالکل غیر مسلح ہوں۔"

"موقع پا کر رپورٹ دیتے رہنا..... خدا تمہاری حفاظت کرے" اس کی آواز میں خلوص ہی خلوص رچا ہوا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ سڑک کی گولائی کی وجہ سے ایک مرحلے پر ٹیکسی میری نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی۔ بھاگنے میں میری گاڑی کا انجن لاجواب تھا لیکن راس المیڈا کو ابتدا میں فاصلے کی جو برتری حاصل ہو گئی تھی وہ میری کوشش کے باوجود ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں وہ ٹیکسی میری نظروں میں آنے سے پہلے نہ مڑ جائے۔ کامیاب تعاقب کے لیے میرا یہ جاننا ضروری تھا کہ راس المیڈا بدحواسی کے عالم میں اپنے ٹھکانے ہی کا رخ کرتا ہے یا مجھے دھوکا دینے کے لیے ملیر کی طرف جانے والے راستے پر مڑ جاتا ہے۔

سڑک کی گولائی عبور کرتے ہی مجھے سرخ سگنل پر رکی ہوئی ٹیکسی نظر آ گئی۔ پتا نہیں راس المیڈا کیا سوچ رہا تھا۔ سرخ سگنل پر وہ میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اس کے لیے بہترین موقع تھا کہ وہ شہر کے بجائے ملیر جانے کے لیے بائیں طرف گھوم جاتا اور تھوڑی دور جانے کے بعد اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کر دیتا۔

میرے پہنچنے سے پہلے سگنل سبز ہو گیا۔ راس المیڈا کی ٹیکسی شہر کی طرف گھوم گئی۔ مجھے اطمینان تھا کہ میں اس کا نمبر دیکھ چکا تھا۔ اگر ٹریفک میری راہ میں حائل نہ ہوتا تو میں اسے پکڑ سکتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ مجھے راس المیڈا کی ٹیکسی کا نمبر تک معلوم تھا جب کہ اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ میں کس سواری میں اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ بس تعاقب کی دہشت سے بھاگا ہی چلا جا رہا تھا۔

شارعِ فیصل پر گھومنے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار تیز کرلی۔ میری بے چین نگاہیں آگے جانے والی ہر ٹیکسی کا جائزہ لے رہی تھیں پھر میں بری طرح چونک پڑا۔

شاہ فیصل کالونی کے لیول کراسنگ سے پہلے' ریلوے لائن اور سڑک کے درمیان واقع قبرستان کی دیوار کے ساتھ وہی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی جس میں راس المیڈا سفر کر رہا تھا۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ ٹیکسی خالی تھی اور اس کا منحنی سا ڈرائیور باہر کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

میں نے تیز رفتاری سے گاڑی اس کی ٹیکسی کے پیچھے لے جا کر پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ اپنی اس حرکت سے میں ٹیکسی ڈرائیور کو خوف زدہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میری کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ سڑک پر ٹائر رگڑنے کی تیز آواز سن کر وہ پھرتی سے میری طرف پلٹا تھا۔

میں گاڑی کا انجن بند کر کے سرعت سے اس کے سر پر جا پہنچا۔ وہ خائفانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"گورا کہاں ہے؟" میں نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔ "جلدی جواب دو۔ وہ نکل گیا تو تم ساری عمر جیل میں سڑتے رہو گے۔"

میری اور اس کی جسامت کے نمایاں فرق اور پھر میرے منتخب الفاظ نے اسے مرعوب کر دیا۔ وہ جھجکتے ہوئے بولا "وہ ٹیکسی سے اتر کر اندر گیا ہے" اس کا اشارہ قبرستان کی طرف تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ مجھے یہیں رک کر انتظار کرنے کے لئے کہہ گیا ہے۔ کرائے کے پانچ سو روپے اس نے راستے میں ہی دے دیے تھے۔"

"پھر تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے قبرستان کے قریبی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔

میں ابتدا ہی سے راس المیڈا کے نکل جانے کے امکان سے پریشان تھا اور وہ میرے مسلط ہونے کے خطرے سے خوف زدہ تھا اسی لئے وہ شہر کے معروف راستوں پر سفر جاری رکھنے کے بجائے قبرستان میں بھاگ نکلا تھا۔

وہ گوروں کا بنایا ہوا کوئی مسطح اور خوب صورت قبرستان نہیں تھا۔ میں اونچی نیچی اور شکستہ قبروں کے درمیان اپنا راستہ بناتا ہوا اس طرف ہو لیا جہاں ایک چھتنار درخت کے سائے میں بہت سے میلے کچیلے ہیروئنچی لیٹے یا بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ راس المیڈا ہیروئن کی غیر قانونی تجارت سے ہونے والے بے اندازہ مالی فائدوں کی ایک عالمی علامت تھا تو وہ میلے کچیلے اور یرقان زدہ چہرے ہیروئن کا عذاب جھیلنے والے ان گنت لوگوں کی تصویر تھے۔ قدرت نے کچھ دیر کے لئے ان دونوں انتہاؤں کو اس قبرستان میں اکٹھا کر دیا تھا جہاں صرف دو گز زمین ہر بشر کے حصے میں آتی ہے۔ زندگی بھر کی غربت و امارت' صحت مندی اور بیماری یا تکبر و انکسار میں سے کوئی وصف انسان کی اس آخری تقدیر کو بدلنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ شاہ و گدا' سب آخر کار مٹی میں مل کر فنا ہو جاتے

ہیں۔

"ابھی یہاں ایک لمبا تڑنگا گورا آیا تھا' وہ کدھر گیا ہے؟" میں نے ہیروئنچیوں کے پاس رک کر پوچھا۔

موت جیسی سرد اور بے روح آنکھوں کی بہت سی پتلیاں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ وہ لاتعلقانہ انداز میں مجھے یوں دیکھ رہے تھے جیسے میں مریخ سے اتر کر ان کی ٹولی میں پہنچا ہوں۔ ان میں سے کئی نے منمنا کر کوئی جواب دیا جو میرے پلے نہیں پڑ سکا مگر ایک نے قبرستان کے آخری گوشے کی طرف ہاتھ اٹھا کر محض اشارے سے میرا مسئلہ حل کر دیا۔ میں ان بدنصیب اور اجل گرفتہ انسانوں کے غول کو ان کے حال پر چھوڑ کر ان کی دی ہوئی سمت میں دوڑ پڑا۔

تھوڑی سی مشقت کے بعد راس المیڈا مجھے نظر آ گیا۔ وہ مجھ سے بہت آگے تھا اور دیوار کے آخری سرے تک پہنچنے والا تھا۔ اس کا بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھاگتے بھاگتے پلٹ کر بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

وہ بورڈنگ کارڈ لینے اور سیکیورٹی کلیرنس کے مراحل سے گزرنے کے بعد لاؤنج سے فرار ہوا تھا اس لئے مجھے پوری امید تھی کہ وہ بھی میری طرح غیر مسلح ہوگا۔ وہ بالکل برابر کا جسمانی مقابلہ تھا۔ میرے لئے اس سے بہتر پچویشن پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ سیٹلائٹ کی سہولتوں 'لاسلکی مواصلات' جدید ترین ایجادات اور مہلک ہتھیاروں پر ہر وقت دسترس رکھنے والا راس المیڈا ایسا بے سروسامان کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ چند ثانیوں بعد راس المیڈا قبرستان کی بوسیدہ دیوار پر چڑھا تو اس نے مجھے دیکھ لیا اور چلا کر کچھ کہا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی اور وہ دوسری طرف کود کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں دوڑتا ہوا اس شکستہ دیوار تک پہنچا تو راس المیڈا بلندی پر بچھی ہوئی ریلوے لائن عبور کر کے دوسری طرف اتر رہا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ٹیکسی چھوڑ کر بہت زیادہ عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ قبرستان پار کر کے وہ پوری رازداری سے کہیں بھی غائب ہو جائے گا لیکن مجھے اپنے پیچھے آتا دیکھ کر اس کا پریشان ہونا ناگزیر تھا۔ پیدل چل کر وہ زیادہ دیر تک میری دسترس سے باہر نہیں رہ سکتا تھا۔

شاہ فیصل کالونی کا علاقہ میرے لئے اجنبی تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ریلوے لائن کے اس پار کوئی ویرانہ ہوگا جس میں راس المیڈا کو دور ہی سے دیکھا جا سکے گا لیکن پٹڑیوں تک پہنچنے سے پہلے ہی مجھے دوسری طرف کچی آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ آبادی ریلوے لائن سے اتنے قریب تھی کہ تیز رفتار ٹرینوں کی آمدورفت سے اڑنے والے سنگریزے ان مکانات پر دن رات برستے رہتے ہوں گے۔

راس المیڈا ریلوے لائن عبور کر کے اس گنجان اور پُر ہجوم آبادی میں کہیں گم ہو گیا تھا۔

اس کچی آبادی میں راس المیڈا جیسے کسی خوش پوش غیر ملکی کا آ نکلنا ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آبادی میں داخل ہوتا یا وہاں سے گزرتا چلا جاتا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ میں نے وہاں کھیلنے والے چند بچوں اور کئی افراد سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی لیکن کوئی بھی سراغ نہیں مل سکا۔ میں نے ہمت نہیں ہاری اور ریلوے لائن کے کنارے کنارے اس کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر کار ایک اپاہج عورت نے مجھے بتایا کہ اس نے کچھ دیر پہلے ایک گورے کو قریبی گلی میں گھستے دیکھا تھا۔

راس المیڈا کو وہاں سے گزرے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی پھر بھی میں ایک نئے عزم کے ساتھ اس گلی میں گھس گیا۔ آڑی ترچھی اور تنگ گلیوں میں مجھے مثبت شہادتیں ملتی رہیں حتیٰ کہ میں آبادی سے گزر کر کالونی کے مین روڈ پر نکل آیا۔ وہاں ٹھیلے والوں سے پتا چلا کہ پسینوں میں شرابور اور بدحال گورا ایک ٹیکسی لے کر کہیں چلا گیا تھا۔

اس آخری اطلاع نے میرا حوصلہ پست کر دیا۔ وہ راس المیڈا کو زیر کرنے کا سنہرا موقع تھا جو بالکل غیر متوقع طور پر سامنے آ گیا تھا۔ میں نے اپنی پوری ذہانت اور توانائیوں سے کام لے کر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن پھر بھی بے نیل و مرام رہا تھا۔ مجھے صرف اس بات کی تسلی تھی کہ میں نے اپنی جانب سے اسے پکڑنے میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں کی تھی۔ یہ اس کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر بچ نکلا تھا۔

مجھ میں مزید پیدل چلنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ میں نے وہاں سے رکشا لے کر لیول کراسنگ عبور کیا اور اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں اپنی گاڑی کھلی ہوئی چھوڑ کر گیا تھا لیکن اس وقت کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور دروازے مقفل تھے۔ اس ٹیکسی کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا جس میں راس المیڈا نے ایئرپورٹ سے وہاں تک دوڑ لگائی تھی۔

میں نے نیم دلی سے گاڑی کھولی اور وہاں سے واپس ایئرپورٹ کی طرف ہو لیا۔ راس المیڈا اگر ہاتھ نہیں آ سکا تھا تو کم از کم اس کے پاسپورٹ کا مسئلہ ہی حل ہو جانا چاہئے تھا۔

کرنل رحمٰن کو اپنے آدمیوں سے ایئرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں پیش آنے والے حیران کن واقعات کا علم ہو چکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ خوش ہو گیا۔ اس وقت وہ دفتر میں اکیلا تھا۔ اس نے کام پر اپنے پی اے کو ہدایت کی کہ وہ کچھ دیر تک کسی ملاقاتی کو اندر نہ آنے دے پھر مجھ سے میری بھاگ دوڑ کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔

میری مختصر سی کہانی نے اسے بھی مایوس کر دیا۔ مکمل تباہی

دہانے پر پہنچ کر راس المیڈا کا یوں بال بال بچ نکلنا اس کے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ اس نے مجھ سے اس خبیث کے بارے میں ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد وعدہ کیا کہ راس المیڈا نے اس کی ڈیوٹی کے دوران میں راڈنی آرک بن کر دوبارہ ائرپورٹ کا رخ کیا تو وہ فوری طور پر اوّل خان کو اطلاع دے گا۔

ویرا کے پاسپورٹ پر پاکستانی ویزے کی مدت میں اگلے تین ماہ تک کا اضافہ ہوچکا تھا۔ اس نے پاسپورٹ میرے حوالے کیا اور میں وہاں سے نکل آیا۔

مغرب کے سفر کے بارے میں ویرا کی ترجیحات میرے علم میں تھیں۔ وہ یورپ کے حسین اور پُرفضا شہروں کے مقابلے میں قدامت پرست لندن کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ کرنل رحمٰن کے دفتر سے نکل کر میں نے براہِ راست برٹش ائرویز کے کاؤنٹر کا رخ کیا۔ وہاں مجھے پتا چلا کہ ان لوگوں نے کراچی سے لندن کے لئے اپنی ہفتہ وار پروازوں کی تعداد میں خاصا اضافہ کردیا تھا۔ اگلے دن کی پرواز پر بھی نشستیں خالی تھیں لیکن میں ویرا کو اتنی جلدی الوداع کہنے کا خواہاں نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے ہم لوگوں کی محدود مصروفیات میں خاصی دلچسپیاں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ میں نے دو دن بعد لندن کے راستے نیویارک کا ٹکٹ بنوایا اور ائرپورٹ سے واپس روانہ ہوگیا۔

راس المیڈا کے نکل جانے پر میں ایسے ڈپریشن میں مبتلا ہوچکا تھا کہ میں نے راستے بھر اوّل خان کو اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور سیدھا گھر پہنچ گیا۔

ویرا اپنے پاسپورٹ کا اندراج اور ٹکٹ دیکھ کر اتنی خوش ہوئی کہ اسے یہ دھیان بھی نہیں آیا کہ میں نے اسے اس کی مرضی کے خلاف مزید دو دن کے لئے کراچی میں روک لیا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے میرا شکریہ ادا کیا۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور اس کی نگاہوں میں میرے لئے ہمدردی کا جذبہ امڈ آیا۔ میں نے فوراً ہی سمجھ لیا کہ وہ میرے چہرے پر پھیلی ہوئی اداسی سے غلط فہمی میں مبتلا ہوچکی ہے۔

غزالہ مجھے اپنی صورت دکھا کر کمرے میں جاچکی تھی۔ سلطان شاہ برآمدے کے فرش پر بیٹھا اپنے ناخن تراشنے میں مصروف تھا' میں جوتے اتارے بغیر صوفے پر نیم دراز تھا۔ ویرا قالین پر میرے قدموں کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ صاف محسوس ہورہا تھا کہ وہ بات شروع کرنے کے لئے مناسب الفاظ یکجا کررہی تھی۔

"شاید تمہیں افسوس ہورہا ہے کہ میری روانگی کا انتظام تم ہی کو کرنا پڑا ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے نہایت نرمی سے پوچھا۔

"تم ضد پر اڑ گئی تھیں تو یہ ناخوش گوار فرض کسی نہ کسی کو انجام دینا ہی تھا۔ قرعۂ فال کسی کے بھی نام نکلتا' اسے یہ کام کرکے خوشی نہیں ہوتی۔ ہم لوگوں نے تمہیں گھر کے ایک فرد کی طرح قبول کرلیا تھا۔"

"سچ پوچھو تو میں بچپن ہی سے سیماب صفت رہی ہوں۔ بہت تیزی سے دوست بدلتی رہی ہوں۔ کبھی ٹک کر ایک جگہ نہیں رہی۔ میں اتنی مدت سے یہاں پڑے پڑے اکتا گئی ہوں۔ تم سب کی مہربانیوں کے باوجود مجھے گھٹن کا ایسا احساس ہونے لگا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس گھٹن کو کوئی بڑی تبدیلی ہی ختم کرسکتی ہے۔ میں نے اپنی روانگی کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف باتیں کی ہیں لیکن میرے فیصلے کا بڑا سبب اندر کی بے نام گھٹن ہے۔ ماحول تبدیل ہوگا تو یہ گھٹن ختم ہوجائے گی اور میں لوٹ آؤں گی۔"

"جمی لائیڈ اپنی زندگی میں بہت مال دار تھا۔ کنگ لائنز کے نام سے اس کی جہاز راں کمپنی بھی تھی۔ تمہیں اس کے اثاثوں کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہوگا" میں نے کسل مندی سے کہا۔

"اس کا کچھ بھی نہیں تھا۔ ڈی کے سارے اثاثے اس کے نام تھے۔ اس کے مرتے ہی وہ اثاثے ڈی کے نئے سربراہ کی ملکیت بن گئے ہوں گے۔ میرا باپ بہت ایمان داری سے کام کرتا تھا۔ اگر اس کے تھوڑے بہت اثاثے ہوں تو مجھے اس سے کیا لینا۔ میں اس کی جائز اولاد تھی' نہ یہ ثابت کرسکتی ہوں کہ وہی میرا باپ تھا۔ میں نے پیسے کی کبھی پروا نہیں کی۔ میرے اس دورے میں راس المیڈا اور ڈیوڈ اسٹارز کا کوئی نہ کوئی انجام ضرور سامنے آئے گا۔"

"اس کے ساتھ آج پھر آنکھ مچولی ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج سے پہلے وہ ہمیشہ ہماری نظروں سے اوجھل رہا تھا۔ آج ہم دونوں آمنے سامنے تھے پھر وہ بھاگ نکلا۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے تحیر زدہ آواز نکلی "اتنی اہم خبر تم اب بتارہے ہو؟"

"یہ اہم خبر اس وقت بنتی جب وہ میرے ہاتھوں مارا جاتا یا کم از کم زخمی ہی ہوگیا ہوتا۔"

ویرا کی تحیر زدہ آواز سن کر سلطان شاہ بھی آپہنچا تھا۔ اس نے بے اعتباری سے پوچھا "وہ حرام زادہ تمہیں کہاں مل گیا؟ تم تو ائرپورٹ کی طرف گئے ہوئے تھے۔"

"اسرار کی بنائی ہوئی تصاویر کا کمال تھا ورنہ آج بھی وہ نکل جاتا اور میں اسے شناخت بھی نہ کرپاتا" یہ کہہ کر میں نے انہیں راس المیڈا سے ٹکراؤ کی پوری کہانی سنادی۔

"یہ بہت برا ہوا" ویرا کفِ افسوس ملتے ہوئے بولی "یہاں سے اس کی یخ بستہ لاش کا تابوت امریکا جاتا تو وہاں کے نسل پرست یہودیوں میں صفِ ماتم بچھ جاتی۔ وہ خود بھی سمجھ رہا ہے کہ یہاں اس کی دال نہیں گل سکے گی اسی لئے وہ رازداری کے ساتھ یہاں سے بھاگ رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم اسے ٹھوکر مار کر ایک بار پھر میدان میں لے آئے ہو۔ کاش! اس وقت وہ تمہارا قیدی ہوتا اور

میں اسے جوتے لگا رہی ہوتی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا نے ریسیور اٹھایا اور پھر مجھے تھمادیا۔ دوسری طرف سے اوّل خان میری تازہ ترین مہم کے بارے میں جاننے کے لئے مرا جارہا تھا۔ آخری نتیجہ اس کے لئے بھی مایوسانہ تھا۔

"فکر مت کرو!" وہ سلگی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا "آج تم نے اسے پہچانا ہے۔ کل سے پورا شہر اس عفریت کو پہچاننے لگے گا۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اسے اسی طرح تھکا تھکا کر مار ڈالیں۔"

"وہ اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہے" میں نے تلخی سے کہا "وہ داڑھی رکھ لے گا' بالوں کا رنگ اور اسٹائل بدل لے گا' کانٹیکٹ لینس لگا کر آنکھوں کا رنگ تبدیل کرلے گا۔ آج کل بہت کچھ ہونے لگا ہے۔ تصویر کی اشاعت اسے چند روز سے زیادہ پریشان نہیں کرسکے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کی بے نتیجہ بھاگ دوڑ نے تمہارا دل کھٹا کردیا ہے۔ ایک ناکامی پر تمہارا یہ حال ہے تو ذرا سوچو کہ پے درپے زخم کھانے کے بعد وہ کن انگاروں پر لوٹ رہا ہوگا۔"

"ایک...؟ ہم بھی مسلسل ناکام ہوتے چلے آرہے ہیں" میں نے کہا "اس کے آدمی ضرور مرتے چلے جارہے ہیں لیکن ہم اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکے۔ اسے مہلت ملی تو اب وہ یہاں نہیں رکے گا۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہورہے ہو" اوّل خان کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا۔ "اس کی تصاویر ہاتھ آنے تک ہم ایک ایسے سائے سے برسرپیکار تھے جس سے ہم واقف نہیں تھے۔ وہ اپنے حلیے میں لاکھ تبدیلیاں کرلے' ہماری نظروں سے نہیں بچ سکے گا۔ مجھے کرنل رحمٰن سے ائرپورٹ کے ابتدائی واقعات معلوم ہوچکے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں دیکھ کر کیوں گھبرا گیا تھا؟ اسے تو ابھی تک یہ زعم ہے کہ اسے کوئی نہیں پہچانتا۔ کل جب اس کی تصویر چھپے گی تو وہ حواس باختہ ہوکر اپنے بال نوچنے پر مجبور ہوجائے گا۔ اس پر بہت زبردست اور سنسنی خیز فیچر تیار ہوا ہے۔"

اوّل خان کی یہ بات واقعی قابلِ غور تھی کہ میرا سامنا ہونے پر راس المیڈا نے اتنا شدید ردعمل کیوں ظاہر کیا۔ اس وقت بھی وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس کی بوکھلاہٹ کا صرف ایک ہی جواز ہوسکتا تھا کہ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر مجھے اپنے روبرو موجود پایا تو دہشت کی وجہ سے اپنے اضطراری ردعمل پر قابو نہیں پاسکا۔ اگر وہ اس مرحلے پر سکون اور سرد مہری کا مظاہرہ کرکے راڈنی آرک ہی بنا رہتا تو میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ پرواز کا وقت ہوجاتا اور وہ اپنے سفر پر روانہ ہوجاتا۔ ثابت یہ ہورہا تھا کہ ہمارے ساتھ ساتھ اس کا مقدر بھی گردش میں آیا ہوا تھا۔ اس نے خود ہی اپنا بنا بنایا کھیل بگاڑ لیا تھا۔

"تم بگلے کے سر پر موم بتی جما کر اس کو شکار کرنے کی کوشش کرتے رہو' میں دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے تمہارے دوچار تندرست آدمیوں کی ضرورت پیش آجائے۔"

"آدمی مل جائیں گے.... ذرا جہانگیر کی بھی خیر خبر لے لو۔ ولی داد والے قضیے کے بعد میرے دو آدمی مستقل طور پر اسی کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ اگر وہاں ضرورت نہ ہو تو انہیں لوٹ آنا چاہئے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلادیا۔ میں اسے بالکل ہی بھولا ہوا تھا۔ میں آج ہی اس کی خبر لوں گا۔"

"میری طرف سے تمہیں ہر قسم کا تعاون ملے گا لیکن کان کھول کر سن لو کہ عجلت یا جھلاہٹ میں تم کوئی احمقانہ قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ ہمیں راس المیڈا کی موت سے کہیں زیادہ تمہاری زندگی عزیز ہے۔"

میں نے ایک قہقہہ لگا کر گفتگو کا سلسلہ وہیں ختم کردیا تاکہ وہ مجھ پر مزید جرح نہ کرسکے۔

"میں آج رات کا کھانا جہانگیر کے ساتھ کھاؤں گا" غزالہ کے آتے ہی میں نے اعلان کردیا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی" وہ خوش ہوکے بولی "وہ جب سے اس علاقے میں آباد ہوا ہے' ہم ایک بار بھی اس کے گھر نہیں گئے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر وہ خوش ہوجائے گا۔"

"وہ ایسا ہی مہمان نواز ہوگیا تو پھر میں بھی تم دونوں کے ساتھ چلوں گی" ویرا بولی "گھر کی چوکیداری کے لئے سلطان شاہ کافی رہے گا۔ یہ شراب پیتا ہے اور نہ سلمٰی کو پسند کرتا ہے۔ وہاں جاکر کیا کرے گا۔"

"سلمٰی سے مجھے اتنی زیادہ پرخاش بھی نہیں ہے" سلطان شاہ نے اپنے معمول کے برعکس' بھڑکے بغیر کہا "مگر آج میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔ تم تینوں ہی ان لوگوں سے مل آؤ' میں لمبی تان کے سوؤں گا۔"

"تم گھر کی فکر نہ کرو" میں نے سلطان شاہ سے کہا "جہانگیر کے گھر پر ایس ٹی ایف کے دو آدمی رہ رہے ہیں۔ چند گھنٹوں کے لئے ان میں سے کوئی یہاں آجائے گا۔ تم چاہو تو اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے چلے جاؤ۔ تمہیں ان سے ملے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہے۔"

سلطان شاہ کے چہرے پر تشکّر کے جذبات امڈ آئے "تم ہر بات کا کتنا خیال رکھتے ہو۔"

میں اسی وقت اسے ایک کام بھی بتانا چاہ رہا تھا لیکن اس کا ممنونیت سے لبریز ردِعمل دیکھ کر میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ کام بتانے سے اس کے جذبات کو ٹھیس لگ سکتی تھی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا کہ میں نے صرف اسی کام کی وجہ سے اسے اپنے لوگوں میں جانے کا مشورہ دیا ہے۔

پروگرام طے ہوگیا۔ ویرا کی رائے تھی کہ ان کے گھر پر اچانک دھاوا بولنے کے بجائے فون کرکے اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا جائے لیکن میں نے اس کی تجویز کو سختی سے مسترد کردیا۔ جہانگیر کنگال تھا اور نہ اس علاقے میں کھانے پینے کے سامان کا قحط تھا۔ تھوڑی سی رقم خرچ کرکے ہر چیز کا بندوبست کیا جاسکتا تھا۔

چھ بجے چاروں تیار ہوچکے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر پھیلی ہوئی رونق دیکھ کر مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ہم چاروں ایک طویل مدت کے بعد ایک ساتھ گھر سے باہر نکل رہے تھے۔ کام اور بھیانک خطرات کے دباؤ نے ہمیں ہلکی پھلکی تفریحات تک سے الگ تھلگ کرکے رکھ دیا تھا۔

شاید ماحول سے ویرا کی بے زاری کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ زندگی کے معمولات سے کٹ کر گھر میں محصور ہوکر رہ گئی تھی۔ یہ میرا خیال تھا لیکن میں نے اسے ویرا کے سامنے دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلطان شاہ نے بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ میں ہمیں جہانگیر کی قیام گاہ کے سامنے اتار دیا۔ وہ گاڑی چھوڑنے پر مُصر تھا مگر میں نے اسی گاڑی سے جانے پر مجبور کردیا۔ جہانگیر اپنے ہوش وحواس میں رہتا تو ہمیں ہمارے گھر پہنچا سکتا تھا۔ وہ مدہوش ہوجاتا تب بھی ہم چہل قدمی کرتے ہوئے گھر پہنچ سکتے تھے۔

عورتوں کے آگے بڑھ جانے پر سلطان شاہ نے میرے قریب آکر دھیمے سے کہا "گاڑی میں پٹرول اور میری جیب میں پیسے نہیں ہیں..... ہوسکے تو اس کا کوئی بندوبست کردو۔"

سلطان شاہ کے اس انکشاف نے مجھے نادم کردیا۔ میں اس کی مالی ضروریات سے عام طور پر غافل رہتا تھا۔ وہ بھی مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کرتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو غزالہ سے پیسے لے لیا کرتا تھا۔ اچانک پروگرام بننے کی وجہ سے شاید اسے غزالہ سے پیسے مانگنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ گاڑی میں پٹرول کی پوزیشن کا اندازہ' گنیشن آن کرنے سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے سو روپے والے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اُس کی جیب میں اڑس دی اور اس کی طرف دیکھے بغیر عمارت کی طرف چل دیا۔

جہانگیر کے گھر کی گھنٹی بجتے ہی راہداری میں واقع ایک دروازہ کھلا۔ جھری میں ایس ٹی ایف کا ایک شناسا چہرہ موجود تھا۔ مجھے پہچان کر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور دروازہ بند ہوگیا۔

ہمیں چند ثانیوں تک انتظار کرنا پڑا۔ سلمٰی نے دروازہ کھولا اور ہم لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس نے بڑھ کر غزالہ کو اپنے سینے سے لپٹا لیا تھا پھر وہ اسی تپاک سے ویرا سے بھی بغل گیر ہوگئی۔

"کون ہے؟" فلیٹ کے کسی حصے سے جہانگیر کی آواز گونجی۔

"تمہارے بزرگ تمہاری خیریت لینے آئے ہیں" میں نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"آخ..... خاہ!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر والہانہ انداز میں ایک دروازے میں سے نمودار ہوا اور زہے نصیب' زہے نصیب کہتا ہوا مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کے سانسوں میں الکحل کی ہلکی ہلکی بو موجود تھی۔

"میں تم سے بہت ناراض ہوں" وہ ڈرائنگ روم کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے بولا "مجھے اپنے گھر آنے دیتے ہو' نہ خود یہاں آتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند مہینوں میں تمہارا خون بالکل سفید ہوگیا ہے۔"

غزالہ نے سلمٰی سے اس کے بیٹے کی خیریت پوچھی اور وہ ان دونوں کو اپنی خواب گاہ میں لیتی چلی گئی۔

"ویرا کو دیکھتے ہی تمہیں ثقیل اردو بولنے کا دورہ کیوں پڑگیا ہے؟" ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے بعد میں نے جہانگیر کو گھورتے ہوئے پوچھا "تم خوب صورت عورتوں کو دیکھتے ہی بے قابو ہونے لگتے ہو اسی لئے سلمٰی سے آئے دن تمہاری اَن بَن رہتی ہے۔ کسی وقت اپنی کھوپڑی پر قابو بھی رکھا کرو۔"

وہ مجھے آنکھ مار کر لوفرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا "روز روز کیک کھانے والے اس میں اور روٹی میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔ کیک کی قدر وقیمت وہی جانتا ہے جو اس کے لئے مہینوں ترستا رہتا ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ویرا کیک ہے اور میں اسے روز نوش فرماتا ہوں۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا پھر بولا "کیوں میری زبان کھلواتے ہو؟ کیا تم نے اس جیسی بے لگام عورت کو پوجا کرنے کے لئے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ تمہاری موج ہے کہ بیوی بھی کوئی اعتراض نہیں کرتی۔"

"آہستہ بولو" میں نے غرّا کے کہا "اعتراض والی بات ہوگی تب ہی تو اعتراض کرے گی نا۔"

"اگر تم کو ایسی ہی پارسائی لاحق ہوگئی ہے تو اسے ہفتے عشرے کے لئے یہاں چھوڑ دو" اس نے حریصانہ لہجے میں التجا کی "ظالم نے ایسی صورت پائی ہے کہ اسے دیکھتے ہی طبیعت تازہ ہوجاتی ہے۔"

"وہ تمہیں راس نہیں آسکے گی۔ یہاں رہی تو تم دن رات نشے میں دھت ہوکر اسی کے قصیدے پڑھتے رہو گے اور سلمٰی تمہاری زندگی عذاب بنادے گی..... یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارا گلاس کہاں ہے؟"

"خدا کی قسم' ابھی پہلا گلاس بنا کر دو ہی گھونٹ لیے تھے کہ تم آگئے۔ بھابی برا نہ مانے تو بوتل وغیرہ یہیں اٹھا لاتا ہوں۔ تمہارے ساتھ پیے ہوئے بہت دن ہوگئے۔ میں تو اپنے کمرے میں پی رہا تھا۔"

"تو کیا آج کل تمہارے اور سلمٰی کے کمرے پھر الگ الگ ہوگئے ہیں؟"

"رات بے رات بچے کے رونے سے نیند خراب ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے میں الگ سوتا ہوں ورنہ ہم دونوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جب دل چاہتا ہے' وہ بچے کو گود میں لے کر میرے کمرے میں گھس آتی ہے۔"

اندر سے اچانک ہی بچے کے رونے کی آواز آنے لگی پھر سلمٰی اسے چپ کرانے کی بلند آہنگ کوششوں میں مصروف ہوگئی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا یا غزالہ نے بچے کو چھیڑ کر رونے پر مجبور کردیا تھا۔

"دن میں اس پر بہت پیار آتا ہے" جہانگیر کہہ رہا تھا "رات کے دو بجے گلا پھاڑ کر روتا ہے تو اس کی آواز زہر لگتی ہے۔ پتا نہیں مائیں روتے ہوئے بچوں کو کس دل سے پیار کرتی ہیں۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ کچھ کہے بغیر اندر غائب ہوگیا۔ چند ثانیوں بعد وہ آستین سے اپنا منہ پونچھتا ہوا واپس لوٹا تو تینوں عورتیں بھی ہنستی بولتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ شاید سلمٰی نے بچے کو بہلا پھسلا کر دوبارہ اس کے بستر میں ڈال دیا تھا یا پھر اسے فیڈر میں مصروف کردیا تھا۔

"آؤ! عورتوں کے لئے یہ کمرا خالی کرکے ہم اندر بیٹھتے ہیں" جہانگیر نے مکاّری سے مجھے مخاطب کیا۔

"کیوں؟ کیا انہیں عورتوں میں بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے" سلمٰی نے جہانگیر سے پوچھا۔

میں اٹھتے اٹھتے صوفے سے چپک کر رہ گیا۔ سلمٰی کے فقرے پر ویرا نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اور کہا "جانے دو۔ مَردوں کی عادتیں عورتوں کی باتوں سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ بے چارے پردے میں بیٹھ کر کچھ شغل کرلیں گے۔ دونوں بہت دنوں بعد ایک دوسرے سے ملے ہیں۔"

"میں ان کی عادتوں سے خوب واقف ہوں" سلمٰی خوش دلی سے کہتے ہوئے اسی صوفے پر بیٹھ گئی جس کا ایک گوشہ میں نے سنبھالا ہوا تھا۔ میں بوکھلا کر اپنی جگہ سے مزید سمٹ گیا۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے غصہ اس بات پر آتا ہے کہ یہ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ یہ سیدھی طرح بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم اندر بیٹھ کر پیتے ہیں۔ ان دونوں کو کون روک لیتا۔ یہ ہمیشہ اپنی ہی من مانی کرتے ہیں۔"

"ڈیڈی کبھی من مانی نہیں کرتے" غزالہ نے دفاع کیا "اب تو انہوں نے پینا بھی کم کردیا ہے۔"

"پہلے میں بھی ان کی بری عادتوں کو اپنے رشتے داروں سے اسی طرح چھپاتی تھی۔ رفتہ رفتہ ان کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ انہوں نے پورے گھر کو ہی شراب خانہ بنا کر رکھ دیا" سلمٰی کی زبان خوب چل رہی تھی۔

"پینے میں کوئی حرج نہیں' میں بھی پیتی ہوں" ویرا بول پڑی۔

"میرے کمرے میں بہت سی بوتلیں موجود رہتی ہیں۔ ہاں' پی کر بہکنے سے آدمی تماشا بن جاتا ہے۔ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی ہوں۔"

"پھر تم بھی ان دونوں کے ساتھ اندر ہی چلی جاؤ" سلمٰی نے برا مانے بغیر کہا "میں غزالہ کے ساتھ یہیں بیٹھوں گی۔ ہم دونوں ایک طویل مدت کے بعد ایک دوسرے سے ملے ہیں۔"

جہانگیر دروازے میں کھڑا' سلمٰی کی نظریں بچا کر مجھے اٹھنے کے مضحکہ خیز اشارے کر رہا تھا۔ میں نے اطمینان سے اٹھ کر ایک سگریٹ سلگائی اور دروازے کی طرف چل دیا۔ اس بار سلمٰی خاموش رہی تھی۔

"تم برا نہ مانو تو میں اپنا گلاس بنا کر یہیں لے آؤں؟" ویرا کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"شوق سے لے آؤ۔ ایک شرابی کی بیوی ایسی باتوں کا برا نہیں مانتی" سلمٰی کا جواب کاٹ دار تھا۔

"یار' اس بار تو سلمٰی اپنے میکے سے بہت تیز وطرار بن کے لوٹی ہے" میں نے جہانگیر کے آراستہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت سے کہا "ہر بات کا منہ توڑ جواب دے رہی ہے۔"

"لعنت بھیجو اس پر اور اپنی کرسی سنبھالو!" وہ بے پروائی سے ایک گدیلی کرسی میں دھنس کر بڑبڑایا "ویرا بھی آتی ہوگی۔ ابھی سے تین گلاس بنائے لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"ضرور بناؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ آج ویرا عورتوں میں بیٹھ کر پیے گی۔ تمہاری دال نہیں گلے گی۔"

جہانگیر نے دو لمبے لمبے گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کردیا اور برے برے منہ بناتے ہوئے نئے سرے سے تین گلاس تیار کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ جہانگیر نے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مجھے اس کے گھر میں کبھی کسی روک ٹوک کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

میں نے فلیٹ سے راہ داری میں نکل کر جہانگیر کے گیسٹ بیڈ روم کے باہر کھلنے والے دروازے پر دستک دی تو اول خان کا وہی آدمی باہر آیا جسے میں پہلے دیکھ چکا تھا۔

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"جج..... جی وہ گھر کا سودا لینے گیا ہے۔ بس آتا ہی ہوگا۔" وہ خفت سے بولا۔

"وہ آجائے تو تم ہمارے گھر چلے جانا۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فلیٹ کی چابی اس کے حوالے کردی اور دوبارہ جہانگیر کے کمرے میں لوٹ آیا۔

ڈرائنگ روم میں سلمٰی' غزالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ ویرا موقع پاتے ہی جہانگیر کے کمرے میں پہنچ گئی تھی اور دونوں ہاتھوں سے گلاس تھامے دلچسپی سے جہانگیر کی کوئی بات سن

رہی تھی۔

جہانگیر کہہ رہا تھا "......... یہ رشتہ ہی بہت عجیب ہوتا ہے۔ دنیا کی ساری عورتیں حسین اور خوش مزاج ہوتی ہیں۔ وہ مسکراتی ہیں تو دل اچھل کر حلق میں آنے لگتا ہے۔ بدن چھولیں تو خون کا دوران تیز ہوجاتا ہے لیکن شادی ہوتے ہی ان پر نہ جانے کیا پھٹکار برسنے لگتی ہے کہ شوہر کے لیے زہر کا گولا بن جاتی ہیں......"

"شاید تم ویرا کو اس کے مستقبل سے آگاہ کرنے کی کوشش کررہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

"میرا شادی کرنے کا سرے سے کوئی ارادہ نہیں ہے۔" ویرا گلاس لے کر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی "میرے لیے یہ خوش خبری ہے کہ اس طرح میں ساری عمر بیویوں پر برسنے والی خدائی پھٹکار سے بچی رہوں گی۔"

"جہانگیر اپنی ان ہی لچھے دار باتوں سے عورتوں کو فریب دیتا ہے۔ بیوی میں ہزار عیب نکالے بغیر کوئی شادی شدہ مرد دوسری عورتوں کی توجہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر یہ سچا ہے تو اس سے کہو کہ یہ یہی باتیں سلمٰی کے سامنے بھی دہرائے ورنہ اسی پر دنیا جہان کی پھٹکار نازل ہوگی۔" میں نے کہا۔

"دھیرج سے کام لو!" ویرا اپنی کمر کو ہلکا سا بل دے کر بولی "ہم یہاں بلوہ کرانے نہیں اچھا وقت گزارنے کے لیے آئے ہیں۔ میں عورتوں میں جارہی ہوں۔ تم جہانگیر کو اشتعال نہ دلادینا۔"

وہ چلی گئی اور جہانگیر کے ہونٹوں کے مسکراتے ہوئے گوشے خود بہ خود نیچے ڈھلک گئے۔

"تم نے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی مٹی پلید کی ہوئی ہے۔ وہ لڑاکا لوگ ہیں اور تم ان سے گھر کے کام لے رہے ہو۔" میں نے تخلیہ ہوتے ہی اس پر ملامت کرنی شروع کردی۔

"مجھے خود برا لگتا ہے مگر سلمٰی کو سمجھانا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ ہنس ہنس کر انہیں کام بتاتی ہے اور وہ کاٹھ کے الو کی طرح اس کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔" وہ ایک گھونٹ لے کر بے زاری سے بولا "پرسوں ہی ان میں سے کوئی سلمٰی کے باتھ روم میں گھسا' واشنگ مشین پر اس کے کپڑے دھورہا تھا۔"

"لعنت ہو تم پر...... تم یہ سب خرافات کیسے برداشت کرلیتے ہو؟" مجھے واقعی تاؤ آگیا۔

"میں کچھ برداشت نہیں کرتا۔" اس نے متکبرانہ انداز میں کہا "اس نے جس دن مجھ سے کپڑے دھونے کی فرمائش کی' میں اسی روز اسے ریل کے دوسرے درجے میں بٹھا کر میکے روانہ کردوں گا۔"

"ابے لمڈھنگ! میں کپڑے دھونے کی نہیں' سلمٰی کے ہنس ہنس کر باتیں مٹھارنے کا ذکر کررہا تھا۔ وہ دونوں جوان مرد ہیں۔ تم کیسے برداشت کرلیتے ہو کہ تمہاری بیوی غیر مردوں سے اس طرح باتیں کرتی رہے۔"

"وہ غیر ہوتے تو میں ایک دن بھی انہیں یہاں نہ ٹکنے دیتا۔ تم ہی نے بتایا تھا کہ وہ اول خان کے آدمی ہیں۔ سلمٰی ان کا دھیان رکھتی ہے۔ وہ لحاظ مروّت میں اس کا ہاتھ بٹادیتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ جہاں تک اصول کی بات ہے' یہ سب غلط ہورہا ہے۔ انہیں وہی کام کرنا چاہیے جس کے لیے انہیں یہاں بھیجا گیا ہے۔"

میرا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اس کا سر پیٹ کر رکھ دوں۔ بعض معاملات میں وہ اکثر اس قدر کند ذہن ثابت ہوتا تھا کہ اپنے رویّے سے میری ہڈیاں سلگا کے رکھ دیتا تھا۔

"ساری غلطی ان ہی کی ہے۔ وہ اپنی حدود سے تجاوز کررہے ہیں۔" میں نے الفاظ چبا چبا کے غصے سے کہا "انہیں یہاں گارڈ بنا کر بھیجا گیا مگر وہ دھوبی اور ملازموں والے کام کررہے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں کل ہی یہاں سے معزول کرکے اول خان کے پاس بھیج دیا جائے۔"

"نہیں!" میری دھمکی پر اس نے گلاس اپنے لبوں سے ہٹا کر جلدی سے کہا "وہ دونوں چلے گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہم اپنے دشمنوں کے رحم وکرم پر رہ جائیں گے۔ میں سلمٰی کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ وہ ان دونوں کو ان کی اوقات میں رہنے دے۔ وہ تو ٹی وی ڈرامے دیکھنے کے لیے انہیں گھر میں بلالیتی ہے۔"

ٹی وی والی بات میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ جہانگیر خود جی بھر کر سلمٰی سے بے وفائیاں کرتا رہتا تھا لیکن سلمٰی کی ناروا حوصلہ افزائیوں کے بارے میں اس کی عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہاں یہی رنگ ڈھنگ چلتے رہے تو کسی دن ایسا دھماکا ہوگا جو اپنے ساتھ سب کچھ لے ڈوبے گا۔ میں نے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "دشمنوں کا پتّا صاف کیا جاچکا ہے۔ تمہیں ان کی طرف سے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں یہاں پڑے مفت کی روٹیاں توڑتے رہے تو تھوڑے ہی دنوں میں اول خان کے لیے اپنی افادیت کھو بیٹھیں گے۔ میرا مشورہ مانو تو کل صبح ہی انہیں یہاں سے چلتا کردیا جائے گا۔ گھر کے کام کاج کے لیے تم آسانی سے ایک دو ملازم رکھ سکتے ہو۔"

"اگر تمہارا یہ مشورہ ہے تو انہیں واپس ہی کردو۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "گھر کے کام تو لشتم پشتم چل ہی جاتے ہیں۔"

"یہ سناؤ کہ اس بلڈنگ میں کیسی گزر رہی ہے؟" میں نے اس کی عادات اور مزاج کی مناسبت سے ایک دلچسپ سوال پوچھا "اوپر آتے ہوئے مجھے کئی دل فریب چہرے نظر آئے تھے۔"

"سب ہاتھی کے دانت ہیں جو بس دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں۔" اس نے افسردگی سے جواب دیا "سب مردم بے زار ہیں۔ لوگ اپنے پڑوسیوں تک سے ملنا گوارا نہیں کرتے۔ آپس میں میل جول کا کوئی سلسلہ ہو تو پھر اسی میں دوستیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس علاقے میں فلیٹوں کا ماحول بہت مختلف ہے۔"

"اس کی ایک اہم وجہ ہے۔" میں نے ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا "ملک میں شراب پر پابندی لگی تو کروڑوں کا کاروبار سرکاری کنٹرول سے نکل کر چور بازار میں چلا گیا۔ ملک میں شراب کی کھپت کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ پابندی کی وجہ سے شراب کے دام بے تحاشا بڑھ چکے ہیں۔ اسی......"

"ارے بھائی! فلیٹوں کے ماحول کو تم نے شراب سے کہاں ملادیا۔ میں حسینوں اور نازنینوں کی بات کررہا تھا جو ہر وقت اپنی ہی دنیا میں کھوئی رہتی ہیں' دوسروں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتیں۔" وہ میری بات کاٹ کے بولا۔

"میں اسی طرف آرہا تھا۔ جسم فروشی کے قدیم ترین پیشے پر پابندی لگا کر ان کی معروف بستیاں اجاڑ دی گئیں تو وہ سب گلی گلی میں پھیل گئیں۔ ان کی تعلیم یافتہ اولادیں آج بھی اپنے موروثی پیشے سے منسلک ہیں لیکن انہوں نے دام بڑھا کر مال کمانے کے نئے ڈھنگ ایجاد کرلیے ہیں۔ وہ شہر کے فیشن ایبل علاقوں میں کرائے کے مکانوں میں آباد ہیں۔ ان کی مشتبہ مصروفیات پڑوسیوں کی نظروں میں آنے لگتی ہیں تو وہ ٹھکانے بدل لیتی ہیں۔ وہ اپنے پیشے کی رازداری کی وجہ سے پڑوسیوں سے الگ تھلگ رہتی ہیں۔ شریف گھرانے اس خوف سے اپنے خول میں بند رہتے ہیں کہ کہیں بے خبری میں وہ کسی آبرو باختہ گھرانے سے دوستی نہ کر بیٹھیں۔ یہ مرض اتنا بڑھ چکا ہے کہ فلیٹوں کے سنگلاخ جنگلوں میں بسنے والے چوری چھپے ایک دوسرے کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں لیکن روز سامنا ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے شناسائی کا اظہار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

"تمہیں اس علاقے میں آباد آبرو باختہ گھرانوں کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا؟" اس نے رازدارانہ تجسس کے ساتھ دھیمے لہجے میں پوچھا "آس پاس کے ایسے چند پتے مل جائیں تو مزہ آجائے گا۔"

"سنا ہے کہ اخبارات کے چھوٹے اشتہاروں میں ذو معنی اور مخصوص متن کے ساتھ ساری اطلاعات چھپوانے کی ابتدا ہوچکی ہے۔ تاڑنے والے مطلب کے اشتہار فوراً تاڑ لیتے ہیں۔ تم باقاعدگی سے اشتہار بینی شروع کردو۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس بارے میں خود کفیل ہوجاؤ گے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم واقعی ترقی کررہے ہیں۔" وہ حیرت سے پلکیں جھپکا کے بولا "سنا ہے کہ وہ لندن وغیرہ کے ہر پبلک فون بوتھ میں کال گرلز کے سیکڑوں رنگین اشتہار اور وزیٹنگ کارڈ لگے ہوئے ہیں۔ آدمی ایک فون کال پر اپنی مرضی کی رفاقت خرید سکتا ہے۔"

"تم اسے ترقی کہہ رہے ہو؟" میں نے حقارت سے کہا "یہ پس ماندگی کی انتہا ہے۔ مصر کے بازاروں میں لگنے والے انسانی بازاروں کو انسانیت کی تذلیل قرار دینے والے آج ان ہی راستوں کے مسافر ہیں۔ وہ خود بھی اس گندگی کو ترقی کا نام دیتے ہوئے شرماتے ہیں اسی لیے اسے انفرادی آزادی کہہ لیتے ہیں۔"

"ہاں۔ آزادی زیادہ مناسب ہے۔" وہ جلدی سے بولا "ویسے وہ چھوٹے اشتہار یہاں کے کس اخبار میں چھپتے ہیں؟"

"میں نے یہاں کے اخبارات کا ذکر نہیں کیا تھا۔" میں نے آنکھیں نکال کے کہا "وہ سب مقدس گائے ہیں۔ ان پر ایسی الزام تراشی نہیں کی جاسکتی۔ میں نے صرف اخبارات کی بات کی تھی۔ وہ قطب شمالی کے اخبار بھی ہوسکتے ہیں۔"

اس نے بولائے ہوئے انداز میں اپنا دوسرا گلاس بھی خالی کردیا۔ مجھے اس بدتمیز میزبان کا ساتھ دینے کے لیے اپنا گلاس ختم کرنا پڑ گیا اور اس نے فوراً ہی دونوں گلاسوں میں اسکاچ انڈیلنی شروع کردی۔ وہ میرے گلاس میں برف ڈالنے کے بعد پانی ملا رہا تھا کہ پیچھے سے اچانک ویرا آئی اور اپنا خالی گلاس میرے سامنے رکھ کر جہانگیر کا بھرا ہوا گلاس اٹھا لے گئی۔

"پرانے لوگوں میں سے اب تمہارا کس کس سے میل جول ہے؟" جہانگیر کے فارغ ہونے کے بعد میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا "میرے مقابلے میں تمہارے ملنے والوں کی تعداد ہمیشہ قابلِ رشک رہی ہے۔"

"شادی کے بعد سب کچھ اجڑ گیا۔" وہ حسرت بھری آواز میں بولا "پہلے محفلیں جما کرتی تھیں تو بہت سے دوست اکٹھے ہوجاتے تھے۔ اب تو ان کی صورتیں دیکھے ہوئے بھی برسوں بیت گئے۔"

"ایسے لوگ ہر احمق دولت مند کو اپنے نرغے میں لے لیتے ہیں۔ وہ خود غرض کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ مفت کی شراب پینے اور اپنی شامیں رنگین بنانے کے لیے ہر روز کسی نئے دسترخوان پر نظر آتے ہیں۔ جہاں راتب ملنے کی امید نہ ہو' وہاں ان کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ انہیں دوست کہہ کر اس مقدس رشتے کی تحقیر نہ کرو۔"

"اب تو بس گھر ہی گھر رہ گیا ہے۔ جس سے دوستی پکی ہونے لگتی ہے اسی کو سلمٰی کی نظر لگ جاتی ہے۔ کئی برس سے تم بہت قریب سے میرا رہن سہن دیکھ رہے ہو۔" وہ سگریٹ کا کش لگا کر بولا۔

"بدرو دادا اور کئی پرانے آدمیوں کے بارے میں تم نے مجھے بہت کچھ بتایا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"جب تک گارمنٹس فیکٹری آباد تھی' کچھ یاروں سے میل ملاقات یا بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ اب اپنا وہ آشیانہ بھی برباد ہوچکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آدمی کس سے ملے اور کس سے نہ ملے۔"

"ساگا کی کوئی خیر خبر ہے؟" میں نے پوری امید کے ساتھ وہ اہم ترین سوال کرڈالا۔

"کون ساگا؟" وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "پتا نہیں

تم کون سے گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو۔"

"ارے وہی جو لیاری کے اڈے پر کالو مکرانی کے لیے کام کرتا تھا اور اکثر نادر کے پاس آتا رہتا تھا۔"

"اوہ!" اس نے بہت زور دے کر کہا "تم بہت دور کی بات کر رہے ہو۔ نادر بھی کیا نادر آدمی تھا۔ یاروں کا یار۔ لیکن زبان کا کڑوا تھا۔ دیکھ لو کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے اس جگری یار کے جنازے کو کندھا نہیں دے سکا تھا۔" ساگا کو بھول کر اس کا ذہن اچانک نادر کی طرف بھٹک گیا تھا۔

"نادر شی میں میرا پہلا ہم خیال تھا۔ فرق اتنا تھا کہ میں خاموشی سے کام کرتا رہا اور اس نے اپنے بڑوں کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر ہر ایک کے سامنے کڑوی کسیلی باتیں کرنی شروع کر دیں۔ نتیجہ تم نے دیکھ لیا۔ وہ بے خبری میں مار ڈالا گیا مگر میرا خیال ہے کہ ساگا ابھی تک زندہ ہے۔"

"تم اس شخص کی بات تو نہیں کر رہے جو باتیں کرتے ہوئے اپنے کان ہلاتا رہتا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "تمہاری یادداشت لاجواب ہے مگر وہ جان بوجھ کر اپنے کان نہیں ہلاتا تھا۔ اس کے چہرے کے عضلات میں ایسی کوئی خوبی یا خرابی تھی کہ وہ بولتا تھا تو اس کے کان خود بہ خود ہلنے لگتے تھے۔"

"وہ بہت مزے میں ہے۔ ہم لوگوں کے بعد بھی وہ اپنے پرانے دھندے سے چمٹا رہا۔ چند مہینے پہلے کسی سے سنا تھا کہ اب وہ ہیروئن کا بہت بڑا بیوپاری بن چکا ہے۔ اس کا مال پورے یورپ میں جاتا ہے۔" بات کرتے کرتے اس نے پوری طرح آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سوال کیا "آج تمہیں ساگا کیوں یاد آرہا ہے؟"

"میں ایک ذاتی کام کے لیے اس سے ملنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے بات کھول دی۔

"یہ کہو کہ تمہیں اس کے پتے کی ضرورت ہے۔ ساگا اب اتنا بڑا آدمی ہو چکا ہے کہ شہر میں اسے آسانی سے تلاش نہیں کیا جا سکے گا۔ میں ایک بات جانتا ہوں کہ اس نے ڈیرے وارنی کی چوکھٹ نہیں چھوڑی ہوگی۔"

"یہ ڈیرے وارنی کون ہے؟" اس کی ٹھہری ٹھہری باتیں میرے تجسس کو ابھار رہی تھیں۔

"حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں نہیں جانتے۔ وہ پرنس ساگا کے حوالے سے بہت مشہور ہوئی تھی۔"

"تمہیں یاد ہو تو اس کی کہانی سناؤ۔ شاید میرا حافظہ کام کرنے لگے۔"

"نیپئر روڈ پر بلبل ہزار داستان بلڈنگ بہت مشہور ہے۔ وہاں رہنے والیوں نے ایک زمانے میں فلموں میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اسی کے برابر میں ڈیرے وارنی کا تنگ فلیٹ تھا۔ پرنس ساگا اس بازار کے مستقل گاہکوں میں سے تھا۔ ایک دن اس نے ڈیرے وارنی کی بیٹی کو دیکھا اور اسے دل دے بیٹھا۔ اس زمانے میں بھی اس کے پاس بہت مال ہوا کرتا تھا۔ اس نے ڈیرے وارنی کو بہت لالچ دیے لیکن وہ بڑھاپے میں اپنی اکلوتی بیٹی سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں ہوئی۔ وہ بہت لمبا قصہ تھا۔ مختصر یوں سمجھ لو کہ ساگا نے ڈیرے وارنی کا ماہوار خرچہ باندھ دیا اور اس فلیٹ میں تماش بینوں کی آمد بند ہوگئی۔ سنا ہے کہ اس وقت سے ساگا روزانہ اپنا کچھ وقت اس لڑکی کے پاس گزارتا ہے۔ لڑکی کا نام نادیہ یا شازیہ ہے۔ آج کل کی خبر نہیں۔ سال بھر پہلے ساگا نے اسے گارڈن ایسٹ کے علاقے میں ایک کوٹھی خرید کر دی تھی۔ اگر وہ لڑکی اب بھی وہیں رہ رہی ہے تو وہاں ساگا ضرور مل سکے گا۔"

"اس کوٹھی کا پتا بھی چل جائے گا۔ تمہیں یہ باتیں کس نے بتائی تھیں؟"

"ڈیرے وارنی اور اس کی لڑکی کا قصہ مجھے معلوم تھا۔ کوٹھی والی بات چند مہینے پہلے کسی نے بتائی تھی۔ اس وقت یاد نہیں آرہا ...کہ یہ کس سے سنی تھی۔ تم کو اچانک ساگا کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔"

میں اس کے سامنے راس المیڈا کا نام لیتا تو پھر وہ اس کی پوری کہانی کریدتا چلا جاتا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا "وہ بھی شی کے ہاتھوں بکا ہوا ہے مگر میں اسے مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے شی کے دوسرے اہم گرگوں کے بارے میں بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔"

"خوب!" سلمیٰ کی چبھتی ہوئی آواز پر میں تیزی سے گھوما تو تینوں عورتیں جہانگیر کے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں اور سلمیٰ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کہہ رہی تھی "مہمانوں کے کھانے کا بھی کچھ خیال ہے یا صبح تک یہی دَور چلتا رہے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے بارے میں تم ہر ذمے داری سے مبّرا ہو۔"

جہانگیر ان تینوں کو دیکھتے ہی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا تھا "اسکاچ تو وقت گزاری کا ایک بہانہ ہے ورنہ ہم دونوں ایک اہم موضوع پر بات کر رہے تھے۔"

"تم دونوں جب بھی کسی اہم موضوع پر بات کرتے ہو اس کے دو چار دن بعد ہی کوئی نہ کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے۔ خدا خیر کرے۔ پتا نہیں اب کیا ہونے والا ہے۔"

"بے فکر رہو، کچھ نہیں ہوگا۔ کھانے کے لیے جو چاہو، منگوالو۔ یہ اپنے لوگ ہیں۔ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

"اور پیسے کہاں سے لاؤں؟" سلمیٰ نے دھیرے سے پوچھا۔

جہانگیر نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکالے اور گنے بغیر سلمیٰ کی طرف بڑھا دیے "یہ کم ہوں تو اور لے لینا۔"

سلمیٰ، غزالہ کے ساتھ واپس لوٹ گئی۔ ویرا دروازے سے گزر کر اندر آگئی۔

"تم دونوں کس اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"پرنس ساگا کے بارے میں۔" میری کسی وضاحت سے پہلے جہانگیر بول پڑا۔

"یہ واقعی اہم موضوع تھا۔" وہ اپنے لہجے پر نادم ہو کر بولی۔ "میں سمجھی کہ تم سلمیٰ کو گھس رہے ہو۔"

"بلاوجہ اپنی ٹانگ اڑانے کے بجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھو اور ہمیں بات کرنے دو۔" میں نے ویرا کو گھور کر کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس نے ساگا کے حوالے سے راس المیڈا کا ذکر چھیڑ دیا تو میرا جھوٹ کھل جائے گا۔

ویرا نے اپنا گلاس خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا "اسے ایکسٹرا لارج کردو۔ یہ میرا آخری پیگ ہوگا۔ اس کے بعد ہم کھانے کی تیاری کریں گے۔ اس وقت تک تمہارے مذاکرات بھی مکمل ہو جائیں گے۔"

وہ اپنا گلاس لے کر لوٹ گئی تو میں نے جہانگیر سے پوچھا "ساگا پرنس کب سے ہوگیا؟"

"اس کے پاس پیسہ بہہ کر آیا تو لوگوں نے خود ہی اس کے نام کے ساتھ پرنس لگا دیا۔ اب وہ بھی خود کو پرنس ساگا کہہ کر متعارف کراتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ انسان دوسروں کے دیے ہوئے برے خطاب کو نظر انداز کر دیتا ہے لیکن اچھے خطاب کو زبردستی اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔"

میرا ارادہ تھا کہ وہ گلاس ختم ہونے کے بعد میں جہانگیر کو مزید مے نوشی سے روک دوں گا۔ میرے ٹوکنے سے پہلے اس نے خود ہی اعلان کر دیا کہ گھر میں مہمان خواتین کی موجودگی کی وجہ سے اس دور کو وہیں ختم کر دے گا تاکہ کھانے کے بعد کچھ دیر کے لیے سب اکٹھے بیٹھ کر باتیں کر سکیں۔

میں جہانگیر سے ساگا کے بارے میں وہ اہم باتیں معلوم کر چکا تھا جن کے لیے میں نے اس ملاقات کا پروگرام بنایا تھا۔ ہم دونوں اپنے گلاسوں کی تلچھٹ صاف کر کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

سلمیٰ نے جہانگیر کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ مہمان داری میں شریک ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی خوشی کے اظہار پر قابو نہیں رکھ سکی اور بول اٹھی "مجھے یقین نہیں آرہا کہ آج انہوں نے خود ہاتھ روک لیا ہے۔ اس طرح شوق کریں تو میں کبھی بھی روک ٹوک نہ کروں۔ یہ ایک مرتبہ بیٹھتے ہیں تو پھر سلسلہ اسی وقت تھمتا ہے جب یہ مدہوش ہو جاتے ہیں۔"

"تم مجھے اپنے دوستوں میں بلاوجہ بدنام کر رہی ہو۔" جہانگیر نے مسکرا کر احتجاج کیا۔

"ان سے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس شہر میں کوئی تو ایسا ہے جس کی رائے کی تم پروا کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک میں تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہوں۔"

"ارے، سلطان شاہ کہاں ہے؟ اسے تم اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟" جہانگیر کو پہلی بار اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا اور وہ چونک کر سوال کر بیٹھا۔

"وہ آج اپنی برادری کے لوگوں سے ملنے گیا ہوا ہے۔ ایک طویل جمود کے بعد آج ہم سب کو کوئی شام اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کا موقع ملا ہے ورنہ ہم بھی تمہاری طرح بدترین دباؤ میں تھے۔" ویرا بولی۔

"چلو، کوئی حرج نہیں۔" جہانگیر بزرگانہ انداز میں بولا "مجھے خیال ہوا تھا کہ کہیں تم لوگ اسے اپنے فلیٹ کی چوکی داری کے لیے نہ چھوڑ آئے ہو۔ وہ بھی بہت سیدھا اور بااخلاق لڑکا ہے۔"

"فلیٹ کی دیکھ بھال کے لیے میں نے یہاں مامور آدمیوں میں سے ایک کو بھیج دیا ہے۔" میں نے سلمیٰ کو سنانے کے لیے کہا۔ "ویسے بھی یہ دونوں کل واپس چلے جائیں گے۔ اب ان کی یہاں کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے اور اوّل خان کو اپنے عملے میں آدمیوں کی کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔"

"یہ اوّل خان کون ہے؟" سلمیٰ پوچھ بیٹھی "تم لوگوں کی زبانی اس کا نام سنتی رہتی ہوں، کبھی اس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا...... بڑا عجیب سا نام ہے اس کا!"

"وہ خالص پٹھان ہے اور پٹھانوں میں ایسے نام اکثر ہوتے ہیں۔ ہر علاقے میں نام رکھنے کا ایک جداگانہ مزاج ہوتا ہے جو دوسروں کو عجیب معلوم ہوتا ہے۔" مجھے وضاحت کرنی پڑ گئی۔

مجھے توقع تھی کہ سلمیٰ ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کی واپسی کی مزاحمت کرے گی مگر اس نے ان کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ اس نے اس موضوع پر زبان کھولی تو اس کے دل کا چور پکڑ لیا جائے گا۔

اس وقت تک بازار سے کھانا نہیں آیا تھا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے ویرا کی امریکا واپسی کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس خبر پر جہانگیر نے ایسے ردِ عمل کا اظہار کیا تھا جیسے ویرا اس کی قریبی عزیزہ رہی ہو اور یوں ایک مرتبہ پھر ویرا پر جرح کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

○☆○

اگلے دن کے متعدد اخبارات نے راس المیڈا کے بارے میں باتصویر خبریں یا فیچر شائع کیے تھے۔ بعض اخبارات نے اس فیچر کو قدرے مختصر کر کے سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ خبر کے انداز میں شائع کیا تھا۔ اخباری معمول کے مطابق باوثوق ذرائع کو اس اہم ترین خبر کا ذمے دار قرار دیا گیا تھا۔ دوسرے اخبارات نے کئی تصاویر کے ساتھ اس فیچر کو خوب پھیلا کر شائع کیا تھا۔

ہر اخبار کا بنیادی مواد کم و بیش وہی تھا جو میں نے اوّل خان کے مشورے سے منتخب کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ خبریں ملک کے ان ذمے دار حلقوں میں ہلچل مچا دیں گی جو ایسے مسائل کی دیکھ بھال کے ذمے دار ہوتے ہوئے بھی ملک میں راس المیڈا کی

موجودگی سے بے خبر تھے۔

اخبارات میں وی آئی پی لاؤنج میں ایک غیر ملکی سفارتی اہل کار پر دل کا شدید دورہ پڑنے اور پھر اسے اسپتال منتقل کرنے کی چھوٹی سی خبر بھی موجود تھی۔ اس کے متن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اخبار والوں کو اس سنگین واقعے کے پس منظر کی بھنک بھی نہیں مل سکی تھی۔ شاید کرنل رحمن نے بھی سفارتی پیچیدگیوں کی بنا پر اس غیر معمولی واقعے پر لب کشائی نہیں کی تھی۔

وہ سب راس الیمیڈا کو گھیرنے کی پیش بندیاں تھیں۔

○☆○

مگر میں منصوبہ بندیوں کے بجائے اس کے نرخرے کو اپنی گرفت میں دیکھنے کا خواہاں تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ ساگا پر ہاتھ ڈال کر ہی راس الیمیڈا کو اچانک پکڑنا ممکن تھا۔ دوسری پُرشکوہ کارروائیاں اسے زیر نہیں کر سکتی تھیں۔

غزالہ نے میرے لیے ناشتا تیار کیا اور میں اپنی شکم پری کے بعد گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت تک ویرا نیند سے بیدار ہوئی تھی نہ سلطان شاہ اپنی خواب گاہ سے باہر آیا تھا۔

میرے لیے کراچی وہ غریب پرور شہر تھا جس نے مجھے پروان چڑھایا تھا۔ لاہور کی سرزمین میری جنم بھومی تھی۔ اپنی زندگی کے سفر میں ہزاروں نرم گرم راستوں پر سفر کرنے کے باوجود میں وہ دن نہیں بھولا تھا جب میری بیوہ ماں کی موت کے بعد سوتیلی ماں اور بھائیوں نے میرے اوپر آبائی گھر کے دروازے بند کر دیے تھے۔ بھوک، پیاس اور ماں کی موت کے صدمے سے نڈھال، میں لاہور کی سڑکوں اور گلیوں پر نہ جانے کب تک چلتا ہی رہا لیکن کسی نے میرا دکھ بانٹنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے سارے ہمدردوں کو موت کی کوئی بھیانک آندھی نگل گئی ہو۔ جب میری آنکھوں پر چھائی ہوئی دھند چھٹی تو میں نور جہاں کے حسرت ناک مدفن کے قریب، کچے جوہڑ میں نہاتی ہوئی بھینسوں کے قریب بیٹھا اپنی تقدیر پر نوحہ خواں تھا۔

اپنی مٹی سے میرا دل اچاٹ ہو گیا اور میں کراچی چلا آیا۔ اس پُرشکوہ اور روشنیوں میں نہائے ہوئے شہر میں میں ایک غریب الوطن لڑکا تھا جسے دو وقت کی روٹی میسر تھی نہ سر چھپانے کے لیے سایہ دستیاب تھا مگر شہر بہت مہربان تھا۔ میری روزی کے وسیلے پیدا ہو گئے، مجھے قابلِ رشک ٹھکانے میسر آ گئے۔ کراچی وہی شہر تھا جس نے یتیم و اسیر تنویر علی کو ڈیبی کے مضبوط اور فولادی قالب میں ڈھال دیا تھا۔

شہر نے اپنا حق ادا کر دیا تھا لیکن میں اپنا حق ادا نہیں کر سکا تھا۔ چاروں طرف پھیلتے ہوئے اس انسانی جنگل کے بے شمار حصے ایسے تھے جو میں نے دیکھے ہی نہیں تھے۔

جب میں لاہور میں تھا تو کراچی کے حسن کے ساتھ اس کے بازارِ حسن کے بارے میں بہت کچھ سوچا کرتا تھا۔ میرے دل میں اس بازار کے پھیرے لگانے اور دل فریب مومی پیکروں کے مول چکانے کی بے شمار تشنہ خواہشیں ابھرتی رہتی تھیں لیکن کراچی کے دامن میں پناہ لینے کے بعد میرے وہ سارے خواب میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ مشینی شہر میں دو روٹیوں کی امید بندھتے ہی میں بھی ایک مشینی پرزہ بن گیا۔

اس وقت مجھے خود حیرت ہو رہی تھی کہ غزالہ سے محبت کی داغ بیل پڑنے سے پہلے میں نے تجرد، خود مختاری اور آوارہ گردی کا ایک طویل دور اسی شہر میں گزارا تھا لیکن میں نے کراچی کے بازارِ حسن کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میں جو کچھ چاہتا تھا، وہ مجھے گھر بیٹھے مل جاتا تھا۔ کنواں پیاسوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگے تو بھلا پیاسوں کو کنوئیں کے پاس آنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

اس بازار کے بارے میں میری ساری معلومات سنی سنائی باتوں پر مشتمل تھیں۔ وہ معلومات اتنی کافی تھیں کہ میں کسی دشواری کے بغیر وہاں پہنچ سکتا تھا۔ پرنس ساگا کا سراغ لگانے کے لیے میرا وہاں پہنچنا ناگزیر ہو چکا تھا کیوں کہ ڈیرے دارنی وہیں سے اٹھ کر شہر کی کسی کوٹھی میں منتقل ہوئی تھی۔

کلفٹن سے نکل کر میں عبداللہ ہارون روڈ پر سیدھا ہی بڑھتا رہا پھر بمبینو سینما والے راستے سے ایم اے جناح روڈ عبور کر کے گارڈن روڈ پر ہو لیا۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ میں ایک بار نشتر روڈ پر بائیں جانب مڑ جاؤں تو وہ سڑک مجھے میری منزل پر پہنچا دے گی۔

نشتر روڈ بالکل سیدھا چلتا ہوا اچانک ہی نیپئر روڈ سے مل کر ختم ہو جاتا تھا۔ اس علاقے کا نام عرفِ عام میں نیپئر روڈ ہی چل رہا تھا حالاں کہ برسوں پہلے اس سڑک کا نام تبدیل کیا جا چکا تھا۔

وہ قدیم کراچی کا اہم ترین حصہ اور دل تھا۔ میں نے سنا تھا کہ پان منڈی، مین منڈی، کیمیکل مارکیٹ اور جوڑیا بازار جیسے متعدد اہم کاروباری مراکز ابتدا ہی سے اس علاقے میں مرتکز تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ ناچنے اور گانے والیوں نے دور دور سے آنے والے تاجروں کے اسی مرکز میں اپنے قدم جمائے تھے۔

وہاں ایک دوسرے سے لگ کر متعدد قطاروں میں رینگتی ہوئی گاڑیوں کے درمیان پارکنگ کی جگہ تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ سسک سسک کر آگے بڑھتی ہوئی گاڑیوں کے کان پھاڑ دینے والے شور اور کثیف دھوئیں نے فضا کو بوجھل بنایا ہوا تھا۔ میرے لیے ٹریفک کی رو کے ساتھ چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد مجھے کورٹ والی سڑک پر جو پہلی جگہ نظر آئی، میں نے گاڑی وہیں لگا دی۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد میں نے پان منڈی سے گزرتے ہوئے ایک تھوک فروش سے بلبل ہزار داستان بلڈنگ کے بارے میں پوچھا تو وہ پان کے سوکھے ٹوکروں پر پانی کا تکڑا چھینٹا لگانے کا شغل ترک کر کے مجھے یوں گھورنے لگا جیسے میں نے اس کی شان

میں کوئی براہِ راست گستاخی کرڈالی ہو۔
"پردیسی معلوم ہوتے ہو!" اس نے الفاظ چبا چبا کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔
مزید تضحیک سے بچنے کے لیے اس کے سوال کا جواب اثبات میں دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ہاں۔ لاہور سے آیا ہوں۔"
وہ آگے جھک کر دھیمی آواز میں بولا "سورج نکلنے سے پہلے وہاں کی رونقیں اجڑ جاتی ہیں۔ شوقینی کرنی ہے تو جھٹپٹے کے وقت آنا۔ ہر دیگ چولھے پر چڑھی' تیار رکھی ہوتی ہے۔"
میرا خون کھول اٹھا۔ وہ مجھے کوئی اوباش پردیسی سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے بھنا کر کہا "شوقینی کے لیے لاہور کی ہیرا منڈی بہت بڑی ہے...... مجھے اس بلڈنگ کے پاس کسی سے ملنا ہے۔"
اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا "سینما کے نکڑ سے بائیں طرف چلے جاؤ۔ کونے پر دائیں طرف دیکھو گے تو وہ بلڈنگ نظر آجائے گی۔"
میں نے غصہ تھوک کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔
بلڈنگ دیکھ لینے کے باوجود میں وہاں نہیں رکا۔ وہاں دودھ لسی' مٹھائی' کباب تکے اور دوسری اشیائے خورد و نوش کی بہت سی چھوٹی چھوٹی اور بجی سجائی دکانیں تھیں۔ پان والوں کے کیبن اس سے زیادہ آراستہ تھے لیکن سب ٹھنڈے پڑے ہوئے تھے۔ قرب وجوار کی بلڈنگوں میں کھڑکیوں اور چوباروں پر چلمنیں اور چقیں گری ہوئی تھیں۔ فٹ پاتھوں پر سیکڑوں کا ریلا چل رہا تھا لیکن رونق مفقود تھی۔ سب کچھ اجڑا اجڑا نظر آرہا تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ دشمن کی فوجیں اجالا نمودار ہونے سے پہلے آس پاس کی گلیوں کو تاراج کر کے جاچکی تھیں۔
تنگ اور پراسرار گلیوں میں مردانگی سے عاری مسٹنڈے مرد جا بہ جا تھڑوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بشروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عورتوں کی کمائیوں پر پل کر پھل پھول رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان گلیوں میں کچھ شرفا بھی پھنسے ہوئے تھے۔ تین اور چار منزلہ عمارتوں میں ایسے گھر اپنے رکھ رکھاؤ سے دور ہی سے پہچانے جارہے تھے۔ حسن و شباب کی منڈی سجا کر سرِ شام طبلوں پر تھاپ دینے والے سوداگروں کے اڈوں پر بھانت بھانت کی چلمنیں اور چقیں اپنی بے نوری سے چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ ہماری رونق دیکھنی ہو تو اجالا کاٹ کر اندھیرے میں آؤ۔
اس پورے علاقے میں تنگ چائے خانوں کی بہتات تھی۔ ان میں چار چھ افراد سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ شاید رات کو دکانیں بند ہوجانے کے بعد وہ اپنی میز کرسیوں سے پوری گلیاں گھیر کر کام چلاتے تھے۔
دوسرے چکر میں مجھے نیپئر روڈ کے ایک چائے خانے میں گنجائش نظر آئی اور میں اندر گھس گیا۔
مجھ سے پہلے تین افراد وہاں موجود تھے۔ وہ تینوں ہی اپنی پھٹکار زدہ صورتوں سے اس علاقے کے باسی اور دلال نظر آرہے تھے۔ تینوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگے۔ میں ان کی وہ حرکتیں دیکھ لینے کے باوجود انجان بن کر سگریٹ کے کش لیتا رہا۔
ایک بڑے برتن میں چائے کو مسلسل کھولانے والے نے میرا آرڈر پوچھا تو میں نے اچانک ان تینوں سے پوچھا "تم لوگ چائے پیو گے میرے ساتھ؟"
"واہ جوان! تُو تو بڑا سخی معلوم ہوتا ہے۔" ان میں سے ایک ہنس کر بولا "ہم سخی کا مال کبھی نہیں چھوڑتے۔ منگوا لے چار دودھ پتی...... مزہ آجائے گا...... اس ٹھیے کی رسیلی چائے بڑے بڑے کوٹھوں پر جاتی ہے۔"
ان تینوں نے اپنی میلی اور شکستہ کرسیاں یوں گھمائیں کہ ہم چاروں ہی اکلوتی بوسیدہ میز کے گرد یک جا ہوگئے۔
"تپتی دھوپ میں ان گلیوں میں کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو؟" دوسرے نے بے تکلفی سے مجھ سے پوچھا "یہ رات کو دیکھنے کی جگہ ہوتی ہے۔ جیب میں مال ہے تو رات کو یہیں آجانا۔ میرا نام فخرو ہے۔ ایسی ایسی لڑکیاں دکھاؤں گا کہ تمہاری طبیعت خوش ہوجائے گی۔"
"اس وقت کوئی بندوبست نہیں ہوسکتا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمے سے پوچھا۔
وہ میری تیز نظروں کی تاب نہ لاسکا' سر جھکا کر ہنس دیا اور بولا "مزہ نہیں آئے گا۔ رات بھر کی سہاگنیں اس وقت اجڑی ہوئی بیواؤں کی طرح سر جھاڑ منہ پہاڑ سو رہی ہوں گی۔ حرام زادیاں نئے گاہک کے لیے دن میں بہت نخرے دکھاتی ہیں۔ تم چاہو تو ایک دو گھر جھانک لیتے ہیں......"
"میں گھر بھول گیا ہوں...... کئی برس پہلے آیا تھا اور نشے میں تھا۔" میں نے موقع مناسب دیکھ کر الجھے الجھے انداز میں اپنی بات چھیڑ دی "وہ کوئی ڈیرے دارنی تھی۔ میں اسی کا گھر ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس کی لڑکی لاکھوں میں ایک تھی۔ تم مجھے اس سے ملوا سکتے ہو؟"
تینوں کے چہروں پر سنجیدگی پھیل گئی۔ فخرو بولا "تو یوں کہو کہ پرانے ڈسے ہوئے ہو۔ وہ چھوکری واقعی بازار کی جان تھی مگر اب وہ یہاں نہیں ہے۔ ڈیرے دارنی زمرد بن کر یہاں سے جاچکی ہے۔"
"اس کا پتا بتا دو۔" میں نے جھجکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں اس کی ایک جھلک دیکھنی چاہتا ہوں۔ اس نے بلا لیا تو مل لوں گا۔ نظریں پھیر لیں تو اس کی تصویر دل میں بسا کر لوٹ جاؤں گا۔"
"ابے' چھمیا باجی آج کل ایک بہت بڑے آدمی کی رکھیل ہے اور اپنی ماں کے ساتھ کوٹھے کے بجائے بہت بڑی کوٹھی میں رہتی ہے۔" دوسرا شخص کہنے لگا "کوٹھے والیاں جب کوٹھیوں میں بس جاتی ہیں تو بڑے بڑے ان کی صورت دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔ تم جیسے کو تو اس کا کوئی نوکر ہی پھاٹک سے بھگا دے گا۔"
"وہ میری قسمت ہوگی۔" میں نے کسی الم زدہ عاشق کی طرح کہا "ہوسکے تو تم اس کا پتا بتا دو۔ میں تمہیں سو روپے دوں گا۔ چھمیا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں جب بھی کراچی آؤں گا' اس سے ضرور ملوں گا۔"
فخرو اس طرح ہنس دیا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو پھر ناصحانہ لہجے میں بولا "اپنے سو روپے برباد کرنے کے بجائے اس میں دو سو اور ملا لو تو شام کو میں تمہیں ایسی آفت سے ملاؤں گا کہ تم چھمیا کو بھول جاؤ گے...... یہاں کی ساری لڑکیاں اپنے گاہکوں کو رجھانے کے لیے ایسی باتیں کرتی ہیں۔ یہی سب سنتے سنتے ہمارے بال سفید ہو رہے ہیں۔ گاہک سے وعدے لینا اور اس کے ساتھ بھاگ نکلنے کے وعدے کرنا اس بازار کا چلن ہے۔ تم شریف زادے معلوم ہوتے ہو۔ چھمیا کا خیال چھوڑ دو۔ ان چکروں میں نہ پڑو۔ پرنس ساگا کو بھنک بھی مل گئی کہ تم اس کی رکھیل پر نگاہ رکھتے ہو تو پتا بھی نہیں چلے گا کہ تمہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ وہ بہت ٹیڑھا آدمی ہے۔"
"مجھے اس کا پتا دے دو۔" میں نے التجا کی "چلو' میں تمہیں منت میں دو سو دے دوں گا۔"
"باؤ! ہم تین ہیں۔" تیسرے نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے رکھائی والے لہجے میں کہا "سو روپے کی پتی تو ملنی ہی چاہیے ہر ایک کو۔ تین سو روپے دو تو میں ابھی زمرد اور چھمیا کا پتا لاکر دیتا ہوں۔"
"تین سو بہت ہیں۔" میں نے مصنوعی احتجاج کیا "فخرو تین سو میں سالم لڑکی دلوانے کی بات کر رہا ہے اور تم صرف پتے کے تین سو مانگ رہے ہو۔ کچھ تو انصاف سے کام لو!"
"لونڈیا تھوڑی دیر کے لیے ملتی ہے' پتا عمر بھر کے لیے تمہارا ہوجائے گا۔ تین سے ایک روپیہ کم نہ زیادہ۔ منظور ہے تو بات کرو ورنہ چائے کے پیسے دے کر چلتے پھرتے نظر آؤ۔"
"تین سو ٹھیک ہیں۔" فخرو نے اپنے لالچی ساتھی کی وکالت کی۔ "تم نہیں معلوم کہ یہ کتنا خطرناک کام ہے۔ پرنس ساگا کو پتا چل گیا کہ چھمیا کے پرانے عاشقوں کو اس کا نیا پتا بتاتے پھر رہے ہیں تو وہ ہمارے ہاتھ پیر توڑ ڈالے گا۔ وہ شہر کا بہت بڑا اور رجی دار بدمعاش ہے۔ ہمیں مار پڑی تو ہمارے دلوں کو یہ تسلی تو رہے گی کہ مفت میں نہیں پٹے۔ ہم تم سے تین سو روپے نہیں' یہ سمجھو کہ ٹھرے کی تین بوتلیں مانگ رہے ہیں۔ بندہ نشہ پانی کر کے بوسکی کا کرتا اور لٹھے کی کلف لگی ہوئی شلوار پہن کر شام کو گاہکوں سے بات کرے تو وہ رعب کھا جاتے ہیں۔ مول تول نہیں کرتے۔ پتے کے لیے نہیں تو ہمارے اچھے دھندے کے لیے ہی تین سو دے دو۔"
میں پہلے ہی فیصلہ کرچکا تھا کہ تین سو میں بھی وہ سودا مہنگا نہیں تھا۔ اگر میں کسی حیل و حجت کے بغیر ان کی شرط مان لیتا تو وہ میری طرف سے شک و شبہے میں مبتلا ہوسکتے تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے خود ہی اگل دیا تھا کہ ساگا اپنی محبوبہ کے نئے ٹھکانے کی تشہیر پسند نہیں کرتا تھا اور ایسا کرنے والوں کے خلاف تشدد پر بھی اتر سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ دال میں کالا محسوس کر کے پتا بتانے سے انکاری ہوجاتے۔
اس وقت میرے ذہن میں دو باتیں کھٹک رہی تھیں۔ جہانگیر نے مجھے بتایا تھا کہ پرنس ساگا کی محبوبہ کا نام نازیہ یا شازیہ تھا جب کہ ان لوگوں نے دورانِ گفتگو اسے چھمیا باجی کے نام سے یاد کیا تھا۔ مجھے تسلی اس بات سے تھی کہ لڑکی کے اصل نام اور عرفیت میں ابہام ہونے کے باوجود یہ طے ہوچکا تھا کہ وہی پرنس ساگا کی محبوبہ تھی۔ لڑکی کوئی بھی ہوتی' مجھے اس سے غرض نہیں تھی۔ میں اس کے ذریعے ساگا پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا۔
دوسری اور تشویش ناک بات ان گھناؤنے لوگوں کی نیت کے بارے میں تھی۔ وہ مجھے کوئی بھی فرضی پتا دے کر تین سو روپے اینٹھتے اور رفو چکر ہوجاتے۔ ان جیسے بے ضمیر' بدکردار اور لالچی لوگوں سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس بارے میں واحد نکتہ یہ تھا کہ اس پتے میں گارڈن ایسٹ کے علاقے کی نشان دہی ہوتی تو ان پر اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ پچھلی رات یہ بات بھی جہانگیر نے مجھے بتائی تھی۔
"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے غلط پتا نہیں دو گے؟" میں نے سوال کیا۔
"باؤ! ہم بے ایمان نہیں' عزت دار لوگ ہیں۔" ان کے حریص ساتھی نے بھڑک کر ایک مضحکہ خیز دعویٰ کیا "تیرے تین سو روپے کے لیے اپنا ایمان نہیں بیچیں گے۔"
اس نے جس روانی سے وہ فقرے ادا کیے تھے اس کی بنا پر میں نے سمجھ لیا کہ جسم و آبرو کے سودوں میں عزت و ایمان کا فراخ دلانہ استعمال بھی شاید اس بازار کی روایات میں شامل تھا ورنہ کہاں عزت و ایمان اور کہاں وہ رند ہائے خرابات جو اپنی روزی بھی گندی نالیوں میں سے چن چن کر اٹھاتے تھے۔
"بس' میرے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر بات ختم کردی۔
"نکالو ایک نوٹ کا بیعانہ۔ میں پتا لے کر آتا ہوں۔" عزت و ایمان کے دعوے دار نے ہاتھ پھیلا دیا۔
"پتا لے آؤ۔ میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوں' کہیں بھاگا نہیں جارہا۔ اکٹھے پیسے دے دوں گا۔"
"اسے سو روپے دے دو۔" فخرو نے بہت بے غیرتی سے مجھے

مشورہ دیا "اسے بھی پتا مفت نہیں مل جائے گا۔ کسی کو سو پچاس دینے دلانے پڑیں گے۔ یہاں بیعانے کے بغیر کوئی سودا نہیں ہوتا۔"

وہ دروغ گو سو پچاس روپے کے خرچ کا ذکر کرتے ہوئے بھول گیا تھا کہ چند لمحوں پہلے ہی وہ دونوں سو روپے فی کس معاوضے کی بات کررہے تھے اور اسی پر معاملہ طے ہوا تھا۔

میں نے خاموشی سے سو روپے کا ایک نوٹ دے دیا۔ وہ پورے سودے کا بیعانہ تھا اور آخر کار اسے کل رقم میں سے منہا ہوجانا تھا۔ اگر وہ ہیر پھیر کرکے مزید سو روپے ہتھیا بھی لیتے تو میں اس کے لیے تیار تھا۔

عزت داری کا دعویٰ کرنے والا نوٹ اپنی جیب میں رکھ کر چائے خانے سے اترا اور تیزی سے ایک طرف غائب ہوگیا۔ فخرو نے پوچھے بغیر میرے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

"تم تینوں ایک ہی گھر میں رہتے ہو؟" خاموشی سے بیٹھ کر بے زار ہونے کے بجائے میں نے بات چیت کو ترجیح دیتے ہوئے فخرو سے پوچھا "تم تینوں کی عادتیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں۔"

"ہم صرف دوست ہیں اور باہر ملتے جلتے رہتے ہیں ورنہ ہمارے الگ الگ کاروبار ہیں۔"

مجھے گمان ہوا کہ آڑ اور دنیا دکھاوے کے لیے شاید وہ کوئی کاروبار بھی کرتے ہوں۔ اسی گمان کے تحت میں بے ساختہ سوال کر بیٹھا "کاروبار؟ تم لوگ کس چیز کا کاروبار کرتے ہو؟"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا اور اسی ہنسی کے دوران بولا۔ "بھولے بادشاہو! تمہارا وہی حساب ہے کہ ساری رات یوسف زلیخا کی کہانی سنتے رہے اور صبح پوچھتے ہو کہ زلیخا مرد تھی یا عورت تھا۔ اتنی باتیں ہوئی ہیں' لڑکیوں کے بھاؤ تک بتادیے ہیں اور تم کاروبار پوچھ رہے ہو۔ یہاں اور کیا کاروبار ہوسکتا ہے؟"

"پیٹ بڑا بدکار ہے بابا' پیٹ بڑا بدکار۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں آدم کے بانکے بیٹے اور حوا کی سُندر بیٹی کے بارے میں جوش کے کہے ہوئے اشعار کا وہ مصرع گونجا۔ اس وقت فخرو اس کی مکمل تعبیر بنا ہوا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے اعتراف کیا "میری بھول تھی کہ میں نے وہ سوال پوچھا۔ دلدل میں گلاب اُگتا کس نے دیکھا ہے؟ وہاں تو کنول کے پھول ہی کھل سکتے ہیں۔ سب کچھ جانتے ہوئے مجھے وہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس کی آواز بے ملال تھی "ہم جو کرتے ہیں' وہ کرتے ہیں۔ شام کو دیکھا کرو کہ کیسے کیسے شریف اور رئیس زادے چمکتی ہوئی گاڑیوں میں یہاں آکر ہماری خوشامدیں کرتے ہیں کہ فلاں سے ملوادو' فلاں کو بھیج دو۔ ہم محنت کرتے ہیں اور اپنی روزی کماتے ہیں۔"

"بالا خانوں سے اتر اتر کر شہر کی کوٹھیوں میں بس جانے والیوں کی وجہ سے یہاں کی رونقوں کو دھچکا تو ضرور لگا ہوگا؟" میں نے پوچھا "یہاں کی ہر چھمیا کسی ساگا کا انتظار کرتی رہتی ہوگی۔"

"بہت فرق پڑا ہے۔" اس نے میری تائید کی "یہ کھلا ہے' وہاں بند دروازوں کے پیچھے سارے قصے طے ہوجاتے ہیں پر یہ یاد رکھو کہ جہاں مال ہوگا' وہاں خریدار ضرور آئے گا۔ اللہ کا روزی رساں ہے۔ ایک زمرد جو خود غرض نکل گئی تو کیا ز... ہے۔ یہاں سے جانے والی ہر لڑکی اپنے ساتھ دس پانچ کو ماموں' خالہ' پھوپی بنا کرلے جاتی ہے۔ طبلہ' ہارمونیم اور ... بجانے والے ان رشتوں کے سہارے بڑے سکھی رہتے ہیں۔ ناچنے والیاں باہر نکل کر بڑے بڑوں کو اپنے اشاروں پر نچاتی ... ان کی اولادیں ہماری طرح زبوں اور خوار نہیں ہوں گی۔ ... اپنی کہانیاں گھڑ کر عزت دار گھرانوں میں رشتے داریاں کرلیں ... اور کھپ جائیں گے۔"

فخرو بہ ظاہر جاہل تھا لیکن اس کی باتیں واقعی فکر انگیز ... شہروں میں بسنے والے بہت تیزی سے اپنی ہر شناخت کھو کر ... دولت کے اسیر ہوتے جارہے تھے۔ پچھلی رات جہانگیر کے گھر ... یہ معاملہ اٹھا تھا لیکن وہاں اس کی نوعیت محدود تھی۔ جہانگیر ... پڑوسیوں کی گوشہ نشینی سے نالاں تھا۔ فخرو جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ... سنگین تھا۔ اس کی برادری شہر میں پھیل رہی تھی۔ گناہ کی کوکھ ... جنم لینے والے شبستانوں میں پروان چڑھ رہے تھے' اعلیٰ ... حاصل کررہے تھے اور پھر انہیں اپنے گردو پیش میں ضم ہوجانا ...

"تمہارے ساتھیوں کے نام کیا ہیں؟" سوچوں کی یلغار ... نجات پانے کے لیے میں نے ہڑبڑا کے پوچھا۔

"یہ جوی ہے۔ جو پتا لینے گیا ہے اس کا نام علم دین ہے۔ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"پھر کیا پوچھوں؟ میرے لیے خاموش رہ کر انتظار کرنا ... مشکل کام ہے۔"

"اور باتیں کرو۔ باتیں کرنے کے لیے پوری دنیا پڑی ... ہے۔" وہ ہنس کے بولا۔

"یہ بتاؤ کہ چھمیا کا اصل نام کیا ہے؟" میں نے اشتیاق ... لہجے میں پوچھا۔

"اصل نام......؟" وہ سوچتے ہوئے بولا "مجھے یاد پڑتا ہے ... ڈیرے دارنی نے اس کا نام شازیہ رکھا تھا مگر وہ پیار سے اسے ... چھمیا کہتی تھی۔ پورے بازار میں بہت کم لوگوں کو اس کا اصل ... معلوم ہوگا۔"

"اور تیرا نام کیا ہے؟" جوی نے مٹھی بند کرکے سگریٹ ... ایک کش لینے کے بعد پوچھا۔

"عبدالودود۔" میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"ہدہد!" جوی بہت زور سے ہنس پڑا۔ فخرو بھی اس بے سا... مذاق پر اپنا قہقہہ نہیں روک سکا اور وہ دونوں دیر تک ہنستے ... گئے۔ میں خاموش بیٹھا پُر تشویش نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

ہنسی تھمی تو جوی نے پھر ہدہد کہا اور دونوں دوبارہ ہنس پڑے۔

"تمہارے ماں باپ کو کوئی اور نام نہیں ملا تھا رکھنے کے لیے؟" ہنسی رکنے کے بعد فخرو نے پوچھا۔

"نہیں پتا ہوتا کہ تم اچھے خاصے نام کو ہدہد بنادوگے تو ضرور کوئی دوسرا نام سوچتے..... علم دین کو گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی۔ وہ کب تک واپس آئے گا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"بس ٹھوکر گلی کے نکڑ تک گیا ہے۔ آتا ہی ہوگا" جوی نے یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی "تم دونوں گپیں لڑاؤ۔ میں اسے دیکھ کر آتا ہوں۔ کہیں اسے راستے میں کسی نے روک نہ لیا ہو۔"

میں سوچ میں پڑگیا۔ چھمیا یا شازیہ کا پتا معلوم کرنے میں اتنی تاخیر غیر معمولی تھی۔

نچلے طبقوں کی یہ اجتماعی نفسیات ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی ابھر کر اوپر جاتا ہے تو ہر شخص اس سے اپنا قریبی تعلق جتانے میں فخر محسوس کرتا ہے اور اس تعلق کو ثابت کرنے کے لیے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ میری دانست میں وہاں کے ہر شخص کو چھمیا اور زمرد کا پتا زبانی یاد ہونا چاہیے تھا۔ اگر انہوں نے مجھے اسامی سمجھ کر پتا نہ بتانے کا ارادہ کرلیا تھا تو دوسری بات تھی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے خاموش پاکر فخرو نے ٹوکا۔ وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کہیں علم دین کو کوئی حادثہ پیش نہ آگیا ہو" میں نے مختصری کرسی میں پہلو بدل کر کہا۔

"یہاں رہنے والے سب لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ حادثہ ہوا ہوتا تو اب تک خبر آچکی ہوتی۔"

"مجھے دیر ہورہی ہے۔ وہ پتا لے آئے تو تم رکھ لینا۔ میں کسی وقت آکر لے لوں گا۔"

"تو کیا تم جارہے ہو؟" اس نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں! میں نے کسی کو وقت دیا ہوا ہے۔ میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

"کمال ہے" اس نے خودکلامی کے انداز میں کہا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ چھمیا کے عشق نے تمہاری کھوپڑی الٹ دی ہے اور تم اس سے ملنے کے لیے دنیا کے ہر کام کو پیچھے ڈال سکتے ہو۔"

اس نے میری دُکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے کرسی چھوڑنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اس وقت میرے چلے جانے سے میری کہانی کمزور پڑ سکتی تھی۔ وہ تینوں سمجھ لیتے کہ چھمیا کا عشق محض ایک بہانہ تھا ورنہ میں اس کا پتا حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ میری اس کوشش یا خواہش کو وہ تینوں اپنی مرضی کا کوئی بھی رخ دے سکتے تھے۔

"تم اندازہ نہیں کرسکتے کہ چھمیا کے وجود میں قدرت نے کیسا جادو چھپایا ہوا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس بازار میں چند گھنٹوں کی دوستیاں خریدی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ گزارے ہوئے چند گھنٹے برسوں سے میری زندگی کا اثاثہ بنے ہوئے ہیں۔ میں جب سے کراچی آیا ہوں' اس سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔"

"سچ پوچھو تو ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی" فخرو کے الفاظ نے مجھے چوکنا کردیا۔

"ایک نہیں' بہت سی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی کیونکہ تم اسے چھمیا باجی کہتے ہو" میں نے اس کی کہی ہوئی بات کا وزن کم کرنے کی نیت سے کہا "باجی اور محبوبہ کے رشتے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"میں دوسری بات کہہ رہا تھا۔ تمہیں اس سے عشق ہوگیا تھا تو تم اتنے سالوں سے کہاں تھے؟"

"اپنے مقدر کا لکھا جھیل رہا تھا" میں نے روایتی عاشقوں والے لب و لہجے میں کہا "میری کھوئی کھوئی سی حالت دیکھ کر میرے گھر والوں نے مجھے شادی کے بندھن میں جکڑ دیا تھا۔ میں بیوی کو چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا تھا۔ رشتے داروں کے گندے طعنے میرے گھر والوں کی زندگی اجیرن کردیتے۔ موقع ملا تو میں یہاں آگیا اور اب میرا عہد ہے کہ چھمیا سے ایک فیصلہ کن ملاقات کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"لیکن تم تو چند منٹ پہلے ہی جارہے تھے۔ میں نہ روکتا تو اس وقت تم نہ جانے کہاں ہوتے۔"

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جارہا تھا۔ پتا لینے کے لیے کل پھر لوٹ آتا۔"

"وہ کون ہے جو تمہارے لیے چھمیا سے بھی زیادہ اہم ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"وہ الو کا پٹھا ہے" میں نے ایک عذر ذہن میں آتے ہی تلخی سے کہا "چھمیا کے مقابلے میں اس کی پرکاہ سے زیادہ اہمیت نہیں ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اس سے ایک بڑی رقم لینی ہے۔ آج کل دو چار سو روپے تو فقیر بھی لیے پھرتے ہیں۔ اہمیت بڑی رقم کی ہوتی ہے۔ جیب خالی ہو تو چھمیا جیسی ریشمین اور ملائم محبوبہ سے ملنے کا سارا لطف غارت ہوجاتا ہے۔"

"بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا "لمبی رقم کا معاملہ ہے تو وقت ضائع مت کرو۔ علم دین بہت ندیدا شرابی ہے۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ وہ سو کا نوٹ لے کر سیدھا شراب خانے چلا گیا ہوگا اور اب اس وقت تک یہاں نظر نہیں آئے گا جب تک بوتل خالی کرکے غل غپاڑہ مچانے پر نہ اتر آئے۔"

"اسے وہ نوٹ تم ہی نے دلوایا تھا" میں نے ملامت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔

"بس' آدمی سے غلطی ہو ہی جاتی ہے" وہ اپنے فیصلے پر شرمندہ تھا "اس وقت تک تم سے اتنی باتیں نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے

سوچا تھا کہ ساری نہیں تو تھوڑی رقم ہی پکڑلی جائے۔"

"پھر میں چلا!" میں نے کرسی چھوڑ دی "پانچ بجے کے قریب دوبارہ ادھر کا چکر لگاؤں گا۔"

فخرو نے بڑے تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ وہ بے چینی کے ساتھ گردن اٹھا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے چائے کی قیمت ادا کر کے ہوٹل کی پہلی سیڑھی سے قدم اتارا ہی تھا کہ فٹ پاتھ سے جوی وہاں آنکلا۔ اس کے ساتھ ایک صحت مند نوجوان بھی تھا جس کے بدن پر فخرو کی آرزوؤں کے مطابق بوسکی کا کرتا اور لٹھے کی کلف لگی ہوئی شلوار موجود تھی۔

نووارد نوجوان نے اپنی امارت کے اظہار کے لیے ہر ممکنہ طریقہ استعمال کیا تھا۔ اس کے گلے میں پڑی ہوئی بھاری طلائی چین کرتے کے گریبان سے باہر سینے پر جھول رہی تھی' بائیں کلائی پر سنہرے کیس اور چین والی کوئی بیش قیمت گھڑی موجود تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں قیمتی نگینوں والی کم و بیش پانچ طلائی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔

اس کی خوب صورتی میں کوئی کلام نہیں تھا پھر بھی اس کے کلین شیو چہرے پر مجھے نسائیت کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ میرے سامنے وہ بمشکل دو تین قدم ہی چلا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی چال بھی لچکیلی تھی۔

"لو جی! وہ حرام دا پتّر تو غائب ہوگیا" جوی چائے خانے کے سامنے رک کر غصیلی آواز میں ہنکار رہا تھا "کہیں پڑا سو روپے میں کتے کا موت پی رہا ہوگا۔ میں سنی کو لے آیا ہوں۔ اسے چھمیا باجی کا پتا تو نہیں معلوم لیکن اس نے اُس کا گھر دیکھا ہوا ہے۔ یہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

میں چائے خانے سے اتر کر ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ گورا چٹّا سنی شرمیلی نظروں سے میری طرف دیکھ کر یوں مسکرا رہا تھا جیسے اگلے چند ثانیوں میں دل و جان سے مجھ پر فدا ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"چھمیا کا گھر کہاں ہے؟" میں نے اپنی تسلی کے لیے سنی سے پوچھا۔

"لسبیلہ اور خوجہ جماعت خانے سے پہلے ہے صاحب جی!" اس نے خالص مردانہ آواز میں کہا۔

لحہ بھر میں اس کی شخصیت کا بھرم کھل گیا۔ وہ خوب رُو مگر جاہل نوجوان بھی کوئی طوائف زادہ ہی تھا۔ شاید اسے بدنام مَردوں کی صحبت سے بچانے کے لیے عورتوں میں ہی پالا پوسا گیا تھا اس لیے اس کے ہر تیور اور انداز سے زنانہ پن جھلک رہا تھا۔

اس نے جس علاقے کا حوالہ دیا تھا' وہ گارڈن ایسٹ ہی کہلاتا تھا۔

"پہلے رقم لینے جاؤ گے یا چھمیا سے ملو گے؟" فخرو نے نیچے آکر میرے کان میں سرگوشی کی۔

"سنی آگیا ہے تو پہلے چھمیا سے ہی مل لوں گا" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

میں ان تینوں کے لالچ کا حال دیکھ ہی چکا تھا۔ اس سے پہلے جوی یا فخرو کوئی مطالبہ کرتا' میں نے جیب سے دو سو روپے نکال فخرو کے حوالے کردیے۔ اس نے اسی وقت ایک نوٹ جوی کو دے کر اپنا لین دین کا حساب برابر کرلیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ ان میں سے کسی نے مجھ سے مزید رقم کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

میں گھر سے کسی اور ہی پروگرام سے نکلا تھا۔ میرا ارادہ تھا میں ڈیرے دارنی کے پرانے محلے سے اس کا نیا پتا معلوم کرکے گھر لوٹ آؤں گا اور پھر منظّم پروگرام کے تحت کسی وقت ڈیرے دار کی قیام گاہ پر پہنچ کر وہاں قبضہ کرلیا جائے گا۔ اس قبضے میں یہ کوشش ہوتی کہ ڈیرے دارنی یا اس کی بیٹی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر کڑی نگرانی میں رکھا جاتا اور پھر پرنس ساگا وہاں پہنچتا تو اسے بے خبری کے عالم میں اچانک دھاوا بول کر زیر کرلیا جاتا۔ براہِ راست وہاں کا رخ کرنا میرے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔

لیکن وہاں حالات ہی بدل چکے تھے۔ میرا سوچا ہوا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ علم دین کے غائب ہوجانے اور پھر سنی کی آمد سے سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا۔ آثار بتارہے تھے کہ وہ علاقہ چھوڑ دینے کے باوجود ڈیرے دارنی کو وہاں کے مکینوں کی ہمدردیاں حاصل تھیں اور اگر میں فوری طور سے سنی کی خدمات سے استفادہ نہ کرتا تو شاید بعد میں ڈیرے دارنی کا پتا حاصل کرنا ناممکن ہوجاتا۔

حریص شرابی' علم دین نے غیر متوقع طور پر پیسوں سمیت غائب ہوکر میرا سارا پروگرام درہم برہم کردیا تھا۔

"سنی تمہیں وہاں پہنچا کر لوٹ آئے گا" فخرو نے محبت سے اس نوجوان کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "چاہو تو اس گبرو جوان کو تھوڑا بہت انعام دے دینا۔"

میں فخرو کو قہربار نظروں سے گھور کر رہ گیا مگر زبان سے کچھ کہے بغیر سینما کی طرف چل دیا۔ سنی ان دونوں کی طرف ہاتھ لہرا کر میرے پیچھے ہولیا تھا۔

نکڑ تک وہ چلتے چلتے میرے برابر میں آگیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے تکلفی سے بولا "صاحب جی! موڑ سے آئے ہوا یہیں سے کوئی رکشا ٹیکسی پکڑلیں؟ چھمیا باجی کا گھر یہاں سے کافی دور ہے۔"

اس کی شکل' صورت اور اٹھان دیکھ کر میں دل ہی دل میں کُڑھ رہا تھا کہ ایسا خوب صورت نوجوان جہالت' گمراہی اور گناہوں کی کس دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ جسمانی طور پر وہ دیکھنے دکھانے کے قابل ایک قابلِ رشک مرد تھا لیکن اس کی چال ڈھال اور بول چال میں دور دور تک اس مردانگی کا نام و نشان نہیں تھا جو اس میں ہونی چاہیے تھی۔

اگر سنی وہ سوال کرکے مجھے نہ چونکا دیتا تو میں سیدھا اپنی گاڑی کی طرف ہی جا رہا تھا۔ میں نے لحہ بھر کے لیے اس کے سوال پر غور کیا اور پھر فوراً ہی اپنا ارادہ بدل کر کہا "کرائے کی کوئی سواری لے لیتے ہیں۔"

اس وقت تک میں نے بازارِ حسن کے مکینوں کو اپنا فرضی نام بتانے کے علاوہ کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جس سے میری اصل شناخت ظاہر ہوتی۔ ان کے لیے میں لاہور سے آیا ہوا ایک ایسا شادی شدہ نوجوان تھا جو ایک مدت سے چھمیا کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر تھا۔ اگر میں سنی کے ساتھ اپنی گاڑی استعمال کرتا تو وہ گاڑی کا ماڈل' میک اور نمبر ذہن نشین کرکے کسی بھی وقت میرے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ میں اپنی گاڑی کی موجودگی کو ایک راز ہی رہنے دیتا۔ اسے بعد میں کسی بھی وقت لیا جاسکتا تھا۔

سنی اس علاقے میں خاصا معروف اور مقبول تھا۔ مختصر سے راستے میں وہ لوگوں سے دعا سلام کرتا' ان کی چھیڑ چھاڑ سہتا اور فقرے بازی کرتا ہوا ایک شوخ ٹیکسی تک پہنچا تو ٹیکسی ڈرائیور بھی اس کا شناسا نکلا۔

سنی نے میرے لیے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ میں اندر ٹھیک کر سرکنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ اسی دروازے سے اچانک میرے اوپر آپڑا اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہی واقعہ اندھیرے میں رونما ہوا ہوتا تو سنی کے وجود کے گداز سے میں یہی سمجھتا کہ کوئی الہڑ دوشیزہ بے خبری میں میرے اوپر آگری ہے۔ میں پھرتی سے دوسرے دروازے کی طرف سرک گیا۔

"کہاں جارہے ہو سنی بادشاہ!" ٹیکسی ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چل' ٹیکسی واپس موڑ لے۔ ذرا لسبیلہ کے پاس جانا ہے۔" سنی کا لہجہ خشک تھا۔

ٹیکسی کا انجن بیدار ہوا اور پھر وہ حرکت میں آگئی۔ اس وقت اس مصروف سہ راہے پر اس قدر ٹریفک تھا کہ وہاں سے گزرنا دشوار تھا مگر ٹیکسی ڈرائیور نے نہایت مشّاقی سے' آتی ہوئی گاڑیوں کا راستہ کاٹ کر' دیکھتے ہی دیکھتے یوٹرن لے لیا اور نشتر روڈ کے ابتدائی سرے کی طرف جانے والی ٹریفک میں شامل ہوگیا۔

ایک ڈیڑھ فرلانگ تک ٹیکسی جوں کی رفتار سے رینگتی رہی پھر اس نے ذرا رفتار پکڑلی۔

"تم چھمیا سے ملے ہو؟" میں نے دھیمی آواز میں سنی سے پوچھا۔

"ہو صاحب جی! ہمارا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے۔ وہ یہیں پلی بڑھی تھی اور اب بھی کبھی کبھی ہمیں یاد کرتی رہتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم جیسا کڑیل جوان بھی اسے چھمیا باجی کہتا ہے؟" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا" وہ ہنس کر بولا "یہ یہاں کا دستور ہے۔ ہم لوگ برادری کی ساری عورتوں کو اپنی ماں' بہن سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ آپس ہی میں عشق اور محبت شروع کردیں تو دھندا کون کرے گا اور گاہک کون لائے گا؟ وہ عمر میں میرے برابر ہی ہوگی مگر بڑی پیاری اور سمجھ دار ہے۔ وہ برادری سے باہر کی ہوتی تو دوسری بات ہوتی۔"

وہ سب نرے جاہل تھے لیکن وقت اور تجربے نے انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ سنی نے اپنی دانست میں میرے ایک سوال کا سادہ سا جواب دیا تھا مگر میری دانست میں وہ ایک اہم معاشی اصول بیان کرگیا تھا کہ گھوڑا گھاس سے دوستی بلکہ عشق کرے گا تو کھائے گا کیا؟

دور سے گندے اور گھناؤنے نظر آنے والے ان بے ضمیر لوگوں کی زندگی میں جھانکنے سے مجھے ان کی کچھ مجبوریاں نظر آنے لگی تھیں۔ وہ لوگ جس مکروہ دھندے میں ملوث تھے اسے تاریخی اور معاشرتی ماہرین تاریخ کا قدیم ترین پیشہ قرار دیتے تھے۔ وہ کیوں اور کیسے وجود میں آیا' اس کے بارے میں ذہن پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مجبوروں اور بالادستوں کی خفیہ مصالحت اور مفاہمت کی ایک سیدھی سی کہانی نظر آتی تھی۔ عورت ہمیشہ سے مجبور و محکوم چلی آرہی تھی۔ مرد بالادست تھا جب پہلی عورت کی کوئی ضرورت یا مجبوری مرد کی عیش کوشی کا سامان بنی تو اس پیشے کی داغ بیل پڑگئی۔

مشکل یہ تھی کہ خلوت میں طوائفوں اور طوائف زادیوں کے تلوے چاٹنے والے شرفا اور معززین میں سے کسی میں کبھی اتنی ہمت پیدا نہیں ہوسکی تھی کہ وہ برسرِعام ان کو اپنے نام کی شناخت دے سکیں۔ انہیں ہمیشہ سے ایسا کھلونا سمجھا گیا تھا جس سے دل بھر کر کھیلا جاتا ہے لیکن اسے اپنی ضرورت نہیں بنایا جاتا اور معاشرے کے ان ہی گھناؤنے تضادات نے ہر دَور میں اس قدیم پیشے کی جڑوں کی فراخ دلانہ آب یاری کی تھی۔

"تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" سنی نے میرے پہلو میں بے تکلفی سے کہنی مار کے شوخی سے کہا "کیا چھمیا باجی سے ملاقات کے لیے ڈائیلاگ یاد کررہے ہو؟"

"تمہاری چھمیا باجی تو ایسی ہے کہ اس کے سامنے آدمی اپنا رٹا رٹایا سبق تک بھول جاتا ہے....."

وہ خوش ہو کر ہنسنے لگا پھر بولا "ذرا اس سے دیکھ بھال کر بات کرنا۔ اس کا خرچہ اٹھانے والا کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس نے تمہیں چھمیا باجی کے ساتھ دیکھ لیا تو پل بھر میں تمہاری گردن مروڑ کے رکھ دے گا۔"

"چھمیا سے ایک بار ملاقات ہو جائے پھر اسے بھی دیکھ لیا جائے گا" میں نے کہا۔

لسبیلہ چوک سے پہلے پڑنے والے ٹریفک سگنل پر سنی نے ٹیکسی واپس مڑوالی۔ ہمارے راستے میں کہیں بھی داہنی طرف مڑنے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے میں اس الٹے سفر پر خاموش رہا۔ سنی نے ٹیکسی کو ایک سڑک پر مڑنے کے لئے کہا جہاں بائیں کونے پر پان والے کی دکان تھی اور درختوں کے سائے میں کئی گھوڑا گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ بجلی کے کھمبے پر لگی ہوئی چھوٹی سی نیلی تختی پر نمایاں سفید حروف میں مانک جی اسٹریٹ کے اردو اور انگریزی الفاظ دور سے بھی پڑھے جا رہے تھے۔

مانک جی اسٹریٹ میں داخل ہونے کے بعد ٹیکسی نے ایک دو موڑ کاٹے اور پھر ایک بند پھاٹک کے سامنے رک گئی۔

سنی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور بند پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا اور سنی کے پاس پہنچا تو کھلے ہوئے پھاٹک پر ایک پستہ قامت بنگالی یا برمی ملازم آ چکا تھا۔

اگر وہ کوٹھی ہی تھی تو اس کا احاطہ بہت وسیع نہیں تھا۔ برآمدے میں کھڑی ہوئی بھاری بدن والی اُدھیڑ عمر عورت مجھے پھاٹک ہی سے واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ میں اس وقت تک جو کچھ سنتا چلا آیا تھا' اس کی بنا پر مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ اُدھیڑ عمر عورت ہی زمرد عرف ڈیرے دارنی تھی جسے چھمیا کی ماں سمجھا جاتا تھا۔

زمرد نے اجنبی ہونے کے باوجود گرمجوش مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کا استقبال کیا۔

"مامی! یہ چھمیا باجی کے کوئی پرانے قدردان ہیں۔ صبح سے بازار میں دھکے کھاتے پھر رہے تھے' انہیں جوی نے بھیجا ہے۔"

"آؤ جی آؤ..... میں صدقے واری..... سر آنکھوں پر آؤ!" زمرد مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی پھر اچانک ہی لہجہ بدل کر سنی سے بولی "تو بس پکڑ کے جلدی سے گھر جا۔ تیری ماں پریشان ہو جائے گی۔ یہ کرائے کے پیسے رکھ لے۔ جو بچیں اس سے شام کو دودھ جلیبی کھا لینا" یہ کہتے ہوئے زمرد نے اپنے کشادہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر بلاؤز کے کسی حصے میں اُڑسا ہوا سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور سنی کی طرف بڑھا دیا۔

سنی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر وہ نوٹ لیا اور برآمدے سے ہی واپسی کے لیے مڑ گیا۔

اس گھر کا ڈرائنگ روم برآمدے سے ملحق تھا۔ زمرد مجھے اندر لے گئی۔

ڈرائنگ روم کی پُرتعیش آرائش میں بے دریغ پیسہ خرچ کیا گیا تھا لیکن اس میں سلیقے کا فقدان تھا۔ ہر جگہ شوخی نمایاں تھی۔

"تو تم میری چھمیا سے ملنے آئے ہو؟" مجھے بٹھانے کے بعد زمرد نے کاروباری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں..... ہاں جی!" میں نے کن انکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "بس ایک ملاقات ہو جائے تو میں بڑے سکھ سے لاہور واپس جا سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ چھمیا جی کو میرا چہرہ بھی یاد نہ ہو مگر ان کی تصویر میرے دل پر نقش ہے۔"

"تم جھوٹے ہو" زمرد نے بہت اطمینان سے کہا "چھمیا اس وقت بھی کہیں سے تمہیں دیکھ رہی ہو گی۔ پہچان لیتی تو وہ ضرور تمہارے سامنے آتی۔ شاید تمہیں پتا نہیں کہ میری چھمیا ایک دن کے لیے بھی بازار میں نہیں بیٹھی۔ تم کس طرح پورے شہر میں ڈھنڈورا پیٹتے پھر رہے ہو کہ کئی برس پہلے تم نے چھمیا کے ساتھ وقت گزارا تھا؟"

میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میں نے بے خبری میں جس چٹان پر قدم رکھا تھا وہ بھیانک دلدل کی سوکھی پپڑی ثابت ہوئی تھی۔ سنی نے زمرد سے جو کچھ کہا تھا' میرے سامنے کہا تھا۔ اس میں وہ باتیں شامل نہیں تھیں جن کا حوالہ وہ دے رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے پہلے ہی فون پر ہر بات بتا دی گئی تھی۔

شاید علم دین مجھے وہاں الجھائے رکھنے کے لیے دانستہ غائب ہوا تھا۔ وقت حاصل کر کے اس نے فون پر زمرد سے ہدایات لیں اور پھر مجھے پتا دینے کے بجائے سنی کے ساتھ اس اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا جہاں وہ موٹی نائکا میرے استقبال کے لیے تیار تھی۔ میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر مصائب کے ایک نادیدہ جال میں آ پھنسا تھا۔

زمرد ایک صحت مند اور بے حیا عورت تھی۔ میں آسانی سے اسے زیر کر سکتا تھا مگر میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کا ذرا بھی قائل نہیں تھا۔ میں نے خون آشام تیوروں کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا "بڑھیا! میں ساگا کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔"

"میں موجود ہوں ڈپٹی!" ایک سرد اور سفاکانہ آواز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا "میں اپنے دشمنوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

میں آواز کی سمت میں مڑا تو اندرونی دروازے سے ساگا نمودار ہو رہا تھا۔ وقت نے اس کی کنپٹیوں پر برف جیسی سفیدی بکھیر دی تھی لیکن برسوں بعد بھی وہ چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس کا ہر نقش میرا جانا پہچانا تھا۔

ساگا کے ہاتھ میں بڑے بور کا ایک بے آواز ریوالور دبا ہوا تھا جس کی مہیب آہنی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی اور ساگا کے پہلو میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ کھڑی' بڑی متانت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میں نے وہ سارے جتن ساگا کو تلاش کرنے کے لیے کیے تھے۔ میں اس کے ذریعے راس الملیڈا تک رسائی حاصل کرنے کا خواہاں تھا لیکن اسے یوں غیر متوقع طور پر اپنے روبرو پا کر میرے وجود میں خوف اور سنسنی کی لہریں سی سرایت کر گئی تھیں۔ وہ نہ صرف میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا بلکہ اس نے مجھے پہچان بھی لیا تھا۔

میں نے اپنی دانست میں خاصی مناسب منصوبہ بندی کی تھی۔ میں گھر سے صرف یہ ارادہ لے کر نکلا تھا کہ بازارِ حسن کے مکینوں سے ساگا اور اس کی رکھیل کا پتا حاصل کر کے لوٹ آؤں گا اور پھر مناسب تیاری کے بعد ساگا پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا مگر فخرو' جوی اور علم دین نے حیرت ناک مکاری سے کام لیتے ہوئے میرے سارے عزائم پر پانی پھیر دیا تھا۔

میری دانست میں وہ تینوں عورتوں کی کمائیوں پر پلنے والے بے ضمیر اور غبی دلال تھے جنہیں عزت و آبرو اور دین و دھرم سے دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف اور صرف پیسے کے لوبھی تھے اور چند ٹکوں کے لیے دنیا کا ہر ذلیل سے ذلیل کام سرانجام دے سکتے تھے مگر مجھے خوب صورتی سے ساگا کے چنگل میں پھنسوا کر انہوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ پرائے پیسے پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ سازشی ذہنوں کے بھی مالک تھے۔

میں کسی پیشگی پروگرام کے بغیر اچانک ہی ان سے ملا تھا۔ معاملات طے ہونے تک ہم چاروں ہر لمحے ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے موجود رہے تھے' ان تینوں کو تخلیے میں میرے خلاف مشورہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ خریدار کی نظروں میں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر اشاروں ہی اشاروں میں جسموں کا مول چکانے والے ان مسٹنڈوں نے مجھ سے گفتگو کے دوران' میری نظریں بچا کر' اشاروں کنایوں میں ایک دوسرے کو اپنی حکمتِ عملی سمجھا دی ہو اور پھر نہایت خاموشی سے اس پر عمل کر گزرے ہوں۔

زمرد بائی' ساگا کی دولت کے بل پر' اپنی بیٹی چھمیا کو ساتھ لے کر اس گندے بازار کے ایک کوٹھے سے شہر کی کوٹھی میں ضرور منتقل ہو گئی تھی لیکن بازار والوں سے اس کے گہرے رشتے بدستور استوار تھے۔ ان کے دلوں میں ڈیرے دارنی اور چھمیا کے لیے ہمدردی اور وفاداری کے جذبات موج زن تھے۔

یہ سراسر جھوٹ تھا کہ ان تینوں میں سے کسی کو ڈیرے دارنی کا نیا پتا معلوم نہیں تھا۔ وہ خبیث سب کچھ جانتے تھے۔ زمرد بتا چکی تھی کہ اس کی چھمیا نے بازارِ حسن میں ایک دن کے لیے بھی اپنے حسن و جمال کا بازار نہیں سجایا تھا۔ شاید وہ بازار کی جنس بننے سے پہلے ہی ساگا کے دل و دماغ میں سما چکی تھی۔ جوں ہی میں نے چھمیا کے ساتھ وقت گزارنے کا ذکر کیا' ان تینوں نے میرا جھوٹ پکڑ کر اندازہ لگا لیا ہو گا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

انہوں نے مجھے اپنے اس اندازے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ حریصانہ انداز میں مول تول کرتے رہے پھر علم دین سو روپے کا نوٹ لے کر پتا لانے کے بہانے وہاں سے کھسک گیا۔ اس نے یقیناً کہیں سے ڈیرے دارنی کو فون پر خبر دی ہو گی کہ بازار میں کوئی شخص اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا ہے اور ڈیرے دارنی نے فوراً ہی اس مشتبہ شخص کو اپنے نئے ڈیرے پر پہنچانے کی ہدایت دے کر ساگا کو اس صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہو گا۔ پہلا امکان تو یہی تھا کہ ساگا اپنی خوش جمال محبوبہ کی زلفوں کے سائے میں ابتدا ہی سے اس چھت کے نیچے موجود رہا ہو۔ اگر وہ وہاں نہیں تھا تو ڈیرے دارنی سے نئی خبر ملتے ہی مشتبہ آدمی کے استقبال کے لیے وہاں پہنچ گیا۔

پورا کھیل بتا رہا تھا کہ عصمت اور آبرو کے وہ سوداگر اشاروں کی زبان سمجھنے اور سمجھانے میں پوری طرح طاق تھے اور اشاروں ہی اشاروں میں آنکھوں سے کاجل چرا لینے تک کا ملکہ رکھتے تھے۔ علم دین کی کسی اشاراتی پیغام رسانی کے نتیجے میں جوی اس کی تلاش کے بہانے نکلا' علم دین نے اسے ڈیرے دارنی کی ہدایت سے آگاہ کیا۔ جوی نے مجھے بے خبری میں شکار کرنے کے لیے علم دین کو وہیں چھوڑا اور کسی کوٹھے سے سنی کو ساتھ لے کر میرے پاس لوٹ آیا۔

سنی کو شاید اس سازش کا علم نہ رہا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ جوی نے اسے ایک گاہک کو ڈیرے دارنی کے نئے گھر تک پہنچانے کے لئے آمادہ کیا ہو جب ہی سنی نے راستے میں مجھ سے کہا تھا کہ اس کی چھمیا باجی کا خرچہ اٹھانے والا اچھا آدمی نہیں ہے' اس نے مجھے چھمیا کے ساتھ دیکھ لیا تو پل بھر میں میری گردن مروڑ کے رکھ دے گا۔ اس سازش میں سنی کا کردار بہت محدود تھا۔ وہ جب تک خاموش رہا' اس کی مردانہ وجاہت کا بھرم قائم رہا لیکن زبان کھولتے ہی اس بدنصیب نے اپنا وہ بھرم بھی کھو دیا۔ وہ حسین تھا لیکن اپنے لب و لہجے اور لچکیلی چال ڈھال کی وجہ سے مکمل مرد تھا' نہ شیو کی وجہ سے عورت تھا۔ اس نے تیسری جنس کا روپ بھی نہیں دھارا ہوا تھا۔ فطرت اور اس کی مخصوص معاشرت کے ہولناک تضاد نے اسے کچھ بھی نہیں رہنے دیا تھا۔ انسان فطرت کے ابدی اصولوں کو للکار کر زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے تو یہی سانحہ پیش آتا ہے کہ وہ ہر جہت میں اپنی شناخت کھو کر ایک بے جنس و نام حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔

سنی نے مجھے ڈیرے دارنی کے گھر پہنچایا' اس کے بلاؤز کے پسینے میں مہکا ہوا سو روپے کا نوٹ کرائے کے نام پر حاصل کیا اور مجھے اس نامہربان احاطے میں چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا ہے اور اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو روند کر بس چلتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہ انسان کے اپنے جذبے اور احساسات ہوتے ہیں جو کبھی اسے وقت کے تھم جانے کا احساس دلاتے ہیں اور کبھی برق رفتاری کا لیکن حقیقت یوں نہیں ہوتی۔

منٹ ہمیشہ ساٹھ سیکنڈ کا ہوتا ہے اور سال تین سو پینسٹھ دن کا لیکن جب بات سوچ پر آتی ہے تو وقت کی بساط لپٹ جاتی ہے۔ سالوں اور صدیوں کا حساب لمحوں ہی لمحوں میں ذہن کی اسکرین سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ صدیوں کے اس ذہنی سفر کے باوجود، ہم اگلا سانس لیتے ہیں تو خود کو اسی ماحول میں موجود پاتے ہیں جہاں ہم اس سفر کے آغاز سے پہلے تھے۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ ساگا کی للکار سنتے ہی میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کی ریل تیزی سے چلتی چلی گئی۔ شاید وہ اپنے دشمنوں کو مایوس نہ کرنے کا دعویٰ کرنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تھا۔ میں گزرے ہوئے واقعات کی کڑیاں ملاتا ہوا سنی کی روانگی تک پہنچا تو ساگا کہہ رہا تھا "تم بھول گئے تھے کہ تم نے ساگا کی تلاش کے لیے جن دروازوں پر دستک دی ہے، وہ نادیہ کے میکے میں کھلتے ہیں..."

"خوب!" میں نے زہریلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی اور کہا "وہ چھمیا کا میکہ ہے تو تمہاری سسرال ہوگی۔ تم نے کیا دیکھ کر اس گندگی میں منہ مارا ہے؟ تم تو ہمیشہ سے عزت دار بننے کے شوقین تھے!"

میرے تلخ اور بے رحمانہ فقروں پر ساگا کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے۔ وہ بولا تو الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ اس کے دونوں کان حرکت کررہے تھے "اپنی زبان کو لگام دو.... وہ دن گزر گئے جب تم فرعون بن کر دوسروں پر حکمرانی کرتے تھے۔ اب تم میرے قیدی ہو۔ اپنی اس اوقات کو مت بھولو!"

"میں وہی ہوں جو تھا" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا "یہ تم ہو جو اپنی کینچلی بدل رہے ہو.... وقت نے تمہیں ذرا سا سہارا دیا ہے تو تم فرعون بننے کی کوشش کررہے ہو حالانکہ تمہاری اصل کچھ اور ہی ہے۔ تمہاری بیوی بلکہ ہونے والی بیوہ کو اس کے دلّال شازیہ کہہ رہے تھے، تم نے اسے نادیہ کا نام دیا ہے اور اس کے حسن پر مرمٹنے والے اسے چھمیا جانی کے نام سے پکارتے ہیں۔ چند محروم عاشق اسے نازیہ بھی کہتے ہیں۔ ایسی بے نام ونشان اور سستی عورت کو اپنے پہلو میں کھڑا کرکے تم مجھے کیا جتانا چاہ رہے ہو؟"

میرے الفاظ بہت تیکھے اور لہجہ اس سے کہیں زیادہ کاٹ دار تھا۔ ساگا کے چہرے کا رنگ بدل کر تاریک سا ہوگیا اور وہ غضب ناک غراہٹ کے ساتھ بولا "نادیہ تمہارا نرخرا دبائے گی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ کیا شے ہے.... تم عمل کی عمر گزار چکے ہو۔ اب جنم جلی بیواؤں کی طرح جلے کٹے الفاظ ہی کا سہارا لے سکتے ہو.... یہ تمہاری بدنصیبی یا میری خوش نصیبی ہے کہ تم خود چل کر میری چاردیواری میں آگئے ہو.... شاید تمہیں معلوم نہیں کہ آج کل تمہاری کھوپڑی کا بھاؤ بہت اوپر چڑھا ہوا ہے۔ میں آسانی سے تمہیں نہیں بیچوں گا۔ تمہارے پورے دام وصول کروں گا۔ زندہ مگر بے دست وپا ڈینی کے لیے مجھے ہر کوئی منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے پر تیار ہوجائے گا۔"

مجھے ساگا اور راس المیڈا کے گٹھ جوڑ کے بارے میں پورا علم تھا۔ اس کی ہرزہ سرائی پر میری زبان خاموش نہ رہ سکی۔ میں نے تلخی سے کہا "تمہارے پہلو میں کھڑی ہوئی لڑکی کے دام لگ سکتے ہیں۔ تمہیں خریدنے والا تمہاری اس عشوہ طراز محبوبہ کی بولی بھی لگا سکتا ہے۔ تم نے اپنی دولت کے بل پر اسے چھمیا سے نادیہ بنا دیا ہے، تم سے بڑا کوئی ساہوکار اسے نادیہ سے دوبارہ چھمیا بنا کر چھما چھم اپنے اشاروں پر نچائے گا مگر ڈینی کو اتنی آسانی سے نہیں بیچا جاسکتا۔ یہ بات تم خود بھی اچھی طرح جانتے ہو" میں نے دانستہ راس المیڈا کا نام نہیں لیا تھا۔

اس کی وحشیانہ انا میں لفظوں کے وہ گہرے گھاؤ لگاتے ہوئے میرے ہاتھ غیر ارادی طور پر پتلون کی جیبوں کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ساگا پیر زمین پر پٹخ کر چلّا اٹھا "ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... میرے ساتھ کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

میں نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ شانوں سے اوپر اٹھالیے اور کہا "میری کھوپڑی اڑادوگے تو میری شناخت ختم ہوجائے گی۔ تمہارا نیا آقا اپنے ساتھیوں کو ڈسنے والا زہریلا ناگ ہے۔ وہ تمہارے دعوے پر اعتبار نہیں کرے گا۔ سمجھے گا کہ تم کسی اور کو مار کر ڈینی بنالائے ہو۔ وہ ایک ایک کرکے اپنے کئی ساتھیوں کو نگل چکا ہے۔ کسی بہانے سے تمہیں بھی ڈس لے گا اور نادیہ کو اس کے ماتمی لباس سمیت اپنے کسی عشرت کدے میں لے جائے گا جہاں ہر رات ایک نئی نادیہ اس کے لیے پھولوں کی سیج سجا کر خود کانٹوں پر لوٹتی ہے..."

"بس ڈینی!" میرے نپے تلے الفاظ نے ساگا کو اس بری طرح گھائل کیا کہ اس نے بلبلا کر مجھے خاموش کردیا اور کہا "تم مجھے مشتعل نہیں کرسکتے۔ میں اسی وقت تمہیں ختم کرکے تمہاری لاش کی قیمت وصول کرسکتا ہوں مگر میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہی ہے تو تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ تم میرے چالاک دشمن ہو تو تمہارا سودا کرنے والا میرا مکّار دوست ہے۔ میں اس سے تمہاری منہ مانگی قیمت وصول کروں گا۔ تم میری لاٹری ہو، میں اس لاٹری سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گا۔"

"مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ اپنے کان ہلا ہلا کر، جی داری سے اپنی روزی کمانے والے ساگا کو آج اپنی لاٹری کے لیے بازارِ حسن کے ان پڑھ دلّالوں کے سہارے کی ضرورت پڑ رہی ہے" میں نے اپنے اندر کی دہشت کو دباتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا "ان گھٹیا لوگوں کے سہارے مجھے گھیر کر تم کیا حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"اب اس بازار کا نام لیا تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا" وہ بپھر کر بولا "وہ بازارِ حسن نہیں، زندہ لاشوں کا بازار ہے جہاں ہر لڑکی اپنی ضرورتوں کے لیے سرِ شام نیلام چڑھتی ہے، اپنے منحوس خریداروں کے مکروہ دست وبازو میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھاتی ہے اور پھر معاوضہ لے کر اپنی کسی تنگ کوٹھری میں دبک جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک میرا احسان مند ہے۔ میں نے کسی کو تمہارے پیچھے نہیں لگایا تھا۔ یہ اَن اَن پڑھ آبرو فروشوں کی دلی محبت ہے کہ تم نے نادیہ کے بارے میں سوال کیا اور انہوں نے میری احسان مندی سے مغلوب ہوکر فوراً زمرد بائی کو خبر کردی۔ وہ گندی نالیوں میں ضرور رہتے ہیں مگر کیڑے نہیں، انسان ہیں۔ محبت اور احسان کو خوب سمجھتے ہیں۔ تمہیں گھیر کر انہوں نے تم پر اپنی برتری ثابت کردی ہے۔"

"میں بھی تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا" میں نے اسے سلگانے کے لیے کہا "بازارِ حسن تمہاری ازدواجی مجبوری ہے تو میں اب اس کا نام نہیں لوں گا مگر میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ آج مسمات نادیہ تمہاری مکروہ بانہوں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا رہی ہے تو کل یہ کسی اور گاہک کی ہڈیوں کا عرق چوستی ہوئی نظر آئے گی۔ اسے اپنے ساتھ کھڑا کرکے تم مجھے کیا بتانا اور سمجھانا چاہ رہے ہو؟ ہم اپنے معاملات نادیہ، نازیہ، شازیہ یا چھمیا بائی کے بغیر بھی مناسب طریقے پر طے کرسکتے ہیں" اس نے چند سیکنڈ پہلے جذبات کی رو میں آکر یہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ راس المیڈا سے میری بھاری قیمت وصول کرنے کے لیے مجھے زندہ رکھنے کا خواہاں تھا اس لیے میری زبان ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بے لگام ہوچلی تھی۔ میں نے اس سے ہر وہ بات کہہ ڈالی تھی جو میرے دل میں آئی تھی۔

میرے وہ الفاظ مصلحت کوش ساگا کو مشتعل نہیں کرسکے لیکن اپنی نام نہاد بیٹی کی تذلیل اور تحقیر پر زمرد بائی کا پارہ چڑھ گیا اور وہ مشتعل ہوکے بولی "ساگا! کھڑا کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے اس حرامی کا؟ سر میں گولی مار کے قصہ ختم کر حرام زادے کا..... مقدر سے جو ملنا ہے، وہ مل ہی جائے گا۔ اس کا سانس چلتا رہا تو زبان بھی یوں ہی چلتی رہے گی اور زہر اگلتی رہے گی۔"

"تم دونوں اندر جاؤ!" ساگا نے اپنے مہیب ریوالور کی آہنی نال لہرا کے سرد اور خشک لہجے میں نادیہ اور زمرد بائی سے کہا "تمہارے سامنے یہ زیادہ ہی بول رہا ہے۔ میں تنہائی میں اس سے کچھ فیصلہ کن بلکہ آخری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی زندگی کا انحصار ان ہی باتوں پر ہوگا۔"

"اے میاں! میں اندر جا تو رہی ہوں لیکن کان کھول کر سن لو کہ میں اپنی چاند سی معصوم بچی پر بے وفائی کا الزام برداشت نہیں کرسکتی۔" ڈیرے دارنی بازاری انداز میں دونوں ہتھیلیاں پیٹ کر مجھے داہنا انگوٹھا دکھاتے ہوئے بھڑک کر ساگا سے بولی "تم میری نادیہ کو کوٹھے سے بھگا کر نہیں لائے ہو۔ یہ تمہاری بیوی ہے اور اللہ نے چاہا تو بیوہ بھی تمہاری ہی کہلائے گی۔ یہ یاد رکھو کہ تمہاری بیوی کی عزت تمہاری عزت ہے۔ اس پر باتیں بنانے والا تمہارا دوست ہو ہی نہیں سکتا۔"

ڈیرے دارنی یہ کہتی اور مٹکتی ہوئی اندرونی دروازے کی طرف چل دی۔ ساگا کے ساتھ نمودار ہونے والی ہوش ربا نازنین اس سے پہلے ہی اس دروازے سے گزر کر اندر غائب ہوچکی تھی۔

ساگا میرے وجود پر سے نظریں ہٹائے بغیر اس کمرے میں بڑھ آیا اور نہایت اطمینان سے ایک صوفے پر دراز ہوگیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی مہیب آہنی نال میں جھانکتے ہوئے پُرتشویش آواز میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر چھا جانے والی کرختگی سے مجھے واقعی خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

"تمہاری جیبوں میں کوئی ہتھیار موجود ہے تو اسے نکال کر قالین پر ڈال دو۔ اس کے بعد تم سے کوئی بات ہوسکے گی" ساگا نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا۔

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے" میں نے قدرے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "میں تمہارے ساتھ لڑنے کے لیے نہیں، کسی مصالحت کے ارادے سے آیا ہوں اور اسی لیے غیر مسلح ہوں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے" اس نے قہقہہ لگا کے کہا "نہتا دشمن ناکارہ بکرے کی طرح ہوتا ہے جو بہت زیادہ شور مچانے کے باوجود کوئی کارکردگی نہیں دکھا پاتا۔ مجھے تمہارے الفاظ پر اعتماد ہے۔ تم چاہو تو کہیں بھی بیٹھ سکتے ہو لیکن اب تم میرے نشانے پر ہو، میں تمہیں ٹانگوں سے معذور کردوں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنے ریوالور کی لبلبی دبادی۔ ہولناک دھماکوں کے ساتھ پے درپے دو گولیاں چلیں۔ میرے حلق سے اضطراری طور پر چیخیں آزاد ہوگئیں لیکن اس کے ساتھ ہی میرے قدم بھی تیزی سے حرکت میں آئے تھے۔ میری نظریں ساگا کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی نال پر تھیں اور میں نے بجلی کی سی سرعت سے خود کو آگ اگلتی ہوئی اس نال کی زد میں آنے سے بچالیا تھا۔

ریوالور کی دھواں اگلتی نال کے پیچھے ساگا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے یقین نہیں آسکا تھا کہ میں اس کی چلائی ہوئی گولیوں سے خود کو بچانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میرے یوں بچ جانے میں میری پھرتی سے کہیں زیادہ ساگا کی بے پروائی کا دخل تھا۔ اس نے یہ فرض کرکے کہ میں اسے فائر کرنے کی مخصوص پوزیشن میں دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا، میری پنڈلیوں کی بلندی پر دونوں فائر جھونک مارے تھے۔

میں اس کی چلائی ہوئی گولیوں سے بچ تو گیا تھا لیکن میرا دل کھوپڑی میں دھمکنے لگا تھا اور میرے بدن کے مساموں سے بے اختیار ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

میں اس وقت ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کے قریب موجود تھا، دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اگر میں وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتا تو کوئی بھی میری راہ میں حائل نہیں ہوسکتا تھا لیکن وہ

ساگا سے میری جسمانی لڑائی نہیں تھی۔ میرے ہاتھ خالی تھے جب کہ وہ بھرا ہوا ریوالور لیے بیٹھا تھا جس کے چیمبر میں سے صرف دو گولیاں استعمال ہوئی تھیں۔ میرے فرار کی صورت میں وہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر بھی مجھے گولیوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے اپنی اس مخدوش پوزیشن کے پیشِ نظر فوری طور پر وہاں سے بھاگ نکلنے کا ارادہ ترک کردیا۔

فرار کے بجائے مجھے اسی چھت کے نیچے رک کر ساگا کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی تیر رہی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ میرے اوپر کب تیسرا فائر جھونک مارے گا۔ میری عقابی نگاہیں دھیرے دھیرے ڈرائنگ روم کے وزنی فرنیچر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے شدت سے ایسی کسی مضبوط اوٹ کی تلاش تھی جو ساگا کی چلائی ہوئی مزید گولیوں کو بے اثر بنا سکے۔

ساگا نے دھماکوں کی پروا کیے بغیر بہت بے خوفی سے میرے اوپر فائر کیے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ بنے ہوئے بڑے مکانوں پر مشتمل آسودہ آبادی تھی۔ مکانوں کے صرف احاطے کی دیواریں مشترک تھیں ورنہ ہر گھر اپنے حصار میں بالکل مکمل تھا۔ کھلی ہوئی فضا کی وجہ سے قرب وجوار میں رہنے والوں کو ذرا بھی انداز نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ گولیاں کہاں چلی تھیں اور شاید ساگا کے اطمینان کا سبب بھی یہی تھا۔ فائرنگ تواتر سے ہوتی رہتی یا اس کے ساتھ کوئی شوروغل ہوتا تو لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوسکتی تھی۔

”جہاں ہو‘ وہیں کسی بھی صوفے پر بیٹھ جاؤ اور ہوش میں رہ کر میرے سوالوں کے جوابات دو ورنہ میں اس بار تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کردوں گا۔“ چند ثانیوں کے بعد ساگا نے غرا کر کہا ”تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ اب میں تمہاری دھونس میں نہیں آسکتا۔ ذرا سی بھی چالاکی دکھائی اور مارے جاؤ گے۔“

میں بہت احتیاط کے ساتھ اس اکہرے صوفے پر بیٹھ گیا جو ضرورت پڑنے پر مجھے آڑ بھی میسر کرسکتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جوں ہی ساگا کی نظر ذرا سی چوکی‘ میں نشست چھوڑ کر اس صوفے کے پیچھے چلا جاؤں گا۔

”اس وقت تم مسلح ہو اور میں نہتا۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔“

وہ اپنے دونوں کانوں کی تیز جنبش کے ساتھ بولا ”یہ تمہاری غلط فہمی ہے.......... میری تلاش میں اس ٹھکانے تک پہنچ کر تم اپنی زندگی کا سب سے بھیانک خطرہ مول لے چکے ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسا مکارِ اعظم اتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کرے گا........ شاید تم نے سوچ لیا تھا کہ مجھ سے یہاں ملاقات نہیں ہوسکے گی اور تم عورتوں کو ڈرا دھمکا کر میرا کوئی نہ کوئی سراغ حاصل کرلوگے؟“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

”میں ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم بھی ان سے مل گئے ہو تو میں اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکا اور تمہاری تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔“

”میں تمہارے سامنے ہوں۔“ وہ تحقیر آمیز ہنسی کے ساتھ بولا ”مجھے تل کر کھالو۔“

”میں تمہیں پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ میں تم سے مصالحت کے لیے آیا تھا۔ تصادم کی راہ اختیار کرنی ہوتی تو خالی ہاتھ ادھر کا رخ نہ کرتا۔“ میں نے مصلحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”پھر زمرد بائی کو اور مجھے آنکھیں دکھانے کا کیا مطلب تھا؟“ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔

”اسے میرا مان سمجھ لو۔ شی کے دنوں میں سب کے ساتھ میرا رویّہ تحکمانہ ہوتا تھا۔ میں بھول گیا تھا کہ شی ختم ہوچکی ہے اور ہم دونوں برابری کی سطح پر آچکے ہیں۔“ میں بتدریج نرم پڑتا جارہا تھا۔

”تم نے اپنی دانست میں شی کو تباہ کردیا تھا۔“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا ”تمہارے زمانے میں شی پردہ داروں کی تنظیم تھی‘ آج اسے مرد نئی زندگی دے رہے ہیں۔ سنا ہے کہ جمی لائیڈ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا تھا لیکن اب میں خود سپر آئی مین سے مل چکا ہوں۔ اس کی دونوں سلور آئیز میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔“

ساگا کے اس انکشاف نے مجھے چونکا دیا اور میں نے حیرت سے پوچھا ”کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اب جمی لائیڈ کے بجائے کوئی اور شی کا سربراہ ہے اور وہ سرِعام اپنی شناخت دکھاتا پھر رہا ہے؟“

”بات کو چکر میں مت ڈالو!“ اس کا لہجہ درشت ہوگیا ”جمی لائیڈ کہاں گیا‘ یہ مجھے نہیں معلوم۔ میرے لیے سپر آئی مین وہ ہے جو دو سلور آئیز پر قابض ہے........ تمہیں یہ بھی بتادوں کہ میں شی کا کوئی عام آدمی نہیں ہوں‘ بہت جلد مجھے بھی ایک سلور آئی ملنے والی ہے اور میں یہاں کا آئی مین بن جاؤں گا........ تم یہ بتاؤ کہ تھوڑی دیر پہلے تم اپنے ساتھیوں کو ڈسنے والے کس زہریلے ناگ کا ذکر کررہے تھے۔“

اس وقت تک میں نے ساگا سے اس قسم کی جتنی باتیں کی تھیں‘ راس المیڈا کے بارے میں کہی تھیں‘ بس اس کا نام نہیں لیا تھا لیکن اس نازک موڑ پر میں نے قلابازی کھانے کا فیصلہ کرلیا۔ اول خان کے اسرار نامی آدمی کی لی ہوئی تصاویر سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک مکان میں ساگا‘ راس المیڈا اور اس کے دو سفید فام ساتھیوں کے ہمراہ مے نوشی کرتے ہوئے سخی مراد کی تضحیک میں شامل تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ساگا اور راس المیڈا کے درمیان کیسی مفاہمت چل رہی تھی اور ان کے درمیان تعاون کا دائرہ کتنا وسیع تھا لیکن پھر بھی میرے لیے ایک چال چلنے کا موقع موجود تھا۔

”سخی مراد!“ میں نے قدرے توقف کے بعد آہستہ سے کہا ”اور اس کا پشت پناہ۔ وہ لوگ اپنی غرض کے لیے اندھے ہوچکے

[illegible] اپنی مقصد بر آری کے لیے اپنے ساتھیوں تک کو موت کے [illegible] جھونک دیتے ہیں۔ سخی مراد نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چچا [illegible] ولی داد کو ہلاک کیا اور پھر خود بھی ایک کتے کی موت مارا [illegible] میں سمجھ رہا تھا کہ تم ان ہی لوگوں کے لیے کام کررہے ہو۔ وہ [illegible] ہیں۔ بھوکے ہوتے ہیں تو اپنے ہی ساتھیوں کو چیرنا پھاڑنا [illegible] کردیتے ہیں۔“

ساگا کی آنکھوں میں دلچسپی عود کر آئی۔ صاف ظاہر ہورہا تھا [illegible] میرے بیان پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے پوچھا ”سخی مراد [illegible] سرمایہ دار سیاست داں تھا۔ اس سے تمہارا کیا واسطہ تھا؟“

”بیشتر سیاست داں طاقت کے رسیا ہوتے ہیں۔ وہ مجھے خریدنا [illegible] تھا لیکن میں اس کے کرتوت دیکھ کر اس سے متنفر ہوگیا تھا۔ [illegible] کے مارے جانے کے بعد اس کا آقا مجھے دھمکیاں دے کر [illegible] چاہ رہا ہے..........“

”اور تمہارا خیال ہے کہ میں اس سے ملا ہوا ہوں؟“ اس نے [illegible] بات کاٹ کے بے چینی سے پوچھا۔

”میرا قیاس یہی کہتا ہے اور اسی وجہ سے میں یہاں موجود [illegible] مجھے کئی روز سے تمہارے بارے میں عجیب اور پُراسرار [illegible] مل رہی تھیں۔ کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ آج کل تم کیا [illegible] رہے ہو۔ میرے پرانے واقفوں میں اب تم ہی اتنے طاقت ور [illegible] ہو جو میرے سامنے آسکو۔“

”دوسروں کو تم اپنی داداگیری سے کھا گئے۔“ اس بار بھی ساگا [illegible] میری بات درمیان سے اچک لی اور پھر پوچھا ”سخی مراد کو [illegible] نے اور تمہیں دھمکیاں دینے والا کون ہے؟“

”یہ معلوم ہوجاتا تو میں تمہارے پاس آنے کے بجائے اسی [illegible] اپنا حساب برابر کرتا۔ وہ جو کوئی بھی ہے‘ پردے میں ہے۔ جس [illegible] دن مجھے اس کا سراغ مل گیا‘ میں اس کا نرخرا اُدھیڑ ڈالوں گا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم نے آج کل شہر میں اپنے بہت سے [illegible] پالے ہوئے ہیں۔“ وہ میری بے بسی سے محظوظ ہوتے ہوئے [illegible] تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ جمی لائیڈ کے بعد آنے [illegible] بھی تمہارے لہو کا پیاسا ہے۔ تم نے شی کو جو زخم لگائے تھے‘ وہ [illegible] ناسور بن کر رِس رہے ہیں اور اب تمہیں ان کا خمیازہ بھگتنا [illegible]“

”شی میں اب جمی لائیڈ کا جانشین کون ہے؟“ میں نے پہلو بدل [illegible] پوچھا۔

”دشمن کو یہ جاننے کا کوئی حق نہیں ہے۔“ اس کے ہونٹوں پر [illegible] مسکراہٹ پھیل گئی۔ میری طرح اس نے بھی راس المیڈا کا [illegible] نہیں لیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اخبارات میں اس کی تصویری کہانی [illegible] کے بعد بھی ساگا کی آنکھیں بند تھیں۔

”میں تمہاری قید میں ہوں۔ تم مجھے اپنے سپر آئی مین کے [illegible] کردینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اگر مجھے ایسی ایک آدھ بات معلوم ہو بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اس بات کو کہیں نہیں پہنچا سکتا۔“

”مرنے سے پہلے تم کو ہر بات معلوم ہوجائے گی۔“ وہ پورے اعتماد سے بولا ”فی الحال تمہاری زندہ یا مردہ گرفتاری [illegible] ایک بڑا انعام مقرر ہے گا مگر پیسہ میرے لیے بے وقعت ہے [illegible] مجھے طاقت اور اختیار کی ضرورت ہے۔ تمہیں اپنے سامنے دیکھنے کے بعد میری آرزو ایک ہی ہے کہ تمہارے پکڑے جانے کی خوشی میں سپر آئی مین مجھے ایک سلور آئی کا مالک بنادے۔ اس میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ میری یہ سودے بازی مکمل ہوجائے تو میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔ اس وقت تک تمہیں میری قید میں رہنا ہوگا۔“

”قید!“ میں نے آزردگی سے کہا ”اگر قید ہی کرنا ہے تو مجھے پڑھنے کے لیے کچھ اخبارات وغیرہ ضرور دے دینا تاکہ میں ایک کونے میں پڑے پڑے اپنی زندگی سے بیزار نہ ہوجاؤں۔“ میں نے اس نپے تلے فقرے کے ذریعے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی کہ اس روز کے اخبارات میں راس المیڈا کا کچا چٹھا تفصیل سے شائع ہوا ہے۔

وہ میری بات کا کوئی اثر لیے بغیر بے پروائی سے ہنس کر بولا۔ ”شاید تم بھول گئے کہ میں صرف تین جماعت پڑھا ہوا ہوں۔ مجھے میری روزی تعلیم سے نہیں‘ نصیب سے مل رہی ہے۔ ایک اَن پڑھ آدمی کے گھر میں اخباروں کا کیا کام؟ ویسے بھی میں تمہارے ہاتھ پیر باندھ کر رکھوں گا۔ ایسے میں آدمی کو اخبار کے بجائے نانی یاد آنے لگتی ہے۔“

اس سے گفتگو ضرور ہوتی رہی تھی لیکن اس کا عناد اپنی جگہ برقرار تھا۔ یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی کہ وہ راس المیڈا کے بارے میں اس روز کے اخبارات میں چھپنے والی سنسنی خیز کہانی سے کیوں بے خبر تھا۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ راس المیڈا ہی شہر میں شی کا سپر آئی مین بنا ہوا تھا اور اسی نے ساگا کو آئی مین بنانے کی امید دلا کر سستی اور بہترین ہیروئن کی فراہمی کے کام پر مامور کیا ہوا تھا۔

”اٹھو!“ ساگا نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر مجھے حکم دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

باتیں بہت ہوچکی تھیں۔ میرے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ میں کوئی مزاحمت کیے بغیر ساگا سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا کر اس کا قیدی بن جاتا یا پھر اس کے چنگل سے نکلنے کی کوئی راہ نکالتا۔

میں نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر کسل مندانہ انداز میں اکہرے صوفے سے اٹھنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوری قوت سے اچھل کر صوفے کے پیچھے چلا گیا۔

کمرے کی فضا میں ٹھک کی ایک مانوس سی آواز گونج کر رہ گئی اور میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

شاید ساگا نے میری غیر متوقع حرکت پر کسی ارادے کے بغیر ہی

ٹریگر دبا دیا تھا۔ مجھ پر دو گولیاں برباد کرنے کے بعد اس کے ریوالور کا چیمبر خالی ہو چکا تھا اس لیے گھوڑا لوہے سے ٹکرا کر رہ گیا۔

میں کسی پروگرام کے بغیر بالکل غیر متوقع طور پر ساگا کے اس ٹھکانے پر پہنچا تھا۔ اسے میرے استقبال کے لیے کسی تیاری کا موقع نہیں مل سکا اور وہ محض دو گولیوں کے ساتھ اپنا ریوالور لے کر میرے مقابل آکھڑا ہوا۔ اس نے پہلا موقع ملتے ہی اپنے ریوالور کی دونوں گولیاں میرے اوپر چلا دیں۔ یہ میرے مقدر کی یاوری اور اس سفاک کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تھی کہ وہ دونوں گولیاں میرا بال بیکا کیے بغیر ضائع ہو گئیں۔

میں مسلسل خائف تھا کہ وہ کسی بھی لمحے مجھ پر تیسرا فائر کر سکتا ہے۔ ادھر ساگا جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں آتشیں ہتھیار کے بجائے صرف لوہے کا ایک ٹکڑا رہ گیا ہے۔ وہ مجھ سے اتنا متنفر تھا کہ مجھے فوری طور پر ہلاک یا معذور کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن نہتا ہوتے ہی اس نے مکارانہ چال بازی سے اپنی حکمت عملی بدل دی۔ مجھے گمان ہوا کہ وہ اپنا رویّہ بدل رہا ہے لیکن وہ نرم گرم باتوں میں الجھا کر کوئی خطرہ مول لیے بغیر مجھے بے دست و پا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ایک بار وہ مجھے پوری طرح بے بس کر لیتا تو پھر میرا بچنا محال تھا۔

ریوالور کے خالی گھوڑے کی آواز سنتے ہی میں نے صوفے کی آڑ سے نکل کر اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا تھا۔ اس نے تاک کر خالی ریوالور میری کھوپڑی کی طرف پھینک مارا‘ میں نے بائیں طرف جھک کر اپنا سر بچایا اور وزنی ریوالور شیشے کی کئی چیزیں توڑنے کی پُرشور آوازوں کے ساتھ دور جا گرا۔

اس اثنا میں‘ میں ساگا کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے بودے ہتھیار کے سہارے مجھے باندھ لینے کا منصوبہ ناکام ہو جانے پر بری طرح بوکھلایا ہوا تھا جب کہ میں ابتدا ہی سے اپنے بازو کو آزمانے پر تلا بیٹھا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا گریبان جکڑا اور اسے اپنی جھونک میں کئی قدم پیچھے رگیدتا لے گیا۔

میری پہلی وحشیانہ ٹکر نے اس کی پیشانی لہولہان کر دی اور اس کے حلق میں غراہٹیں گھٹنے لگیں۔

”کیا ہے...... کیا بدمعاشی ہو رہی ہے یہاں؟“ اندر سے زمرد چنگھاڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں گھس آئی۔

شیشے کا آرائشی سامان ٹوٹنے کا شور‘ آہنی ریوالور کی جھنکار اور پھر ساگا کی گالیاں دونوں عورتوں کو ڈرائنگ روم کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔ میں ان کی مداخلت کا خطرہ بھانپتے ہی ساگا کو مکوں کے زور پر ڈرائنگ روم کے تقریباً وسط سے بھی آگے لے گیا۔ اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوب کر بگڑ چکا تھا۔

وہ منظر شاید اتنا بھیانک اور روح فرسا تھا کہ زمرد روہانسی آواز میں گالم گلوچ کرنے کے باوجود چوکھٹ عبور کر کے ڈرائنگ روم میں گھسنے کی ہمت نہ کر سکی۔

زمرد کوئی عام گھریلو عورت نہیں تھی۔ وہ کراچی کے زنانہ بازار کی ایک سکہ بند ڈیرے دارنی تھی۔ اس لیے [illegible] نہیں تھا کہ کب میرے اور ساگا کے جھگڑے میں دخل دے [illegible] اس کی طرف سے خطرے کا ادراک کرتے ہوئے میں [illegible] گریبان چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ کر اسے [illegible] دیا کہ اس کی پشت ڈیرے دارنی کی طرف ہو گئی۔ میں [illegible] شانوں کے اوپر سے مکان کے اندرونی حصے پر نگاہ رکھ سکتا [illegible] وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بگڑے ہوئے حالا[ت] تیزی سے سازگار ہوئے تھے کہ میں چاہتا تو اس وقت ساگا [illegible] لے کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا مگر اس [illegible] ہوئے خون آلود چہرے کی وجہ سے مجھے راستے میں دشوا[ری] [illegible] سامنا ہو سکتا تھا۔ ایسے کسی بھی خطرے سے بچنے کے لیے [illegible] ہوتا کہ میں ساگا کو وہیں دھکیل کر اس مکان سے نکل جاتا۔

میں نے ساگا کا گلا دبوچ کر پلٹتے پلٹتے یہ دیکھ لیا تھا کہ [illegible] اشیا کرسیاں وغیرہ میرے اور بیرونی دروازے کے درمیا[ن] نہیں تھیں۔ میں آسانی سے الٹے قدموں بھی دروازے [illegible] بڑھ سکتا تھا۔

میں اسی اُدھیڑبُن میں مبتلا تھا کہ اندر سے نادیہ تقری[باً] [illegible] ہوئی نمودار ہوئی۔ اس کے دلکش چہرے کا رنگ لال بھبھ[وکا] تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شدید غصے یا ہیجان میں مبتلا [illegible] کے انداز اور تیوروں میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونکا ہو[ا]

وہ دوڑتی ہوئی زمرد کی اوٹ سے چند لمحوں کے لیے با[ہر] [illegible] مجھے اس کے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا چھوٹا سا پستول نظر آ[یا] اسے پستول لینے میں ہی دیر لگ گئی تھی ورنہ ڈرائنگ [روم] [illegible] اچانک شروع ہونے والی ہڑبونگ نے اسے اور زمرد کو یک[ساں] چونکایا تھا۔

”وہیں رک جاؤ!“ میں نے ساگا کے نرخرے پر اپنی [illegible] کی بے رحمانہ گرفت کو سخت کرتے ہوئے جلدی سے کہا“ [illegible] میں سے کوئی بھی آگے بڑھا تو میں ساگا کا گلا گھونٹ دوں گا۔“

”کیسے روک رہا ہے؟ لگتا ہے کہ یہ اس کے باپ کا [illegible]“ زمرد اپنی جگہ پر بل کھا کر کلکلائی ”چھمیا‘ چلا دے گولی ا[س] [illegible] بتا دے کہ تجھے ولایتی طمنچہ چلانا آتا ہے۔“

ویسے تو زمرد صرف چھمیا کی ماں ہونے کی دعوے دار [illegible] اس وقت ام الخبائث معلوم ہو رہی تھی۔ جدید ماحول میں [illegible] بہت کچھ سیکھ گئی تھی مگر اس کی بول چال سے قدامت کا [illegible] جھلک رہا تھا جو اس کے طبقے کی عورتوں کی پہچان ہوتا ہے۔

نادیہ یا چھمیا نے زمرد کے اکسانے پر اپنا پستول والا [illegible] میں بلند کر کے سیدھا کیا لیکن ساگا کی پشت کو اپنے اور [illegible] درمیان دیکھ کر گولی چلانے کی ہمت نہیں کر سکی۔

ساگا اپنے تمام ترا ندازوں کے برعکس اچانک ہی میری گرفت میں آیا تھا اور اس وقت تک سنبھلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ نرخرے پر پڑنے والے دباؤ نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کردیے تھے۔ اس کے حلق سے عجیب اور بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں مگر جسمانی طور پر اس کی مزاحمت برائے نام تھی۔

ساگا کے ریوالور کا چیمبر خالی ہونے کے انکشاف پر مجھے جو خوشی ہوئی تھی' وہ چھمیا کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر کافور ہوگئی۔ خوب صورت اور دلفریب نظر آنے والی چھمیا نے اپنی ساری عمر معاشرے کے برے لوگوں کے ساتھ رہ کر گزاری تھی۔ مگر میں دیکھ رہا تھا کہ ننھا سا پستول سنبھالنے کے معاملے میں وہ بے اعتمادی کا مظاہرہ کررہی تھی۔

آتشیں ہتھیار کسی گھاگ دشمن کے ہاتھ میں ہو تو خطرناک ہوتا ہے۔ مگر اناڑی حریف کے ہاتھوں میں وہی ہتھیار کئی گناہ زیادہ بھیانک ہوتا ہے۔ دفاع کرنے والے کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اناڑی حریف سے کب اور کدھر گولی چل جائے گی۔ چھمیا کے مسلح ہوجانے سے خطرہ ایک مرتبہ پھر سنگین ہوگیا تھا۔

میں ساگا کی اوٹ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا چھمیا کا پستول والا ہاتھ غیرارادی طور پر قدرے جھک گیا تھا لیکن پوری طرح نیچے نہیں گرا تھا۔ زمرد کی گندی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ چند ثانیوں تک ان دونوں کو میری پسپائی کا اندازہ نہیں ہوسکا پھر اچانک ہی چھمیا کا بازو فضا میں دوبارہ تن گیا۔

"ٹھہرو!" وہ حلق کے بل بولی تو اس کی آواز پھٹ گئی۔ گائیکی کی تربیت پانے والے نرم و نازک گلے کے لیے وہ کوشش ظلم سے کم نہیں تھی۔ چھمیا جھلا کر کھانسی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم ساگا کو لے کر یہاں سے نہیں جاسکتے۔ اگر تم نہیں رکے تو میں نتیجے کی پروا کیے بغیر فائر کردوں گی۔"

"نتیجے کی پروا ساگا کو ہونی چاہیے کیونکہ اس کی پشت تمہارے نشانے پر ہے" میں نے اسے چڑانے کے لیے اس کا مضحکہ اڑایا "تم خوشی سے گولی چلاؤ۔ شاید ساگا اپنی پشت پر دوسرا سوراخ خاموشی سے سہہ لے۔"

پیچھے سے آنے والی روشنی سے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نکاسی کے راستے سے بہت قریب تھا اور ایک ہی جست میں باہر نکل سکتا تھا۔

چھمیا نوجوان اور شائستہ نظر آتی تھی۔ زمرد کے برعکس وہ نئی روشنی میں پلی بڑھی تھی لیکن میرے تضحیک آمیز تبصرے پر جھلا کر اس نے مجھے بھاری بھرکم گالیاں دینی شروع کیں تو اپنی ماں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اوپر سے ایسی پرکشش اور نرم و نازک نظر آنے والی چھمیا اندر سے ایسی بدزبان اور فحش کلام بھی ہوسکتی ہے۔ وہ اس کا خون تھا جو اس وقت اس کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

میں نے لمحے بھر کے لیے رک کر ساگا کی خون میں نمای
ناک پر بھرپور ٹکر رسید کی' اس کے حلق سے ایک بھیانک غرا
آزاد ہوئی اور میں نے اس کا گلا چھوڑ دیا۔ میرے ہاتھوں کا
ختم ہوتے ہی وہ تیورا کر نیچے گرنے لگا تھا کہ ڈرائنگ روم میں
کے چھوٹے سے پستول کا دھماکہ گونج اٹھا۔

ساگا کی دوسری چیخ سے مجھے اندازہ ہوا کہ گرتے گرتے
چھمیا کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔ وہ سب
اندازے تھے کیونکہ ساگا کا نرخرا آزاد کرنے کے بعد ایک
کے دسویں حصے کے لیے بھی کمرے میں نہیں رکا تھا۔ جست
برآمدے اور پھر کچے احاطے میں نکلتا چلا گیا تھا۔

مجھے ہوش اس وقت آیا جب زمرد کا بری یا بنگالی ملازم
دیوار کی اوٹ سے نکل کر اچانک میرے سامنے آگیا۔ کپڑ
دھونے بلکہ کوٹنے والا ایک موٹا سا ڈنڈا اس کے ہاتھ میں
تھا۔

مجھے اپنے اوپر سخت تاؤ آیا کہ اندر رونما ہونے والے
واقعات کی تیزی میں الجھ کر میں اس منحنی سے ملازم کو بالکل
فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ شاید کہیں چھپ کر اندر کے حالات کا جا
لیتا رہا تھا اور پوری صورتِ حال سے باخبر تھا۔ جب تک اندر
دھاڑ ہوتی رہی' وہ خاموش تماشائی بنا ہوا۔ میرے فرار ہوتے
اس کا وفاداری کا جذبہ جاگ اٹھا اور وہ ڈنڈا لے کر میرے مقا
پر اتر آیا۔

جسمانی اعتبار سے وہ میرے مقابلے میں بہت کم تر تھا۔
اسے اپنے بازوؤں میں لے کر زور سے بھینچ دیتا تو اس کی کئی پسلیا
چٹخ سکتی تھیں لیکن اس وقت اس کی آنکھیں عجیب سے جوا
جوش سے چمک رہی تھیں۔

اس نے ڈنڈا سر سے اوپر اٹھا کر میرے سامنے یوں پھ
شروع کردیا جیسے میرا سر کچلنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش
ہو۔ چھمیا کے باہر نکل آنے کے خطرے کی وجہ سے میں وہاں زیا
وقت برباد نہیں کرسکتا تھا میں بس ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا اور
اس پر جھپٹ پڑا۔

میری وحشیانہ پیش قدمی نے اسے دہشت زدہ کردیا۔ وہ ڈ
وہیں پھینک کر پوری رفتار سے مخالف سمت میں بھاگ نکلا۔ جا
کے خوف سے اس کی ساری نمک حلالی جھاگ کی طرح بیٹھ
تھی۔ میں اس کے تعاقب میں جانے کے بجائے پھاٹک کی طرف
بڑھتا چلا گیا۔

اس وقت ان لوگوں میں سے کسی کو مارنے' پکڑنے یا ز
کرنے سے زیادہ میرے لیے اہم بات یہ تھی کہ میں کسی سنگین
پھڈے کا شکار ہوئے بغیر وہاں سے نکل جاؤں۔

وہ پڑھے لکھے اور امن پرور لوگوں کا علاقہ تھا۔ دن کا ابت
حصہ ہونے کی وجہ سے مرد گھروں میں موجود نہیں تھے یا پھر

بکھیڑے میں نہیں الجھنا چاہتے تھے۔ مجھے سڑک صاف ملی۔ بھاگنے کے بجائے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک قریب ترین گلی میں گھس گیا۔

میں نے غیرارادی طور پر آستین سے اپنی پیشانی صاف کی اور آستین پر خون کا تازہ نشان دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ لمحے بھر بعد ہی مجھے یاد آگیا کہ میں نے چلتے چلتے' ساگا کے خون آلود چہرے پر آخری وحشیانہ ٹکر رسید کرکے اس کے گندے خون سے اپنی پیشانی داغ دار کرلی تھی۔

پیشانی پر خون کے داغ کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھنے کے بجائے میں نے وہیں رک کر اپنی جیب سے رومال نکالا اور رگڑ رگڑ کر پوری پیشانی کو صاف کرنے لگا۔ آخری چند منٹوں میں ساگا کے ساتھ ہونے والی زور آزمائی اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے مجھے پسینہ آیا ہوا تھا۔ پسینے کی نمی نے خون کی صفائی میں خاصی مدد دی اور جب سفید رومال کے صاف حصوں پر خون کی سرخی منتقل ہونی بند ہوگئی تو میں مطمئن ہوکر آگے بڑھ گیا۔

الٹے راستے پر ایک طویل چکر کاٹ کر نشتر روڈ کی طرف واپس جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میری وہ پُر مشقت بھاگ دوڑ نتیجے کے اعتبار سے رائگاں ہی گئی تھی۔ میں نے ساگا کا سراغ ضرور لگالیا تھا لیکن اس سے راس المیڈا کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل کرنے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ میری معلومات میں بس اسی قدر اضافہ ہوسکا تھا کہ اس بار راس المیڈا نے بذاتِ خود جمی لائیڈ اور جم کلارک کی جگہ سنبھال لی تھی اور شہر کے گنے چنے لوگوں کو دو عدد سلور آئیز دکھا کر اپنی طاقت اور وسائل سے مرعوب کرتا پھر رہا تھا۔

کامیابی کی ایک موہوم سی امید باقی تھی۔ میں واپس جا کر اول خان کو ساگا کی کمین گاہ سے آگاہ کردیتا اور وہ سرعت سے حرکت میں آجاتا تو ساگا کو ٹھکانا بدلنے سے پہلے گرفت میں لے سکتا تھا۔

ساگا اتنا احمق نہیں تھا کہ بات بڑھ جانے کے باوجود اسی چار دیواری میں بیٹھ کر مزید مصائب کے نزول کا انتظار کرتا رہا۔ وہ ایک تجربے کار مجرم تھا اور ایسے مواقع پر وقت کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھا لیکن اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ میری مار سے اسے اتنی شدید ضربات نہیں آئی ہوں گی جتنی چھمیا کے ایک فائر سے آئی ہوں گی۔ گولی کے زخم کے خطرناک ہونے کے نتیجے میں اگر زمرد اسے کسی اسپتال میں منتقل کردیتی تو یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ دونوں بدزبان عورتیں اپنا ٹھکانا بدلنے کی اہمیت پر غور ہی نہ کرسکیں اور یوں ساگا کو مزید مصائب کے جہنم میں دھکیلنے کا سبب بن جائیں۔

یہی سب سوچتا ہوا میں نشتر روڈ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ ٹیکسی لے کر سیدھا گھر لوٹ جاؤں مگر کار سے عارضی محرومی کی صورت میں میری نقل و حرکت بہت محدود ہوکر رہ جاتی۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو نگار سینما چلنے کی ہدایت کی اور پچھلی نشست میں دھنس کر سگریٹ سلگالی۔

میں شہر میں بغیر ڈھکن کے مین ہولوں کے نتیجے میں رونما ہونے والے متعدد چھوٹے موٹے اور اکا دکا مہلک حادثات کے بارے میں آئے دن اخبارات میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا لیکن اس روز مجھے ایسے مین ہولوں کی افادیت کا تجربہ بھی ہوا۔ میں نے نشتر روڈ پر پہنچنے سے پہلے اپنا خون آلود رومال ایک کھلے ہوئے مین ہول میں ڈال کر اس سے نجات حاصل کرلی تھی۔ کراچی جیسے گنجان آباد شہر میں کھلے ہوئے چند سو مین ہول مجھ جیسے ضرورت مندوں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ کا درجہ رکھتے تھے۔

ٹیکسی نشتر روڈ سے ہوکر نیپیئر روڈ کا ایک چکر کاٹتی ہوئی کورٹ کی طرف پہنچی تو یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ میری کار غائب تھی۔ میرے ذہن پر یکایک وسوسوں نے یلغار کردی۔

سبب کوئی بھی رہا ہو' اگر کار غائب تھی تو بس غائب تھی۔ اس کا آسانی سے بازیاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ میرے لیے وہاں رک کر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔

میں اسی ٹیکسی کے ذریعے کلفٹن روانہ ہوتا تو ٹیکسی ڈرائیور میری طرف سے شبہات کا شکار ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے روک کر کرایہ ادا کیا اور نیچے اتر گیا۔ چند منٹ بعد ہی میں دوسری ٹیکسی میں گھر کی طرف جارہا تھا۔

میری کار کے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آیا ہو' مجھے اتنا یقین تھا کہ اس واردات میں زمرد کے پرانے محلے داروں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں کار بہت دور پارک کرکے پیدل وہاں پہنچا تھا۔ ان کے لیے یہ سراغ لگانا ناممکنات میں سے تھا کہ میں وہاں تک کسی کار میں سفر کرکے پہنچا تھا۔

دوسری ٹیکسی کو فارغ کرکے میں گھر پہنچا تو وہ تینوں ہی کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے اور ڈرائنگ روم میں متعدد اردو اور انگریزی اخبارات قالین پر بکھرے ہوئے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی ویرا کا منہ بن گیا اور اس نے تلخی سے پوچھا۔ "کچھ کہے سنے بغیر کہاں گئے تھے؟"

میں نے اسے کوئی جلا کٹا جواب دینے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے ہنس کر کہا "میرے جاتے ہوئے غزالہ جاگ رہی تھی۔ اتنی سخت بازپرس تو اس نے بھی نہیں کی تھی۔"

"میں بھی اسے یہی سمجھا رہی تھی کہ حد سے زیادہ ڈھیل دے کر وہ تمہیں بگاڑ رہی ہے" ویرا کے لہجے کی تلخی میں کوئی فرق نہیں آیا "میں جاگ رہی ہوتی تو دیکھتی کہ تم خاموشی سے کیسے نکل سکتے تھے؟"

"میں اسے کیا بتاتا؟ دراصل میں کراچی کے بازارِ حسن کی سیر کرنے گیا تھا" میں نے بے چارگی سے جواب دیا اور بے اعتباری سے ان تینوں کی آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔

"کیا واقعی؟" غزالہ کے بے ساختہ سوال سے بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"یہ کون سا وقت تھا وہاں جانے کا؟" ویرا کا سوال خالص تکنیکی نوعیت کا تھا۔

"یہی سوال اس علاقے کے ایک پان فروش نے بھی پوچھا تھا" میں نے جھجکتے ہوئے لہجے میں ویرا سے کہا "اسی یکسانیت سے تم اپنی ذہنی سطح کا اندازہ لگا سکتی ہو۔ اب میرا وقت برباد مت کرو۔ میں اول خان سے بات کروں گا۔ تو بہت سی باتیں خود بہ خود تمہارے سامنے آجائیں گی۔"

"اخبارات میں راس المیڈا کی باتصویر کہانی چھپنے کے بعد تمہارا یوں باہر جانا خطرناک تھا" سلطان شاہ ملامت آمیز لہجے میں بڑبڑا رہا تھا "تمہارے اچانک غائب ہوجانے سے ہم سب پریشان ہوگئے تھے۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر اول خان کے گھر کا نمبر ملاتا رہا۔ وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

اسٹیشن فور پر ہونے والے' الیس کی سیاہ بلی کے تباہ کن دھماکے کے بعد وہاں کے فون پہلے ہی بحال ہوچکے تھے۔ وہاں اول خان نے خود ہی فون اٹھایا تھا۔

"تم کسی کو کچھ بتائے بغیر کہاں غائب ہوگئے تھے؟" میری آواز پہچانتے ہی اول خان نے لعن طعن شروع کی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا کہ اسے میری غیر حاضری کا علم کیسے ہوگا مگر اس کے اگلے فقرے سے ہی بات صاف ہوگئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ویرا کا خیال تھا کہ تم میری طرف آئے ہو۔ اس نے تمہاری تلاش میں مجھے فون کیا تھا۔"

"میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ ان دونوں کو سونے سے فرصت نہیں تھی۔ میں نے غلطی یہ کی کہ ان کے بیدار ہونے کا انتظار کیے بغیر ساگا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور اب سب باتیں بنا رہے ہیں۔"

"تم خوش نصیب ہو کہ تمہارے لیے اتنے لوگ فکر مند رہتے ہیں۔ یہ بات وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اپنی خبر گیری کے لیے کوئی میسر نہیں" اول خان کا لہجہ نرم پڑگیا پھر اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا "تم ساگا کی تلاش میں کہاں بھٹکتے پھر رہے تھے؟"

"میں بھٹک نہیں رہا تھا' اسے اس کی کمین گاہ پر زخمی حالت میں چھوڑ کر مشکل سے واپس آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم فوراً اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرو" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"کمین گاہ؟ تمہیں اس کے ٹھکانے کا سراغ کہاں سے مل گیا؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"مجھے بازارِ حسن سے اس کا پتا چلا تھا۔ یہ لمبی کہانی ہے' بعد میں مجھ سے پوری تفصیل سن لینا۔ اس وقت اہمیت اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہے۔ دیر کی گئی تو وہ کہیں بھی روپوش ہوسکتا ہے۔ اس وقت وہ دو عورتوں اور ایک ملازم کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر موجود ہوگا" میں نے زور دے کر کہا۔

"یہ بہت بڑی خبر ہے۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں ابھی آدمی روانہ کرتا ہوں" اول خان کی اضطراری آواز ابھری "وہ نہیں ملا تو عورتوں کو اٹھوا لیا جائے گا۔ وہ خود ہی سامنے آنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"نہیں!" میں نے سختی سے اسے منع کردیا "عورتیں بالکل غیر اہم ہیں۔ ایک ساگا کی رکھیل ہے اور دوسری اس لڑکی کی ماں۔ ملے تو وہ تینوں ساتھ ہی ملیں گے یا سب غائب ہوں گے۔"

گارڈن ایسٹ کا علاقہ میرا دیکھا بھالا ہوا نہیں تھا' نہ ہی ساگا کے مکان کے باہر نام یا نمبر کی کوئی تختی موجود تھی۔ میں نے سڑکوں اور گلیوں کے حوالے سے اول خان کو اس عمارت کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی کرادی جہاں میں نے ساگا کو زخمی حالت میں چھوڑا تھا۔

"میں نے کاغذ پر نقشہ بنالیا ہے" میرے خاموش ہوتے ہی اول خان بول پڑا "میں ایک پارٹی کو فوری طور پر اُدھر بھیجنے کا بندوبست کرکے تمہاری طرف آتا ہوں۔ گھر پر ہی میرا انتظار کرنا۔ تم نے اخبارات دیکھ ہی لیے ہوں گے۔ اپنی تصویر کی اشاعت کے بعد اب راس المیڈا شہر سے بھاگنے کی فکر میں ہوگا۔ ساگا ہمارے ہاتھ آگیا تو فرار ہونے سے پہلے ہی راس المیڈا کی گردن دبوچی جاسکے گی۔ تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی حیران کن کارنامہ سرانجام دینے کی فکر میں لگے رہتے ہو۔"

"بس' جلدی پہنچو۔ میں اس کوشش میں اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔ اس کی بازیابی کے لیے بھی مجھے تمہاری تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہوگی" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

وہ تینوں حیرت سے منہ پھاڑے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میری یک طرفہ گفتگو سن کر انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ میں کس مہم پر نکلا ہوا تھا اور کیا نتائج لے کر واپس آیا تھا۔

"میری جلد کے مساموں اور بالوں کی جڑوں میں ساگا کا خون جم رہا ہوگا' میں بدن پر پانی بہا کر چند منٹ میں آتا ہوں۔ اس کے بعد تم لوگوں کو تفصیلی رپورٹ دوں گا" کسی کے سوال کرنے سے پہلے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

گھر پہنچنے تک مجھے احساس ہورہا تھا کہ میں اس مہم میں اپنی گاڑی گنوا کر بے نیل و مرام ہی واپس لوٹا تھا لیکن اپنے لوگوں سے بات ہوتے ہی مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ میں اتنا زیادہ ناکام بھی نہیں رہا تھا۔

غسل خانے میں اپنے بدن پر ٹھنڈے اور گرم پانی کی تیز دھاریں بہاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ راس المیڈا کے خلاف مختصر سے وقت میں پے درپے متعدد کارروائیاں کرکے ہم نے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ پہلے فریڈم لاج نامی مضبوط اور پُراسرار قلعے کو پامال کرکے راس المیڈا کو بے سروسامانی کے عالم میں فرار ہونے پر مجبور کیا پھر ڈرامائی انداز میں سخی مراد کو آزاد کرکے ایسی سنسنی پھیلائی کہ راس المیڈا ہر خطرہ مول لے کر اس کی زندگی کا خاتمہ کرگزرا۔ وہاں سے اول خان کا آدمی اسرار جونک بن کر راس المیڈا کے پیچھے ہولیا۔

سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان میں رونما ہونے والے واقعات راس المیڈا کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوئے تھے۔ اسے علم نہیں تھا کہ وہاں اس کی تصاویر لی جاچکی تھیں مگر ہماری مسلسل یلغار سے وہ اس قدر ہراساں ہوگیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر آمادہ ہوگیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میں ویرا کے ٹکٹ اور ویزے کے بندوبست کے لیے ائیرپورٹ جا پہنچا اور وہ مردود اپنے پروگرام کے مطابق فرار ہونے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اخبارات میں چھپنے والی تصاویر اور کہانی نے اسے کس قدر بدحواس کیا ہوگا۔ اول خان نے اپنے حساس وسائل کو بروئے کار لاکر اس کہانی کی اشاعت کا انتظام تو کرلیا تھا لیکن اس کے ساتھ شہر سے راس المیڈا کے متوقع فرار کو روکنے کے لیے اس نے کیا تدابیر اختیار کی تھیں' اس بارے میں میری اور اس کی کوئی بات ہی نہیں ہوسکی تھی۔ اخبارات کو بازار میں آئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اگر اول خان موثر تدابیر اختیار نہیں کرسکا تھا تو راس المیڈا کے لیے کراچی سے نکلنے کے بہت سے راستے کھلے ہوئے تھے۔ وہ ایک بار شہر سے بھاگ جاتا تو شاید ساگا بھی اس کے خلاف ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرسکتا تھا۔ ہر بات ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنی ہوئی تھی اور کسی بھی معاملے میں ذرا سی لغزش ہماری ساری کامیابیوں پر پانی پھیر سکتی تھی۔

میں تازہ دم ہوکر غسل خانے سے نکلا تو ڈرائنگ روم میں گرما گرم ناشتے کے ایک ہلکے پھلکے دور کی تیاریاں دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ غزالہ حسن اور دلکشی کے ساتھ بہت سی بے مثال خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ وہ میرے کچھ کہے بغیر ہر وقت میرے جسم و جان کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتی تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ نہانے کے بعد مجھے چائے کی ضرورت ہوگی۔

"ہم سے تم کہہ رہے تھے کہ بازارِ حسن کی سیر کرنے گئے تھے۔ اول خان کو بتایا کہ تم ساگا کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے" ویرا نے میرے غسل کی مہلت ختم ہوتے ہی اپنی جرح کا آغاز کردیا "آخر تم گئے کہاں تھے؟"

"دونوں باتیں درست ہیں" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر آہستہ سے کہا "مجھے بازارِ حسن سے ہی ساگا کا نیا پتا معلوم ہوا تھا۔ اور وہ وہاں موجود تھا۔ میں نے اس وقت کوئی غلط بیانی نہیں کی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہاں سے ساگا کا سراغ مل سکتا ہے؟" ویرا کا لہجہ مشکوک تھا۔

"کل رات جہانگیر سے کچھ اشارے ملے تھے۔ میں ان ہی کے سہارے چل پڑا۔"

"میں بھی وہاں موجود تھی۔ میرے سامنے تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔"

"تمہارے سامنے اس کی عقل چوپٹ ہوکر رہ جاتی ہے۔ جب تم سلمٰی کے ساتھ اس کی غیبت کرنے میں مصروف تھیں تو تھوڑی دیر کے لیے اس کی عقل بحال ہوئی تھی۔ اسی وقت کچھ کام کی باتیں ہوئی تھیں۔"

مجھے اندازہ تھا کہ میری وہ تشنہ وضاحتیں ان کی آتشِ شوق کو مزید بھڑکادیں گی۔ ویرا سوال کرتی رہی' میں نپے تلے جوابات دیتا رہا اور جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو میں نے اپنی کہانی چھیڑدی۔

"یہ تمہاری بدترین حماقت تھی کہ تم کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لیے بغیر ساگا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے" پورا قصہ سن لینے کے بعد ویرا تیزی سے بولی "اگر قسمت ساتھ نہ دیتی تو آج تم مارے ہی گئے ہوتے۔ ہمیں کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ ساگا نے تمہیں کہاں دبایا ہے۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میرا ارادہ اس سے بھڑنے کا نہیں تھا۔ میں صرف معلومات حاصل کرکے لوٹ آنا چاہتا تھا مگر وہاں ملنے والے تینوں آدمیوں نے مکاری سے مجھے ایسے جال میں جکڑا کہ مجھے وہاں جانا ہی پڑگیا۔"

"لیکن گاڑی کہاں چلی گئی؟ اس کا یوں غائب ہونا سمجھ میں نہیں آرہا" غزالہ بولی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے گاڑی کی تلاش میں نکلنا ہی پڑے گا؟" سلطان شاہ مسمسی آواز میں بولا۔

"کیوں؟ تمہیں اچانک گاڑی کی اتنی فکر کیوں لاحق ہوگئی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"گڑبڑ ہوگئی" اس نے سر جھکا کے ندامت سے کہا "کل رات میں ہیم گن اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ غلطی سے کار کے ڈیش بورڈ ہی میں رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ سے کار کا معاملہ سنگین ہوگیا ہے۔"

اس انکشاف پر میرا دل چاہا کہ میں اپنا سر پیٹ لوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ہیم گن گاڑی ہی میں موجود ہے تو اس کی حفاظت کے خیال سے میں اسے ضرور اپنے ساتھ لے لیتا۔ اس طرح میں ساگا کے گھر پر نہتا رہتا اور ہیم گن بھی یوں ہاتھوں سے نہ نکلنے پاتی!

میں نے بہ دقت تمام اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پایا اور صرف اتنا کہا "اب ہیم گن سے تو ہاتھ ہی دھولو۔۔۔۔ وہ نادر ہتھیار کار میں رہ گیا تھا تو تمہیں ہم سے اس کا ذکر ضرور کردینا چاہیے تھا۔"

"مجھے یاد ہوتا تو میں کسی سے ذکر کرنے کے بجائے نیچے جاکر اسے نکال لاتا" اس نے برجستہ جواب دیا "کار کی گمشدگی کے ذکر پر ابھی ابھی مجھے یاد آیا ہے کہ میں رات کو بیم گن ڈیش بورڈ سے نکالنی بھول گیا تھا۔"

"کیا اپنے رشتہ داروں پر رعب جمانے کے لیے بیم گن اپنے ساتھ لے گئے تھے؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"تم جو چاہو' کہہ سکتی ہو۔ اس وقت میری پوزیشن کمزور ہے۔" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کے بے بسی سے کہا "تمہیں کبھی کبھی ہی دوسروں کی ٹانگ کھینچنے کا موقع ملتا ہے۔"

تلخی پیدا ہونے سے پہلے ہی غزالہ نے جلدی سے بات بدل دی۔ "ہماری گاڑی نئی نہیں تو اتنی پرانی بھی نہیں تھی۔ یہ کسی پیشہ ور کار لفٹر کا کام بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو ہم گاڑی کہاں تلاش کریں گے؟"

"گاڑی دوسری بھی خریدی جاسکتی ہے' بیم گن کسی قیمت پر نہیں مل سکے گی" ویرا نے تیزی سے کہا "بعض کار لفٹر گاڑیوں سے قیمتی سامان نکال کر انہیں چھوڑ دیتے ہیں کار مل بھی گئی تو خاطر جمع رکھو کہ اس میں بیم گن موجود نہیں ہوگی۔ ہم اس سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔"

"کار لفٹر کے بجائے یہ کسی لفٹر کا کام بھی ہو سکتا ہے" غزالہ نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"ان دونوں میں بھلا کیا فرق ہوتا ہے؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایسا تو نہیں کہ آپ نے گاڑی کسی غلط جگہ پارک کردی ہو اور ٹریفک پولیس لفٹر کی مدد سے اسے اٹھا لے گئی ہو؟" غزالہ نے ویرا کے سوال پر دھیان دیے بغیر مجھ سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں' میں نے اپنی گاڑی پارکنگ کی مخصوص جگہ میں لگانے کے لیے کافی لمبا چکر لگایا تھا۔ میں چاہتا تو آس پاس ہی کسی غلط جگہ پر گاڑی چھوڑ سکتا تھا" میں نے پورے یقین سے کہا۔

"پھر بھی میں ایک چکر لگا لیتا ہوں" سلطان شاہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا "بعض اوقات پولیس والے پیسے بنانے کے لیے پارکنگ والے حصے سے بھی گاڑیاں اٹھا لیتے ہیں۔"

بیم گن کا معاملہ اس قدر اہم تھا کہ ہم میں سے کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی مگر مجھے اس کی کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے وضاحت سے اس جگہ کے بارے میں سمجھا دیا جہاں میں نے گاڑی کھڑی کرکے بلبل ہزار داستاں بلڈنگ کا رخ کیا تھا۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد کئی منٹ تک ہم تینوں خاموش بیٹھے رہے پھر اچانک ہی میں نے غزالہ سے کہا "بعض اوقات سلطان شاہ کسی ناسمجھ بچے کی سی بے وقوفی کر گزرتا ہے۔ ذرا...."

ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی "یہ بعض اوقات کی بات نہیں ہے۔ جسمانی طور پر بالغ ہو جانے کے باوجود وہ ذہنی طور پر نابالغ ہے۔ اس کے ہاتھ میں فیڈر تھما کر گلے میں چسنی لٹکا دو تو بہتر رہے گا۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلطان شاہ کے بارے میں ویرا کی ازلی خلش کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ طویل رفاقت کے نتیجے میں ویرا اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ جب بھی ویرا نے اپنے سدا بہار نسوانی حربوں سے کام لے کر اسے اپنے اشاروں پر نچانا چاہا تھا' وہ بدک کر اُس سے دور بھاگ نکلا تھا۔ وہ اپنے اس رویّے کو مشرق کا مردانہ وقار اور کردار قرار دیتا تھا' ویرا اسے سلطان شاہ کی بزدلی اور توہین سمجھ کر جھلّا جاتی تھی اور اسی لیے رہ رہ کر اسے تنگ کرتی رہتی تھی۔

اس وقت بھی ویرا نے میری بات کاٹ کر سلطان شاہ کے بارے میں جو فقرے ادا کیے تھے' ان سے اُس کے لاشعور میں بسی ہوئی وہی جھلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی جس کا وہ اکثر مظاہرہ کرتی رہتی تھی۔

"بعض اوقات تم بلاوجہ بات کاٹ دیتی ہو" میں نے ترشی سے کہا "سلطان شاہ نے بیم گن کے بارے میں تو بتا دیا ہے مگر مجھے اول خان کے دیے ہوئے دوسرے اپریٹس کی فکر ہے۔ ایسا نہ ہوا ہو کہ سلطان شاہ بیم گن کے ساتھ اپنے دوستوں کو دکھانے کے لیے وہ اپریٹس بھی لے گیا ہو اور گاڑی میں بھول آیا ہو۔"

وہ اپریٹس بہت اہم تھا۔ غزالہ تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر سلطان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

مجھے یاد آیا کہ پچھلے روز باتیں کرتے ہوئے ہم نے وہ اپریٹس بے پروائی سے کہیں چھوڑ دیا تھا' بعد میں سلطان شاہ اسے اپنے کمرے میں اٹھا لے گیا تھا۔ اگر اس نے بیم گن کی طرح وہ اپریٹس بھی کار میں بھول جانے کی حماقت نہیں کی تھی تو اسے اس وقت بھی سلطان شاہ کے کمرے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

اس وقت سلطان شاہ میری گم شدہ کار کی تلاش میں نکلا ہوا تھا' غزالہ اپریٹس کی تلاش میں سلطان شاہ کے کمرے میں جا گھسی تھی اور میں ویرا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گیا تھا۔

تنہائی بلکہ خلوت کے اس احساس کو مٹانے کے لیے میں نے اضطراری طور پر نئی سگریٹ سلگالی۔

"ڈینی!" ویرا کی دبی دبی بلکہ سرگوشیانہ آواز نے اچانک ہی میری حیوانی جبلتوں کو بیدار کردیا۔

"ہوں! کیا بات ہے؟" میں نے اپنی نشست میں سنبھل کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میری روانگی میں کتنی دیر باقی رہ گئی ہے۔ آج تمہارے شہر میں میری آخری رات ہے۔"

"میری دعا ہے کہ تمہاری یہ رات تمہارے لیے یادگار ثابت ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اس کی تلخ سی ہنسی کی دھیمی آواز ابھری پھر اس نے آہستگی سے کہا "کیسی عجیب بات ہے کہ جو میری اس رات کو یادگار بنا سکتا ہے' وہ صرف اپنی دعاؤں کے حصار میں جکڑا ہوا ہے۔ کیا تمہیں میرے بچھڑنے کا دکھ نہیں ہے؟ چند دنوں کی رفاقت کے بعد کتیا بھاگ جائے تو اصیل کتا کئی دنوں تک کھویا کھویا اور اُداس سا رہتا ہے۔ تم تو پھر بھی ایک مکمل اور بھرپور انسان بلکہ نوجوان ہو۔"

"ویرا!" میں مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور مٹھیاں بھینچ کر کہنے لگا "ماضی کو بھولنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح تم موجودہ صورتِ حال سے سمجھوتا کر سکتی ہو۔ تم اکیلی ضرور رہ گئی ہو مگر میں اب تنہا نہیں ہوں۔ میری ذات سے غزالہ کا مستقبل وابستہ ہے اور اسے تم نے اپنی بہن کا درجہ دیا ہوا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ تلخ ہنسی کے ساتھ کہنے لگی "یہ میرا ظرف ہے کہ میں نے اسے اپنی بہن بنا لیا۔ تم تو آج تک مجھے اس مقدس رشتے سے بھی نہیں پکار سکے۔ تم نے ایک بار مجھے اپنی بہن ہی قرار دے دیا ہوتا تو مجھے صبر آجاتا کہ میں تمہارے ساتھ ایک مقدس رشتے میں بندھ چکی ہوں مگر تمہاری زبان پر تو وزنی تالے لگے ہوئے ہیں۔"

میں نے بولنا چاہا مگر میری زبان نہیں ہل سکی۔ میرا اور ویرا کا مشترکہ ماضی ہمارے کسی بھی مقدس رشتے کے درمیان ایک آہنی دیوار بنا ہوا تھا۔

غزالہ بہت ہوش مند اور سمجھ دار لڑکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جائے گی تو ہم دونوں کے درمیان کچھ تلخ و شیریں ذاتی سی باتیں ہوں گی۔ وہ چاہتی تو فرش پر دیوار تا دیوار بچھے ہوئے دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے واپس لوٹ کر ہمیں جذباتی فضا میں باتیں کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ سکتی تھی لیکن اسے ویرا کی آزاد روی کے ساتھ میرے ارادوں کی مضبوطی کا بھی علم تھا۔ اس نے واپسی سے پہلے سلطان شاہ کے کمرے سے خود کلامی کے انداز میں بلند آہنگ صدا لگا کر اپریٹس مل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا اور دروازے سے نکل آئی۔

ویرا کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ نیم سرگوشیانہ لہجے میں بولی "تم کچھ نہیں بولو گے...... مجھے معلوم ہے کہ تم کچھ بول ہی نہیں سکتے...... میں آخر کس لیے یہاں پڑی رہوں۔"

"سلطان شاہ کی کامیابی کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرکے اونچی آواز میں ایک بالکل ہی نیا سوال کر ڈالا۔

"یہ امریکا نہیں' تمہارا ملک ہے۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "یہاں کھوئی ہوئی چیزیں اتنی آسانی سے نہیں ملا کرتیں۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے گیا ہے۔ دو چار گھنٹے تک اِدھر اُدھر جھک مار کر لوٹ آئے گا۔"

اتنی دیر میں غزالہ آگئی۔ اس کے ہاتھوں میں دونوں لاسلکی اپریٹس موجود تھے۔ ایک وہ تھا جو فریڈم لاج پر تصادم کے بعد اس وجہ سے متروک قرار دے دیا گیا تھا کہ اس کی فری کوئنسی پر راس المیڈا نے مداخلت کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ دوسرا وہی اپریٹس تھا جو اول خان نے کسی بھی ہنگامی رابطے کے لیے میرے حوالے کیا ہوا تھا۔ شاید سلطان شاہ نے ان دونوں کو ہی یکجا رکھا ہوا تھا۔

"غنیمت ہے کہ یہ بچ گئے۔" ویرا کہنے لگی "ہم چاہیں تو اب راس المیڈا سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کر سکتے ہیں۔ آج کے اخبارات دیکھ لینے کے بعد وہ بری طرح بوکھلایا ہوا ہوگا۔"

"آخری بار بات ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ اب وہ اپنے اپریٹس کے سیل نکال دے گا تاکہ ہم بار بار اسے تنگ نہ کرسکیں۔" غزالہ نے یاد دلایا "یہ امکان بھی ہے کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے خود ہی ڈینی سے رابطہ کرنے میں پہل کر بیٹھے۔"

"اس نے رابطہ کیا تو دل کھول کر ڈینی کو جلی کٹی سنائے گا۔" ویرا بولی۔

سلطان شاہ جس مشن پر نکلا تھا' اس کی کامیابی کی کوئی امید نہ ہونے کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ اس کی جلد واپسی ممکن نہیں ہوسکے گی۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ ویرا نے ایک مرتبہ پھر بازارِ حسن اور پھر ساگا کے گھر پیش آنے والے واقعات کریدنے شروع کردیے۔ وہ اس تصور ہی سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ وہاں کے تین جاہل اور بے ضمیر دلالوں نے مجھے اتنی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا تھا کہ میں ساگا کے سامنے آنے تک اصل صورت

حال کو سمجھ ہی نہ سکا تھا۔

میں نے کبھی بھی ویرا یا اپنے ساتھیوں کے سامنے کوئی بڑا بول نہیں بولا تھا لیکن ویرا میرے بڑھتے ہوئے منطقی تجزیوں سے چڑ کر مجھے عقلِ کُل قرار دینے لگی تھی۔ اُس کے اس مزاج کی بنا پر اس کی خوشی میرے لیے ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ میری برتری کا طلسم ٹوٹنے پر اس کا وہی ردِ عمل ہونا چاہیے تھا۔

سلطان شاہ کو گئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس وقت میں ہی فون کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا۔

"مل گئی...... میں تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔" میری ہیلو کے جواب میں سلطان شاہ نے مسرت آمیز آواز میں کہا "تمہاری تسلی کے لیے میں ایک پبلک کال آفس سے فون کررہا ہوں۔"

اس کی دی ہوئی اطلاع پر مجھے خوش گوار مسرت ہوئی مگر میں نے خشک لہجے میں کہا "تم تو ایسے بتارہے ہو جیسے تمہیں کوئی خوب صورت لڑکی مل گئی ہو...... گاڑی مقفل ہے یا اسے کھولا جاچکا ہے؟ وہ کہاں سے ملی ہے؟"

"گاڑی جوں کی توں ہے اور تھانے کے احاطے میں کھڑی ہوئی ہے۔ لفٹر کے کرائے اور جرمانے وغیرہ سمیت ساڑھے چار سو روپے دینے پڑے ہیں۔ ٹریفک کے عملے کا کہنا ہے کہ گاڑی غلط جگہ پر پارک کی ہوئی تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ دیکھ لیا ہے۔ اس میں ہر چیز موجود ہے۔" اس نے لفظ ہر پر زور دے کر کہا تھا۔

"وہ جھوٹے ہیں۔" میں نے بے ساختہ کہا "گاڑی غلط جگہ پر نہیں تھی۔"

"میں نے بھی پورے زور شور سے یہی دعویٰ کیا تھا مگر وہاں کسی کی شنوائی نہیں ہورہی۔ ہر لمحے میدان میں گاڑیاں چلی آرہی ہیں اور ہر شخص بے چون وچرا ان کے مطالبات پورے کررہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل ان لوگوں نے کوئی مہم شروع کی ہوئی ہے۔"

"ہاں...... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی بڑے افسر کو بڑی رقم کی ضرورت پیش آگئی ہو۔ یہ کھلی ہوئی دھاندلی ہے۔ لاکھوں کی گاڑی کی بازیابی کے لیے اگر ہر شخص خاموشی سے چار پانچ سو روپے دے رہا ہے تو اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ہر شخص جان چھڑانے کا فدیہ دے رہا ہے۔"

"بس میں گاڑی لے کر آدھے گھنٹے میں لوٹ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے فون بند کردیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ گاڑی کے ساتھ بیم گن بھی موجود ہے۔ صرف ساڑھے چار سو روپے کا ڈنڈ بھرنا پڑا ہے۔" میں نے ان دونوں کو مطلع کرتے ہوئے کہا۔

"رقم خاصی حقیر ہے لیکن اس کوفت کا اندازہ اور حساب لگانا ناممکن ہے جو گاڑی کو غائب پا کر اُس کے مالک کو ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو یہ پتا چلانا ہی دشوار ہوجاتا ہوگا کہ ان کی گاڑی چور لے گئے ہیں یا پولیس والوں نے اٹھائی ہے۔" ویرا نے بدمزگی سے کہا "جتنا عملہ گاڑیوں کو اٹھانے کے لیے درکار ہوتا ہے، اس سے آدھا عملہ بھی ایمان داری سے کام کرے تو غلط جگہ پر گاڑی روکی ہی نہیں جاسکتی۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے، صرف دو سپاہی میلوں لمبے علاقے سے پچاسیوں گاڑیاں اٹھوالیتے ہیں۔ لفٹر اور اس کے عملے کا خرچ کار کے مالک سے وصول کیا جاتا ہے۔" میں نے کہا "یہ عملے اور کارکردگی کا نہیں، ذاتی اور سرکاری آمدنی کا مسئلہ ہے جس کا کوئی متبادل حل نہیں ہے۔"

اچانک ڈور بیل بج اٹھی۔ سلطان شاہ کے اتنی جلدی لوٹ آنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو اول خان میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میں نے اُس کے اندر آنے کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

"آج کل ہم لوگ لاسلکی آلات کے استعمال سے گریز کررہے ہیں۔" اس نے دونوں عورتوں سے سلام دعا کے بعد خود ہی بولنا شروع کردیا "میں نے تمہارے بتائے ہوئے پتے پر تین آدمیوں کا گروپ بھیج دیا ہے۔ وہ لوگ تمہارے فون پر ہی مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیں گے۔" غزالہ اسے دیکھتے ہی باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔

"مجھے ڈر ہے کہ راس المیڈا شہر سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوگیا ہو۔ بنیادی طور پر وہ بزدل آدمی ہے۔ آج کے اخبارات نے اسے خوف زدہ کردیا ہوگا۔ مشکل یہ ہے کہ اتنے بڑے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈا جائے؟"

"اتنی زیادہ فکر مندی سے جوانی میں السر کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔" اس نے بزرگانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کچھ تفکرات دوسروں کے لیے بھی چھوڑ دیا کرو۔"

"اگر اس وقت راس المیڈا سڑک کے راستے کراچی سے نکل جائے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"کراچی سے باہر نکلنے کے کُل بائیس باقاعدہ اور بے قاعدہ زمینی راستے ہیں جن میں سے چند بندرگاہوں یا خفیہ بحری اڈوں تک جاتے ہیں۔ تیئسواں راستہ کراچی ائرپورٹ ہے۔" وہ متانت سے وضاحت کرنے لگا "صبح کے پانچ بجے، جب اخبارات کے بنڈل شہر میں تقسیم کے ٹھکانوں تک پہنچائے جانے کے لیے گاڑیوں میں لادے جارہے تھے تو ان تمام تیئس راستوں پر راس المیڈا کی تصاویر کے ساتھ، تجربے کار آدمی پہنچ چکے تھے۔ اخبارات میں یہ معاملہ اچھالنے سے پہلے میں اس پہلو پر غور کرچکا تھا۔ وہ کسی بھی طرف جانے کی کوشش کرے، پکڑا جائے گا۔"

"تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس تو پہلے ہی نفری کی قلت کے مسئلے سے دوچار تھی، اب اتنے آدمی کہاں سے آگئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "میرا خیال ہے کہ تمہاری کل نفری ہی تیئس کے لگ بھگ ہوگی۔"

وہ کسی خیال کے تحت اچانک مسکرادیا پھر بولا "جہانگیر کے گھر پر ڈیوٹی دینے والوں کو آج صبح میں اسٹیشن فور پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ تم نے انہیں صبح اپنے یونٹ میں رپورٹ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ مجھے واقعی ان کی کمی محسوس ہورہی تھی۔ میں اس تعاون پر تمہارا شکرگزار ہوں۔"

"تمہیں میرا کچھ زیادہ ہی شکرگزار ہونا چاہیے۔" میں نے ویرا کو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر قدرے بے تکلفی سے کہا کیوں کہ اس وقت ڈرائنگ روم میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے۔

"وہ کس لیے؟" اس نے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ دونوں مزید چند روز وہاں رہتے تو فورس کے لیے بالکل ناکارہ ہوجاتے۔ انہوں نے سلمیٰ کے لیے کپڑے دھونے اور گھر کے اوپری کام کرنے شروع کردئے تھے اور بہت خوش تھے۔"

"کیا مطلب؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

"تمہیں جہانگیر اور سلمیٰ کی ازدواجی زندگی کی تلخیوں کا علم ہے۔ آئے دن کی ناچاقیوں سے اس کے ذہن میں کچھ گرہیں پڑگئی ہیں۔ ان میں سے ایک گرہ یہ بھی ہے کہ اسے مَردوں سے میل جول بڑھا کر خوشی ہوتی ہے۔ آج کل اسے کوئی اور میسر نہیں تھا تو وہ تمہارے آدمیوں پر مہربان ہوچلی تھی۔ جب میں نے ان کے ریشہ خطمی ہونے کے بارے میں سنا تو انہیں فوراً ہی واپس بھیجنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اچھا!" اول خان نے اس لفظ کو کھینچ کر کہا "میں ان کی کھال گرادوں گا۔ وہ سب جانتے ہیں کہ میں عام حالات میں اپنے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا ہوں لیکن غلطیوں کو کبھی نظرانداز نہیں کرتا۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی سے کہا "اس بے اعتدالی میں تمہارے آدمیوں کا کوئی قصور نہیں۔ سلمیٰ معمولی شکل وصورت کی کوئی اُدھیڑ عمر عورت نہیں ہے۔ وہ جس سے بھی ہنس کر بات کرے، اس کی عقل ٹخنوں میں اتر سکتی ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے تمہارے آدمیوں کو واپس کردیا۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں لیکن مجھے اپنے آدمیوں کا فرائض سے انحراف یا تجاوز کرنا بالکل پسند نہیں ہے۔ انہیں پوری توجہ اسی کام پر مرکوز رکھنی چاہیے جو اُن کے سپرد کیا گیا ہو۔"

"نظریاتی طور پر تمہاری باتیں درست ہوسکتی ہیں لیکن عملاً ان کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔"

"میں تمہیں کئی بار بتاچکا ہوں کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی بنیاد ہی نظریاتی ہے۔ اگر میرے جوان نظریے کو بھول کر اپنی صوابدید پر عمل کرنے لگیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا......" بات کرتے کرتے اس نے چونک کر پوچھا "ہاں، وہ تمہاری گاڑی کا کیا چکر تھا؟ تم بتارہے تھے کہ ساگا کی تلاش میں اپنی گاڑی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔"

"گاڑی مل گئی۔ سلطان شاہ لے کر آتا ہی ہوگا۔ ٹریفک پولیس والے ایک ناکردہ جرم میں لفٹر کے ذریعے میری گاڑی اٹھا کر تھانے میں لے گئے تھے۔ ساڑھے چار سو روپے دے کر اسے چھڑالیا گیا ہے۔"

"ابھی میں تم کو یہی بتارہا تھا۔ جہاں بھی قانون یا کسی اور نظریے کی بالادستی کے بجائے صوابدیدی اختیارات کا اندھادُھند استعمال شروع ہوتا ہے، ایسی دھاندلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان شاہ کو پورے ساڑھے چار سو روپے کی رسید نہیں دی گئی ہوگی۔ میرے آدمی بھی اسی معاشرے میں رہتے سہتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایس ٹی ایف ابھی تک کرپشن کی لعنت سے محفوظ ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ایک قوم کی حیثیت سے ہم روز بہ روز کرپشن میں سرِفہرست آتے چلے جارہے ہیں۔ اب تو صرف نائیجریا اور ایک آدھ ملک ہی ہمارا حریف رہ گیا ہے۔ تمہیں ریاضی کا یہ اصول تو معلوم ہی ہوگا کہ ایک آدمی سو فیصد ایمان دار ہو اور دوسرا سو فیصد بے ایمان تو وہ دونوں مل کر پچاس فیصد ایمان دار قرار دئے جاتے ہیں یعنی ایمان دار کے ماتھے پر نصف بے ایمانی کی کالک مل دی جاتی ہے اور بے ایمان کو نصف ایمان داری کا تمغا دے دیا جاتا ہے۔ تمہاری ایس ٹی ایف اس قوم میں رہ کر کیا نیک نامی کمارہی ہے، یہ تم خود سمجھ سکتے ہو۔ یہاں تو آج کل ہر کہ در کانِ نمک رفت، نمک شد والی بات چل رہی ہے۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ہر بات کو سیاسی رخ پر لے جاتے ہو۔"

"اول خان صاحب! یہ سیاسی نہیں، ایک معاشرتی سرطان کی بات ہے....."

اس نے تیزی سے میری بات کاٹ دی اور کہا "رشوت اور کرپشن کو اوپر سے فروغ ملتا ہے۔ ہماری سیاسی قیادت آج ان جرائم کی کڑی اور عبرت ناک سزائیں مقرر کردے تو کل ہی سے سب پارسائی کی راہ پر چل نکلیں گے مگر یہ کام کون کرے؟ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ" میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "بات میری کار کی ہورہی تھی اور تم نے حمام کے ننگوں کی نمائش لگانی شروع کردی۔ تمہارے اندر بھی ہروقت لاوا کھولتا رہتا ہے۔"

"لاوا کھولے گا۔" اس نے زور دے کر کہا "ابھی تم ہی نے ریاضی کا اصول بتایا ہے۔ بے ایمان دل کھول کر لوٹ کھسوٹ کرنے کے باوجود نیم پارسائی کا حق دار ٹھہرایا جاتا ہے اور ایمان دار ہر حق تلفی سے بچ کر بھی آدھا بے ایمان قرار دیا جاتا ہے تو وہ بھی اپنی ایمان داری کو بھول بھال کر بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ وہ کب تک اور کس لیے اپنے اوپر جبر کرے گا؟ کرپشن کا یہ طوفان ایک روز سب کچھ برباد

کردے گا۔"

"میں کسی سیانے سے پوچھ کر تمہارے ان سوالوں کے جواب دوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ہم بھٹک کر بہت دور نکل گئے۔ تم کراچی سے نکاسی کے تینوں زمینی، بحری اور فضائی راستوں کے بارے میں اپنی کسی حکمتِ عملی پر روشنی ڈال رہے تھے۔ سلسلہ دوبارہ وہیں سے جڑ جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

اسی وقت غزالہ چائے کی ٹرے لے آئی۔ ویرا اس کے ساتھ تھی۔

"یہ کھانے کا وقت ہے؟ اول خان وال کلاک کی طرف دیکھ کر بولا "مگر چائے بھی چلے گی۔ ذرا اس کے ساتھ بسکٹ وغیرہ کی معقول تعداد ہونی چاہیے۔"

"اور وہ ہے۔" غزالہ نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ نمکین اور کریم والے بسکٹوں سے بھری ہوئی دو پلیٹیں ٹرے میں پہلے سے موجود تھیں۔ اول خان نے غزالہ کی تعریف کرتے ہوئے ایک ساتھ دو نمکین بسکٹ اٹھالیے۔

"ایس ٹی ایف کی طاقت قابلِ رشک بلکہ حریفوں کے لیے ہول ناک ہے مگر ہماری نفری واقعی کم ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اعتراف کیا۔ "کراچی سے نکاسی کے سارے راستوں کی ناکا بندی کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے اس بارے میں میجر غوث سے مدد لی ہے۔ فوجی براہِ راست اور نچلی سطح پر شہری معاملات میں دخل انداز ہونے کے مجاز نہیں ہیں لیکن شہر میں ان دنوں انتظامیہ کی مدد کے لیے رینجرز موجود ہیں۔ میجر غوث نے ناکا بندی کی ذمے داری ان ہی پر ڈالی ہے۔ وہ لوگ صرف راس المیڈا پر نگاہ رکھیں گے۔"

"راس المیڈا کھلی گاڑی میں ائرپورٹ کا سفر کرکے دیکھ چکا ہے کہ ڈینی اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔" ویرا نے پوری بات سمجھتے ہوئے کہا "اگر وہ چھپ چھپا کر نکل ہی گیا تو تمہاری تیاریوں کا کیا بنے گا؟"

"وہ تیسرے درجے کا کوئی لفنگا نہیں، ڈیوڈ اسٹارز بلکہ اب ٹی کا بھی سربراہ ہے۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی لنگور کی طرح کار کی ڈکی میں دبک کر سفر کرے گا۔" میں نے کہا "وہ اپنی وضع قطع تبدیل کرسکتا ہے۔ اسے پہچاننا رینجرز کے جوانوں کا کام ہوگا۔"

"جوان ہی نہیں، ان ناکوں پر ذمے دار افسر بھی مامور ہیں۔" اول خان نے میری تصحیح کی۔

"راس المیڈا شعبدے بازی کا شوقین ہے۔" ویرا تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولی "اس نے یحییٰ مراد کے مکان پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے ممکنہ حریفوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنے ایک ہم قامت شخص کو میدان میں اتارا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار وہ اپنا سر اور بھویں منڈوا کر تاریک عینک کے ساتھ شہر سے بھاگے۔ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اب لاہور اور اسلام آباد کے ہوائی اڈے بھی بین الاقوامی ہیں۔ وہ وہاں سے امریکا بھاگ سکتا ہے۔ کراچی ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں ڈینی کا بھوت دیکھ لینے کے بعد وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ کرسکے گا۔"

"قیاس آرائیوں کا میدان بہت وسیع ہے۔" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی "ہم اپنے ترکش کا ہر تیر چلا چکے ہیں، ہمیں اب صبر و سکون سے نتیجے کا انتظار کرنا چاہیے۔ راس المیڈا نے عقل مندی سے کام لیا تو وہ ہمارے ہر وار کو ناکام بنا کر صاف نکل جائے گا۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اس سے غلطی ہو۔ عمل یا اندازے کی کوئی معمولی سی غلطی بھی اسے ہمارے پھیلائے ہوئے جال میں لاگرائے گی۔"

"اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرف سے گھیرا جاچکا ہے۔" غزالہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "وہ یہیں مار لیا گیا تو تم امریکا جا کر کیا کروگی؟ اس بارے میں تم نے کچھ سوچا ہے؟"

"راس المیڈا میرا منگیتر نہیں ہے جو مجھے اس کی فکر ہو۔" ویرا طنزیہ لہجے میں بولی "وہ یہاں پکڑا یا مارا جاتا ہے تو بہت اچھا ہے۔ بچ نکلتا ہے تو امریکا میں میری خدمات حاضر ہوں گی۔ میں تو ماحول کی تبدیلی کے لیے امریکا جا ہی رہی ہوں۔"

"میری مانو تو چند روز کے لیے اپنا ارادہ ملتوی......." اول خان اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اپنے اس متروک اپریٹس کو گھورنے لگا جس پر کال آنے کا اشارہ موصول ہو رہا تھا۔

ویرا نے لپک کر اس اپریٹس کا سوئچ آن کردیا۔ وہ بہت سنسنی خیز صورتِ حال تھی۔ راس المیڈا کو اس اپریٹس کی آپریٹنگ فری کوئنسی تک رسائی حاصل ہونے کی وجہ سے ایس ٹی ایف والے اس کا استعمال ترک کرچکے تھے۔ ایسی صورت میں وہ کال راس المیڈا کی طرف سے ہوسکتی تھی۔

سوئچ آن ہوتے ہی اپریٹس پر دھیما دھیما ریڈیائی شور گونجنے لگا۔

"یہ راس المیڈا ہوا تو اس سے کون بات کرے گا؟" ویرا نے سنسناتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"باتیں کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ یہ تمہارا اور ڈینی کا کام ہے۔" اول خان نے کہا۔

اسی لمحے اپریٹس پر ایک مانوس اور بھاری آواز گونجی "اٹ از راس فار ڈینی، دی سن آف اے بچ......اوور!" وہ غلیظ فقرہ مکمل ہوتے ہی اپریٹس پر دوبارہ ہلکا سا ریڈیائی شور باقی رہ گیا۔

ویرا کی استفسار طلب نگاہیں بے اختیار میری طرف اٹھ گئیں۔ ان نگاہوں میں بلا کی سرد مہری اتر آئی تھی۔

"وہ گالیوں پر اتر آیا ہے، میں اپنی کھوپڑی پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔" میں نے رسانیت سے کہا "اس مردود سے تم ہی بات کرلو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔"

خاموشی کا وقفہ طویل ہونے سے پہلے ہی راس المیڈا کی آواز دوبارہ ابھری۔ اس بار گالی کی تبدیلی کے سوا پورا پیغام جوں کا توں تھا۔ راس المیڈا کے خاموش ہوتے ہی ویرا نے اپریٹس اٹھالیا۔

"ویرا کالنگ۔" وہ کہنے لگی۔ اس کی آواز حیرت ناک طور پر ہموار اور پُرسکون ہوگئی تھی "ڈینی موجود نہیں ہے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم اسے گالی دے رہے ہو۔ تمہارے اس ناشائستہ رویے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈینی اپنے نفسیاتی حربوں سے تمہیں مایوسی اور جھلاہٹ میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اوور!"

"اوہ!" ویرا کی آواز سننے کے بعد راس المیڈا کا لہجہ تحیر زدہ سا ہوگیا "یہ اچھا ہوا کہ ڈینی نہیں ہے اور تم مجھ سے بات کررہی ہو۔ کیا ہم ماضی کی تلخیوں کو فراموش کرکے دوستانہ موڈ میں کچھ باتیں کرسکتے ہیں؟ میری اس کال کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں ڈینی کے ذریعے تم تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ اوور!"

"اُلو کا پٹھا!" ویرا دانت پیس کر بڑبڑائی پھر اپریٹس کا ٹرانسمٹنگ بٹن دبا کر حلیمی سے بولی "یہ شاید میری اور تمہاری پہلی براہِ راست گفتگو ہے۔ میں تم سے خوب واقف ہوں اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہوگے۔ اگر تمہارے ہاتھ جمی لائیڈ کے خون سے آلودہ نہیں ہیں تو تمہیں سب سے پہلے مجھ سے میرے باپ کے سفاکانہ قتل پر تعزیت کرنی چاہیے تھی۔ اس کے بغیر کسی دوستانہ گفتگو کا تمہارے ذہن میں کیا تصور ہے؟ تم مجھے شادی کی پیش کش کرنا چاہ رہے ہو یا پھر مجھ سے ڈیٹ لینا چاہ رہے ہو؟ اوور!"

"تم واقعی بہت بولڈ اور عملی لڑکی ہو۔" ہلکی سی کھسیائی ہوئی ہنسی کے بعد راس المیڈا کی آواز ابھری "میری اور جمی لائیڈ کی کھلی لڑائی کے بارے میں امریکا کا ہر شخص جانتا ہے۔ تم نے ان کے خون سے میرے ہاتھوں کی آلودگی کی بات کی ہے تو میں بتا تا چلوں کہ وہ کسی اور ہی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ وہ ایک بزدل چوہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم اس کی نہیں، کسی عظیم آدمی کی اولاد ہو۔ وہ تو ایک کیچوا بھی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے والی ہر لڑکی کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ جمی لائیڈ کے بچے کی ماں بن سکے لیکن سیکڑوں میں سے کوئی بھی لڑکی اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تم سے جمی لائیڈ کے قتل پر تعزیت نہیں کی ورنہ افسوس کے دو بول کہنے میں میرا کیا گھس جاتا تھا؟ اوور!"

"یہ تمہاری رائے ہے۔ میرا یقین ہے کہ وہ میرا باپ تھا۔ اوور" ویرا کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"پھر مجھے تمہارے باپ کی موت پر بہت افسوس ہوا۔ خدا اس کی روح کو جہنم سے محفوظ رکھے" راس المیڈا کے رسمی تعزیتی کلمات سنائی دیے۔ اس نے شاید دانستہ جنت کے ذکر سے گریز کرتے ہوئے جہنم سے تحفظ کا ذکر کیا تھا۔ ویرا کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی اور کیوں نہ جھلملاتی۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کی تعزیت سن رہی تھی۔ پھیلتی ہوئی نمی کا ایک قطرہ ویرا کی داہنی آنکھ کے اندرونی گوشے سے موتی بن کر اس کے گلابی رخسار پر ڈھلک آیا اور پھر اپنے پیچھے نمی کی ایک لکیر چھوڑتا ہوا قالین پر گر کر جذب ہوگیا۔

وہ ایک سیاہ کار باپ کے لیے اس کی بیٹی کا نذرانۂ عقیدت تھا۔

راس المیڈا کہہ رہا تھا "اپنی دانست میں تم باپ کے سائے سے محروم ہوگئی ہو مگر تم میری چند باتیں مان لو تو ہمیشہ مجھے کسی باپ ہی کی طرح شفیق اور مہربان پاؤگی۔ سب جانتے ہیں کہ میں عورتوں سے عزت و احترام کا سلوک کرتا ہوں۔ میں ایک بے نفس آدمی ہوں اور صرف اپنے کاز کے لیے کام کرتا ہوں۔ اوور۔"

"ڈینی کسی بھی وقت واپس آسکتا ہے" ویرا نے اسے تنبیہ کی "لمبی تمہید کے بجائے مختصر بات کرو، اوور۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈیوڈ اسٹار ہوں اور ڈیوڈ اسٹارز میری جماعت ہے۔ ڈینی میرا بدترین حریف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری حلیف بن کر ڈینی کے خاتمے میں مدد دو، میں امریکا میں تمہارے سارے شفاف حقوق بحال کروادوں گا۔ ڈینی کے ساتھ رہ کر تم نے خود کو بھی ہِٹ لسٹ میں شامل کرلیا ہے۔ اوور۔"

"میرے لیے یہ سوال ابھی تک ایک معما بنا ہوا ہے کہ میں ہِٹ لسٹ میں آنے کی وجہ سے ڈینی سے ملی ہوں یا ڈینی سے ملنے کی وجہ سے ہِٹ لسٹ پر آئی ہوں۔ دونوں میں سے جو بھی صورت رہی ہو، میں نے حالات کا مقابلہ کرتے رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں تمہاری اس اتفاقی کال پر اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی، اوور۔"

"یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے" راس المیڈا نے زور دے کر کہا "تم جانتی ہو کہ ریاستی قوت سے لڑ کر آج تک کوئی بھی نہیں پنپ سکا۔ ایسے لوگ کبھی بھی اپنی طبعی عمر پوری نہیں کرپاتے۔ اوور۔"

"مجھے دھمکیاں مت دو!" ویرا نے سخت لہجے میں کہا "میں اس بارے میں صرف دُو بہ دُو بات کرسکتی ہوں تاکہ تمہاری آنکھوں میں ابھرنے والے مکاری کے تاثرات بھی دیکھ سکوں۔ اس وقت تمہیں ہر قیمت پر ڈینی کا سر درکار ہے۔ تم مجھے بہلا پھسلا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوشش مت کرو۔ اوور۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ یہ تمہاری گلوخلاصی کا شاید آخری موقع ہے جو تقدیر نے اتفاق سے تمہیں فراہم کردیا ہے ورنہ بعد میں تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا، اوور۔"

"یہی بات میں تمہارے لیے بھی کہہ سکتی ہوں۔ تم یہاں کی ریاستی قوت سے لڑ رہے ہو۔ اوور۔"

"کیا تم یہ اعتراف کررہی ہو کہ ڈینی یہاں کا سرکاری آدمی ہے؟ اوور۔"

"ڈینی ایک الگ ذات کا نام ہے مگر تم یہاں جو کچھ کرتے پھر رہے ہو، وہ ڈینی سے زیادہ اس ملک کے خلاف ہے۔ ڈینی تو اپنے انتقام کی رَو میں بہہ کر تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ درمیان میں ہوتا یا نہ ہوتا، یہاں والے تمہاری حرکتوں کو زیادہ دیر تک نظرانداز نہیں کرسکتے تھے۔ اوور۔"

"آج کے اخبارات میں میرے خلاف جو زہر اگلا گیا ہے، وہ سب تم لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔" راس المیڈا کی آواز میں اچانک ہلکی سی برہمی عود کر آئی "تیسری دنیا کے ان چھوٹے موٹے

ملکوں میں غیر ملکی سازشوں کا نعرہ لگانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ بین الاقوامی مفادات کیا ہوتے ہیں۔ اس طرف سے آنکھیں بند کرکے کوئی بھی منصوبہ بندی کی جائے گی تو اس کے خلاف بھیانک ردِ عمل ضرور ہوگا۔ اس پر شور مچانا بے کار ہے' اوور۔"

"تم بین الاقوامی پولیس مین کب سے بن گئے ہو جو ایسی ہرزہ سرائی کر رہے ہو۔ اوور۔"

"ڈیوڈ اسٹارز بین الاقوامی پولیس سے بھی آگے کی چیز ہے۔ سفارتی حیثیت میں میری یہاں موجودگی سے ہی تم لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ مجھے کس عالمی طاقت کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اوور۔"

"وہ سب سمجھ لیا گیا ہے اسی لیے تم کسی خارش زدہ کتے کی طرح ڈیبی کو گالیاں دے رہے تھے" ویرا کو اچانک ہی غصہ آگیا اور وہ راس المیڈا پر برس پڑی "تم کچھ بھی نہیں' ایک بھوکے کتے ہو جو روٹیوں کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ تم نے شی کو ملنے والی بھاری گرانٹ ہضم کرنے کے لیے میرے باپ کو ختم کرایا اور اب یہاں سے ہیروئن کی اسمگلنگ کرکے تم ڈیوڈ اسٹارز کے لیے سونا کمانے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ میں تمہاری راہ کا پتھر ہوں۔ ڈیبی تمہارے لیے ایک رکاوٹ ہے۔ تم ہمارے خون کے پیاسے ہو۔ تم سے کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ یہ میرا اٹل اور آخری فیصلہ ہے۔ ڈیبی نے مجھ سے اتفاق نہ کیا تو میری راہ اُس سے بھی الگ ہو جائے گی۔ اوور۔"

"مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔ تم ایک نوجوان اور جذباتی لڑکی ہو۔ ابھی تم نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ اپنی بساط سے بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے کے نتیجے میں تم بہت جلد ماردی جاؤگی۔ اوور۔"

"اس اطلاع کا شکریہ" ویرا نے میرا اشارہ دیکھ کر تلخی سے اپنی بات جاری رکھی "تمہارا دوست آگیا ہے۔ چاہو تو اب ڈیبی سے بات کرسکتے ہو۔ اوور۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ وہ شروع ہی سے تمہارے ساتھ جڑا ہوا ہے" اس کی غراہٹ ابھری "اب مجھے اسی سے اصل بات کرنی پڑے گی۔ ایرپیس اسے دے دو۔ اوور۔"

"مجھ سے تم کیا بات کرنی چاہ رہے ہو؟" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں پوچھا "ہمارے درمیان بہت باتیں ہوچکی ہیں۔ اب ہم دونوں میں سے کسی ایک کو جانا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا انجام سامنے دیکھ کر تم کچھ خوف زدہ ہوگئے ہو۔ اس روز تم قبرستان سے نکل کر آبادی میں نہ گھُس گئے ہوتے تو کتے کی موت مارے جاتے۔ اوور۔"

"یہ تمہاری خوش فہمیاں ہیں۔ میرے خلاف تم نے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے لیکن ہر بار تم اپنا سر پیٹ کر رہ جاتے ہو' میرا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ تمہاری جگہ کوئی حیادار شخص ہوتا تو اپنی ان شرمناک ناکامیوں پر خودکشی کرچکا ہوتا۔ ماضی کے واقعات میں تمہارے لیے شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے' اوور۔"

"تقریر کرنے کے بجائے اصل مقصد پر آؤ۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ اوور۔"

"اخبارات میں میرے خلاف کس کے اشارے پر زہر اگلا گیا ہے؟ اوور۔"

"اشتہار چھپوا دو۔ جو بھی ہوگا' تمہارے سامنے آکر کھلے دل سے معافی مانگ لے گا۔ اوور۔"

"یہ سب تمہاری اور ویرا کی سازش معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایلس گومز تمہارے قبضے میں تھی۔ بیشتر کہانی اسی کی فراہم کی ہوئی معلوم ہورہی ہے' اوور۔"

"تم کہتے ہو تو ایسا ہی ہوگا۔ پھر اب کیا کیا جائے؟ اوور" میں نے سلگا دینے والے انداز میں پوچھا۔

"تم کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ میں تم کو چیونٹی کی طرح مسل دوں گا" وہ ایک دم ہی اپنے آپے سے باہر ہوگیا "تم اپنی ساری پولیس اور پیرا ملٹری فورسز کو اپنے ساتھ لے کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اب یہاں ایک بڑی تباہی نازل ہوگی اور اس کی ساری ذمے داری تمہارے سر ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے ایرپیس آف کرکے میز پر ڈال دیا اور سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

"یہ ایک شکست خوردہ شخص کی بے مقصد کال تھی" اول خان پُرخیال آواز میں بولا۔

"ہاں! اس کی باتیں بے ربط تھیں" میں نے کہا "آخری دھمکی بھی مایوسی کا نتیجہ معلوم ہورہی تھی۔"

"اس دھمکی کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا" اول خان پہلو بدل کر بولا "اپنی ناکامی پر جھنجلا کر وہ شہر میں کوئی بڑی تخریبی کارروائی بھی کرسکتا ہے۔ اس کے سدِباب کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا"

"وہ انتظامیہ کی ذمے داری ہے۔ تم ان لوگوں کو متوقع خطرے سے آگاہ کرسکتے ہو۔"

"میرے لیے اہم ترین بات یہ سامنے آئی ہے کہ راس المیڈا نے اپنی گفتگو میں ساگا کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔"

ویرا کے اس فقرے نے مجھے چونکا دیا۔ وہ تازہ ترین واقعہ تھا۔ اگر راس المیڈا کو اس کا علم ہوچکا ہوتا تو وہ کسی نہ کسی حوالے سے اس کا ذکر ضرور کرتا۔ مجھے ساگا کے پاس سے واپس آئے ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ساگا کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ راس المیڈا کو آگاہ کرسکتا تھا۔ "شاید ابھی تک ساگا اور راس المیڈا کا رابطہ نہیں ہوا ورنہ یہ ذکر ضرور آتا" میں نے کہا۔

"ایک اعتبار سے یہ اچھا ہی ہوا" اول خان بولا "راس المیڈا لاعلم ہے کہ اسے کسی اور سمت سے بھی گھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر ساگا ہاتھ آجاتا ہے تو ہم راس کی بے خبری میں اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"دوسرا امکان اتنا خوش گوار نہیں بلکہ پریشان کن ہے" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" دونوں کی زبانوں پر بیک وقت وہی ایک سوال آیا تھا۔

"ساگا نے مہلت ملنے کے باوجود اپنے آقا کو میری آمد کی اطلاع نہیں دی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے راس المیڈا سے رابطے کے ذریعے کا سرے سے علم نہ ہو۔ مدد یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے پاس راس المیڈا کی کمین گاہ کا فون نمبر ہی نہ ہو۔ ضرورت پڑنے پر راس المیڈا ہی اسے فون کرتا ہو" میں نے کہا۔

"باتوں میں وہ قصہ رہ ہی گیا۔ تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم نے ساگا کا کھوج کیسے نکالا اور پھر تمہارے ساتھ وہاں کیا واقعات پیش آئے۔" اول خان نے چونک کر کہا۔

"ایک منٹ!" میرے بولنے سے پہلے غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا "وہ قصہ چل پڑا تو میری بات ذہن سے نکل جائے گی۔ ہم نے راس کی لاعلمی کے بارے میں دو مفروضہ نکتے سوچ لیے ہیں۔ ان کے درمیان بھی ایک صورت ہوسکتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ چھمیا کی چلائی ہوئی گولی نے ساگا کو اس بری طرح زخمی کیا ہو کہ اسے راس المیڈا کو خبر دینے کا ہوش ہی نہ رہا ہو اور اسے عجلت میں اسپتال وغیرہ منتقل کردیا گیا ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" ویرا نے تعریفی لہجے میں اس کی تائید کی۔ "تمہاری اس بات سے یہ امکان بھی نظر آرہا ہے کہ کہیں چھمیا کی گولی ساگا کے لیے جان لیوا ثابت نہ ہوئی ہو۔ وہ مرگیا تو ڈیبی کی ساری دوڑ دھوپ رائگاں جائے گی۔ ہمارے سامنے صرف ڈیرے دار اور راس کی بیٹی رہ جائے گی۔"

"وہ دونوں ہمارے لیے بالکل بے کار ہیں" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ غزالہ اور ویرا کے اٹھائے ہوئے نکات نے مجھے ذہنی الجھن میں مبتلا کردیا تھا۔

"میں اس وقت بہت سی باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ تم اپنا قصہ سناؤ" اول خان نے مجھے ٹوکا۔

میں نے بہت اختصار کے ساتھ اول خان کو سب کچھ بتادیا۔ اس نے بہت سے سوالات کیے اور پوری کہانی سمجھ لینے کے بعد بولا۔ "میں تو جہانگیر کو بالکل ہی نکما اور بودا سمجھتا تھا لیکن وہ بہت کام کا آدمی نکلا۔ حیرت ہے کہ برسوں بعد بھی اسے ساگا کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل تھیں۔"

"وہ یہی رو رہا تھا کہ گارمنٹس فیکٹری ختم ہوجانے سے اس کا ایک ٹھکانا اجڑ گیا" میں نے کہا "وہ باقاعدگی سے دفتر جاتا رہتا تھا تو اس کے اچھے برے لوگوں سے فون پر رابطہ ضرور رکھتا تھا۔ اب وہ ہر ایک سے تقریباً کٹ کر رہ گیا ہے اور ہماری طرح روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔"

"یہ برا دَور بھی جلد ہی ختم ہوجائے گا" اول خان نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"ہماری آزادی کا دَور شروع ہونے سے پہلے ویرا یہاں سے جاچکی ہوگی۔" غزالہ بولی۔

"مجبوری ہے۔" ویرا اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے بولی۔ "ورنہ میری خواہش تھی کہ میں راس المیڈا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ اس بار وہ مجھے بچتا ہوا نظر نہیں آرہا۔"

فون کی گھنٹی بجی اور اول خان نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف کی آواز سن کر اس نے دھیمی آواز میں کچھ کہا۔ پھر خاموشی سے فون کرنے والے کی بات سنتا رہا۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ فون اسی کے آدمیوں کا تھا۔ اول خان کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ پاکر مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ ساگا غائب ہوچکا تھا۔

"ساگا کی کمین گاہ مقفل ہے۔" اول خان نے ٹیلی فون پر اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد ہمیں آگاہ کیا "اندر کسی ذی روح کا وجود نہیں ہے لیکن ڈرائنگ روم کے قالین پر تازہ خون کا ایک بڑا سا داغ نمایاں ہے۔ شاید غزالہ کا اندازہ درست ہے کہ لڑکی کی چلائی ہوئی گولی نے ساگا کو بہت زیادہ زخمی کردیا ہے۔"

"لیکن وہ سب کہاں غائب ہوگئے؟ اگر وہاں ساگا کی لاش نہیں ہے تو اسے کسی قریبی اسپتال میں ہونا چاہیے۔ گولی کے زخم سے اتنا خون بہہ جانے کے بعد کوئی احمق بھی اسے گھر میں نہیں چھپائے گا۔"

"اسی سمت میں کام ہورہا ہے۔ ایدھی کی ایمبولینس اس گھر میں آئی تھی جس کی وجہ سے خاصے لوگوں کی توجہ ادھر مبذول ہوگئی تھی۔ ایمبولینس ایک زخمی کو لے کر چلی گئی۔ چند منٹ بعد ہی وہاں سے ایک کار میں دو عورتیں بدحواسی کے عالم میں کہیں روانہ ہوگئیں۔ جوان عورت کار چلا رہی تھی۔ دوسری اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ دہشت سے دونوں عورتوں کے چہرے زرد پڑے ہوئے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے آدمیوں کی رپورٹ ادھوری ہے۔ ابھی تلاش جاری ہے۔" ویرا بولی۔

اول خان کی دہرائی ہوئی باتیں میرے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ میں چھمیا کے فائر کرتے ہی ساگا کی کمین گاہ سے فرار ہوگیا۔ علاقے میں رہنے والوں نے اپنے قرب وجوار میں وقفے وقفے سے تین فائروں کی آوازیں سنیں لیکن سمت یا مقام کا تعین نہیں کرسکے۔ چھمیا یا زمرد کے فون پر ایمبولینس آئی تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ فائرنگ اسی گھر میں ہوئی تھی۔

ساگا کے زخمی ہوجانے پر دونوں عورتیں بدحواس تھیں۔ انہوں نے ساگا کو ملازم کے ساتھ ایمبولینس میں روانہ کردیا۔ انہوں نے یقیناً یہی کہا ہوگا کہ وہ اپنی گاڑی میں اسپتال پہنچیں گی مگر مجھے اس میں شبہ تھا۔

ساگا میرے ہاتھوں نہیں' چھمیا کی چلائی ہوئی گولی سے زخمی

ہوا تھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ وہ جانتی رہی ہوگی کہ اس نے اسپتال کا رخ کیا تو پہلے میڈیکو لیگل عملہ اور پھر پولیس کڑی جرح کرے گی اور وہ پھنس جائے گی۔

ویسے تو اخلاقی جرائم کے ہر اڈے کو اپنے علاقے کی پولیس کے بعض بدعنوان اہل کاروں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے لیکن جب یہی لوگ کسی سنگین جرم میں ملوث ہوجائیں تو ان کے وردی پوش آشنا ان سے آنکھیں بدل لیتے ہیں اور تھانوں میں بہت بے رحمانہ سلوک کرتے ہیں۔ پولیس اپنی تفتیش کے دوران میں مشتبہ ملزموں پر تشدد ضرور کرتی ہے مگر اس میں ملزموں کے طبقاتی فرق کو بڑی حد تک ملحوظ رکھتی ہے۔ جن کا تعلق ہی اخلاقی جرائم کے کسی اڈے سے ہو' ان کے ساتھ ایسی کسی رُورعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آثار بتا رہے تھے کہ اس وقت ساگا سول یا جناح اسپتال میں پڑا طبّی امداد کا انتظار کررہا ہوگا۔ اس کی داشتہ اپنی ماں سمیت اپنے پرانے ٹھکانے پر روپوش ہوگئی ہوگی جہاں چاروں طرف ان دونوں کے ہم نفس' ہمدرد اور مددگار بسے ہوئے تھے۔ میرے لیے عورتیں بے وقعت تھیں۔ اس وقت ساگا پورے کھیل کا کلیدی کردار تھا۔

ویرا اور اول خان میں باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے اپنا تجزیہ مکمل کرکے ان کی گفتگو میں دخل دیا تو اول خان نے بتایا کہ شہر کے وہی دو سرکاری اسپتال اس کے آدمیوں کی نظروں میں تھے جو میرے ذہن میں آئے تھے۔

"ساگا اس وقت ایک میڈیکو لیگل کیس ہے۔ تمہارے آدمی شاید اسے آسانی سے اپنی تحویل میں نہ لے سکیں۔"

اس کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم بکھر گیا۔ اس نے کہا "یہ بات تم میرے بارے میں کہتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ میں اسپتال جاؤں تو واقعی ضابطے اور طریقے کے چکروں میں پھنس کر رہ جاؤں گا۔ فیلڈ میں رہ کر کام کرنے والے فورس کے آدمی اس ہنر میں طاق ہیں۔ وہ اپنے بڑوں کے جاہ و جلال کا ہوّا دکھا کر ہر کام نکال لیتے ہیں۔"

"انہوں نے ساگا کو تلاش اور پھر حاصل کرلیا تو کہاں لے جائیں گے؟"

"اسٹیشن فوری لے جانا ہوگا کیوں کہ شہر میں ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"تم بھول رہے ہو۔ نادرہ کا مکان ابھی تک خالی پڑا ہوا ہے۔ سخی مراد کو وہیں رکھا گیا تھا۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔" وہ خوش ہو کر بولا "ساگا تک پہنچنے کے بعد وہ لوگ اسپتال سے مجھے فون کریں گے تو میں انہیں نئی ہدایات دے دوں گا۔ ان میں سے ایک آدمی سخی مراد کے ساتھ نادرہ کے گھر پر رہ چکا ہے۔"

"وہ بے چاری تو ایسی غائب ہوئی ہے کہ اب فون بھی نہیں کرتی۔" غزالہ بولی۔

"ڈینی نے اس کی کسی کال کا جواب نہیں دیا۔ اب وہ کس لیے فون کرے گی؟" ویرا نے کہا۔

"وہ ایک اچھی مگر ستم رسیدہ عورت تھی۔ گیری ہارٹ اور حیف ملر کو شاید اسی کی بددعائیں لے ڈوبیں ورنہ وہ کبھی بھی ایسے الم ناک انجام سے دوچار نہ ہوتے۔ راس المیڈا نے ان کی ساری عمر کی کارکردگی پر پل بھر میں سیاہی پھیر دی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک وہ مارے جا چکے ہوں۔" اول خان نے رائے ظاہر کی۔

"یہ حیرت کی بات ہے کہ شہر کی ہر اچھی اور مظلوم عورت ڈینی سے ضرور ٹکراتی ہے۔" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر استہزائیہ انداز میں کہا "ڈینی کوئی زنانہ یتیم خانہ کھول لے تو وہ بہت چلے گا۔"

وہ تینوں ہی مل کر ہنسنے لگے۔ میرے پاس ویرا کی ان بے سروپا باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ان کی ہنسی میں شریک ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی فاتحانہ شان سے لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی جیب سے بیم گن نکال کر میرے حوالے کردی اور اپنے دونوں کان پکڑ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "توبہ' میرے باپ کی توبہ جواَب تم سے پوچھے بغیر کبھی بیم گن کو ہاتھ لگاؤں۔ گاڑی کو بھی اسی دن اٹھنا تھا جب میں بیم گن اس میں رکھ کر بھول گیا تھا۔"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر گرا لیا "اچھا ہوا کہ تم چلے گئے اور گاڑی مل گئی ورنہ ہم اس وقت بھی کوفت میں مبتلا رہتے۔ آدمی سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ بیم گن چلی جاتی تو چند روز کے بعد ہمیں خود بہ خود صبر آجاتا۔ یہ ہتھیار ہمیشہ سے تو میرے پاس نہیں تھا۔ اس کے بغیر بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔"

"رات تم دیر سے آئے' صبح ڈینی کی گم شدگی کا مسئلہ کھڑا ہوگیا پھر گاڑی کی تلاش کا سلسلہ چل پڑا" ویرا نے دلچسپی کے ساتھ سلطان شاہ سے کہا "تم نے اپنے دوستوں یا رشتے داروں سے ملاقات کی تفصیل ہی نہیں سنائی۔"

"یہاں کسی کو میری کوئی بات سننے کی فرصت نہیں ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں وہاں سے خاصی گرما گرم خبریں لایا ہوں۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا "مجھے ایک ایسے آدمی کا پتا چلا ہے جو بولتے ہوئے اپنے دونوں کان ہلاتا ہے۔"

اس وقت تک ساگا کے بارے میں ہونے والی کم و بیش ساری باتیں سلطان شاہ کے علم میں تھیں مگر ساگا کے کان ہلنے والی بات سے وہ بے خبر تھا کیوں کہ ساگا کے اس عیب یا خوبی کا تذکرہ میرے اور جہانگیر کے درمیان ہوا تھا۔ اس بات سے کوئی بھی باخبر نہیں تھا۔

"تمہارے دوستوں نے آدمی نہیں' خچر یا گدھا دیکھ لیا ہوگا۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا "وہی دونوں جانور رینکتے ہوئے اپنے کانوں کو ہر طرف ہلاتے رہتے ہیں تاکہ اپنی آواز کے سوز و گداز سے خود بھی لطف اندوز ہوتے رہیں۔"

اول خان کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ سلطان شاہ کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر میں نے ویرا کو گھورا اور کہا "اس وقت تم نے نری جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ سلطان شاہ کی ہر بات ہی بے مغز اور لغو نہیں ہوتی۔"

"تو پھر تم میں سے کوئی مجھے اپنے کان ہلا کر دکھائے!" وہ سینہ تان کر غرائی "میں مان لوں گی کہ سلطان شاہ بے پر کی نہیں ہانک رہا' اس کی بات میں کوئی نہ کوئی وزن ہے۔"

"بک بک مت کرو۔" مجھے غصہ آگیا "تم ایک احمقانہ مطالبہ کررہی ہو۔"

میرے لہجے کی تیزی پر اول خان کی ہنسی یک بہ یک تھم گئی۔ ویرا نے تحمل سے کام لینے کے بجائے جارحانہ تیوروں کے ساتھ کہا "تم پورے شہر میں ایسا آدمی ڈھونڈ کر دکھا دو جو بولتے ہوئے اپنے کان ہلاتا ہے تو میں...... مم...... میں امریکا جانے کا ارادہ ترک کردوں گی۔" اس نے اپنی گفتگو کے دوران میں ہکلاتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے کسی جان دار شرط کے بارے میں سوچا اور پھر بات مکمل کردی۔

ویرا کی شرط سنتے ہی میرا دل خوش ہوگیا۔ سلطان شاہ کی بات پر اُس نے خود ہی بدمزگی پھیلائی تھی اور پھر خود ہی ایک مضبوط ٹریپ میں پھنس گئی تھی۔

"پھر تم اپنے سفری کاغذات ضائع کردو۔" میں نے اپنی خوشی کا اظہار کیے بغیر خشک لہجے میں کہا "ساگا جب بات کرتا ہے تو اس کے دونوں کان خود بہ خود ہلنے لگتے ہیں۔ جہانگیر کو اس کا نام یاد نہیں آیا تھا۔ اُس نے اسی خوبی یا خامی کے حوالے سے ساگا کو پہچان کر اپنی معلومات کا اظہار کیا تھا۔ گئے دنوں میں اس کے بے تکلف ساتھی اسے ڈنہل سگریٹ کے وزن پر کنہل کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ پرنس ساگا ہی کہلانے لگا۔"

میرے اس انکشاف پر سب حیران رہ گئے۔ ویرا کا چہرہ اتر گیا اور وہ کمزور آواز میں بولی "میں نہیں مان سکتی۔ تم میرے ساتھ مذاق کررہے ہو۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ وہ پکڑا جائے گا تو تم خود دیکھ لوگی کہ وہ کوئی خچر یا گدھا نہیں بلکہ ساگا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنے چہرے کے عضلات میں کسی پیدائشی نقص کی وجہ سے بولتے ہوئے اس کے کان ہلتے ہیں۔ تم جوش میں آکر شرط ہار چکی ہو۔"

"حیرت ہے کہ جو کام ہم سب اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود نہیں کرسکے' وہ ساگا کے ذکر نے کر دکھایا ہے۔" غزالہ نے اس دلچسپ موڑ پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بلاوجہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا ناگواری سے بولی۔ "ڈینی پیشہ ور جواری کی طرح اندھی چال چلنے کا عادی ہے۔ میں ثبوت سامنے آنے تک اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرسکتی۔ اگر ڈینی سچا ہے تب بھی یہ نہ بھولو کہ اس وقت ساگا شدید زخمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے سامنے آنے سے پہلے ہی وہ جہنم واصل ہو جائے اور ہم میں سے کوئی بھی اس کے ہلتے ہوئے کانوں کو نہ دیکھ سکے۔"

"اپنی ذرا سی سرخروئی کے لیے ہمیں اتنی بڑی بددعا نہ دو۔" اول خان کراہا "راس المیڈا کے خلاف اس وقت ساگا ہی ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ وہ ہمارے ہاتھ آنے سے پہلے مر مرا گیا تو بڑا نقصان ہوگا۔"

"یہ حشر ہوتا ہے میری بات کا!" سلطان شاہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولا "گدھوں اور خچروں کے ذکر میں میری بات ادھوری رہ گئی تو اب کسی کو فکر ہی نہیں ہے کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"ہاں۔ تم کان ہلانے والے کی بات کررہے تھے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"میرے جاننے والوں میں سے کئی لوگ کان ہلانے والے سے مل چکے ہیں۔ انہیں ساگا سے ملوانے والا شخص بنارس چوک پر رہتا ہے۔ آج کل اسے ایسے نیم تعلیم یافتہ لڑکوں کی تلاش ہے جو مفت میں یورپ اور امریکا سیر کرنے کے شوقین ہوں۔ ایسے لڑکوں کو ہر پھیرے کے لیے دس ہزار روپے معاوضہ دیا جائے گا۔"

"منشیات کی اسمگلنگ کا یہ بہت فرسودہ اور روایتی طریقہ ہے۔" میں نے کہا "تو کیا اب اس بارے میں اس قدر کھل کر کام ہونے لگا ہے کہ ہر شخص کو ان باتوں کا پتا ہے؟"

"سارا کام بہت رازداری سے ہو رہا ہے۔ پہلے بنارس چوک والا لڑکوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ گنے چنے لڑکوں کو کان ہلانے والے سے ملایا جاتا ہے جو اپنے اطمینان کے بعد شرائط طے کرتا ہے۔ ساری باتیں محدود حلقوں کے سینہ گزٹ میں چل رہی ہیں۔ مجھے تو اتفاقاً ہی یہ سب معلوم ہوگیا۔ میرے دوستوں کو معلوم ہے کہ میں نے ٹرانسپورٹ کی لائن چھوڑنے کے بعد کافی دن یورپ میں گزارے ہیں۔ وہ مجھ سے وہاں کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے اور یوں بات سے بات کھلتی چلی گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اسی کا نام ساگا ہے۔ لڑکوں میں وہ باس کے نام سے مشہور ہے۔"

"عجیب اتفاق ہے کہ کل تم کو جہانگیر سے ساگا کے بارے میں معلوم ہوا اور کل ہی سلطان شاہ کو اپنے دوستوں سے اس کے متعلق پتا چلا۔" اول خان بولا "ویسے ہم اسے ڈھونڈتے رہتے تو مہینوں بھی شہر میں اس کا کھوج نہیں ملتا۔ بعض اوقات ایسے اتفاقات کمال دکھا جاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اول خان اٹھا اور باتھ روم استعمال کرنے کے لیے سلطان شاہ کے کمرے میں چلا گیا۔

اسے گئے ہوئے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا سے پہلے میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے اول خان کا آدمی بول رہا تھا۔ میری آواز سن کر وہ چونکا تھا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔ تمہارا چیف باتھ روم میں ہے۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"تمہارا مطلوبہ آدمی سول اسپتال میں لاوارث پڑا ہوا ہے۔ اسے ایک منحنی سا برمی شخص ایمبولینس میں لایا تھا۔ اس نے کہا کہ اس کی مالکنیں اپنی گاڑی میں اسپتال پہنچنے والی تھیں۔ کافی دیر تک کوئی نہیں آیا تو وہ منحنی شخص بھی غائب ہوگیا۔ ساگا سخت تکلیف میں ہے۔ ایک گولی اس کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچاتی ہوئی کمر میں گھسی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ گولی نہ نکالی گئی تو زخم ریڑھ کی ہڈی کو زیادہ نقصان پہنچائے گا۔"

"ساگا تمہاری تحویل میں ہے یا اسپتال والوں کے قبضے میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہوچکا ہے۔ گولی نکالنے کے بعد بھی اسے کئی روز اسپتال میں رہنا ہوگا۔ ہم لوگ اسے لے کر آئے تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ پولیس آچکی ہے لیکن ہم نے انہیں الگ رہنے پر آمادہ کرلیا ہے۔"

"پولیس والوں کو بتادو کہ نیپیئر روڈ کی چھمیا اور ڈیرے دارنی کو تلاش کرکے ساگا کے بارے میں باز پُرس کریں۔ ڈاکٹروں سے کہو کہ تم اپنے طور پر اس کا آپریشن کراؤ گے اور اسے اٹھا لاؤ۔ وہ خطرناک مجرم ہے۔"

"بہت بہتر جناب' ایسا ہی ہوگا۔ اسے ایک گھنٹے کے اندر اندر اسٹیشن فور پہنچا دیا جائے گا۔

"نہیں' اسے مقبول آباد کے ویران مکان میں لے جاؤ۔ ہم وہیں پہنچتے ہیں۔"

"میں اس مکان سے واقف نہیں ہوں۔" اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری۔

"تم تینوں میں سے کوئی ایک اس مکان میں رہ چکا ہے۔ چند روز پہلے بھی ایک قیدی وہاں رکھا گیا تھا۔"

اسی وقت اول خان آگیا۔ اس کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہارا آدمی ہے۔ میں ہدایات دے چکا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کون بول رہا ہے؟" اول خان نے ماؤتھ پیس میں دبنگ آواز میں پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" اپنے آدمی کی بات سن کر اس نے کہا "وہی کرو جو ڈینی نے بتایا ہے۔ اس پر عمل کرنے میں تمہیں کوئی دشواری تو نہیں ہوگی؟"

"بس ہم آدھے گھنٹے میں وہاں آرہے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد اول خان نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

"اب بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کہا ہے؟" فون بند کرنے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

اول خان کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ گولی نے ساگا کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچا کر مفلوج کردیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ مزاحمت یا فرار کی کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

واقعات اور مذاکرات سے غزالہ نے ہماری روانگی کا اندازہ لگالیا تھا۔ ویسے بھی اول خان کو وہاں آئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ غزالہ نے آملیٹ اور پچھلے دن کا بچا ہوا سالن وغیرہ یک جا کرکے کھانے کی میز لگادی۔

میز پر اول خان نے میرے ساتھ جاکر ساگا سے باز پُرس کرنے کا ارادہ کیا تو ویرا بول اٹھی "میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے ہلتے ہوئے کان نہ دیکھے تو شرط منسوخ سمجھو۔"

"پھر تو مجھے بھی جانا ہوگا۔" سلطان شاہ نے لقمہ نگل کر کہا۔ "شرط میری لائی ہوئی خبر پر لگائی گئی ہے۔"

"پھر تم لوگ ہی چلے جاؤ۔ میں گھر پر آرام کروں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" ویرا اطمینان سے بولی "بازارِ حسن کی سیر کے بعد تم کو آرام کی ضرورت ہے۔ اپنے حصے کی ساری بھاگ دوڑ تم نے صبح صبح ہی پوری کرلی ہے۔ اب ہمیں بھی گھر سے نکلنا چاہیے۔"

تھوڑی سی تلخی اور نوک جھوک کے بعد سلطان شاہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہوگیا۔ طے یہ پایا کہ ہم دونوں کے ساتھ ویرا بھی ساگا کی زیارت کے لیے جائے گی تاکہ اپنی آنکھوں سے اس کے کانوں کا مشاہدہ کرسکے۔

سول اسپتال سے مقبول آباد کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم سب ہی ساگا کے معاملے کو جلد از جلد نمٹانے کے خواہاں تھے تاکہ شام ہونے تک راس المیڈا کے خلاف کسی بھرپور کارروائی کا فیصلہ کیا جاسکے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے بھی کافی وقت گزر گیا۔ ہم تینوں گھر سے نکلے تو ڈھائی بج رہے تھے۔

ہم تینوں نے سفر کے لیے اول خان کی جیپ کا انتخاب کیا تھا۔ راستے میں مَیں نے کہا "ساگا بہت سخت جان آدمی ہے۔ ہم آسانی سے اس کی زبان نہیں کھلوا سکیں گے۔"

"اس کی محبوبہ نے اسے زخمی کرکے ہمارا کام شاید آسان کردیا ہو۔" اول خان نے کہا "ریڑھ کی ہڈی زخمی ہونے کے بعد وہ عمر بھر کی معذوری کی دہلیز پر پہنچ چکا ہے۔ اس زخم نے اُس کے خاصے کس بل نکال دیے ہوں گے۔"

"باز پرس کے بعد اس کا کیا انجام سوچا ہے تم نے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میں بے مقصد خون ریزی کا قائل نہیں ہوں لیکن جو لوگ معاشرے پر بوجھ اور دوسروں کی زندگیوں کے لیے خطرہ بن گئے ہوں' انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" اول خان نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"وہ مار دیا گیا تو اسے لوگ جلد ہی بھول جائیں گے۔ معذوری کی حالت میں زندہ رہ کر وہ عمر بھر دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنا رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا زخم بگاڑ کے اسے کہیں پھینک دیا جائے۔"

"تاکہ وہ زندگی بھر اپنے ہمدردوں کو ہمارے ظلم و ستم کی کہانیاں سناتا رہے۔" میں نے طنز سے کہا۔

"یہ بھی ایک نکتہ ہے۔" ویرا فوراً ہی قائل ہوگئی "ہمیں اپنے تحفظ کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔"

تھوڑی ہی دیر میں ہم شارع فیصل سے داہنی طرف کے سروس روڈ پر اتر کر نادرہ کے غیر آباد مکان کی طرف جارہے تھے۔ اس پتلی سی سڑک پر دو طرفہ ٹریفک اور بے تکی پارکنگ کی وجہ سے چھوٹے سے حصے میں ہماری رفتار بہت کم رہی۔ اس بھیڑ سے نکلتے ہی ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

اول خان کے آدمی اس کی گاڑی ہی کو نہیں' گاڑی کے انجن کی آواز کو بھی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ گاڑی پہنچنے سے پہلے پھاٹک کھول دیا گیا تھا۔ اول خان اپنی جیپ کو پارکنگ کے لیے مکان کے بغلی راستے پر دور تک لیتا چلا گیا۔

"سر! قیدی بہت گھبرایا ہوا ہے۔" جیپ سے اترتے ہی دوسرے آدمی نے ایک اوٹ سے نمودار ہوکر اول خان کو رپورٹ دی۔

"ہم نے تشدد اور کاٹ پیٹ کے آلے جمع کرکے اس کا مورال بہت ڈاؤن کیا ہوا ہے۔"

"شاباش!" اول خان نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا اور ہم تینوں عمارت کی طرف بڑھ گئے۔

ساگا ہمارا بے ضرر قیدی تھا اس لیے تیسرا آدمی ہمیں تہ خانے کی سیڑھیوں پر ملا اور اول خان نے اسے وہیں سے تازہ ہوا کھانے کے لیے باہر بھیج دیا۔ تہ خانے میں سے ساگا کی ہلکی ہلکی کرب ناک آوازیں آرہی تھیں۔

وہ اسی بستر پر چت پڑا ہوا تھا' جس پر پہلے حیف طرا اور پھر سخی مراد نے کچھ وقت گزارا تھا۔ ہم نے ان دونوں قیدیوں کو زندہ رخصت کیا تھا مگر ان کا انجام بخیر نہیں ہوسکا۔ حیف طرا' راس المیڈا کے عتاب کا نشانہ بن کر زبردستی امریکا بھیج دیا گیا' سخی مراد کو راس المیڈا کے آدمیوں نے بموں سے اُڑا دیا۔

قدموں کی چاپ پر ساگا نے اپنی گردن کو خفیف سا گھما کر ہمیں دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا۔ شاید گردن کو زیادہ گھمانا اس کے بس سے باہر تھا کیوں کہ ریڑھ کی ہڈی میں نیچے سے اوپر تک مہرے بہت مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک مہرے کی جنبش پوری ہڈی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

"کون ہے؟" وہ ہمارے قریب پہنچنے کا انتظار کیے بغیر ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔

"ڈینی کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟" میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تم...... تم کیوں میری جان کا روگ بن گئے ہو؟" نگاہیں چار ہونے پر وہ رو دینے والی آواز میں بولا "تم چلے جاؤ۔ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں عمر بھر تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گا۔"

صبح کی ضربات سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔

"میں تمہارے سامنے ہوں۔ مجھے پکڑو اور راس المیڈا کے پاس جاؤ۔" میں نے اس کے سامنے پہلی بار راس المیڈا کا نام لے کر سفاکانہ لہجے میں کہا "میں تمہاری لاٹری ہوں۔ دولت' طاقت اور اقتدار کی لاٹری۔ وہ یہودی دہشت گرد جو آج دو طلائی سکّوں پر نقرئی آنکھیں لیے پھرتا ہے' اسی سے مدد مانگو...... وہ تمہیں آئی مین بنانے والا ہے۔ میں صبح بھی نہتّا تھا اور اس وقت بھی خالی ہاتھ یہاں آیا ہوں۔ ہوسکے تو میرا کچھ بگاڑ لو۔"

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ مجھ سے نظریں چرا کر چھت کے آہنی کنڈے سے جھولتی ہوئی میلی رسی کو دیکھنے لگا پھر بولا "مجھے معاف کردو...... خدا کے لیے مجھے معاف کردو! صبح میں نے تم پر دو گولیاں چلائی تھیں' قدرت نے مجھے خود ہی سزا دے دی۔"

"قدرت کا نام مت لو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں کہا "تمہیں یہ سزا چھمیا نے دی ہے۔ میرا حساب باقی ہے۔"

اول خان میز پر سے دُہری دھار والا خنجر لے کر اُس پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ ویرا ابتدا سے تحیر زدہ نظروں سے ساگا کے ہلتے ہوئے کانوں کو گھورے جارہی تھی۔ لبوں کی جنبش کے ساتھ اس کے کان اوپر نیچے ہل رہے تھے۔

"تمہاری بچت کی صرف ایک ہی صورت ہے۔" اول خان اپنا وزنی جوتا بستر پر رکھ کر ساگا پر جھک گیا۔ اس نے خنجر کی نوک ساگا کے نرخرے پر ٹکادی تھی اور کہہ رہا تھا "اپنے سُپر آئی مین کا پتا بتادو۔ راس المیڈا مل جائے گا تو تمہاری جان چھوٹ جائے گی ورنہ سب سے پہلے تمہارے ہلتے ہوئے کان کاٹ ڈالے جائیں گے پھر باری باری دوسرے اعضا الگ کرکے چیل کوّوں کو ڈالے جاتے رہیں گے۔ تمہارے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔ بستر پر پڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ اس نے اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ اس کے مرجھائے ہوئے بند پپوٹوں کے نیچے پتلیوں کی حرکت صاف نظر آرہی تھی۔ وہ یقیناً کسی گہری سوچ میں تھا۔

چند سیکنڈ یوں ہی گزر گئے۔ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اول خان نے داہنے ہاتھ سے اس کے بال جکڑ کر اس کی گردن کو کئی جھٹکے دیے۔ اس کی چیخیں نکل گئیں۔

اس کی آنکھیں کھل کر پھیل گئی تھیں' چہرہ تاریک ہوکر پسینوں میں نہا گیا تھا۔

"میں...... میں نہیں جانتا...... میں کسی راس المیڈا کو نہیں جانتا۔" وہ ہانپتے ہوئے رک رک کر بولا۔

اس کھلے جھوٹ پر میرا خون کھول اٹھا اور میں نے سرہانے

جاکر اُس کے جبڑے پر ایک مکا جڑ دیا۔
دانت ٹوٹنے کی آوازوں کے ساتھ ہی اس کے دہانے کے ایک گوشے سے خون بہہ نکلا پھر اس نے گردن ہلائے بغیر ٹوٹے ہوئے دانت اپنے سینے پر تھوکنے شروع کر دیئے۔ میرا مکا کھانے پر اس کے حلق سے غیر ارادی غراہٹ ضرور نکلی تھی مگر وہ چیخا نہیں تھا۔ اسے اصل تکلیف ایسی جنبشوں سے ہو رہی تھی جن سے ریڑھ کی ہڈی پر زور پڑتا ہو۔

"اسے چھت سے الٹا لٹکانے کا بندوبست کرو۔" میں نے اول خان سے کہا "اور لٹکا کر اسے اس وقت تک جھلاتے رہو جب تک یہ ہر بات نہ اگل دے۔ آج میں اس کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک ایک مہرہ توڑ دوں گا۔"

"ٹھہرو!" اچانک ویرا سرد آواز میں بولی اور میں چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"تشدد سے پہلے مجھے اس سے بات کرنے دو۔" وہ کہہ رہی تھی "ہو سکتا ہے کہ یہ میری بات سمجھ سکے۔"

ساگا نے اپنی آنکھوں کی پتلیاں گھما کر خاموشی سے ویرا کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہا۔

میں اول خان کا ہاتھ تھام کر چند قدم پیچھے سرک گیا تاکہ ساگا ہمیں نہ دیکھ سکے۔

"راس الیڈا کو تم کتنے عرصے سے جانتے ہو؟" چند ثانیوں بعد ویرا نے پوچھا۔

"تین چار مہینے سے!" ساگا کسی سحر زدہ معمول کی طرح مشینی انداز میں بول پڑا۔ اس کی وہ تبدیلی میرے لیے حیران کن تھی۔ ویرا نے اس کے ساتھ نرمی برتنے کا جو نفسیاتی فیصلہ کیا تھا' وہ کامیاب رہا تھا۔

"اور میں اسے برسوں سے جانتی ہوں...... اگر تم بھی شی میں رہے ہو تو تم نے میرا نام ضرور سنا ہو گا۔ میں ویرا ہوں اور بھی بلیک کوئن کہلاتی تھی۔ تمہیں میری بات کا اعتبار کرنا چاہیے کہ راس الیڈا بہت خود غرض اور موذی ہے۔"

"تت...... تو...... تم ویرا ہو!" وہ ہکلایا۔ اذیت سے اس کی آواز کے جذباتی نشیب و فراز معدوم ہو چکے تھے لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ ویرا کے بارے میں جان کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان میں شاید مارون تمہارے سامنے مارا گیا تھا۔ وہ برسوں سے راس الیڈا کا چہیتا تھا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ یہی کرتا ہے۔ بڑے بڑے لالچ دے کر اپنے کام لیتا ہے اور افادیت ختم ہوتے ہی مار ڈالتا ہے۔ سلور آئی دینے کا وعدہ کر کے وہ تمہارے ساتھ بھی کھیل کھیل رہا ہے کیوں کہ اسے ڈیبی کی ضرورت ہے۔"

"مارون نے نشے میں اسے باسٹرڈ کہا تھا۔" ساگا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "یہ بدترین غلطی تھی اس کی۔ میں اس کے لیے کچھ اور ہی کر رہا ہوں۔ ڈیبی کی بات بعد میں آئی ہے۔"

"یہ اس کی مکاری ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہیروئن کی خریداری اور اسمگلنگ کے لیے وہ تم سے مل بیٹھا تھا۔ یہ تمہیں پھانسنے کا ایک بہانہ تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بنارس کالونی کا نجیب خان تمہارے لیے کیریئر تلاش کرتا ہے اور تم دس ہزار روپے معاوضے اور مفت کی سیر کے بہانے سے نوجوان لڑکوں کے ذریعے ہیروئن باہر اسمگل کر رہے ہو۔"

"تم بہت کچھ جانتی ہو۔ میرا اور اس کا اصل معاہدہ یہی ہے۔" وہ ویرا کے سامنے بالکل موم ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں ڈیبی سے بہت زیادہ باخبر ہوں۔ تمہیں راس الیڈا کے انتقام سے دہشت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جمی لائیڈ کو قتل کر کے ایک سازش سے سپر آئی مین بنا ہے۔ اسے مار لوں گی تو میں اس کی جگہ لے لوں گی۔ میرا وعدہ ہے کہ وہ دن آیا تو تم وھیل چیئر پر بھی میرے قریبی ساتھیوں میں شامل ہو گے۔"

"اسے...... اسے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔" وہ اپنے دہانے میں جمع ہو جانے والا خون تھوک کر بولا۔

"تم صرف اس کا پتا بتا دو۔ کل کا سورج نکلنے سے پہلے اس کی لاش تمہارے سامنے ہو گی۔ تم عورت کے انتقام سے واقف نہیں ہو۔ وہ درندگی پر اترتی ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ میرے وجود میں اپنے باپ کے خون کا انتقام ایک الاؤ بن کر دہک رہا ہے۔ اسے سرد کیے بغیر مجھے چین نہیں مل سکے گا۔"

"نادیہ کہاں ہے؟" وہ ویرا سے اچانک ہی ایک غیر متعلق سوال کر بیٹھا "وہ اسپتال میں بھی نہیں آئی تھی۔"

"تم نے اسے لاکھ نادیہ بنانا چاہا لیکن اندر سے وہ چھمیا ہی ہے۔ تمہیں اسپتال بھیجنے کے بعد گرفتاری کے ڈر سے اپنے پرانے محلے میں جا چھپی ہے۔ بازاری عورت کبھی کسی کی نہیں ہوتی۔ پیسہ اسپرنگ بن کر اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسپرنگ کمزور پڑتے ہی وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ وہ تمہاری خدمت کیوں کرے؟ تم معذور ہو گئے یا مر گئے تو اس کا کیا بنے گا؟ اس کی تو ابھی پوری پڑی ہوئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم چھمیا سے بھی مل چکی ہو۔" اس بار اُس نے بھی نادیہ کو چھمیا کہا تھا۔

"اسی نے بتایا تھا کہ ایمبولینس تمہیں سول اسپتال لے گئی ہے۔" ویرا نے سنجیدگی سے کہا پھر اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے بولی "تم نے ابھی تک راس الیڈا کا پتا نہیں بتایا۔"

"مجھے اس کا پتا نہیں معلوم۔" اس کی آواز یک بہ یک کمزور پڑ گئی۔

"کوئی فون نمبر' کوئی نشان' تمہیں کچھ نہ کچھ تو معلوم ہی ہو گا۔ تم اس سے رابطہ کیسے کرتے ہو؟"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے ڈیبی کو میرے اوپر تشدد کرنے سے کیوں روکا ہے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گردن ویرا کی طرف موڑنے کی غیر ارادی کوشش کی اور اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"تمہاری حالت پہلے ہی خراب ہے۔ مرتے ہوئے کو مارنا مردانگی نہیں ہوتی۔"

"مم...... میں تمہیں کیسا لگ رہا ہوں؟" سخت اذیت کے باوجود اس کے ذہن کی کوئی رگ پھڑک چکی تھی۔

"ڈراؤنے اور قابلِ رحم!" ویرا نے انجان بن کر معصومانہ سادگی سے کہا "تمہارا چہرہ بہت بگڑا ہوا ہے۔"

"ڈیبی اور اس کا ساتھی کہاں ہے؟" ساگا کو ایک دم ہم دونوں کا دھیان آگیا۔

ہم پہلے ہی اس کی نگاہوں کی رسائی سے دور تھے۔ ویرا نے اطمینان سے کہا "شاید وہ میری مداخلت پر ناراض ہو کر باہر چلے گئے ہیں۔ تم کو ان کی فکر کیوں ہو رہی ہے؟"

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں اور پھر جھک گئیں۔ ہم دونوں ہی ویرا اور ساگا کی گفتگو کے معنی خیز پیچ و خم پر حیران رہ گئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ساگا جیسی اذیت ناک تکلیف میں مبتلا کوئی تڑپتا ہوا شخص اپنی تکلیف کو بھول کر یوں زندگی کے جمالیاتی پہلوؤں کے بارے میں بھی سوچ سکتا تھا مگر مثال میرے سامنے موجود تھی۔ سچ ہی ہے کہ انسان روئے زمین کی ایسی پیچیدہ ترین مخلوق ہے جو کسی بھی وقت کوئی روپ دھار سکتی ہے۔

"ان کے قدموں کی آواز نہیں آئی۔ وہ کب باہر چلے گئے؟" ساگا پوچھ رہا تھا۔ اس کے سوال سے عیاں تھا کہ بدترین اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ اپنے گرد و پیش سے غافل نہیں تھا۔

"وہ ٹہلتے ہوئے اسی وقت چلے گئے تھے۔ تم نے باتوں میں دھیان نہیں دیا ہوگا۔" ویرا کی آواز میں لحہ بہ لحہ نرمی اور لوچ پیدا ہوتا جا رہا تھا "سیڑھیاں چڑھنے کے مقابلے میں ویسے بھی اترے ہوئے زیادہ شور ہوتا ہے۔ تم نے ہمارے آنے کی آوازیں سن لیں لیکن ان کے جانے کی ہلکی آوازیں اسی لیے فراموش کر بیٹھے۔"

اس کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ کراہ نکلی پھر وہ بولا "تم بہت اچھی ہو۔ مجھے اچھی لگ رہی ہو۔ حسن بچپن ہی سے میری کمزوری رہا ہے۔ حسن کو جہاں بھی دیکھوں، اپنانے کے لیے تڑپ اٹھتا ہوں۔ چھمیا ہی کو لے لو۔ وہ بہت حسین ہے۔ بازار میں رہتی تھی لیکن پھول کیچڑ میں ہو یا کسی خوب صورت گملے میں، وہ کھلتا ہے تو پھول ہی رہتا ہے۔ میں نے چھمیا کو خاک سے اٹھا کر تخت پر بٹھا دیا لیکن تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ میری کوششیں چھمیا کو نادیہ نہیں بنا سکیں۔ مجھ پر برا وقت آتے ہی وہ مجھے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر میں پڑ گئی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں نے اپنے دشمن کو زیر ہی کر لیا تھا اور اس نے میری پشت پر گولی چلا کر مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔ ڈیبی کو نیچا دکھانے والا اس وقت چھمیا کے ہاتھوں مفلوج ہو کر اپنے بستر کا قیدی بن چکا ہے۔"

"تم بہت بول رہے ہو۔ کام کی چند باتیں بتا کر سونے کی کوشش کرو۔ میں ڈیبی وغیرہ کو اپنے ساتھ لے کر واپس چلی جاؤں گی اور کسی قابل سرجن سے تمہارے آپریشن کی بات کروں گی۔" ویرا کی آواز کی نرمی لگاوٹ میں بدل گئی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو۔" متبادل فقرہ نہ سوجھنے پر اس نے اپنی کہی ہوئی بات دہرائی "تم سے باتیں کرتے رہنے کو دل چاہ رہا ہے...... کاش ہم ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوتے۔ ہماری دوستی ہو سکتی۔"

"ہم میں کوئی دشمنی نہیں ہے۔" ویرا نے تیزی سے کہا "میری دشمنی تم سے نہیں، راس المیڈا سے ہے۔ میں اُس سے انتقام لے لوں اور تم صحت یاب ہو جاؤ تو ہمارے درمیان دوستی بھی ہو سکتی ہے۔"

ساگا کے خون آلود اور متورم ہونٹ قدرے پھیلتے ہوئے نظر آئے۔ شاید وہ ویرا کے حوصلہ افزا جواب پر خوش ہو کر مسکرایا تھا۔ اس نے کہا "اور ڈیبی؟ وہ تو میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"وہ جنگلی اور تیز مزاج کا مالک ہے۔ وہ تم سے راس المیڈا کا پتا میرے لیے ہی پوچھ رہا تھا۔ تمہارے انکار پر اسے غصہ آگیا...... وہ...... وہ میرے لیے کام کرتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میرے ڈانٹتے ہی وہ دُم دبا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میری مرضی کے خلاف وہ تم کو دیکھ بھی نہیں سکے گا۔"

"راس المیڈا کہتا ہے کہ تم دونوں دوست ہو...... ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہو۔"

"حقیقت میں نے تمہیں بتا دی۔ دوستی اور ملازمت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ راس المیڈا اس فرق کو نہیں سمجھتا تو نہ سمجھے۔ مجھے اُس کی پروا نہیں ہے۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔"

"تو یہ غلط ہے کہ تم ڈیبی سے محبت کرتی ہو؟" ساگا نے ویرا کی دُکھتی رگ چھیڑ دی۔

"غلط ہی نہیں، یہ بکواس ہے۔" ویرا بپھر کر بولی "ملازم سے کون سی عورت محبت کر سکتی ہے اور پھر ڈیبی شادی شدہ ہے۔ وہ مجھے اپنا کھلونا بنا سکتا ہے، تحفظ کا سایہ فراہم نہیں کر سکتا۔"

"کاش" تمہاری کہی ہوئی باتیں درست ہوں۔" اس کی آواز میں حسرت سمٹ آئی "میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ ایک کاری زخم کھانے کے بعد بھی تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ یہ باتیں میرے روئیں روئیں میں سکون کی لہریں دوڑا رہی ہیں۔"

"تم مسلسل بولے جا رہے ہو۔" ویرا نے اپنائیت سے اسے ڈانٹا "یہ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔"

"ہماری دوستی میں ذرا سی بے تکلفی تو ہو سکتی ہے نا؟" اس ڈھیٹ نے پوچھا۔ وہ آہستہ آہستہ پیش رفت کر رہا تھا۔

"دوستی کا مفہوم بہت وسیع ہوتا ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن تمہارے صحت مند ہونے کے بعد۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ میں ایک مفلوج بوائے فرینڈ کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ویسے مجھے خود بھانت بھانت کے مردوں سے دوستی کر کے عجیب سی خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

"یہ کڑوا سچ بول کر تم نے مجھے اپنی سچائی کا یقین دلا دیا۔ تو پھر دوست ہوتا ہے۔ عورت شاید مفلوج شوہر تک کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہاری دوستی کی آرزو مجھے بہت جلد صحت مند کر دے گی۔"

"تمہاری صحت مندی کے ساتھ راس المیڈا پر میری فتح بھی ضروری ہے۔"

"وہ تمہارا کام ہے۔ میں تمہیں اس کی کمین گاہ کا پتا تو نہیں بتا سکتا۔ اس کا فون نمبر مجھے یاد ہے، وہ دے دوں گا۔ یہ صرف تمہاری نرمی اور محبت کا جواب ہے۔ ڈیبی میرے بدن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالتا تو مجھ سے یہ نمبر نہیں اگلوا سکتا تھا۔ دشمن کے آگے یہ شاخ ٹوٹ سکتی ہے، جھک نہیں سکتی۔"

"تم مجھے باتوں میں الجھائے چلے جا رہے ہو۔" ویرا نے اس کا پھیلا ہوا ہاتھ تھام کر شکوہ کیا۔

ساگا نے ویرا کا نرم ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لیا اور پھر آہستہ آہستہ نمبر بتاتا چلا گیا۔

میں نے وہ نمبر سگریٹ کے پیکٹ پر لکھ لیا۔ وہ اسی علاقے کا نمبر معلوم ہوتا تھا۔

"یہ جان کا فون نمبر ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "میرا کوڈ سن کر وہ راس المیڈا کو فون پر بلا دیتا ہے۔"

"اور تمہارا کوڈ کیا ہے؟" ویرا نے اِٹھلا کر پوچھا۔ اُس کا ہاتھ اور ساگا کے ہاتھ میں تھا۔

"وہ میرے ساتھ قبر میں جائے گا۔ ڈیبی جوش میں میرا کوڈ استعمال کر بیٹھا تو راس المیڈا سمجھ جائے گا کہ اس کا فون نمبر میں نے ڈیبی کو دیا ہے۔ تمہیں اس کو فون کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ بے وجہ چوکنا ہو جائے گا۔ فون نمبر سے پتا معلوم کرو اور وہاں پہنچ جاؤ۔"

"ذرا میرا ہاتھ چھوڑو تاکہ میں نمبر کہیں لکھ لوں۔" ویرا نے کہا "نمبر مجھے زبانی یاد نہیں رہتے۔"

"لکھ لینا۔ ذرا سی دیر تو یہاں بیٹھ جاؤ۔ تمہاری موجودگی سے راحت مل رہی ہے۔"

میں نے اول خان کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم دونوں پنجوں کے بل چلتے ہوئے زینوں کی طرف بڑھ گئے۔

"ہاتھ چھوڑو۔ میں بیٹھ بھی جاؤں گی۔ میں نے زور آزمائی کی تو تمہارے زخم میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں گی۔" میرے کان میں ویرا کے الفاظ آئے۔ وہ آخر تک اپنی اداکاری برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم لیٹے رہو۔ میں اوپر باتھ روم میں ہو کر آتی ہوں۔" چند لمحے بعد ویرا کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ شاید ساگا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ تہ خانے میں تیز تیز قدموں کی چاپ گونجنے لگی۔ ویرا ہمارے پیچھے پیچھے ہی اوپری منزل پر پہنچی تھی۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

"شاباش!" اول خان نے اس کا بازو تھام کر بے ساختہ ستائشی لہجے میں کہا "آج تم نے برجستہ فیصلہ کر کے پوری بازی جیت لی ہے۔ تمہیں اس پر تشدد بند کرانے کا خیال کیسے آیا تھا؟"

"میں نے جب سے اس کے بارے میں سنا تھا، مسلسل سوچ رہی تھی۔" ویرا ہمارے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بتانے لگی "ایک خوب صورت طوائف زادی کو ڈنکے کی چوٹ پر اپنے گھر میں رکھ لینے والے کے بارے میں بہت آسانی سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے عیاش تو نہیں حسن پرست ضرور ہوگا اور کسی کی پروا کیے بغیر اپنی من مانی کرنے کا عادی بھی ہوگا۔ ایسے فیصلے ضدی لوگ ہی کرتے ہیں۔ عام آدمی تو دوسروں کے ردِعمل کے بارے میں سوچ سوچ کر ہی ادھ موا ہو جاتا ہے۔"

"مان لیا کہ تم انسانی فطرت پر بہت بڑی ریسرچ اسکالر ہو۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا "لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے اپنے اس تجزیے کو کس بنا پر آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"ہم پہنچے تو وہ سخت اذیت میں تھا۔ اس کے باوجود اس نے نظریں بھر کر میری طرف دیکھا تھا۔ ایسی خستہ حالت میں بھی اس کی حسن پرستی برقرار تھی۔ جب اس نے تم دونوں کے تشدد کے جواب میں بے لچک انکار کا رویّہ اختیار کیا تو میں نے اپنی ترکیب آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ غنیمت ہوا کہ تم نے مجھ پر کوئی جرح کیے بغیر میری بات مان لی، اس طرح آخر میں اسے اپنی کئی باتوں کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گئی۔"

"تم نے سلطان شاہ کی لائی ہوئی اطلاعات کو بھی استعمال کر ڈالا" اول خان نے کہا۔

"یہ ضروری تھا۔ میں اپنے ذہن کو کرید کرید کر ہر وہ نکتہ استعمال کر رہی تھی جو اسے متاثر کر سکتا تھا۔ ان تمام چھوٹی چھوٹی باتوں نے مل کر اس کے دماغ پر میری ذات کا ایسا سحر طاری کر دیا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر میرے جال میں الجھتا چلا گیا۔" ویرا اپنی اس کامیابی پر بجا طور پر بہت نازاں تھی۔

برآمدے سے نیچے اتر کر ہم تینوں رک گئے۔ اول خان کے تینوں آدمیوں کا دور دور تک کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ تینوں کہیں نہ کہیں چھپے ہوئے ہوں گے اور ضرورت پیش آنے پر جادوئی چراغ کے جن کی طرح اچانک آموجود ہوں گے۔

"اس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" ویرا نے دھیمے سے پوچھا۔

"وہ تمہارے ساتھ منصوبے بنا رہا تھا۔ ہم کیا سوچ سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم نے کسی اور کے سامنے ان باتوں کو دہرایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ تیزی سے بولی۔

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "اس وقت یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ یہاں ہم اس دلچسپ واقعے پر

آزادی سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ حق تو برقرار رہنے ہی دو۔"

"وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو لیکن اب تھوڑی سی ہمدردی اور رحم کا مستحق ہو گیا ہے۔" ویرا بولی۔

"چاہو تو اسے دوبارہ سول اسپتال بھجوائے دیتے ہیں۔" اول خان نے بے پروائی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہاں آپریشن کے بعد اسے اپنی معذوری سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔"

"میں فیصلہ بدلنے کی بات نہیں کر رہی۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی "سارا مسئلہ فیصلے کے نفاذ کے طریقے کا ہے۔"

"کھل کر کہو کہ کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس جیسا تخیل پرست کسی دردناک موت کا حق دار نہیں ہے۔ اس کی موت ایسی سہل ہونی چاہیے کہ اسے خود بھی اپنی موت کا اندازہ نہ ہو سکے۔ اس نے مرنے سے پہلے ہی کافی اذیت جھیل لی ہے۔"

"آخر اسے مارنا کیا ضروری ہے؟" اول خان کے اس سوال نے مجھے حیران کر دیا۔

"ابھی تک اس کا کوئی بڑا جرم ہمارے سامنے نہیں آیا۔" ہمیں خاموش پا کر اول خان خود ہی بولنے لگا "وہ ہیروئن کا اسمگلر ہے اور اسی سلسلے میں راس المیڈا سے اس کا گٹھ جوڑ ہوا تھا۔ شی والوں نے امریکن سرمائے کے بل پر جس بے رحمی سے ہیروئن کو اس ملک میں فروغ دیا ہے' اس کے بعد میں خود یہ چاہتا ہوں کہ اب یہاں کی ساری ہیروئن سمیٹ کر یورپ اور امریکا میں پھیلا دی جائے۔ ساگا یہی کر رہا تھا۔ مارون کا قاتل وہ نہیں ہے۔ اس کا بس ایک قصور ہے کہ اس نے ڈیئی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی......"

"اس کا ذکر مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ کوئی جرم نہیں تھا۔ رقم یا سلور آئی کے لالچ میں کوئی بھی میرے مقابلے میں آ سکتا تھا۔ اس نے مجھ پر دو ناکام فائر کیے۔ اسے اس جسارت کی بہت مہنگی سزا مل چکی ہے۔ اگر تم اسے زندہ چھوڑنا ہی چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"پھر پہلے اسے مارنے کا فیصلہ کیوں کیا گیا تھا؟" ویرا نے تیزی سے سوال کیا۔

"اس وقت اس کی نرم دلی اور حسن پرستی کا علم نہیں تھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "ہماری نظروں میں راس المیڈا کا ہر ساتھی موت کا حق دار ہے۔ اس پر بھی یہی فارمولا لگایا گیا تھا لیکن اول خان کی دلیل بہت وزنی ہے۔ وہ راس المیڈا کا ساتھ ضرور دے رہا تھا مگر پاکستان میں ہیروئن کے ذخائر کم کر رہا تھا۔ یہ ایک اچھا کام ہے۔ کسی کو مارنے کے لیے مضبوط جواز ہونا بہت ضروری ہے۔"

"پرانا فیصلہ برقرار رہنا چاہیے۔" ویرا نے احتجاج کیا "اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ میرا اور ڈیئی کا بدترین دشمن ثابت ہو گا اور سمجھ لے گا کہ میں نے اسے بے وقوف بنا کر راس المیڈا کا فون نمبر معلوم کیا تھا۔"

"اسے اسی وقت مارا یا زندہ نہیں چھوڑا جا رہا ہے۔ یہ فیصلہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ فی الحال ہمیں یہاں سے واپس چلنا چاہیے۔ ایک غیر آباد مکان میں اتنے لوگوں کی موجودگی پڑوسیوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دے گی۔" اول خان یہ کہہ کر گاڑی کی طرف ہو لیا۔

گاڑی کے قریب پہنچتے ہی اس کا ایک آدمی پھر نمودار ہوا۔ اول خان نے اسے ہدایات دیں کہ قیدی کو زیادہ تر بے ہوش رکھا جائے، مناسب دیکھ بھال کی جانی چاہیے اور اس کے کسی سوال کا جواب نہ دیا جائے۔

ہم تینوں تیز رفتاری کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس وقت اول خان کے سامنے راس المیڈا ہی اہم ترین مسئلہ تھا۔ اس لیے اس نے دفتر جانے کا ارادہ سرے سے ترک کر دیا۔

"شرط کا کیا رہا؟" گھر پہنچتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"فی الحال میں شرط ہار چکی ہوں۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے کان واقعی انچوں کے حساب سے اوپر نیچے چلتے ہیں۔ اسے دیکھے بغیر یہ بات میری سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔"

"اور اصل کام کا کیا بنا؟" ہم لوگوں کے بیٹھ جانے کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

ان دونوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ ویرا نے کس چال بازی سے ساگا کی زبان کھلوائی تھی۔ ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ہم راس المیڈا کا ایک نیا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اول خان ٹیلی فون کے محکمے میں جس آدمی سے کام لیتا تھا، وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اول خان اس کے لیے پیغام چھوڑ کر ہم چاروں کی گفتگو میں شریک ہو گیا۔

ویرا نے گھر پہنچتے ہی ساگا کو زندہ چھوڑنے یا ختم کرنے کا معاملہ پورے زور شور سے چھیڑ دیا تھا۔

"ٹھہرو! ہم میں سے کوئی بھی ساگا کے ماضی سے بہت زیادہ واقف نہیں ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر کہا "ساگا کا پتا جہانگیر نے دیا تھا۔ وہ اس کے پچھلے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہو گا۔"

غزالہ کی تجویز بہت معقول تھی۔ میں نے فون پر فوراً ہی جہانگیر کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

"صبح سے بازار اور دکانوں کے چھ سات چکر لگ چکے ہیں۔" میری آواز پہچانتے ہی وہ تقریباً کراہتے ہوئے بولا "اول خان کے آدمیوں نے چند روز یہاں رہ کر ہماری عادتیں ایسی خراب کی ہیں کہ گھر کا سارا نظام بگڑ کر رہ گیا ہے۔ چائے بناؤ تو چینی ختم ملتی ہے۔ سالن بنا تو دھنیا موجود نہیں تھا۔"

"اپنی بداعمالیاں اسی طرح بھگتتے رہو۔ ان دونوں کے آنے سے پہلے گھر کیسے چل رہا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں خود ہی سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں...... بھائی! ایک مہربانی کرو۔ جب تک کسی مناسب ملازم کا بندوبست نہیں ہوتا' ان میں سے ایک کو میرے گھر بھیج دو ورنہ میری زندگی عذاب بن جائے گی۔"

"ناممکن۔" میں نے سختی سے کہا "اول خان نے ان دونوں کو کام سے لگا دیا ہے۔ انہیں وہاں سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ ویسے کل تمہارے گھر بہت لطف آیا۔ ہم سب کی طرف سے سلمیٰ کا شکریہ ادا کر دینا۔"

"تو کیا تم نے صرف شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا؟" اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

"چاہو تو ساگا کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔ کل ہم نے اس کے ماضی کے بارے میں زیادہ باتیں نہیں کی تھیں۔" میں نے اس پر ساگا کی اہمیت واضح کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ شی میں کوئی شریف آدمی نہیں رہ سکتا تھا۔ ان دنوں وہ بھی دوسروں جیسا ہی تھا بلکہ لڑکیوں کے بارے میں تو ضرورت سے زیادہ ندیدا تھا۔ جو لڑکی اسے پسند آ جاتی تھی' اسے حاصل کر کے رہتا تھا اور اب دیکھو کہ ایک بازاری عورت کو گھر میں لیے بیٹھا ہے۔"

"تو کیا شریف لڑکیوں کو اغوا بھی کیا کرتا تھا؟" میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کر کے پوچھا۔

"آئے دن ایسی خبریں سننے میں آتی ہی رہتی تھیں۔ مجھے بس ایک قصہ یاد ہے کہ اس کا ظلم سہنے والی ایک لڑکی نے اپنے گھر لوٹتے ہی خودکشی کر لی تھی۔ مرنے والی کے چھوڑے ہوئے پرچے سے اس کے بھائی کو ساگا کی حرکت کا علم ہوا تو وہ جوش اور غیرت سے مغلوب ہو کر اس کے اڈے پر پہنچ گیا۔ ساگا نے اس کی اصلیت سے واقف ہوتے ہی اس کے سینے میں تین گولیاں اتار دی تھیں۔"

"اور آزادی سے شہر میں دندناتا پھرتا رہا تھا؟" میں نے مشتعل ہو کے پوچھا۔

"وہ شی کے لیے کام کرتا تھا۔ ہمارے آدمیوں پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ پولیس والوں نے اسے نامعلوم قاتل کے کھاتے میں ڈال کر فائل داخل دفتر کر دی مگر برسوں بعد اب تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ وہ پہلے بھی شی کا آدمی تھا۔ اگر اب پھر ان کے ہاتھوں بک گیا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ اکیلا چنا کون سا بھاڑ پھوڑ لے گا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لعنت بھیجو اس پر" کام کی بات معلوم ہوتے ہی میں نے اپنا لب و لہجہ بدل لیا "شہر میں پتا نہیں ایسے کتنے ساگا پل رہے ہوں گے۔ میں کس کس کا پیچھا کروں گا؟"

"تم ہر معاملے میں یہی سوچ اپنا لو تو بڑے سکھی رہو گے۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ کل کلاں کو بال بچے بھی ہو جائیں گے۔ کیا اس وقت بھی اسی طرح بھاگتے رہو گے۔ کہیں تو یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔"

"تم کبھی کبھی بہت کام کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ موقع ملا تو کسی وقت بیٹھ کر اس موضوع پر باتیں کریں گے۔ میری طرف سے سلمیٰ کا شکریہ ضرور ادا کر دینا تاکہ آئندہ بھی تمہارا نمک کھانے کا موقع ملتا رہے۔"

"سلمیٰ آ گئی ہے' تم خود ہی اس سے بات کر لو۔" میں نے اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی بوکھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس سے بات شروع ہو جاتی تو میرے لیے دیر تک پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

"گھنٹی بجے تو تم اندر سے فون اٹھا لینا" میں نے غزالہ سے کہا۔ "سلمیٰ مجھے پوچھے تو کہہ دینا کہ کافی دیر سے گھر سے نکلا ہوا ہوں۔ وہ بلاوجہ میرا دماغ چاٹ جائے گی۔"

غزالہ کو ہدایت دے کر میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ویرا کا اصرار بجا ہے۔ ساگا کے خلاف مضبوط ترین فردِ جرم مل گئی ہے۔ اسے کسی خلش کے بغیر موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔"

"جہانگیر سے تمہاری گفتگو بہت مختصر رہی ہے۔ فردِ جرم دہرا دو تو مجھے بھی تسلی ہو جائے گی" اول خان نے کہا۔

میں نے جہانگیر سے سنی ہوئی باتیں اختصار سے دہرا دیں۔ اول خان کا چہرہ لٹک گیا۔

"ایسے لوگ تخیل پرست نہیں' گھناؤنے ہوس پرست ہوتے ہیں۔ انہیں تو زمین پر ایک لمحے کے لیے بھی زندہ رہنے کا حق نہیں ملنا چاہیے" ویرا زہریلے لہجے میں بولی "میں حیران تھی کہ تم نے اچانک ہی اپنا ارادہ کیوں بدل دیا ہے۔ وہ زندہ رہ گیا تو ہماری زندگیاں عذاب بنا دے گا۔"

"بس!" اول خان نے اسے خاموش کر دیا "فیصلہ ہو گیا۔ اب اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہو گی۔"

وہ معاملہ طے ہوتے ہی سب کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پانچوں افراد یوں خاموش ہو گئے جیسے ایک دوسرے سے لڑنے کے بعد ستا رہے ہوں۔

خلافِ توقع سلمیٰ کا فون نہیں آیا مگر ٹیلی فون کے محکمے سے اول خان کے شناسا کی کال آ گئی۔

محکمے میں کمپیوٹر آ جانے کے بعد بہت سے مسائل حل ہو چکے تھے۔ چند منٹ بعد ہی اول خان کو ساگا کے دیے ہوئے فون نمبر کے حوالے سے راس المیڈا کا پتا مل گیا۔

اس بار راس المیڈا نے کشمیر روڈ کے کسی مکان میں پناہ لی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے پی ای سی ایچ ایس کا علاقہ پسند ہے اور وہ اسی کی حدود میں اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔

اس مکان پر حملے وغیرہ کا کوئی پروگرام بنانے کے لیے وہاں کا

جائزہ لینا ضروری تھا۔ اس کام کے لیے اول خان مجھے یا ویرا کو بھیجنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ جس طرح میں نے ائرپورٹ کے راستے میں اتفاقاً راس المیڈا کو سفر کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا' اسی طرح وہ بھی اتفاقاً ہمیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم دونوں کے نام خارج ہونے کے بعد اول خان کا ساتھ دینے کے لیے صرف سلطان شاہ باقی رہ جاتا تھا۔

گھر سے نکلنے سے پہلے اول خان نے اپنے دفتر فون کیا تو پتا چلا کہ اس کی تلاش میں متعدد فون آتے رہے تھے لیکن اس کے دفتر والوں نے اس کی نقل و حرکت سے مکمل لاعلمی کا اظہار کرکے ہر شخص کو ٹال دیا تھا۔

"اخبارات نے سرکاری حلقوں میں ہلچل مچادی ہے" فون بند کرنے کے بعد اول خان مزے لے لے کر ہمیں بتانے لگا "خبروں میں کہیں بھی راڈنی آرک اور راس المیڈا میں مماثلت کا ذکر نہیں ہے لیکن بیشتر اعلیٰ سرکاری افسران نے تصویریں دیکھتے ہی پہچان لیا ہے کہ وہ راڈنی آرک ہی ہے۔ صبح سے میری جان عذاب میں تھی۔ چند فون سننے کے بعد ہی میں نے مزید کالز سننے کا سلسلہ موقوف کردیا۔ افسران ان خبروں کا ذریعہ جاننا چاہ رہے تھے۔"

"اخبارات پر تو اس بارے میں کافی دباؤ ہوگا؟" ویرا نے دھیرے سے پوچھا۔

"اخبارات کو پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ ڈٹ کر اس دباؤ کا مقابلہ کررہے ہوں گے" اول خان بولا۔

"اور میجر غوث کا کیا حال ہے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"وہ بھی دفتر سے بھاگا ہوا ہے۔ فریڈم لاج کا معاملہ اسی کے حوالے کیا گیا تھا اس لیے اسے سب سے زیادہ باخبر تصور کیا جارہا ہے۔ خبر بیشتر اخبارات میں ایک ساتھ آئی ہے اس وجہ سے یہ بات بھی کھل گئی ہے کہ وہ خبر کسی طاقت ور ذریعے نے اخبارات تک پہنچائی ہے۔ ایک دو روز تک یہ ہنگامہ رہے گا پھر یہ بات دب جائے گی۔"

"امریکا کے سفارتی افسران کا کیا ردِ عمل ہے؟" میرے نزدیک وہ سوال سب سے اہم تھا۔

"عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کوئی احتجاج کرنے کے بجائے خاموشی سے گرد بیٹھ جانے کا انتظار کریں۔ میں ان کی طرف سے بالکل بے خبر ہوں۔ انہوں نے کچھ لکھا بھی ہوگا تو ہمارے دفترِ خارجہ کو لکھا ہوگا۔ ان لوگوں کا اپنا ہی طریقۂ کار ہوتا ہے۔ میٹنگ بیٹھے بغیر شکایت پر کوئی کارروائی ہونی مشکل ہے۔"

اس وقت تک فضا میں کافی اجالا باقی تھا۔ وہ دونوں وقت ضائع کیے بغیر اپنے مشن پر نکل گئے۔

"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اب راس المیڈا کا آخری وقت آچکا ہے" ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا "اس وقت وہ ہر طرف سے دباؤ میں آیا ہوا ہے۔"

"ہر بار یہی محسوس ہوتا ہے مگر نتیجہ صفر رہتا ہے۔ دیکھیں اس بار کیا ہوتا ہے۔"

"اس مرتبہ بھی اول خان کی فورس کارروائی میں بھرپور حصہ لے گی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ابھی تک ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے" میں نے کہا "وہ دونوں جائزہ لے کر لوٹ آئیں تو کچھ طے کیا جائے گا لیکن یہ طے ہے کہ میں بھاری نفری استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ایک بہت آسان سی تجویز میرے ذہن میں بھی کلبلا رہی ہے" ویرا بولی۔

"کہہ ڈالو۔ اسی مباحثے میں وقت آسانی سے گزر جائے گا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"ہم لوگ تین گاڑیوں میں اس مکان کی نگرانی کریں۔ پھر ایک مقررہ وقت پر تم اسے فون کرکے خوف زدہ کرو کہ اسے پکڑنے آرہے ہو۔ وہ بوکھلا کر گھر سے نکلے گا اور نگرانی کرنے والے اسے گھیر لیں گے۔"

"ترکیب اچھی ہے لیکن یہ راس المیڈا جیسے مجرم پر کام نہیں کرے گی۔"

"کیوں؟ اس میں ایسی کون سی خامی ہے؟" ویرا کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"وہ فون کا مطلب سمجھ جائے گا اور گھر سے ہرگز باہر نہیں نکلے گا" میں نے کہا۔

"جب وہ بنیادی طور پر بزدل ہے تو اس دھمکی کے بعد گھر میں کیوں بیٹھا رہے گا۔"

"وہ سخی مراد کے گھر پر ہونے والے حملے میں اپنا ڈمی استعمال کرچکا ہے۔ وہ خود باہر آنے کے بجائے کسی اور کو باہر روانہ کرے گا' ہم اس کا پیچھا کریں گے اور ہمارا کھیل بے نقاب ہوجائے گا۔ اسے ایسا ہی زیادہ خطرہ محسوس ہوا تو وہ بعد میں خاموشی سے کسی دوسری گاڑی میں نکل جائے گا۔ ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"میں نے اسی لیے اپنی تین گاڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم یکے بعد دیگرے تین گاڑیوں کا پیچھا کرسکیں گے۔ اگر اس عمارت میں شوفروں کے ساتھ چھ سات گاڑیاں موجود ہیں تو اور بات ہے ورنہ اس اسکیم کی کامیابی کے لیے ہمارے تین گروپ بہت کافی ہوں گے۔"

"اس میں کامیابی اور ناکامی کے مساوی امکانات رہیں گے۔ وہ بہت چالاک مجرم ہے۔"

وہ چڑ کر بولی "پتا نہیں تم نے راس المیڈا کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دی ہوئی ہے۔ وہ غیر معمولی حد تک ذہین ہوتا تو پاکستان میں اب تک نہ جانے کیا کچھ کر گزرا ہوتا۔ وہ خاصا کند ذہن معلوم ہوتا ہے.... اور پھر اس قسم کی ایک کوشش کرلینے میں ہرج ہی کیا ہے؟"

مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اس بار ہم
...ئی رسک نہیں لے سکتے۔ ساگا کے بعد اس کا کوئی معاون ہمارے
...منے نہیں ہے۔ وہ پاکستان سے بھاگنے پر تلا بیٹھا ہے۔ ایک بار وہ
...ل گیا تو ساری عمر ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا اور باہر سے ہمیں تگنی
...ناچ نچاتا رہے گا۔"

شہر کی ناکا بندی کرنے والے بھی بالکل خاموش ہیں" غزالہ
...نے تشویش سے کہا "پتا نہیں وہ کیا کررہے ہیں اور کس کو جواب وہ
...ہے۔ منصوبہ بناتے ہوئے یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اخباروں میں فیچر
...چھپتے ہی راس المیڈا گھیر کر پکڑ لیا جائے گا۔ اب ہر طرف خاموشی
...خاموشی ہے۔"

"مایوسی سے بچو۔ یہ ذہن کو تباہ کردیتی ہے۔ اول خان بتا چکا
...ہے کہ شہر سے نکاسی کے راستوں کی نگرانی رینجرز کے سپرد ہے۔ ان
...کا اپنا نظام ہے۔ کوئی خبر ہوگی تو وہ ہمیں بھی مل ہی جائے گی۔"

○☆○

اول خان بہت دیر سے واپس آیا۔ غزالہ سلطان شاہ کے
...انتظار میں دروازہ کھولے کھڑی رہی۔ چند ثانیوں بعد اول خان نے
...اس سے کہا "دروازہ بند کردو' سلطان شاہ نہیں آئے گا۔"

وہ الفاظ سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ویرا نے
...مطالبانہ لہجے میں اول خان سے پوچھا "وہ کہاں رہ گیا؟ کیا ہوا
...ہے؟ تم تو صرف جائزہ لینے گئے تھے پھر کیا ہوا؟"

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرمی
...سے کہا "فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ بالکل محفوظ ہے۔ میں
...اسے کام پر لگا کر آیا ہوں۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ راس المیڈا
...پر آج رات ہی کو ہاتھ ڈالا جائے یا اگلی رات کا انتظار کیا جائے۔
...ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

"یہ وقت کی لڑائی ہے اور ہم دھیمے دھیمے وقت کھوتے جارہے
...ہیں" میں نے سگریٹ کا کثیف دھواں اپنے پھیپھڑوں میں اتارنے
...کے بعد کہا "وہ پاکستان سے نکل بھاگنے پر تلا بیٹھا ہے۔ ہوسکتا ہے
...کہ اگلی رات آنے سے پہلے وہ یہاں سے ہزاروں میل دور جاچکا
...ہو۔ ہم انتظار کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ کوئی بڑی مجبوری نہ ہو تو
...ہمیں آج رات ہی کارروائی کرنی چاہیے مگر اس سے پہلے سلطان
...شاہ کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟"

"وہ ایک خالی مکان میں رہ کر راس المیڈا کی کمین گاہ کی
...نگرانی کررہا ہے۔ وہ کشمیر روڈ پر سڑک کے کنارے ایک عام سے
...مکان میں مقیم ہے۔ وہاں صرف تین افراد رہتے ہیں۔ دو سفید فام
...اور تیسرا چوکیدار ہے جو دن میں گھر کا کام کاج بھی کرتا ہے"
...اول خان نے بتایا۔

"اگر وہ کشمیر روڈ پر رہ رہا ہے تو اس کے سامنے کے ایم سی کا
...اسپورٹس کمپلیکس واقع ہے" میں نے کہا "پھر سلطان شاہ کس
...مکان سے اس کی نگرانی کررہا ہے؟"

"وہ راس المیڈا کے برابر والا مکان ہے جو آج کل کرائے کے لیے خالی ہے۔ وہاں فون بھی موجود ہے۔ میں نے دوربین اور مناسب ہتھیاروں کے ساتھ اسے وہاں چھوڑ دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت تم کو خود ہی فون کرلے۔ چاہو تو تم ابھی اس سے بات کرسکتے ہو۔"

"کیا اس خالی مکان میں چوکیدار تک نہیں تھا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

اول خان ہنس پڑا "وہ بوڑھا چوکیدار ایک کمرے میں قید ہے۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ ہم سرکاری آدمی ہیں تو وہ خود ہی ہر قسم کے تعاون پر آمادہ ہوگیا۔ راس المیڈا کے گھر کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات اسی نے فراہم کی ہیں۔ دونوں سفید فام بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ان کا چوکیدار بھی پڑوس کے ملازموں سے دور رہتا ہے۔ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے میں نے اپنا اپریٹس سلطان شاہ کو دے دیا ہے۔ اس قسم کا دوسرا اپریٹس تم لوگوں کے پاس ہے۔ فون پر جواب نہ ملے تو سلطان شاہ سے اپریٹس پر بات کی جاسکتی ہے۔"

"اس مکان میں گاڑیاں کتنی ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔ شاید وہ اپنی تجویز سے دست بردار نہیں ہوئی تھی۔

"دو۔ لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟" اول خان نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہاں صرف دو گاڑیاں اور تین نفوس ہیں" ویرا نے میری طرف دیکھ کر اول خان کو اپنی تجویز سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔ وہ خاموشی سے پوری بات سنتا رہا لیکن میں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے بھانپ لیا کہ وہ ویرا کی تجویز سے متفق نہیں ہوسکا تھا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے ذہن سے کام لے رہے ہیں لیکن موجودہ حالات میں تعاقب کرکے پکڑنے والی بات قابلِ عمل نہیں ہے۔ راس المیڈا کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل بہت ہوچکا۔ اب اسے ختم ہونا چاہیے۔ سلطان شاہ کو اس خالی مکان میں بٹھانے کا مقصد یہی ہے کہ راس المیڈا اس کی نظروں میں آجائے تو اسے دور ہی سے گولی ماردی جائے۔ ہم سب اس کی تصویر دیکھ چکے ہیں اور اب اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا حکمتِ عملی طے کی ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اگر تم وقت کے بارے میں اسی قدر حساس ہو تو ہم دونوں کو اسی وقت باری باری خالی گھر میں پہنچ جانا چاہیے.... مجھے امید نہیں کہ آج کے اخبارات دیکھ لینے کے بعد راس المیڈا کھلے آسمان کے نیچے آنے کی حماقت کرے گا۔ اگر وہ ہم میں سے کسی کے نشانے پر آگیا تو وہیں قصہ ختم سمجھو۔ ورنہ پھر دونوں عورتوں کو فون پر پروگرام بتادیا جائے گا۔ ہم رات کے آخری پہر میں کارروائی کریں

توانہیں گہری نیند میں چھاپ سکتے ہیں۔"

"میں راس المیڈا کی زندہ گرفتاری کو ترجیح دوں گا" میں نے کہا "ہمارے بہت سے سوالوں کے جواب وہی دے سکے گا۔ وہ مارا گیا تو اس کے راز اسی کے ساتھ کہیں دفن ہو جائیں گے۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں لیکن اسے زندہ پکڑنے کی فکر میں ہم اسے مارنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے۔" اس نے کہا "یہ اس کا مقدر ہے کہ وہ پہلے مارا جاتا ہے یا ہمیں مقابلے کا موقع دیتا ہے۔"

"ہم تینوں یک جا ہوں گے اس لیے دوسرا ایرٹیس بھی یہیں....."

"نہیں!" اول خان نے میرا فقرہ مکمل نہیں ہونے دیا "دونوں ایرٹیس ہمارے پاس رہیں گے تاکہ اس کے مکان میں کودنے کے بعد کم از کم دو آدمی ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکیں۔"

"کیوں نہ ہم دونوں بھی وہیں منتقل ہو جائیں" ویرا نے تجویز پیش کی "یہاں رہ کر سوچتے سوچتے ہمارا حال ابتر ہو جائے گا۔ وہاں ہمیں ذہنی یک سوئی حاصل رہے گی۔ ہماری ضرورت پیش نہ آئی تو ہمارے لیے وہ غیر آباد عمارت ہی کافی ہوگی۔ آپریشن مکمل ہونے پر ہم یکجا ہو سکتے ہیں۔"

"میں بھیڑ بھاڑ سے گریز کرتے ہوئے بہت رازداری سے کام کرنا چاہتا ہوں لیکن تمہاری بات بھی معقول ہے۔ اگر تم دونوں اپنی رات برباد کرنے پر آمادہ ہو تو یوں ہی سہی۔"

"ویرا کی بات درست ہے۔ یہاں رہ کر ہماری رات زیادہ بری گزرے گی" غزالہ بولی۔

کچھ ہتھیار اول خان کی گاڑی میں موجود تھے اور اس مہم کے لیے وہی کافی تھے لیکن اس نے پھر بھی ہمارے گھر میں موجود ذخیرے کا جائزہ لے کر اس میں سے کچھ ضروری چیزیں نکال کر احتیاطاً ایک تھیلے میں رکھ لیں۔ وہ کسی غیر متوقع اور آڑے وقت کے لیے ہر تیاری کر لینی چاہتا تھا۔

"تم نے اس بات کا یقین کر لیا ہے کہ اس وقت راس المیڈا اسی مکان میں موجود ہے" اس کا ہاتھ بٹاتے بٹاتے ویرا ایک بہ یک سوال کر بیٹھی اور اول خان سٹپٹا گیا۔

"میرے لیے اندر جا کر دیکھنا تو ممکن نہیں ہے لیکن قرائن یہی بتاتے ہیں کہ وہ گھر میں موجود ہے" اس کے پاس ویرا کے سوال کا مسکت جواب موجود تھا "دونوں گاڑیاں احاطے میں موجود ہیں۔ چند کمرے روشن ہیں اور پھاٹک بند ہونے کے ساتھ ہی ویران ہے۔ اگر وہ پیدل کہیں چل دیا ہے تو یہ اور بات ہے۔"

تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ غزالہ نے تھرماس میں چائے بھر کر دیگر لوازم کے ساتھ خورونوش کی اشیا کی ایک باسکٹ تیار کر لی اور روانگی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم لڑائی کے بجائے پکنک پر جا رہے ہوں" اول خان ان تیاریوں پر مسکراتے ہوئے بولا "بھاگنا پڑ گیا تو تمہیں یہ سب سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔"

"اس غیر آباد مکان میں پہاڑ سی رات انتظار میں گزارنی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہیے" غزالہ بولی۔

"چند منٹ بیٹھو۔ ذرا سلطان شاہ سے بات کر لی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیر تک پھاٹک پر رک کر اس کا انتظار کرنا پڑے۔ ہمیں نہایت خاموشی سے دونوں گاڑیاں اندر لے جانی ہوں گی" اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنا ایرٹیس اٹھا لیا۔

"اسے فون کیوں نہیں کر لیتے؟" ویرا نے اسے ایرٹیس کے استعمال پر آمادہ پا کر ٹوک دیا۔

"اس نے ابھی ابھی ڈیوٹی شروع کی ہے۔ جوش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی فون سے دور چھت وغیرہ پر چڑھا ہوا ہو۔ ایرٹیس پر اس سے آسانی سے بات ہو جائے گی۔"

"اے کالنگ فار ایس!" ایرٹیس آن کر کے اول خان نے دوسری بار پیغام دیا تھا کہ جواب مل گیا۔

"اس وقت میں چھت پر موجود ہوں" سلطان شاہ کی دبی دبی اور پُرجوش آواز آئی "تھوڑی دیر پہلے ایک گورا برآمدے میں سے گزرا تھا۔ یہ سالے بہت بے شرم ہیں۔ اس کے بدن پر ایک نِرا کا بس ایک نیکر تھا۔ اس کے بعد سے ہر طرف سناٹے کا راج ہے۔ ادھر گھورتے گھورتے میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ ہم سب وہیں آ رہے ہیں" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "اس وقت پونے دس بجے ہیں۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے تمہیں گیٹ پر ہونا چاہیے تاکہ ہم رکے بغیر دونوں گاڑیاں احاطے میں لا سکیں۔ جو کچھ ہونا ہے، آج رات ہی کو ہو جائے گا۔ اس کے بعد تم دل کھول کر آرام کر سکو گے۔"

"ہو سکے تو تھرماس میں تھوڑی سی چائے لیتے آنا۔ اندھیرے اور تنہائی میں ابھی سے جماہیاں آنے لگی ہیں۔"

سلطان شاہ کی فرمائش پر غزالہ کی گردن تن گئی۔ اس نے فخریہ انداز میں اول خان کی طرف دیکھا۔ اس نے سر جھکا کر جواب دیا "غزالہ نے پہلے ہی سب بندوبست کر لیا ہے۔ اگر وہاں کیسٹ بجانے کی آزادی ہوتی تو آج رات تمہیں وہاں پکنک کا مزا آ جاتا..... وقت یاد رکھنا۔ خدا حافظ۔"

کشمیر روڈ پہنچنے کے لیے پینتالیس منٹ کا وقت بہت کافی تھا لیکن کالے پل سے گورا قبرستان تک کے راستے پر ٹریفک کی صورتِ حال ہر وقت غیر یقینی رہتی تھی۔ کبھی کبھی وہاں ٹریفک جام ہوتا تھا تو وہ مختصر سا حصہ طے کرنے میں دس پندرہ منٹ لگ جاتے تھے۔

سلطان شاہ سے وقت طے ہو جانے کے بعد اس سے انحراف کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ ہم چاروں فوراً ہی گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کھانے پینے کا سازوسامان غزالہ نے سنبھالا ہوا تھا۔ ہتھیاروں والا تھیلا ویرا کے قبضے میں تھا۔ نیچے اتر کر ویرا اول خان کے ساتھ ہو لی۔ میں غزالہ کو لے کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

ہم باہر نکلے تو اول خان کی جیپ آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

"ایک مدت کے بعد ہم دونوں کو ایک ساتھ نکلنے کا موقع ملا ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد غزالہ نے مسرت سے مغلوب لہجے میں کہا "اپنی خواب گاہ سے باہر ہمیں کہیں خلوت نہیں ملتی۔"

"یہ خلوت بھی بس کشمیر روڈ تک کی ہے" میں نے ہنس کر کہا۔ "زندگی کچھ ایسی ڈگر پر چل رہی ہے کہ ذاتی ضرورتوں کا احساس ہی ذہن کے نہاں خانوں میں کہیں چھپ کر رہ گیا ہے۔"

"آپ کی بات صحیح ہے۔ ویرا نے جانے کا قصد کیا تو عارضی طور پر مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے چلے جانے کے بعد ہمیں کچھ آزادی میسر آسکے گی مگر پھر مسلسل تنہائیوں کا دھیان آیا تو اس کے جانے کا خیال ہی مجھے آزردہ کرنے لگا۔ ہمارے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی ہمارے گھر کی ایک فرد بن گئی ہے۔"

"یہ عارضی مجبوریاں ہیں۔ راس المیڈا کا قصہ نمٹ جائے تو اسے الگ ہونا ہی پڑے گا۔ دور رہنے سے آپس میں محبت کے رشتے زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں اور پھر یہ ہر وقت کی نوک جھوک بھی ذرا کم ہوگی۔"

وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ کھلی ہوئی فضا میں سفر کرتے ہوئے اس کا یوں بولنا میرے کانوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی ایک بات ختم کرتی تو میں اسے چھیڑ دیتا اور وہ دوبارہ بولنے لگتی۔

اس وقت رات کو کورنگی کے صنعتی علاقے سے نکلنے والے ٹرکوں اور ٹریلروں کا ہجوم نہیں تھا۔ ہمیں پورا راستہ صاف ملا اور ہم بہت آرام سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے شارعِ فیصل پر نکل آئے۔

ہمارے پاس کچھ وقت باقی تھا لیکن اس وقت رہنمائی اول خان کے ذمے تھی۔ گورا قبرستان سے داہنی طرف مڑنے کے بعد پہلے سگنل سے ہم بائیں طرف گھوم کر سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی والی سڑک پر بڑھے تو میں نے غزالہ کو اشارے سے اس گھر کے بارے میں بتایا جہاں اسرار نے راس المیڈا وغیرہ کی تصاویر لی تھیں اور بعد میں میں مارون کی لاش سمیت پولیس کے نرغے میں آنے سے بال بال بچا تھا۔

چوراہے پر ہم سست روی سے اسنیکس بارز کے قریب سے گزرے تو میرے دل میں وہاں رکنے کی خواہش ہوئی۔ اول خان نے چوراہا چھوڑ دیا لیکن پھر اس نے نیم تاریکی میں جیپ کنارے سے لگا کر روک لی۔

عقابی نظروں کے ساتھ گاہکوں کی تلاش میں بھٹکنے والے کئی لڑکے ہماری گاڑیوں کی طرف لپکے۔ اول خان جیپ سے اتر کر ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں نے اس کا انتظار کیے بغیر ایک لڑکے کو ٹھنڈی بوتلوں کا آرڈر دے دیا۔

"میں بھی یہی کہنے آیا تھا" اول خان میرے قریب پہنچ کر سادگی سے ہنس پڑا۔ اس نے لڑکے کو اپنی اور ویرا کی پسند کے دو مشروب بتائے اور کھڑکی پر جھک کر کہنے لگا "چند منٹ میسر ہیں تو میں نے سوچا کہ بوتلوں کی عیاشی ہی کر لی جائے۔ اتنے کم وقت میں اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"یہ جعلی بوتلیں ہیں۔ اصل بوتل تو اس وقت ویرا کے پاس ہوگی" میں نے کہا۔

غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی "آپ دونوں ایک دوسرے کو کتنا جانتے ہیں! وہ پلاسٹک کی ایک بوتل میں تقریباً آدھی بوتل انڈیل کر لائی ہے تاکہ وقفے وقفے سے اپنے اعصاب کو سکون پہنچا سکے۔"

"جب ہی اس نے خاموشی سے ہتھیاروں والا تھیلا اٹھا لیا تھا" اول خان نے خوش دلی سے کہا "میں حیران تھا کہ وہ اتنی شرافت کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہے۔ اس کی بوتل شاید اسی تھیلے میں ہے۔"

"اسے دیکھ لینا۔ ایسا نہ ہو کہ دستی بم کے دھوکے میں ہم میں سے کوئی وہ بوتل ہی راس المیڈا کے گھر پر اچھال دے۔" میں نے اول خان سے کہا "یہ عورت کہیں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔"

لڑکا بوتلیں لے آیا۔ اول خان اسے ساتھ لے کر اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ کو اول خان سے ایسی سخت بات نہیں کہنی چاہیے تھی" غزالہ نے لیمن بارلے کی پہلی چسکی لے کر شکوہ کیا۔

"پھر کیا کہتا؟ ویرا کی بعض حرکتیں مجھے خواہ مخواہ مشتعل کر دیتی ہیں۔"

"اب اول خان نے اس سے کوئی بات کی تو وہ یہی سمجھے گی کہ میں نے اس کی شکایت کی ہے۔ اس نے آپ دونوں سے چھپ کر باورچی خانے میں وہ بوتل میرے سامنے بھری تھی۔"

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرو گی تو ویرا کے ساتھ گزارہ مشکل ہو جائے گا۔ وہ شکایت کرنے والیوں میں سے نہیں ہے۔ اسے تمہاری کوئی بات بری لگے گی تو وہ پہلی فرصت میں اس کا بدلہ لے گی۔"

بوتلیں خالی کرنے کے بعد میں نے میٹھے اور خوشبو والے پان منگوائے۔ رقم ادا کر کے ایک پان غزالہ کے منہ میں رکھا اور ہمارے مختصر سے سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔

کشمیر روڈ پر بنے ہوئے مکانات کی ایک بڑی خرابی ابتدا ہی سے میری نظروں میں تھی۔ مزارِ قائد کی طرف سے آنے والوں کو کسی بھی مکان کے پھاٹک پر پہنچنے کے لیے ایک چکر کاٹنا لازمی تھا۔ صرف سرسید روڈ اور علامہ اقبال روڈ کے سروں پر بنے ہوئے مکان اس خامی سے مبرا تھے۔

اول خان نے درمیان سے کشمیر روڈ پر نکلنے کے بجائے براہِ

راست شہید ملت روڈ کی راہ اختیار کی تو مجھے ماننا پڑا کہ وہ عقابی نگاہیں رکھتا تھا۔ اس علاقے کی وہ خامی اس کے علم میں تھی۔

وہ بہت ست روی سے گاڑی چلا کر وقت گزارتا رہا اور جب صرف پانچ منٹ کا وقت باقی رہ گیا تو اس نے رفتار قدرے بڑھا دی۔ ہماری دونوں گاڑیاں جیل کے چوراہے کے سرے سے ہی کشمیر روڈ پر آگئیں۔ اول خان کے بیان کے مطابق میں نے راس المیڈا کے جس مکان کا تعین کیا تھا، اس سے تیسرے مکان کے پھاٹک کے سامنے اول خان نے اپنی جیپ بائیں طرف گھمالی۔

سلطان شاہ شاید گیٹ کی کسی جھری سے آنکھ لگائے ہماری آمد کا منتظر تھا۔ اس نے اتنی پھرتی سے گیٹ کھولا کہ اول خان بریک پیڈل پر پیر رکھے بغیر جیپ کو اس مکان کے احاطے میں لیتا چلا گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ ہم دونوں نے گاڑیاں موڑتے ہی تمام روشنیاں گل کردی تھیں کہ کہیں ان کا انعکاس برابر والوں کی توجہ کا مرکز نہ بن جائے۔ انجن بند کرکے میں گاڑی سے نیچے اترا تو سلطان شاہ پھاٹک بند کرچکا تھا۔

گھور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی وہ پرانی سی عمارت دو منزلہ تھی۔ اس اعتبار سے اس کی چھت خاصی بلند تھی۔ اگر سلطان شاہ وہاں سے نگرانی کرتا رہا تھا تو خاصا بڑا علاقہ اس کی نظروں میں رہا ہوگا۔

"ابھی تک سب خیریت ہے" ہم پانچوں کے یک جا ہونے پر اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "میں نے چوکیدار کی چارپائی اوپری منزل کے ایک کمرے میں پہنچادی۔ برابر والوں کی دیکھ بھال کے لیے وہ بہترین کمرا ہے۔ سنبھل کر آہستہ آہستہ میرے پیچھے چلے آؤ۔"

اندھیرے میں ایک دوسرے کے ہیولوں پر نظر جمائے اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے ہم اوپر چل دیے۔ تنگ زینوں کی گہری تاریکی سے ہم سلطان شاہ کے منتخب کیے ہوئے کمرے میں پہنچے تو وہاں کھڑکی کی راہ سے آنے والے تاروں کے انعکاس کا نمایاں احساس موجود تھا۔

اول خان کے ایما پر ہم سب کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ احاطے کی مشترکہ دیوار کی دوسری جانب پرانا سا ایک منزلہ مکان چند قمقموں کی روشنی میں بہت واضح نظر آرہا تھا۔ احاطے کے ساتھ دو کمروں کی کھڑکیاں بھی روشن تھیں۔ یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ ان میں سے کون سا کمرا کس کا رہا ہوگا۔ ان لوگوں کا پارکنگ والا حصہ شاید دوسری طرف واقع تھا کیونکہ ان کی گاڑیاں ہماری نظروں سے اوجھل تھیں۔

کشمیر روڈ کی آبادی کا شمار کراچی کے قدیم علاقوں میں کیا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں اس پتلی سی سڑک کے ایک کنارے پر بنے ہوئے مکانات اپنے زمانے کے اعتبار سے ضرور منفرد اور یکتا رہے ہوں گے لیکن برسوں کے سرد و گرم سے گزرنے کے بعد ان میں سے بیشتر مکانات کہنگی کا شکار ہونے لگے تھے۔ تجدید کے مراحل سے گزرنے والے مکان اس سڑک پر دور ہی سے پہچانے جاسکتے تھے۔

"ہم میں سے دو آدمی احاطے کی مشترکہ دیوار کے دونوں سروں سے اندر کود کر عمارت کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ تیسرا رائفل اور دوربین کے ساتھ اسی کھڑکی میں موجود رہے گا۔ اندر جانے والے اپریٹس پر ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں گے" عمل کے مراحل قریب آنے کے ساتھ ساتھ اول خان کی پیشہ ورانہ جبلت پوری طرح بیدار ہوتی جارہی تھی "دونوں عورتیں مسلح ہوکر نیچے دیوار کے قریب موجود ہوں گی تاکہ ضرورت کے وقت ہر جگہ پہنچ سکیں۔ میری رائے ہے کہ ہم تین بجے تک وقفے وقفے سے راس المیڈا کی کمین گاہ کا جائزہ لیتے رہیں اور ٹھیک تین بجے اپنی کارروائی کا آغاز کردیں۔ اس وقت تک ہمارے حریف گہری نیند سوچکے ہوں گے۔"

"اس بارے میں تمہاری ہر رائے مستند ہے" ویرا کی آواز ابھری "ان جنگی چالوں کے معاملے میں ہم سب ہی کورے ہیں۔ ہاں، سیدھی سادی لڑائی میں دشمن کو زیر کرنے کے فن میں طاق ہیں۔"

ہم کھڑکی سے ہٹ گئے۔ دونوں عورتیں چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ ہم نے فرش پر پھسکڑا مار لیا۔ اول خان کھڑکی کی اوٹ سے گہری نظروں سے اپنے ٹارگٹ کا معائنہ کررہا تھا۔

اول خان نے دشمن پر وار کرنے کا جو منظر نامہ بیان کیا تھا، وہ بہت واضح تھا۔ اس میں کرداروں کے ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سلطان شاہ او پی یا آبزرویشن پوسٹ کے لیے مناسب ترین آدمی تھا۔ مجھے اور اول خان کو پیش قدمی کرکے دشمن پر کاری ضرب لگانی تھی۔ اگر سب کچھ ہماری توقعات کے عین مطابق ہوتا چلا جاتا تو وہ قصہ چند ہی منٹ میں راس المیڈا کی چھت کے نیچے نمٹ جاتا تھا۔

غزالہ کو اندھیرے میں سلطان شاہ کو چائے دیتے ہوئے خاصی خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ روشن فلیٹ میں بیٹھ کر تیاریاں کرتے ہوئے وہ تاریکی کے مسائل کا ادراک ہی نہیں کرسکی تھی اور پوری باسکٹ بھرلائی تھی۔

وہاں اہتمام، تکلف اور ترجیحات کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فضا میں گرم گرم چائے کی خوشگوار بو مہکی تو ایک ایک کرکے سب ہی سلطان شاہ کے شریک ہوگئے۔

تازہ ہوا کی آمدورفت کے لیے اس کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ہوا کے دوش پر آوازوں کے سفر کے خیال سے سب ہی دھیمی دھیمی آوازوں میں حسبِ توفیق اظہارِ خیال کررہے تھے اور قسمت سے میسر آجانے والی اس بے سروسامان رات کو یادگار بنانے کی کوشش کررہے تھے۔

"اس منزل پر تین باتھ روم ہیں" سلطان شاہ نے سب کو مطلع کرنا ضروری سمجھا "مکان کے انتہائی سرے والا باتھ روم بہت بہتر اور محفوظ ہے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد بتی جلالی جائے تو اس طرف پتا بھی نہیں چلتا۔"

ہم سب باری باری دوربین سے پڑوس کی عمارت کا جائزہ لیتے رہے لیکن بارہ بجے تک وہاں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ روشنیوں سے لے کر سناٹے تک ہر چیز جوں کی توں تھی۔

اول خان نے اگلے مشاہدے کے لیے اٹھتے ہی اطلاع دی کہ دونوں کمروں کی روشنیاں گل کردی گئی تھیں مگر احاطے میں بدستور روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اچھی بات تھی کہ ان لوگوں نے بارہ بجے سے سونے کی کوشش کا آغاز کردیا تھا۔ تین بجے تک ان پر اتنی گہری نیند کا غلبہ ہوجاتا کہ وہ اٹھائے بھی نہ اٹھتے۔

میں کھڑکی سے برابر کے مکان پر سرسری نظر ڈالتا ہوا اٹھا اور مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ مجھے سگریٹ کی طلب شدت سے ستا رہی تھی۔ یہ شوق اس کمرے میں رہتے ہوئے پورا نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ کے بتائے ہوئے کمرے اور باتھ روم تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ واقعی ایک محفوظ جگہ تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ بند کرکے سگریٹ سلگائی، لائٹر کی روشنی میں سوئچ بورڈ کا تعین کیا اور پھر ایک بلب بھی روشن کردیا۔ چائے نوشی کے طویل وقفے کے بعد سگریٹ کا پہلا کش ہی مزہ دے گیا۔

اس وقت ہم جس مہم پر آئے ہوئے تھے، بظاہر وہ بہت آسان نظر آرہی تھی لیکن میرے ذہن پر اس کا شدید دباؤ تھا۔ اس دباؤ کی وجہ سے محض آدھی سگریٹ پھونکنے کے بعد میری طلب پوری ہوگئی۔ میں نے بقیہ سگریٹ کموڈ میں پھینک کر بلب بند کیا اور دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

واپسی پر میں نے دوسروں کو بسکٹ کھانے میں مشغول دیکھا تو مجھے یاد آیا کہ عجلت اور جوش میں ہم میں سے کسی کو رات کا کھانا یاد نہیں آیا تھا۔ رات لمبی تھی اور اس وقت وہی کچھ میسر تھا جو غزالہ اپنی باسکٹ میں بھرلائی تھی۔ میں نے بھی اندھیرے میں ٹٹول کر اپنا حصہ لے لیا۔ غزالہ بچی ہوئی چائے کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھی۔

اس وقت میں چائے پیتے ہوئے، اول خان سے ہتھیاروں کی تقسیم کے اہم موضوع پر تبادلۂ خیال کررہا تھا۔ عورتوں سمیت ہم میں سے کوئی بھی اناڑی نہیں تھا۔ اول خان کلاشنکوف کی قسم کی چار خودکار رائفلیں اوپر لے آیا تھا۔ لمبی رینج کی جی تھری رائفل پہلے ہی سلطان شاہ کے پاس موجود تھی۔ خیال یہ تھا کہ دوسرا اسلحہ وقت آنے پر بانٹ دیا جائے گا۔

اچانک چٹ کی آواز کے ساتھ وہ کمرا تیز نیلگوں روشنی میں نہا گیا۔ سب کے دہانوں سے بوکھلائی ہوئی آوازیں نکلیں، روشنی معدوم ہوگئی مگر میں دیکھ چکا تھا کہ ویرا نے بے دھیانی میں سگریٹ سلگانے کی کوشش کی تھی۔

"بند کرو یہ بے ہودگی" روشنی معدوم ہونے سے لمحہ بھر پہلے میں غرا کر ویرا کی طرف جھپٹا۔ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ٹکراتا ہوا اس کے منہ پر پڑا اور لائٹر ایک چھناکے سے ننگے فرش پر گرگیا۔ میرا وہ ردِعمل اس قدر اضطراری اور تیز تھا کہ دوبارہ اندھیرا ہوجانے کے باوجود میں اپنا ہاتھ نہیں روک سکا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" سلطان شاہ ملامت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "اتنی روشنی تو میلوں دور تک دیکھ لی گئی ہوگی۔"

"سوری!" اندھیرے میں ویرا کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تم سب سے شرمندہ ہوں۔ بے خیالی میں مجھ سے ایک سنگین حماقت سرزد ہوئی ہے۔ ڈینی نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر مجھے بالکل مناسب سزا دی ہے۔"

"وہ تھپڑ نہیں تھا" میں تیز سرگوشیانہ غراہٹ میں بولا "میں تمہارے ہاتھ سے جلتا ہوا لائٹر گرانا چاہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں اندر والے باتھ روم میں بند ہوکر اپنا یہی شوق پورا کرنے گیا تھا۔"

"اندھیرے میں تمہارا ہاتھ تھپڑ بن کر میرے منہ پر پڑا ہے لیکن اس میں تمہارا نہیں، میرا اپنا قصور ہے۔"

"گڑبڑ ہوگئی.... انہوں نے احاطے کی روشنیاں بھی بجھادی ہیں۔ اب پورا مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے" اول خان کی آواز میں اضطراب نمایاں تھا۔ اس وقت وہ دیوار کی اوٹ میں دبک کر کھڑکی کے ایک سرے سے راس المیڈا کے گھر کی طرف جھانک رہا تھا۔

سب نے اِدھر اُدھر دبک کر دیکھا۔ چند منٹ پہلے روشن نظر آنے والا احاطہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سوئے نہیں، جاگ رہے ہیں اور انہوں نے ویرا کے لائٹر کی روشنی دیکھ لی ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بہت برا ہوا" ویرا کی آواز سے پشیمانی مترشح تھی "روشنی کی وجہ سے انہیں شبہ ہوگیا ہے تو اب بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا ہے۔ میں نے اپنا پورا پیکٹ مسل ڈالا ہے لیکن میں گزرے ہوئے لمحوں کو کسی طرح واپس نہیں لاسکتی۔"

"تم اس تاریک احاطے پر کڑی نظر رکھو" اول خان نے سلطان شاہ سے کہا پھر وہ کھڑکی چھوڑ کر ہمارے درمیان آگیا "جو ہونا تھا، وہ ہوگیا۔ اب اس پر پچھتانا بے سود ہے۔ ہمیں وقت گزارنے کے بجائے اسی وقت ہلہ بول دینا چاہیے، بدلے ہوئے حالات میں سلطان شاہ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"وہ کیوں؟" یہ سوال ویرا نے کیا تھا "کیا تم تینوں ہی ان کے احاطے میں کودو گے؟"

"نہیں.... بے خبری میں حملہ ہوتا تو مقابلہ ان کے گھر میں

ہوتا۔ اب وہ خطرہ بھانپ کر ہوشیار ہو چکے ہیں۔ کسی بھی آہٹ پر وہ پچھلی گلی سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ سلطان شاہ کو اس گلی میں جانا ہوگا۔ اس کی جگہ نگرانی کا کام تم سنبھالوگی۔ انہوں نے سڑک کا رخ کیا تو غزالہ انہیں روکے گی۔ ہم پانچوں کو اپنی اپنی جگہ مستعد رہنا ہوگا۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ بھڑکے ہوئے بھیڑیے کدھر کا رخ کر بیٹھیں" اول خان نے کہا۔

"میری حماقت کی وجہ سے سلطان شاہ کی جگہ تبدیل نہیں ہوگی۔ وہ وہیں رہے گا جہاں پہلے اس کی ضرورت تھی۔ پچھلی گلی کو میں سنبھالوں گی" ویرا کی آواز سخت اور سرد تھی "اپنی حماقت سے کھولے ہوئے نئے محاذ کو سنبھالنے کی اخلاقی ذمے داری میری ہے۔ اپنا کام میں خود سرانجام دوں گی۔"

اچانک سلطان شاہ کھڑکی سے ہٹ آیا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "احاطے میں ایک چھوٹا سا تاریک دھبا حرکت کر رہا ہے۔ تم لوگ بھی اسے دیکھ لو۔ وہ آدمی یقیناً نہیں ہے۔"

اول خان اس کے ہاتھ سے دوربین لے کر کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ بہت احتیاط سے دوسری طرف کا جائزہ لینے کے بعد وہ لوٹ آیا اور پُرتشویش آواز میں بولا "وہ کوئی کتا معلوم ہو رہا ہے۔"

"اس گھر میں سرے سے کتے کا وجود ہی نہیں ہے" سلطان شاہ نے اصرار کیا "میں نے چھت تک سے جائزہ لیا ہے۔ ان کے یہاں کتا ہوتا تو اب تک کئی بار بھونک چکا ہوتا۔ اس عمارت کے چوکیدار نے بھی یہی بتایا تھا کہ پڑوس میں کتا نہیں ہے پھر اب وہ کہاں سے آسکتا ہے۔"

"پھر وہ کوئی آدمی ہے جو چاروں ہاتھ پیروں پر چلتا ہوا احاطے کی مشترکہ دیوار کی طرف آرہا ہے" اول خان نے کسی فوری خیال کے تحت تیزی سے کہا "تم دونوں یہیں رکو.... میں دونوں لڑکیوں کو ان کی جگہوں پر پہنچا کر آتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ حرکت میں آگئے ہیں۔"

دوربین میرے ہاتھ میں تھما کر وہ بہت تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔ ویرا اور غزالہ نے اپنی خود کار رائفلوں اور بھرے ہوئے فاضل میگزینوں کے ساتھ اس کی تقلید کی تھی۔

اول خان مستقل مزاج اور حوصلہ مند ہونے کے باوجود حالات کی اس کایا پلٹ پر سخت دل برداشتہ نظر آرہا تھا۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے اس نے کوئی تلخ و ترش فقرہ نہیں کہا تھا لیکن میں اس کی دلی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس وقت وہ ایک ایسا کمانڈر تھا جس کے ایک سپاہی کی نادانستہ لغزش سے پورا سفینہ غرق ہونے کا سنگین خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں دوربین اپنی آنکھوں سے لگا کر پڑوس کے تاریک احاطے کا جائزہ لینے لگا لیکن وہاں ہر طرف گہری اور یکساں تاریکی کا راج تھا۔ مجھے کوئی متحرک دھبا نظر نہیں آسکا۔

"وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"ایسا تو نہیں کہ بڑھے ہوئے ہیجان کی وجہ سے تم دونوں کو نظر کا دھوکا ہوا ہو؟"

"وہ شخص چاروں ہاتھ پیروں پر وہاں رما سما نہیں ناچ رہا تھا جو اب تک وہیں نظر آتا" میرے سوال پر سلطان شاہ چڑ کر بولا "وہ احاطے کی دیوار تک آرہا تھا اور اب آچکا ہوگا۔ ایک وقت میں دو آدمیوں کو ایک جیسا فریبِ نظر نہیں ہو سکتا۔ ویرا کی بچی نے ہماری ساری محنت برباد کر دی ہے۔"

چند ہی سیکنڈ گزرے تھے کہ فضا کے گہرے سکوت میں ٹن کی ایک تیز آواز گونج اٹھی۔

"دیکھو! یہ ہماری کسی گاڑی کی چھت پر کنکر گرنے کی آواز ہے" سلطان شاہ نے ہیجانی لہجے میں کہا "وہ جو کوئی بھی ہے' دیوار کے سائے سے کنکر اچھال کر ہماری طرف کے ردِعمل کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہے۔ ٹن کی یہ آواز اس کے شبہات کو تقویت دے گی کہ ادھر کوئی دھاتی چیز موجود ہے۔"

چند ثانیوں بعد دوبارہ ٹن کی وہی آواز ابھری اور سلطان شاہ کے شبے کی تصدیق ہو گئی۔ ہمارا کوئی حریف دوبارہ اسی مقام پر کنکر پھینک کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اول خان اندھیرے میں پنجوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا اوپر آیا اور ایک اپریٹس مجھے دے کر بولا "دیوار کے پیچھے کوئی آچکا ہے اور ہمارے احاطے میں کنکر پھینک رہا ہے۔ ہمیں فوراً ادھر اترنا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے سلطان شاہ کی طرف پلٹا اور بولا "ہماری طرف سے تم فائر میں پہل نہیں کروگے۔ تم صرف ایک صورت میں پہلا فائر کر سکتے ہو جب تمہیں پورا یقین ہو کہ راس المیڈا ہی تمہارے نشانے پر آیا ہوا ہے۔ مقابلہ شروع ہو جانے کے بعد تم اپنے فیصلے خود کروگے.... ویرا پچھلی گلی میں ہے' غزالہ پھاٹک سے لگی کھڑی ہے۔ اس لڑکی نے لمحہ بھر میں سب کچھ چوپٹ کر دیا اور روہانسی آواز میں معافیاں مانگ مانگ کر اور غصہ دلا رہی ہے۔"

سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر ہم دونوں تیزی سے نیچے اترتے چلے گئے۔ احاطے کی دیوار سے لگ کر اول خان نے مجھے پھاٹک والے سرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود دیوار سے لگ کر مخالف سمت میں دوڑتا چلا گیا۔

میں کونے میں پہنچا تو چند قدم دور غزالہ رائفل سنبھالے کھڑی تھی۔

"فی امان اللہ!" اس کی موہوم سی آواز میرے کانوں میں آئی اور میں دیوار کی درازوں کا سہارا لے کر اوپر چڑھنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔

سب کچھ عجلت میں ہو رہا تھا۔ قبل از وقت کارروائی شروع ہو جانے کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو پوری طرح تیار ہونے اور اپنے ٹھکانے کا جائزہ لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اوپر چڑھنے کی ناکام

کوششوں میں میرے کئی ناخنوں کے سرے ٹوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر غزالہ تیزی سے میری طرف آئی اور اس نے جھک کر اپنا بایاں کندھا میری ٹانگوں کے سامنے کر دیا۔ میں نے ایک نظر اس کے نرم و نازک وجود کی طرف دیکھا اور مجھے اس پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔

وقت گزر رہا تھا۔ میرے پاس کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ میں نے دیوار کا سہارا لے کر جوتوں سمیت اپنا سارا بوجھ اس کے شانوں پر منتقل کر دیا۔ میرے بوجھ سے اس کا بدن لرز اٹھا۔ پھر وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے کانپتی ہوئی' دھیمے دھیمے اٹھتی ہی چلی گئی۔ مناسب بلندی میسر آتے ہی میں نے اچھل کر دیوار کے کنارے پکڑ لیے اور پھر کسی آبی جونک کی طرح دیوار سے چپک کر اوپر جا پہنچا۔

اسی وقت میری نگاہ اس ہیولے پر پڑی جو راس المیڈا کے احاطے میں کسی چیز پر چڑھ کر' دیوار سے دھڑ اوپر کی طرف نکالے شاید ہماری گاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی جھلک دیکھتا ہوا میں اندر گھاس کے قطعے پر کود گیا اور پھر میں نے دیوار کے ساتھ ساتھ اس طرف دوڑنا شروع کر دیا جہاں دشمن کا ایک آدمی موجود تھا۔

وہ یقیناً وہی آدمی تھا جو کسی کتے کی طرح اپنے ہاتھوں اور پیروں پر چل کر دیوار تک پہنچا تھا اور پھر ہمارے احاطے میں وقفے وقفے سے کنکر پھینکتا رہا تھا۔ میں اسے اپنا پہلا شکار بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں بمشکل دس بارہ گز ہی دوڑا تھا کہ مجھے دیوار کے پار جھانکنے والے کے قریب ایک اور ساکت سایہ نظر آگیا۔ اسے میں اس سے زیادہ تاریکی میں بھی پہچان سکتا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے اس شکار کو دیکھ چکا تھا اور شاید خاموشی سے اس کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اس وقت تک جو کچھ بھی ہوتا رہا تھا' مکمل خاموشی سے ہوا تھا۔ فضا پر بدستور ڈھلتی رات کا گہرا اور خواب آور سکوت چھایا ہوا تھا۔ اول خان اپنے شکار کو نیچے گھسیٹ کر سکوت کے اس تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پہلے ہی ارادہ کر چکا تھا کہ اس مہم میں مکمل خاموشی اور رازداری سے کام لیا جائے گا۔

اسے جو کچھ دیکھنا تھا' وہ اس نے دیکھ لیا تھا۔ وہ دیوار کے سہارے ٹکی ہوئی کسی چیز پر سے اچھل کر اندھیرے میں نیچے کودا اور اسی لمحے اول خان کا ایک بازو فضا میں بلند ہو کر غیبی ہتھوڑے کی طرح نیچے آیا۔ میرے کانوں میں دھب کی ایک بہت ہلکی سی آواز آئی اور دیوار سے نیچے آنے والا اپنے حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر تیزی سے زمین پر ڈھیر ہو کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اول خان کو اپنے اس وار پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے وہاں رک کر اپنے شکار کا جائزہ لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور دیوار

کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہوا واپس ہو لیا۔

"ویل ڈن!" میں نے دوڑتے دوڑتے اپریٹس پر کہا "تمہیں پہلا بے آواز شکار مبارک ہو۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اول خان کی ہانپتی ہوئی آواز آئی۔

"اندر کودنے کے بعد میں بھی اس پر لپکا تھا مگر تم پہلے سے اس کے منتظر تھے۔ اب میں بھی واپس ہو رہا ہوں۔"

"وہ مقامی ہے اس لیے میں نے اسے صرف بے ہوش کیا ہے۔ گوروں نے شاید اسے پڑوس کی سن گن لینے کے لیے بھیجا تھا۔ اب برابر کا مقابلہ ہے۔ ہماری طرح وہ بھی دو رہ گئے ہیں۔"

میں نے دل میں سوچا کہ اس وقت اول خان کی آخری ہدایت نے اس مقامی کی زندگی بچالی ورنہ سلطان شاہ ایسی جھلاہٹ میں مبتلا تھا کہ دیوار سے اس کا سر ابھرتا دیکھ کر فوراً ہی گولی چلا دیتا۔

"ہالٹ!" اس رات کے سناٹے میں وہ پہلی آواز تھی جو کسی بھی طرف سے نکالی گئی۔ لب و لہجہ غیر ملکی تھا مگر وہ راس المیڈا کی سرد' بھاری اور سپاٹ آواز نہیں تھی۔ اس نے آواز بدل لی ہو تو یہ اندازہ غلط ہو جاتا تھا۔

آواز اندھیرے میں سے آئی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ کسے للکارا گیا تھا۔ میں دوڑتا ہی رہا۔

اچانک پہلا فائر ہوا۔ وہ بڑے بور کے کسی ہتھیار کا ہولناک دھماکا تھا۔ فضا لرز اٹھی۔ اندھیرے میں فائر کی چمک اور پھر سرمئی دھوئیں سے میں نے فائر کرنے والے کی پوزیشن دیکھ لی۔ اس نے فائر میرے بجائے اول خان کی طرف کیا تھا۔ میں نے رک کر اس سمت میں ایک ہلکا سا برسٹ فائر کر دیا۔ فائرنگ کے شور میں شیشے ٹوٹنے کی بے شمار آوازیں بھی شامل ہو گئیں لیکن میرے حریف کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ شاید اس نے کسی پیشہ ور لڑاکا کی طرح' فائر کرتے ہی اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔

پھر یکے بعد دیگرے احاطے کی متعدد بتیاں روشن ہوتی چلی گئیں۔ وہ بہت بھیانک صورتِ حال تھی۔ جب تک دونوں فریق اندھیرے کی پناہ میں تھے' وہ تقدیر کی اندھی لڑائی تھی۔ لیکن احاطہ روشن ہونے کے بعد ہماری پوزیشن مخدوش ہو چکی تھی۔ وہ اندھیرے میں سے ہمیں دیکھ سکتا تھا' ہم اسے دیکھنے سے قاصر تھے۔

"روشنی ہو گئی۔ میں ڈیش کر رہا ہوں" اپریٹس پر یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی پوری قوت ٹانگوں میں سمیٹی اور احاطے کی دیوار سے عمارت کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ فاصلہ خاصا طویل تھا۔

"میں گولی سے بال بال بچ کر عمارت تک پہنچ چکا ہوں اور اندر گھسنے کا راستہ تلاش کر رہا ہوں" اول خان کی طرف سے فوراً ہی جواب آگیا۔ ہم دونوں کے اپریٹس ابتدا سے ہی مسلسل آن تھے۔

مجھے مختصر ترین وقت میں طویل کھلا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اندر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز دھمک گونجنے لگی۔ پے در پے

کئی گولیاں چلیں۔ میری سمت محفوظ تھی۔ میں آسانی سے عمارت تک پہنچ گیا اور دیوار سے اپنی پشت ٹکا کر ہانپنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے پھیپھڑوں میں موجود ساری آکسیجن ختم ہو چکی ہو۔ تیز تیز سانس لینے کے باوجود میرا دم گھٹا جا رہا تھا۔ شاید میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی تیز دوڑ نہیں لگائی تھی۔

فضا میں اچانک ایک برسٹ چلا۔ وہ یقیناً اول خان تھا۔ جواب میں دو دھماکے ہوئے۔

"تم خیریت سے ہو؟" میں نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بہ دقت تمام پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے.... ادھر کا احاطہ پھر تاریک ہو گیا اور اندھا دھند گولیاں آ رہی ہیں۔" اول خان کی آواز سے شدید پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں ادھر آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میری طرف ابھی بھی روشنی ہے۔"

"وہ شاید ادھر سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تم کسی بھی طرح اندر گھسو اور ان پر پیچھے سے فائر کھول دو۔ ان کا دباؤ اسی طرح ختم ہو سکتا ہے" پریشانی کے عالم میں بھی اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔ تم انہیں اسی طرف الجھائے رکھو" یہ کہہ کر میں نے دیوار سے الگ ہوئے بغیر ایک طرف سرکنا شروع کر دیا۔ اسی وقت فضا ایک اور برسٹ سے لرز اٹھی۔ برسٹ تھمنے سے پہلے تین جوابی گولیاں چلیں اور پھر خاموشی ہو گئی۔

اس دوران میں مَیں ایک بند کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں نے اندر سے ہونے والی کسی متوقع جوابی کارروائی سے خود کو بچاتے ہوئے کھڑکی پر زور ڈالا تو اسے ہلانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ کھڑکی اندر سے بولٹ تھی۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ کھڑکی پر آہنی گرل موجود نہیں تھی۔ میں نے اپنے لمبے میگزین کا نچلا حصہ مار کر کھڑکی کا شیشہ چکنا چور کر دیا۔ شیشہ ٹوٹنے کا شور کافی تھا مگر ٹکڑے اندر گرنے کی آواز ہلکی تھی۔ شاید کمرے میں فرش پر قالین بچھا ہوا تھا جس نے شور کو جذب کر لیا تھا۔

پچھلی سمت میں ایک مرتبہ پھر دو فائر ہوئے۔ میں نے ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ ڈال کر نچلا بولٹ اوپر سرکا دیا۔ کھڑکی پر ہاتھ مارا تو وہ اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ میں نے نیچے بیٹھ کر وہ پٹ باہر کھینچ لیا۔

"پوزیشن دو.... میں انتظار کر رہا ہوں" اول خان کی مضطربانہ آواز ابھری اور میں نے آواز فوراً ہی گھٹا دی۔

فضا میں یکے بعد دیگرے دو فائر گونجے۔ میں نے نیچی آواز میں جواب دیا "میں ایک کھڑکی توڑ چکا ہوں۔ یہاں سے میری آواز اندر سنی جا سکتی ہے.... میں کسی بھی لمحے اندر کود جاؤں گا۔"

"اندر سے ہر بار ایک ہی ہتھیار استعمال ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک زخمی ہے، مر چکا ہے یا فرار ہو گیا ہے۔ اب ہمیں صرف ایک بھیڑیے کو زیر کرنا ہے۔"

میرے لیے اول خان کا وہ اشارہ کافی تھا۔ وہ ہتھیاروں کی گونج کو الگ الگ پہچاننے کے فن میں طاق تھا۔ اگر اندر ایک ہی آدمی تھا تو وہ اول خان کے قدم اکھاڑنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں بے خوفی سے کھلی ہوئی کھڑکی میں سے تاریک کمرے میں کود گیا اور کئی ثانیوں تک ہلے بغیر اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

کمرے کو خالی پا کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اول خان سے پیغام رسانی اس مرحلے پر خطرناک ہو چکی تھی۔ کوئی بھی آواز میرے حریف کو بھڑکا سکتی تھی۔ میں نے اپنا ایرپیس بند کر دیا اور پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگا۔

دو طرفہ فائرنگ کا سکوت اس بار کچھ طویل ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک زبردست برسٹ فائر ہوا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اول خان نے ایک ہی مرتبہ اپنا پورا میگزین خالی کر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ برسٹ تھمنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا ایک زبردست دھماکے سے دہل اٹھی۔ میرے قدموں کے نیچے فرش تک لرز اٹھا۔

وہ کسی فائر کا نہیں، بلکہ بم کا دھماکا تھا۔ پوری کوششوں کے باوجود اپنے فرار کی کوئی راہ نہ پا کر ہمارے حریف نے شاید دستی بموں کے استعمال کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ وہ دھماکا اول خان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا ہوگا۔ وہ عمارت کی دیوار سے چپکا ہوا تھا اور عمارت کی کسی بھی بنیاد میں دھماکا کرنے کا مطلب صرف اور صرف خود کشی ہوتا۔

میں گہرے اندھیرے میں اپنے گرد و پیش کی سن گن لیتا ہوا آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتا رہا۔ اچانک مجھے ایک بغلی راہداری میں کوئی قوی ہیکل سایہ سا لہراتا ہوا محسوس ہوا اور میرے قدم وہیں گڑ کر رہ گئے۔

میں نے اندر کے خوف اور اندھیرے ماحول پر اپنی توجہ اس حد تک مرکوز کی ہوئی تھی کہ کئی موڑ کاٹنے کے بعد میں اپنی پیش رفت کی سمت بھول چکا تھا۔ سامنے والی کھڑکی سے اندر گھسنے تک میرے دماغ میں یہ خیال راسخ تھا کہ مجھے سیدھا چل کر مکان کے پچھلے حصے میں پہنچنا ہے جہاں اول خان مکان سے باہر مشکل صورتِ حال سے دوچار تھا۔

گمان یہ تھا کہ اس وقت اس مکان میں ایک حریف موجود تھا۔ اگر اندھیرے میں میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا اور بغلی راہداری میں واقعی کوئی موجود تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہی مکان کے عقبی حصے تک رسائی کا راستہ تھا اور مجھے پوری ہوش مندی سے راہداری میں داخل ہو کر سائے کو تلاش کرنا چاہیے تھا۔

میں ایک دیوار سے لگ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ میں پنجوں کے بل احتیاط سے چل رہا تھا تاکہ کوئی ہلکی سی آواز تک پیدا نہ ہو۔

راستے میں داہنی طرف ایک دروازہ نظر آیا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ وہ سایہ اس دروازے کے پیچھے بھی موجود ہو سکتا تھا۔ میں نے پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھائے اور پھر وہ تنگ کمرا دیکھ ڈالا۔ وہاں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

بڑھتے بڑھتے مجھے اس راہداری کا آخری بند سرا نظر آنے لگا اور میں چکرا کر رہ گیا۔ پتا نہیں میں اس مکان کی کن بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ اس پراسرار سائے کا پتا تھا، نہ ہی دوسرا عقبی راستہ تھا۔

ان الجھنوں کے باوجود میں بڑھتا ہی رہا اور پھر اچانک میرے سامنے آیا کہ سامنے سے وہ راہداری ضرور بند تھی مگر آخر میں وہ داہنی طرف مڑ گئی تھی۔ داہنی دیوار میں موجود خلا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ راستہ نوّے درجے کے زاویے پر مڑتے ہی کشادہ ہو گیا تھا۔

میں رخ بدل کر پھرتی سے اس راستے کی داہنی دیوار سے چپک گیا اور بڑھتے بڑھتے اس کے آخری سرے تک جا پہنچا۔ جوں ہی میں نے سرے سے سر آگے نکال کر اس حصے میں جھانکا، فضا گولیوں کے ایک نئے برسٹ سے لرز اٹھی۔ اس بار وہ آوازیں بہت قریب کی تھیں اور میرے نتھنوں میں بارود کی تیز بُو بھی آئی تھی۔

برسٹ ختم ہو گیا۔ مگر میری نظریں اسی راستے پر جمی رہیں۔ اس کے اختتام پر ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جس میں سے بارودی دھواں اندر آ رہا تھا۔ تاریکی میں دروازے کے ساتھ ایک دراز قامت اور گراں ڈیل سایہ چپکا کھڑا تھا۔ اس عمارت میں جاری محاذ آرائی کا گڑھ وہی مقام تھا۔

میں نے اپنی رائفل کو سیدھا کیا اور سامنے والی دیوار پر ایک ہلکا سا برسٹ مار کر دہاڑا "ہتھیار ڈال دو۔ تم ایک چوہے کی طرح اس راستے پر گھیرے جا چکے ہو۔"

میرے برسٹ اور آواز کے جواب میں باہر سے اول خان نے بھی گولیاں برسائیں۔ میں نے اپنا ایرپیس آن کر دیا۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد کسی احتیاط کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

"تم.... کتے کے بچے!" اس طرف سے انگریزی میں جھلائی ہوئی آواز گونجی۔ اس بار مجھے آواز پہچاننے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوا۔ آخر کار راس المیڈا ہمارے دام میں آ ہی گیا تھا۔ داہنی طرف کی راہداری سے نکاسی کے ایک رخ پر میں اپنی رائفل کے ساتھ تھا، باہر اول خان اس کے بارودی استقبال کے لیے تیار تھا۔

میں نے اپنے ایرپیس کا بٹن دبا کر راس المیڈا کو سنانے کے لیے انگریزی میں کہا "ڈی فار اے۔ کتے کا بچہ گھیرا جا چکا ہے۔ وہ اندر بھاگا تو میں اسے بھون دوں گا، تم دروازے پر نگاہ رکھو۔"

اول خان نے خوشی کے عالم میں اتنا لمبا برسٹ فائر کیا کہ وہ راہداری بارود کے دھوئیں سے بھرنے لگی اور راس المیڈا پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"فائرنگ بند کرو" وہ بری طرح کھانستے ہوئے چیخا "میں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔"

"دونوں ہاتھ اٹھا کر کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل جاؤ" میں نے اسے حکم دیا۔ یہ کہتے ہوئے میں نے ایرپیس کا بٹن بھی دبا دیا تھا تاکہ اول خان صورتِ حال سے غافل نہ رہے۔

"باہر والا دیوانہ وار فائرنگ کرتا ہے۔ وہ مجھے چھلنی کر دے گا" راس المیڈا کی آواز پر خوف غالب آ گیا تھا۔

"وہ کچھ نہیں کہے گا۔ باہر نکلو.... یو سن آف اے گن!" میرے اعصاب چٹخنے لگے۔

"یہ باہر آ گیا ہے اور میرے نشانے پر ہے" مجھے اپنے ایرپیس پر اول خان کا پیغام ملا۔

میں نے رائفل تھام کر اپنی سمت والی کشادہ راہ داری میں دوڑ لگا دی۔ وہاں اس وقت بھی جلے ہوئے بارود کی تیز بُو پھیلی ہوئی تھی۔

میں بارودی دھوئیں سے بھری ہوئی راہ داری طے کر کے اس مکان کے عقب میں کھلی فضا میں باہر نکلا تو تاروں بھرے آسمان کی پراسرار چھاؤں میں وہاں وہ منظر میرا منتظر تھا جس کی حسرت ایک مدت سے میرے دل میں پروان چڑھ رہی تھی۔

احاطے کے اس حصے میں گھور اندھیرے کا راج تھا لیکن تاروں کی مدھم روشنی میں وہ منظر بہت واضح تھا۔ اوّل خان کے ہاتھ میں اس کی بھیانک رائفل دبی ہوئی تھی اور اس رائفل کی نال اس قد آور جسیم ہیولے کی طرف اٹھی ہوئی تھی جس کے بدن پر گہرے رنگ کے نیکر اور آدھی آستینوں والے سفید بنیان کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے سنائی دینے والے بم کے دھماکے سے پیدا ہونے والا غبار اور دھوئیں کا بادل بیٹھ چکا تھا۔ اس وقت سکون اور سناٹے میں راس المیڈا کو اپنی رائفل کی زد پر لیتے ہوئے یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ چند ثانیوں پہلے وہ مکان لرزہ خیز فائرنگ اور دھماکوں کے شور سے لرز رہا تھا۔

میں پستہ قامت تھا، نہ اوّل خان منحنی شخصیت کا مالک تھا لیکن اس وقت راس المیڈا اپنے سوا چھ فٹ کے قد کے ساتھ ہمارے سامنے ایک دیو پیکر عفریت نظر آ رہا تھا۔

میری آہٹ پر اس نے اپنی گردن کو قدرے گھمایا، میں نے اس چھلاوے کا چہرہ غور سے دیکھنے کے لیے اپنی جگہ تیزی سے تبدیل کی اور اسی وقت فضا ایک سائرن کی دل اڑانے والی آواز سے گونج اٹھی۔

"پولیس.... شاید پولیس آ گئی۔" اوّل خان کے دہانے سے

اضطراری آواز نکلی "مجھے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اتنی فائرنگ کے بعد تو قبر کے مُردے بھی اٹھ کر یہاں آجاتے تو مجھے تعجب نہ ہوتا...... پولیس پارٹی کو صرف میں ہی سنبھال سکتا ہوں۔ تمہیں اس خبیث کو سنبھالے رکھنا ہوگا۔" اس نے وہ فقرے اردو میں ادا کئے تھے۔

میرے جواب دینے سے قبل راس المیڈا بھرائی ہوئی اور سپاٹ آواز میں انگریزی میں بولا "پولیس اب آئی ہے تو تم لوگوں کو کس کی حمایت حاصل ہے؟ تم کس اختیار کے تحت آگ سے کھیل رہے ہو؟"

بظاہر اس کا سوال چونکا دینے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اردو سے بالکل نابلد ہے۔ اول خان نے جو کچھ کہا' اردو میں کہا تھا۔ راس المیڈا نے اس کی گفتگو کے دوچار انگریزی الفاظ سمجھ لئے ہوں تب بھی وہ اس کی تشویش سے واقف نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس نے پولیس کی کسی گشتی گاڑی کا قریب آتا ہوا سائرن کا شور سنا تھا اور پھر اول خان کے لہجے کی بے ساختگی بھی محسوس کی تھی اس لیے اس نے آسانی سے اپنا مفہوم اخذ کرلیا تھا۔

"بھول جاؤ کہ اب تم قانون اور اختیار کی نزاکتوں کا سہارا لے کر بچ سکو گے۔" میں نے تلخ اور سفاکانہ آواز میں اسے جواب دیا "اس تاریک اور بے نام ٹھکانے پر تم راڈنی آرک نہیں' صرف راس المیڈا ہو...... تھوڑی دیر بعد ہمارے خون آشام کتے بہت رغبت سے تمہارے بدن سے بوٹیاں ادھیڑیں گے۔"

"نن...... نہیں! تم میرے ساتھ ایسا گھٹیا سلوک نہیں کرسکو گے۔"

سائرن کی آواز کشمیر روڈ پر اس مکان کے قریب آکر یک بہ یک

...دم توڑ گئی۔

صرف ایک لمحے کے لیے سکوت چھایا رہا پھر پولیس والوں نے اپنی آمد کے اعلان کے لیے ایک ہوائی فائر کردیا۔ سرخ شعلہ فضا میں تیرتا ہوا کافی بلندی تک گیا اور معدوم ہوگیا۔

"باہر نکلو!" سڑک کی طرف سے کوئی اضطراری لہجے میں چیخا۔ "پولیس نے علاقہ گھیر لیا ہے۔"

اس وقت ہم لوگ مکان کے عقب میں تھے لیکن سڑک سے بہت زیادہ دور نہیں تھے۔ اول خان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اونچی آواز میں ہانک لگائی "یہاں جو کچھ ہو رہا ہے' قانون کے نام پر ہو رہا ہے...... اپنے ہتھیار نیچے کرلو۔ میں تم سے ملنے کے لیے باہر آرہا ہوں۔"

اول خان کے حرکت میں آتے ہی راس المیڈا نے پاؤں بدلے۔ شاید وہ کسی مکارانہ چال کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن میں اس بار اسے اپنے ہاتھوں سے پھسلنے کا کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ میری رائفل کی نال اس کے چوڑے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اس وقت تک میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ میں اس سے پہلے کراچی ائرپورٹ پر بھی اسے دیکھ چکا تھا لیکن وہاں اس نے اتنی سرعت سے اپنے ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں غور سے اس کا جائزہ نہیں لے سکا تھا۔ اس لمحے وہ میری زد پر آیا ہوا تھا اور آزادانہ نقل و حرکت پر قادر نہیں تھا۔ میں اسے گھورتا رہا۔

اس کے دونوں کان آگے کی طرف قدرے مڑے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گھونگھریالے بالوں کے نیچے اس کی تنگ پیشانی چمک رہی تھی۔ کسی پیشہ ور جواری کی طرح سرد مگر بے چین آنکھیں مجھے کسی ایسے سانپ کی یاد دلا رہی تھیں جو اپنے شکار کو نظروں ہی نظروں میں مسحور کرکے اچانک ہڑپ کر جانے کے چکر میں ہو۔ سیدھی لکیر کی طرح کھنچے ہوئے سفاکانہ ہونٹ یوں بھنچے پڑے تھے جیسے وہ مسکرانا ہی نہ جانتے ہوں۔

اوّل خان پولیس والوں سے نمٹنے کے لیے بہت تیزی سے وہاں سے غائب ہوا تھا۔ ہم دونوں دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے رہے۔ میری نظریں قہربار تھیں۔ میں اپنے اس حریف سے پچھلا حساب چکانے کے لیے بے چین تھا اور وہ شاید مجھے تول رہا تھا۔

"مقابلہ ختم ہوگیا۔" آخر کار راس المیڈا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی دھیمی آواز برآمد ہوئی "تم جیت گئے' میں ہار گیا...... اس سرزمین پر اپنی یہ شکست میں مرتے دم تک نہیں بھول سکوں گا۔ یہاں آکر مجھے ذلت اور زخموں کے سوا کچھ بھی نہیں ملا...... آؤ! اب سودا کئے لیتے ہیں۔ یہ ڈیل ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہے گی۔ تم صرف زبان کھولو' میں تمہاری ہر شرط مان لوں گا۔"

میں استہزائیہ اور قدرے بھیانک ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تمہارے جسم پر ٹی شرٹ اور سال خوردہ نیکر کے سوا تیسرا کپڑا نہیں ہے' تم میری شرط کیا پوری کرو گے...... شاید یہودی بھی اپنے مُردے کو پورا کفن دیتے ہیں۔ یہاں سے ہم تمہاری لاش کو کفن میں لپیٹ کر وائٹ ہاؤس بھیجیں گے۔ سر سے پیر تک تمہارے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں رہے گا۔ زندہ دشمن کا ہم لہو چوس لیتے ہیں مگر مرے ہوئے دشمن کا احترام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے الیکشن میں تمہاری سالم لاش امریکا کے موجودہ صدر کو دوسری میعاد کے لیے صیہونی حمایت دلا سکے...... ہاتھی مر بھی جائے تو سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔"

"آنے والے انتخابات میں ہم ہاتھی کی نہیں' گدھے کی حمایت کر رہے ہیں۔" وہ گھبراہٹ میں میرے کہے ہوئے محاورے کا مفہوم سمجھے بغیر جلدی سے بولا "تم چاہو تو ہم اس حمایت سے دست بردار ہو سکتے ہیں۔ امریکا میں میرے ہم مذہب بہت منظم ہیں اور میرے اشاروں پر عمل کرتے ہیں۔"

وہ واضح طور پر امریکا کی ڈیموکریٹک اور ری پبلکن پارٹی کے انتخابی نشانات کی بات کر رہا تھا۔ میرے لیے سیاست کا وہ موضوع قطعی غیر دلچسپ تھا۔ میں نے کہا "گدھے ہمیشہ گدھوں کی ہی حمایت کرتے ہیں۔ تم جو چاہو' کرتے رہو لیکن اپنی سرزمین پر۔ یہاں تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے' اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔"

"میں اب تک یہ سمجھ رہا تھا کہ تمہیں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دوسرے اداروں کی بھرپور سرپرستی حاصل ہے لیکن ابھی تمہارے ساتھی نے پولیس کی تکرار کے ساتھ تم سے جس لب و لہجے میں باتیں کیں' اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس جنگ و جدل میں قانون تمہارا ساتھی نہیں ہے۔ مجھے پکڑ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ تم نے مجھے مار بھی دیا تو یہاں ہمارے وفاداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ وہ تمہیں گھیر گھار کر ایسے انجام سے دوچار کریں گے کہ تم ہر ایک کے لیے عبرت کا نشان بن جاؤ گے۔ ہم لوگ دو چیزوں پر کوئی سمجھوتا قبول نہیں کرسکتے۔ ہیروئن اور اسلامی ایٹم بم۔ تمہاری سرزمین پر یہ دونوں چیزیں پنپ رہی ہیں۔ بلیو کراس ڈیل کے تحت ایران سے آنے والے ایٹمی ساز و سامان اور آلات کی کھیپ پاکستان کی سرحدوں میں پہنچتے ہی حیرت ناک طریقے پر کہیں غائب ہو چکی ہے۔ شمالی مغربی پہاڑوں میں پاکستانی اور افغان دن رات ہیروئن بنا رہے ہیں جو دنیا بھر میں اپنا رنگ جما رہی ہے...... مجھ سے لڑ کر تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ امریکا میں ہاتھی والوں کی حکمرانی ہو یا گدھے والوں کی' ان دونوں کے لیے یہ مسائل اہم ہیں۔ وہ ان معاملات کو کسی قیمت پر نظرانداز نہیں کریں گے۔ میں زندہ رہوں یا تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں' تمہارا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ مجھ سے سمجھوتا کرکے تم اپنا مستقبل محفوظ کرسکو گے۔"

میں نے اپنی رائفل کی نال کو برہمی سے جنبش دی اور زہر آلود آواز میں کہا "تم میرے مستقبل کی نہیں' اپنے حشر کی فکر کرو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ہم اپنے زندہ دشمن کے بدترین دشمن ہوتے ہیں لیکن دشمن کے مُردے کی تذلیل نہیں کرتے۔ کتوں کے بھنبھوڑنے کے بعد تم جس حالت کو پہنچو گے' اسی حالت میں امریکا پہنچائے جاؤ گے۔ اگر تمہاری صحیح سالم لاش امریکا کے آنے والے صدارتی انتخاب پر کوئی خوش گوار اثر نہیں ڈال سکی تو پھر تمہیں احتیاط سے مارنا بے سود ہوگا۔ تمہاری موت اسی طرح عبرت کا نشان بنے گی جس طرح تم میری موت کو عبرت کا کوئی انوکھا شاہکار بنانا چاہ رہے ہو۔"

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" اس نے سرد اور مستحکم آواز میں کہا۔ "مارنا ہوتا تو اب تک مار چکے ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اور قانون کا کوئی ناجائز رشتہ ہے جو اجالوں میں معدوم ہو جاتا ہے لیکن اندھیروں میں گناہ کی طرح تیزی سے پروان چڑھتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو فریڈم لاج پر تمہاری وحشیانہ چڑھائی کے بعد ملٹری والے ہرگز اس درندگی کی ذمے داری قبول نہ کرتے۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ تم کسی مضبوط کھونٹے پر اچھل رہے ہو۔ تمہارے ملک کی قانونی قوتیں میرے سامنے بے بس بلکہ بے دست و پا ہیں کیوں کہ میں راس المیڈا نہیں' راڈنی آرک ہوں۔ ایک بڑے اور سب سے زیادہ طاقت ور ملک کا سفارت کار لیکن تم جیسے قانون شکن لٹیرے کو اسپیشل ٹاسک فورس کی سرپرستی حاصل ہے۔ تمہاری حکومت ایسی کسی فورس کے وجود سے مسلسل انکار کرتی چلی آرہی ہے لیکن میرے چہیتے البرٹو ویلیسا نے اس فورس میں برسوں کام کرکے ایسا ٹھوس مواد فراہم کردیا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس ملک میں درندوں کا ایسا غول سرگرمِ عمل ہے جو کسی قاعدے قانون کا لحاظ کئے بغیر صرف اپنی صوابدید پر کام کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے' بے دریغ مار ڈالتا ہے۔"

میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ ہم نے کئی بار بھرپور تیاریوں کے ساتھ راس المیڈا کے خلاف کارروائیاں کی تھیں اور کراچی ائرپورٹ والے آخری واقعے کے سوا ہر موقع پر زبردست خون ریزی کے باوجود کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے تھے لیکن اس روز ہمارے ستاروں نے یاوری کی تھی تو مہلک ترین بارودی ہتھیاروں کے دو طرفہ استعمال کے باوجود خون کا کوئی قطرہ بہا تھا' نہ جسمانی تشدد کی کوئی نوبت آئی تھی اور راس المیڈا میری رائفل کے خون آشام دہانے کی زد پر موجود تھا۔

"تمہاری اطلاعات ناقص ہیں۔" میں نے کہا "مگر تم اپنی آسانی کے لیے سمجھ لو کہ اس وقت تم اسپیشل ٹاسک فورس کے قیدی ہو۔ تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔ وہ بہت سفاک لوگ ہیں۔ ملک و قوم کے مفادات کا معاملہ ہو تو قانون کی ذرا بھی پروا کئے بغیر من مانی کر گزرتے ہیں۔ تم راہِ راست پر نہ آئے تو وہ خاموشی سے تمہاری گردن کاٹ دیں گے۔"

"شاید تمہارا ساتھی اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی بڑا آدمی ہے۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ نپی تلی آواز میں بولا "میں حیران ہوں کہ مجھے پہچان لینے کے باوجود وہ مجھے اپنی رائفل کی زد پر لئے رہا۔ اگر وہ لوگ میری جان کے اتنے ہی دشمن ہیں تو اس نے پہلی فرصت میں میرا بدن چھلنی کیوں نہیں کردیا؟"

"تمہاری یہ حسرت جلد ہی پوری کردی جائے گی۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تمہاری موت سے پہلے ہم اپنے کچھ سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ موقع مل گیا ہے تو ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"بے سود کوششیں ہوں گی تمہاری...... مجھے زندگی کا لالچ دے کر شاید تم اپنا مقصد حاصل کرلیتے لیکن میرا فیصلہ سنا دینے کے بعد یہ امید نہ رکھو کہ میں تمہاری توقعات کو پورا کرتا چلا جاؤں گا۔"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" مجھے اچانک ہی اس کے سفید فام ساتھی کا خیال آگیا۔

"ڈھونڈ لو!" وہ فخر آمیز زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا "میں پھنس گیا ہوں مگر وہ آزاد ہے۔ اسی گھر کے کسی اندھیرے گوشے میں دبک کر موقع کا انتظار کر رہا ہوگا۔ کسی بھی طرف سے ایک برسٹ چلے گا اور تم سب خاک و خون میں تڑپتے ہوئے نظر آؤ گے۔ میں اس وقت بھی اتنا بے یار و مددگار نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

میں بے اختیار پھریری لے کر رہ گیا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔

اس نے مجھے بروقت ایک خطرے کا احساس دلایا تھا۔ اس کا ساتھی مسلح اور آزاد تھا۔ وہ اس گھر کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی لمحے مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر اپنی رائفل کی نال کو جنبش دے کر کہا "فوراً اندر چلو..... بالکل اسی پوزیشن میں۔"

میں اسے اسی راہداری میں واپس لے جانا چاہتا تھا جہاں سے ہم دونوں مکان کے عقب میں نکلے تھے۔ اس نے میری دھمکی کو نظر انداز کردیا اور اپنی جگہ سے جنبش کئے بغیر کہا "باہر پولیس موجود ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جب تک تمہارا ساتھی واپس نہ آجائے' تم گولی چلانے کی حماقت نہیں کرو گے۔ میں کھلی فضا میں ہی رہوں گا۔ تم زبردستی مجھے کنکریٹ کی بند دیواروں کے پیچھے نہیں لے جاسکتے۔"

میں نے فوری طور پر کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کئے بغیر گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ میری زہر آلود نظریں نیکر اور بنیان میں ملبوس' راس المیڈا کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ باتوں باتوں میں اول خان نے بتایا تھا کہ اس کی فائرنگ کے جواب میں صرف ایک ہی ہتھیار استعمال کیا جارہا تھا۔ قدرے تواتر کے ساتھ برقرار رہنے والی اس یکسانیت سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ دو میں سے ایک حریف مرچکا تھا' زخمی ہوگیا تھا یا پھر فرار ہوچکا تھا۔ اس وقت راس المیڈا میری رائفل کی زد میں تھا' اس لیے یہ بات بالکل واضح تھی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا' وہ اس کے جان نامی ساتھی کے ساتھ ہوا تھا۔

راس المیڈا کو خوش فہمی تھی کہ پولیس فورس ہماری حلیف نہیں بلکہ حریف تھی اور جب تک وہ لوگ اس مکان کی کشمیر روڈ والی سمت پر موجود تھے' میں اس پر گولی چلانے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے اندرونی طریقۂ کار کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں مگر میں اپنے پچھلے تجربات کی روشنی میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ایس ٹی ایف والے کوئی نہ کوئی شعبدہ آزما کر پولیس کو اپنے معاملات سے دور رکھنے میں کبھی بھی ناکام نہیں ہوئے تھے۔ قانون سے ماورا ایک ایجنسی کے طور پر انہیں کچھ ایسے اختیارات حاصل تھے جن کی بنا پر وہ امن و امان قائم رکھنے والی عام شہری ایجنسیوں کی مداخلت کے بغیر اپنے فرائض انجام دے سکتے تھے۔

مجھے یقین تھا کہ اوّل خان کو پولیس پارٹی کو وہاں سے ٹالنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

"یو سوائن!" میں نے غرّا کر کہا "اندر چلو ورنہ میں ابھی تمہاری پنڈلیاں چھلنی کردوں گا۔"

"کردو!" راس المیڈا نے سرد آواز میں کہا پھر بالکل غیر متوقع طور پر اس دیو پیکر عفریت نے میرے اوپر حملہ کردیا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی وہ میرے اتنے قریب آچکا تھا کہ میرے لیے اس پر فائر کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی اور لحہ بھر میں اپنی رائفل فضا میں اچھال کر اس کی نال اپنی گرفت میں لے لی۔ جوں ہی راس المیڈا میری زد میں آیا' میں نے نال پکڑ کر اپنی رائفل پوری طاقت سے فضا میں گھمائی اور اس کے وزنی دستے نے پُرشور آواز کے ساتھ راس المیڈا کے چہرے کا بایاں حصہ ادھیڑ ڈالا۔

وہ دیو پیکر عفریت اپنی پیش قدمی کے زور میں بری طرح لڑکھڑا کر کرب ناک آواز میں دہاڑا اور پھر میری داہنی ٹانگ حرکت میں آگئی۔ پیٹ میں پڑنے والی اس وحشیانہ ٹھوکر نے راس المیڈا کو زمین بوس کردیا۔

اس نے اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے بہت بری طرح مار کھائی تھی اور زمین چاٹنے پر مجبور ہوگیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کے منہ سے ناقابلِ بیان مغلظات کا نہ رکنے والا طوفان ابل پڑا تھا۔

وہ زمین پر گر کر کرب و اذیت سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا کہ میں نے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے اس کے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لئے' اس کے دہانے سے چند کریہہ اور بے ساختہ آوازیں ابھریں مگر میں اسے بالوں کے سہارے کچی زمین یا لان پر گھسیٹتا ہوا اس اکلوتے دروازے کی طرف ہولیا جو پوری عمارت کو اس عقبی حصے سے ملانے کا شاید واحد ذریعہ تھا۔ میں نے اسی دروازے سے راس المیڈا کو باہر ہانکنے کے بعد خود باہر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"حرام زادے...... میرے بال چھوڑو!" راس المیڈا غصے اور جھلاّہٹ کے عالم میں چیخنے لگا "جان ابھی تم کو چھلنی کرکے رکھ دے گا۔ اس نے کچھ نہ کیا تو میں تمہارے ساتھ تمہاری پوری ٹولی کو فنا کرکے رکھ دوں گا...... وہ سب حرام کے جنے تھے۔ ان میں سے ایک بھی اصیل ہوتا تو تم میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کرسکتے تھے۔"

وہ بساط کا پٹتا ہوا ایک مہرہ تھا۔ اگر وہ سب اس کی داد و فریاد ہوتی تو قابلِ درگزر ہوسکتی تھی لیکن وہ تو کسی خوں خوار بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مار کھانے کے باوجود وہ ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس کے بالوں کو

ایک جھٹکا دیا اور پھر اس کا چہرہ اپنے قدموں میں جھکاتا چلا گیا۔

"تم کسی کنجر کے تخم ہو۔" اپنے ٹخنوں پر اس کے چڑھتے ہوئے سانسوں کی حرارت محسوس کرکے میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "بازی ہار کر بھی ہار ماننے پر آمادہ نہیں ہو۔ تمہارا علاج یہی ہے کہ اب تم اپنی ناپاک زبان سے میرے پیر یا جوتے چاٹو...... تم نے ایسا نہ کیا تو میں پگھلا ہوا سیسہ تمہاری کھوپڑی میں اتار دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ تمہیں مار دینا ہی میرا اوّلین مقصد ہے۔ تمہیں زندہ رکھ کر میں کوئی فیض حاصل نہیں کرسکوں گا۔"

اچانک میرے داہنے پیر کے برہنہ حصوں پر راس المیڈا کی گرم اور لیس دار زبان پھسلنے لگی اور وہ چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان کہنے لگا "تم...... تم مجھے زندہ رہنے دو۔ میں تمہارے پیر یا جوتے ہی نہیں' بدن کا کوئی بھی حصہ خوشی سے چاٹ لوں گا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا' اپنی زندگی کے لیے مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

موت کی دہشت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ اپنا پورا زور دکھانے اور اس کے نتیجے میں مار کھانے کے بعد اس کی ساری دلیری کافور ہوچکی تھی اور ایک مرتبہ پھر یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ راس المیڈا بذاتِ خود بزدل آدمی تھا اور صرف اپنے آدمیوں کے بل بوتے پر لڑنا جانتا تھا۔

میں نے دوبارہ اسے دروازے کی طرف لے جانے کی کوشش کی تو اس نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی' اپنے قدموں پر چلتا ہوا مکان کے پچھلے حصے میں داخل ہوگیا۔ اس کے بال بدستور میری مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔

دروازے کے ساتھ ہی دیوار گیر سوئچ بورڈ موجود تھا۔ میں نے بٹن دبا کر راہداری روشن کردی۔

راس المیڈا خوف اور بے یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکاتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو...... تمہاری طرف کیا صورتِ حال ہے؟" اچانک ایرپیس پر اول خان کی آواز ابھری۔

"میں اس بھیڑیے کو اندر لے آیا ہوں۔ تم کہاں ہو اور آنے والوں کا کیا بنا؟" میں نے راس المیڈا کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر اردو میں جواب دیا۔

"وہ لوگ واپس جاچکے ہیں۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ ویرا کی تلاش میں مصروف ہوں۔ پچھلی گلی بالکل ویران پڑی ہوئی ہے۔ ویرا کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔"

وہ خبر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ اس رات کی سب سے بری خبر تھی اور بہت زیادہ تشویش ناک تھی۔ میں نے فوراً ہی کہا "جان بھی غائب ہے۔ ابھی تک اس کی موجودگی کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے۔ ذرا اچھی طرح دیکھو۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے پچھلی گلی سے فرار ہوتے ہوئے ویرا کو بے ہوش کردیا ہو۔"

"ہم نے پوری گلی چھان ماری ہے۔" اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی "میرا خیال ہے کہ جان ٹکراؤ ہوتے ہی خاموشی سے بھاگ نکلا تھا۔ آثار کچھ اچھے نہیں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ویرا کو اپنے ساتھ ہی نہ لے گیا ہو۔ آج اس لڑکی نے بے پروائی سے اپنا لائٹر جلا کر جس خرابی کی ابتدا کی تھی' اس کا سب سے بھاری خمیازہ شاید اسی کو بھگتنا پڑا ہے۔ پتا نہیں اب وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔"

"تم فوراً واپس آؤ اور اس وحشی سانڈ کو سنبھالو۔ میں خود بھی ایک دفعہ ویرا کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "تم تینوں میں سے جو بھی مکان کے سامنے والے حصے سے اندر آئے' وہ ساری روشنیاں جلاتا ہوا آئے۔ اب تاریکی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

ایرپیس پر خاموشی چھاگئی مگر میری طبیعت پر اضطراب طاری ہوتا چلا گیا۔ راس المیڈا سے ہمارے آخری تصادم میں جان کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہونے کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ وہ خطرہ بھانپ کر حالات بگڑنے سے پہلے ہی اس مکان سے فرار ہوگیا تھا لیکن میرا دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ اس نے مکمل خاموشی اور رازداری کے ساتھ ویرا کو زیر کرلیا

ہو گا۔ وہ بے خبری میں وار کر کے ویرا کو بے ہوش کر بھی لیتا تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اتنی رات گئے ویرا کو اپنے کندھے پر لاد کر پیدل ہی دوڑ لگانے کا سنگین خطرہ مول لیتا۔ اس احاطے میں دو گاڑیاں موجود تھیں' میں نے انہیں نہیں دیکھا تھا لیکن میں یہ جانتا تھا کہ اس تمام بھاگ دوڑ میں کہیں بھی کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا تھا' نہ اس احاطے سے کوئی گاڑی باہر نکلی تھی۔ جان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ویرا کو اپنے کندھے پر لاد کر طویل عقبی گلی طے کرتا اور پھر کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر اپنے کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جاتا۔

میری نگاہیں راس المیڈا کے زخمی چہرے پر مرکوز تھیں۔ روشنی ہونے کے بعد میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے چہرے کے بائیں حصے پر اس وقت مصنوعی سیاہ مسّا موجود نہیں تھا۔ وہ بازی ہار جانے پر بہت سراسیمہ اور پریشان نظر آرہا تھا مگر مجھے اس صورتِ حال سے حاصل ہونے والی عارضی خوشی ویرا کے لیے پیدا ہونے والی تشویش میں معدوم ہو چکی تھی۔ میرا ذہن مسلسل ویرا کی سلامتی میں الجھا ہوا تھا۔

انسان تشویش' مایوسی اور وسوسوں کے کسی مضبوط جال میں گھرا ہوا ہو تو خوش فہمیوں کی راہ نکالنے کے لیے اس کا ذہن بعض اوقات عجیب کرشمے دکھاتا ہے۔ ان لمحات میں مجھے ایک انوکھا خیال آیا۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا پچھلی گلی کے کسی تاریک گوشے میں چھپی ہوئی ہو اور اس نے جان کو فرار ہوتے ہوئے دیکھ کر' اس پر وار کرنے یا اسے براہِ راست للکارنے کے بجائے خاموشی سے اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

ویرا کے خاموشی سے غائب ہونے کی ایک وہی امکانی صورت ہو سکتی تھی مگر غور کرنے پر وہ امکان بھی اپنا جواز کھو بیٹھا۔ ویرا خاموشی سے اس کے تعاقب میں نکلی ہوتی تو وہ سلسلہ صرف عقبی گلی کے اختتام تک برقرار رہ سکتا تھا۔ گلی ختم ہونے کے بعد وہ دونوں سڑک پر نکلتے تو جان کوئی نہ کوئی سواری حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ اتنی رات گئے یہ ممکن نہیں تھا کہ جان کے ساتھ ویرا کو بھی کوئی سواری مل جاتی۔ تعاقب کا سلسلہ ٹوٹنے کا خطرہ بھانپتے ہی ویرا کو جان کے مقابلے پر آجانا چاہیے تھا۔ اس مقابلے کا جو بھی نتیجہ برآمد ہوتا' ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ اس مکان کی حدود سے باہر بھی تصادم کا کوئی سلسلہ چل نکلا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا' راس المیڈا کی کمین گاہ میں ہو رہا تھا۔ اس سے باہر فضا پر گہرا سکوت طاری تھا۔

ساری مغز سوزی کے باوجود ویرا کی پُراسرار گمشدگی کا مسئلہ اپنی جگہ پر برقرار تھا۔

روشن راہ داری میں راس المیڈا میرے نشانے پر تھا۔ بظاہر میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا مگر میرا ذہن ویرا کی گتھی میں الجھا ہوا تھا۔ وقت رینگ رینگ کر بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ پھر اچانک مکان کے کسی دور افتادہ حصے میں دھمک کی آواز ابھری پھر رات کے سناٹے میں کسی سوئچ کی آواز سنائی دی۔ تاریک مکان کے کسی حصے میں یک بہ یک روشنی پھیل گئی تھی اور درودیوار کی رکاوٹوں کے باوجود میری حساس نگاہیں اس روشنی کا انعکاس محسوس کر رہی تھیں۔

"جو جہاں ہے' وہیں رکا رہے ورنہ میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔" فضا میں سلطان شاہ کی متجسس آواز گونجی "اس وقت پوری عمارت محاصرے میں لی جا چکی ہے۔"

سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے بے خوفی سے بلند آواز میں کہا "بے فکری سے روشنیاں جلاتے ہوئے اندر آجاؤ۔ اس وقت پوری عمارت سنسان پڑی ہوئی ہے۔ میں مکان کے پچھلے حصے میں اپنے گندے شکار کے ساتھ موجود ہوں۔"

"میں آرہا ہوں!" سلطان شاہ کی آواز گمبیھر تھی۔ میری طرح شاید وہ بھی ویرا کی طرف سے فکرمند تھا۔

"گولی نہ چلا دینا...... ہم بھی آرہے ہیں۔ ہمیں تم دونوں کی آوازیں بہت واضح سنائی دے رہی ہیں۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد ایریٹس پر اول خان کی آواز ابھری۔ شاید غزالہ اس کے ساتھ تھی۔

چند ثانیوں بعد ہی وہ دونوں کھلے ہوئے عقبی دروازے سے روشن راہ داری میں آگئے۔ اس وقت غزالہ آگے تھی۔ وہ اپنی رائفل کے ساتھ بہت پُرعزم اور خطرناک نظر آرہی تھی۔ اول خان اس کے پیچھے تھا۔

ان دونوں کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی مایوسی دیکھ کر مجھے کوئی سوال پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں نے بھانپ لیا کہ وہ ویرا کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔ ان دونوں کے کڑے تیور دیکھ کر راس المیڈا کی آنکھیں خوف سے مزید پھیل گئی تھیں۔ وہ نسل پرست صیہونی دہشت گرد اپنے ہر ردِعمل سے یہ بات ثابت کر رہا تھا کہ اپنے آدمیوں سے بچھڑ کر وہ اپنی ساری ہیبت اور بربریت بھول چکا تھا۔ اس وقت اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی پوری عمارت میں چراغاں کرتا ہوا ہمارے ساتھ آملا۔

"ویرا کا کچھ پتا چلا؟" غزالہ اور اول خان پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

ان دونوں کی خاموشی اس کے سوال کا بھرپور جواب تھی۔ اس کی آنکھیں دہک اٹھیں اور وہ راس المیڈا کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے اپنی مہیب دور مار رائفل کی لمبی نال راس المیڈا کے سینے پر [illegible] کر اتنے زور سے دبائی کہ وہ گراں ڈیل عفریت اس دباؤ سے نجات [illegible] نے کے لیے لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے سرک گیا۔

"ویرا کہاں ہے؟" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے غرا کر پوچھا۔ یہ سوال اس نے انگریزی میں کیا تھا۔

پہلی کوشش میں راس المیڈا بولنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے ہونٹ ہلے اور دہانے سے چپ چپ کی ایسی آواز برآمد ہوئی جیسی راتب کھاتے ہوئے کتے کے منہ سے نکلتی ہے۔ غالباً موت کی دہشت سے اس کا دہانہ خشک ہو رہا تھا اور زبان تالو سے چپک رہی تھی۔

"م...... مجھے...... ن...... نہیں معلوم۔" اس نے ہکلاتے ہوئے بدقت تمام جواب دیا "میں تمہارا قیدی ہوں اور شروع سے اب تک اسی چھت کے نیچے موجود ہوں۔"

سلطان شاہ نے جی تھری کی نال سے راس المیڈا کے سینے پر بے رحمی سے ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بے اختیار ایک سسکی لے کر رہ گیا۔

"یہ کچھ نہیں بتا سکے گا۔" میں نے اردو میں سلطان شاہ کو سمجھایا "اگر وہ کہیں بھی موجود نہیں ہے تو اس کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ ہمیں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔"

"میں نے دوڑ کر دونوں سروں تک پچھلی گلی دیکھ ڈالی ہے۔" اول خان نے زبان کھولی "وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں ہے۔"

"فلان [illegible] مردود کے بے ہوش چوکیدار کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔" غزالہ بولی "اول خان کا اندازہ ہے کہ بھاگنے والے کا کوئی داؤ چل گیا ہو گا۔ وہی ویرا کو بے ہوش یا زخمی کر کے اٹھا لے گیا ہے۔"

"ویرا اتنی کمزور اور بودی نہیں تھی کہ کوئی آواز نکالے بغیر یوں ڈھیر ہو جاتی۔" سلطان شاہ نے تڑپ کے کہا "وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں تھی' ایک مکار دشمن کے مقابلے پر میدان میں اتری ہوئی تھی۔ وہ اتنی غافل نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی بھگوڑا اسے اتنی آسانی سے اٹھا لے جائے۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے اسے ٹوک دیا "حالات اور واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ اب خوش فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ جان یہاں سے بھاگ کر کہاں گیا ہو گا۔"

"یہ بات تو ہمارا قیدی ہی بتا سکتا ہے۔" میں نے راس المیڈا کو گھورتے ہوئے کہا۔ اردو میں ہونے والی ہماری گفتگو نے اسے بہت زیادہ ہراساں کر دیا تھا۔

"تمہارے دو انجام ہو سکتے ہیں۔" میں نے اس سے انگریزی میں کہا "تم پر وقت برباد کئے بغیر' تمہیں ذبح کر کے یہیں پھینک دیا جائے...... اگر تم جان کی نئی پناہ گاہ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو تو تمہیں ویرا کی بازیابی تک زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ جلدی بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہ اسی کا گھر ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں فوراً ہی بولنے لگا "آج کل میں اسی کا مہمان تھا۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہوگا...... اگر وہ ویرا کو اٹھالے گیا ہے تو اس وقت قونصل کے گھر یا دفتر بھی جاسکتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص ویرا کی قدروقیمت سے پوری طرح واقف ہے۔ اسے ہر جگہ خوش آمدید کہا جائے گا۔"

میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا۔ وہ ہمارے چنگل میں پھنس کر چوکڑی بھول چکا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات سے پتا چل رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"کیا اس نے ویرا کو اپنے کندھے پر لاد کر یہاں سے قونصل خانے تک پیدل دوڑ لگائی ہوگی؟" سلطان شاہ نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" وہ بے بسی سے بولا "وہ قونصل خانے میں اسٹینو کا کام کرتا ہے لیکن اول درجے کا قفل شکن بھی ہے۔ وزنی تجوریوں کے تالے تک کھول لیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سڑک کے کنارے پارک کی ہوئی کوئی گاڑی چرا لے گیا ہو۔ میں اس کے کسی بھی قول یا فعل کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

یہ ایک اہم بات تھی کہ راس المیڈا کو تحفظ فراہم کرنے والا امریکن قونصل خانے کا باقاعدہ ملازم تھا۔ ایسی صورت میں غالب امکان یہی تھا کہ اس نے فرار ہونے کے بعد اپنے کسی بڑے افسر کے گھر کا رخ کیا ہوگا۔ ان دنوں شہر میں تواتر سے جو واقعات پیش آئے تھے، ان کے بعد اس ملک کے تمام سفارت کاروں کو غیر معمولی تحفظ فراہم کیا جارہا تھا اور نادیدہ خطرات کی بنا پر انہوں نے خود بھی نقل و حرکت بہت محدود کرلی تھی۔

"یہ اس سے زیادہ نہیں جانتا۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہوکر اردو میں کہا "یہ اس وقت خوف زدہ ضرور ہے مگر بلا کا مکار اور چالباز ہے۔ اسے پوری احتیاط سے کہیں پہنچانے کے بعد ہی ہم یکسو ہوکر ویرا کے لیے کچھ سوچ سکیں گے۔ صبح ہونے سے پہلے ویرا ہمارے ہاتھ نہ آئی تو بات بگڑ بھی سکتی ہے۔"

"اس کے لیے نادرہ کے مکان کا تہ خانہ قریب اور محفوظ رہے گا۔" غزالہ بول پڑی۔

"نہیں۔" میں نے ساگا کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا "دوسرے قیدی کو دیکھ کر یہ ہمارا کھیل سمجھ جائے گا اور اس کے توڑ کی ترکیبیں سوچنے لگے گا۔ اسے ہیبت اور بے یقینی میں مبتلا رہنا چاہیے۔ اسے بالکل بھی اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نے اس پر کس کی مدد سے ہاتھ ڈالا ہے۔"

"میرے ذہن میں بھی نادرہ کا گھر ہی تھا۔" اول خان نے کہا "تم دونوں کو یک جا نہیں کرنا چاہتے تو پھر راس المیڈا کو چار نمبر والے ٹھکانے پر لے جانا ہوگا۔ شہر میں میرے پاس متبادل جگہ نہیں ہے۔"

"اسے وہاں پہنچا کر واپس آنے میں کافی وقت ضائع ہوجائے گا۔" میں نے اسٹیشن فور کے فاصلے اور دشوار گزار راستے کا تصور کرتے ہوئے فکر مندانہ آواز میں کہا "لیکن یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میں اسے بے ہوش کرکے اپنی گاڑی سے لے جاتا ہوں۔ تم تینوں گھر پہنچ کر کوئی راہ نکالو۔ ایک اپریٹس تمہارے پاس ہے، دوسرا میں لے جاؤں گا۔ اس پر ہم ایک دوسرے سے مشورہ کرتے رہیں گے۔ میری واپسی تک کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو ہی جائے گا۔"

مجھے راس المیڈا سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔ اپنے تشنہ سوالوں کے جواب پالینے کے بعد اس موذی کو زندہ رکھنا بالکل بے سود ہوتا۔ اگر حالات پوری طرح سازگار رہتے تو صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے دھرتی کو راس المیڈا کے ناپاک وجود سے نجات دلائی جاسکتی تھی لیکن ویرا کی پراسرار گمشدگی نے معاملات الجھادیے تھے اور اس کی بازیابی تک راس المیڈا کے قصے کو پسِ پشت ڈالنا ناگزیر ہوگیا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری۔ وہ رہ رہ کر راس المیڈا کو خوں خوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ میرا اشارہ پاتے ہی اس نے رائفل کی نال سے راس المیڈا کی برہنہ پنڈلی پر زوردار ضرب لگائی۔ وہ اپنے حلق سے عجیب وغریب آوازیں نکالتا ہوا، چند ثانیوں تک ایک پیر پر چکراتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی مجروح پنڈلی دباتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا۔

میں نے سلطان شاہ کو گھورنا چاہا لیکن اس نے دانستہ مجھ سے نظریں چار نہیں کیں۔ میرے اشارے کا مقصد یہ تھا کہ سلطان شاہ اس کی کنپٹی پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کردے لیکن اس نے جان بوجھ کر اس عمل کو طول دینے کی کوشش کی تھی تاکہ راس المیڈا کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔

راس المیڈا کے بیٹھتے ہی سلطان شاہ نے اپنی رائفل فرش پر ڈالی اور بڑھ کر راس المیڈا کے زخمی چہرے پر تابڑتوڑ مکّے برسانے شروع کردیے۔ راس المیڈا کی دبی دبی اضطراری چیخیں راہ داری میں گونجنے لگیں۔ اپنے آسیب صفت حریف کا چہرہ بگاڑتے ہوئے سلطان شاہ کا دل کا غبار ذرا ہلکا ہوا تو اس نے پسلیوں میں ٹھوکر مار کر راس المیڈا کو فرش پر گرادیا۔ اس کی اگلی زوردار ٹھوکر اس عفریت کی بائیں کنپٹی پر پڑی۔ وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ راس المیڈا کے وجود نے فرش پر دو تین لہریے لیے اور پھر ساکت ہوگیا۔

"بعض اوقات تم اپنی کھوپڑی سے باہر ہوجاتے ہو۔" میں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ میری بات کا جواب دیے بغیر اپنی رائفل کی طرف بڑھ گیا۔ اول خان نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "کبھی کبھی بگلے کے سر پر موم بتی جلا کر شکار کھیلنے میں لطف آتا ہے۔ ویرا کی طرف سے پریشانی دور ہوجائے پھر تم دیکھنا کہ میں اس کی کیا درگت بناتا ہوں۔"

تشویش اور فکر مندی کے ماحول میں اول خان کا وہ شگفتہ فقرہ رائگاں گیا۔ سلطان شاہ نے اپنی جی تھری رائفل شانے سے لٹکائی اور راس المیڈا کے دونوں پیر تھام کر اسے کسی مویشی کی طرح فرش پر گھسیٹ کر عقبی دروازے کی طرف لے جانے لگا۔

میرے استفسار پر اول خان نے بتایا کہ گاڑی پیچھے لانے کے لیے کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا لیکن سرسبز لان کو روند کر اس کی جیپ آسانی سے پیچھے آسکتی تھی۔ راس المیڈا کی وزنی لاش کو کم ازکم ...محنت کے ساتھ لے جانے کے لیے وہی سب سے بہتر راستہ تھا۔

فیصلہ ہوجانے کے بعد سارے کام تیزی سے ہوتے چلے گئے۔

راس المیڈا بے ہوش تھا مگر یہ خطرہ تھا کہ وہ راستے میں ہوش میں آنے کے بعد اول خان کے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔ اس خطرے کے سدِّباب کے لیے اس کے ہاتھ پیر مضبوط ڈوریوں سے جکڑ کر اسے اول خان کی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا۔ دیوار کے سائے میں بے ہوش پڑے ہوئے مقامی چوکی دار کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اول خان بے ہوش قیدی کو لے کر وہاں سے اسٹیشن فو[illegible] لیے روانہ ہوگیا۔

اسے رخصت کرنے کے بعد ہمارا زیادہ دیر تک وہاں رکنا مخدوش تھا۔ غزالہ پہلے ہی برابر والے مکان میں جا کر اپنے ساتھ لایا ہوا سامان سمیٹنے میں مصروف ہوچکی تھی۔ میں نے وہاں جاتے ہوئے سلطان شاہ کو ہدایات دیں اور اس نے بند کمرے کے قریب جا کر وہاں قید چوکی دار کو بتایا کہ وہاں مسلح تصادم کی وجہ سے بدترین حالات پیدا ہوچکے تھے۔ باہر سے اس کے کمرے کی کنڈی کھولی جارہی تھی لیکن دن کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے اسے کمرے ہی میں رہنا تھا۔ اندھیرے میں باہر آنے کی صورت میں اس کی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔

وہ خوف زدہ شخص ابتدا سے ہی تعاون پر آمادہ تھا۔ اس نے اندر سے پھنسی پھنسی آواز میں سلطان شاہ کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے دروازے کی کنڈی کھول دی گئی۔

اس آخری کام سے فارغ ہوکر ہم تینوں وہاں سے روانہ ہوگئے۔

مجھے خوف تھا کہ اس وقت اول خان ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ اگر راستے میں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے سامنا ہوجاتا تو ہم اپنے پاس موجود اسلحے کا کوئی جواز پیش نہیں کرسکتے تھے لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس وقت کشمیر روڈ پر دور تک سناٹے کا راج تھا۔ کے ایم سی اسپورٹس کمپلکس میں اگر اس دن شادی بیاہ کی تقریبات منعقد بھی ہوئی تھیں تو وہ شہر کے بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے بہت دیر پہلے ختم ہوچکی تھیں اور اس وقت ان میدانوں میں بس واجبی سی اِکا دُکا روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

واپسی کے لیے ہمارے پاس دو متبادل راستے تھے۔ کشمیر روڈ سے ہوکر ہم مزارِ قائد اور پھر نمائش اور پھر صدر سے ہوتے ہوئے کلفٹن کی طرف نکل جاتے مگر اس راستے میں نمائش کی پولیس چوکی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اس علاقے میں وہ چوکی رات بھر فعال اور پُرہجوم رہتی تھی۔ دن کے اوقات میں وہاں ٹریفک کے عملے کی بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی لیکن رات میں وہاں قرب وجوار کے گشتی دستوں اور ان کی گاڑیوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ دوسرا راستہ طارق روڈ کا تھا جس سے ہوکر ہم وہاں تک پہنچے تھے، میں نے ممکنہ خطرات کا موازنہ کرنے کے بعد سلطان شاہ کو طارق روڈ ہی کی طرف چلنے کی ہدایت دے ڈالی۔

علامہ اقبال روڈ سے طارق روڈ کی طرف گھومتے ہوئے میں نے اپریٹس پر اول خان سے رابطہ کیا "کہاں تک پہنچے ہو؟ تمہارا سفر کیسا چل رہا ہے؟"

"ویران سڑکوں پر ڈرائیونگ میں مزہ آرہا ہے۔" اول خان نے جواب دیا "قیدی بدستور بے ہوش ہے اور اس وقت میں حسن اسکوائر سے آگے نکل چکا ہوں۔ سبزی منڈی پر پھلوں اور سبزیوں سے لدے ہوئے ٹرکوں اور تھکے مزدوروں کی بھیڑ کے باوجود سڑک بند نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے واپس لوٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

”ہمیں بھی ابھی تک میدان صاف ملا ہے۔ راستے میں کوئی پولیس پارٹی ٹکرا گئی تو کیا ہوگا؟“

”ایسی باتیں مت سوچو۔“ اول خان کا لہجہ سخت ہوگیا ”کوئی مل ہی جائے تو اپریٹس پر مجھ سے بات کرا دینا۔ میں خود انہیں ہر بات سمجھا دوں گا...... یہ بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟“

”میرا ذہن بالکل سپاٹ ہے۔ اتنے بڑے شہر میں ایک لڑکی کا سراغ لگانا آسان نہیں ہے۔“

”سوچتے رہو' کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ میں خود بھی اس احمق لڑکی کے لیے پریشان ہوں جو اس وقت اپنی ہی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اسے بازیاب کرانا ہوگا۔“

”تم اس طرح بات کررہے ہو جیسے اس کے اغوا پر مجھے موردِ الزام ٹھہرا رہے ہو۔“ میں نے شکوہ کیا۔

”یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟“ اول خان کی آواز میں حیرت عود کر آئی۔

”تم بار بار حوالہ دے رہے ہو کہ وہ اپنی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اس نے غلطی کی ہے تو اسی کو مزہ چکھنا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اس واقعے پر ہم میں سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔“

”وہ بہت حساس لڑکی ہے۔“ ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی ”تمہیں یاد ہوگا کہ گڑبڑ کا آغاز ہوتے ہی میں نے سلطان شاہ کو پچھلی گلی میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کی حماقت کی وجہ سے سلطان شاہ کی جگہ تبدیل نہیں ہوگی۔ اپنی حماقت کے نتائج کو بھگتنے کی اخلاقی ذمے داری اسی کی ہے۔ میں صرف اس بات کو اجاگر کرتا رہا ہوں۔ میرا مقصد تمہیں یا کسی اور کو الزام دینا نہیں ہے۔“

”چلو' میں مانے لیتا ہوں۔ اب تم یہ نہ کہہ دینا کہ اپنی حماقت کی اخلاقی ذمے داری نبھانے کے لیے ویرا نے مجرمانہ احساس کے ساتھ خود کو جان کے حوالے کردیا ہوگا۔ وہ حساس ضرور ہے لیکن دشمن اور لڑائی کے معاملے میں بہت سفاک ہے۔ وہ آسانی اور خاموشی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔“

”مایوسی کی وجہ سے اس وقت تم تڑچڑے پن کا شکار ہو رہے ہو' میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ کوئی معقول تجویز ذہن میں آئے تو مجھ سے رابطہ کرلینا۔ فی الحال خدا حافظ۔“

”میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اول خان کے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔“ سلطان شاہ سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر پُریقین لہجے میں بولا ”وہ ہمیشہ اس کے گن گاتا رہتا ہے۔“

”تھوڑی دیر پہلے تم ویرا کی وجہ سے راس المیڈا کو پھاڑ کھانے پر تلے ہوئے تھے۔“ غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا ”میں مانتی ہوں کہ اس میں بہت سے عیب اور خامیاں ہیں مگر ہم میں سے کون ہے جو اس سے متاثر نہیں ہے؟ اپنی ساری خرابیوں کے باوجود وہ سحر انگیز بلکہ طلسماتی شخصیت کی مالک ہے۔“

”شاید تم میرے بجائے ڈینی پر چوٹ کررہی ہو“ سلطان شاہ نے خوش دلی سے کہا۔

”اس وقت مذاق برا لگ رہا ہے“ غزالہ کی آواز سے خفگی مترشح تھی ”میں کسی پر چوٹ نہیں کررہی' حقیقت بیان کررہی تھی۔ بعض اوقات میں بھی اس سے چڑنے لگتی ہوں لیکن اس کے اغوا کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری کوئی عزیز سہیلی بلکہ بہن مجھ سے بچھڑ گئی ہو۔“

”وہ جادوگرنی ہے“ سلطان شاہ خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا ”موقع ملنے پر ہم سب کو کچوکے لگاتی رہتی ہے اور پھر بھی ہمارے دلوں پر حکمرانی کرتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سب اس کے لیے فکرمند کیوں رہتے ہیں۔“

”تم سمجھ ہی نہیں سکتے“ غزالہ نے ترشی سے کہا ”وہ تمہیں چڑانے کے لیے تم سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے اور تم اس سے بدکنے لگتے ہو۔ اس کی ان چھوٹی چھوٹی دل آزاریوں میں بھی اپنائیت کی جھلک ہوتی ہے۔ وہ دل کی بری نہیں ہے۔ میرا بس چلے تو میں آج ہی تمہاری اور اس کی شادی کروا کے ہمیشہ کے لیے سارے جھگڑے ختم کردوں۔“

”وہ بازیاب ہوگئی تو میں اس سے تمہاری اس تجویز پر بات ضرور کروں گا“ میں نے جلدی سے کہا۔

”یہ ہرگز نہیں ہوسکتا“ سلطان شاہ برہم ہوکر بولا ”اس سے تو بہتر ہوگا کہ تم دونوں مجھے ہمالیہ کی کسی چوٹی سے موت کی اندھی کھائیوں میں دھکیل دو۔ اسے میری زندگی پر ذرا بھی تصرف حاصل ہوگیا تو وہ میرا جینا حرام کردے گی۔ جو عورت دن رات شراب کے نشے میں غرق رہنے کو زندگی کی معراج سمجھتی ہو' اسے کون اپنی بیوی بنانا پسند کرے گا۔ اچھی عورتیں شرابی شوہروں کو برداشت نہیں کرتیں تو ایک شرابی بیوی کو کون بھگتے گا۔“

”وہ اپنی تنہائیوں کی تلخی کو شراب میں گھول گھول کے پیتی رہتی ہے“ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”اس سے بات کی جاسکتی ہے۔ گھر بسنے کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو وہ یقیناً یہ عادت ترک کردے گی۔“

اس وقت ہماری گاڑی شارع فیصل سے گھوم کر گورا قبرستان کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ سلطان شاہ نے بھنا کر اسٹیئرنگ کاٹا اور گاڑی فٹ پاتھ کے کنارے لے جا کر اچانک بریک لگادیے اور تیز آواز میں کہا ”اگر میرے بارے میں تم دونوں کی سوچ اسی قدر بے رحمانہ ہے کہ تم ویرا کی خوشی کے لیے مجھے قربانی کا بکرا بنانے پر تلے ہوئے ہو تو میرا تمہارے ساتھ گزارہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے کہیں

اپنا منہ کالا کرلینا چاہیے....“

وہ غصے میں گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر رہا تھا مگر میں نے اس کا بازو دبوچ کر اسے سیٹ پر بیٹھا رہنے پر مجبور کردیا اور کہا۔ ”رات کے سناٹے میں بلاوجہ تماشا بننے اور بنانے کی کوشش مت کرو اور گاڑی چلاتے رہو۔ اپنی ان حرکتوں سے تم مجھے پاگل کردوگے....“

”میری کیا حرکتیں ہیں؟“ وہ میری بات کاٹ کے بولا ”سب کچھ تم دونوں کا کیا دھرا ہے۔“

اشتعال کے باوجود اس نے موقع کی نزاکت سمجھ لی تھی اور چون وچرا کیے بغیر گاڑی کو دوبارہ حرکت میں لے آیا تھا۔ میں نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا ”تمہاری ہر بات نرالی اور عقل سے باہر ہوتی ہے۔ ویرا پر ذرا سا بھی برا وقت آجائے تو یوں تڑپ اٹھتے ہو جیسے وہ تمہاری پیدائشی محبوبہ ہو اور ہم تمہاری اور اس کی شادی کی بات چھیڑیں تو اسے گالی سمجھتے ہو.... ٹھنڈے دل سے تم خود اپنے ان متضاد رویّوں کا تجزیہ کرو اور ایمان داری سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم خود بھی کسی فوری نتیجے پر نہیں پہنچ سکوگے۔“

”تم لوگ میری انسانی ہمدردی کو غلط سمجھتے رہے ہو“ وہ غراتے ہوئے بولا۔

”یہ انسانی ہمدردی کی کون سی قسم ہے کہ تم نے ویرا کے اغوا کی خبر سنتے ہی مار مار کر راس المیڈا کا بھرکس نکال دیا تھا۔ اس وقت تم جنون کے عالم میں نظر آرہے تھے“ میں نے کہا۔

”وہ میری غلطی تھی“ سلطان شاہ تلخی سے بولا ”اس بار تو ویرا صرف اغوا ہوئی ہے۔ آئندہ وہ ماری بھی گئی تو میں کوشش کروں گا کہ اس کے لیے کسی دردمندی یا نرم دلی کا مظاہرہ نہ کروں۔“

”مریں اس کے دشمن!“ غزالہ بے ساختہ تلملا کر بول پڑی۔ ”پتا نہیں اس وقت تم کیا ہذیان بک رہے ہو۔“

”سچ باتیں کڑوی بلکہ ہذیان ہی لگتی ہیں“ سلطان شاہ لڑاکا لہجے میں بولا ”میں بھی ویرا کی جان کا دشمن نہیں ہوں۔ میری طرف سے وہ ہزار برس زندہ رہے مگر میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اب اس کے دکھ سکھ پر کسی ردّعمل کا اظہار نہیں کروں گا۔ اس کی ہمدردی اور خبرگیری کے لیے تم لوگ ہی کافی ہو۔“

بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سب ہی خاموش ہوگئے۔ فضا میں انجن کا دھیما شور باقی رہ گیا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرالیا اور بحیرۂ عرب کی طرف سے آنے والی' ڈھلتی رات کی خنک ہواؤں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس وقت ہمارے سفر کی سمت ایسی تھی کہ گزرتا ہوا ہر لمحہ ہمیں سمندر سے قریب تر لے جارہا تھا اور فضا پر اس قربت کے آثار لمحہ بہ لمحہ زیادہ واضح ہوتے جارہے تھے۔

سلطان شاہ کی اس وقت کی گفتگو نے میرے ذہن میں ایک تلاطم سا برپا کیا ہوا تھا۔ سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد میں نے فوری خیال کے تحت' پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا ”جان کے لیے ویرا ایک قیمتی شکار ہے۔ کافی غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جان اسے لے کر قونصل کے گھر ہی گیا ہوگا۔ اگر ہم پوری رازداری اور اسپیشل ٹاسک فورس کی بھرپور مدد کے ساتھ وہاں دھاوا بول دیں تو تھوڑے سے کشت وخون کے بعد ویرا کو آزاد کرا سکتے ہیں۔“

میری وہ برجستہ خیال آفرینی غزالہ کے پلے نہیں پڑسکی اور وہ گڑبڑا کر رہ گئی مگر سلطان شاہ دوٹوک لہجے میں بول پڑا ”اگر ویرا اب تک زندہ ہے تو حملہ ہوتے ہی وہ اسے ہلاک کردیں گے۔ تمہیں اس کی زندگی سے دلچسپی نہ ہو تو ضرور اس منصوبے پر عمل کرو۔ اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں کوئی اور راہ تلاش کرنی ہوگی۔“

میں گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں بے ساختہ مسکرا دیا۔ سلطان شاہ میری مسکراہٹ نہیں دیکھ سکا لیکن اس نے میرے لہجے کی چبھن ضرور محسوس کرلی ہوگی۔ میں نے کہا ”ذرا ہی دیر پہلے تم نے فتویٰ دیا تھا کہ آئندہ تم ویرا کے دکھ سکھ پر اپنے کسی ردِّعمل کا اظہار نہیں کروگے' پھر اب اس کے معاملات میں دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟“

میرے ان کاٹ دار فقروں نے سلطان شاہ کو بوکھلا دیا۔ وہ جھنجلا کر خود ملامتی انداز میں بولا ”سالی ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے۔“ پھر اس کی آواز قدرے بلند ہوگئی ”یہ ویرا کی نہیں' لڑاکی

کے اصول کی بات ہے۔ ویرا کی جگہ کوئی کالا چور بھی ہوسکتا ہے۔ اسے چھڑانے کے لیے کوئی اندھا دھند کارروائی کی جائے گی تو وہ دشمن کے ہاتھوں مارا جائے گا اور تمہیں ناکامی کے زخموں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"اے میرے منہ بولے اور احمق بھائی!" غزالہ نے اس مرحلے پر پوری بات سمجھنے کے بعد ایک گہرا سانس لے کے کہا۔ "الٹے سیدھے جواز پیش کرنے کے بجائے اپنے دل کو ٹٹولو۔ ویرا تمہارے دل کے کسی انجان گوشے میں دبک کر تمہارے دل ودماغ کی ڈوریاں ہلاتی رہتی ہے۔ اس وقت ڈینی نے یہی بات ثابت کرنے کے لیے امریکن قونصل کے گھر پر اچانک دھاوا بولنے کی بات چھیڑی تھی اور تم بے ساختہ ان کے چکر میں آگئے..."

"بس!" سلطان شاہ نے اسے خاموش کردیا "میں کسی چڑیل یا بھتنی کا شوہر ہوسکتا ہوں مگر ویرا کا نہیں۔ تم نے اس بارے میں مزید کوئی بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے" میں اس کے احمقانہ فقروں پر بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ نوک جھوک اور چھیڑ چھاڑ چلتی ہی رہی۔ گفتگو میں وقفہ آتا تو غزالہ کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ دیتی تھی کہ سلطان شاہ دوبارہ بولنے لگتا تھا۔ میں نے ان دونوں کی اس تکرار سے لاتعلقی اختیار کرلی تھی۔ میرا ذہن ایک بار پھر ویرا کی ذات میں الجھ گیا تھا مگر میں کوئی بھی قابلِ قبول رائے قائم کرنے سے قاصر تھا۔

آخر کار ہم تینوں کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر گھر پہنچ گئے۔ غزالہ فلیٹ کا دروازہ کھول رہی تھی تو اندر سے مسلسل فون کی گھنٹیاں بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ اول خان ہوسکتا تھا۔ شاید وہ اسٹیشن فور پہنچ کر یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ ہم گھر پہنچ چکے تھے یا راستے میں ہی تھے۔

غزالہ نے تالا کھول کر اندر داخل ہونے میں بہت پھرتی دکھائی لیکن ہمارے اندر پہنچتے ہی فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ موقوف ہوچکا تھا۔ غزالہ فون کی طرف لپکتے لپکتے راستے میں ٹھہر گئی۔

میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا لیکن ماؤتھ پیس میں ابھرنے والی آواز میرے لیے اجنبی تھی۔

"کیا اول خان صاحب اسٹیشن فور پہنچ چکے ہیں؟" سلسلہ ملتے ہی میں نے براہِ راست سوال کرڈالا۔

"آپ کون بول رہے ہیں سر؟" میرے سوال کو ٹال کر متجسس لہجے میں پوچھا گیا۔

مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں نے اپنی کوئی شناخت بتائے بغیر وہ سوال کرکے غلطی کی تھی۔ میں نے کہا "میں ڈینی بول رہا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے تک ہم لوگ اکٹھے ہی تھے۔"

"وہ ابھی یہاں نہیں پہنچے سر!" میرا نام سن لینے کے بعد وہ بول پڑا "کوئی پیغام ہو تو نوٹ کرادیں۔"

"وہ آئیں تو انہیں میرے فون کے بارے میں بتادینا" یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اگر وہ اول خان کا فون نہیں تھا تو اتنی رات گئے کون ہم سے فون پر بات کرنے کی کوشش کررہا تھا؟ اس سوال پر غور کرتے ہوئے میرا ذہن الجھ گیا۔ میں چاہتا تو اول خان سے ایرئیس پر فوری رابطہ کرسکتا تھا لیکن وہ اس فون کے بارے میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسی سوچ میں لمحہ بھر کے لیے میرا ذہن جہانگیر کی طرف مبذول ہوا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ کسی ناگہانی مسئلے سے دوچار نہ ہوگیا ہو۔

میں نے اسے فون کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی رات کے سکوت میں کسی آسیب کی طرح چیخ اٹھی اور میں نے فوراً ہی ریسیور اٹھالیا۔

"کون بول رہا ہے؟" ایک اجنبی اور بھاری آواز نے انگریزی میں سوال کیا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی سرایت کرگئیں۔ شاید وہ راس المیڈا کا کوئی ہمدرد ہی تھا۔

"تم اتنی رات گئے، اس نمبر پر کس کی تلاش میں ہو؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ڈینی!" دوسری طرف سے کسی تردّد کے بغیر جواب دیا گیا۔ "کوئی اس سے بات کرنے کا خواہاں ہے۔"

"کون بات کرے گا؟ نام جاننے کے بعد ہی تمہارے سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔"

"مس ویرا لائیڈ!" سپاٹ آواز میں الفاظ کے صحیح مخرج کے ساتھ جواب آیا۔

"میں بول رہا ہوں۔ ریسیور اسے دے دو" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"اس سے بات کرنے سے پہلے یہ سن لو کہ یہ ایک سودے بازی ہے۔ حالات کی ستم ظریفی نے ہم دونوں فریقوں کو باندھ کر رکھ دیا ہے۔ میرا باس شاید تمہاری تحویل میں ہے اور ویرا میری قید میں ہے۔ ابھی تک میں نے اسے عزت اور احترام سے رکھا ہے اور میں اسی وقت راس المیڈا سے بات کرنا چاہوں گا۔ اس لمحے کے بعد تم نے اس پر کوئی زیادتی کی تو وہی سلوک ویرا کے ساتھ کیا جائے گا" وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آگیا۔

"تم کون...." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ دوسری طرف سے بولنے والے غیر ملکی نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور ویرا کے حوالے کردیا تھا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگی تھی۔

"اس وقت میرا سر چکرا رہا ہے اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے ناچ رہے ہیں" ویرا کی آواز سے کمزوری اور نقاہت عیاں ہورہی تھی۔ اس وقت وہ خلافِ معمول انگریزی بول رہی تھی "میں تین مسلح نقاب پوشوں کے ہتھیاروں کی زد پر ہوں۔ ابھی تک میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میری قسمت کا انحصار اس فون کال کے نتائج پر ہوگا۔ تم ان کی شرائط مان لوگے تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ان کی باتیں نہ مانی گئیں تو یہ کہتے ہیں کہ مجھے خود اپنی زندگی اور وجود سے گھن آنے لگے گی۔"

"یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟" میں نے تشویش آمیز انداز میں پوچھا۔

"یہ میرے اور راس المیڈا کے تبادلے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پتا نہیں ان کی یہ تجویز تمہارے لیے قابلِ قبول ہوگی یا نہیں... میں انہیں سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے۔ تم راس المیڈا کو ماردوگے اور یہ لوگ مجھے بے عزت کرکے ماردیں گے۔ تمہیں ایک ہی تیر سے دو شکار کھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم ان کی سودے بازی کو قبول نہیں کروگے کیونکہ شادی ہوجانے کے بعد تمہیں میری ذات میں ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی ہے۔"

میں نے ویرا کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو پورے تحمل اور غور سے سنا۔ وہ دشمن کی کچھار سے بول رہی تھی اور پوری طرح ہوش وحواس میں تھی۔ میں برسوں سے اس کا مزاج شناسا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ دشمنوں میں گھری ہوئی ہونے کی وجہ سے ایک ایک لفظ ناپ تول کر بول رہی تھی اور اپنے فقروں سے مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

شاید اس نے اپنے دشمنوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ غزالہ سے شادی کرلینے کے بعد میں اسے یکسر مسترد کرچکا تھا اور اسے پہلے جیسی اہمیت حاصل نہیں رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ لوگ راس المیڈا سے تمہارے تبادلے کی بات کس طرح کررہے ہیں؟ انہیں کیا معلوم کہ وہ زندہ ہے یا مارا جاچکا ہے۔"

"یہ ایک مفروضہ ہے۔ اگر وہ مارا جاچکا ہے تو قصہ ختم سمجھو۔ اپنے اسی اطمینان کے لیے یہ لوگ فوراً راس المیڈا سے بات کرنے کے خواہاں ہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ تم بالکل خاموشی سے ان لوگوں کے قبضے میں کیسے چلی گئیں۔"

"مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ میں اپنی جگہ پوری طرح مستعد تھی لیکن اس نے عین میرے سر کے اوپر سے دیوار پھاندنے کا فیصلہ کیا۔ کنپٹیوں پر اس کے ہاتھ پڑنے تک مجھے اس کی آمد کا احساس نہیں ہوسکا۔ جو ہونا تھا، وہ ہوچکا۔ اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔ اگر تم میری زندگی کے خواہاں ہو تو اب راس المیڈا کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔ یہ لوگ ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور سر کے بدلے سر اتارنے کے قائل ہیں۔ میں نے اپنا پیغام دے دیا ہے۔ اب باقی باتیں جان کرے گا۔ وہی ان تین نقاب پوشوں کا سرغنہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مجھے غلیظ دھمکیاں دے کر تم سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

"اب بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد ریسیور پر پہلے والی غیر ملکی آواز سنائی دی۔

"ویرا میرے لیے اتنی اہم نہیں ہے کہ میں اضطراری حالت میں کوئی فیصلہ کرگزروں" میں نے بے پروایانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے بتایا "مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"تمہیں چوبیس گھنٹے دیے جاسکتے ہیں۔ اس مدت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔"

"وقت کی یہ پابندی غیر ضروری ہے" میں نے ہلکا سا احتجاج کیا۔ "ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کا ایک ایک قیدی یرغمال میں ہے پھر اس عجلت کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں اپنی ترجیحات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہارے لیے ویرا غیر اہم ہے مگر ہمارے لیے راس المیڈا بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ تمہیں اس سے بازپرس کرنے کے لیے مہلت نہیں دی جاسکتی۔ ہمارے ساتھ تمہارا مخاصمانہ رویّہ برقرار رہا تو ویرا کی ہلاکت کے ساتھ شہر میں ایک قیامت برپا ہوسکتی ہے۔ ہم اپنے طریقوں سے تمہیں جھکنے پر مجبور کردیں گے۔ تم زیادہ دیر تک راس المیڈا کو اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکوگے۔"

"یہ کھلی بلیک میلنگ ہے۔ میری معلومات کے مطابق تم سب امریکا کے شہری ہو۔ سرکاری سطح پر ہم تمہارے حلیف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں کو وسائل فراہم کرنے والے سفارت کار تمہیں یہاں موت اور درندگی کا ایسا بھیانک کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے جس سے دونوں ملکوں میں کشیدگی پیدا ہو۔"

اس نے فون پر ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا اور کہا "مفادات کی جنگ سفاکی سے لڑی جاتی ہے۔ مصلحت آڑے آجائے تو اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارنا پڑجاتا ہے۔ تمہارے لوگ کس گنتی میں ہیں۔ تم انکار کرو اور پھر دیکھو کہ شہر کے تفریحات اور خریداری کے پُرہجوم مراکز میں اس شہر کے باسی چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیے جائیں گے اور تم ان کی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے تھک جاؤ گے۔ یہ اور بات ہے کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے لیے بھاری مالی امداد کی پہلی کھیپ ہمارے ملک سے ہی آئے گی اور سارے ماتم گسار ہماری عظمت کے ترانے گائیں گے۔ اندر کے کھیل سامنے کی باتوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"میں نے ابھی تک مصالحت کے امکانات کو مسترد نہیں کیا، میں صرف وقت کی بات کررہا تھا۔ میں اپنی لڑائی میں تنہا نہیں ہوں۔ تم سب جانتے ہو کہ بعض اہم مگر گمنام قوتیں میری پشت پناہی کرتی ہیں۔ راس المیڈا ان ہی کی تحویل میں ہے۔ ان کی

رضامندی کے بغیر، میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"
"راس المیڈا کہاں ہے، اس سے میری بات کراؤ" اس نے مطالبہ کیا۔
"یہ میری رہائش گاہ کا فون نمبر ہے۔ راس المیڈا جیسے وحشی قیدی کو کسی چھوٹے سے رہائشی فلیٹ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ تم اپنا فون نمبر دے دو۔ میں پہلی فرصت میں اس سے تمہاری بات کرا دوں گا۔"
"میں سمجھتا ہوں۔ نمبر کی مدد سے تم میرے ٹھکانے کا سراغ لگاؤ گے اور پھر ایک خون آشام لشکر کے ساتھ یہاں دھاوا بول دو گے۔ میں تمہیں کوئی سراغ نہیں دے سکتا۔ راس المیڈا جہاں بھی ہے، اسے اپنے گھر لاؤ۔ میں تمہیں دو گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ میری اگلی کال پر راس المیڈا موجود نہ ہوا تو میں ویرا کے داہنے گھٹنے پر گولی مار کر اسے زندگی بھر کے لئے ایک ٹانگ سے معذور کر دوں گا۔"
"میری طرف سے تم ویرا کو ایک ٹانگ سے معذور کرو یا دونوں ٹانگوں سے، میں صرف کوشش کر سکتا ہوں۔ راس المیڈا کا آنا یا نہ آنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہو گا کہ اس بار تمہارے گرد بہت مضبوط جال بُنا گیا ہے۔ اگر تم راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے مقابلے پر ڈٹے رہتے تو تمہارا حشر بھی راس المیڈا سے مختلف نہ ہوتا۔"
"موت اور باہر برستی ہوئی گولیوں سے خوف زدہ ہو کر وہ کنکریٹ کی دیواروں میں ہی رکا رہا۔ وہ ذرا سا خطرہ مول لے لیتا تو ہمیں ویرا کو زندہ رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بھی اب تک اپنے حرام کے باپ تک پہنچ چکی ہوتی۔"
"یہ تصادم تو خیر چلتا ہی رہے گا لیکن تم حیرت ناک آدمی ہو" میں نے اچانک ہی موضوع بدلتے ہوئے کہا "رات کے ایک بجے کسی بے ہوش لڑکی کو کندھے پر لاد کر مشتبہ انداز میں فرار ہونا آسان کام نہیں تھا۔ راس المیڈا بتا رہا تھا کہ تم تجوریوں سے لے کر گاڑیوں تک کے تالے توڑنے میں ماہر ہو۔"
"وہ شہنشاہ ہے۔ جو چاہے، کہہ سکتا ہے۔ ایسے بدترین لمحات میں بھی آدمی باہر چھوڑی ہوئی گاڑیوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس پر لعنت ہے۔ ویسے ویرا بہت سبک اور گداز بدن کی مالک ہے۔ اسے کندھے پر لاد کر آدمی خوشی خوشی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی اس طرح میرے قبضے میں ہو گی۔ اس کے بدن کا لمس محسوس کر کے ان گمبھیر لمحات میں بھی میرا دورانِ خون بہت تیز ہو گیا تھا۔ وہ مس یونیورس نہیں تو مس امریکا ضرور منتخب ہو سکتی ہے۔"
"اسے لنگڑا کرنے کے بعد تم اسے جو چاہو، منتخب کرا سکتے ہو" میں نے اشتعال میں آئے بغیر کہا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسی باتیں کر کے مجھے غصہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس طرح اسے اندازہ ہو سکتا تھا کہ میرے اور ویرا کے مراسم میں ان دنوں کتنی گہرائی پائی جاتی ہے۔
"اس کا مطلب ہے کہ تم راس المیڈا سے میری بات نہیں کراؤ گے؟" وہ غرایا۔
"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟ میں تم سے کوشش کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔"
"پھر تم نے ویرا کو لنگڑا کرنے کی بات اتنے وثوق سے کیوں کی تھی؟"
"وہ تمہاری اشتعال انگیزی کا جواب تھا۔ میرے لئے ویرا اب صرف ایک نام ہے۔"
"ٹھیک ہے، میں دو گھنٹے بعد دوبارہ فون کروں گا۔ اس وقت صبح کے تین بجنے والے ہیں۔ پانچ بجے راس المیڈا سے میری بات نہ ہوئی تو آئندہ ویرا تمہاری لنگڑی محبوبہ کہلائے گی۔"
اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے بھی آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔
جان اور ویرا سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ ان دونوں کے لئے حیران کن ثابت ہوا۔
"یہ بہت برا ہوا کہ ویرا نے اسے یہاں کا فون نمبر دے دیا" سلطان شاہ مضطربانہ لہجے میں بولا "اب ہمیں بہت چوکنا رہنا ہو گا۔ فون نمبر کے سہارے وہ اس فلیٹ کا سراغ لگا کے ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"
میں چونک پڑا۔ اس کا اندیشہ بالکل درست تھا۔ میں نے اس طرف سرے سے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔
"ایسے کاموں کے لئے دو گھنٹے کا وقت بہت کافی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو گھنٹے بعد وہ فون کرنے کے بجائے پوری تیاری کے ساتھ یہاں حملہ کر دیں" غزالہ نے قیاس آرائی کی "راس المیڈا یہاں موجود ہوا تو وہ اسے نکال لے جانے کی کوشش کریں گے۔ وہ نہ ملا تو ہم سے آج رات کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"
"صورتِ حال سنگین ہو گئی ہے۔ اول خان سے فوراً بات کرنی پڑے گی" میں نے کہا۔
"سب کچھ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا" سلطان شاہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا "تین بجے ان کی بے خبری میں چھاپا مارا جاتا تو راس المیڈا پکے ہوئے پھل کی طرح ہاتھ آ جاتا اور ہم میں سے کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوتا۔ تمہیں سگریٹ پینے کی خواہش ہوئی تو تم پچھلے باتھ روم میں گئے لیکن ویرا کی عقل پر نہ جانے کیا پردہ پڑ گیا تھا کہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے لائٹر جلا بیٹھی۔ اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا۔ اس نے ہم میں سے کسی کے ردِ عمل سے پہلے ہی لائٹر بجھا دیا تھا مگر لمحہ بھر کی وہ غلطی ہم سب کو بہت مہنگی پڑی۔ پتا نہیں وہ ویرا کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔"
"تم نے پھر اس کے لئے فکر مندی کا مظاہرہ کیا؟" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے ٹوکا "تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تمہیں اس سے نفرت نہیں ہے۔ وہ تمہارا بہت خیال رکھتی ہے۔"
سلطان شاہ اسے جواب دینے کے بجائے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔
اس بار میں نے فون کے بجائے ٹرانسمیٹر پر اول خان سے بات کرنے کا ارادہ کر کے اپریٹس آن کر دیا۔
"راس المیڈا کو یہاں لاک اپ میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں بس واپسی کے لئے نکل ہی رہا ہوں" اول خان نے میرا ابتدائی پیغام سنتے ہی کہا "تم لوگوں نے ویرا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"
"بات سوچنے سمجھنے سے آگے جا چکی ہے۔ ویرا کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا مطالبہ سامنے آ چکا ہے۔"
"نہیں!" اول خان کی آواز سے حیرت اور بے اعتباری مترشح تھی "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"جان یہی چاہتا ہے" میں نے اسے بتایا اور پھر تمام باتیں دہراتا چلا گیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ ہماری ساری محنت برباد ہو جائے گی" اول خان کی آواز میں مایوسی ہی مایوسی تھی "راس المیڈا کو پکڑ لینے کے بعد دوبارہ آزاد کرنا پڑے گا۔"
"ہماری بازی اتنی آسانی سے نہیں بگاڑی جا سکے گی۔ فی الحال ہمیں صرف وقت درکار ہے۔"
"یعنی تم راس المیڈا کو اپنے فلیٹ پر بلانے کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر چکے ہو؟"
"اس وقت میرا ذہن کچھ الجھا ہوا ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔"
"وقت ملنے کی ایک ہی صورت ہے کہ پانچ بجے جان اور راس کی بات کرا دی جائے۔ اس طرح ویرا بھی زخمی ہونے سے بچ جائے گی۔ خطرہ یہی ہے کہ پانچ بجے وہ لوگ فلیٹ پر حملہ نہ کر دیں۔"
"بولتے رہو" اسے خاموش ہونے پر میں نے مضطربانہ لہجے میں ٹوکا "تم بول رہے ہو تو میرے ذہن میں ایک نقشہ ابھر رہا ہے۔ تمہارے ذہن میں جو کچھ بھی آ رہا ہے، اسے تسلسل سے بیان کرتے چلے جاؤ۔"
"فرض کرو کہ پانچ بجے راس المیڈا کی بات کرا دی جاتی ہے اور وہ فلیٹ پر حملہ آور بھی نہیں ہوتے تو ہمارے پاس صرف بائیس گھنٹے رہ جائیں گے۔ تم بتا ہی چکے ہو کہ جان چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر قیدیوں کا دو طرفہ تبادلہ کرنا چاہ رہا ہے اور یہ بات اب سے کچھ پہلے کی ہے۔"
"قیدیوں کے تبادلے کا پروگرام بعد میں طے ہو گا" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "وہ چوبیس گھنٹے کے اندر یہ جاننا چاہتا ہے کہ میں تبادلے پر آمادہ ہوں یا ویرا سے ہاتھ دھونے کے لئے تیار ہوں۔"
"اس طرح ہمیں وقت مل سکتا ہے" اس نے اعتراف کیا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم کس بنا پر پُر امید ہو۔ ہمارے ساتھ اسے بھی وقت ملے گا اور وہ اس وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔"
"ٹھہرو! میرا خیال ہے کہ بات کچھ بن رہی ہے۔ اگر تمہارے پاس نفری کا مسئلہ نہ ہو تو ہم موجودہ صورتِ حال سے نمٹ سکتے ہیں۔ تمہارے آدمیوں کو دو ٹھکانوں کی نگرانی کرنی پڑے گی۔"
"اس کی فکر مت کرو۔ نادرہ کے گھر پر میرے صرف دو آدمی ساگا کی نگرانی پر مامور ہیں۔ باقی آدمی فارغ ہیں۔"
"ساگا کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ اسے مرنا ہے" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اسے مکان کے تہ خانے سے ہٹا دو۔ نادرہ کا مکان بہت بڑا ہے۔ اسے ہاتھ، پیر اور دہانہ باندھ کر اوپر کے کسی بھی کمرے میں ڈالا جا سکتا ہے یا پھر اس کا قصہ ہی ختم کر دیا جائے۔ میدان صاف ہونے کے بعد راس المیڈا کو اس تہ خانے میں پہنچا کر اپنے چند آدمی وہاں تعینات کر دو۔ ہمارے گھر کی حفاظت کے لئے بھی کچھ بندوبست ہونا چاہئے تاکہ ادھر کا رخ کرنے کی صورت میں ان کی سرکوبی کی جا سکے۔ پانچ بجے جان کا فون آئے گا تو میں اسے بتا دوں گا کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر راس المیڈا کو یہاں لانا ناممکن ہے۔ وہ چاہے تو دوسرے فون نمبر پر راس المیڈا سے رابطہ کر سکتا ہے۔ اسے نادرہ کے گھر کا نمبر دے دیا جائے۔ وہ راس المیڈا سے بات کر لے گا تو ویرا کے معذور ہونے کا خطرہ ٹل جائے گا۔ جان اس سے صرف یہ جاننا چاہے گا کہ پکڑے جانے کے بعد اس پر تشدد ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد راس المیڈا کو دوبارہ اسٹیشن فور پر منتقل کر دیا جائے گا۔"
"اس طرح ہم شہر کے وسط میں اپنے ایک خفیہ ٹھکانے سے محروم ہو جائیں گے اور انہیں ہمارے دو ٹھکانوں کا علم ہو جائے گا۔ میری دانست میں یہ برا ہوا کہ ویرا نے انہیں تمہارا نمبر دے دیا۔"
"یہ ایک جوا ہے جو کھیلنا پڑے گا۔ میری پہلی ترجیح یہ ہے کہ ہم راس المیڈا کو رہا کئے بغیر ویرا کو آزاد کرا لیں۔ اس مقصد کے لئے میں یہ قربانی دینے پر آمادہ ہوں۔"
"ابھی تم نے جو کچھ بتایا، اس کا مطلب چوبیس گھنٹے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد کیا سوچا ہے تم نے؟"
"ہم تبادلے پر رضامندی ظاہر کر دیں گے اور تبادلے کے موقع پر کوئی مؤثر حکمتِ عملی تیار کریں گے۔"
"مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نادرہ کے گھر کی کیا خیر خبر ہے۔ میں اپنے آدمیوں سے معلومات حاصل کر کے چند منٹ بعد دوبارہ تم سے بات کرتا ہوں۔"

"یہ طریقہ زیادہ محفوظ اور بہتر ہے" میری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے پر سلطان شاہ نے کہا "جان کی پوری توجہ نادرہ کے مکان کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ وہ لوگ بیک وقت دو دو محاذوں پر نہیں لڑیں گے۔"

"جان نے رابطے میں پہل کرکے میرا ذہن ماؤف کردیا تھا" میں نے اسے بتایا "میں اس کی باتیں سن کر سناٹے میں آگیا تھا۔ اب میں مدافعانہ رویّہ ترک کرکے اس سے مطالبہ کروں گا کہ کسی فیصلے پر پہنچنے تک ویرا ہر دو گھنٹے بعد فون کرکے مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہے ورنہ راس المیڈا پر تشدد شروع کردیا جائے گا۔"

"اس مطالبے سے آپ کا مؤقف کمزور پڑ جائے گا" غزالہ نے مجھے یاد دلایا "آپ اس سے کہہ چکے ہیں کہ ویرا آپ کے لئے غیر اہم ہے۔ یہ مہروں کے ساتھ ساتھ اعصاب کی بھی لڑائی ہے۔ اسے ویرا کے بارے میں ہماری حقیقی پریشانی کا اندازہ ہوگیا تو وہ بھی اپنی شرائط پیش کردے گا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "مگر ایسا کرنا پڑے گا۔ میرے منصوبے میں ویرا کی فون کالز کی آمد کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔"

"ابھی تک تمہارے منصوبے کے سرپیر ہی کا پتا نہیں چل سکا۔ ہر بات گول مول ہے" سلطان شاہ بولا۔

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ایرپیس پر اول خان کی قدرے پریشان آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "نادرہ کے مکان کا خفیہ نام ڈیری رکھا گیا ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ پچھلی شام سے وہاں والوں نے کوئی رپورٹ نہیں دی ہے۔ ابھی فون پر رابطے کی کوشش کی گئی تو فون انگیج مل رہا ہے۔ راس المیڈا کو وہاں لے جانے سے پہلے ہمیں وہاں کا جائزہ لینا ہوگا۔"

میں نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان ہی کوششوں میں پانچ بج جائیں اور ویرا عمر بھر کے لئے معذور ہو جائے۔"

اول خان شاید سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی آواز ابھری "ڈیری کے سروے کے لئے ایک آدمی بھیجا جاچکا ہے مگر ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔ تم جان کو میرے دفتر کا فون نمبر دے دینا۔ اس کی ایک لائن ابھی راس المیڈا کے لاک اپ تک پہنچا دی جائے گی۔"

"اسٹیشن فور ہمارے لئے ویرا سے بھی زیادہ اہم ہے" میں نے حیرت سے کہا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹیلی فون کے محکمے میں اس فون نمبر کے حوالے سے کوئی پتا درج نہیں ہے۔ وہ مر کر بھی نمبروں کے سہارے اسٹیشن فور کا کھوج نہیں لگا سکیں گے۔ اگر اپنی بدقسمتی سے وہ اس ویرانے میں آبھی گئے تو یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکیں گے۔ تم اسٹیشن فور کے گرد بچھے ہوئے نگرانی کے جال کا خود مشاہدہ کرچکے ہو۔ شاید میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں ٹیلوں میں فوج والوں کی دو اینٹی ائر کرافٹ گنیں تک چھپی ہوئی ہیں جن پر ریٹائرڈ گنر مامور ہیں۔"

"اگر وہ نمبروں سے پتا نہیں معلوم کرسکتے تو یہ سب سے بہتر تجویز ہے" میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "اسی کے ساتھ ہمارے فون پر آبزرویشن بھی لگوادو تاکہ ہمیں جان کے فون نمبر اور ٹھکانے کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکے۔"

"ڈیری کی صورتِ حال نے مجھے الجھا دیا ہے۔ آبزرویشن لگوانے میں وقت صرف ہوگا۔ اس وقت کوئی بھی افسر اپنا بستر چھوڑ کر یہ کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا جب کہ جان تمہیں پانچ بجے فون کرے گا۔"

"تم پانچ بجے کی فکر نہ کرو۔ میں اس سے مطالبہ کروں گا کہ ویرا ہر دو گھنٹے بعد مجھے فون پر اپنی خیریت بتاتی رہے ورنہ میں راس المیڈا پر تشدد شروع کرادوں گا۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی کال آبزرویشن کی گرفت میں آجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مسلسل سوچ رہے ہو" اول خان کے لہجے سے ستائش کا اظہار ہو رہا تھا "یہ ترکیب کارگر رہے گی۔ اگر پانچ بجے کی پابندی نہیں ہے تو پھر صبح آبزرویشن کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"میں گھر پر ہی ہوں۔ ڈیری کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوں، ان سے مجھے بھی باخبر کرتے رہنا۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں خود بھی اکثر تمہارے مشوروں کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ اگر وہاں سب کچھ ٹھیک ہوا تو میں سالا کا قصہ ہی ختم کرادوں گا۔ اس کی وجہ سے میرے دو آدمی وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔"

"میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ کر تمہیں آگاہ کرچکا تھا۔ بازی پھیلانے کے بجائے سمیٹتے ہوئے چلو۔"

"دیکھا جائے تو اب کھیل سمٹ ہی رہا ہے۔ خدا حافظ" اس کی آواز معدوم ہوگئی۔

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آبزرویشن کے ذریعے ان کے ٹھکانے کا پتا معلوم کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں" غزالہ نے شکوہ کیا "یہ تو سب سے سہل راستہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یرغمالیوں! قیدیوں کے تبادلے کی نوبت آنے سے پہلے ہی ہم ویرا کو ان کی قید سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"یہ تازہ ترین خیال تھا" میں نے بے کیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرے بتانے سے پہلے ہی اول خان کی کال آگئی۔ جب ناگہانی مصائب نازل ہونے لگتے ہیں تو بعض اوقات ذہن واقعات کی رفتار کا ساتھ نہیں دیتا۔ ویرا کے اغوا کے بعد اب میں خود کو اس قابل کرسکا ہوں کہ حالات کا تجزیہ کرکے درست نتیجے کرسکوں۔"

"یہ بات تو اول خان بھی کئی بار کہہ چکا ہے کہ بدترین دباؤ میں بھی تم تیز اور درست فیصلے کرتے ہو" سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

"ویرا بھی تمہارے جیسے اعصاب کی مالک ہوتی تو کمرے میں لائٹر روشن کرنے کی غلطی نہ کرتی، تمہاری طرح اندرونی باتھ روم میں جاکر اپنی سگریٹ کی طلب پوری کرلیتی۔"

"بار بار ویرا کی اس لغزش کا ذکر مت کرو" میں نے اسے تادیب کی "وہ ہونے والی بات تھی جو ہوگئی۔ ویرا کے سامنے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ اس کے لئے اس کے دل کا بوجھ ہی کافی ہے۔"

"کس قدر پُر امیدی جھلک رہی ہے آپ کے الفاظ میں" غزالہ کا چہرہ دمک اٹھا "جیسے ویرا لوٹ ہی آئے گی۔ آدمی کو اپنی نیت اور ارادے پر اتنا پختہ یقین ہو تو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ویرا جلد ہی ہمارے ساتھ ہوگی۔"

کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آنے والے نسیم سحری کے خنک اور شبنم میں بھیگے ہوئے جھونکے اس وقت ایسی میٹھی تھپکیاں دے رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی بھی بند خواب گاہوں میں جانے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ وقت گزاری کے لئے قرعۂ فال غزالہ کے نام نکلا اور وہ چند منٹ میں بھاپ اڑاتی ہوئی خوشبودار چائے کے تین مگ تیار کرکے لے آئی۔

گزری ہوئی رات کی تھکن، ہوا کے خوشگوار جھونکوں سے مل کر ہم تینوں پر اپنا اثر دکھا رہی تھی لیکن گرم چائے کے پہلے ہی گھونٹ نے میرے ذہن کو تر و تازہ کردیا۔

غزالہ کسی کام سے اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر گئی تو سلطان دھیمی آواز میں بولا "میں کچھ عرصے سے تم میں بڑی نمایاں تبدیلیاں دیکھ رہا ہوں لیکن سبب جاننے سے قاصر ہوں۔"

"کن تبدیلیوں کی بات کررہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"اب یہی دیکھ لو کہ پہلے تم اعصابی دباؤ کی حالت میں اسکاچ کا سہارا لیتے تھے اور دن میں بھی بلا نوشی کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے لیکن اس وقت تم چائے کی پیالی سے خود کو سکون پہنچا رہے ہو۔"

"بری عادتیں بری ہی ہوتی ہیں اور زندگی بھر ساتھ نہیں دیتیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان خود انہیں برا سمجھنے لگتا ہے۔ اگر میں شراب پیئے بغیر نارمل زندگی گزار سکتا ہوں تو مجھے اس سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ویرا یا جہانگیر کے ساتھ بیٹھتے ہو تو تم پھر اپنے پرانے رنگ میں آجاتے ہو؟"

"کبھی کبھی کی ذرا سی بے اعتدالی چل جاتی ہے۔ ویسے سچ پوچھو تو میری اس تبدیلی میں غزالہ کا ہاتھ ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا" میرے اعتراف پر وہ خوش ہوگیا۔ "غزالہ نے ٹوک ٹوک کر تمہیں شراب سے دور رہنے پر مجبور کیا ہوگا۔ پتا نہیں وہ الکحل کی تیز بُو کیسے برداشت کرتی تھی۔"

"تم احمق ہو" میں نے مسکرا کے کہا "اس نے آج تک ایک بار بھی مجھے ٹوکا اور نہ الکحل کی بُو پر منہ بنایا۔ قصہ یہ ہے کہ وہ اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو ہے کہ مجھے اس سے باتیں کرکے ہی انوکھا سرور ملتا ہے۔ وہ سلمٰی کی طرح شکی مزاج اور چڑچڑی طبیعت کی مالک ہوتی تو شاید میری شراب نوشی گھٹنے کے بجائے اور بڑھ جاتی۔ اس نے اپنے بے مثال رویّے سے میرے مزاج میں یہ تبدیلی پیدا کی ہے۔"

"جہانگیر تمہارے ان نظریات سے واقف ہو جائے تو آج ہی دوسری شادی رچانے پر تل جائے گا۔"

"ازدواجی زندگی میں وہ ناکام ثابت ہوچکا ہے" میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اسے دوسری بیوی اچھی مل گئی تو سلمٰی کی خامیاں اسے اور زیادہ کھلنے لگیں گی۔ ایک شوہر بیک وقت خوش مزاج اور تند خو بیویوں کے ساتھ گزارہ نہیں کرسکتا، اسی وجہ سے دوسری شادی کرنے والے بیشتر مرد اپنی پہلی بیوی سے بے اعتنائی برتنے لگتے ہیں۔ ان کی اس بے رخی کے اسباب قطعی فطری ہوتے ہیں لیکن بد زبان اور تنک مزاج عورتیں اسے مرد کی تبدیلی قرار دے کر اپنی زندگی کو جہنم بنالیتی ہیں اور پھر اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگتی ہیں۔"

"حیرت ہے کہ شادی کے مختصر سے عرصے میں تم نے اتنا کچھ جان لیا۔ جہانگیر کو تو یہ بھی اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ وہ دن رات نشے میں کیوں غرق رہتا ہے۔"

"اس کا ذکر اتنی حقارت سے نہ کرو۔ اس کی بربادی کی ذمے داری میرے سر پر بھی آتی ہے۔"

"ظاہر ہے، تم نے کبھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے ساتھ شریک ہو کر ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہو۔ غنیمت ہے کہ تمہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہے۔"

"آج تم ہر بات کا الٹا مقصد اخذ کررہے ہو۔ جب اس کا کاروبار چل رہا تھا اور وہ باقاعدگی سے اپنی گارمنٹس فیکٹری جاتا تھا تو گھر سے دوری کے اوقات میں زیادہ مے نوشی نہیں کرتا تھا۔ دن میں ہمیشہ چاق و چوبند رہتا تھا۔ اس کا کاروبار میرا ساتھ دینے کی وجہ سے تباہ ہوا ہے۔ بے کاری میں وہ دن رات گھر میں پڑا رہتا ہے۔ سلمٰی سے ویسے ہی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے۔ اب وہ شراب نہ پیئے تو کیا کرے؟ کاروبار یا ملازمت انسان کے کمانے کے ہی ذرائع نہیں ہوتے، باہر کی ان مصروفیات سے آدمی کی زندگی میں توازن اور قرینہ پیدا ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "مختلف مزاج والے دو آدمی ہر وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہیں تو انہیں ایک دوسرے کی اچھی عادتیں بھی خراب معلوم ہوسکتی ہیں۔"

سوا چار بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو ہم تینوں ہی چونک پڑے۔ راس المیڈا کا ساتھی اپنے وقت سے پہلے فون نہیں کرسکتا تھا۔ ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی مغموم آواز آئی "آج میں بہت غمگین ہوں ڈیئی اور اسی وقت ڈیری جارہا ہوں۔ وہاں تہ خانے میں ایک آدمی مردہ اور دوسرا زخمی حالت میں بند تھا۔ ساگا غائب ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ اس مکان میں کیا ہوا ہے۔ زخمی کو طبی امداد دینے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا کہ وہاں کیا سانحہ پیش آیا ہے۔ میرے آدمی نے ابھی ابھی فون پر وہاں کی ابتدائی رپورٹ دی ہے۔"

"تو کیا نادرہ کے مکان کا فون کام کررہا ہے؟" سوال کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے اس کے آدمیوں سے ہمدردی کا اظہار نہ کرکے سنگین غلطی کی تھی۔

"ہاں۔ فون کے تار کٹے ہوئے تھے۔ باہر سے انہیں جوڑ کر لائن بحال کرلی گئی ہے۔"

"فورس کے ایک آدمی کی شہادت ایک بڑا نقصان ہے" میں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "اللہ اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔ میں تمہارے کرب کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ سخت محنت اور تربیت سے برسوں میں تیار ہونے والا کوئی ساتھی پل بھر میں ساتھ چھوڑ جائے تو دل پر چوٹ لگتی ہے۔ ویسے دوسرے آدمی کی حالت خطرے سے تو باہر ہے نا؟"

"طبی معائنے سے پہلے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہاں کون پہنچ سکتا تھا۔ ساگا تو بستر پر ہلنے جلنے سے بھی معذور تھا۔ اس کے ہمدردوں کو ڈیری کا سراغ کیسے ملا؟" اس کی آواز سے کرب جھلک رہا تھا۔

"وہ جو بھی رہا ہو، بچ نہیں سکے گا۔ ذرا پانچ بجے والی فون کال کا بوجھ ذہن سے اتر جائے تو پھر سوچا جائے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کام میں راس المیڈا یا اس کے آدمی ملوث نہیں ہوسکتے۔ ان کا ذرا بھی ہاتھ ہوتا تو راس المیڈا یا جان میں سے کوئی ایک ساگا کا حوالہ ضرور دیتا۔"

"وہ اپنی دانست میں میرے دونوں آدمیوں کو ہلاک کرکے گئے ہیں۔ دوسرا آدمی زخمی ہونے کے بعد بے ہوش نہ ہوگیا ہوتا تو وہ بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ساگا ان دنوں راس المیڈا کے لئے کام کررہا تھا۔ اسی نے ویرا کو راس المیڈا کی کمین گاہ کا پتا دیا تھا۔ اگر وہ اس معاملے سے باہر ہے تو پھر ان واقعات کی پشت پر کون ہوسکتا ہے؟ اس قسم کی واردات کوئی مضبوط گروہ ہی کرسکتا ہے۔"

"تمہارا آدمی بیان دینے کے قابل ہوجائے تو بہت کچھ معلوم ہوجائے گا" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "اگر تم اس کی دیکھ بھال کے لئے جارہے ہو تو پانچ بجے تک تمہاری واپسی ناممکن ہے۔ تمہاری غیر حاضری میں جان اور راس المیڈا کی گفتگو کی ذمے داری کس پر ہوگی۔"

"راس المیڈا کسی لومڑی کی طرح مکار ہے۔ یہ کام میں کسی اور پر نہیں چھوڑ سکتا" اس کی پُرتشویش آواز آئی۔ "میں پورے پس منظر سے آگاہ ہوں۔ میں خود ہی اس کی باتیں سمجھ سکتا ہوں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے" میں نے نرمی سے کہا "تم مسائل میں گھر گئے ہو۔"

"تمہارا گھر پر رہنا ضروری ہے۔ جان سے کوئی بھی بات نہیں کرسکے گا" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

میں خاموشی سے اس کی کسی تجویز کا منتظر رہا۔ کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "میں ڈیری کی طرف ایک پارٹی روانہ کرکے خود یہاں رکتا ہوں۔ راس المیڈا اور ویرا کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔"

"پانچ بجے جان مجھے فون کرے گا۔ مجھ سے نمبر لینے کے بعد وہ تم سے رابطہ کرے گا۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر تک بات کرتا رہے۔ اس کی کال ختم ہونے کے بعد تم خود ہی مجھے فون کرلینا۔"

"یہ مناسب رہے گا۔ تم سے بات کرتے ہی میں شہر کی طرف چل دوں گا۔"

"روانگی سے پہلے میرے فون پر آبزرویشن لگوانے کا بندوبست کرنا نہ بھولنا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم فکر مت کرو۔ یہ ذمے داری ایک آدمی کو سونپ چکا ہوں۔" اس نے فون بند کردیا۔

نادرہ کے ویران مکان پر نامعلوم افراد کے حملے کی خبر بہت اندوہناک اور سنسنی خیز تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ راس المیڈا سے ہونے والی خوں ریز لڑائی کے سارے اہم کردار ہماری نظروں میں تھے اور ان کی متوقع سرگرمیاں بھی ہمارے علم میں تھیں مگر اس واقعے نے ثابت کردیا تھا کہ وہ ہماری خوش فہمی تھی۔ کچھ ایسے حریف بھی میدان میں اترے ہوئے تھے جو ہمارے لیے بالکل اجنبی تھے۔

"ایک بازاری عورت کے چکر میں پڑ کر ساگا بالکل ہی نیم ہوکر رہ گیا تھا۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "اس پر برا وقت آیا تو چھمیا اور اس کی ماں بھی اسے بے یارومددگار چھوڑ کر نکل گئی تھیں۔ شہر میں وہ کون لوگ ہیں جو ساگا کے لیے بے خوف ہوکر ایس ٹی ایف تک سے ٹکرا گئے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ اب وہ ساگا نہیں، پرنس ساگا ہے۔ جرائم کی دنیا میں پیسے کے زور پر بہت سی ہمدردیاں اور وفاداریاں خریدی جاسکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ساگا بستر پر ہلنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ گھر پر زخمی ہوکر اسپتال پہنچا اور وہاں سے رازدارانہ طور پر نادرہ کے گھر پہنچا دیا گیا۔ اسے کسی کی ہمدردیاں یا وفاداریاں خریدنے کی مہلت کی کہاں ملی تھی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"وہ راس المیڈا کے لیے اکیلا تو کام نہیں کررہا ہوگا۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ رہے ہوں گے۔ چھمیا اور زمرد کے ذریعے ساگا کے زخمی ہوکر اسپتال پہنچنے کی بات پھیلی ہوگی تو اس کے آدمی اپنے آقا کی تلاش میں نکل پڑے ہوں گے۔ ان کی گندی روزیاں ساگا کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کو نادرہ کے گھر کا سراغ مل گیا ہوگا۔"

"راس المیڈا کے اس گرگے کو ٹیکسی یا سرکاری ایمبولینس میں نہیں، اول خان کے آدمیوں نے ایس ٹی ایف کی گاڑی میں اسپتال سے منتقل کیا تھا۔" سلطان شاہ نے میری بات کی تردید کرتے ہوئے کہا "اس کے آدمیوں کے اسپتال پہنچنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن انہیں نادرہ کے گھر کا سراغ کیسے ملا؟ وہ تو ایس ٹی ایف کا کوئی باقاعدہ ٹھکانا بھی نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسرے درجے کے مجرم اتنی تیزی سے ساگا تک کیسے پہنچ گئے؟"

"یہ سوال فکر انگیز ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید میں کہا۔ "دیکھا جائے تو یہ واقعہ راس المیڈا کی گرفتاری سے زیادہ بڑا اور سنگین ہے جس میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک آدمی مارا بھی گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا اٹھایا ہوا سوال نادرہ کے مکان پر پیش آنے والے المناک سانحے کی گتھی سلجھانے میں کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم تینوں اس پر اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے لیکن کوئی بھی قابلِ قبول جواب سامنے نہیں آسکا۔ میری خواہش تھی کہ اول خان سے اگلی مرتبہ بات ہونے سے پہلے ہم اس معاملے میں کوئی حتمی رائے قائم کرسکیں مگر ہر دلیل ہمیں گھما پھرا کر دوبارہ سلطان شاہ کے سوال پر پہنچا دیتی تھی۔

گفتگو کے دوران میری نظریں غیر ارادی طور پر بار بار وال کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ آخر کار پانچ بھی بج گئے اور میرے اعصاب پر ہلکا سا تناؤ سوار ہونے لگا۔ ویرا اور اس کے موجودہ زنداں کی نشان دہی کے لیے جان سے ہونے والی گفتگو بہت اہم تھی۔ عارضی طور پر ساگا کا قصہ میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں اتر گیا تھا۔

پانچ بج کر تین منٹ پر فون کی پہلی گھنٹی بجی۔ شاید گھڑیوں کے فرق کی وجہ سے وہ تاخیر ہوئی تھی۔ میں نے دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا اور ایک فوری خیال کے تحت اپنی آواز کو خوابیدہ بنا کر ہیلو کہا۔

"میں جان بول رہا ہوں۔ کیا تم سو رہے تھے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے آنکھ لگ گئی تھی۔ رات کے واقعات نے تھکا دیا تھا۔"

"حیرت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں واقعی ویرا کی کوئی پروا نہیں ہے۔ راس المیڈا کہاں ہے؟"

"اس کی اور اپنی حفاظتی وجوہ کی بنا پر اسے یہاں نہیں لایا جاسکا۔ تمہیں یقین کرلینا چاہیے کہ ہماری تحویل میں وہ خیریت سے ہے۔ گرفتاری کے بعد سے اس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا۔"

"تمہاری مکارانہ باتوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔" وہ برہم ہوکر بولا "ہوسکتا ہے کہ تم نے اسے مار دیا ہو۔ مُردوں پر کون تشدد کرکے اپنا وقت برباد کرتا ہے۔ میں اس سے بات کیے بغیر تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم ویرا کو ایک ٹانگ سے معذور کرانے کا پختہ ارادہ کرچکے ہو۔"

"میں اتنا سفاک نہیں ہوں۔ میرے لیے بہت اہم نہ ہونے کے باوجود وہ اب بھی میری دوست ہے۔"

"اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ یہ فون بند کرکے میں اس کے داہنے گھٹنے میں سے گولی گزاروں گا۔ وہ زندگی بھر کے لیے معذور ہونے والی ہے اور تم بے فکری سے سو رہے تھے۔ کیا تم اسی کو دوستی کہتے ہو؟" میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے لعن طعن کرنے سے زیادہ ویرا کو وہ باتیں سنا رہا تھا تاکہ اس کا حوصلہ پست کرکے اپنے ساتھ تعاون پر آمادہ کرسکے۔

"یوں معلوم ہورہا ہے جیسے مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی معذوری کی فکر ہو۔"

"فکر نہیں، مجھے تمہاری سرد مہری اور سنگ دلی پر حیرت ہے۔ کسی زمانے میں ویرا تمہاری محبوبہ سمجھی جاتی تھی۔"

"پرانی باتوں کا ذکر مت کرو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اس ذکر سے زخم تازہ ہونے لگتے ہیں۔"

"تم ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کے بارے میں شاید سنجیدہ نہیں ہو؟" بھنائی ہوئی آواز آئی۔ میں راس المیڈا کی زندگی کے بارے میں اس کے ذہن میں شک کا بیج بو چکا تھا۔ میرا سرد اور خمار آلود لب ولہجہ اس کے اعصاب کو چٹخانے لگا تھا اور اس وقت یہی میرا منصوبہ تھا۔

"اس وقت میرا ذہن ماؤف ہورہا ہے۔ میں چند گھنٹوں کی نیند لینے کے بعد ہی ڈھنگ کی کوئی بات سوچ سکوں گا لیکن اتنی بات تم بھی جانتے ہو کہ تبادلہ برابر کی چیزوں یا شخصیات کا ہوتا ہے۔ راس المیڈا اور ویرا کے رتبوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ راس المیڈا آج بھی شی کا طاقت ور اور بااختیار سربراہ ہے جب کہ ویرا شی کے ایک معتوب اور مقتول سربراہ کی غیر قانونی بیٹی ہے۔"

"وہ تمہارے لیے اتنی ہی غیر اہم ہے تو رات کو مقابلے میں تمہارے ساتھ کیوں موجود تھی؟"

"اسے تنہا گھر میں نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی وہ راس المیڈا سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک دلیر لڑکی ہے۔ اسے ساتھ لاکر میں نے اپنی نفری میں اضافہ کیا تھا۔ مجھے اس کے اغوا کا افسوس ہے لیکن اس کی زندگی بچانے کے لیے میں اندھا دھند فیصلے نہیں کرسکتا۔"

"میں نے تمہیں فیصلہ کرنے کے لیے چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی ہے۔ وہ اب بھی برقرار ہے۔ تم سوچ سمجھ کر اپنا فیصلہ کرسکتے ہو۔ اس وقت میں صرف راس المیڈا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

میری بحث سے وہ زچ ہو چلا تھا۔

"تم بلاوجہ ضد کررہے ہو۔ اس کی سلامتی کے بارے میں تمہیں میری بات پر یقین کرلینا چاہیے۔"

"تم اسے میری ضد ہی سمجھ لو مگر اس سے میری بات کرا دو ورنہ میں قسم کھا رہا ہوں کہ ویرا کا گھٹنا چُورا کردوں گا۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مائیکرو سرجن اس کا گھٹنا ٹھیک نہیں کرسکے گا۔"

"یہ دھمکیاں میرے لیے بے اثر ہیں۔ اگر راس المیڈا سے بات کرنا تمہاری ضد ہے تو اس کے لیے میری بھی ایک شرط ہے۔"

"میں تمہارے لیے آسمان سے تارے توڑ کر نہیں لاسکوں گا۔ کوئی معقول شرط ہوئی تو مان لوں گا۔"

"ویرا ہر دو گھنٹے بعد مجھے فون کرکے اپنی خیریت سے آگاہ کرتی رہے گی۔"

"ابھی وہ تمہارے لیے غیر اہم تھی اور اب اچانک اتنی عزیز ہوگئی کہ تم ہر دو گھنٹے بعد اس کی خیریت جاننی چاہتے ہو۔" اس کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری "معلوم ہوتا ہے کہ نیند کے دباؤ سے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"تم یہی سمجھ لو...... یہ تمہاری ضد کا جواب ہے۔ اگر مقررہ اوقات پر ویرا کا کوئی فون نہ آیا تو میں اسی لمحے راس المیڈا کی مٹی پلید کرکے رکھ دوں گا۔ میری ایک شرط یہ بھی ہوسکتی تھی کہ تم مجھے ویرا کا فون نمبر بتاؤ مگر میں جانتا ہوں کہ تم اس شہر میں کسی چور کی طرح رہ رہے ہو۔ مر کر بھی اپنا فون نمبر نہیں بتاؤ گے۔ یہ تمہاری مرضی ہے کہ اب مجھے اپنا فون نمبر دو یا ہر دو گھنٹے بعد ویرا سے مجھے فون کراتے رہو۔"

"گھڑی میں وقت ملالو۔ ویرا ہر دو گھنٹے بعد تمہیں فون کرتی رہے گی لیکن تم دونوں کی گفتگو ڈیڑھ منٹ سے زیادہ طویل نہیں ہوگی۔ مجھے حق ہوگا کہ جب چاہوں' کریڈل دبا کر لائن کاٹ دوں۔ اب راس سے بات کراؤ!"

میں نے اول خان کے دفتر کا فون نمبر دہرانے کے بعد کہا "تم اپنا ایک نمبر چھپا رہے ہو' میں نے تمہیں دوسرا نمبر بھی دے دیا ہے۔ راس المیڈا سے تم اس نمبر پر بات کرکے اپنا اطمینان کرسکتے ہو۔"

"میں تمہاری مکارانہ سوچ اور ذہنیت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا "تم مجھے چارا ڈال رہے ہو مگر میں تمہارے جال میں آنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تم چاہتے ہو کہ میں ان نمبروں کے ذریعے پتا حاصل کرکے ادھر دوڑ لگاؤں اور وہاں تمہارے آدمیوں کے نرغے میں گھر کر بے بس ہو جاؤں۔ میں ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گا۔ تمہارے پھیلائے ہوئے آدمی میرے انتظار میں سوکھ جائیں گے مگر میرا سایہ بھی نہیں پاسکیں گے۔"

میں دانستہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس دیا جیسے اس نے میری چال پکڑلی ہو پھر کہا "تم واقعی بہت چالاک ہو مگر یہ تمہاری بدگمانی ہے۔ میرا ایسا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ اب آؤ گے تو تمہیں تیاریاں مکمل ملیں گی۔"

وہ عجیب صورتِ حال تھی۔ میں جان سے خائف تھا اور وہ میری چالاکیوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساس تھا۔ میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ اس نے باتوں ہی باتوں میں میرا ایک اندیشہ دور کردیا تھا۔ اتنی کھلی کھلی باتیں ہوجانے کے بعد وہ ہمارے فلیٹ کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

"اب ویرا سات بجے تم کو فون کرے گی۔" وہ فون پر کہہ رہا تھا۔

"شرط کا آغاز اسی وقت ہوگا ورنہ تم راس المیڈا سے بات نہیں کرسکو گے۔ میں دوسری لائن پر اس کا فون انگیج کرکے اپنے آدمیوں کو تازہ ترین ہدایات دوں گا اور تم راس المیڈا کی آواز سننے کو ترستے رہو گے۔"

"لعنت ہو تم پر...... تم پکے بلیک میلر اور شاطر ہو۔ وقت آنے پر میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

اسے سلگانے کے لیے میں استہزائیہ انداز میں زور زور سے ہنسنے لگا۔

ویرا کی آواز سن کر میری ہنسی کو بریک لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ آج کل تم بہت خود غرض اور وحشی ہوگئے ہو۔ اپنے سست رفتار ساتھیوں کو اپنے ہاتھ سے گولی مار کر ہمیشہ کے لیے پیچھے چھوڑ دیتے ہو مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم اب بھی ہر دو گھنٹے بعد میری خیریت جاننی چاہتے ہو۔ فی الحال میں تشدد سے محفوظ ہوں اور یہ لوگ میری مناسب دیکھ بھال بھی کررہے ہیں۔" اس نے شاید جان کی ہدایت پر پوری بات انگریزی میں کی تھی۔

"حوصلہ بلند رکھو۔ تم کو کسی بھی وقت خوش گوار حیرت کا سامنا ہوسکتا ہے۔ ہم اپنا......" آخری الفاظ میرے منہ میں رہ گئے کیونکہ کلک کی آواز کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع ہوچکا تھا۔

"سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا جیسا آپ نے سوچا تھا۔" یہ کہتے ہوئے غزالہ کا چہرہ اندرونی مسرت سے گلنار ہو رہا تھا "ایسی پیچ دار اور ٹیڑھی گفتگو ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔"

"زبان کا زخم تلوار سے زیادہ کاری ہوتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "ویسے تو سب کچھ منصوبے کے مطابق ہی ہوتا چلا گیا لیکن میں بار بار یہ سوچ رہا تھا کہ ویرا اپنے بارے میں تمہارے ظالمانہ فقرے سن رہی ہوگی تو اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ دشمن کی قید میں پھنسی ہوئی ایک عورت اپنوں کی ایسی بے وفائی سے دل برداشتہ ہو کر غداری کی راہ پر بھی چل سکتی ہے۔ اس بارے میں تمہیں محتاط رہنا چاہیے تھا۔"

"یہ راستہ ویرا نے ہی مجھے سمجھایا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔ "اس نے جان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی ہے کہ آج کل میرے اور اس کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہیں۔ ویرا سمجھ رہی ہوگی کہ میں اسی کی دی ہوئی حکمتِ عملی کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ یہ میرے دماغ کا فتور نہیں ہے۔"

"میرا کام نشان دہی کا تھا جو میں نے پورا کردیا۔ تم ویرا کو مجھ سے بہت زیادہ جانتے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو تو پھر یہ ٹھیک ہی ہوگا۔ دراصل تم نے اپنا آخری جملہ جس طرح ادھورا چھوڑا' اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ دوسری طرف سے فون اچانک ہی بند کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں ایک ہی نمبر پر دو فون لگے ہوئے ہوں۔ جب جان تم سے بات کررہا تھا تو ویرا خاموشی سے دونوں طرف کی گفتگو سن رہی تھی۔ ویرا کے بولنے کی باری آئی تو جان خاموشی سے باتیں سننے لگا۔ تمہاری زبان سے اردو کے ناقابلِ فہم فقرے سنتے ہی اس نے لائن کاٹ دی تاکہ ویرا کو اپنی مادری زبان میں کوئی خفیہ پیغام نہ پہنچا سکو۔"

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے سلطان شاہ کی بات سنتا رہا۔ وہ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہوا تو مجھے کہنا پڑا "خدا کی پناہ! آج مجھے اندازہ ہوا کہ اب تمہارا مشاہدہ بہت تیز ہوچکا ہے اور تم چاہو تو بہت منطقی انداز میں ہر بات کا تجزیہ بھی کرسکتے ہو۔ تمہیں یہ وصف مبارک ہو۔"

وہ ہنس کر بولا "تمہاری موجودگی میں مَیں عام طور پر اپنے ذہن پر زور نہیں دیتا۔ اس وقت میری دانست میں تم غلطی کا ارتکاب کررہے تھے' اس لیے مجھے ذرا ذرا سی بات پر دھیان دینا پڑا۔"

"وہ آپ کی چال میں آگیا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہونا ہے' جلد ہی ہوجائے۔ اس گھر میں ویرا کی کمی بری طرح محسوس ہو رہی ہے۔" غزالہ نے دونوں ہاتھ دباتے ہوئے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"جب تک راس المیڈا ہماری تحویل میں ہے' تم بے فکر رہو۔ وہ ویرا کی پوری طرح دیکھ بھال کرے گا۔ اب ہماری کسی بھی پیش رفت کا انحصار آبزرویشن کی رپورٹ پر ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کب موصول ہوتی ہے۔"

"آج دوپہر تک اس کا نتیجہ سامنے آجانا چاہیے۔" سلطان شاہ بولا۔

میں نے خاموشی سے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔ سلطان شاہ نے فوراً ہی مجھے ٹوک دیا "شراب نوشی بڑی حد تک کم کردینے کے بعد تمہاری سگریٹ نوشی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اسے بھی کم کرسکو تو بہتر ہوگا۔ پتا نہیں سلگتے ہوئے کاغذ اور تمباکو کا زہریلا دھواں نگلنے اور اگلنے سے کیا لطف آتا ہوگا۔"

"مجھے اپنے جیسا بنانے کی کوشش نہ کرو۔ دوستانہ ہمدردی اچھی چیز ہوتی ہے مگر میں ڈیبی رہ کر ہی خوش ہوں۔ جس دن میں اپنی بری عادتیں ترک کرکے سلطان شاہ بن گیا' ہماری آپس میں ٹھن جائے گی۔"

"اوہ! تم شاید میری بات کا برا مان گئے......" اس نے فوراً ہی معذرت چاہنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں کچھ بولنے بھی نہ پایا تھا کہ فون آگیا۔

"جان کا فون آیا تھا۔" اول خان نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "راس المیڈا سے بات کرکے وہ بہت خوش تھا۔ میں نے اسے پہلے ہی بریفنگ دے دی تھی کہ ان دونوں میں کسی قسم کی سازشی گفتگو کا آغاز ہوا تو فون بند کردیا جائے گا۔ راس المیڈا بہت محتاط تھا۔ اسے یہ جان کر بہت اطمینان ہوا ہے کہ ویرا اس کے دستِ راست کے قبضے میں ہے اور وہ دونوں کے تبادلے کے لیے مذاکرات کررہا ہے۔"

"جب تک اس جمود کا کوئی حل نہیں نکل آتا' ہم راس المیڈا سے روایتی باز پرس نہیں کرسکتے۔ تم نرمی سے کام لے کر دیکھو' ہوسکتا ہے کہ روانی میں وہ اپنے عزائم پر کوئی روشنی ڈال سکے۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن جان سے بات ہوجانے کے بعد اس کی خود اعتمادی بڑی حد تک بحال ہوگئی ہے۔ وہ مشکل ہی سے زبان کھولے گا۔ اس نے جان کو بتادیا ہے کہ پکڑے جانے کے بعد اسے خاصا تشدد سہنا پڑا تھا لیکن اس کے بعد اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی۔ میں نے سوچا ہے کہ جسمانی تشدد کے بجائے اس پر دواؤں کا استعمال کیا جائے۔ اس کے اعصاب کو کمزور کرنے کے لیے اسے چائے میں ایسی دوا دینی شروع کردی گئی ہے جو اسے نیند لائے بغیر اضمحلال اور گہری نقاہت کے احساس میں مبتلا کردے گی۔ اس دوا کی چند خوراکوں کے بعد اس پر مصالحت اور سمجھوتے کا موڈ طاری ہوجائے گا تو میں اس پر وقت صرف کروں گا۔ اس وقت تک ساگا کا چکر بھی کھل جائے گا۔ اس نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔ اس وقت میں ڈیری کی طرف جارہا ہوں۔ وہاں کا جائزہ لے کر اسپتال کا رخ کروں گا۔"

اس سے گفتگو ختم کرنے کے بعد بھی میرا ذہن اس کی باتوں میں الجھا رہا۔ وہ ایک پیشہ ور آدمی تھا اور ہر کام میں پیشہ ورانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں اس وقت تک پوچھ گچھ کے لیے جسمانی تشدد ہی کو بہترین طریقہ تصور کرتا تھا۔ صرف ساگا کا معاملہ ایسا تھا کہ میں تشدد کرکے بھی اس کی زبان نہیں کھلوا سکا تھا مگر ویرا نے محبت اور نرمی کے ذریعے اسے اس قدر مسحور کرلیا کہ اس نے بے چون وچرا ویرا کے سوالات کے جواب دے دیے۔

میں پاکستان کی سرزمین سے ہیروئن کے استعمال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ایک ہولناک لڑائی لڑ رہا تھا اور اس لڑائی میں

ہیروئن کی کمائی پر پلنے والے مقامی اور بین الاقوامی مجرم میرے خلاف صف آرا تھے۔ میں بہت قریب سے دیکھ رہا تھا کہ اس ناجائز سوداگری سے حاصل ہونے والی خطیر رقوم بے شمار غیر قانونی دھندوں کے فروغ میں استعمال ہو رہی تھیں جن میں اسلحے کی اسمگلنگ سرِفہرست تھی۔

اس وقت اول خان نے باتوں ہی باتوں میں ایک اور ہولناک وبا کی نشان دہی کی تھی۔ اس نے راس المیڈا کے اعصاب اور قوتِ ارادی کو محض چند خوراکوں میں تباہ کرنے کے لیے کسی دوا کے استعمال کا ذکر کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ملک بھر میں ایسی خطرناک اور مسکن دوائیں کھلے بندوں ریوڑیوں کی طرح بیچی جارہی تھیں جو دھیرے دھیرے انسان کی غور و فکر کی صلاحیتوں' اعصاب اور عزم وہمت کو تباہ کرکے اسے اپنا اسیر بنالیتی تھیں۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ ان دواؤں کے مہلک اثرات پر غور کیے بغیر محض وقتی سکون کے لیے ان کی ابتدا کرکے رفتہ رفتہ ان کے اس قدر عادی ہوتے جارہے تھے کہ چند گولیاں لیے بغیر ان کا سونا ناممکن ہوگیا تھا۔ کسی ماہرانہ طبی مشورے اور دیکھ بھال کے بغیر بڑے پیمانے پر فروغ پانے والا وہ رجحان ہلاکت خیز تھا۔

دکھ کی بات یہ بھی تھی کہ ایسی ادویہ پر اجارہ داری رکھنے والے مغربی ممالک میں ایسی حساس اور خطرناک دواؤں کی ایک خوراک بھی نسخے کے بغیر نہیں خریدی جاسکتی تھی۔ مستند ماہرین کی واضح طبی ہدایات کے بغیر ایسی دواؤں کی خرید و فروخت سنگین جرم تھی لیکن پاکستان جیسے ملک کو ان دواؤں کی زرخیز منڈی بنالیا گیا تھا۔ پاکستان میں نشے کو ہر سمت اور زاویے سے فروغ دے کر اس ملک کی نئی نسل کی رگوں میں زہر پھیلایا جارہا تھا اور متعلقہ ادارے .... معاشرے میں خاموشی سے پھیلنے والی اس تباہی پر کوئی کارروائی نہیں کررہے تھے۔

المیہ یہ تھا کہ دانا دشمن بہت ہوشیاری سے اور بظاہر ایک دوسرے سے الگ رہ کر اس ملک کی جڑوں میں زہریلی عادات کی آب یاری کیے چلا جارہا تھا اور ناداں ملک دوست اپنی کوتاہ بینی' بے پروائی یا پھر بے خبری کی وجہ سے اس طوفان کو روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کررہے تھے۔ انھیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ ان کی غفلت آنے والے دنوں میں اس معاشرے پر کتنی بڑی تباہی لاسکتی ہے۔

غزالہ اور سلطان شاہ نے سمجھ لیا تھا کہ اول خان نے مجھے جان کے فون کی اطلاع دینے کے لیے رِنگ کیا ہوگا' اس لیے ان دونوں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی سوچوں پر میرا ذہن بھاری ہونے لگا تو میں نے ڈرائنگ روم چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔

نشہ آور' مسکن اور خواب آور اشیا کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے نیند سی آنے لگی تھی۔

○☆○

مجھے آٹھ بجے کے بعد' اول خان کی آمد پر بیدار کردیا گیا۔ دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑتے ہی مجھے خیال آیا کہ سات بجے ویرا کا دوسرا فون آنا تھا۔ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔

"سات بجے ویرا کا فون آنا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟ تم نے مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟" میں نے بستر سے اترتے ہی غزالہ سے پے در پے سوالات کر ڈالے۔ وہ اپنے یاقوتی ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں پونے سات بجے آپ کو اٹھانے کے ارادے سے آئی تھی مگر آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ میرا دل نہیں چاہا کہ آپ کی اتنی اچھی نیند خراب کروں۔ ویرا کا فون آیا تھا۔ اس سے سلطان شاہ نے مختصر سی بات کی تھی۔ وہ بہت خوش ہے۔ ویرا ابھی تک خیریت سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جان نیک نیتی سے اپنے وعدوں پر عمل کرنا چاہتا ہو۔"

غزالہ کے اس معصومانہ خلوص پر مجھے ہمیشہ ہی ٹوٹ کر پیار آتا تھا۔ وہ ہر وقت میرے آرام اور آسائش کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھی۔ میں نے منہ بنا کر اس سے پوچھا "اس وقت نہیں اٹھایا تھا تو اب اول خان کو رخصت کیوں نہیں کردیا؟ اس وقت بھی میں بہت گہری نیند سو رہا تھا۔"

"مجھے بلا وجہ غصہ دکھانے کی کوشش نہ کریں" وہ میرا موڈ بھانپ کر شوخی سے بولی "وہ بھی رات بھر کا جاگا ہوا ہے اور پروگرام کے مطابق ایک لمبی دوڑ لگا کر یہاں تک پہنچا ہے۔ وہ بہت اداس اور دل گرفتہ ہے۔ آپ سے بات کرکے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔ اسے جواب دینا مناسب نہیں تھا۔"

میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"تیار ہو کر جلدی باہر آجائیں۔ میں ناشتا تیار کررہی ہوں" یہ کہہ کر وہ خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کسل مندانہ انداز میں کھڑے کھڑے ایک انگڑائی لے کر اپنے بدن کا تناؤ دور کیا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

میں تازہ دم ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اول خان اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا۔ دھیمی آواز میں ٹیلی وژن بھی چل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ اخبار میز پر ڈال دیا۔

"رات کے واقعے کے بارے میں اخبار کیا کہتا ہے؟" میں نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی تاخیر سے رونما ہونے والے غیر متوقع واقعات صبح کے اخباروں میں جگہ نہیں پاتے۔ ان سے شام کے اخبارات اپنی سنسنی خیز شہ سرخیاں نکالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پولیس والے اپنے بیشتر منصوبوں پر رات گئے عمل کرتے ہیں تاکہ بارسوخ ملزموں کے ہمدرد تیزی سے میدان میں نہ آسکیں۔ شام کو دیکھو کہ کیا لکھا جاتا ہے۔"

"زخمی کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گولی اس کے پیٹ کے اوپری حصے میں لگی ہے۔ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ میں اسی سے بات کرکے سیدھا یہاں آیا ہوں۔ اس کی کہانی میرے لئے حیران کن ہے جو مجرموں کی نشان دہی نہیں کرسکتی۔"

"پھر بھی میں اس کا بیان سننا چاہوں گا کیونکہ وہی اس قاتلانہ واردات کا واحد گواہ ہے۔"

"وہ تین افراد تھے جو ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہوں نے اپنے چہروں پر رومال باندھے ہوئے تھے۔ وہ غالباً کافی دیر سے اسی مکان میں کہیں چھپے ہوئے تھے اور میرے آدمیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کررہے تھے کیونکہ ٹیلی فون حملے سے کم از کم ایک گھنٹے پہلے ناکارہ ہوچکا تھا۔ انہوں نے اس وقت دھاوا بولا جب میرے دونوں آدمی تہ خانے میں موجود تھے۔ دبے قدموں زینے طے کرتے ہی انہوں نے سائلنسر لگے ہوئے پستولوں سے فائرنگ شروع کردی۔ میرے آدمیوں کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں مل سکا اور وہ دونوں گولیاں کھا کے گر گئے۔ زخمی ہونے والے کو ہوش آیا تو ساگا غائب تھا اور تہ خانے سے باہر جانے والا راستہ بند تھا۔ وہ پوری کوشش کے باوجود اس مضبوط دروازے کو کھولنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ حملہ آور واپسی میں ان دونوں کے ہتھیار بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

"یہ بات معجزے سے کم نہیں ہے کہ ان تینوں کی اندھا دھند فائرنگ کے باوجود زخمی ہونے والے کو صرف ایک گولی لگی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور اناڑی تھے۔ نشانہ لے کر فائرنگ کرتے تو دوسرا آدمی بھی ضائع ہوسکتا تھا۔"

"اسے کئی گولیاں لگی ہیں مگر وہ سب جلد کو چھوتی یا چھیدتی ہوئی گزر گئیں۔ اصل نقصان اس گولی نے پہنچایا ہے جو پیٹ میں لگی ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کون تھے۔" اول خان نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔

"ان کے بارے میں تمہارے آدمی نے جو بات بھی بتائی ہو' دوہرا ڈالو۔"

"اسے زیادہ غور کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ وہ تینوں کسی بلائے ناگہانی کی طرح تہ خانے میں داخل ہوئے تھے.... مگر ہاں' اس نے ایک دو باتیں ضرور بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک کی چال نارمل نہیں تھی۔ وہ لچک کر یا اپنی کمر بل دے کر زینے طے کررہا تھا اور وہی سب سے آگے تھا۔"

اول خان کے ان الفاظ نے مجھے بری طرح چونکا دیا اور میں نے بے ساختہ پوچھا "لچکیلی چال والا گورا اور دراز قامت تو نہیں تھا؟"

"یہ اس نے بتایا' نہ میں نے پوچھا" میرے ردِعمل نے اول خان کو ہیجان میں مبتلا کردیا "اگر یہ سوال اہم ہیں تو ہم ابھی اسپتال چل کر اس سے بات کرسکتے ہیں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی نام آرہا

ہے؟"

"کسی مرد کی اور صحت مند مرد کی لچکیلی چال ہر ایک کی نظروں میں آجاتی ہے۔ اگر تمہارا آدمی میرے سوالوں کے جواب اثبات میں دیتا ہے تو یوں سمجھ لو کہ تمہارے آدمی کے قاتل کی گردن تمہاری گرفت میں ہے۔"

"تو پھر چلو!" وہ میرا بازو تھام کر اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہوا "انتظار کس بات کا ہے۔ ابھی اس سے پوری معلومات حاصل کئے لیتے ہیں۔ اگر حملہ آور میرے ہاتھ آگئے تو مجھے چین آجائے گا۔ ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ ہم ہروقت اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر اپنے مقصد اور زندگی کے لئے لڑنا ہی ہمارا مشن ہے۔ ہمارے لئے جان و مال کے نقصانات معمول میں شامل ہیں لیکن اس بار میرے آدمی مقابلے کے بغیر مکاری کا نشانہ بنائے گئے ہیں۔ اسی خلش نے میرا خون کھولایا ہوا ہے۔ اگر تم بے مقصد اشاروں کی مدد سے میرے مجرموں تک پہنچ سکو تو یہ ایک کمال ہوگا۔"

اول خان اول درجے کا محبِ وطن اور جذباتی شخص تھا۔ وہ جذباتی نہ ہوتا تو اسپیشل ٹاسک فورس میں پُرخطر روزی کمانے کے بجائے کسی شاندار شہری دفتر میں کرسی توڑ کر دنیا جہان کی آسائشیں سمیٹ رہا ہوتا۔ اپنے آدمیوں کے لئے اس کی بے چینی اور خلش قابلِ فہم تھی۔ میں ناشتے کا انتظار کئے بغیر اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگیا۔

ہمارے مڑتے ہی غزالہ ناشتے کی ٹرے لے کر باورچی خانے سے نکل آئی اور حیرت سے بولی "ارے، آپ دونوں ناشتا کئے بغیر کہاں جارہے ہیں؟ میں نے اتنی محنت سے گرم گرم انڈے اور ٹوسٹ فرائی کئے ہیں....."

"ناشتا کرکے چلیں گے" اول خان نے غزالہ کا دل رکھنے کے لئے دھیرے سے کہا "رات بھر کی بیداری کے بعد میں بھی معقول اور بھاری ناشتے کی ضرورت محسوس کررہا ہوں۔ غزالہ پیٹ کی ضرورتوں کا ہروقت خیال رکھتی ہے۔"

میرا خیال تھا کہ غزالہ نے مشکل سے ہی کمر سیدھی کی تھی۔ مگر ہم دونوں کی خدمت کرتے ہوئے اس کا چہرہ یوں شاداب اور شگفتہ تھا جیسے اس کی زندگی کا محور ہی وہی رہا ہو۔

مجھے یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ نو بجے ویرا کا تیسرا فون آنے والا تھا۔ سلطان شاہ شاید نیند کی وادیوں میں کھویا ہوا تھا۔ گھر میں صرف غزالہ ہی تھی۔ اگر ویرا سے پہلے جان فون پر موجود ہوتا تو وہ پریشان ہوسکتی تھی۔ میں جلدی جلدی ناشتے میں مصروف ہوگیا تاکہ نو بجے سے پہلے اسپتال سے گھر واپسی کا امکان پیدا ہوسکے۔

"تمہارے فون پر دس بجے تک آبزرویشن لگادیا جائے گا" اول خان نے نیپکن سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے مجھے مطلع کیا "اگر ویرا دو دو گھنٹے کے وقفے سے فون کرتی رہی تو دوپہر تک کوئی نتیجہ سامنے آجائے گا۔"

"اس سے سات بجے بات ہوچکی ہے۔ اب نو بجے اس کا فون آئے گا" غزالہ نے کہا۔

"میں یہ سوچ سوچ کر لرز اٹھتا ہوں کہ اگر راس الیڈا ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا اور ویرا بھی اغوا ہوجاتی تو اس بے چاری کا کیا حشر ہوتا۔ غنیمت ہے کہ اب وہ حیوانی تشدد سے بچی ہوئی ہے" اول خان بولا۔

"تم نے اس فلیٹ پر اپنے آدمی تو مامور نہیں کئے ہیں؟" مجھے اچانک ہی وہ بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

"میں نے تم سے بات ہوتے ہی رات کو تین آدمی ادھر روانہ کردیے تھے۔ ان میں سے ایک ملنگ کے روپ میں سامنے والے درخت کے نیچے ڈیرا لگائے بیٹھا ہے۔ انہوں نے ادھر کا رخ کیا تو واپس نہیں جاسکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہے" میں نے اعتماد سے کہا۔

اول خان کے استفسار پر میں نے اسے اپنے اعتماد کا سبب بتایا تو وہ اس دلچسپ صورتِ حال سے خاصا محظوظ ہوا۔ ہم جان سے خائف تھے کہ وہ ہمارے فون نمبر کے سہارے فلیٹ پر کوئی بڑا حملہ کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ ہم سے خوف زدہ تھا کہ ہم اسے حملے پر اکسا کر پکڑنے یا مارنے کی سازش کررہے ہیں۔

"دشمن کسی وقت بھی کوئی چال چلنے کا فیصلہ کرسکتا ہے" اول خان نے پوری بات سننے کے بعد کہا "بہتر یہ ہے کہ جان کی سرکوبی ہونے تک میرے آدمی یہاں موجود رہیں اور ضرورت کے وقت کام آسکیں۔"

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ہم اسپتال جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اپنی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اول خان نے مجھے اس باریش اور گندے مجذوب کے بارے میں بتایا جو ایک درخت کے نیچے بے خبری کے عالم میں براجمان تھا۔

اول خان کا زخمی کارندہ جناح اسپتال میں زیرِ علاج تھا۔ اسے الگ کمرے میں ڈالنے کے بجائے اسپتال کے جنرل سرجیکل وارڈ میں ایک بستر دیا گیا تھا۔ اس طویل ہال میں تقریباً سارے بستر آباد تھے اور اکثر بستروں پر ایسے ایسے مریض موجود تھے جنہیں دیکھ کر رواں رواں کانپ اٹھتا تھا۔

"کیا اسے کوئی پرائیویٹ کمرا نہیں مل سکتا تھا؟" میں نے ہال میں سے گزرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سرکاری اسپتال ہے" اول خان کی آواز غیر ارادی طور پر تلخ ہوگئی "جنرل وارڈ میں ہروقت کوئی نہ کوئی ڈاکٹر اور طبی عملہ موجود رہتا ہے۔ الگ کمروں میں رہنے والے مریض گھنٹوں ان کی صورت دیکھنے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ عملے کی کمی اور احساسِ ذمے داری کے فقدان کی وجہ سے علاج کے لئے جنرل وارڈ ہی بہتر ہے۔ آرام کرنا ہو تو ہوٹلوں کے کمرے اسپتال سے کہیں بہتر ہوتے ہیں۔"

اول خان کا آدمی اسپتال کے سفید لباس میں بستر پر دراز تھا۔ اس نے بستر سے اٹھ کر پھیکی مسکراہٹ سے اسے سلام کیا۔ اس کے پیٹ اور سینے کے نچلے حصے پر موٹی ڈریسنگ نظر آرہی تھی۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے شاید فورس ہی کا ایک آدمی وہاں موجود تھا۔

"رپورٹیں آگئی ہیں" زخمی نے کمزور آواز میں بتایا "ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ زخم خطرناک نہیں ہے۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری بڑھ گئی ہے۔ کل صبح گولی نکالنے کے لئے آپریشن ہوگا تو خون بھی چڑھایا جائے گا۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں، چند روز میں تم اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہوجاؤ گے" اول خان نے اس پر جھک کر دھیمی آواز میں کہا "ہم حملہ آوروں کی راہ پر لگ گئے ہیں۔ وہ جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔"

وہاں گفتگو میں وہ احتیاط ناگزیر تھی کیونکہ قطار میں لگے ہوئے بستروں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ کہیں بھی ہونے والی بات آس پاس کے مریض سن سکتے تھے۔

"بس سر، مجھے افسوس ہے کہ ہماری غفلت کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا۔ ہم دونوں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بے فکر ہوگئے تھے کہ دشمن کو ہماری بے خبری میں وار کرنے کا موقع مل گیا۔ میں زندگی بھر خود کو سرور کی شہادت کا ذمے دار سمجھتا رہوں گا۔ اس کے بیوی بچوں کے بارے میں سوچ کر میری شرمندگی اور بڑھ رہی ہے۔"

"زیادہ سوچو اور نہ زیادہ باتیں کرو" اول خان نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا "سرور کی شہادت اسی طرح لکھی گئی تھی۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اب اس کے خون کا بدلہ لینا ہم پر فرض ہے۔ ہم اسی بارے میں کچھ اور باتیں کرنے کے لئے آئے ہیں۔"

"سر، آپ کتنے مہربان ہیں، بالکل سگے باپ کی طرح" وہ جذبات سے مغلوب ہوکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "آپ کی یہ محبت اور مہربانی ہی ہمیں بار بار دشمن سے لڑنے کا نیا حوصلہ دیتی ہے۔ میرے پیٹ میں گولی نہ لگی ہوتی تو میں خود بھی آپ کے ساتھ سرور کے قاتلوں کی تلاش میں نکلتا۔ آپ حکم کریں، میں آپ کی ہر بات کا جواب بہت سوچ سمجھ کر دوں گا۔ سرور میرا بھائی تھا۔ ہم برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھ کام کررہے تھے۔ اس کے قاتلوں کو سزا دلوانا میرا فرض ہے اور میں اس فرض کو ہر حال میں پورا کروں گا۔"

میں اس زخمی سے گہری ہمدردی محسوس کررہا تھا لیکن مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ چرب زبان نہ ہونے کے باوجود زیادہ بولنے کا عادی تھا اور اس کی یہ عادت میرے لئے مددگار ثابت ہوسکتی تھی۔

"ڈپٹی کو تم سے چند سوال پوچھنا ہیں" اول خان نے یہ کہہ کر میرے لئے جگہ خالی کردی۔

"تہ خانے پر حملہ کرنے والے تینوں آدمیوں کے چہروں پر رومال بندھے ہوئے تھے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"جی صاحب!" اسے میرے پہلے سوال کی عمومی نوعیت پر قدرے حیرت ہوئی تھی۔

"مگر ان کی آنکھوں سے اوپر کا حصہ کھلا ہوا تھا جسے تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔"

"دیکھا تھا مگر بس پل بھر کے لئے۔ ان میں سے کسی کو پہچاننا مشکل ہوگا۔"

"ان میں سے کوئی گورا چٹا نوجوان بھی تھا؟" میں نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں کہ وہ نوجوان تھا یا ادھیڑ عمر لیکن آگے آنے والے کا رنگ گورا تھا۔ اس کی چال بگڑی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح لچک لچک کر سیڑھیاں اتر رہا تھا جیسے اس کے کولھے کی ہڈیوں میں تکلیف ہو۔"

اس کے جواب پر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میرا ابتدائی اندازہ درست ثابت ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"لچکیلی چال والے اس گورے آدمی کے بارے میں اپنے ذہن پر زور دے کر اور باتیں بھی یاد کرنے کی کوشش کرو۔ وہ پکڑا گیا تو یوں سمجھو کہ تینوں مجرم اول خان کے ہاتھ آسکتے ہیں۔"

وہ فوراً کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں پُرخیال انداز میں چھت پر جم گئی تھیں جیسے وہ اپنے ذہن میں تہ خانے کا خونیں منظر تازہ کررہا ہو پھر وہ رک رک کر بتانے لگا "وہ کافی تگڑا اور لمبا تھا۔ اس کے کھلے ہوئے گریبان میں ایک سنہری چین جھول رہی تھی اور..... اور شاید اس کی انگلیوں میں کئی چمک دار انگوٹھیاں بھی تھیں..... اس سے آگے کوئی اور بات مجھے یاد نہیں آرہی۔ انہوں نے آتے ہی ہم پر فائر کھول دیا تھا۔ کچھ دیکھنے یا سننے سے پہلے ہی میں گر گیا تھا۔ پیٹ میں گولی لگنے سے پہلے کئی گولیوں نے مجھے زخمی کردیا تھا۔"

"تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کردیا ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا "اب قاتل گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔"

میں نے کراچی کے بازارِ حسن سے ساگا کا سراغ حاصل کرکے اس کے زخمی ہونے تک کی کہانی کم و بیش اپنے تمام ساتھیوں کو سنائی تھی جس میں صرف ان اہم کرداروں کا ذکر شامل تھا جن کا ساگا سے براہِ راست یا گہرا تعلق تھا۔ وہاں میں نے مزید جو کچھ دیکھا یا سنا، وہ میرا اپنا مشاہدہ تھا جس کا ذکر میں نے گول کردیا تھا۔

ساگا کی اس کہانی میں زمرد بائی عرف ڈیرے وارنی، نادیہ عرف چھمیا اور خود ساگا کا تفصیلی ذکر آتا تھا۔ باقی کرداروں کا ذکر محض دلالوں کے طور پر آیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت میری نظروں

میں سنی، جوی، علم دین اور نخرو وغیرہ اس بازار میں صنم گری اور جسم فروشی کرنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے بے ضمیر دلال تھے اور اسی وجہ سے کسی تفصیلی رائے زنی کے حق دار نہیں تھے۔

اول خان نے اپنی ابتدائی باتوں میں لچک کر چلنے والے ایک مجرم کا حوالہ دے کر میرے ذہن کے کئی بند دریچے کھول دیئے تھے۔ سنی اسی بازار کے گناہوں میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والا ایک گورا چٹا، صحت مند اور خوبرو نوجوان تھا جسے اس بازار کی بود و باش اور معاشرت نے مکمل مرد رہنے دیا تھا اور نہ ہی وہ اپنی فطری ساخت کو خیرباد کہہ کر عورت کا روپ دھار سکا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا، اپنے حال میں مگن تھا۔ اس نے اپنی ذات کے تضادات کو چھپانے کے لئے تیسری جنس کا سوانگ رچانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

وہ جاہل مگر کڑیل نوجوان عورتوں میں پلنے بڑھنے کی وجہ سے بہت سی زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ اس کی بول چال کا لب و لہجہ بھی عورتوں جیسا تھا جو خالص مردانہ آواز میں بہت اجنبی اور عبرت انگیز محسوس ہوتا تھا۔ صحت مندی کے باوجود اس کے بدن میں نسوانی نرمی اور گداز موجود تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی کمر کو بل دے دے کر انتہائی لچکیلے نسوانی انداز میں چلتا تھا۔ اس کی یہ آخری خرابی اتنی نمایاں تھی کہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔

ساگا کے معاملے میں بظاہر اس کا کردار نہ ہونے کے برابر تھا۔ میرے مذاکرات جوی اور اس کے ساتھیوں سے ہوئے تھے۔ مجھ سے رقم بھی انہوں نے ہی اینٹھی تھی اور پھر آخر میں سنی کو کوئی معمولی سا لالچ دے کر مجھے ڈیرے دارنی کے نئے ٹھکانے پر پہنچانے کی ذمے داری سونپ دی تھی۔

گارڈن ایسٹ میں ڈیرے دارنی نے بھی سنی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اسے اپنے بلاؤز میں سے سو روپے کا نوٹ دے کر برآمدے میں سے ہی رخصت کردیا تھا۔ ان واقعات کی روشنی میں سنی کا کردار قابلِ رحم ضرور تھا لیکن کسی بھی اعتبار سے قابلِ ذکر نہیں تھا۔

اول خان کی باتوں سے میرے ذہن میں سنی کی لچکیلی چال کا تصور ابھرا، تب بھی مجھے یقین نہیں تھا کہ تعلیم اور مناسب صحبت سے محروم وہ بے توقیر نوجوان کوئی بڑا جرم کرنے کی ہمت کرسکتا ہے لیکن سراغ پھر سراغ ہوتا ہے۔ میں مزید وضاحت کے لئے اسپتال پہنچا تو واردات کے چشم دید گواہ کا ہر لفظ چیخ چیخ کر سنی کا نام دہرا رہا تھا۔

میرے لئے وہ حیران کن صورتِ حال تھی۔ بادی النظر میں حقیر، بے ضرر بلکہ ناکارہ نظر آنے والا ایک شخص اچانک ہی سہ نفری گروہ کے سربراہ اور سفاک قاتل کا روپ دھار چکا تھا۔ مزید پُراسرار بات یہ تھی کہ سنی مجھے ڈیرے دارنی کے برآمدے میں چھوڑ کر الٹے قدموں واپس چلا گیا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا، اس کے جانے کے بعد ہی ہوا۔ سوال یہ تھا کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے ساگا کو اسپتال سے نکال کر نادرہ کے مکان میں منتقل کردیا تھا۔

مجھے محسوس ہونے لگا کہ سنی درحقیقت وہ نہیں تھا جو نظر آتا تھا۔ اس کے باطن میں کوئی خبیث اور سفاک مجرم پوشیدہ تھا جو اپنی سادہ لوحی سے لوگوں کو فریب دے کر بڑے مجرمانہ مقاصد کے لئے مصروفِ عمل تھا۔

اول خان استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا "آؤ، اب باہر چل کر باتیں ہوں گی۔ تمہارے مجرموں میں سے ایک کی نشان دہی ہوچکی ہے۔"

"وہ کون ہے؟ تم کس پر شبہ کررہے ہو؟" اسپتال سے باہر نکلتے ہوئے اول خان نے پوچھا۔

"بات شبے سے بڑھ کر اب یقین تک پہنچ چکی ہے" میں نے فکر مندی کے ساتھ کہا "لچکیلی چال والا شخص بازارِ حسن کا ایک عجیب و غریب نوجوان ہے جو مرد ہوتے ہوئے بھی زنانہ عادات میں مبتلا ہے۔ اسے دیکھ کر تم سوچ بھی نہیں سکو گے کہ وہ کسی پر ہتھیار اٹھا سکتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ میرے آدمی کو غلط فہمی ہوئی ہو یا تم اس کے جوابات سے غلط نتائج اخذ کررہے ہو" اول خان نے بے چینی سے کہا "اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں فوراً اس بہروپیے کو پکڑ لینا چاہئے۔"

"کسی سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ چند کڑیاں غائب ہونے کے باوجود حقائق کی بہت سی کڑیاں مل رہی ہیں۔ بازارِ حسن سے ساگا کا تعلق بہت پرانا اور گہرا ہے۔ وہ نادیہ کو وہیں سے اٹھا کر شرفا کے علاقے میں لایا ہے۔ اس نے خود کہا تھا کہ اس علاقے کا بچہ بچہ اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے.... ہوسکتا ہے کہ سنی نے اس کے ایسے ہی کسی احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے خوں ریزی کی ہو۔"

گاڑی میں گھر کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں نے اسے سنی کے بارے میں ہر وہ بات بتا ڈالی جو میرے مشاہدے میں آچکی تھی اور پھر واقعات اس کی غمازی کررہے تھے۔ میری باتوں نے اسے بھی حیران کردیا۔ اس نے کئی بار یہ خیال ظاہر کیا کہ کہیں سنی دہری شخصیت کا کوئی بگڑا ہوا نفسیاتی کیس نہ ہو مگر میں نے اس کی اس رائے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں سنی سے مل کر ہی کوئی فیصلہ کن رائے قائم کرسکتا تھا۔

واپسی میں کافی تیزی دکھانے کے باوجود ہم نو بجے گھر نہیں پہنچ سکے۔ ہماری متوقع واپسی کے پیشِ نظر غزالہ نے سلطان شاہ کو بیدار کردیا تھا۔ نو بجے ویرا کا فون آیا تو سلطان شاہ نے ہی اس سے بات کی تھی۔ اس مرتبہ ویرا نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ پیغام دیا تھا کہ بے یقینی کی حالت میں اس کے لئے وقت گزارنا دشوار ہورہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے تبادلے کے بارے میں جلد از جلد .... کوئی فیصلہ کیا جائے تاکہ وہ دوبارہ آزادی کی زندگی گزارنے کے قابل ہوسکے یا پھر باعزت موت کو گلے لگالے۔

میں وہ تفصیل سن کر مسکرا دیا۔ میری دانست میں ویرا نے وہ باتیں جان کو سنانے کے لئے کی تھیں ورنہ وہ جانتی ہی تھی کہ ہم اس کی آزادی کے لئے سرتوڑ کوششیں کررہے تھے۔

"سنی کو کہاں بلوایا جائے؟" سلطان شاہ کی بات ختم ہونے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"نادرہ کا مکان ہی بہتر رہے گا" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد دھیمے سے کہا۔

"وہ گھر ان لوگوں کا دیکھا ہوا ہے۔ وہ بہت بے خوف اور خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوبارہ وہاں پہنچ جائیں اور سنی کے زبان کھولنے سے پہلے ہی محاذ آرائی کا سلسلہ چھڑ جائے۔"

"ایک طرف ویرا کا قصہ چل رہا ہے اور دوسری طرف سنی کی نشان دہی ہوچکی ہے۔ اگر سنی کو اسٹیشن فور بھیج دیا گیا تو ہم شہر کے معاملات پر پوری توجہ نہیں دے سکیں گے۔ تم یہاں مامور کئے ہوئے تینوں آدمیوں کو ہٹا کر ڈیری پر مامور کردو۔ وہ آئے تو انہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔ اس بار تم بے خبر نہیں، بہت زیادہ باخبر ہو۔"

میری خواہش تھی کہ میں خود ہی نیپیئر روڈ جا کر سنی کو پکڑ کر لاتا لیکن اول خان نے سختی سے میری مخالفت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ جس بازار میں سنی جیسے صورت حرام قاتل پل رہے ہوں، وہاں آدمی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرسکتا۔ ساگا کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی بنا پر میرا وہاں پہچانا جانا یقینی تھا۔ میں ایک بار ان بے ضمیر بدمعاشوں کے نرغے میں پھنس جاتا تو معاملات کافی طول پکڑ سکتے تھے۔

بہتر یہی تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو اجنبی چہرے وہاں جاتے اور کسی بھی بہانے سے سنی کو اس کے محلے سے نکال کر نادرہ کے غیر آباد مکان میں پہنچا دیتے۔

اول خان سے سنی کے بارے میں میری اتنی تفصیلی باتیں ہوچکی تھیں کہ اسے اپنے آدمیوں کو سنی کے کوائف سمجھانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے انہیں فوری طور پر روانہ ہونے اور سنی کو پہلی فرصت میں ڈیری پر پہنچانے کی واضح ہدایات کی تھیں۔

اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ہماری گفتگو سے نئے واقعات کا علم ہوچکا تھا۔ غزالہ کو ایسے علاقوں کے رہنے والوں کے چال چلن اور کردار کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اس لئے اس نے سرگرمی سے باتوں میں حصہ نہیں لیا مگر سلطان شاہ بار بار حیرت کا اظہار کرتا رہا۔

اس کا کہنا تھا کہ گانے بجانے والیوں کے رذیل طبقے کے مرد انتہائی بزدل اور بودے ہوتے ہیں۔ خون خرابا تو بڑی بات ہے، وہ اپنا دھندا خراب ہونے کے خوف سے دنگا فساد سے بھی کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ ایسے ماحول میں پلے ہوئے کسی لڑکے نے اگر ساگا کو آزادی دلانے کے لئے انسانی خون بہایا تھا تو یہ بازارِ حسن کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ بھی قرار دیا جاسکتا تھا۔

ہمارے سامنے جو معلومات موجود تھیں، ان پر کام کا آغاز ہوچکا تھا اور ہمیں ان کے نتائج کا انتظار کرنا تھا۔ اول خان پچھلے روز سے اپنے گھر نہیں جاسکا تھا۔ اس نے اس عارضی تعطل سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا اور کہا "میں کچھ وقت گھر پر گزارنے کے بعد اسٹیشن فور ہی چلا جاؤں گا۔ وہاں روزمرہ کا کافی کام جمع ہوگیا ہے۔"

"ہائیں!" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا "تو ایس ٹی ایف آج کل راس المیڈا کی سرکوبی کے علاوہ کوئی اور کام بھی کررہی ہے؟ میرے لئے یہ اطلاع خاصی تعجب خیز ہے۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس ایک ملک گیر تنظیم ہے" اول خان نے گمبھیر سنجیدگی سے جواب دیا "ہمیں ہر روز دوسرے علاقوں سے ملنے والی رپورٹوں کی روشنی میں اقدام کرنے ہوتے ہیں پھر ہم اپنی رپورٹیں باقاعدگی سے اوپر والوں کو بھیجتے ہیں۔ میرے بیشتر آدمی دن بھر کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔"

"تم کئی بار اپنے آدمیوں کے فارغ ہونے کا ذکر کرچکے ہو" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ ایک ذومعنی جملہ ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمیوں کی مصروفیات ناگزیر نہ ہوں اور انہیں ان کے فرائض سے ہٹا کر کہیں اور مامور کرنے کی گنجائش موجود ہو۔"

"پھر بھی کبھی تو تمہارے آدمی بے کار رہتے ہوں گے؟" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"سسٹم میں بے کار رہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جب دوسرے کام نہیں ہوتے تو صفائی، زمین ہموار کرنے یا پھر نئی کیاریاں بنانے کا کام شروع کردیا جاتا ہے۔ فلسفہ یہ ہے کہ بے کار انسان کا دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے اور وہ بہت آسانی سے تخریبی راہوں پر نکل جاتا ہے۔ اسے فارغ نہ رہنے دو۔"

"یہی بات ملک کے لاکھوں بے روزگار نوجوانوں پر بھی لاگو کی جاسکتی ہے۔"

"بالکل!" اول خان نے پُرزور لہجے میں کہا "یہ ایک آفاقی اصول ہے اور ہر جگہ لاگو ہوتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ بے روزگاری کے ساتھ ملک بھر میں اخلاقی اور معاشرتی جرائم کی رفتار بھی روز افزوں ہے۔"

"تو کیا ایس ٹی ایف کا ڈسپلن ان لوگوں پر نافذ نہیں کیا جاسکتا؟"

"سب کچھ ہوسکتا ہے مگر اس کے لئے نیت کا پُرخلوص ہونا ضروری ہے۔ یہ لمبی باتیں ہیں۔ کبھی فرصت کے وقت ہوں گی۔

اس وقت میں جارہا ہوں۔ اپریٹس پر تم لوگ ہر وقت مجھ سے رابطہ کرسکو گے۔"

کوئی نئی بحث شروع ہونے سے پہلے ہی وہ دروازہ کھول کر نکل گیا۔

غزالہ کھانے کی تیاری کے لئے کچن میں گئی تو سلطان شاہ نے میرے قریب سرک کر رازدارانہ لہجے میں کہا "تم نے سنی کے کردار کو ایک پہیلی کیوں بنایا ہوا ہے؟ اسے صاف صاف ہیجڑا کیوں نہیں کہتے؟"

"وہ ہیجڑا نہیں ہے" میں نے اسی رسانیت سے جواب دیا "وہ مرد بنا رہنا چاہتا ہے۔ مردانہ لباس پہنتا ہے مگر اس پر نسوانی عادات کا گہرا غلبہ ہے۔ یہاں کون ہے جس کے سامنے میں کھلی کھلی باتیں نہیں کرسکتا؟"

"میں سمجھ رہا تھا کہ تم غزالہ کی وجہ سے تکلف کررہے ہو۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"غزالہ اب کنواری لڑکی نہیں' ایک شادی شدہ عورت اور میری بیوی ہے۔ اس سے کیا تکلف؟"

"پھر تو اس مخلوق کو دیکھنا ہی پڑے گا کہ درحقیقت وہ کیا شے ہے۔"

"اسے دیکھ کر تمہیں صدمہ ہوگا کہ ایسا وجیہہ آدمی ایسی شرمناک کمزوریوں کا شکار ہے۔"

سلطان شاہ میں خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے مشاہدوں سے زیادہ میرے تجربات سے بہت کچھ سیکھنے کا آرزو مند رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر باتوں پر مجھ سے الجھتا رہتا تھا اور کرید کرید کر ایسے سوالات کرتا تھا کہ بعض اوقات میں چڑ جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایسے ہی موڈ میں نظر آرہا تھا۔

میں اسے جواب دے دے کر اکتاہٹ کی منزل پر پہنچا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میری جان چھوٹ گئی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو جان کی آواز سن کر چونک پڑا۔ غیر ارادی طور پر میری نظریں وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں سوئیاں دس بج کر پینتیس منٹ کا اعلان کررہی تھیں۔

"تم نے قبل از وقت فون کیسے کرلیا؟" میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں حیرت سے پوچھا۔

"یہ بتانے کے لئے کہ اب میں تمہاری عاید کی ہوئی شرط کی پابندی نہیں کرسکوں گا۔"

"کیوں؟" میں نے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا "تم کو وعدے کی پابندی کرنی ہوگی۔"

"ہر کال کے بعد دو گھنٹے تک انتظار کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ شام تک میں نڈھال ہوجاؤں گا۔"

"یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ وعدہ خلافی ہوئی تو راس المیڈا عتاب میں آجائے گا۔"

"اب مجھے اس کی بھی پروا نہیں رہی۔ صورتِ حال بہت تیزی سے بدل رہی ہے۔"

اس کے لہجے میں جھوٹ کی آمیزش نہیں تھی۔ میں اس تبدیلی پر حیران رہ گیا مگر میں نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے سکون سے پوچھا "ایسی کون سی تبدیلی آئی ہے جس نے تمہیں راس المیڈا سے متنفر کردیا ہے؟"

"میں پیسے کے لئے اس کے ساتھ تھا۔ مجھے کسی اور ذریعے سے رقم مل جائے تو مجھے اس کی کیا پروا ہوسکتی ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے راس المیڈا کے دشمنوں سے... گٹھ جوڑ کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"اس سرزمین پر تمہارے سوا اس کا کوئی دشمن نہیں ہے جب کہ تمہارے بے شمار دشمن ہیں۔"

"کھل کر بات کرو۔ میرے دشمن راس المیڈا کے خلاف کیسے ہوسکتے ہیں؟"

"یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں.... میں تمہیں آج رات دس بجے تک کا وقت دے رہا ہوں۔ دس بجے تک تم نے فیصلہ نہیں کیا تو میں ویرا کو بیچ دوں گا پھر تم عمر بھر راس المیڈا کی خدمت کرتے رہنا۔"

"اگر تم میری معلومات میں تھوڑا سا اضافہ کرسکو تو مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔"

"میری طرف سے پوری رازداری کے باوجود باخبر لوگوں کو پتا چل گیا ہے کہ راس المیڈا مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہے اور ویرا میرے قبضے میں ہے۔ کچھ لوگ ہر قیمت پر ویرا کو حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ میں اس سودے سے پندرہ' بیس ملین ڈالر حاصل کرسکتا ہوں۔ اتنی رقم سے میں اپنی ساری زندگی عیش سے گزار سکتا ہوں۔ مجھے کسی کی غلامی کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"پھر تم مجھے مزید مہلت کیوں دے رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا "دونوں قیدیوں کے تبادلے میں تو تمہیں بیس ڈالر بھی نہیں مل سکیں گے۔ شاید یہ تمہارا کوئی نیا فراڈ ہے۔"

"یہ خبریں کسی سے پوشیدہ نہیں رہیں گی اور جلد یا بدیر راس بھی آزادی حاصل کرلے گا۔ میں نے ویرا کا سودا کرلیا تو وہ میرے خون کا پیاسا ہوجائے گا۔ میں منظرِ عام پر رہ کر اپنی مرضی سے اپنی دولت خرچ نہیں کرسکوں گا۔ تبادلے کی صورت میں وہ عمر بھر میرا احسان مند رہے گا کہ میں نے اس کی خاطر اتنی بڑی پیشکش ٹھکرادی۔ وہ نہ صرف مجھے انعام دے گا بلکہ میرا معاوضہ بھی بڑھا دے گا جو میں عمر بھر وصول کرتا رہوں گا....."

"یہ خیالی منصوبے ہیں۔ وہ بہت کینہ پرور اور خودغرض انسان ہے۔ تمہیں پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں ابھی اسے بتاتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔"

فون پر اس کی زہریلی ہنسی کی آواز ابھری پھر اس نے کہا۔ "اسے بتانا کافی نہیں ہوگا۔ اس کی کینہ پروری کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے تمہیں اس کو رہا بھی کرنا ہوگا اور میں یہ کہہ کر اپنی جان بچالوں گا کہ یہ اس کی رہائی کی ایک ترکیب تھی جو کامیاب رہی۔ تم اسے مار دو گے تو میری زندگی بہت سہل ہوجائے گی ورنہ مجھے بیس ملین ڈالر کے ساتھ نیپال یا تبت میں اپنی زندگی گزارنی پڑے گی۔ تم میرے دوست نہیں' بدترین دشمن ہو لیکن یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ اب میرے فیصلے کا انحصار تمہارے فیصلے پر ہے۔"

"میں ان تبدیلیوں کا پابند نہیں ہوں" میں نے سوچ کر سخت لہجے میں کہا "تم نے مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ اسے برقرار رکھنا ہوگا ورنہ راس المیڈا سے پہلے میں تمہاری زندگی جہنم بنادوں گا۔"

"تمہارے لئے ویرا بہت اہم نہیں ہے' میرے لئے راس المیڈا اپنی اہمیت کھوچکا ہے۔ بھول جاؤ کہ ہمارے درمیان ان دونوں کے تبادلے کی کوئی بات ہوئی تھی۔ تم اپنے قیدی کو ماردو' میں اپنی قیدی کا سودا کئے لیتا ہوں۔ میرے ساتھ تم بھی ہمیشہ سکھی رہو گے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ راس المیڈا تمہارا کتنا بڑا دشمن ہے۔"

گفتگو کے اس موڑ پر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ پہلے جان' راس المیڈا سے بات کرنے کے لئے مرا جارہا تھا اور اب وہ خود مجھے راس المیڈا کے عزائم سے خبردار کررہا تھا۔ حالات کی اس قلابازی میں ویرا واضح طور پر بدترین خسارے میں جاتی نظر آرہی تھی جب کہ میں ہر قیمت پر اسے بچانا چاہتا تھا۔

جان کی حد سے بڑھی ہوئی خوداعتمادی سے مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے رات کی فائرنگ کی خبریں پھیلنے کے بعد ہی شہر کے باخبر حلقوں میں قیاس آرائیوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ امریکن سفارت کار... راس المیڈا کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھے' اس لئے وہی صحیح تر اندازے لگا سکتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ جان نے انہیں اپنے ابتدائی منصوبے کے بارے میں بتائے بغیر صرف یہ بتادیا تھا کہ ویرا اس کے قبضے میں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جان سے سودے بازی کرکے ویرا کو مجھے بلیک میل کرنے کے لئے حاصل کرنا چاہ رہے ہوں۔ اس طرح ویرا اور راس المیڈا کی حد تک پوری صورتِ حال جوں کی توں رہتی اور جان پندرہ' بیس ملین ڈالر جیب میں ڈال کر ویرا کا قبضہ امریکن سفارت کاروں کے سپرد کرکے خاموشی سے کہیں کھسک جاتا۔

میں نے گفتگو کا پینترا بدل کے کہا "میری پشت پر مقامی قانون کارفرما ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ راس المیڈا کے جرائم بہت سنگین ہیں لیکن اس کے خلاف ثبوت ناکافی ہیں۔ اسے سزایاب نہیں کرایا جاسکتا۔ مختصر سے عرصے میں وہ نکل جائے گا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آخرکار یہی ہونا ہے تو کیوں نہ اس کی آزادی کے بدلے ویرا کی زندگی بچالوں۔ تم جانتے ہو کہ وہ طویل عرصے تک میری دوست رہی ہے۔"

وہ دخل اندازی کئے بغیر میری پوری بات سنتا رہا پھر بولا "مجھے چکر دینے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں اور تمہارے قانونی اداروں کو خوب جانتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ ان گنت لوگوں کے خون سے آلودہ ہیں۔ تمہاری پولیس ہر روز مقابلوں میں اپنے مطلوبہ ملزموں کو چھلنی کررہی ہے جس پر ہر طرف شور ہورہا ہے.... تمہارے لئے راس المیڈا کو مارنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے لئے دس سینٹ کی ایک گولی ہر ثبوت اور دلیل سے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔"

"تمہیں وہ نمبر دیا جاچکا ہے جس پر راس المیڈا موجود ہے"۔ میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "ہوسکے تو خود معلوم کرلو کہ وہ کون لوگ ہیں اور قانون کی پاس داری میں ان کی کیا شہرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے راس المیڈا سے میری نفرت کا اندازہ لگا کے اسے اپنی تحویل میں رکھا ہے...."

"مجھے تمہاری ان خرافات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے" اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے کہا "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ویرا تمہیں پہلے بھی عزیز تھی اور اب بھی عزیز ہے۔ مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لئے تم نے ابتدا میں اس سے اپنی لاتعلقی کا ڈراما رچایا تاکہ راس المیڈا کے لئے میری بے چینی سے فائدہ اٹھاسکو۔ اب میرے سامنے ایک متبادل راستہ موجود ہے تو تم بوکھلا گئے ہو اور ویرا کو آزاد کرانا چاہتے ہو۔"

"تمہاری تقریر سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ راس المیڈا کے بدلے ویرا کی رہائی کی پیشکش تمہاری تھی۔ بڑی رقم کے لالچ نے اب تمہاری سوچ میں زہر بھردیا ہے تو میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جو لوگ ویرا کو حاصل کرنے کے لئے پندرہ' بیس ملین ڈالر خرچ کرسکتے ہیں' وہ اس کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ اس اچھی لڑکی کو ان درندوں کے چنگل میں جانے سے بچایا جائے۔"

"اس کا مطلب یہ سمجھوں کہ تم نے آخرکار فیصلہ کرلیا ہے؟" اس نے برجستہ سوال کیا۔

"فیصلے کے لئے تم نے رات دس بجے کا وقت مقرر کیا ہے۔ یہ میری موجودہ رائے ہے جو آخری تجزیے میں بدل بھی سکتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ میری موجودہ رائے برقرار رہی تو قیدیوں کے تبادلے کی کیا صورت ہوگی؟"

دوسری طرف سے میرے اس غیر متوقع سوال کا فوری جواب نہیں آیا' لائن پر خاموشی چھاگئی۔ چند ثانیوں بعد اس نے پوچھا "تم کیا طریقہ اختیار کرنا چاہو گے؟"

"شہر کے کسی بڑے اور محفوظ ہوٹل میں یہ کام سرانجام دیا جاسکتا ہے۔"

ریسیور پر اس کی ہلکی سی اعصاب زدہ ہنسی ابھری پھر اس نے

کہا "تم ابھی خود اعتراف کر چکے ہو کہ تمہیں مقامی قانون کی پشت پناہی حاصل ہے۔ کیا تم اور تمہارا قانون اتنا ہی بھولا ہے کہ تبادلہ مکمل ہو جانے کے بعد مجھے راس المیڈا کے ساتھ اس ہوٹل سے نکل جانے دے گا۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں مسٹر ڈینی!" آخری الفاظ اس نے چبا چبا کے زہریلے لہجے میں ادا کیے تھے۔

"تم میری طرف سے بدگمانیوں میں مبتلا ہو اسی لئے میں نے تم سے تمہارا طریقہ کار پوچھا تھا۔"

"یہ تبادلہ کسی غیر ملکی سرزمین پر ہو تو سب سے بہتر رہے گا۔"

"اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بجائے یہ کام پاکستان میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"پاکستان میں، مَیں خود کو کہیں بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔ یہاں تمہاری بالادستی برقرار رہے گی۔"

"امریکا کے سوا کسی بھی ملک کے سفارتی مشن کی عمارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ ایک اچھی تجویز ہے لیکن مشن کا تعین باہمی رضامندی سے ہو گا۔"

"اس کا مطلب ہے پاکستان میں کام کرنے والے سفارتی اداروں میں تمہارے مراسم ہیں؟"

"راس المیڈا ایک بڑا نام ہے۔ تم نے اسے یہاں بہت بدنام کیا ہے۔ اخباروں میں دہشت گرد کے طور پر اس کے تصویری فیچر چھپوائے ہیں لیکن اپنی سفری دستاویزات کے مطابق وہ راڈنی آرک نامی سینئر سفارت کار ہے۔ اس کا ملک اس بات کی تصدیق کرے گا۔ ایک سپر پاور کی خوشنودی کے لئے ہر سفارت کار ہماری مدد کرے گا۔"

"تم ویرا کی بولی لگانے والوں کو بھول رہے ہو۔ وہ تمہاری راہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔"

"میں ان سے نمٹ لوں گا۔ میں اپنے کارڈ کھیلنے کا فن اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پھر تم نے کیا طے کیا ہے۔ تم کس ملک کے مشن کو ترجیح دو گے؟"

"تم دس بجے تک کوئی فیصلہ کر لو تو میں بھی دو تین متبادل نام طے کر لوں گا" اس کی آواز میں طنز کی کاٹ پیدا ہو گئی "متبادل نام تمہیں شکوک و شبہات میں مبتلا نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "میں دس بجے تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔ اب ذرا ویرا سے میری بات کرا دو۔ میں رات کو بھی اس سے بات کرنا چاہوں گا۔"

"اس وقت وہ باتھ روم میں ہے۔ رات کو اس سے بات کر لینا۔ تم بے فکر رہو، اسے کسی قسم کے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور میں راس المیڈا کے بارے میں بھی یہی توقع رکھوں گا۔ تبادلے کے موقع پر اس نے تمہاری کوئی شکایت کی تو بہت برا ہو گا۔"

"فکر مت کرو، تمہاری توقعات پوری کی جائیں گی" میں نے فون بند کر دیا۔

میں نے اس کی پُرپیچ گفتگو کے ایک ایک لفظ پر پوری توجہ دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ بھی کوئی بہت بڑا شاطر تھا اور راس المیڈا کا حلیف ہونے کے باوجود، قسمت سے ہاتھ آئے ہوئے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

راس المیڈا کا ساتھی ہونے کی وجہ سے وہ بنیادی طور پر امریکن لابی کا ہی کارندہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ راس المیڈا کی موجودگی میں بڑے لوگوں سے براہِ راست اس کے روابط نہ رہے ہوں۔

اس نے اپنے آقاؤں کو ویرا کے زیرِ دام آنے کی خبر دے کر ایک بہت بڑا داؤ کھیلا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی بات نہ بنتی تو وہ ایک بڑی رقم لے کر ویرا کو ان کے حوالے کر دیتا۔ دونوں قیدیوں کے تبادلے کی صورت میں بظاہر اسے بھاری نقصان ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا لیکن میں نے باتوں ہی باتوں میں اندازہ لگا لیا تھا کہ مجھ سے تبادلے کا سمجھوتا ہونے کے بعد وہ اپنے آقاؤں کو ویرا کے بدلے راس المیڈا کی بازیابی کی خبر دے کر میرے نام پر وہی یا کچھ کم رقم اینٹھ لیتا۔ ان لوگوں کے لیے راس المیڈا ویرا سے کہیں زیادہ اہم تھا کیوں کہ شی کی سربراہی، ان کے آنے والے انتخابات اور متعدد تخریبی منصوبوں پر عمل درآمد کی ذمے داریاں اسی پر تھیں۔

اس بندوبست میں وہ نہ صرف بھاری رقم کما سکتا تھا بلکہ اسے راس المیڈا کی خوشنودی بھی حاصل رہتی۔ اس نے چند گھنٹوں کے اندر ہی اندر ایسی دہری چال چلی تھی کہ اسے ہر صورت میں فائدہ ہوتا تھا۔

راس المیڈا متعدد مواقع پر ہاتھ آتے آتے ہماری گرفت سے نکل چکا تھا۔ پچھلی رات اسے اپنی رائفل کی نال کی زد پر لیتے ہوئے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ آخر کار تقدیر نے ہمارا بھی ساتھ دیا تھا لیکن ویرا کے اغوا کا انکشاف ہوتے ہی یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وقت کا دھارا بدستور راس المیڈا کے حق میں بہہ رہا تھا۔

اس وقت ہمارا سارا انحصار ٹیلی فون پر آبزرویشن کی رپورٹ پر تھا۔ اگر ہمیں جان کے ٹھکانے کا علم نہ ہوتا تو پھر ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کی تیاری کے سوا کوئی اور راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

جان کوئی گھاگ اور منجھا ہوا مجرم تھا۔ اس نے بیرونِ ملک یا کسی سفارتی مشن کے ذریعے قیدیوں کی تبدیلی کی تجویز پر زور دے کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنی کمزوریوں سے غافل نہیں تھا۔ اس لیے ان مراحل پر بھی اسے نیچا نہیں دکھایا جا سکتا تھا۔ ایک بار راس المیڈا ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر اس کا گرفت میں آنا ممکن نہیں تھا۔

فون پر جان سے میری طویل گفتگو ہوئی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ نے میری گفتگو سنی تھی اور اس سے جان کی کہی ہوئی بہت سی باتوں کا اندازہ لگالیا تھا۔ اس کے باوجود ان کے ذہنوں میں متعدد سوالات مچل رہے تھے۔ وہ تجسس اور گہری دلچسپی کے ساتھ سوال کرتے رہے اور میں ان کے جوابات دیتا رہا۔

جان کی نئی قلابازیوں کے بارے میں جان کر ان کے چہرے بھی اتر گئے۔ ہم لوگوں نے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر جس جاں فشانی سے راس المیڈا کو زیر کیا تھا' وہ ہمارا دل ہی جانتا تھا۔ اس خبیث اور سفاک دہشت گرد کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا ہمارا حق تھا لیکن آثار کچھ اچھے نہیں تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ دونوں نیند پوری کرنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ بدلے ہوئے حالات نے میری بھوک اور نیند بالکل ہی اڑا دی تھی۔ پھر بھی میں نے ان دونوں کا ساتھ دینے کے لیے میز پر چند لقمے لئے اور ٹیلی وژن کھول کر خالی الذہنی کے عالم میں ایک صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

تین بجے کے قریب اول خان آپہنچا۔ وہ دونوں ہی اتنی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ ڈور بیل کی آواز بھی ان کے آرام میں خلل نہیں ڈال سکی۔ میں دروازہ کھول کر اول خان کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ ست اور اداس نظر آرہے ہو۔" اول خان نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"جب حریفوں کے ستارے عروج پر ہوں تو اداسی ناگزیر ہوجاتی ہے۔" میں نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟ کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟"

میں نے اسے جان سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنا ڈالا۔

"وہ بہت اونچا اڑنے کی کوشش کررہا ہے۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "منہ کے بل گرے گا۔"

"ایسا ہوگا تو میرے چہرے پر خود بخود رونق آجائے گی۔ ابھی تک ایسے آثار نہیں ہیں۔"

"میرے پاس کچھ اچھی اور کچھ خراب خبریں ہیں۔ ان کا ملا جلا نتیجہ کچھ اچھا ہی ہے۔ سنو گے؟"

"ضرور سنوں گا لیکن سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ آبزرویشن کا کیا ہوا؟"

"پہلی خبر وہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جان کی کمین گاہ کا سراغ مل چکا ہے۔"

وہ خبر سن کر میں بے ساختہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "یہ شاید اس سال کی سب سے بڑی خبر ہے۔ اب جان واقعی پرواز سے پہلے منہ کے بل گرے گا...... میں تو سوچ رہا تھا کہ شاید ابھی تک آبزرویشن ہی نہیں لگ سکا ہوگا۔"

"صبح آٹھ بجے سے تمہارا فون آبزرویشن میں ہے۔ قاعدے کے مطابق رپورٹ مجھ کو ہی دی گئی ہے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

"کاغذوں پر لعنت بھیجو۔ یہ بتاؤ کہ رپورٹ کیا ہے۔ میرا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے۔"

"نو بج کر دو منٹ اور دس بج کر پینتیس منٹ پر ایک ہی نمبر سے دو مختصر اور طویل کالز کی گئی ہیں جن کی مکمل ریکارڈنگ صبح تک مل جائے گی۔ وہ نمبر ڈیفنس کے فیز فائیو کے ایک مکان کا ہے۔ وہ مکان ایک مشہور صنعت کار کی ملکیت ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس صنعت کار کا جان سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔"

"تم سخی مراد کو بھول رہے ہو۔" میں نے تلخی سے اسے یاد دلایا "جس ملک میں اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہو' وہاں سب کچھ ہوسکتا ہے۔ بڑے اور مشہور ناموں کی چکا چوند اب ماند پڑنے لگی ہے۔"

"میرا ایک آدمی اس پتے پر گیا ہے۔ اچھا ہوا کہ میں نے فوری طور پر رابطے کے لیے اپنا اپریٹس اسے دے دیا ورنہ معلومات مجھ تک آنے میں تاخیر ہوسکتی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی خیر خبر ملے تو ہم فوراً ادھر کا رخ کرسکتے ہیں۔"

"تم نے اپنا اپریٹس اسے دے دیا ہے تو تم کیا کرو گے؟"

"میں تمہارا اپریٹس استعمال کرلوں گا۔ میرا اسی طرف آنے کا ارادہ تھا۔"

"یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔ ہم دس بجے سے پہلے جان کے سر پر پہنچ سکیں تو آج کا دن یادگار بن جائے گا۔"

"دعا کرتے رہو۔ میری کوششیں تو یہی ہیں کہ ہم ایک لمحہ ضائع نہ کریں۔ بے یقینی کی حالت میں ویرا بہت سسک سسک کر اپنا وقت گزار رہی ہوگی اور ہم راس المیڈا کو زندہ رکھنے پر مجبور ہیں۔"

"یہ تو اچھی خبر ہوئی جس کے باقی حصے کا انتظار ہے۔ اب بری خبر بھی سنا دو!"

"ایک بری خبر یہ ہے کہ سنی بازارِ حسن سے غائب ہے۔ اس کے بارے میں سب لاعلم ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست ہی تھا۔"

"اس کے نہ ملنے کے باوجود تمہارا اندازہ درست ہے کیوں کہ ساگا نے کل شام بازارِ حسن کے ایک بالا خانے میں دم توڑ دیا۔ اس کی لاش نمازِ جنازہ کے بغیر خاموشی سے میوہ شاہ کے قبرستان میں دفنا دی گئی۔"

"یہ مقامِ عبرت ہے۔ وہ کیسی بدنام جگہ جا کے مرا ہے اور پھر اس کی میت کو نماز تک نصیب نہیں ہوئی۔"

"گارڈن ایسٹ کے گھر سے فرار ہونے کے بعد ڈیرے دارنی اپنی بیٹی سمیت ایک بڑے بالا خانے میں پناہ گزین تھی۔ پتا چلا ہے کہ کل شام سے ذرا پہلے سنی نے ساگا کو بے ہوشی کی حالت میں وہاں پہنچایا اور پھر غائب ہوگیا۔ ساگا نے بے ہوشی کی حالت میں تھوڑی دیر بعد دم توڑ دیا۔ اس وقت بازار میں شب بیداری کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ ہر مکان اور مکین محفل آرائی کے لیے تیار تھا۔ ساگا کی موت کی خبر پھیلتی تو ان کے کاروبار میں مندی آجاتی۔ ڈیرے دارنی نے چند استادوں کو بلا کر خاموشی سے میت کو کفن پہنایا اور لاش میوہ شاہ روانہ کردی۔ بازار والوں کو آج ساگا کی موت کی خبر ملی ہے۔ پولیس بھی وہاں پوچھ گچھ کرتی پھر رہی تھی۔"

"سنی کا ملنا ضروری ہے۔ وہی بتا سکے گا کہ وہ لوگ نادرہ کے گھر تک کیسے پہنچے تھے اور پھر وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو ساتھی اور تھے۔ وہ کون تھے اور اب کہاں ہیں؟"

"یہ باتیں سامنے آجائیں گی۔ مجرموں کی نشان دہی ہوجانے کے بعد میری تسلی ہوگئی ہے۔ وہ جب بھی سامنے آئیں گے' بری طرح رگڑ دیے جائیں گے۔ ابھی تو یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ کام انہوں نے خود کیا تھا یا وہ کسی اور کے اشارے پر وہاں پہنچے تھے۔ ساگا راس المیڈا کے لیے کام کررہا تھا تو سنی بھی اس کا گرگا ہوسکتا ہے۔"

"ڈیرے دارنی اب بھی اسی بالا خانے میں پڑی ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اس کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ ساگا کی موت سے نجات حاصل کرتے ہی وہ دونوں اپنے کئی حواریوں کے ساتھ گارڈن ایسٹ والے مکان پر قابض ہوگئی ہیں۔ ڈیرے دارنی ساگا کو اپنا داماد قرار دے رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ساگا سے زیادہ اس کے مال و دولت سے دلچسپی تھی۔"

"ایسا تو نہیں کہ سنی بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا ہو؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ابھی تک وہاں کا رخ نہیں کیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ پولیس ہی سنی کو ڈھونڈ نکالے۔"

"تمہاری اس خوش فہمی کا نتیجہ جلد ہی سامنے آجائے گا۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"پورے شہر میں ساگا کی موت کی خبر پھیل چکی ہے مگر اس کے اصل اہلِ خانہ سامنے نہیں آئے ہیں۔"

"اس کی موت اور تدفین پر وہ منہ چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔ ابھی تک جو کچھ ہوا ہے' وہ تو ہو ہی گیا۔ اب دیکھ لینا کہ پولیس پوسٹ مارٹم کے لیے ساگا کی لاش قبر سے نکلوائے گی اور اس کی موت کا زخم سامنے آتے ہی اس کی خود ساختہ بیوی اور ساس عتاب میں آجائے گی۔"

"مجھے شبہ ہے کہ اس معاملے میں نادیہ اور زمرد بھی شامل ہیں۔" اول خان قدرے توقف کے بعد بولا "میں عام طور پر ایسی عورتوں سے نہیں الجھتا لیکن انہیں دیکھنا ہی پڑے گا۔"

"یہ تمہارے مراسم اور رسوخ کا معاملہ ہے۔ تم چاہو تو تھانے میں بھی ان سے بات کرسکتے ہو۔"

"ہاں' یہ بھی تو ہوسکتا ہے۔" اول خان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے "اتنی سیدھی سی بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آسکی؟ میں بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ ان دونوں کو اسٹیشن فوربلوانا مناسب نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے مجھے ان دونوں عورتوں سے دور رہنا چاہیے۔"

"میری خواہش ہے کہ میں بھی ان دونوں کی مزاج پرسی کروں لیکن وہ مجھے پہچانتے ہی شور مچانا شروع کردیں گی۔ یہ کام تمہیں اکیلے ہی سرانجام دینا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم نے پورے واقعات بتا دیے ہیں۔ میں انہیں دیکھ لوں گا۔" اول خان نے اطمینان سے کہا۔ سرور کے قاتلوں کی ابتدائی نشان دہی کے بعد وہ ذہنی طور پر خاصا پُرسکون نظر آرہا تھا۔

"کب دیکھ لو گے؟ ابھی تمہارے پاس کافی وقت ہے۔ انہیں تھانے بلانے کے بجائے تم دو سپاہیوں کو لے کر ان کے گھر بھی جاسکتے ہو۔ جو کام اس وقت ہوسکتا ہے' اسے کل پر کیوں چھوڑتے ہو؟"

"بعض باتوں پر تم بری طرح اڑ جاتے ہو۔ جان کی تلاش میں جانے والے کی رپورٹ بھی تو آنی ہے۔"

"وہ فون پر نہیں' ٹرانسیسٹر پر آئے گی۔ اسے تم اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔" میں نے سائڈ ٹیبل سے سیاہ اپریٹس اٹھا کر اس کے حوالے کردیا۔

اس کے ہونٹوں پر شکست خوردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا "تم کو ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی اتنی کیا عجلت ہے۔ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ ان دونوں عورتوں کا راس المیڈا سے کوئی تعلق نہیں نکلے گا۔ سنی کوئی گڑبڑ کر بھی رہا ہے تو اس نے انہیں اعتماد میں نہیں لیا ہوگا۔"

"یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر ہے کہ سنی تمہارے ایک آدمی کے قتل کا ذمے دار ہے۔" میں نے اس کے ساتھ دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا "اس کے خلاف ساری شہادتیں موجود ہیں۔ ہمیں صرف دو سوالوں کے جواب معلوم نہیں ہیں۔ اول یہ کہ سنی کس کے لیے کام کررہا ہے' دوسرا سوال یہ ہے کہ سارے معاملات سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود وہ سیدھا نادرہ کے مکان پر کیسے پہنچ گیا۔ یہ باتیں معلوم ہوجائیں تو تمہیں سنی پر وقت برباد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میری خلش دور ہوجائے گی۔ اپنے مجرم کے بارے میں تمہارا ذہن صاف ہوگا اور تم سنی کو دیکھتے ہی گولی مارنے کی پوزیشن میں آجاؤ گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ عورتیں اس بارے میں کچھ بتا سکیں۔"

"بریفنگ کا شکریہ۔ میں یہ بیگار نمٹا کر جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ سرور کے قتل کے مجرموں

میں تم اتنی گہری دلچسپی لے رہے ہو۔"

وہ چلا گیا اور میں ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا دوبارہ ٹیلی وژن کے سامنے آبیٹھا۔

اول خان کے آنے سے پہلے میرے ذہن پر مایوسی اور بددلی کی جو دھند چھائی ہوئی تھی' وہ حیرت ناک طور پر صاف ہو چکی تھی کیوں کہ تازہ ترین اطلاعات حوصلہ افزا تھیں۔

ساگا نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ حسن پرست طبیعت کا مالک ہے۔ پھولوں پر جان دیتا ہے' اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ کیچڑ میں کھلے ہوئے ہیں یا کسی خوب صورت گملے میں۔ میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی وہ خود ستائی شدید خوش فہمی پر مبنی تھی۔ وہ درحقیقت ہوس پرست اور ندیدا انسان تھا۔ ایسے لوگ حسن کو دیکھ کر اس کی نزاکت اور لطافت سے لطف اندوز ہونے کے بجائے اسے اپنا اسیر کرنے پر تل جاتے ہیں۔

اپنی زندگی کے آخری دور میں ساگا نے طبع آزمائی کے لیے جس پھول کا انتخاب کیا' وہ گندی کیچڑ میں کھلا ہوا تھا۔ ساگا نے نادیہ کے انتخاب کو اپنی فراخ دلی قرار دیا تھا مگر وہ اس کی بدقسمتی تھی۔ نادیہ اور اس کی ماں کے گھناؤنے کردار کی نحوست ساگا کو لے ڈوبی تھی۔ اس کا انجام آنکھیں کھول دینے والا تھا۔ اپنی دولت اور طاقت سے وہ عزت کی زندگی کے آخری لمحے تک نہیں خرید سکا تھا۔

وہ اپنی محبوبہ کے ہاتھوں زخمی ہوا اور اس نے جسموں کے نیلام گھر میں اپنی آخری سانسیں پوری کیں جہاں بسنے والیوں کو اس کی دردناک موت سے زیادہ اپنے شام کے دھندے کی فکر تھی۔ اسے کفن ضرور مل گیا تھا مگر شاید آخری غسل میسر نہیں آسکا تھا۔ کچی قبر مل گئی تھی لیکن جنازہ اٹھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اسے کسی گناہ کی طرح پوری رازداری اور پھرتی سے منوں وزنی مٹی کے ڈھیر میں چھپا دیا گیا تھا۔

ساگا بہت تیزی سے میری اس کہانی میں شامل ہوا اور راس المیڈا کے ٹھکانے کی نشان دہی کرنے کے بعد اسی تیزی سے اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ جب تک اس کی موت کی خبر نہیں ملی تھی' میں یہی سوچے جا رہا تھا کہ ریڑھ کی ہڈی کے زخم کے ساتھ' اسے لے جانے والے کہاں گئے ہوں گے اور اس کا کیا بنا ہوگا۔ اس کا ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی تحویل سے نکل جانا میرے لیے صدمے کا باعث بنا تھا۔ اس کے انجام نے میری اس خلش اور تشویش کو دور کر دیا تھا۔

ساگا کے پیوندِ خاک ہونے کے بعد میدان میں صرف دو حریف باقی رہ گئے تھے۔

جان کی کمین گاہ کا کھوج لگانے کا کام تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور اول خان سنی کی راہ پر لگ چکا تھا۔ ان دونوں کا صفایا ہو جانے کے بعد ویرا کو آزادی مل جاتی اور ہم راس المیڈا کو اپنی مرضی کے مطابق اس طرح زندہ رکھ سکتے تھے کہ وہ اپنے ہر سانس کے ساتھ سہل موت کی آرزو کرتا اور موت اس سے دور بھاگتی رہتی۔

خوش مزاجی کے عالم میں میرا رخشِ خیال خوب زقندیں لگا رہا تھا۔ آدمی پر قنوطیت طاری ہو تو وہ تحت الثریٰ میں گرتا ہی چلا جاتا ہے اور جب رجائیت کا سرور ہو تو وہ سامنے کی رکاوٹوں کو بھی بھول جاتا ہے۔ اسے اپنے ہر طرف کامیابیاں ہی کامیابیاں بکھری ہوئی نظر آنے لگتی ہیں۔ اس وقت میں اسی کیفیت سے دوچار تھا۔

اس وقت تک غزالہ اور سلطان شاہ کے کمروں کے دروازے بند تھے۔ مجھے ان دونوں کی تھکن اور بے آرامی کا پوری طرح احساس تھا۔ میں نے انہیں بیدار کرنے کے بجائے فون پر جہانگیر کی خیر خبر لینے کا ارادہ کر لیا۔

"ارے' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میری آواز پر جہانگیر کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز آئی تھی "آج کیسے فون کر لیا اس ناچیز کو؟ معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر تمہیں کسی پرانے آدمی کے بارے میں معلومات درکار ہوں گی۔"

"کیا بک رہے ہو؟" میں نے غرا کر کہا "میں تمہیں مطلب سے فون نہیں کرتا۔ میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری معلومات پر۔ پتا نہیں کبھی کبھی تم اتنی بے تکی باتیں کیوں کرنے لگتے ہو۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ پہلے تم مجھ سے معلومات حاصل کرتے ہو اور پھر ان پر لعنت بھیج دیتے ہو۔ یہ مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی شام کے ایک اخبار سے معلوم ہوا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کر پر نظر ہے۔"

"نوبت یہ آگئی ہے کہ تم شام کے سنسنی خیز اخبار پڑھنے لگے ہو۔" میں نے جھنجلا کر کہا "تم چبا چبا کر باتیں کیوں کر رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ کہ تم کیا جتانا چاہ رہے ہو۔"

"ارے بھائی' ناراض کیوں ہوتے ہو۔ ابھی پرسوں اترسوں کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے پرنس ساگا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں اور پھر اس بے چارے پر لعنت بھیج دی۔ شام کے ایک اخبار نے نیپیئر روڈ پر اس کی پراسرار موت کی کہانی چھاپی ہے۔ وہ سالا اتنا برا تو نہیں تھا۔"

"دیکھو جہانگیر! فون پر ہوش میں رہ کر بات کیا کرو۔ میں اس شہر کا کوتوال نہیں ہوں کہ میری مرضی کے بغیر یہاں پتا بھی نہ ہلے۔ وہ جن دھندوں میں پھنسا ہوا تھا' میں نے تم سے ان کا ذکر کیا تھا۔ ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اس خبر پر تمہیں حیرت نہیں ہونا چاہیے۔"

"تم کہتے ہو تو میں اسے اتفاق مانے لیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ لوگ کیسے ہو۔"

"اچھے خاصے ہیں۔ ایک آدھ روز میں تمہاری طرف لگائیں گے۔" میں نے کہا۔

"یار آنا جانا مشکل ہو تو کم از کم فون ہی کر لیا کرو۔ سلمٰی تم سے بہت ناراض ہے۔ اس روز وہ لپک کر فون پر آئی تھی مگر تم اس کے آنے سے پہلے فون بند کر چکے تھے۔ اس کے بعد اب تمہیں ہمارا دھیان آیا ہے۔"

"میں گیان دھیان کی باتیں نہیں جانتا۔ قصہ یہ ہوا کہ اس روز ہمارا فون اچانک خراب ہو گیا تھا اور آج ہی اس میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہاں یہی سب ہوتا رہتا ہے۔"

"میں سلمٰی کو یہی سمجھا رہا تھا کہ ڈینی خود سے فون نہیں بند کر سکتا۔ وہ تو تم سے بہت شوق سے باتیں کرتا ہے مگر وہ ابھی تک برہم ہے۔ فرصت ہو تو آجاؤ۔ اسے منانے کے ساتھ ایک دو چسکیاں بھی لے لینا۔ آج میرے پاس بہت عمدہ مال آیا ہوا ہے۔ اکیس سال پرانا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم صبح سے شام تک اسی دھندے میں لگے رہتے ہو۔"

"اپنا کیا ہے۔ بس پی لیتے ہیں' جی لیتے ہیں۔ پینا' کھانا اور پھر سو جانا۔ اس کے علاوہ زندگی میں اور کیا رہ گیا ہے۔ کبھی کبھی ان تینوں کاموں میں ذرا بھی وقفہ آتا ہے تو سلمٰی لڑنے بیٹھ جاتی ہے۔ میں آلو خراب لاتا ہوں' پیاز چھوٹی اور گلی ہوئی ہوتی ہے' برف لگے ہوئے مٹر کے دانے دن بھر میں بھی نہیں گلتے' میرا لایا ہوا لاہوری نمک کرکرا ہوتا ہے' دھنیے میں لکڑی کا برادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ میری لائی ہوئی ہر چیز میں کیڑے نکالنے لگتی ہے۔ اس کے شکوے سن سن کر یہ ساری باتیں مجھے ازبر ہو گئی ہیں۔"

اس کی باتیں سن کر میں دل ہی میں ہنسا پھر بولا "خوش قسمت ہو کہ تمہاری بیوی تم سے لڑتی ہے۔ اس شہر میں بہت سے ایسے بدنصیب شوہر بھی ہیں جن کی بیویاں انہیں محبت تو دور کی بات ہے' لڑنے کے قابل بھی نہیں سمجھتیں۔ دونوں کاموں کے لیے دوسروں سے رجوع کرتی ہیں۔"

"یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔ ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہو گے۔ کبھی میرے لیے بھی ہمدردی کے دو بول بول دیا کرو۔ تمہارا کیا گھس جائے گا؟" مجھے یقین تھا کہ وہ شکوہ کرتے ہوئے جہانگیر کا چہرہ قابلِ رحم ہو گیا ہوگا۔

"ہر وقت کی یہ لڑائیاں تم دونوں کی زندگی اجیرن کر دیں گی۔ اب حالات سازگار ہو رہے ہیں۔ میری مانو تو کسی کاروبار کی داغ بیل ڈالو۔ دن بھر اس سے دور رہو گے تو شام کو وہ تمہاری قدر کرنے لگے گی۔ ورنہ روز یہی جوتم پیزار ہوتی رہے گی۔"

"میں خود بھی سوچ رہا ہوں مگر ڈھنگ کا کوئی کاروبار سمجھ میں نہیں آتا۔"

"گارمنٹس کا پرانا کام کیوں شروع نہیں کرتے۔ تمہارے پاس اس کا تجربہ بھی ہے۔"

"وہ کام اب بے کیف ہو گیا ہے۔ سال میں تین مرتبہ ری بیٹ کی شرح میں ردوبدل ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو لوگوں کو ساکھ بچانے کے لیے خسارہ اٹھا کر آرڈر پورا کرنا پڑتا ہے۔ ایکسپورٹ سے زیادہ آج کل امپورٹ میں فائدہ ہے۔ ڈیوٹی کم ہو تو آنے والے مال پر منافع' ڈیوٹی بڑھ جائے تو پرانا اسٹاک لاٹری بن جاتا ہے۔ اس بار امپورٹ کا ہی کوئی آئٹم تلاش کروں گا۔ تمہارا یہ مشورہ درست ہے کہ مجھے گھر سے نکلنا چاہیے۔"

"یہ سب نہیں کر سکتے تو شہر میں کوئی اچھا سا ہوٹل ہی خرید لو۔ یہ بھی اچھا کام ہے۔"

"نہیں۔" اس نے فوراً ہی انکار کر دیا "میں دو چار جوان بیٹوں کا باپ ہوتا تو ضرور اس کام کے بارے میں سوچتا۔ اس دھندے میں اکیلا آدمی اپنے ملازمین کے لیے کماتا ہے۔ اس تک صرف اتنی آمدنی پہنچتی ہے کہ وہ عزت سے زندہ رہ سکے۔ میں اپنے ایک دوست کا انجام دیکھ چکا ہوں۔"

"جب تمہاری طرف آنا ہوگا تو اس بارے میں بھی بات کریں گے۔"

"ضرور کریں گے بلکہ تم چاہو تو ہم دونوں مل کر بھی کوئی کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔"

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "ایسا صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میں کوئی بریوری کھول لوں اور تم اس کے مستقل خریدار بن جاؤ۔ کسی اور کاروبار میں ہم دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکیں گے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے۔"

"اکیلا بیٹھا بور ہو رہا تھا۔ سوچا کہ تم ہی سے بات کر لوں اور تم نے پرنس ساگا کی موت کی خبر سنا دی۔"

"شرم کی بات ہے۔ سالا کہاں مرا ہے اور کس کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

"تو کیا اخبار نے اس کے قاتل کا نام بھی لکھا ہے؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔

"یہ اخبار والے بہت چالاک ہوتے ہیں۔ قتل کا شبہ سنی نام کے کسی زنخے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ ساگا کی موت کے بعد سے روپوش ہو چکا ہے۔"

"چلو...... وہ اپنے کسی سسرالی کے ہاتھوں ہی مارا گیا ہے۔ ہمیں اس سے کیا لینا۔"

وہ گفتگو کو مزید طول دینے کا خواہاں تھا لیکن میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نے اخباری اطلاع میں سنی کے نام کی موجودگی کا ذکر کر کے مجھے اپنے نظریے پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں نے کافی ذہنی ورزش اور اول خان کے زخمی آدمی کے بیان کے بعد سنی پر قتل کے شبے کا اظہار کیا تھا اور وہ قتل بھی ساگا

کا نہیں، سرور کا تھا۔ اول خان کا گواہ منظرِ عام پر نہیں آیا تھا اور ساگا کے قتل کا ناکردہ گناہ سنی کے سر پر لادا جارہا تھا۔ وہ کون تھا جس نے اخباری نمائندے کو وہ خبر فراہم کی تھی؟ مجھے محسوس ہونے لگا کہ ساگا کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد کوئی گمنام طاقت سنی کے گرد سازش کا تانا بانا تیار کررہی تھی۔

پانچ بجے اول خان دوبارہ لوٹ آیا۔ اس بار گھنٹی کی آواز پر غزالہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

"تمہاری نیند پوری ہوگئی ہو تو جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔ میں بہت تھک ہار کے لوٹا ہوں۔" اول خان نے اسے دیکھتے ہی فرمائش کردی اور غزالہ تازہ دم ہو کر لوٹنے کا وعدہ کرکے دوبارہ اپنی خواب گاہ میں گھس گئی۔

"وہ دونوں بہت مکار اور سازشی عورتیں ہیں۔" اول خان نے صوفے میں گر کر کہنا شروع کیا "پولیس والوں کو دیکھتے ہی بین کرنے لگیں کہ ان کے سر والا اٹھ گیا اور پولیس بھی ان کے پاس آرہی ہے۔ نادیہ نئے فیشن کے کالے سوٹ میں تھی اس کی ماں نے کالا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔"

"تم اتنی تفصیل میں گئے تو یہ باتیں رات تک ختم نہیں ہوں گی۔ یہ بتاؤ کہ نتیجہ کیا رہا۔"

"نادیہ نے سمجھ لیا ہے کہ ساگا کی لاش قبر سے نکال کر اُس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا اور ساگا کی ریڑھ کی ہڈی کا زخم سامنے آجائے گا۔ اس نے بتایا ہے کہ ڈینی نام کا ایک آدمی ساگا کے پاس آیا تھا۔ دونوں میں کسی بات پر تکرار ہوگئی' ڈینی نے اس پر گولی چلائی اور بھاگ گیا۔ میرا خیال ہے کہ اپنے دفاع میں اتنا جھوٹ بولنا ہر مجرم کا حق ہوتا ہے۔ اس جھوٹ کی بنا پر انہیں ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔"

"بازاری عورتوں کا یہی کمال ہوتا ہے کہ وہ اپنے سامنے آنے والے ہر نئے مرد کو آسانی سے اپنی معصومیت اور مظلومیت کا یقین دلانے میں کامیاب ہوجاتی ہیں۔ یہی ان کے روزگار کی کامیابی کا گر ہوتا ہے۔"

اول خان نے میری بات کا برا نہیں مانا اور بدستور مسکراتا رہا۔

"ساگا کو ملازم کے ساتھ اسپتال روانہ کرکے وہ دونوں اپنے پرانے محلے میں گئیں تاکہ وہاں سے کسی مرد کو ساگا کی دیکھ بھال کے لیے اسپتال بھیج سکیں۔ سنی سے ساگا اکثر اپنا بدن دبواتا تھا اور انعام میں اسے خاصی بڑی رقمیں دیتا رہتا تھا۔ سنی نے اس کی دیکھ بھال کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ اسپتال پہنچا تو ساگا کو اسٹریچر پر باہر لایا جارہا تھا۔ میرے آدمی ساگا کو لے کر ڈیری کی طرف روانہ ہوئے تو سنی نے ایک ٹیکسی میں ان کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ نادرہ کا گھر دیکھ کر وہ لوٹ آیا۔

"ان سب کی روزیوں کا بڑا حصہ ساگا کی زندگی سے وابستہ تھا۔ انہوں نے ساگا کو ان پُراسرار آدمیوں کی قید سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ ذمے داری بھی سنی نے اپنے اوپر لے لی۔ اس کے بعد کے واقعات سے وہ بے خبر ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ سنی نے اپنی مدد کے لیے کن لوگوں کو اپنے ساتھ لیا تھا۔ سنی واپس آیا تو قریب المرگ ساگا بے ہوشی کی حالت میں اس کے ساتھ تھا۔ اس کی باچھوں سے نیلے نیلے جھاگ نکل رہے تھے۔ ساگا کو ڈیرے وارنی کے پاس چھوڑ کر وہ چلا گیا اور اب تک لاپتا ہے۔"

"نیلے جھاگ؟ اس کا مطلب ہے کہ ساگا کو راستے میں زہر بھی دیا گیا تھا۔"

"ضروری نہیں کہ اسے زہر دیا گیا ہو۔ سانس گھٹنے اور بدن میں آکسیجن کی کمی ہوجانے سے بھی ایسی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ مجھے اس کہانی میں کوئی جھول نظر نہیں آتا۔"

"سنا ہے کہ شام کے کسی اخبار نے سنی کو قاتل قرار دیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت پرانی بات ہوگئی۔ بازار والوں کو گارڈن ایسٹ کے مکان میں پیش آنے والے واقعات کا سرے سے علم نہیں تھا۔ انہیں صرف یہ معلوم ہوا کہ سنی نے بے ہوش اور زخمی ساگا کو ڈیرے وارنی تک پہنچایا اور پھر غائب ہوگیا۔ ڈیرے وارنی بھی لاش کو قبرستان بھیج کر گارڈن ایسٹ کوچ کرگئی۔ لوگ یہی سمجھے کہ ساگا کو سنی نے مارا ہے۔ بعد میں ڈیرے وارنی سے رابطہ ہوا تو اس غلط فہمی کی تردید ہوگئی۔"

"یعنی اخبار والوں نے سنسنی اور چٹخارا پیدا کرنے کے لیے دانستہ ایک ایسی افواہ چھاپی جو پہلے ہی دم توڑ چکی تھی۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "جھوٹی خبروں اور افواہوں پر اخبار چلانا کھلی بددیانتی ہے۔"

"شام کے بیش تر اخباروں کا یہی معیار اور انداز ہے۔ اس مقابلے میں اصل اخبارات بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔"

"اگر لوگ ان جھوٹے اخباروں کو خریدتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود افواہوں کے شیدائی ہیں اور یہی کچھ پڑھنا چاہتے ہیں۔" مجھے اس تازہ ترین تجربے سے واقعی دکھ ہوا تھا۔

"اس وقت یہ غیر متعلقہ باتیں ہیں۔" اول خان نے مجھے ٹوک کر اپنا بدلہ لے لیا اور کسی توقف کے بغیر کہا "سنی کے ڈیری پہنچنے کا معما حل ہوگیا۔ یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ اس واقعے میں کسی سازش کا امکان نہیں ہے۔ وہ لوگ اپنی معلومات کی روشنی میں بلاسوچے سمجھے سب کچھ کرتے چلے گئے اور جب نتائج کے خوف نے سر ابھارا تو تینوں آدمی خاموشی سے روپوش ہوگئے...... مگر وہ کب تک چھپے رہیں گے۔ ایک نہ ایک دن انہیں سامنے آنا ہوگا اور وہی ان کے احتساب کا پہلا اور ان کی زندگیوں کا آخری دن ہوگا۔"

"ان تینوں میں سے صرف سنی کو شناخت کیا گیا ہے۔ بقیہ دو افراد کی شناخت ہونی ہے۔"

"سنی پر عاقبت روشن ہوگی تو وہ خود ہی ان کے نام اگل دے گا۔"

"یعنی سرور کے خون کا حساب بے باق کرنے کے لیے اب تمہیں صرف سنی کو تلاش کرنا ہے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا انحصار سنی کے اعترافات پر ہوگا۔"

"تم نے ابھی تک دوسرے معاملے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"کون سا معاملہ؟" اس نے خالی الذہنی کے عالم میں بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"جس کے لیے تم ایریئس اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وقت تیزی سے گزرتا جارہا ہے۔"

"ہاں' اُس نے ابھی تک رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ کہیں الجھ گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ ایریئس دو طرفہ ہے۔ چاہو تو تم ہی اس سے رابطہ کرسکتے ہو۔"

"پتا نہیں وہ کس سچویشن سے دوچار ہو۔ میری کال اس کے لیے پریشانی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ وہ ذمے دار آدمی ہے۔ پہلی فرصت میں مجھے اپنی رپورٹ دے گا۔ ویسے اس کی یہ تاخیر غیر معمولی ہے۔"

غزالہ ہمارے لیے شام کی چائے اور کچھ لوازم لے آئی۔ باتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

ہم تینوں چائے پینے میں مصروف تھے کہ اول خان کی گود میں رکھے ہوئے ٹرانسیٹر پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے چائے کی پیالی ٹرے میں رکھ کے فوراً ہی ایریئس اٹھالیا۔

"برڈ کالنگ اے!" دوسری طرف سے دھیمی آواز سنائی دی جیسے کوئی اپنی آواز دبا کر بول رہا ہو۔

"اے آن لائن۔ کیا بات ہے؟ تم نے بہت دیر سے رابطہ کیا ہے۔" اول خان نے پوچھا۔

"میں سخت مخمصے میں ہوں سر! یہ مکان دو تین مہینے سے خالی پڑا ہوا ہے۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر گرد جمی ہوئی ہے' دروازے مقفل ہیں اور احاطے کے لان میں اگی ہوئی گھاس کئی انچ لمبی ہوچکی ہے۔ میں اس وقت لان ہی کے ایک کونے سے بات کررہا ہوں۔ مجھے مجبور ہو کر اندر آنا پڑا ہے۔"

"یہ مکان سردار وجاہت اللہ کا ہی ہے یا تم کسی اور گھر میں پہنچے ہوئے ہو؟"

"یہ سردار وجاہت اللہ کا ہی گھر ہے۔ مجھے قرب وجوار سے معلوم ہوا کہ ان کی فیکٹریوں پر بینکوں کے بیالیس کروڑ روپے برسوں سے واجب الادا ہیں۔ ان کی وصولی کے لیے قرقی اور گرفتاری کے وارنٹ کے خوف سے وہ پورے کنبے سمیت ملک سے جاچکے ہیں۔ یہاں چوکی دار تک نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس مکان کا فون ایسے لوگوں کے زیر استعمال ہے جو آج منہ اندھیرے ہی وہاں پہنچے ہیں۔ یہ مکان ویران اور غیر آباد کیسے ہوسکتا ہے؟"

"احاطے میں چوہوں اور مینڈکوں کی بہتات ہے۔ مکان کے ایک دروازے کے سامنے فرش پر جمی ہوئی گرد پر جوتوں کے تازہ نشانات کے سوا عمارت میں انسانی موجودگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔"

"عمارت ویران ہے تو گرد پر جوتوں کے تازہ نشان کہاں سے آگئے؟"

"باہر سے ویرانی کا احساس ہورہا ہے۔ وہ کسی ایک ہی آدمی کے جوتوں کے نشان ہیں۔ ان کے علاوہ اسی مقام پر کچھ پرانے نشانات بھی ہیں جو تازہ گرد جمع ہونے سے دھندلا گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس راستے سے کوئی مکان میں آتا جاتا رہا ہو مگر اندر داخل ہوئے بغیر اس بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔"

"وہ روپوش مجرم ہیں اس لیے اتنی زیادہ احتیاط کررہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سورج غروب ہونے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کھڑکی کے پیچھے روشنیوں کی جھلک نظر آجائے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی کوئی صحیح اندازہ ہوسکے گا۔ اس وقت تک تم اندر ہی رک کر جائزہ لیتے رہو۔"

"رائٹ سر! میں اندھیرا ہونے کے بعد اگلی رپورٹ دوں گا۔"

"ایسا تو نہیں ہے کہ اندر والوں نے کسی کھڑکی کے اندھے شیشوں کے پیچھے سے تم کو دیکھ لیا ہو۔"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا...... میں نے اپنی طرف سے پوری احتیاط کی ہے۔ اندر اترنے کے بعد سے کھڑکیوں کے سامنے والے حصوں میں پیٹ اور کہنیوں کے بل گھسٹ رہا ہوں۔ گرد آلود فرش کا جائزہ لینے کے لیے میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا کیوں کہ ادھر سپاٹ دیوار کے ساتھ صرف بند دروازہ ہے۔"

"مشتبہ دروازے پر خاص طور پر نظر رکھو۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد ضروری ہوا تو میں خود وہاں آؤں گا۔ اس عمارت میں کم از کم دو افراد...... ایک مرد ایک عورت کو موجود ہونا چاہیے۔"

"یس سر!" اول خان کی اس زبردستی کے جواب میں وہ یہی کہہ سکتا تھا۔

"آؤٹ۔" یہ کہہ کر اول خان نے ایریئس بند کردیا اور چائے پینے میں مصروف ہوگیا۔

غزالہ کو تازہ ترین حالات کا علم تھا' نہ یہ معلوم تھا کہ ٹیلی فون پر آبزرویشن کا مثبت نتیجہ آچکا تھا۔ اس کے سامنے اول خان نے ایریئس پر پُراسرار سی گفتگو کی تھی لیکن اس نے میری توقع کے برعکس کوئی سوال نہیں کیا۔ اطمینان سے بیٹھی چائے پیتی رہی جیسے

ان معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔
اول خان اس کی بے خبری میں گہری دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب اس سے رہا نہ گیا تو وہ غزالہ سے پوچھ ہی بیٹھا۔ "تمہیں میری گفتگو کے بارے میں کوئی تجسس نہیں ہے؟"
"میرے کان خراب ہوتے تو شاید ذرا بھی تجسس نہ ہوتا۔ اس وقت تو یہ فطری سی بات ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"لیکن تم نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔"
"کیا ضرورت ہے؟ ہر بات ہر ایک کے جاننے کے لیے نہیں ہوتی۔ ضروری ہوا تو مجھے خود ہی بتادیا جائے گا۔"
"نہ بتایا تو تم خلوت میں بھی ڈیڈی سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کروگی۔"
"اگر بتانے کے لیے اتنے ہی بے چین ہو تو خود بتادو۔ میں غیر ضروری سوالات نہیں کروں گی۔"
"جان کی پناہ گاہ کا سراغ مل گیا ہے۔ اول خان کا ایک آدمی وہاں پہنچ چکا ہے۔"
"ایک مرد اور ایک عورت کی موجودگی کی بات سے مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔" وہ بہت پُرامید نظر آرہی تھی۔
"مقدر نے یاوری کی تو آج رات ویرا ہمارے ساتھ ہوگی اور راس المیڈا کو ٹکٹکی سے باندھ دیا جائے گا۔ وہ قیدی ہونے کے باوجود نہایت سکون سے ہمارے سینے پر مونگ دل رہا ہے۔" میں نے کہا۔
"قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہاں گرد پر ایک ہی آدمی کے جوتوں کے نشان ہیں۔ ویرا جوگرز پہنے ہوئے تھی۔ اگر وہ وہاں ہیں تو ویرا کے جوگرز کے نشان کیوں نہیں آئے؟" غزالہ نے پوچھا۔
"ویرا اپنے قدموں پر چل کر وہاں نہیں گئی۔ جان اسے بے ہوش کر کے اٹھا لے گیا تھا۔" مجھ سے پہلے اول خان بول پڑا "اہم بات یہ ہے کہ قدموں کے وہ نشان تازہ ہیں۔"
"میں ایک اور بات بھی کئی مرتبہ سوچ چکی ہوں۔" غزالہ نے پُرخیال آواز میں کہا۔
"ہمارے پاس کچھ وقت باقی ہے۔ اپنی بات کہہ ڈالو۔" اول خان نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔
"ہم نے اس کا سراغ لگانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا' کیا جان نے اس پر غور نہیں کیا ہوگا؟"
"یہ ایک اہم سوال ہے۔" اول خان خوش ہو کر بولا "اس پر ہماری بات نہیں ہوئی مگر میں بھی یہ سوچتا رہا ہوں۔ ویرا کو اٹھالے جانے کے بعد جان کے پاس متبادل راستہ نہیں تھا۔ وہ راس المیڈا سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے اپنا فون نمبر ظاہر کیے بغیر ہم سے رابطہ کرلیا پھر ڈیڈی نے ایک منصوبے کے تحت اسے اپنی باتوں میں پھانس کر آمادہ کرلیا کہ وہ ہر دو گھنٹے بعد ویرا سے اس کی بات کراتا رہے۔ دباؤ میں ہونے کی وجہ سے اس وقت بھی جان کو آبزرویشن کے خطرے کا ادراک نہیں ہوسکا۔ ویرا سے تین مرتبہ فون کرانے کے بعد اسے یک بیک اندازہ ہوا کہ وہ غلطی کررہا ہے اور اس نے اپنے اصل اندیشے کا اظہار کیے بغیر' دوسرے بہانوں سے وہ سلسلہ جاری رکھنے سے انکار کردیا۔"
"یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ اس کی آخری دو کالز ریکارڈ کرلی گئیں۔ اس کے انکار سے پہلے ہم اپنے مقصد میں مکمل کامیابی حاصل کرچکے تھے۔" میں نے اول خان کی بات میں ٹکڑا لگایا۔
"اگر یہ سب اسی طرح ہوا ہے تو اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔" غزالہ بولی۔
"تو کیا تمہیں اس پر شبہ ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"شبہ نہیں تو یقین بھی نہیں ہے۔ جو شخص قیدیوں کے تبادلے کے لیے کسی تیسرے ملک کی سرزمین استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھا ہے' وہ اتنے واضح خطرے کو کیسے نظرانداز کرسکتا تھا۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ آبزرویشن کی رپورٹ غلط ہے یا پھر جان خود ہی ہمیں چوہے دان میں پھانسنے کی کوشش کررہا ہے؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔
"میرا کوئی بھی مطلب نہیں ہے۔ ایک نکتہ میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔ میں نے اسے بیان کردیا۔ اس میں کوئی وزن ہے یا نہیں' یہ فیصلہ کرنا آپ لوگوں کا کام ہے۔"
"غزالہ کی بات معقول ہے۔" اول خان نے اعلان کیا "میں پہلے ہی اس کا جواب دے چکا ہوں۔ حالات کے بدترین دباؤ میں جان پہلے یہ خطرہ نہیں بھانپ سکا۔ اندازہ لگاتے ہی اُس نے اس کا توڑ کرلیا۔"
"آج سلطان شاہ بہت لمبی تان کر سویا ہوا ہے۔ وہ جاگ رہا ہوتا تو ہمارے تجزیے پر کچھ اور ہی اعتراض کرتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہر شخص اپنے اپنے انداز میں سوچتا ہے۔"
"مشورے کی اجازت ختم کردیں یا پھر مشوروں پر تنقید نہیں ہونی چاہیے۔ ہر شخص پوری نیک نیتی سے سوچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ آپ کے خیالات سے متفق ہو۔ سلطان شاہ بھی کبھی تنقید برائے تنقید نہیں کرتا۔ اپنی طرف سے بہتر سے بہتر بات سامنے لاتا ہے۔"
"جھگڑا ختم۔" اول خان نے غزالہ کے لہجے کی ترشی کا اندازہ لگانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر کہا "اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی۔ تھوڑی دیر بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"
"السلام علیکم...... میرے کانوں میں اپنا نام گونجا ہے۔" سلطان شاہ نے اچانک نمودار ہو کر تمسخرانہ لہجے میں کہا "خیریت تو ہے؟ مجھے کس نے یاد کیا ہے؟"
"تم آرام کرو۔ اب تمہارا نام نہیں لیا جائے گا۔" میں نے مشورہ دیا مگر وہ نہا دھو کر باہر آیا تھا۔ واپس جانے کے بجائے انگ روم ہی میں آبیٹھا۔
"اپریٹس بھی میدان میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص موبہ زیرِ غور ہے۔" سلطان شاہ متجسسانہ نظروں سے باری باری ارے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔
میں نے غزالہ کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ سلطان شاہ سے بولی۔ یہ دونوں اپنی باتیں دہراتے رہے تو ان کے گلے خراب ہوجائیں لے تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ساری بات سمجھادوں گی۔"
"مگر یہ یاد رکھنا کہ آج کی کارروائی بہت محدود پیمانے پر اور مل رازداری سے ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں تمہاری موجودگی کی گنجائش نہ نکل سکے۔" اول خان نے اس کے اٹھنے سے پہلے ہی مانع کردیا۔
سلطان شاہ تیز نظروں سے مجھے گھورتا ہوا غزالہ کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔
باہر کی فضا میں اترتا ہوا دھندلکا تیزی سے گہرا ہوتا جارہا تھا۔ سورج اپنے سفر کی آخری منزل پر پہنچا ہوا تھا اور ذرا سی دیر میں ردائے شب ہر طرف پھیل جانی تھی۔
"برڈ سے بات ہو تو ذرا یہ بھی پوچھ لینا کہ وہاں کوئی گاڑی نظر آرہی ہے یا نہیں۔" میں نے طویل سکوت کے بعد اول خان کو یاد دلایا۔ میرے ذہن میں آنے والے وقت کا دھندلا سا منظرنامہ ترتیب پا رہا تھا اور میں اس ویران مکان سے جان کے فرار کی ہر راہ مسدود کرنے کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔
باہر کے اندھیرے کا جائزہ لینے کے لیے ہم دیر تک یوں ہی بیٹھے رہے۔ جب ہمارے چہرے بھی تاریکی میں مدغم ہونے لگے تو میں نے اٹھ کر ڈرائنگ روم روشن کردیا۔
چند ثانیوں بعد برڈ اپریٹس پر اول خان سے بات کررہا تھا۔ "یہاں ہر طرف اندھیرا پھیل چکا ہے۔ اسٹریٹ لیمپس روشن ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔ احاطے میں جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں گونج رہی ہیں مگر پورا مکان پہلے کی طرح گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ کہیں بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی۔ گرد آلود فرش کی سمت والا دروازہ اب بھی بند ہے مگر کچھ دیر پہلے مجھے اندر سے ایک عجیب سی آواز آئی ہے۔"
"مردانہ یا زنانہ؟ کیسی آواز تھی وہ؟" اول خان نے بے چینی سے پوچھا۔
"وہ انسانی نہیں' ننگے فرش پر کسی چیز کے گرنے کی آواز تھی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔"
"ٹھیک ہے۔ ہم آرہے ہیں۔ میرے ساتھ صرف ڈیڈی ہے۔ تم کہاں ملوگے؟"
"آپ دونوں پھاٹک میں بنے ہوئے ذیلی راستے سے اندر آئیں گے۔ وہ مقفل نہیں ہے۔ میں وہیں رک کر سگنل کا انتظار کروں گا۔ میں نے اندر جانے کے لیے بھی ایک کھڑکی منتخب کرلی ہے۔"
"بس ہم ذرا سی دیر میں پہنچ رہے ہیں۔" اول خان اپریٹس جیب میں ڈال کر اٹھ گیا۔ وہ اپنے آدمی سے گاڑی کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔
اس بار زیادہ ہتھیاروں کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں کے ساتھ طاقت ور سرچ لائٹس لیں' میں نے بیم گن جیب میں ڈالی اور ہم گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔
ہمارے گھر سے ڈیفنس کا فیز فائیو زیادہ دور نہیں تھا۔ زمزمہ اسٹریٹ عبور کرتے ہی وہ علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔ ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔ نمبروں کی مدد سے اول خان کو اپنے مطلوبہ مکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے اپنی گاڑی اس مکان سے دور ایک خالی پلاٹ پر چڑھا کے روک دی پھر ہم دونوں پیدل ہی اپنی منزل کی طرف لوٹ آئے۔
سردار وجاہت اللہ کے مشتبہ مکان کے سبز پھاٹک پر رک کر اول خان نے ہولے سے سیٹی بجائی' فوراً ہی آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ہم دونوں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوگئے۔
برڈ نے اس مکان کی بالکل صحیح منظرکشی کی تھی۔ مکان میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی ہونے کے باوجود دور افتادہ اسٹریٹ لیمپس کا ہلکا سا انعکاس اس مکان کے ماحول کو ہلکا سا واضح کررہا تھا۔ وہ مکان چند ماہ پہلے آباد تھا اور ایک ایسے صنعت کار کے تصرف میں تھا جو بینکوں کے بیالیس کروڑ روپے دبائے بیٹھا تھا' اس لیے کھنڈر نمایا بوسیدہ نہیں رہا ہوگا لیکن اس وقت جھینگروں اور مینڈکوں کے شور میں وہ کوئی پرانا بھوت بنگلا معلوم ہورہا تھا۔
اول خان اپنے ماتحتوں کے مشوروں پر عمل کرنے کے بجائے اپنی مرضی پر چلنے کا عادی تھا۔ اس نے دیوار کے سائے میں کسی چوپائے کی طرح رینگ رینگ کر عمارت کا ایک طواف کیا اور پھر ایک ایسی کھڑکی کے مقابل رک گیا جس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا نظر آرہا تھا۔
"سر! میں نے اسی کھڑکی کا انتخاب کیا ہے اور ہاتھ ڈال کر اندر کا بولٹ اٹھا چکا ہوں۔ ذرا سے اشارے سے یہ کھڑکی کھل جائے گی۔" برڈ نے سرگوشیانہ لہجے میں اول خان کو آگاہ کیا۔
"میں اندر جاتا ہوں۔" میں نے اول خان سے کہنا شروع کیا۔ "تم یہیں رک کر مجھے کور فراہم کروگے۔ برڈ کو پچھلے دروازے پر بھیج دو تاکہ اُدھر سے کوئی فرار نہ ہوسکے۔"
میں نے مکان کا طواف کرتے ہوئے یہ دیکھ لیا تھا کہ مکان کے احاطے میں کوئی گاڑی موجود نہیں تھی جو ہنگامی ضرورت کے وقت جان کے کام آسکے۔ پختہ گیراج میں گاڑیاں بند رہی ہوں تو وہ دیگر بات تھی۔
"تمہارا اکیلا اندر جانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ آگے پیچھے ہم دونوں ہی اندر چلتے ہیں۔"

"اندر جان اکیلا ہوگا۔ ویرا اس کا ساتھ نہیں دے گی۔ اگر وہ اندر کی گہری تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اسی کھڑکی سے بھاگ نکلا تو ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ تم فکر مت کرو۔ وہ اندھیرے میں آسانی سے مجھے نہیں مار سکے گا۔ مقابلہ شروع ہوجائے تو تم ضرور اندر آجانا۔"

برڈ مکان کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔ میں نے کھڑکی کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ میرے داہنے ہاتھ میں پستول اور بائیں ہاتھ میں ٹارچ دبی ہوئی تھی۔

کھڑکی آرام سے کھل گئی۔ غیر آباد ہونے کی وجہ سے اندر سیلن کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ میں پوری توجہ مرکوز کرکے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہاں مہیب اور مکمل سناٹے کا راج تھا۔ میں نے کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ ٹکائے اور کوئی آواز پیدا کئے بغیر پنجوں کے بل اندر اتر گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس زمانے کی مروجہ احتیاطی تدابیر کے برعکس اس مکان کی کھڑکیوں پر آہنی گرل نہیں لگائی گئی تھی۔

مکان کا طواف کرکے مجھے ساخت کا اندازہ ہوچکا تھا۔ میں نے براہِ راست اندر گھسنے کے بجائے بغلی سمت میں آگے بڑھنا شروع کردیا۔ مکان کی وسعت کے اعتبار سے کمرے بڑے بڑے اور سازوسامان سے بھرے ہوئے تھے اور وہ سارا آسائشی اور آرائشی سازوسامان یقیناً قیمتی رہا ہوگا۔ قدم قدم پر موجود ان رکاوٹوں کی وجہ سے میں پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھاتا رہا۔

وہ شاید کوئی خواب گاہ تھی۔ میں وہاں کا جائزہ لے کر جوں ہی پلٹا، مجھ سے ذرا سی چوک ہوئی۔ میری کہنی لگتے ہی ایک اونچی تپائی پر رکھا ہوا کوئی وزنی گلدان فرشی قالین پر آگرا۔ قالین دبیز تھا مگر پھر بھی وہ دھمک بہت تیز تھی، اس آواز کے ساتھ ہی اندر کہیں کھٹکا ہوا۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں۔

شاید جان نے وہ آواز سن کر اپنی جگہ چھوڑی تھی۔ میں نے اس آواز کی سمت کا تعین کرکے اپنی نگاہیں اسی طرف مرکوز کردیں اور خود وہیں جم کر کھڑا ہوگیا۔

وقت کی رفتار سست ہوگئی۔ مجھے ایک ایک لحہ بہت طویل محسوس ہو رہا تھا۔ میں ایک مرتبہ پھر اپنے ایک چالاک اور مکار دشمن کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ پچھلی رات ہم نے ایسے ہی اندھیرے مکان میں شدید فائرنگ کے تبادلے کے بعد راس المیڈا کو گھیر کر پکڑا تھا اور اس رات میں وہاں اس کے ساتھی کی تلاش میں اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھر رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ سردار وجاہت اللہ کی چھت کے سائے میں اس وقت تک گولی نہیں چلی تھی، اندھیرے میں مکارانہ پیش رفت جاری تھی۔

کافی دیر گزر گئی۔ اندر سے پیدا ہونے والی کھٹکے کی آواز کے بعد فضا پر دوبارہ گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

اس وقت صورتِ حال بہت نازک ہوچکی تھی۔ سب سے پہلے یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ وہ مکان ویران یا غیر آباد نہیں تھا۔ وہاں اندھیرے میں کوئی موجود تھا اور میری ذرا سی لغزش کی وجہ سے خود کو درپیش خطرے سے آگاہ ہو کر چوکنا ہوچکا تھا۔ وہ میری گھات میں تھا اور میں اُس کے انتظار میں تھا۔

میں اپنی پیش قدمی جاری رکھتا تو اندھیرے میں اس سے کہیں بھی غیر متوقع طور پر ٹکراؤ ہوسکتا تھا۔ ایسے اندھے تصادم کے نتائج کے بارے میں پہلے سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ جو وار کرنے میں پہل کر گزرتا، وہی اپنے حریف کو آسانی سے مار لیتا۔ میرے لیے دشمن کی موت کا امکان بہت مسرت انگیز تھا لیکن اپنی موت کا تصور میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھا۔

میرا حریف بند دیواروں میں اندھیرا کئے وہاں قلعہ بند تھا۔ اس کے اعصاب اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ اس نے دھمک پیدا ہوتے ہی ایسے اضطراری ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا کہ کھٹکے کی آواز پیدا ہوگئی تھی مگر پھر وہ اپنے مورچے میں ہی رک گیا تھا۔

اپنی جگہ چھوڑنے کے بجائے میں نے قالین پر گری ہوئی وزنی چیز کو چھوا تو مجھے کسی ٹھنڈی دھات کا احساس ہوا۔ میں نے جھک کر بہت احتیاط سے اپنے پستول کی نال اس کھوکھلے گلدان کے پیندے سے آہستگی سے ٹکرائی، ٹن کی ہلکی سی آواز ابھری اور اس کی بازگشت پورے گھر کی تاریک فضا میں پھیلتی چلی گئی۔

"کون ہے؟" اندر سے پھنسی پھنسی اور دبی ہوئی ایک مردانہ آواز آئی اور میرے بدن کے مساموں کے دہانے کھل گئے۔ سوال اردو میں کیا گیا تھا جب کہ جان اردو سے نابلد تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مقابلہ برابر کا نہیں تھا۔ دشمن کی تعداد ایک سے زیادہ تھی۔

میں وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں واپسی کا خیال آیا۔ ابھی میں کسی نتیجے پر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ میری نظروں نے اندر کی تاریکی کو لرزتے ہوئے دیکھا۔ میں آنکھیں پھاڑ کر اس طرف گھورنے لگا پھر مجھے ادراک ہوا کہ اندر تاریکی نہیں لرز رہی تھی، اس تاریکی میں کوئی ہیولا آہستہ آہستہ میری طرف آرہا تھا۔

میں نے اپنے وجود کو دروازے سے اندر سمیٹ کر چوکھٹ کی اوٹ سے اس طرف جھانکا پھر اپنا بایاں ہاتھ سیدھا کرکے اس طاقتور سرچ لائٹ روشن کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ہینڈز اَپ!" میں نے چوکھٹ کی اوٹ سے نکلے بغیر غرا کر کہا اور سرچ لائٹ روشن کردی۔ آنے والا جہاں تھا، وہیں جم کر رہ گیا اور اسے دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کرگئے۔

وہ سنی تھا جسے اول خان سرور کے قتل کے الزام میں پورے شہر میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ آخر کار وہ جان اور راس المیڈا کا ساتھی ہی نکلا تھا۔

سنی ایک بانکا، سجیلا اور قد آور نوجوان تھا۔ اس وقت اس کی گوری رنگت پھیکی پڑگئی تھی اور چہرے پر سراسیمگی کے آثار ابھر آئے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں درمیانے بور کا ریوالور دبا ہوا تھا۔ مگر غنیمت یہ تھا کہ میری کرخت آواز پر اس نے کوئی بھی مزاحمت کئے بغیر اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے تھے۔ ریوالور کی نال چھت کی طرف تھی اور سنی کی شہادت کی انگلی ٹریگر پر سے ہٹ چکی تھی۔

"اللہ......! یہ روشنی بند کرو۔ ہماری آنکھیں چکا چوند ہو رہی ہیں۔" لحہ بھر بعد ہی سنی نے خوف زدہ نسوانی لب ولہجے میں احتجاج کیا "ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آرہا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اضطراری طور پر اپنا بایاں ہاتھ گرا کر کلائی سے آنکھوں پر پڑنے والی تیز روشنی روکنے کی کوشش کی تھی۔

"ٹریگر کو چھوئے بغیر ریوالور نیچے ڈال دو ورنہ میں فائر کردوں گا۔" میں نے غرا کر کہا۔

"پتا نہیں تم کون ہو۔" سنی کی آواز پُرتشویش ہوگئی مگر اس نے پھرتی سے ریوالور فرش پر ڈال دیا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہم چور نہیں ہیں۔ ہمیں یہاں بلایا گیا ہے۔"

میں سرچ لائٹ کے روشن عدسے کے عقب میں سے اسے پوری طرح دیکھ رہا تھا۔ اس جیسی شان وشوکت رکھنے والے خوب رو نوجوان کی زبان سے زنانہ لہجے میں وہ الفاظ سن کر میرا خون کھول اٹھا اور بے اختیار میرے ذہن میں ایک غلیظ گالی در آئی مگر میں نے اسے اپنے لبوں پر آنے سے روک دیا۔

میں جان اور ویرا کی تلاش میں سراغ کے سہارے پیش رفت کرتا ہوا، اس ویران اور تاریک مکان میں داخل ہوا تھا۔ میرے قیاس اور دستیاب شہادتوں کی بنا پر وہی مکان جان کا مسکن ہوسکتا تھا لیکن اس وقت جان کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا البتہ سنی ناگہانی طور پر میری نظروں میں آگیا تھا اور مضحکہ خیز انداز میں اپنی وہاں موجودگی کا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سرچ لائٹ کی روشنی اور پھر فریقین کی آوازوں کی وجہ سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ اس وقت تک مجھے یقین تھا کہ وہ مکان ان سازشیوں کا ایک مضبوط ٹھکانا تھا اور صوت وآہنگ کی تبدیلیوں کے نتیجے میں سنی کے طاقتور سرپرست بھی اس معاملے میں مداخلت کرسکتے ہیں۔

میں نے دبی دبی غضب ناک آواز میں کہا "حرام زادے۔ ریوالور سے دور ہٹ جاؤ۔ تمہارے کرتوت مجھے معلوم ہوچکے ہیں۔ تم نے ذرا سی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہارا بھیجا اڑادوں گا۔"

"ہائے، ہم مرگئے۔" سنی کی سہمی ہوئی بے ساختہ آواز ابھری۔ "پتا نہیں ہم بے خبری میں کہاں پھنس گئے ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ وہ فرش پر پڑے ہوئے ریوالور سے چند قدم پیچھے سرکتا چلا گیا۔

میں نے پھرتی سے اول خان کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس ماحول میں وہ پیش قدمی کا ایک واضح اشارہ تھا۔

اس وقت تک میری ہر شعوری کوشش اور خواہش یہ تھی کہ کسی اور حریف کے سامنے آنے سے پہلے ہی سنی کو بے دست وپا کرکے ناکارہ کردیا جائے۔ اسی چکر میں میں نے گھور اندھیرے میں روشنی کی کرنیں بکھیرتی ہوئی سرچ لائٹ بند کردی۔

شاید وہ میری ایک بڑی غلطی تھی۔ اندھیرا ہوتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی بوکھلائی ہوئی اضطراری آواز آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "ارے باپ رے......! یہ سالی لڑکی کہاں سے کہاں لے گئی؟"

اس وقت صورتِ حال کی کمان میرے ہاتھ میں تھی اور میرا ذہن پوری طرح فعال تھا۔ میں نے اول خان کی آواز سنتے ہی اندازہ لگالیا کہ وہ سنی پر حملہ آور ہوتے ہی کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا ہے۔ میری پوری کہانی سننے کے بعد بھی اس بے چارے کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ سنی عادات واطوار میں ہی نہیں بلکہ جسمانی لوچ اور گداز میں بھی بہت بری طرح نسائیت کا شکار تھا۔ قدرت نے اسے پیدائشی طور پر مردانہ کل پرزے عطا نہ کئے ہوتے تو وہ نئے زمانے میں مولویوں کو پیڑوں پر چڑھانے والی امراؤ جان ادا کا کردار تک ادا کرسکتا تھا۔

"دھوکا کھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے لحہ بھر میں صورتِ حال کا ادراک کرتے ہوئے تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا۔ "اس بدمعاش کا بدن لڑکیوں کی طرح نرم اور لچکیلا ہے۔ اسے نکلنے نہ دینا۔"

میرے کانوں میں کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آئیں۔ شاید سنی، اول خان کی بوکھلاہٹ کا فائدہ اٹھا کر اندھیرے میں کسی طرف بھاگ نکلا تھا اور اول خان نے میری للکار پر اس کے پیچھے دوڑ لگادی تھی۔

چند ہی ثانیوں بعد قدموں کی دھمک ختم ہوگئی اور اٹھا پٹخ کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے اضطراری طور پر دوبارہ سرچ لائٹ روشن کرکے اس کا رخ گھمایا تو اول خان کشادہ راہ داری میں سنی کے ساتھ لڑتا ہوا نظر آیا۔ سنی اپنی اکتسابی نزاکتوں کے باوجود ایک پیدائشی مرد تھا اور اس وقت مردانہ وار اول خان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اول خان کے مقابلے میں وہ قطعی نو آموز نظر آرہا تھا۔

روشنی ہوتے ہی اول خان کو اس اندھا دھند لڑائی میں اپنا نشانہ تاکنے کا موقع مل گیا۔ اس کا بھرپور داہنا مکا سنی کے بائیں جبڑے پر پڑا تو وہ تیورا کر کئی بل کھاتا ہوا دیوار سے ٹکرایا اور پھسل کر وہیں ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ اول خان کسی سفاک جلاد کی طرح فوراً ہی اس کے سر پر سوار ہوگیا۔

"ٹھہرو ٹھہرو......!" سنی دونوں ہاتھ جوڑ کر بے ساختہ گڑگڑایا۔ "ہمیں کیوں مار رہے ہو؟ ہمارا قصور تو بتا دو۔ ہم یہاں مارنے آئے ہیں نہ کسی کو مروانے آئے ہیں‘ کسی کے بلانے پر آئے ہیں........."

"کس کے بلانے پر آئے ہو؟" اول خان اس کی بات کاٹ کے غرایا۔

"اے لو۔" سنی دونوں ہتھیلیاں جوڑ کے بولا "ہمیں کیا پتا کہ وہ کون تھا۔ اللہ مارا کوئی فرنگی تھا۔ اپنی بات سمجھا پا رہا تھا نہ ہماری سمجھ رہا تھا........ خدا کے لیے‘ پیچھے ہٹو تو ہم کچھ بتائیں۔ تم نے ہماری کمر چھیل کے رکھ دی ہے۔ کمر پر دیوار کی وہ رگڑ لگی ہے کہ سات دن دودھ جلیبی کھا کر بھی نہیں جائے گی۔"

"تیری کمر سے نیچے کا کیا حال ہے سنی بائی؟" میں نے اس کے سر پر پہنچ کر زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"نیچے کا حال تو اوپر والے کو ہی معلوم ہے" وہ کراہتے ہوئے بولا "ہمیں ساری عمر میں اتنی چوٹیں نہیں آئی تھیں جتنی تم لوگوں نے ذرا دیر میں لگائی ہیں۔ تم سے خدا سمجھے‘ پتا نہیں تم کون ہو اور ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہو۔"

میں نے فرش پر پڑا ہوا سنی کا بھرا ہوا ریوالور اپنی تحویل میں لے لیا۔

اس وقت تک وہاں کافی دھما چوکڑی ہو چکی تھی لیکن سنی کے سوا کوئی ہمارے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس صورتِ حال سے دو ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ پہلا اور اطمینان بخش پہلو یہ تھا کہ اس تاریک مکان میں سنی کی پشت پناہی کے لیے کوئی دوسرا نفس موجود نہیں تھا‘ ہم اسے زیر کر کے عملاً اس مکان پر قابض ہو چکے تھے۔ دوسرا اور قوی تر امکان یہ تھا کہ وہاں موجود دوسرے لوگ اس مقابلے میں کوئی دخل اندازی کیے بغیر‘ تاریکی میں چھپ کر حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ مناسب موقع ملنے پر اچانک ہم پر حملہ آور ہوتے اور ہماری گردنیں کاٹ کے رکھ دیتے۔ دوسرے امکان پر سوچتے ہوئے میں بے اختیار پھریری سی لے کر رہ گیا۔

میری دانست میں وہاں کسی اور کے موجود نہ ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ جان مجھ سے فون پر بات کرتا رہا تھا۔ اس نے ویرا سے بھی میری بات کرائی تھی اور پھر ٹیلی فون کے محکمے کی مدد سے جان کے فون نمبر کا سراغ لگا کر اس مکان کی نشان دہی کی گئی تھی۔ اصولی طور پر جان اور ویرا کو اسی مکان کے کسی حصے میں موجود ہونا چاہیے تھا مگر وہ دونوں غائب تھے اور سنی قربانی کے بکرے کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔

مجھے یک بیک جان کے تصور سے ہلکا سا خوف محسوس ہونے لگا۔ کشمیر روڈ کی کمین گاہ میں راس المیڈا کو اکیلا چھوڑ کر میدان سے راہِ فرار اختیار کرنے والا وہ شخص میری توقعات سے زیادہ چالاک ثابت ہو رہا تھا۔

اس وقت تک ہم تینوں اس مکان کی کسی تنگ سی گزرگاہ میں تھے۔ میں نے سرچ لائٹ کی روشنی میں قریبی دروازے کا جائزہ لیا اور پھر سنی کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ وہ بل کھاتا ہوا فرش سے اٹھا اور پھر لنگڑاتا ہوا ہولے ہولے دروازے کی طرف چل دیا۔ اول خان اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

وہ فرشی قالین سے آراستہ سونے کا کمرا تھا جس میں عقبی کھڑکی اور ملحقہ باتھ روم کے دروازے کے سوا نکاس کا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ہر چیز پر گرد و غبار کی تہیں موجود تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خواب گاہ کافی عرصے سے مکینوں کے انتظار میں خالی پڑی ہوئی ہے۔

اول خان بھی موقع کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی پر پڑے ہوئے دبیز پردے ملائے پھر پلگ تلاش کرنے کے بعد سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا لیمپ روشن کر دیا۔ وہ روشنی کم نہیں تھی لیکن لیمپ کے بلب پر شیڈ لگا ہوا ہونے... کی وجہ سے اسے باہر سے دیکھا جانا قدرے دشوار تھا۔

"اِدھر اُدھر کی ہانکنے کے بجائے اب پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔" کمرے میں پہنچنے کے چند ثانیوں بعد میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "تم ساگا کو نکالنے کے لیے گئے تو تمہارے ساتھ دو آدمی کون تھے؟ ساگا کو ڈیرے دارنی تک پہنچانے کے بعد تم کہاں غائب ہو گئے تھے اور اب یہاں کیا کر رہے ہو؟"

سنی میرے سوالات پر مضمحل سا نظر آنے لگا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا "اس کا مطلب ہے کہ تم بہت کچھ جان چکے ہو...... سچ سچ بتاؤ کہ تم ہمیں مار تو نہیں دو گے؟" کمرے میں روشنی ہونے کے بعد اس نے پہلی بار مجھے دیکھا تھا۔ مجھے پہچان کر اس کی نگاہوں میں حیرت ابھر آئی تھی اور اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا لیکن اس بارے میں اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم نے ساگا کو آزاد کرانے کے لیے ایک سرکاری آدمی کا خون کیا ہے اور دوسرے کو بری طرح زخمی کیا ہے۔ تمہارے یہی جرائم تمہارے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈلوانے کے لیے کافی ہوں گے۔"

"ہمیں پھانسی کی دھمکی مت دو۔" وہ خوف زدہ آواز میں بولا "ہمیں چھمیا باجی نے بتا دیا ہے کہ تم پولیس والے نہیں‘ ایک پرانے بدمعاش ہو اور تمہارا نام ڈینی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس ویران مکان میں کیسے پہنچ گئے؟"

اس کے آخری سوال پر مجھے اضطراری طور پر غصہ آیا مگر میں نے فوراً ہی سنبھل کر پوچھا "اگر اس وقت یہ مکان ویران ہے تو پہلے یہاں اور کون موجود تھا؟"

"جب سے ہم آئے ہیں‘ کوئی حرام کا جنا یہاں نہیں آیا۔" وہ بے بسی سے بولا اور میرے ذہن پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اگر اس مکان میں سنی کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا تو ہم پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ اس سے باز پرس کر سکتے تھے۔ سنی اپنی رو میں کہہ رہا تھا "لیکن اس مکان کی ویرانی سے تم کسی بھول میں نہ رہنا۔ ہمارے ہمدرد کسی بھی وقت یہاں آ کر تمہارا نرخرا ناپ لیں گے۔"

"اگر تم مزید ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو ڈینی کے سوالوں کے جواب دیتے چلے جاؤ۔" اول خان نے سفاکی سے کہا۔ "تم نے ٹال مٹول کی تو تمہارے ہمدردوں کو تمہارا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر افسوس ہو گا۔"

تھوڑی سی ردوکد کے بعد سنی نے بولنا شروع کر دیا۔ اس کی کہانی کا ابتدائی حصہ وہی تھا جو اول خان کے آدمی بازارِ حسن میں گھوم پھر کر معلوم کر چکے تھے البتہ بعد کی باتیں ہمارے لیے نئی تھیں۔

اس نے بتایا "پرنس ساگا اس تہ خانے میں بہت خراب حالت میں تھے۔ ہم نے انہیں اٹھایا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہیں گے۔ انہوں نے راستے میں تکلیف اور غنودگی کے عالم میں ایک فون نمبر بتا کر حکم دیا تھا کہ انہیں چھمیا باجی کے پاس چھوڑتے ہی ہم اس نمبر پر فون کر کے ان کی حالت کی خبر دے دیں۔ اس نمبر پر کوئی گورا تھا جو فرنگی میں ٹاؤں ٹاؤں کیے جا رہا تھا۔ بس پرنس ساگا کا نام اس کے پلے پڑا اور اس نے ہمیں ہولڈ آن کہہ کے اپنے چوکی دار کو فون پر بلایا۔ پرنس ساگا کے زخمی ہونے کی خبر سنتے ہی گورے نے اپنے چوکی دار سے کہلوایا کہ ہم اس خالی مکان میں پہنچ کر کسی چیز کو چھیڑے بغیر اس کا انتظار کریں۔ چوکی دار سے پتا لے کر ہم کل رات ہی یہاں آ گئے مگر یہاں کوئی بھی نہیں آیا...... ہائے‘ ہم مر گئے۔" وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر کراہا پھر ناک بھوں چڑھا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے یہاں آنے کا انتظار کر رہا ہے اور اب کسی بھی وقت یہاں چڑھ دوڑے گا۔"

"تمہارے ساتھ ساگا کو نکالنے کے لیے اور کون کون گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"فخرو اور رمیش چند تھے۔ دونوں نیپئر روڈ کے پرانے اور بہت تگڑی دار دلال ہیں۔ جس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں اسے کوئی مائی کا لال میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔" وہ اپنی رو میں بتانے لگا "مگر تہ خانے میں ہونے والی مار دھاڑ سے دونوں ڈر گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ پرنس ساگا کو قید میں رکھنے والوں میں سے ایک مر چکا ہے اور وہ پولیس کیس ضرور بنے گا۔ وہ دونوں سب کے سب شیر بنے رہتے ہیں لیکن پولیس کے نام سے ان کے پیشاب خطا ہوتے ہیں۔ وہ دونوں ہمیں راستے میں ہی پرنس ساگا کے ساتھ چھوڑ کر گاڑی سے اتر گئے تھے۔ ان کے بھاگنے کے بعد پرنس ساگا نے ہمیں گورے کا فون نمبر دیا تھا۔"

"تو کیا تم گاڑی چلا لیتے ہو؟" اول خان نے حیرت سے بے ساختہ سوال کیا۔

"اے لو‘ ہم بازار میں بڑے بڑوں کو چلاتے ہیں۔ گاڑی واڑی کو چلانے میں کیا کمال ہے۔ مشین بڑی مسکین ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ جو سلوک چاہو‘ کر لو۔ بازار والیوں کے ناز نخرے اٹھا کر انہیں اپنے راستے پر چلانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ ہم نے آنکھ کھولتے ہی یہ کام سیکھ لیا ہے۔ اب گاڑیوں میں کیا رکھا ہے۔"

"فخرو اور رمیش اب کہاں ہوں گے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"جہاں بھی ہوں‘ کراچی میں ہرگز نہیں ہوں گے۔" اس نے پورے وثوق سے جواب دیا۔

"تہ خانے والا آدمی کس کی گولیوں سے مرا تھا؟" میں نے اس کا اقرارِ جرم سننے کے ارادے سے پوچھا۔

وہ بہت چالاک تھا۔ اس نے خطرہ بھانپ لیا اور پہلو بدل کر بولا "یہ تو ہمارا مولا ہی جانتا ہے کہ وہ کس کی گولی سے مرا ہو گا۔ ان پر ہم تینوں نے ہی گولیاں برسائی تھیں۔ جس گولی پر اس کا نام لکھا ہوا ہو گا‘ وہی اس کو لے ڈوبی ہو گی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کے مقدر کا لکھا کس نے پورا کیا ہو گا؟"

"تم جھوٹے ہو" میں نے غرا کر کہا "زخمی ہونے والے نے بتایا کہ ان دونوں پر اندھا دھند فائرنگ تم نے کی تھی اور تم ہی سب سے آگے تھے۔"

سنی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے واضح طور پر تھوک نگلنے کی کوشش کی اور کہا "یہ جھوٹا الزام ہے۔ ہم نے کسی کا خون نہیں کیا۔ جنہوں نے تمہارے آدمی کو مارا ہے‘ وہ پہلے ہی بھاگ چکے ہیں۔"

"اتنی آسانی سے تمہاری گلو خلاصی نہیں ہو گی۔" میں نے تلخی سے کہا "ان میں سے کوئی قاتل ہے تو اس کے پکڑے جانے تک تم ہمارے اسی مہمان خانے میں رہو گے جہاں تمہارا ماموں بند تھا۔"

"ہمارا ماموں؟" اس نے بھڑک کر کہا پھر وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ میں نے ساگا کا حوالہ دیا تھا۔ اس نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "وہ ہمارا ہی نہیں‘ سارے بازار والوں کا ماموں تھا۔ ہم اس امید پر اسے نکالنے گئے تھے کہ وہ اس کارنامے پر ہم سب کو مالا مال کر دیتا لیکن ہمارے نصیب خراب تھے۔ اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور ہمارا مقدر ہم سے روٹھ گیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

"جو کچھ ہو گا‘ وہ تمہاری طبیعت صاف کر دے گا۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

وہ سنی سے میری دوسری ملاقات تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کچھ جانتا تھا‘ اپنے مخصوص حلقے کی صحبت کی وجہ سے جانتا

تھا ورنہ رسمی تعلیم تک سے اس کا دور دور تک کوئی علاقہ نہیں تھا۔ انگریزی کے وہی دو چار الفاظ اس کا کل سرمایہ تھے جو روز مرّہ کی گفتگو میں ہر کس و ناکس کثرت سے استعمال کرتا ہے۔

میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہا "اس کا کہنا ہے کہ کل شام سے یہ مکان یوں ہی تاریک اور ویران پڑا ہوا ہے۔ تم اسے سنبھالو، میں ذرا پورے مکان کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔"

"اسے کیا سنبھالنا۔ میرا آدمی بتا چکا ہے کہ یہ سرور کا قاتل ہے۔ جان کے آنے سے پہلے ہی ہمیں اس سے نجات حاصل کر لینی چاہیے ورنہ یہ بھی دو ہو جائیں گے۔" اول خان نے بے ساختہ کہا۔

"قاتل نہیں بلکہ قاتلوں میں سے ایک ہے۔" میں نے اس کا ذہنی دباؤ دور کرنے کے لیے وہ تصحیح ضروری سمجھی "تمہارے آدمیوں پر ان تینوں نے بے آواز پستولوں سے فائرنگ کی تھی......"

"ٹھیک ہے!" اول خان میری بات کاٹ کر بولا "مگر ان تینوں میں یہ عجوبہ سب سے آگے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی چلائی ہوئی گولی سرور کی موت کا سبب نہ بنی ہو مگر یہ ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا، اس کی پوری پوری ذمے داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔"

"میں اس مردود کا دفاع نہیں کر رہا۔ یہ ہر اعتبار سے اس دھرتی کا بوجھ ہے لیکن تم اس کے بارے میں عجلت سے کام لے رہے ہو۔ گھر کا جائزہ لینے کے بعد بھی ہم اس کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"اندھیرا گہرا ہو چکا ہے۔ کیا پتا کہ جان کس وقت آجائے۔ میں وقت گنوانے کا عادی نہیں ہوں۔"

"ساگا کے بارے میں ہم طے کر چکے تھے کہ اسے ختم کر دینا چاہیے۔ تم نے دیکھ لیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ خود ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ ہمیں اس کا خون اپنے سر نہیں لینا پڑا۔"

"تو کیا تم یہ توقع کر رہے ہو کہ جان آتے ہی اسے گولی مار دے گا۔"

"ہونے کو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جان نہ آیا تو تم فکر نہ کرو، اسے میں خود گولی مار دوں گا لیکن اس کام کے لیے تھوڑا سا وقت دے دو۔ میں گھر کا ایک چکر لگا کر ابھی واپس آتا ہوں۔"

"تم ہو آؤ۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔" اول خان نے بادلِ ناخواستہ ہتھیار ڈال دیے۔

وہ ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اس لیے اس کا ایک لفظ بھی سنی کے پلے نہیں پڑ سکا تھا۔ وہ کسی ہونق کی طرح کھڑا باری باری ہم دونوں کے چہرے تکتا رہا تھا۔ ہمارے غیر جذباتی لب و لہجے سے وہ کوئی بھی مفہوم اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

ان دونوں کو اس روشن کمرے میں چھوڑ کر میں خاموشی سے باہر رینگ گیا۔

سردار وجاہت اللہ اپنی جیسی تیسی صنعتوں کے بل پر بینکوں کے بیالیس کروڑ روپے ہضم کر کے خاموشی سے ملک سے فرار ہو گیا تھا اور اس کا وہ ویران مکان جان جیسے مجرموں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اندھیرے میں کہیں کہیں اپنی ٹارچ کی روشنی سے مدد لے کر پیش قدمی کرتے ہوئے مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ مکان سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اول خان کا ایک مسلح آدمی نگرانی پر مامور تھا اور جان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کی نظروں سے بچ کر خاموشی سے اس عمارت میں داخل ہو سکے۔

وہ مکان واقعی کافی وسیع اور کشادہ تھا۔ ہر کمرا آسائشی سہولتوں اور آرائشی اشیا سے لدا ہوا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ سردار وجاہت اللہ نے کاروباری ہیر پھیر کے ذریعے بینکوں سے لوٹی ہوئی خطیر رقم پوری دریا دلی کے ساتھ اپنی شاہانہ بود و باش کے لیے استعمال کی تھی اور جب اسے اپنا برا وقت قریب نظر آیا تو وہ کسی پھندے میں پھنسنے سے پہلے سب کچھ جوں کا توں چھوڑ کر ملک سے فرار ہو گیا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس کے چھوڑے ہوئے جملہ اثاثے اس کی لوٹی ہوئی دولت کا عشر عشیر بھی نہیں تھے۔

اپنے اصل مکینوں سے محروم اس تاریک مکان میں گھومتے ہوئے ذرا سی دیر کے لیے میری ذہنی رو بھٹک گئی۔ میرے وطن میں ایک طرف اول خان جیسے جاں فروشوں کی قلیل سی تعداد تھی جو اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے ہر لمحہ اس ملک کے مفاد اور عزت و آبرو کے لیے بے خوفی سے لڑ رہے تھے اور اپنے مقدس لہو سے اس پاک مٹی کی آبیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف چور، ڈاکو اور لٹیرے تھے جو طرح طرح کے روپ دھار کے دونوں ہاتھوں سے ملکی وسائل کو لوٹ رہے تھے مگر ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

گھروں میں ڈاکے ڈالنے اور رہزنی کرنے والوں کو تو پھر بھی پولیس کی دخل اندازی کا خوف لاحق رہتا تھا جو گرفتاری یا پھر حصہ داری کے لیے شہر شہر اور نگر نگر ان کی بُو سونگھتی پھرتی تھی لیکن قومی ڈاکوؤں کا معزز طبقہ بالکل بے خوف تھا۔ وہ لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی ڈکیتیاں کرتے تھے اور پھر بھی ان پر انگلی اٹھانا ممکن نہیں تھا۔ وہ راشی، خائن اور بددیانت افسروں، صنعت کاروں اور سیاست دانوں کا ٹولہ تھا جو ہر لمحے قوم کی شہ رگ سے خون چوس رہا تھا اور سردار وجاہت اللہ اسی ٹولے کا ایک رکن تھا۔

ان ہی خیالات کی رو میں میرا پیر ایک وزنی میز کے پائے سے ٹکرایا اور میرے خیالات کی رو فوراً بدل گئی۔

وہ وسیع تر ملکی اور قومی معاملات پر دماغ سوزی کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس وقت ہم ایک شاطر دشمن کے خلاف میدانِ جنگ میں اترے ہوئے تھے۔ اس کے مقابلے میں ہماری ذرا سی لغزش ہمیں تباہ کر سکتی تھی اور پھر راس المیڈا کے حواریوں سے ہماری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ ہم وہ لڑائی بھی مادرِ وطن کے لیے لڑ رہے تھے۔ مقابلہ کیا جاتا تو راس المیڈا ہر اعتبار سے سردار وجاہت اللہ سے کہیں زیادہ بڑا دشمن تھا۔

میں نے خواب گاہوں سمیت کل پانچ کمرے دیکھ ڈالے۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ دو خواب گاہوں میں منقش اور بنی ٹیلی فون موجود تھے مگر ان کے تار اس طرح کٹے ہوئے تھے کہ وہاں تک آنے والی لائن کا کوئی سراغ باقی نہیں چھوڑا گیا تھا۔

میں نے چھٹے دروازے میں قدم رکھا تو میری توجہ خود بخود اس سرخ نقطے پر مرکوز ہو گئی جو کمرے کے ایک گوشے میں فرش سے ذرے بلندی پر روشن تھا۔ وہ سرخ روشنی اتنی مدھم تھی کہ ٹارچ روشن ہوتے ہی معدوم سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے آزمانے کے لیے ٹارچ بجھائی تو سرخ نقطہ اپنی جگہ پر روشن تھا۔

روشنی میں دیکھ چکا تھا کہ روشنی کا مخرج کسی قسم کا فون ہی تھا۔ میں دوبارہ ٹارچ روشن کر کے تیزی سے اسی طرح بڑھتا چلا گیا۔

وہ کورڈلیس ٹیلی فون سیٹ کا بیس اسٹیشن تھا جو بجلی اور فون کی لائن سے منسلک ہونے کے سبب پوری طرح فعال تھا لیکن اس پر بنے ہوئے مخصوص کھانچے میں اس سیٹ کا ہینڈ سیٹ موجود نہیں تھا۔ میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا، پوری صورتِ حال میری سمجھ میں آگئی۔

میں نے اس سیٹ کا کھلا ہوا ایریل بند کیا اور بٹنوں کو ذرا بھی چھیڑے بغیر پوری احتیاط سے جائزہ لیا تو اس کے پیندے پر ابھری ہوئی تحریر سے انکشاف ہوا کہ وہ لاسلکی ٹیلی فون سیٹ پانچ سو میٹر کی رینج کا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بیس اسٹیشن سے تار کے کسی کنکشن کے بغیر ہینڈ سیٹ کے ذریعے اس مقام سے پانچ سو میٹر کے فاصلے تک وہ فون پوری طرح استعمال کیا جا سکتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کے وہ اپریٹس واپس رکھ دیا۔ وہ کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ اس زمانے میں ایسے لاسلکی سیٹ بازاروں میں بھرے ہوئے تھے لیکن اس کا مجرمانہ استعمال میرے لیے انوکھا تھا۔

اپریٹس پر ایک بٹن موجود تھا جسے دبا کر ہینڈ سیٹ والے کو متوجہ کر کے اس سے انٹرکام جیسی سہولت سے بات کی جا سکتی تھی لیکن میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ جان کو شبہ بھی ہو جاتا کہ کوئی اس بیس اسٹیشن تک پہنچ چکا ہے تو کھیل بگڑ سکتا تھا۔

جان واقعی بہت چالاک مجرم تھا۔ اس نے ایک معمولی سا شعبدہ استعمال کر کے ہم لوگوں کو شدید الجھن اور بے یقینی میں مبتلا کر دیا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ سردار وجاہت اللہ کے ویران مکان سے پانچ سو میٹر نصف قطر کے دائرے میں کوئی ایسا شخص رہائش پذیر تھا جو جان اور راس المیڈا کا معتمدِ خاص بلکہ مددگار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سردار وجاہت اللہ قرقی اور گرفتاری کے خوف سے گھر چھوڑ کر بیرونِ ملک فرار ہو چکا تھا۔ اس نے مجرمانہ رازداری کے ساتھ خالی گھر میں گھس کر فون کی فاضل لائنیں منقطع کیں اور ایک مقام پر کورڈلیس فون کا سیٹ جوڑنے کے بعد ہینڈ سیٹ اپنے ساتھ لے گیا۔ اس طرح اسے اپنے گھر میں رہتے ہوئے سردار وجاہت اللہ کے فون پر مکمل تصرف حاصل ہو گیا۔

ہینڈ سیٹ کی بیٹری چارج کرنے کے لیے الگ سے متبادل بندوبست کرنا دشوار کام نہیں تھا۔ وہ گھر بیٹھے اس فون سے کہیں بھی بات کر سکتا تھا اور ہمارے ساتھ یہی ہوتا رہا تھا۔ جان کو پورا یقین تھا کہ فون نمبر کے سہارے اس کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا، اسی لیے وہ بے خوفی سے مجھے فون کرتا رہا تھا۔ فون نمبر ٹریس ہونے کے بعد سردار وجاہت اللہ کا مکان ایک سنگین رکاوٹ بن کر سامنے آگیا تھا۔

جان کی اصل کمین گاہ کا کھوج لگانے کے لیے اس لاسلکی اپریٹس کی رینج میں واقع ہر مکان کا جائزہ لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ مکانوں کے وسیع رقبے کے باوجود وہ تعداد کئی سو مکانوں پر مشتمل ہو سکتی تھی۔

واقعات کی کڑیوں کو یک جا کرنے کی کوششوں میں میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پرنس ساگا کو چھپا تک پہنچانے کے بعد سنی روپوش ہوا تو راس المیڈا پورے اطمینان سے کشمیر روڈ والے مکان میں فروکش تھا۔ ساگا کو اسی مکان کا نمبر معلوم تھا جو اس نے ویرا کو بتایا تھا۔ اس وقت تک ہم نے راس المیڈا کے ٹھکانے پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ سنی نے وہاں فون کیا تو راس اور جان نے ایک پٹے ہوئے مہرے کو اپنے پاس بلانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے اسے مفرور سردار کے خالی مکان میں چھپ کر انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ بعد میں حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا کہ راس المیڈا ہمارا قیدی بن گیا اور جان، ویرا کو اغوا کر کے اپنے اسی ہمدرد کے ٹھکانے پر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا جو پہلے سے سردار کے فون پر قابض اور متصرف تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جان سنی کو بھولا نہیں ہوگا۔ ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کے قصے کو کسی نتیجے تک پہنچانے کے بعد وہ ضرور سنی تک پہنچنے کی کوشش کرتا اور ہمارے چنگل میں آجاتا۔

جان نے ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کے لیے مجھے رات دس بجے تک کی مہلت دی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیا تو سوئیاں سوا آٹھ بجا رہی تھیں۔ اگر میں مقررہ وقت پر فلیٹ میں رہ کر جان کا فون وصول نہ کرتا تو وہ مایوسی کی حالت میں ویرا کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا جب کہ اسے پکڑنے کے لیے ان ہی اوقات میں میرا سنی کے قریب رہنا بھی ضروری تھا۔ وہ نئی صورتِ حال سامنے آنے کے بعد میں تذبذب بلکہ بے یقینی میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اس بارے میں میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اول خان کے آدمی کی اطلاع کے مطابق وہ مکان دو تین ماہ سے یوں ہی ویران اور غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ اس کے سارے مکین ملک سے فرار ہو چکے تھے۔ ایسی صورت میں بجلی اور فون کے بلوں کی باقاعدہ ادائیگی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ نادہندگی کے باوجود وہاں

ان دونوں سہولتوں کا برقرار رہنا ناقابلِ فہم تھا۔
شہر کے متمول لوگوں کی اس بستی میں بجلی اور فون کے محکموں کی فیاضی کا یہ عالم تھا اور شہر کے متوسط اور غریب علاقوں میں ان ہی محکموں کی سختی کا یہ عالم تھا کہ چند سو روپوں کے بل کی ادائیگی میں دو ماہ کی تاخیر ہوتے ہی کسی نوٹس کے بغیر اپنے صارف کی فون یا بجلی کی سہولتیں منقطع کرکے اسے اپنے دفاتر کے چکر لگانے پر مجبور کردیتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ایسی شہری سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں کے ذمے دار اہل کار شہر کے امرا و روٴسا کے اثر، رسوخ سے خوف زدہ ہو کر انہیں چھیڑنے سے گریز کرتے ہوں لیکن ان کی یہ پہلو تہی جہاں شہریوں میں طبقاتی نفرت کو فروغ دینے کا باعث بن رہی تھی وہیں راس المیڈا اور جان جیسے خوفناک ملک دشمنوں کو مضبوط سہارے فراہم کررہی تھی۔
وہیں کھڑے کھڑے مجھے خیال آیا کہ جان اور ویرا سے جب بھی فون پر میری بات ہوئی' ان کی آوازیں بالکل صاف اور بہت واضح تھیں۔ میری معلومات کے مطابق گھروں میں بیش تر لاسلکی آلات اپنی صراحت میں دی گئی انتہائی رینج پر اول تو کام ہی نہیں کرتے اور کرتے ہیں تو کارکردگی بہت ناقص ہوتی ہے۔ در و دیوار' تعمیری رکاوٹوں اور ٹیلی وژن وغیرہ کے نشریاتی خلل کی وجہ سے ان کی عملی رینج بہت گھٹ جاتی ہے۔
اس حساب سے ہماری تلاشی کا دائرہ پانچ سو میٹر کے وسیع نصف قطر سے گھٹ کر دو ڈھائی سو میٹر بھی ہو سکتا تھا۔ وہ خیال آتے ہی میں تیزی سے واپس چل دیا۔ اس نظریے کی روشنی میں مشتبہ مکانوں کی تعداد سیکڑوں سے گھٹ کر بہت کم رہ جاتی تھی اور اس پر کام فوراً شروع کیا جا سکتا تھا۔
میں اول خان کے پاس پہنچا تو وہاں کی صورتِ حال جوں کی توں تھی۔
"اس گھر میں پانچ سو میٹر رینج کے ایک کورڈلیس فون کا بیس اسٹیشن موجود ہے۔" میں نے سامنا ہوتے ہی انگریزی میں اول خان کو اطلاع دی مگر اس کا چہرہ سپاٹ رہا۔
لمحہ بھر بعد اس نے قدرے حیرت سے کہا "اس میں کیا خاص بات ہے؟ آج کل تو کورڈلیس فون تقریباً ہر بڑے گھر کی ضرورت بن چکے ہیں۔ لوگ اپنی کال وصول کرنے کے لیے فون تک جانے کی زحمت سے بچنے کے لیے ان پر انحصار کرنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں۔"
"یہ مجھے بھی معلوم ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہمارے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان تھا کہ جان اس گھر کا فون استعمال کررہا ہے تو خود یہاں کیوں موجود نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس سوال کا جواب مل گیا۔"
"اوہ!" اول خان کے دہانے سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "پانچ سو میٹر کا کورڈلیس فون۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسی علاقے کے کسی اور مکان میں دبکا بیٹھا ہے اور ہم یہاں جھک مار رہے ہیں۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں ایک کمرے میں نئی وضع کا فون ہے......" میں نے سنی سے مخاطب ہو کر اردو میں سوال کرنا چاہا لیکن وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔
"یہ کورڈلیس ہمارے بہت سے کوٹھوں پر موجود ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "نشے میں دھت تماش بین جب اٹھنے کے قابل نہیں رہتے تو اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اپنی گھر والیوں کو فون پر کوئی کہانی سنانے کے لیے یہی مانگتے ہیں...... پتا نہیں تم لوگ اس عام سی چیز کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ فون پر گورے کے چوکی دار نے بھی خاص طور پر ہم سے کہا تھا کہ ہم اس نازک فون کو ہاتھ بھی نہ لگائیں۔ کیا خاص بات ہے اس اللہ مارے کورڈلیس میں؟"
مجھے اس کے سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کے بیان نے میرے خدشات کی پوری پوری تصدیق کردی تھی اور ہمیں کام جاری رکھنے کے لیے ایک نئی سمت مل گئی تھی۔
"اب تم اس کے ساتھ جو سلوک چاہو' کرسکتے ہو۔" میں نے اول خان سے کہا۔
"ساگا کی پہرے داری کرنے والوں پر پہلی گولی تم نے چلائی تھی اور تم ہی پیش پیش تھے۔" اول خان نے اسے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے' تائید طلب سفاکانہ لہجے میں کہا۔
"یہ ٹھٹ...... ٹھیک ہے کہ ان دونوں کو ہم ہی وہاں لے گئے تھے لیکن ہمیں یہ یاد نہیں کہ پہلی گولی کس نے چلائی تھی۔ اس وقت ہم تینوں گھبرائے ہوئے تھے۔ مرنے والے کا بدلہ تم ہم سے نہیں لے سکتے۔"
ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی اہمیت سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ ان میں سے ہر ایک برسوں تجربے کی بھٹی سے گزرنے کے بعد کندن بنتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی جان بہت بیش قیمت تھی لیکن سنی جیسے زنانہ صفت شخص کی چلائی ہوئی ایک ہی گولی اس اثاثے کو تباہ کرسکتی تھی۔ سرور کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سرور کی ناگہانی موت کا صدمہ اول خان کے ذہن پر مسلط تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو کسی شفیق اور مہربان باپ کی طرح ہر دم اپنے سائے میں رکھتا تھا' ان کی ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ اس کے ایک اشارے پر اپنی جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اول خان اپنے ایسے کسی جاں نثار کے قاتل کو کیسے معاف کرسکتا تھا۔
وہ خاموش کھڑا سرد اور بے رحم نگاہوں سے سنی کو گھورتا رہا۔ وجود کو چھیدتی ہوئی ان تیز نگاہوں نے سنی کو سراسیمہ کردیا۔ اس نے سٹپٹا کر اول خان سے نظریں چرالیں اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں مجھ سے بولا "تمہارا یہ ساتھی ہمیں ایسی نگاہوں سے کیوں گھور رہا ہے؟ یہ کچھ دیوانہ سا معلوم ہوتا ہے۔"
"یہ بہت فرزانہ ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا "تمہارے مقتول کے خون کی چھینٹوں نے اسے دیوانہ بنایا ہوا ہے۔ اب تم وار کرنے کا موقع کھو چکے ہو۔ تمہیں انتقامی وار کو روکنا ہوگا......"
"مجھ سے بات کرو۔" اول خان نے اپنا پستول جیب میں رکھ کر' سنی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "اس معاملے میں ذہنی فریق نہیں ہے۔ تم نے میرا آدمی مارا' اب میں تمہارا نرخرا چیروں گا۔"
سنی دہشت زدہ ہو کر الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔ پسپائی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تت...... تم...... ہمیں نن...... نہیں مار سکتے۔" یہ جج...... جرم ہوگا...... تت تمہیں پھانسی ہوجائے گی۔"
"پھانسی کی ایسی کی تیسی۔" اول خان نے بھنا کر یہ فقرہ ادا کرتے ہوئے تیزی سے پیش رفت کی اور پوری قوت سے سنی کے پیٹ میں مُکا رسید کردیا۔ سنی کے حلق سے اوغ کی بلند آواز نکلی اور وہ اذیت سے دہرا ہوگیا۔ اول خان نے اس کی جھکی ہوئی کمر پر دونوں ہاتھ ملا کر اگلی ضرب لگائی اور وہ ڈکراتا ہوا منہ کے بل نیچے ڈھیر ہوگیا۔
اس کے گرتے ہی قالین میں سے باریک ریت کا غبار فضا میں بلند ہوا۔ اس ریت نے سنی کے نتھنوں کے ذریعے سانس کی نالی میں داخل ہو کر ایسی سوزش پیدا کی کہ اس پر بے تحاشا چھینکوں کا دورہ پڑگیا۔ وہ بڑی کرب ناک صورتِ حال تھی۔ سنی یک بہ یک دہرے عذاب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اسے نیم جان کرنے کے لیے اول خان کی لگائی ہوئی دو مسلسل ضربات ہی کیا کم تھیں کہ اس پر چھینکوں کا قہر مسلط ہوگیا تھا۔ ہر چھینک اور بدن کے جھٹکے سے قالین کے روئیں میں سے گرد کا ایک نیا مرغولہ اس کے نتھنوں میں داخل ہو کر چھینکوں کو تحریک دے رہا تھا۔
اسے چھینکوں کے خود رو عتاب میں مبتلا دیکھ کر اول خان کا اشتعال قدرے کم ہوگیا اور وہ سنی کے سر پر مسلط رہ کر اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ میری نظروں میں سنی کی کوئی افادیت نہیں رہی تھی اس لیے میں نے اول خان کی کارروائی پر غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کرلیا۔
اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ نئی صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جان نے ویرا اور راس المیڈا کا قضیہ طے ہونے تک کے لیے سنی کو اس سنسان اور تاریک مکان میں محصور ہونے کا حکم دیا تھا۔ دس بجے وہ فلیٹ پر فون کرتا تو غزالہ یا سلطان شاہ کی زبانی اسے معلوم ہوتا کہ میں گھر پر موجود نہیں ہوں۔ وہ میری غیر حاضری کو سودے بازی میں میری عدم دلچسپی پر محمول کرتے ہوئے جھلا جاتا اور ویرا کو کوئی نقصان پہنچانے کے بعد سنی سے ملاقات کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔ اس وقت اول خان کے دونوں ایریٹر' ہمارے ہی پاس تھے۔ سردار وجاہت اللہ کے گھر کا فون ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔
میرے سامنے فوری طور پر ایسی کوئی متبادل راہ نہیں تھی کہ میں گھر پر غزالہ یا سلطان شاہ سے رابطہ کرکے انہیں یہ پیغام دیتا کہ جان کا فون آنے کی صورت میں وہ اسے مایوس نہ ہونے دیں بلکہ میری کسی ناگزیر مصروفیت کا عذر کرکے اس سے اگلی صبح تک کی مزید مہلت طلب کریں۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا کیا جاتا تو جان اپنے بدترین ردِعمل کے مظاہرے کے باوجود مزید مہلت دینے پر مجبور ہوجاتا اور درمیانی مدت میں سنی سے ملاقات کے لیے ہمارے بچھائے ہوئے جال میں آگرتا۔
اس وقت پہلی اہم ترین ضرورت گھر سے رابطے کی تھی اور دوسرا نکتہ یہ تھا کہ ہمارا اس عمارت میں موجود رہنا بے سود تھا۔ یہ بات شک و شبے سے بالاتر تھی کہ جان کہیں اور روپوش تھا۔ ہمیں اس مکان کے احاطے میں پھیل کر اس کی آمد کا انتظار کرنے کی ضرورت تھی۔
میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ جان نے پچھلی رات سے سنی کو اس مکان میں پہنچنے کی ہدایت کی ہوئی تھی تو پھر کم و بیش چوبیس گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس نے سنی تک پہنچنے کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی؟
تھوڑی سی ذہنی ورزش کے بعد اس سوال کا امکانی جواب بھی واضح ہوگیا۔ پچھلی رات سنی سے بات ہونے کے بعد ہی ہم لوگوں نے راس المیڈا کے پڑوس والے خالی گھر میں ڈیرے جمائے تھے اور بعد میں سامنے آنے والے شواہد سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ رات کے بارہ بجے سے پہلے ہی جان اور راس المیڈا کو اپنے پڑوس میں کسی گڑبڑ کا شبہ ہوگیا تھا۔ وہ دونوں ہماری نظروں سے اوجھل ہو کر مشتبہ مکان کی کڑی نگرانی کرتے رہے اور جوں ہی ویرا نے سگریٹ کی اضطراری طلب سے مجبور ہو کر بے دھیانی میں لمحہ بھر کے لیے لائٹر جلایا' ان دونوں کے شبہات کی تصدیق ہوگئی اور پھر کھیل شروع ہوگیا۔
اس طرح ان دونوں کی وہ رات بیداری اور سخت اعصابی تناؤ کے عالم میں گزری تھی۔ ہوسکتا ہے کہ جان کو ویرا سمیت اپنے ٹھکانے پر پہنچتے پہنچتے صبح ہوگئی ہو۔ نئی کمین گاہ پر پہنچنے کے بعد اسے شدت سے راس المیڈا کا انتظار رہا ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ راس المیڈا دشمنوں کے نرغے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو سیدھا وہیں پہنچے گا جہاں جان' ویرا کے ساتھ موجود تھا۔
جان دیر تک تکلیف دہ انتظار کے مراحل سے گزرتا رہا۔ جب اسے راس المیڈا کی واپسی کی امید نہ رہی تو اس نے ویرا پر دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا اور قیدیوں کے دو طرفہ تبادلے کے لیے ہم سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ صبح دس بج کر پینتیس منٹ تک وہ وقفے وقفے سے فون پر مجھ سے رابطہ کرنے میں الجھا رہا۔ اس کے بعد یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ دن کے اجالے میں سردار

وجاہت اللہ کے ویران مکان میں گھسنے کا خطرہ مول لیتا۔ دوسری طرف رات بھر کی تکان اور بے آرامی کے بعد شاید اسے آرام کی بھی ضرورت رہی ہو اور اس نے سنی سے ملاقات کا معاملہ رات کے دس بجے تک مؤخر کردیا ہوگا کہ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں بے خوفی سے وہاں آسکے۔

اِدھر میں اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا' اُدھر چھینکتے چھینکتے سنی کا حال ابتر ہوچکا تھا۔ اس کی ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا' آنکھیں سرخ ہوچکی تھیں اور وہ بری طرح نڈھال نظر آرہا تھا۔

نگاہیں چار ہونے پر میں نے اشارے سے اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ گولی مار کے سنی کا قصہ ختم کردے۔ جواب میں اس کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے کہا "اس بزدل اور غلیظ آدمی پر گولی ضائع نہیں کی جاسکتی۔ یہ سرور کا قاتل ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے سزا دوں گا۔"

"ٹھہرو!" سنی کمزور آواز میں اچانک بول پڑا "آنے والے کے لیے ساگا نے ہمیں ایک اہم پیغام بھی دیا تھا۔ تم ہماری جان بخشی کا وعدہ کرو تو ہم وہ پیغام تمہیں بتادیں گے۔"

اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ سنی کے چھوڑے ہوئے اس نئے شوشے پر وہ الجھن میں پڑگیا تھا۔ بادی النظر میں حقیر اور ناکارہ نظر آنے والا سنی پرت در پرت اپنی اہمیت ثابت کرتا جارہا تھا۔

اول خان کے لیے سنی کو زندہ چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔ وہ فورس کے کارکنوں پر اٹھنے والے ہر ہاتھ کو توڑ دینے کا قائل تھا۔ میں نے اس کے تذبذب کا اندازہ لگا کر سنی سے کہا "یہ یاد رکھو کہ کوئی جھوٹ بول کر تم اپنی جان نہیں بچا سکو گے۔"

"قسم پاک پروردگار کی' یہ جھوٹ نہیں ہے۔" وہ بے ساختہ بول اٹھا "ہم جھوٹ بولیں تو ہم پر ہمارے مولا کی مار پڑے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ پرنس ساگا نے فخرو اور رمیش کے بھاگنے کے بعد ہمیں فون والے کے لیے ایک پیغام دیا تھا۔ زبان کی مشکل نہ ہوتی تو ہم نے فون پر ہی اسے وہ بات بتادی ہوتی۔" دبی دبی بلکہ دم توڑتی ہوئی چھینکوں کے درمیان اس نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی۔

"سچ اور جھوٹ کا فیصلہ تمہاری بات سن کر ہی کیا جائے گا۔" میں نے سختی سے کہا۔

"اے ہے...... ہم اتنے گاؤدی نہیں ہیں کہ تم سے وعدہ لیے بغیر اتنی بڑی بات کریں۔ پہلے تم وعدہ کرو کہ ہم نے پرنس ساگا کی بات بتادی تو تم ہمیں نہیں مارو گے۔ تم دونوں بڑے ظالم معلوم ہوتے ہو۔"

"تم ضد کرتے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں نہیں ماروں گا۔" میں نے دانستہ واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"تم قسم کھاؤ پاک پنج تن کی!" اس نے اصرار کیا اور میری کھوپڑی بھنا گئی۔

"بولتا ہے یا ادھیڑوں تیری کھال!" اول خان غصے سے اس کی پشت پر لات رسید کرکے غرایا "سالا بے غیرتی سے عورتوں کی کمائی پر گلچھرے اڑاتا ہے اور اب جان پر بنی ہے تو مولا اور پروردگار یاد آرہے ہیں۔"

"قسم کے بغیر ہم تم دونوں پر اعتبار نہیں کرسکتے۔" وہ دہرا ہو کے کراہتا ہوا بولا۔

اول خان نے اسے ٹھوکروں میں اڑانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے اس کا بازو تھام لیا اور کہا "میں تمہاری بتائی ہوئی قسم کھاتا ہوں کہ تم سچ بولے تو تمہیں نہیں ماروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"تمہاری نیت خراب ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہماری بتائی ہوئی قسم کیا ہوئی...... پوری قسم کھاؤ۔ اس کو توڑو گے تو پھر بچ نہیں سکو گے۔ ہم نے بڑوں سے یہی سنا ہے۔"

میں دانت کچکچا کے رہ گیا۔ وہ اس وقت کسی اڑیل ٹٹو جیسی حرکتیں کررہا تھا۔ جوتے کھا رہا تھا اور پوری قسم کھلوانے پر اڑا ہوا تھا۔ یہ نہیں سن رہا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا تھا' اپنی طرف سے کہہ رہا تھا۔ اول خان پر اس کی پابندی کی کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی تھی۔

میں نے دل پر جبر کرکے اس کا مطالبہ پورا کردیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا قالین پر اٹھ کھڑا ہوا۔

چند ثانیوں کے لیے اس کمرے کی فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ ہم دونوں اس کی لب کشائی کے منتظر تھے اور وہ اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا۔

"سارا بدن دکھ رہا ہے۔" وہ اپنی کمر پکڑ کے بولا "ہمارا تو حال ہی بگڑ کے رہ گیا ہے۔"

"زبان کھولو ورنہ حال کے ساتھ چال بھی بگاڑ دی جائے گی۔" میں نے غصے سے دھمکی دی۔

"وہ عجیب سے دو لفظ تھے۔ تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو ہمیں جھوٹا نہ سمجھنا۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا "پرنس ساگا نے نیلوربا ہے کہا تھا۔ مجھے بس یہ بات اس گورے تک پہنچانی تھی اور پھر اسے یہ بھی بتانا تھا کہ دشمنوں نے پرنس ساگا کو موت سے کتنا قریب پہنچا دیا ہے...... اب تو خیر' بے چارے پرنس ساگا مر ہی چکے ہیں۔ ان کی زندگی میں ہم نے ان سے کوئی دغا نہیں کی۔"

نیلوربا ہے۔ میرے ذہن میں ان دو الفاظ کی بازگشت گونجی۔ ابتدائی طور پر وہ دونوں الفاظ ذہن کو نامانوس محسوس ہوئے لیکن بازگشت پر غور کرتے ہوئے پہلے لفظ کے بارے میں میرا حافظہ تازہ ہوگیا۔

نیلور کوئی اجنبی یا نامانوس لفظ نہیں تھا۔ وہ پنجاب کے ایک چھوٹے لیکن بہت اہم مقام کا نام تھا جہاں تدریس اور تحقیق کے لیے عرصۂ دراز سے ایک چھوٹا سا ایٹمی ری ایکٹر کام کررہا تھا۔ نیلور

کی شہرت کی وجہ صرف اور صرف پنسٹیک یا پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیو کلیر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی نامی ادارہ تھا جو ایک طویل مدت سے ملکی نوجوانوں کو جوہری توانائی کے شعبوں میں اعلیٰ صلاحیتوں سے مالا مال کررہا تھا۔

سنی کی زبان سے نیلور کا اس انداز میں ذکر بہت خطرناک اور چونکا دینے والا تھا۔ اس سے پہلے ہم راس المیڈا کے آپریشن کے تامین کو ناکام بنا چکے تھے۔ وہ منصوبہ فضا میں روبہ کار آنے سے پہلے ہی زمین پر تہس نہس کردیا گیا تھا اور اس بات کی ساری شہادتیں مل گئی تھیں کہ راس المیڈا اس سازش کے ذریعے پاکستان کے پہلے جوہری بجلی گھر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا عزم لے کر پاکستان آیا تھا اور اب سنی جیسے جاہل مطلق کی زبان سے نیلور کا نام سننے کے بعد مسئلہ پھر نازک ہوتا نظر آرہا تھا۔

اول خان کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی بے پایاں حیرت اور بے اعتباری سے مترشح ہورہا تھا کہ میری طرح اس کے لیے بھی نیلور کا نام اجنبی نہیں تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کی تشکیل کا بنیادی مقصد ہی غالباً پاکستان کے ایسے حساس قومی اداروں کا تحفظ کرنا تھا جو دشمنوں کی نگاہوں میں کھٹکتے ہوں۔

نیلور کے ساتھ بامبے کا لفظ چکرا دینے والا تھا۔ عام طور پر بھارتی شہر بمبئی کو انگریزی میں بامبے ہی کہا جاتا ہے۔ تو کیا وہ لوگ اس مرتبہ نیلور کے ساتھ ساتھ بمبئی کے قریب واقع ایٹمی مرکز پر بھی کچھ کام کررہے تھے؟ میرے لیے یہ حیران کن بات تھی کہ اس قدر اہم اور حساس معاملات پرنس ساگا جیسے اوباش لفنگے اور سنی کے حوالے کردیے گئے تھے۔ ان لوگوں کو اپنے ذاتی مفادات سے آگے کسی قومی ذمے داری سے دلچسپی نہیں تھی۔ سنی کا تو یہ عالم تھا کہ اس نے محض اپنی جان بچانے کے لیے وہ دونوں الفاظ اگل دیے تھے۔

"اس پر شبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اول خان نے ذو معنی لہجے میں مجھ سے کہا "اس نامرد یا عورت کو جو کچھ معلوم تھا' اس نے ایمان داری سے بتادیا ہے۔ اب تم اپنی قسم پوری کرو۔ میں اسے اس کے ماموں ساگا کے پاس روانہ کیے دیتا ہوں۔"

اول خان کے آخری الفاظ پر سنی کا رنگ فق ہوگیا مگر اس کے کسی غیر معمولی ردِ عمل سے پہلے ہی اول خان نے جھپٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے نرخرے پر جمادیے اور وہ اس گرفت سے آزاد ہونے کی وحشیانہ کوششوں میں الجھتا چلا گیا۔ وہ اول خان کے مقابلے میں جوان العمر اور گراں ڈیل تھا اور اپنی جان بچانے کی جدوجہد کررہا تھا جب کہ اول خان جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر اسے جہنم واصل کرنا چاہ رہا تھا۔ دونوں میں بس ذرا سی دیر فیصلہ کن زور آزمائی ہوئی اور سنی ایک مرتبہ پھر قالین پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔

اس دوران میں اول خان نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کی شہ رگ پر اپنی گرفت کمزور نہیں ہونے دی تھی۔ دورانِ خون میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے سنی کے گورے چٹے چہرے پر سیاہی سی غالب آنے لگی۔ اس کی بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں اپنے حلقوں سے گویا باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے جارہے تھے۔

ان دونوں میں وہ جاں گسل معرکہ چند منٹ تک جاری رہا۔ اول خان کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح سنی کے سینے پر سوار تھا۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک اہل کار کا قاتل ہی نہیں' ملک و قوم کے دشمنوں کا آلۂ کار بھی ثابت ہوچکا تھا اور ذرا بھی رحم کا مستحق نہیں تھا۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ زندگی سے اس کا رشتہ کمزور کرتا جارہا تھا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سانس کی ڈور کٹ گئی اور اس کا جسم آخری جھرجھری لے کر ساکت ہوگیا۔

اول خان نے اپنے نیچے دبے ہوئے حریف کے وجود پر موت کا سایہ محسوس کرتے ہی جگہ چھوڑ دی اور سنی کے سینے سے اتر کر کھڑا ہوگیا۔ اس وقت اس کا چہرہ سرد اور سپاٹ نظر آرہا تھا۔

موت کا ذکر کیا جائے تو وہ زندگی کی صاف' سیدھی اور سب سے اٹل حقیقت نظر آتی ہے جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں لیکن سوچے سمجھے انداز میں کسی برے سے برے جیتے جاگتے انسان کو یوں موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں معدوم ہوتے دیکھنا شاید دنیا کا بدترین کام ہے۔ سنی سے مقابلہ ہوتا گولیوں کی دھواں دھار بوچھاڑ ہوتی اور پھر بھٹکتی ہوئی چند گولیاں اس کے وجود کو چاٹ جاتیں تو میرے دل پر اس کی موت کا ذرا بھی اثر نہ ہوتا لیکن وہ جس انداز میں مارا گیا تھا اس پر میں اپنے دل پر بوجھ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

اول خان نے شاید میری آنکھوں میں میرے دل کی تحریر پڑھ لی اور بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں بولا "یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ خس کم جہاں پاک۔ اب تم اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کروگے۔"

"جان دس بجے کے بعد ضرور یہاں آئے گا۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد زبان کھولی "میری رائے ہے کہ تم بھی باہر اپنے آدمی کے پاس چلے جاؤ۔ تم دونوں باہر سے اس کے فرار کی راہیں مسدود کروگے۔ میں اندر چھپ کر اسے پکڑنے کی کوشش کروں گا۔ اسے کسی قیمت پر نہیں نکلنا چاہیے۔"

"ان موذیوں کو زندہ پکڑنے کے بجائے براہِ راست موت کے گھاٹ اتارنا ہی سب سے بہتر رہے گا۔"

"اس وقت تمہارے سر پر خون سوار ہے اس لیے ایسی بات کہہ رہے ہو ورنہ راس المیڈا جیسے سب سے بڑے موذی کو تم نے اپنے اسٹیشن فور پر زندہ رکھا ہوا ہے۔ جان کا زندہ پکڑا جانا ضروری ہے۔"

اول خان خاموش رہا۔ شاید اسے یاد آگیا تھا کہ ویرا اس وقت تک جان کے قبضے میں تھی۔ اس کی صحیح سلامت بازیابی کے لیے جان کی زندہ گرفتاری ناگزیر تھی۔

کمرے کی روشنی گل کرکے ہم دونوں ٹارچ جلا کر باہر نکل آئے۔ اول خان نے اپنا ایرپیس میرے حوالے کردیا۔ اسی فری کوئنسی پر کام کرنے والا دوسرا ایرپیس برڈ کے پاس موجود تھا جس پر ہم آپس میں رابطہ رکھ سکتے تھے۔

کھڑکی پر چڑھتے چڑھتے اول خان کسی خیال کے تحت میری طرف پلٹ پڑا اور بولا "جان دس بجے گھر فون کرے گا۔ تم گھر کے بجائے یہاں موجود ہو۔ تمہاری غیر حاضری اسے مشتعل کرسکتی ہے۔"

"مجھے اس خطرے کا پورا پورا ادراک ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "میں بس توقع ہی کرسکتا ہوں کہ وہ مشتعل ہوکر ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس وقت اس کے لیے ویرا سونے کی چڑیا ہے۔ ویرا کے لیے پندرہ بیس ملین ڈالر ادا کرنے والے اسے زخمی یا معذوری کی حالت میں وصول کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

اول خان کے ذہن میں بات تازہ ہوگئی۔ واقعات کی روانی میں وہ شاید یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا تھا کہ ویرا کے خریدار سامنے آنے کے بعد جان کو راس المیڈا کی رہائی میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ویرا کو اپنے قبضے میں رکھ کر وہ دہری چال چل رہا تھا جس میں اسے سراسر فائدہ ہی فائدہ ہوتا تھا۔

اول خان کھلی ہوئی کھڑکی عبور کرکے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں کود گیا اور میں سگریٹ سلگا کر مکان کے اسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں کورڈلیس فون کا بیس اسٹیشن موجود تھا۔

میں اندھیرے میں کافی دیر تک اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں بیٹھا رہا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہم کامیابی کی راہ پر لگ چکے تھے لیکن ہماری پیش رفت کی رفتار اتنی ست تھی کہ اعصاب پر تناؤ مسلط ہونے لگا تھا۔ اس وقت تک ہمارے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ تھا کہ راس المیڈا کو آزاد کیے بغیر کسی طرح ویرا کو جان کے چنگل سے رہائی دلالیں لیکن سنی نے اپنی موت سے پہلے نیلور بامبے کا انکشاف کرکے نئی الجھن کھڑی کردی تھی۔

خالی بیٹھے بیٹھے میری ذہنی رو اس نئی گتھی میں الجھ گئی۔ یہ درست ہے کہ بظاہر نیلور اور بامبے یا بمبئی دو ایسے اہم ترین مقامات کے نام تھے جہاں غیر معمولی نوعیت کی ایٹمی تنصیبات موجود تھیں۔ ان میں سے پہلا مقام پاکستان میں واقع تھا تو دوسرا بھارت کی سرزمین پر موجود تھا۔ بظاہر ان دونوں میں کوئی ایسا تعلق نہیں تھا جسے راس المیڈا کی دلچسپی سے جوڑا جاسکے۔

ناموں میں ایک ظاہری تعلق کے باوجود مجھے کچھ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ صرف نام نہ ہوں۔ وہ کوئی خفیہ کوڈ بھی ہوسکتا تھا جس سے صرف جان یا راس المیڈا ہی کوئی مطلب اخذ کرسکتا تھا۔

راس المیڈا اور اس کے ساتھیوں کی پاکستان سے ازلی دشمنی کی بنا پر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی تھی کہ اس دو لفظی پیغام میں جو کچھ بھی پوشیدہ تھا' اس کا نیلور سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ جان سے نمٹنے کے بعد اس معاملے میں راس المیڈا سے سختی سے... بازپرس کی جاتی تو کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

بامبے کے لفظ پر غور کرتے کرتے مجھے خیال آیا کہ بمبئی کے انگریزی تلفظ کے علاوہ کوئی مشترکہ لفظ بھی ہوسکتا تھا۔ بامب اور بے کو ملا کر روانی سے ادا کرتے ہوئے بامبے ہی کا مخرج ادا ہوتا تھا۔ بامب یا بومب کا سیدھا سا مطلب بم ہوتا تھا اور بے کسی خلیج' کھاڑی یا سامان کی آمدورفت کے لیے استعمال ہونے والے عمارتی حصے کو کہا جاسکتا تھا۔ اس مفہوم میں وہ نیلور میں کسی بم کی تنصیب کا مبہم سا اشارہ بھی ہوسکتا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ ہر حالت میں ان دو الفاظ کا وہی مفہوم رہا ہو۔

ساگا اپنی بازاری محبوبہ کے ہاتھوں ایک کاری زخم کھانے کے بعد اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے ویرا کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر کسی دل پھینک عاشق کی طرح راس المیڈا کی کمین گاہ کا فون نمبر بھی بتادیا تھا لیکن اس نے اپنے اصل عزائم پر پوری تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی تھی۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوسکا تھا کہ راس المیڈا نے پاکستان کے راستے بڑے پیمانے پر اعلیٰ درجے کی ہیروئن اسمگل کرنے کے لیے اس سے مفاہمت کی تھی اور اسے یہ لالچ دیا تھا کہ کام چل نکلا تو اسے شی کا آئی مین بنادیا جائے گا۔ ساگا نے ویرا پر فریفتگی کا اظہار کرنے کے باوجود اپنی کسی اور سازش کی نشان دہی نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سمت میں اس سے کوئی بازپرس کی جاسکی تھی۔

راس المیڈا' جان' ساگا' سنی اور نیلور بامبے' اندھیرے میں وہی سب میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔

اچانک اول خان کے دیے ہوئے ایرپیس پر کال کا اشارہ آنے لگا۔ میں نے جلدی سے ایرپیس آن کرکے اول خان کا پیغام سنا اور اسے اپنی لائن پر موجودگی کی اطلاع دے دی۔

"میں نے ابھی اپنے آدمی کو بتایا ہے کہ ہمارا حریف کتنی چالاکی سے کورڈلیس فون استعمال کررہا ہے اور اس مکان سے دور ہونے کے باوجود یہاں کا فون استعمال کررہا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"یہ غیر معمولی بات ہے کہ تم نے اپنے ماتحت کو رپورٹ دی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"رپورٹ نہیں' اسے مشورہ کہتے ہیں۔ اپنا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے میں دوسروں کی رائے ضرور لیتا ہوں اور اس سے عام طور پر فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہی کچھ ہوا ہے" اس نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"رک رک کر کیوں بتارہے ہو۔ ایک ہی مرتبہ بات مکمل کر

ڈالو" میں نے اسے ٹوکا۔

"اسے معلوم ہے کہ ہم جان نامی کسی سفید فام کی تلاش میں ہیں۔ اس نے سردار وجاہت اللہ کے مکان تک پہنچنے کے لیے آس پاس کی کئی گلیوں کا چکر لگایا تھا اور یہ بات نوٹ کی تھی کہ اس مکان سے پیچھے کی طرف ملی ہوئی قطار کا دوسرا مکان کسی سفید فام فیملی کے استعمال میں ہے۔ اس نے وہاں سے شہری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ایک سفید فام مرد کے ساتھ ایک عورت اور دو بچوں کو نکلتے دیکھا تھا۔"

"پچھلی قطار کا دوسرا مکان" میں نے پُرخیال لہجے میں دہرایا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ اس مکان کے احاطے کی دیوار کا ایک کونا سردار وجاہت اللہ کے احاطے کی دیوار کے کونے سے ملا ہوا ہے؟"

"شاید میرا یہی مطلب ہے" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز ابھری۔

"کراچی میں امن وامان کے بگڑے ہوئے حالات اور بیشتر علاقوں میں شہری سہولتوں کی ناقص فراہمی کی وجہ سے شہر میں موجود بیشتر غیر ملکیوں کا قیام ڈیفنس ہی کے علاقے میں ہے۔ یہ ایک اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔ ہمیں برڈ کی اس اطلاع پر زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے تمہیں اس مکان سے ملنے والے کونے پر خاص طور سے نظر رکھنی چاہیے۔ اگر جان کو اسی خاندان نے پناہ دی ہوئی ہے تو وہ سڑک کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے دیوار پھاند کر یہاں آنے کو ترجیح دے گا۔ اگر وہ اسی مکان سے آتا ہے تو ہم اسے مار کر بھی ویرا تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"فی الحال میں اسی مشتبہ کونے کی نگرانی کر رہا ہوں" اول خان نے اطلاع دی "دس بجنے میں ابھی کافی دیر باقی ہے۔ میں نے برڈ کو دوبارہ باہر بھیجا ہے تاکہ وہ اس مکان کے بارے میں زیادہ معلومات جمع کرسکے۔"

"یوں کہو کہ اکیلے رہ گئے ہو اس لیے وقت گزاری کے لیے ایرپیس استعمال کر رہے ہو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ تنہائی اور انتظار کے عالم میں وقت گزارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ میں سنی کی لاش سے ہنسی مذاق کر رہا ہوں۔ میں بھی تو اندھیرے میں اکیلا ہوں۔"

"سب کے خواص یکساں نہیں ہوتے۔ کسی کسی کو اندھیرے اور تنہائی میں ہی سکون ملتا ہے۔"

"کسی شہتیر سے الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑ اور اُلّو کے سوا ایسی مخلوق کہیں نہیں پائی جاتی۔"

"اس بارے میں ویرا ہی تم کو کوئی مستند جواب دے سکتی تھی" اول خان میرے لہجے کی تلخی پر ہنس کے بولا "تم جانتے ہو کہ میں تم سے بحث مباحثے سے گریز کرتا ہوں۔"

"تمہارے برڈ کا اصل نام کیا ہے' وہ لوٹ آئے تو بتانا کہ کیا خبر لایا ہے؟"

"اللہ ورایو آئے گا تو میں تم سے رابطہ کروں گا" یہ کہہ کر اول خان نے رابطہ منقطع کردیا۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر خیالات ہجوم کرنے لگے مگر اس بار چند ہی سیکنڈ میں مجھے ایک نئی راہ سوجھ گئی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اندھیرے میں نظر آنے والی سوئیاں دھیرے دھیرے نو بجانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ میرے پاس ایک گھنٹے کا وقت تھا۔ میں نے فیصلہ کن انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جس کمرے میں کورڈلیس فون کی لائن دی گئی تھی' وہ خواب گاہ کی طرز پر ہی بنا ہوا تھا مگر وہاں تزئین و آرائش کا وہ معیار نہیں تھا جو سردار وجاہت اللہ کے گھر کے چپے چپے پر نظر آرہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کمرا مکینوں کی ضروریات سے زیادہ رہا ہو اور گھر میں موجود ہر فاضل چیز ایک قرینے سے اس کمرے میں جمع کردی گئی ہو۔

اس کمرے میں ہلکی روشنی والا کوئی بلب یا ٹیبل لیمپ موجود نہیں تھا۔ میں زیادہ روشنی والے دیوار گیر بلب جلانے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا جب کہ مجھے اپنا کام کرنے کے لیے کچھ دیر تک محدود روشنی کی ضرورت تھی۔ اگر مجھے خواب گاہوں سے کوئی لیمپ نہ ملتا تو وہ ضرورت ٹارچ سے بھی پوری کی جاسکتی تھی۔

میں نے سنی کی لاش والے کمرے میں جانے سے دانستہ گریز کرتے ہوئے ایک پُرتعیش خواب گاہ سے ایسا ٹیبل لیمپ لے لیا جس کی روشنی ضرورت کے مطابق گھٹائی یا بڑھائی جاسکتی تھی۔ اپنے مطلوبہ کمرے میں مناسب روشنی کا بندوبست کرنے کے بعد میں ایک منقش ٹیلی فون انسٹرومنٹ بھی وہیں لے آیا۔ وزنی انسٹرومنٹ پلاسٹک اور مٹی چینی کی بے مثال صناعی کا ایک منہ بولتا شاہکار تھا جسے حلال کی روزی سے خریدنا اور استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔ ایسے نوادرات زیادہ تر ان لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں جو رشوت' اسمگلنگ' ٹیکسوں کی چوری یا پھر فراڈ کے ذریعے بے اندازہ دولت اپنی تجوریوں میں سمیٹ لیتے ہیں۔

ایسا نہیں تھا کہ میں نوادرات کے ہر شوقین کو ان ہی نظروں سے دیکھتا تھا۔ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے گھروں اور دفتروں کو انفرادی شان دینے کے لیے خوشی سے اپنی خون پسینے کی کمائی لٹا دیتے ہیں اور اندر سے آسودہ رہتے ہیں لیکن وہاں بات ٹیلی فون ایرپیس جیسی کثرت سے استعمال ہونے والی چیز کی تھی۔ مٹی چینی پر طلائی اور نقرئی رنگوں سے ابھرے ہوئے نازک نقوش و نگار سے مرصع وزنی ریسیور کسی بھی وقت ہاتھ سے پھسل کر چکنا چور ہوسکتا تھا لیکن اس گھر کے مالک نے وہاں کم از کم دو خواب گاہوں میں ایسے ہی فون رکھے ہوئے تھے۔ سبب یہ تھا کہ ان پر خرچ ہونے والی رقم اس کی اپنی نہیں تھی۔ سردار وجاہت اللہ نے بینکوں سے جو رقم شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کی تھی اس سے وہ انسٹرومنٹ تو کیا' انسٹرومنٹ بنانے والی فیکٹری تک خریدی جاسکتی تھی۔

اپنی تیاری کرنے کے بعد میں نے آخری بار اپنے منصوبے پر غور کیا۔ میرا ہر فیصلہ اپنی جگہ پر درست معلوم ہو رہا تھا۔ گڑبڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ برقی سوئچ بند کردیا جو پلگ کے ذریعے کورڈلیس فون کو برقی رو فراہم کر رہا تھا۔ بجلی بند ہوتے ہی انسٹرومنٹ پر چمکتا ہوا چھوٹا سا سرخ نقطہ تاریک ہوگیا۔

برقی رو منقطع ہونے تک مجھے پورا یقین تھا کہ سوئچ بند ہوتے ہی جان کے پاس موجود کورڈلیس فون ناکارہ ہوچکا ہوگا مگر اس مرحلے پر میں تذبذب کا شکار ہوگیا۔ میں نے کبھی عملی طور پر اس قسم کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ میں نے مزید کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے وہاں موجود بیس اسٹیشن سے ٹیلی فون لائن کے تار الگ کردیے اور جان کو اس فون کے استعمال کی سہولت سے محروم کردیا۔

میرا مفروضہ یہ تھا کہ جان اپنے پاس موجود کورڈلیس فون کو بے جان پاکر اسے ٹیلی فون لائن کی معمول کی خرابی سمجھے گا اور جب تک وہ لائن بحال نہیں ہوگی تو کسی دوسرے فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہمارے فلیٹ کے فون پر اول خان نے آبزرویشن لگوایا ہوا تھا۔ جان جو بھی متبادل نمبر استعمال کرتا' وہ ریکارڈ کرلیا جاتا اور اگر بعد میں کسی مرحلے پر جان کو پناہ دینے والوں کے خلاف کارروائی کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ آبزرویشن ریکارڈ ان کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔

جان کا پتا کاٹ دینے کے بعد میں نے تیزی کے ساتھ منقش انسٹرومنٹ کو اس لائن سے جوڑ دیا۔ اس طرح مجھے بیٹھے ہی بیٹھے رابطے کی وہ سہولت میسر آگئی جس پر پہلے جان قابض تھا۔ ریسیور پر ٹون سن کر میں نے فوراً فلیٹ کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے غزالہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے خشک اور روکھے لہجے میں ہیلو کہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت بیزاری کی حالت میں بیٹھی ہوئی ہو" میں نے شوخی سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ گھنٹوں گزارنے کے بعد آپ کو گھر کا خیال تو آیا" ایک گہرے سانس کے ساتھ غزالہ کی آواز میں زندگی کی حرارت عود کر آئی "اس وقت کہاں سے بول رہے ہیں آپ؟"

"کنگال کروڑپتی کے گھر میں بیٹھا انتظار کی گھڑیاں گن رہا ہوں۔"

"کنگال کروڑپتی؟" غزالہ کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ اصطلاح میں پہلی بار سن رہی ہوں۔ کنگال کو کروڑپتی نہیں کہا جاسکتا اور کروڑپتی کو کنگال سمجھنا حماقت ہوگا۔ آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟"

"یہ وہی ذاتِ شریف ہے جس کے فون پر جان ہم سے بات کرتا رہا ہے۔ وہ بینکوں سے بیالیس کروڑ روپے کے قرضے لے کر ملک سے فرار ہوگیا ہے۔ اس کا مکان ویران پڑا ہوا ہے مگر فون پر جان قابض تھا۔ یہ....."

"شاید آپ اسی فون سے بات کر رہے ہیں" غزالہ نے میری بات کاٹ کے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن اس بارے میں فکرمندی کی بات نہیں ہے...." اس بار بھی غزالہ کی مداخلت کی وجہ سے میری بات ادھوری رہ گئی اور میں پیر پٹخ کر چھت کو گھورنے لگا۔

غزالہ کہہ رہی تھی "ہوسکتا ہے کہ اس نے باہر سے تار جوڑ کر کہیں لائن لے لی ہو۔ ایسی صورت میں وہ آپ کی ہر بات سن سکتا ہے۔ آپ اس کے لیے جال بچھا رہے تھے اور اس نے آپ کے لیے پنجرہ تیار کیا ہوا ہے۔"

"یہاں چکر ہی کچھ اور تھا۔ یہ باتیں واپسی پر بتاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔ وہ ہماری گفتگو نہیں سن سکتا۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور پھر وہ تو راس المیڈا جیسے مکار آدمی کا ساتھی ہے۔"

"یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت میں نے سبق لینے کے لیے تم کو فون نہیں کیا ہے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق جان دس بجے ہمیں فون کرے گا۔ تمہیں ہوشیاری سے اسے سنبھالنا ہوگا۔"

"پون گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت باقی ہے۔ آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا" اس نے برا مانے بغیر شائستگی سے کہا "مجھے سمجھا دیں کہ اس سے کیا بات کرنی ہے۔"

"دس بجے اسے یہ بتانا تھا کہ میں ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کے لیے تیار ہوں یا نہیں۔ تم رسانیت سے اسے بتا دینا کہ میں کسی کی ناگہانی وفات کی وجہ سے اچانک مصروف ہوگیا ہوں۔ وہ کل صبح مجھ سے بات کرلے۔"

"میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ اگر وہ فیصلہ جاننے پر اڑا رہے تو میں کیا کروں؟"

"تم کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔ اپنی طرف سے نرمی برقرار رکھنا۔ وہ بھڑکنے نہ پائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہوسکا تو میں اس سے آپ کی غیر حاضری کا کوئی اور بہانہ کردوں گی۔ کسی کی موت کا عذر پیش کرنے میں ذرا بدشگونی محسوس ہوتی ہے۔ یہ بات آپ میری مرضی پر چھوڑ دیں۔"

"تم نے ثابت کردیا کہ اول اور آخر' تم ایک عورت ہی ہو۔ مشرقی لڑکی کتنی ہی پڑھ لکھ کر روشن خیال ہو جائے' شگون اور بدشگونی جیسے اوہام سے کبھی بھی چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتی۔"

"جب جھوٹ ہی بولنا ٹھہرا تو کیوں نہ کوئی خوش گوار جھوٹ بولا جائے۔"

"یہ جھوٹ نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اول خان کا سرور نامی ایک آدمی قتل کیا جاچکا ہے اور تھوڑی دیر پہلے اول خان نے اسی مکان میں سنی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے؟"

"ارے، سنی وہاں کہاں سے آگیا؟" ریسیور پر غزالہ کی تحیر زدہ آواز گونجی۔

"یوں سمجھ لو کہ اجل کے بے رحم ہاتھوں نے پچھلی رات ہی اسے دھکیل کر اس کے مقتل میں پہنچادیا تھا اور وہ یہاں یکہ و تنہا چھپا ہوا اپنے برے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تمہیں بدشگونی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ سلطان شاہ بھی آپ سے کچھ بات کرنی چاہ رہا ہے" غزالہ نے کہا اور میرا انکار سنے بغیر اپنا ریسیور سلطان شاہ کے حوالے کردیا جو شاید اس کے قریب ہی موجود تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی لمبے چکر میں پھنس گئے ہو۔ ضرورت ہو تو میں بھی آجاؤں۔"

میں نے خاموش رہ کر سلطان شاہ کی پوری بات سنی پھر کہا "تم گھر پر ہی رہو۔ میں زیادہ دیر تک بات نہیں کرسکتا۔ غزالہ تمہیں بریف کردے گی۔ میری واپسی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔ آؤں گا تو تفصیل بتادوں گا۔"

میں نے اپنی بات مکمل کرتے ہی کریڈل دبا کر فون بند کردیا اور ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔

بے کاری اور انتظار کے لمحات گزارنے کے لیے وہاں صرف سگریٹ ہی میسر تھی۔ میں نے نئی سگریٹ سلگا کر دو گہرے کش لیے تو مجھے ہلکی سی بھوک کا احساس ہوا اور میں نے آرام کرسی چھوڑ دی۔

گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ وہاں رہنے والے عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں ہر چیز کو اس کی اصل حالت میں چھوڑ کر بھاگے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں نظر آنے والی نام نہاد خوش حالی کے اثرات باورچی خانے میں بھی موجود ہوں گے۔ وہاں خشک اور خراب نہ ہونے والی ایسی چیزیں مل سکتی تھیں جن سے آتشِ شکم سرد کی جاسکے۔

باورچی خانے تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہاں سب سے پہلے میری نظر ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر پر پڑی۔ غذائی ساز و سامان کو لمبی مدت تک محفوظ رکھنے والی وہ دونوں مشینیں چل رہی تھیں۔ میں نے بڑے فرج کا دروازہ کھولا تو میری طبیعت خوش ہوگئی کیونکہ وہ دروازہ کھلتے ہی ویران باورچی خانے کی سیلن زدہ فضا میں اچانک کئی اشتہا انگیز خوشبوئیں تیر گئی تھی۔ مکھن، پنیر، جام جیلی اور جوسز کے پیکٹوں کے ساتھ مخصوص خانوں میں گھر کی بنی ہوئی کئی اشیا بھی موجود تھیں جن میں شامی کبابوں کی ٹرے سب سے ممتاز تھی۔ بغیر تلے ہوئے وہ شامی کباب اسی طرح بھی کھائے جاسکتے تھے۔ شاید سنی نے بھی پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اشیائے خورونوش کے اسی ذخیرے سے استفادہ کیا تھا۔

میرے لیے ریفریجریٹر اتنا زرخیز ثابت ہوا تھا کہ مجھے کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ میں پورے انہماک سے اپنی شکم پری میں مصروف تھا کہ ایرپیس ایک مرتبہ پھر جاگ اٹھا۔

"اللہ ورایو لوٹ آیا ہے" اول خان کہہ رہا تھا "اور دلچسپ خبریں لایا ہے۔"

"بتاؤ، بتاؤ۔ میں سن رہا ہوں" میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم کیا کھا رہے ہو؟" میری آواز نے اول خان کو چونکا دیا تھا۔

"باورچی خانے پر چھاپا مار کر گزارہ کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ چاہو تو کھڑکی سے کچھ چیزیں تمہیں بھی پہنچا سکتا ہوں۔"

"حاجت نہیں ہے لیکن کچھ دے ہی دو۔ وقت آسانی سے گزر جائے گا۔ پچھلے مکان میں رہنے والا جوڑا امریکن ہے۔ میاں بیوی مقامی قونصل خانے میں ملازم ہیں۔ وہ جس ٹھاٹ سے رہتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اچھے عہدوں پر فائز ہیں لیکن شناخت سے بچنے کے لیے سفارتی نمبر پلیٹ والی گاڑی استعمال نہیں کرتے۔ ان کے دونوں بچے کراچی کے امریکن اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اللہ ورایو نے کام کے لوگوں کو تاکا ہے۔ یہی گھر جان کا ٹھکانا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہمارے کام بہت سست رفتار سے سیدھے ہورہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راس المیڈا کا قصہ مزید طول پکڑے گا مگر دیر [illegible] آج رات آزاد ہوجانا چاہیے۔ اگر تمہارا اندازہ درست ہے تو جان کو آسانی سے ہماری گرفت میں آجانا چاہیے۔ وہ یقینی طور پر دیوار کود کر ادھر آئے گا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتادوں کہ میں خالی نہیں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے جان کا فون کاٹ کر میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ہوشیار کردیا ہے۔"

وہ ایک بہت آسان اور سادہ سی کارروائی تھی جو اول خان کو حیران کرگئی۔ زندگی میں ہر موڑ پر انسان کے سامنے بہتیری ایسی باتیں آتی ہیں جن پر ذرا بھی غور کرلیا جائے تو بہت سے دور رس اور سودمند نتائج سامنے آسکتے ہیں لیکن ہوتا یوں ہے کہ زندگی کی دوڑ میں کسی کو ان باتوں پر غور کرنے کا دھیان نہیں آتا۔ نتائج یا حادثات سامنے آنے کے بعد آدمی ماضی کو کھنگالتا ہے تو ان حوالوں سے اسے پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ وہ معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ اول خان نے جان کو فون کا مالک و مختار تصور کرکے سوچ کے دروازے بند کرلیے تھے اور میری کارروائی کے بعد پچھتا رہا تھا کہ اتنی معمولی سی اور سامنے کی بات اس کے ذہن میں کیوں نہ آسکی تھی۔

ہماری باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران میں، میں نے ایک چھوٹی ٹرے میں اول خان کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں یکجا کیں اور پھر ٹارچ کی روشنی میں انہیں اسی کھڑکی کی طرف لے چلا جو آمدورفت کے لیے استعمال ہورہی تھی۔ کھڑکی تک پہنچنے سے پہلے میں نے ٹارچ بجھادی۔ ویرا کے لائٹر سے لمحہ بھر کے لیے ہونے والی روشنی کے بدترین تجربے کے بعد میں روشنی کے استعمال میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہوگیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم تو پوری دعوت کا سامان سمیٹ لائے" اول خان نے ٹرے دیکھتے ہی کہا "بس چند چیزیں دے دو۔ باقی سامان ہم کہاں سنبھالتے پھریں گے۔"

"یہ سردار کا چھوڑا ہوا مالِ غنیمت ہے۔ اسے سنبھالنے کی کیا ضرورت ہے، جو بچ جائے اسے برتنوں سمیت کہیں بھی چھوڑ دینا۔ کڑے مقابلے کے وقت پیٹ خالی ہو تو دباؤ میں آتے ہی آدمی کی عقل معدے میں اتر جاتی ہے اور وہ پے در پے حماقتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ جان کے آنے میں ابھی کافی وقت ہے۔ اس وقت تک برتن خالی ہوجائیں گے۔"

اول خان ٹرے لے کر ایک طرف چل دیا۔ میں چند ثانیوں تک وہیں کھڑا رہا اور پھر اس بند دروازے کی طرف چل دیا جس کے باہر جمے ہوئے گرد و غبار پر جوتوں کے نشانات پائے گئے تھے۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا پھر سوئیاں دس بجے کا ہندسہ بھی عبور کرگئیں۔ مجھے وقت کی رفتار مزید سست پڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں نے کرسی چھوڑ کر بے چینی سے کشادہ گزرگاہ میں ٹہلنا شروع کردیا۔

پھر اچانک ہی سناٹے میں فون کی گھنٹی کی آواز آسیبی چیخ کی طرح گونج اٹھی۔ میں یوں چونکا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ غیرارادی طور پر میں سرعت سے فون والے کمرے کی طرف لپکا لیکن دو قدم بڑھنے کے بعد ہی میری رفتار سست پڑگئی۔

فون کی گھنٹی پر بے اختیار لپکتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ غزالہ نے جان سے بات کرنے کے بعد مجھے تفصیلات سے باخبر کرنے کے لیے فون کیا ہوگا مگر فوراً ہی میں نے وہ احمقانہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ میں نے غزالہ کو اس فون کا نمبر نہیں دیا تھا۔ سچ بات یہ ہے کہ اس وقت تک خود مجھے بھی وہ فون نمبر معلوم نہیں تھا۔ اول خان کی لائی ہوئی آبزرویشن رپورٹ میں وہ نمبر درج رہا ہوگا مگر میں نے اول خان کی زبانی تفصیل سننے کے بعد اس رپورٹ پر نظر ڈالنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ فون نمبر سے ہر ایک کی مکمل لاعلمی میں اسے کوئی دوستانہ فون کال سمجھنا حماقت سے کم نہ ہوتا۔

وقفے وقفے سے گھنٹی بجتی رہی۔ میں معمول کے انداز میں اس طرف بڑھتا رہا۔ اس وقت میرے ذہن میں کئی امکانات ابھر رہے تھے۔ وہ جان کے لیے اس کے کسی معتمد ساتھی کا فون ہوسکتا تھا۔ ایسی صورت میں چالاکی سے گفتگو کرکے جان کے کسی نہ کسی سربستہ راز تک رسائی حاصل کی جاسکتی تھی پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کال خود جان کی رہی ہو۔ اس وقت دس بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ جان نے دس بجے مجھ سے رابطہ کرنے کے لیے کورڈلیس فون اٹھایا ہو اور اسے بے جان پاکر کسی شبے کا شکار ہوگیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ فون کی خرابی کی تصدیق کے لیے اپنی کمین گاہ کے کسی اور فون سے اس نمبر پر رابطہ کرسکتا تھا۔ اگر میں غلطی سے وہ فون اٹھالیتا تو جان چوکنا ہوجاتا۔ اسے معلوم ہوجاتا کہ سنی کے پیچھے کوئی اور بھی سردار وجاہت اللہ کے مکان میں داخل ہوچکا ہے۔ خطرہ بھانپ کر وہ ادھر کا رخ کرنے کا ارادہ منسوخ کردیتا اور ہم اندھیرے میں سوکھتے رہ جاتے۔

پانچ گھنٹیوں کے بعد فون کی آواز معدوم ہوگئی۔ دوبارہ سناٹا ہوتے ہی مجھے سکون کا احساس ہوا۔

"باہر فون کی گھنٹی کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ میرا وہم تو نہیں ہے؟" ایرپیس پر اول خان کی آواز ابھری۔ اس وقت میں نے اپنا ایرپیس آن ہی رکھا ہوا تھا۔

"پانچ گھنٹیوں کے بعد لائن کٹ گئی؟" میں نے اسے بتایا۔

"دیکھنا ہوگا کہ اب کیا ہوتا ہے؟"

"تمہیں بات تو کرنی چاہیے تھی۔۔۔ تم فون سے کیوں ڈر رہے ہو؟"

"اگر دوسری طرف سے جان ہی لائن چیک کرنے کے لیے فون کررہا ہو تو کیا ہوگا؟"

"ہاں، یہ بھی ہوسکتا ہے" میرے سوال پر وہ گڑبڑا گیا "ویسے بھی یہ مکان مہینوں سے ویران پڑا ہوا ہے۔ سردار وجاہت اللہ کے سارے ہی دوستوں اور رشتے داروں کو معلوم ہوچکا ہوگا کہ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"غزالہ اور۔۔۔" میں چونک کر خاموش ہوگیا۔ ایرپیس کے بٹن پر سے میری انگلی خود بخود ہٹ گئی کیونکہ مختصر سے وقفے کے بعد فون کی تیز گھنٹی دوبارہ بج اٹھی تھی۔ اگر وہ آواز براہِ راست اول خان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی تو خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے اس کی آواز کم کردینے کا فیصلہ کرلیا۔ دھیما کردیا کہ صرف بزر کی ہلکی سی بھنبھناہٹ باقی رہ گئی۔ اس بار جو کوئی بھی لائن پر تھا، بہت ڈھیٹ اور مستقل مزاج تھا۔ مسلسل گھنٹیاں بجنے کے باوجود سلسلہ منقطع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"شاید تم نے گھنٹی کی آواز گھٹادی ہے" دوسری طرف سے اول خان نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ مگر گھنٹیاں بجنے کی بھنبھناہٹ مسلسل آرہی ہے۔ کوئی لائن سے چپک کر رہ گیا ہے۔"

"تم اپنے گرد و پیش پر گہری نظر رکھو۔ میری چھٹی حس کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان کی آواز پُرجوش ہوگئی۔

"پچھلی قطار کے مشتبہ مکان کے احاطے میں ابھی ابھی روشنیاں گل کی گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جان فون کو انگیج رکھ کر ادھر کودنے کی تیاری کررہا ہو۔"

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "اس طرح وہ فون چیک کرنے کے ساتھ ساتھ سنی سے ملاقات کا فیصلہ بھی کرسکتا ہے" اس سے بات کرتے ہوئے میں نے کمرے میں روشن ٹیبل لیمپ بند کردیا۔

کمرے کی تاریک اور بند فضا میں بزر کی موہوم سی آواز وقفے وقفے سے ابھر رہی تھی۔ میں وہاں سے نکل کر دوبارہ اسی دروازے کی طرف چل دیا جو کسی کے زیرِ استعمال رہ چکا تھا۔

میں راستے میں ہی تھا کہ ائرپیس پر اول خان کی دبی دبی سرگوشیانہ آواز ابھری "اس کونے پر کسی کا سر ابھرا تھا پھر اس نے پوری طرح اوپر چڑھے بغیر جھک کر قلابازی کھائی اور دیوار پر سے ہماری طرف کود گیا۔ میں اندھیرے میں اسے دیکھنے کی پوری کوشش کررہا ہوں۔ اللہ ورایو اس وقت اگلے حصے میں ہے۔"

"باہر اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اسے بلا روک ٹوک اندر آنے دو۔ میں دروازے کے پیچھے موجود ہوں۔ آتے ہی اس کی گردن ناپ لوں گا۔ غنیمت ہے کہ اب ہاتھ پیر ہلانے کا موقع قریب آرہا ہے۔"

"میں نے اسے دیکھ لیا ہے" تھوڑے سے وقفے کے بعد اول خان کی آواز پھر ابھری۔ "وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں کوئی ہلکا ہتھیار ہے اور بائیں ہاتھ سے اس نے نے اس کی آواز کم کردینے کا فیصلہ کرلیا۔

"تم خاموش کیوں ہوگئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ گھنٹی پھر بج رہی ہے؟" قدرے توقف کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"ہاں.....میں اس کی گھنٹی کی آواز کم کرنے جارہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اسے بند ہی کردوں۔"

چوتھی گھنٹی پر میں وہاں پہنچ گیا۔ میرے لیے اس فون کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ میں نے جان کی لائن کاٹ کر اپنا مقصد حاصل کرلیا تھا۔ میں نے ناب گھما کر گھنٹی کی آواز کو کم کرتے کرتے اتنا اپنی آنکھوں پر دوربین جمائی ہوئی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے وہ ہر طرف کا جائزہ لے رہا ہے۔"

"تم نیچے لیٹ کر زمین سے چپک جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ انفراریڈ دوربین ہو۔ اسے اندھیرے میں بھی ہر چیز روزِ روشن کی طرح واضح نظر آرہی ہوگی۔ اس نے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو بھاگ جائے گا۔"

"فکر مت کرو۔ میں پیشہ ور کمانڈو رہ چکا ہوں۔ میں نے پہلے ہی زمین پکڑلی تھی۔"

جان کا وہ صبر آزما جائزہ میرے لیے تکلیف دہ حد تک طویل ہوگیا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خطرات یا تحفظات کلبلا رہے تھے کہ وہ عمارت کی طرف بڑھنے میں پس وپیش کررہا تھا۔

آخر کار اول خان نے اس کی پیش قدمی کی خبر دی اور میں نے کسی سے حاصل کیا ہوا ریوالور اپنی جیب میں ڈال کر بیم گن سنبھال لی۔ ویرا کی زندگی بچانے کے لیے ہمیں شور شرابے سے ہر صورت میں گریز کرنا تھا۔ یہ میرا عمر بھر کا تجربہ تھا کہ کسی حریف کی زندگی کے خاتمے کے لیے بیم گن سے.زیادہ بے آواز اور مہلک ہتھیار کوئی اور نہیں تھا۔

اول خان نے بہت دھیمی آواز میں آخری اطلاع دی کہ جان نے دوربین مستقل طور پر اپنے گلے میں لٹکائی ہوئی تھی اور پوزیشن بدلتے ہوئے وہ ہر چند قدم کے بعد گرد وپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ پیغام دینے کے بعد اول خان نے ائرپیس بند کردیا تاکہ اس پر ابھرنے والا کوئی ناگہانی ریڈیائی شور جان کو چوکنا نہ کردے۔

آخر فیصلہ کن لمحات آہی گئے۔ جان بے آواز قدموں سے چلتا ہوا دروازے تک پہنچا تھا لیکن میں نے اس کے چابی گھمانے سے پہلے ہی دروازے کے پیچھے اس کی موجودگی محسوس کرلی تھی۔

دروازہ کھلا اور تاریکی میں بھاری جسم والا ایک متوسط انسانی ہیولا اندر رینگ آیا۔ اندر آکر وہ دروازہ بند کرنے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ میں پیچھے سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اپنے لمبے قد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت آسانی سے اس کی موٹی گردن اپنے بائیں بازو اور کلائی میں جکڑلی تھی۔ اس کے منہ سے خوف زدہ چیخ کے بجائے ایک غضب ناک غراہٹ بلند ہوئی اور اس نے میری گرفت سے نکلنے کے لیے زور آزمائی شروع کردی۔ میں نے فوراً ہی داہنے ہاتھ میں موجود بیم گن کی پتلی سی آہنی نال سے اس کی کھوپڑی پر ضربات لگانی شروع کردیں۔ میری اس کارروائی نے اسے حواس باختہ کردیا اور وہ انگریزی میں گالیاں بکنے پر اتر آیا۔

اس وقت تک وہاں پیدا ہونے والی آوازیں اول خان تک پہنچ چکی تھیں۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور پھر کھلے ہوئے دروازے سے باہر رک کر گورے کی بے بسی کا تماشا دیکھنے لگا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے ہماری لڑائی میں بلا ضرورت دخل انداز ہونے کی حماقت نہیں کی تھی۔

اسے اچھی طرح رگیدنے کے بعد میں نے اچانک ہی آزاد کرکے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے گیا اور میں نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کے سر اور چہرے پر مکّوں سے تابڑ توڑ حملہ کردیا۔ اس سے پہلے میں نے بیم گن پھرتی سے اول خان کی طرف اچھال دی تھی۔

وہ بھی خاصا مضبوط اور ڈھیٹ حریف ثابت ہوا۔ اپنی مدافعت کرتے ہوئے اس نے میرے جسم کے متعدد حصوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ اس لڑائی میں اس کا پستول پہلے ہی اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بعد میں اسٹریپ ٹوٹنے کی وجہ سے دوربین بھی گرگئی۔ وہ لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑنے کے باوجود میرے مقابلے پر ڈٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے سانس بری طرح پھول چکے تھے۔ ایک بار وہ جیسے ہی میرے پیٹ میں ٹکر رسید کرنے کے ارادے سے نیچے جھکا، مجھے اس کی بائیں کنپٹی پر پوری قوت سے مُکّا رسید کرنے کا موقع مل گیا۔ میرا وہ وار فیصلہ کن ثابت ہوا۔ جان بری طرح ڈکراتا ہوا راہداری کے فرش

پر ڈھیر ہوگیا۔

میں اسے معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تاریکی میں مجھے دوبارہ اپنے سر پر سوار پاتے ہی وہ گڑگڑانے لگا "بند کرو۔ اب مجھ میں زیادہ مار کھانے کی سکت نہیں رہی ہے۔ تم کون ہو اور یہاں کیا کررہے ہو؟"

لڑائی کا فیصلہ ہوتے ہی اول خان اندر رینگ آیا۔ اس کا ساتھی بھی وہاں آچکا تھا مگر وہ باہر ہی رکا رہا۔ اول خان نے میری جیب سے ٹارچ نکال کر اس کی روشنی جان کے ادھڑے ہوئے چہرے پر ڈالی اور نفرت سے کہا "راس المیڈا کے بعد تمہارا وقت بھی پورا ہوچکا ہے۔ یہ بتاؤ کہ ویرا کہاں ہے۔"

"میں کسی راس المیڈا یا ویرا کو نہیں جانتا۔ تم لوگ میرے ساتھ غنڈا گردی کررہے ہو" اس نے بوکھلا کر تیزی سے کہا۔

"ساگا کے جس آدمی کو تم نے کل یہاں بلایا تھا، وہ اب اپنے کفن دفن کا منتظر ہے۔ تمہارا کھیل ختم ہوچکا ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا "پچھلی رات تم ویرا کو اغوا کرکے نکل آنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ اٹھو اور اندر چلو ورنہ معذور کردیے جاؤ گے۔"

"اوہ!" اس کی اذیت میں ڈوبی ہوئی تحیر زدہ آواز ابھری "اس کا مطلب ہے کہ تم ڈینی کے گرگے ہو" یہ کہہ کر وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میری بے رحمانہ مار نے اسے حواس باختہ کیا ہوا تھا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے" وہ آگے بڑھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ اس کا لہجہ متاسفانہ تھا "مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ فون کی خرابی خطرے کی علامت ہے۔ کاش میں نے ساگا کے آدمی کے سوا کچھ اور بھی سوچا ہوتا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سب کچھ تباہ کرلیا۔ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے۔"

اول خان میرے پیچھے آرہا تھا۔ شاید اس نے جان کے گلے سے گرنے والی دوربین اٹھالی تھی اور اس کا جائزہ بھی لے ڈالا تھا۔ اس کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ تو واقعی انفراریڈ دوربین ہے۔ اس کا پستول بھی منفرد ساخت کا معلوم ہوتا ہے۔"

میں جان کو اسی کمرے میں لے گیا جہاں کورڈلیس فون کا بنیادی حصہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی منقش فون کا بزر بھنبھناتا رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر ٹیبل لیمپ روشن کردیا۔

وہ مکان جان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس نے خوف سے پھیلی ہوئی نگاہوں سے ادھورے کورڈلیس فون کو دیکھا اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ یہ اچھی بات تھی کہ اسے اپنی شکست کا احساس ہوچکا تھا۔

"تم یہاں کا فون ملا کر آئے تھے۔ لائن پر دوسری طرف کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

میرے اس انکشاف پر وہ چونک پڑا۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ لائن سے دوسرا فون منسلک کیا جاچکا تھا۔ میں نے منقش فون کی ناب کو آہستگی سے چھیڑا اور کمرے میں گھنٹی کی ہلکی سی آواز گونج اٹھی۔

"بات کرکے دیکھ لو۔ معلوم ہوجائے گا کہ دوسری طرف کون ہے؟" اس نے کسی خیال کے تحت اچانک کہا۔

"تم سؤر کے بچے ہو" میں نے بھنا کر کہا اور ریسیور قدرے اٹھا کر دوبارہ کریڈل پر ڈال دیا اور اس کی طرف مڑ کر پوچھا "ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت تم کہاں سے آئے ہو مگر پھر بھی ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ویرا کہاں ہے؟"

"تمہاری اس وقت کی کامیابی نے راس المیڈا کی زندگی پر خطِ تنسیخ پھیرا ہے۔ ابھی میرا آخری کارڈ باقی ہے۔ تم نے مجھے بہت مارلیا۔ اب لوٹ جانے دو، ویرا کو آزادی مل جائے گی" یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اس نے اپنی مایوسی پر بہت تیزی سے قابو پالیا ہو۔

"راس المیڈا کو بھول کر اب صرف اپنی بات کرو ورنہ تمہاری دونوں ٹانگوں کو چیر کر رکھ دیا جائے گا" میں نے سفاکانہ آواز میں کہا "ہمیں تبادل تجاویز نہیں، اپنے سوالات کے جواب درکار ہیں۔"

"میں اس کی نقل وحرکت سے بے خبر ہوں۔ اسے اپنے ساتھ لیے پھرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو پہلے ہی اس کی بولی لگا چکے تھے....."

میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے ایک ہی تھپڑ نے اسے زمین پر گرادیا۔

"کتیا کے بچے! مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ آج صبح تک تم اس سے میری بات کراتے رہے ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا۔ "بارہ بجے تک وہ میری تحویل میں تھی۔ اب میری شرائط بدل چکی ہیں۔ اگر انہیں ویرا کے بدلے راس المیڈا مل جائے تو وہ زیادہ خوش ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں مجھے میرا پورا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔"

اس کے انکشاف پر میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا آگیا۔ اگر وہ سچ بول رہا تھا تو معاملات بہت زیادہ الجھ چکے تھے۔ میں نے پوچھا۔ "اگر یہ درست ہے تو پھر تم اپنی رہائی کے بدلے ویرا کو کیسے آزاد کرالو گے؟"

"میں اپنے کارڈز کھیلنا جانتا ہوں۔ انہیں اصل معاملے کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ میں یہ بتاؤں گا کہ راس المیڈا کو لانے سے پہلے ویرا کو لے جانا ضروری ہے۔"

"بعد میں انہیں اس فریب کا علم ہوگا تو کیا تم ان سے بچ سکو گے؟"

"وہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت تم سے سودے بازی زیادہ اہم ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ڈینی مجھے ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہیں

چھوڑے گا۔ ویرا کے خریدار میرے دشمن ہو جائیں گے تو میں بہت دور نکل چکا ہوں گا۔ یہ دنیا بہت وسیع اور رحم دل ہے۔ جب دوسری جنگِ عظیم کے نازی مجرم روپوش رہ کر اپنی پوری پوری عمریں گزار گئے تو مجھے کون پکڑے گا؟ اس وقت پیسے سے زیادہ اہمیت میری زندگی کی ہے۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس کی کس بات پر اعتبار کیا جائے" اول خان نے اردو میں اپنی الجھن کا اظہار کرتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"کہیں نہ کہیں یہ پکڑا جائے گا" اول خان کو اردو میں جواب دے کر میں دوبارہ جان کی طرف متوجہ ہو گیا "ویرا کی خریداری میں صرف امریکن ہی دلچسپی لے سکتے ہیں۔ وہ یقیناً سفارتی درجہ رکھتے ہوں گے۔"

"میرا یہی اندازہ ہے" اس نے روا روی میں جواب دیا اور میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

"اس وقت تم خود ایک سفارت کار جوڑے کی پناہ میں ہو اور پھر بھی اتنے بے خبر ہو۔"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ قلیل سے وقت میں ہم نے اس کے بارے میں اتنی معلومات جمع کر لی ہوں گی۔ اس نے کمزور لہجے میں کہا "وہ امریکن ضرور ہیں لیکن مجھے یہ علم نہیں ہے کہ وہ یہاں کس قسم کی سفارتی ذمے داریاں انجام دے رہے ہیں۔"

"تم جھوٹے ہو" اول خان بے ساختہ بول پڑا "تم خود بھی پچھلے سات ماہ سے پاکستان میں مقیم ہو اور اپنے سفارتی عملے کی مالی امداد سے اپنے اخراجات پورے کر رہے ہو۔ تم اتنے بے خبر نہیں ہو سکتے۔"

"اس وقت تمہیں بالادستی حاصل ہے۔ تم جو الزام چاہو میرے اوپر عائد کر سکتے ہو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم ویرا کی بازیابی کے خواہاں ہو اور میں مزید کچھ عرصے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ دونوں مسائل کا حل ہماری مفاہمت میں ہے۔ راس المیڈا کو تم اپنا خالص منافع سمجھ سکتے ہو۔ ڈینی سامنے ہوتا تو وہ میری ان باتوں کو آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ تم اسے یہاں کیوں نہیں بلا لیتے؟"

"چیرا لگاؤ سالے کو" میں نے برہم ہو کر اول خان سے کہا پھر ہم دونوں نے سرعت سے اسے نیچے گرا کے مضبوطی سے اس کا ایک ایک پیر پکڑ لیا۔ وہ خاصا جان دار شخص تھا لیکن جب ہم نے اس کے دونوں پیر دھیمے دھیمے مخالف سمت میں کھینچنے شروع کیے تو اذیت سے اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

وہ ہماری اس حرکت کو شاید پوری طرح نہیں سمجھ پایا تھا اس لیے مختلف حیلوں بہانوں سے ہماری منت سماجت کرتا رہا لیکن جب ایک خفیف سے جھٹکے سے اس کی ٹانگیں مزید کشادہ ہوئیں تو وہ تکلیف سے بلبلا اٹھا۔ اس کی پھٹی ہوئی جلد سے تازہ خون کی دھاریں بہہ کر اس کے وسطی دھڑ کے قریب قالین کو سرخ کرنے لگیں۔

"تم درندے ہو.... اف میرے خدا۔ میں مر جاؤں گا۔" وہ اپنا سر پٹختے ہوئے کرب و بے بسی سے کراہا۔

"یہ تھرڈ ڈگری کا دیسی طریقہ ہے" میں نے سپاٹ آواز میں اسے آگاہ کیا "ہم اسی طرح تمہارے جسم کو شانوں تک دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ویرا کہاں ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں.... اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا" وہ اذیت سے بری طرح تڑپ رہا تھا۔

اس کی دونوں ٹانگوں پر ہمارا کھنچاؤ برقرار تھا۔ اس کے تڑپتے ہوئے جسم کا ہر جھٹکا اس کی ٹانگوں کو مزید کشادہ کر رہا تھا۔ اسے خود بھی اندازہ ہو گیا کہ اس کے اوپری دھڑ کی ہر جنبش اسے مزید لہولہان کیے دے رہی ہے تو اس نے بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے بدن کو ساکت کر لیا مگر اپنی بات پر اڑا رہا۔

اچانک فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک زور کا جھٹکا دے کر جان کی ٹانگیں چھوڑ دیں۔ اس بار اس کی بے ساختہ چیخ بہت اونچی تھی۔

اس کے مددگار کا وہ دوسرا فون ظاہر کر رہا تھا کہ وہ جان کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہو چکا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اسے وقت مل جاتا تو وہ جان کو درپیش خطرے کا ادراک کرتے ہوئے ویرا کو واقعی کہیں اور منتقل کر دیتا۔ اس خطرے کا سدباب کرنے کے لیے فوری کارروائی ناگزیر ہو چکی تھی۔

معاملات اتنے الجھ گئے تھے کہ جان سے نیلوربا ہیے کے بارے میں کچھ پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اسے وہیں بے ہوش کر کے باندھ دیا جائے۔ ویرا کی ابتدائی تلاش کے مرحلے سے نمٹ کر اس سے دوبارہ باز پرس شروع کی جا سکتی تھی۔

"تم ڈوریاں لاؤ" میں نے اول خان سے کہا اور خود سنی کا ریوالور نکال کر جان کے سر پر پہنچ گیا۔

کنپٹی پر پڑنے والی، آہنی دستے کی پہلی ضرب بہت بھرپور تھی مگر جان اذیت کے کئی مراحل سے گزرنے کے باوجود کسی وحشی سانڈ کی طرح ہوش و حواس میں تھا۔ اس پر غفلت ضرور طاری ہو گئی مگر بے ہوشی غالب نہیں آسکی۔ میں نے اس کے دکھتے ہوئے زخم پر بے رحمی سے دوسری ضرب لگائی اور وہ ہولے سے لرز کر ساکت ہو گیا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات سولہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو ساتھ ہی شائع ہو رہا ہے۔